تعارف

استاذ الشعراء فخرِ راجستھان عالیجناب
احمد علی خاں منصور صاحب جوروی
ایم۔ اے۔ بی ایڈ ادیب کامل (علیگ)

مرشدی پیر محمد ایوب تارک فاروقی سجادہ نشین بارگاہ سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ کی معرکۃ الآراء تصنیف تاریخ صوفیائے ناگور تحقیق و تدقیق کی روشنی میں

فنّ تاریخ نویسی اپنے اسباب و علل نیز اپنی معنوی حیثیت و فیض رسانی کی روشنی میں علوم دنیوی میں جس اہمیت کی حامل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسانی معاشرت کے نظم وضبط کو سمجھنے میں اور انسانیت کے لئے لائحہ عمل طے کرنے میں تواریخ کو وہی مقام حاصل ہے جو انفرادی زندگی میں انسان کے حافظے کو دیا جاتا ہے جس طرح ایک فرد سے اس کا حافظہ چھین لیا جائے تو اُس کی حالت اُس حیوان سے بھی بدتر ہو جائیگی جس کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو۔ اُس کے پاس نہ تو قوتِ ارادی ہی رہیگی اور نہ کوئی منصوبہ بلکہ منصوبہ بندی کے تمام دفاتر دیمکوں کی خوراک بن جائینگے اور اُنہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے کے تمام ذرائع اور وسائل یکسر بے معنی ہو جائینگے۔ یہی صورتِ حال انسانی معاشرت کی ہوگی اگر اُس سے اُس کا تاریخی ورثہ چھین لیا جائیگا۔ وہ کون ہے؟ وہ کیا ہے؟ اس نے اس سفر کا آغاز کہاں سے کیا تھا؟ اُسکی منزلِ مقصود کیا تھی؟ وہ کتنی مسافت طے کر چکا ہے؟ اور اُسے کتنا سفر کس سمت میں درکار ہے؟ اِن سوالوں کے جواب ذاتی زندگی میں کسی فرد کے حافظے میں ہوتے ہیں اور معاشرتی سطح پر تواریخ کے صفحات میں انسانی زندگی میں روز و شب نئے نئے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ بہر حال ہر واقعہ کسی اسباب و محرکات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ محرکات یا اسباب کی نشاندہی، ہی کا ایک نام "تاریخ دلنویسی" ہے، ہندی میں اسے اتہاس کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں "ایسا ہی ہوا ہے"، گویا یہ نام واقعات کی رونمائی اور اُس کے اسباب و علل دونوں کا بیک وقت احاطہ کرتا ہے۔ لیکن وثوق کے ساتھ یہ کہنا کہ ایسا ہی ہوا ہے

کب؟ کیوں اور کیسے! وغیرہ کا استفہامی تجزیہ کرنیکی ذمہ داری ہم پر عائد کر دیتا ہے اور
ہمارے ہاتھوں میں کئی کسوٹیاں تھما جاتا ہے۔ کب کیوں کیسے وغیرہ سوالوں کے ساتھ خود مورخ
اور اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کی شرائط عائد کر دیتا ہے۔ مورخ کو اسی
کٹہرے میں کھڑا کر دیتا ہے جسمیں احادیث کے راویوں کو کھڑا ہونا پڑا تھا۔ مورخ کے معتمد و
ثقہ ہونے کی بھی وہی شرائط ہیں جو راویوں کیلئے مقرر کی گئیں ہیں وہ صادق القول ہونا چاہیئے۔
وہ حرص و ہوس سے مبرا ہونا چاہیئے اور وہ بزدل نہیں ہونا چاہیئے اسے غیر جانب دار اور منصف
ہونا چاہیئے۔ وہ ضدی اور مغرور نہیں ہونا چاہیئے اور اسکی گذر بسر کسب حلال سے ہونی چاہیئے
محدثین نے اپنے راویوں کو کسوٹی پر کسنے کیلئے الرجال جیسی ضخیم کتاب لکھی جو شخصیت
کے ان کمزور پہلوؤں کا جائزہ لیتی ہے۔ فن تاریخ کیلئے بھی ایسا ضروری تھا مگر مورخین کی
شخصیت پر ایسی کوئی دستاویز مرتب نہیں کی گئی اور نہ کبھی ضرورت پیش آئی۔ تحقیق و
تدقیق کی۔ صدیاں بیت گئیں لیکن تاریخی ذخیرے پر تحقیق کا کام تاحال جاری و ساری ہے
اگر اپنے اشہب قلم کو لگام نہ دوں تو یہاں ایک طویل بحث شروع ہو سکتی ہے جو نہ تو میرا
مقصد ہے۔ اور نہ ہی منصب البتہ تاریخ کا متن کیا ہونا تھا اور کیا ہے اسی پر اکتفا کرنا
چاہوں گا ــــ کیا تاریخ وہ ہے جو جبر و استبداد کے پیکروں کی ایک طویل فہرست
ہمارے سامنے پیش کرتی ہے؟ کیا تاریخ وہ ہے جو درندہ صفت حکمرانوں کی رذالتوں کو
فضائل میں شمار کر کے ان کی قصیدہ خوانی میں رطب اللسان ہوتی ہے؟ جن کے ایما اور اشارے
پر پرامن انسانوں کے خون کی ندیاں بہائی گئیں، بستیاں اجاڑ، بیابانوں میں بدل گئیں
ہزاروں شہروں کو تہس نہس اور ان کے نہتے شہریوں کو خاک و خون میں غلطاں کیا گیا
لاکھوں معصوموں کے سر قلم کیئے گئے ان گنت دوشیزاؤں کی عصمت دری کی گئی اور انہیں
شہوانی ہوس کا شکار بنایا گیا۔ کیا تاریخ ان سفاک اور ظالم سلاطین کی مدحت سرائی کا
نام ہے جنکے خم ابرو کے ایک اشارے پر بیشمار آدم زادیوں کی مانگ کا سندور ہمیشہ

کیلئے پونچھ دیا گیا اور ہزاروں ماؤں کی گودیں اجاڑ دی گئیں؟ کیا تاریخ ان عیش پرست شہنشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنیکا نام ہے۔ جنکے حکم سے ہزاروں ہنرمندوں کی انگلیاں صرف اس لیئے تراش دی گئیں کہ کوئی دوسرا امیر اُن کی ہنرمندی کا فائدہ اُٹھاکر ناموری میں انکی ہمسری کا دعویٰ نہ کردے! پھر لہلہاتی کھیتیاں اُجاڑنا، بھرے پورے کھلیان جلانا ضعیفوں، ناتوانوں اور معصوموں کے خون سے ہولی کھیلنا، پھولے پھلے گلستانوں کو نذرِ آتش کرنا جنکا شوق رہا ہو انکے کالے کارناموں کو زینتِ قرطاس بناکر اس غلیظ و پلید خریطہ کو تاریخ کہا گیا ہو تو اُسے میرا سلام!۔

وہ جو صرف حاکم کی بات کرتا ہے محکوم کے درد کی ترجمانی نہیں کرتا، وہ جو ظالم کے حضور میں مجبر اگذار ہوتا ہے اور مظلوم کی نوحہ خوانی پر کان نہیں دھرتا، وہ جو بستیاں جلانے والوں کی انسانیت سوز حرکتوں پر شورِ تحسین بلند کرتا ہے۔ مگر جلنے والوں کی کراہیں سُنکر اُن پر آہ نہیں بھرتا اُسے مورخ کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ کیا مورخین اُن مشقتوں سے فی الواقعی واقف نہیں ہوتے جو دہقانوں اور کسانوں کو پیش آتی ہے۔ کسان جو سورج نکلنے سے اُن تمام اوزاروں اور آلات کو کاندھے پر لاد کر بیلوں کیساتھ لیئے کھیتوں کی طرف چل دیتا ہے اور زمین کھودنے اُسے ہموار کرنے اور ہل چلانے میں خون پسینہ بہاتا ہے۔ اور اندھیرا ہونے کے بعد گھر کو لوٹتا ہے فصلوں کے بارآور ہونے تک بلا ناغہ ایسا ہی کرنا جس کی زندگی کا معمول ہوتا ہے اور جسکی مشقتوں کے نتیجے میں خلقِ خدا اپنا پیٹ بھرتی ہے کیا مورخ نہیں جانتا کہ لاکھوں کروڑوں مزدوروں کا خون پسینے میں بدلتا ہے تب تیار ہوتی ہیں وہ فلک بوس عمارتیں جن میں رنگینیاں مناتے ہیں وہ حکمراں وہ سلاطین وہ شہنشاہ وہ امیر و امراء وہ رئیس وہ دھنا سیٹھ اور وہ اربابِ اقتدار جنکی نظر میں زندگی صرف عیش و تعیش کا نام ہے۔ وہ حق گوئی وہ بیباکی سے جسکو عار ہو وہ کہ نابکاروں کی مدحت سرائی جس کا شعار ہو، وہ جو بیکسوں اور مظلوموں کو درخورِ اعتناء نہ گردانتا ہو، وہ جو صرف طاقتوروں اور ستمگاروں کو جانتا ہو اور انکی ستائش

کو باعثِ اکرام مانتا ہو میں اُسے مورّخ مانوں اور اُس کے قول پر آمنا و صدقنا کہوں میرا ضمیر مجھے اسکی اجازت نہیں دیتا۔

البتہ میری نظر میں ایک جماعت ہے جس نے خلق خدا کی بے لوث خدمت کو اپنا مقصدِ حیات بنایا جو بچھڑوں کو ملانے کا، روٹھوں کو منانے کا، بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھانے کا مبارک و مستحسن کام انجام دیتی رہی جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے اور غرورِ شہنشاہی کو توڑنے کو اپنا مقدس فریضہ مانتی رہی جس نے تمام انسانوں کو بلا تفریق مذہب و ملت اُخوت کے رشتے میں پرو دیا جن کی دعائیں قبولِ بارگاہ رہی جن سے بیشمار شفا پاتے رہے جن کو بے سہاروں نے اپنا سہارا سمجھا، مفلسوں مجبوروں اور خلق کے ستائے ہوؤں نے جن کے آستانوں پر آکر راحت و اطمینان کی سانس لی جنہوں نے ہمیشہ صُلح و آشتی اور امن کا پیغام دیا، بندگانِ خدا کو آفات سے بچایا اور اپنے حقیقی پالنہار سے ملایا۔ اُونچ نیچ ذات پات، رنگ بھید اور طبقاتی نظام کو یک لخت ختم کر کے اعلیٰ و ادنیٰ کو ایک صف میں لا کھڑا کیا وہ جماعت جس کو نہ دُنیوی جاہ و جلال کی چاہ تھی نہ شاہانہ رعب و دبدبے کی پرواہ، اُس جماعت کے کمسن سال بھی اپنی جوانمردی کے جوہر دکھاتے رہے اور نام نہاد جہانگیروں اور عالم پناہوں کو بھی جلالِ خداوندی سے ڈراتے رہے اور اُن کی ستائی ہوئی مخلوق کو اپنے دامن میں امان دیتے رہے۔ اپنے سینے سے لگا رہے۔ یہ وہ جماعت تھی جس کا حرص و ہوس سے کوئی واسطہ نہیں تھا وہ اللہ کے ولی تھے اور آیۂ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؕ اُن پر صادق آتی تھی۔

ایک تاریخ اِن صوفیائے کرام کے ذریعہ بھی مرتب ہوتی رہی ان کے در، ہر اعلیٰ و ادنیٰ کیلئے کُھلے رہتے تھے۔ خلق خدا بلا امتیاز مذہب و ملت ان کے حضور میں داد و فریاد لیکر آتی تھی اور بے خوف ہو کر اپنے رنج و غم کا بیان کرتی تھی اور حق داد رسی پاتی تھی سلاطین وقت بھی اُن کے آستانے پر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ حاضر ہوتے تھے۔ اور ان بے مرادوں کی مُرادیں بھی یہاں سے پوری ہوتی تھیں جن کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔

ان کی گدائی میں بھی ایک عجیب شانِ کبریائی تھی۔ انہیں صوفیائے کرام میں سے ایک نہایت عظیم المرتبت صوفی تھے حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کا صوفیائے کرام میں جو مرتبہ رہا ہے اس کا اندازہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے اس اقوال سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے " آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیوخ میں سے نہایت عظیم المرتبت شیخ حمید الدین ناگوری ہیں۔ زہد و ریاضت کے ساتھ ساتھ علم و فضل کے جو سرچشمے ناگور سے جاری ہوئے اُن کا بیان میری بساط سے باہر ہے۔ یہ وہی بارگاہ ہے جس نے دربار اکبری کو ابوالفضل اور فیضی جیسے رتن مُہیا کئے اُن کی نشاندہی سے میرا مقصد صرف اور صرف اُن کی تبحرِ علمی کا احساس دلانے سے ہے اُن کے کردار سے نہیں۔ سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خاندان میں بہت سے ایسے بزرگ ہوئے ہیں جو اپنے دور کے واقعات اور حالات کو تاریخی اعتبار سے مثبت پیمانے پر سپردِ قلم کرتے رہے۔ صوفیاء کرام کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں مرشدی محمد ایوب صاحب تارک ناگوری دامت برکاتہ سجادہ نشین درگاہ عالیہ سلطان التارکین۔

محلہ بہشتیان، بیکانیر کے نعتیہ تغزلی اور منقبتی مشاعروں میں جو پچھلی نصف صدی سے بلاناغہ منعقد ہوتے آرہے ہیں اللہ عزوجل کے کرم سے ان مشاعروں میں اکثر و بیشتر خاکسار کو شرکت کرنیکا شرف حاصل ہوتا رہا ہے یہ مشاعرے عام طور پر آل راجستھان اور گاہ بگاہ کل ہند پیمانے پر بھی منعقد ہوتے ہیں میری خوش نصیبی ہیکہ یہی مشاعرے جناب تارک ناگوری سے میری ملاقات اور اُن سے فیضیاب ہونیکا وسیلہ بنے۔ پچھلے چار پانچ برسوں میں مجھے مرشدی محمد ایوب صاحب تارک ناگوری کے ساتھ تادیر رہنے اور بات چیت کرنیکا بھرپور موقع ملا بہ سبیل تذکرہ تاریخ صوفیائے ناگور بھی زیرِ بحث آتی رہی۔ تارک صاحب نے اس تاریخ کو تین جلدوں

میں مرتب کر رکھا ہے مجھے اشتیاق تھا کہ میں انہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں تارک صاحب نے میری اس خواہش کو دیکھتے ہوئے مجھے ناگور آنے کی دعوت دی اور میں پہلی فرصت میں آپکے دولت کدے پر حاضر ہو گیا ۔۔۔ تاریخ کے نام پر مجھے پیش ازاں جو کچھ بھی پڑھوایا گیا تھا وہ فی الواقعی فن تاریخ کے نام پر ایک بدنما داغ تھا۔ تارک صاحب نے تینوں جلدوں پر مشتمل اس تواریخ کو جس محنت اور مشقت نیز تن دہی کے ساتھ ترتیب دیا ہے وہ یقینی طور پر ایک نادر و نایاب تاریخی نسخہ کہلانے کی مستحق ہے۔ اس تاریخی نسخے کو صوفی حمید الدین ناگوری سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کے خود قلم خطوط نیز مراسلات کے وسائل سے سجایا گیا ہے اور اپنے دیگر بزرگوں کے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات، احالات و حادثات کو جس مثبت و ذمہ دارانہ انداز میں قلم بند کیا گیا ہے اسکی روشنی میں کوئی بھی صاحب فہم و ادراک نیز منصف مزاج انکی تاریخی حیثیت سے انحراف نہیں کر سکتا یہ تحریری حوالے اس کتاب کے ثقہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہیکہ تاریخ صوفیائے ناگور ایسے صدہا حقائق کی نقاب کشائی کریگی جنھیں دانستہ یا نادانستہ طور پر نامور مورخین و محققین نے زاویۂ خمول میں ڈالے رکھا تھا سینکڑوں واقعات آپکے مطالعے اور مشاہدے میں آئینگے جن سے بڑے بڑوں کی قلعی کھل کر رہ جائیگی جو بزعم انا یہ کہتے رہے ہیں کہ وہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا" تحقیق و تدقیق میں اس قدر دشواریاں پیش آتی ہیں اور اس قدر پیسہ صرف ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ لگانا چاہیں تو موٹے طور پر فارسی، عربی، انگریزی وغیرہ کے اُن مکاتب نیز مضامین کا اردو ترجمہ کروانے اور اُن رسائل و جرائد گزیٹیئر نیز نادر و نایاب تاریخی نسخوں کی زیراکس نقول حاصل کرنے اور دور دراز کی مسافتیں طے کرتے ہوئے کبھی دلی، کبھی علی گڑھ کبھی حیدرآباد دکھن، کبھی احمد آباد، کبھی ممبئی پہنچنے اور اُن کے کتب خانوں اور لائبریریوں سے تاریخی مواد حاصل کرنے میں دامے درمے قدمے سخنے جو مشکلیں جناب سید محمد ایوب صاحب تارک نے برداشت کی ہیں اور صعوبتیں اٹھائی ہیں انکا اندازہ دور بیٹھکر نہیں لگا سکتے

بلند دروازہ

صوفی حمید الدین چشتی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ناگور شریف
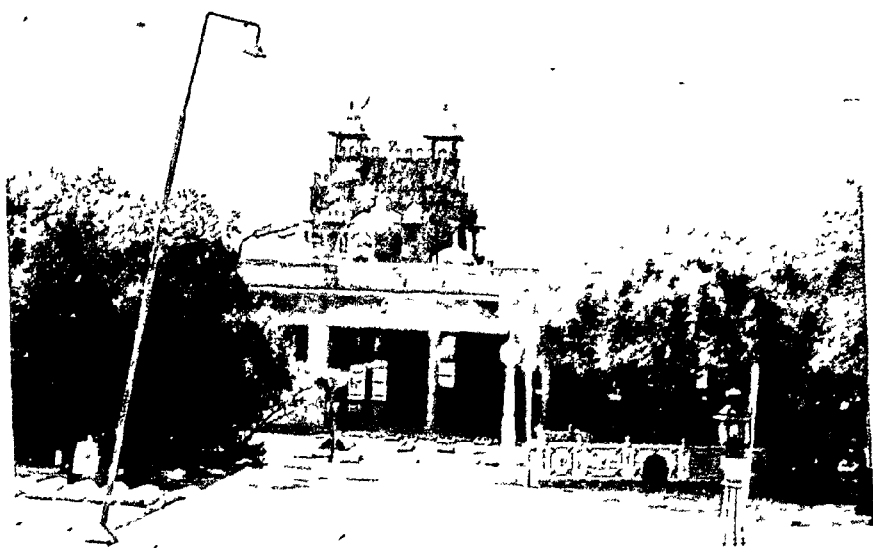
مزارِ اقدس حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین چشتیؒ ناگور شریف

مزار اقدس:- حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ
مہرولی شریف دہلی
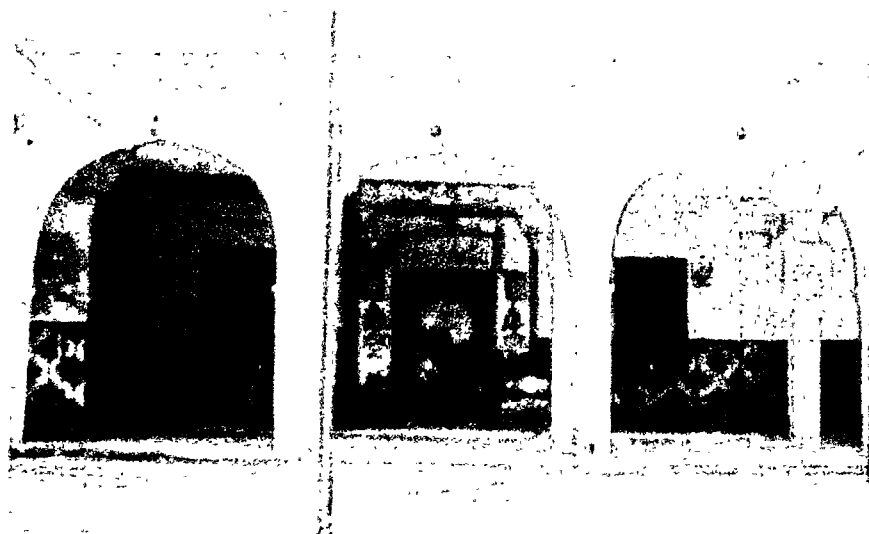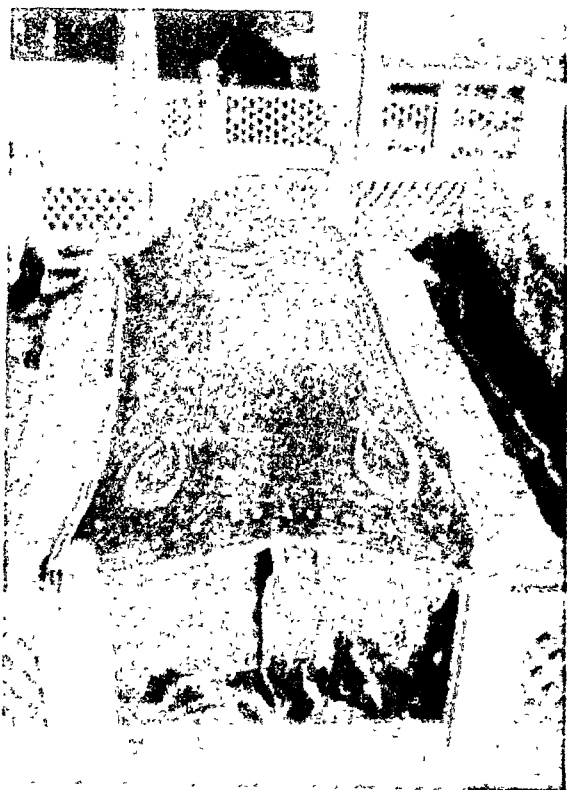
یادگار:- مسجد نبوی تعمیر قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی محلہ خرادی واڑہ ناگور (راج)
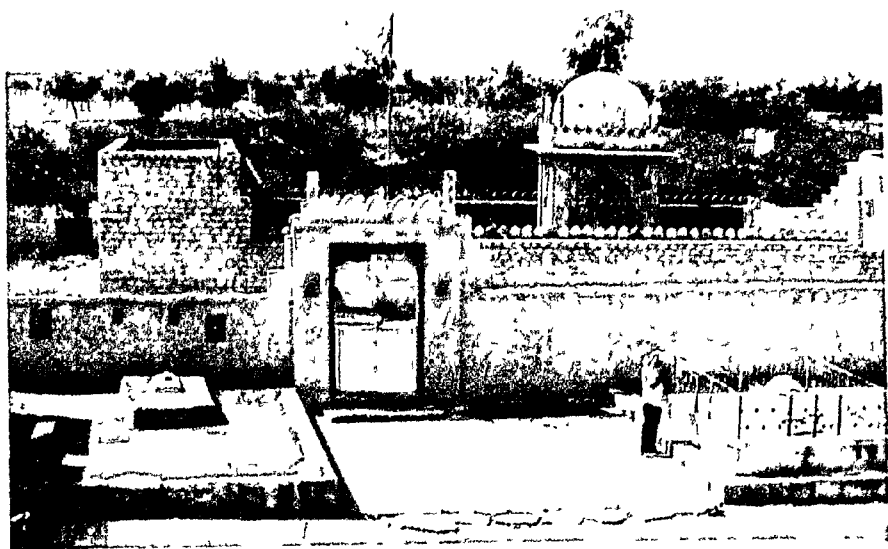
درگاہ حضرت سید امام نور شہید دلّی گیٹ کے باہر ناگور
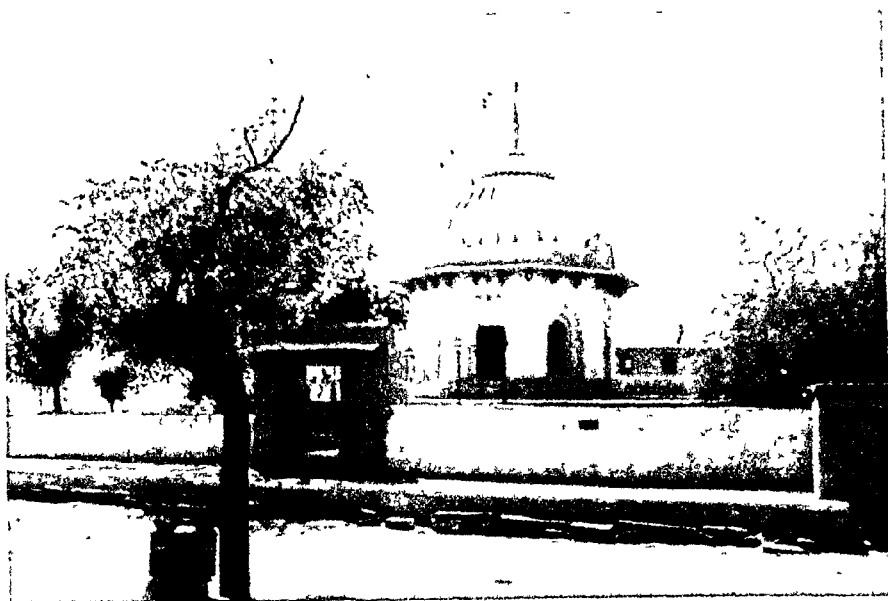
درگاہ حضرت حسن شہید رح کھاری
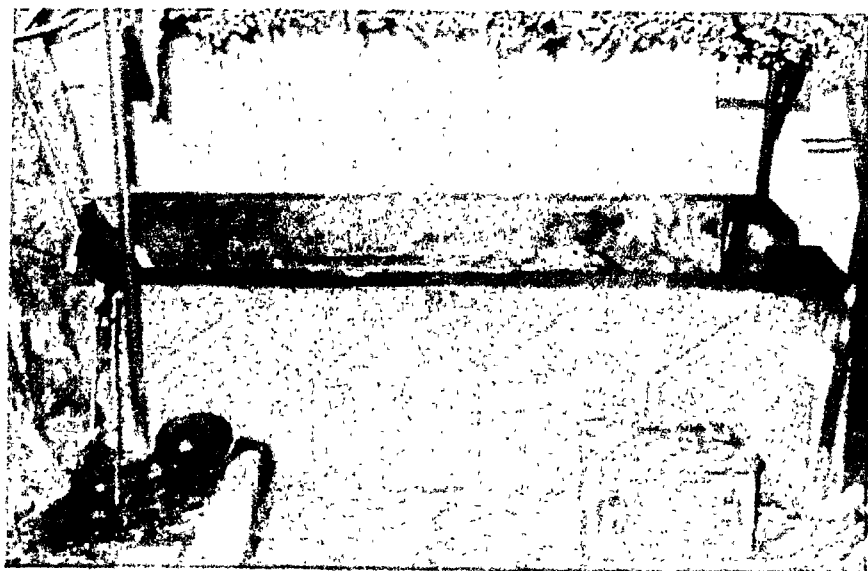
درگاہ :- بی بی راستی بنتِ بادشاہ محمد تغلق شاہ ڈیہہ ضلع ناگور

یادگارِ مقبرہ شمس خان خانزادہ گورنرِ ناگور اور شمسی جامع مسجد ناگور (راج)
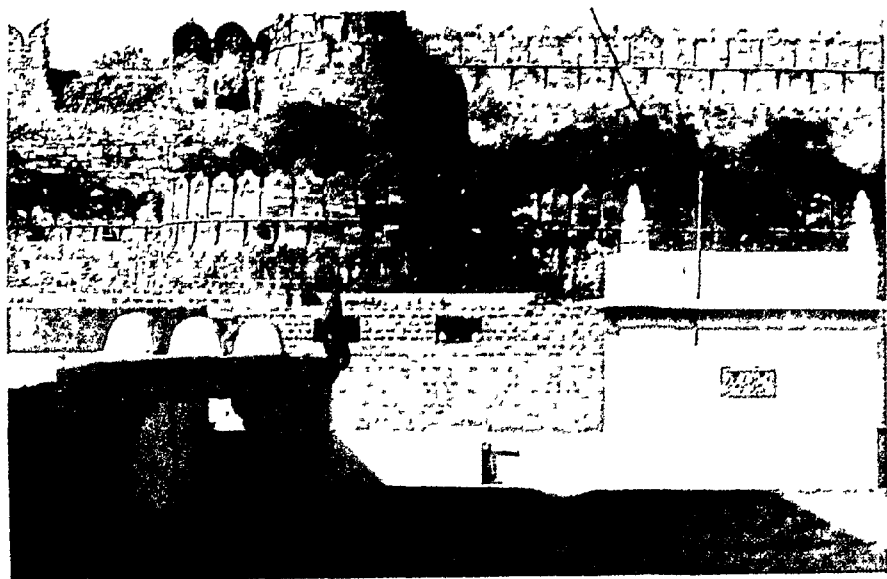
درگاہ حضرت ناصر نول عرف نوشہ نول 3 صدر بازار ناگور

مزار اقدس حضرت غیب نا غازی گیندانی تالاب زیر مسجد اکبری
منارؤ جانب شمال ناگور۔

درگاہ حضرت احمد ظہیر الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان درگاہ روضہ پیر ناگور

دار العلوم سلیمانیہ چشتیہ سہروردیہ ناہرپول ناگور

حضرت حمید الدین خوئیؒ پیر خرقہ صوفی حمید الدین ناگوریؒ کا
روضہ پیر کا درگاہ ناگور
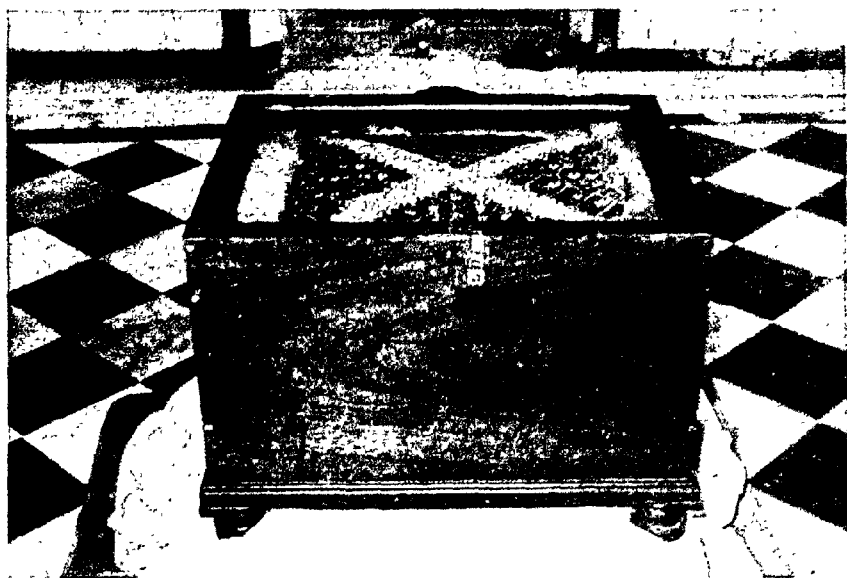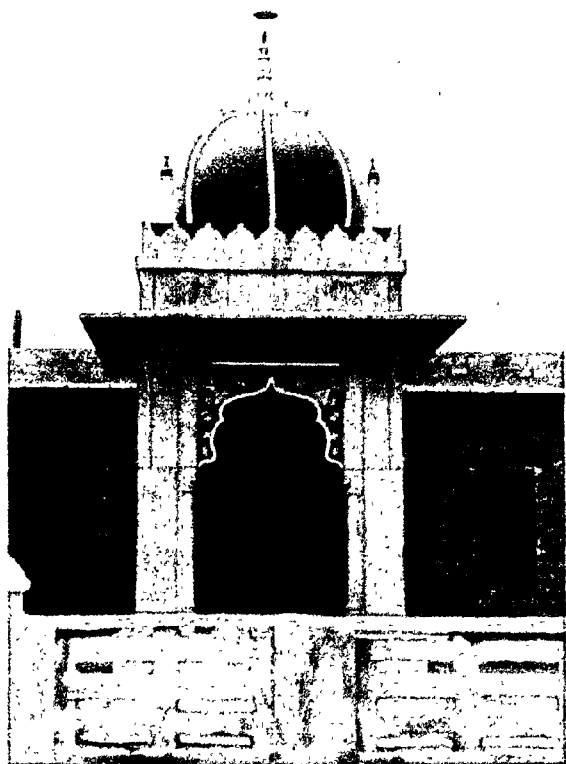
جبہ مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم   روحل شریف

پير پهاڙي روحل شريف

گوري جو روحل شريف
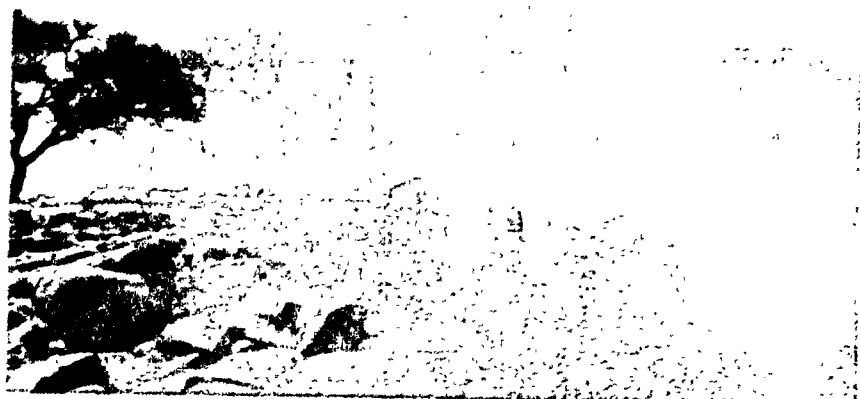
"تاریخ صوفیائے ناگور کے چاروں جلدوں کے بغور مطالعے کے بعد یقینی طور پر آپ میرے اِس فیصلے کی تائید فرمائیں گے کہ مرشدی محمد ایوب صاحب تارکؔ کی یہ تصنیف انہیں ایک دقیقہ سنج محقق اور ایک تاریخ ساز مصنّف کہلانے کا بجا طور پر مستحق بناتی ہے۔ تارکؔ صاحب نے فنِ تاریخ پر جو ناقدانہ بحث مجھ ناچیز سے کی ہے اس سے میرے ذہن وادراک کی جو عُقدہ کُشائی ہوئی ہے اُسکا میں دلکی گہرائیوں سے اعتراف کرتا ہوں اور اُن کے لیئے اپنی عقیدت کا اظہار نہ کرنا اپنی کم ظرفی گردانتا ہوں۔

تاریخ صوفیائے ناگور مُلک وملّت کے تاریخی سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ ثابت ہوگی اسے قبولِ عام حاصل ہوگا اِس کا مجھے پورا اعتماد ہے۔

احمد علی خاں منصور چودری
ایم، اے۔ بی ایڈ ادیب کامل (علیگ)

تقریظ جلیل

قاضی شرع حضرت مولانا حافظ و قاری قاضی
محمد معراج عثمانی صاحب قبلہ
قاضی شہر ناگور راجستھان - الہند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْمُصْطَفٰی

حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین چشتی فاروقی علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں - لاکھوں انسانوں کے دلوں پر آپکی عقیدت کی مہر لگی ہوئی ہے اور لاکھوں انسان آپکے روحانی فیوض و برکات سے فیض یاب ہوتے آئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے - ہزاروں لاکھوں انسانوں پر مشکل کے وقت آپ کا نام نامی اسم گرامی بے ساختہ زبانوں پر آجاتا ہے - ہزاروں کی تعداد میں مقامی عوام الناس کے علاوہ لاکھوں بیرون عقیدت مند زائرین اور درد مند حضرات ہر سال آپکے عرس مبارک کے موقع پر دربار صوفی میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں آپکے نور ایمانی اور فیض روحانی نے ظلمت کی چادر کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بدل دیا - آپ نے ایک ایسے دور محبت کی بنیاد رکھی جسکو ہم بجا طور پر امن و آشتی اور روحانی تسکین و طمانیت کا دور کہیں تو غلط نہ ہوگا - آپکے مدارج روحانی و ایمانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے آپکو سلطان التارکین کے لقب و خطاب سے نوازا - انسانیت کے علمبردار آج حیران و پریشان و سرگرداں نظر آتے ہیں - وہ کبھی تو اپنی مشکلات کا حل اور اپنے امراض قلب کا علاج اُن سفید پوش دنیا پرست جو کبھی علماؤں کے بھیس میں، کبھی عملیات کے ذریعہ عامل بنکر اِن شعبدے بازوں میں جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور ہے - اپنے مکر و فریب کے ذریعہ اپنے دلالوں کی معرفت مصیبت زدہ انسانوں کو بلوا کر انکو اپنے جالوں میں پھنسا رہے ہیں - بھولی بھالی عوام اُن نقلی فرشتہ نما نیک شکل و

وصورت والو بنی پناہ گاہوں میں جاکر اپنے درد کا درماں اور پناہ تلاش کرتی ہے اور کبھی ان گذرے ہوئے شہنشاہوں کے مقبروں اور تاریخی یادگاروں میں جاکر سکونِ دل حاصل کرنیکی کوشش کرتی ہے۔ ان ناسمجھ انسانوں کو ان اللہ کے دیبوں کے دربار جو نورِ خداوندی سے جگمگا رہے ہیں نظر نہیں آتے دراصل انسان کی اور انسانیت کی نجات اور فلاح و بہبود کیلئے راجستھان ہی میں چند مخصوص ایسی خانقاہیں موجود ہیں جہاں پر دلی سکون مل سکتا ہے۔ انہیں آستانوں میں ایک آستانہ حضرت والیٔ ولایت صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ خلیفۂ خاص حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی مرجع خلائق ہے۔ جہاں پر دل آرام و دل آزاروں کا علاج روحانی جاری وساری ہے لیکن اس کے لئے یقین کامل کی ضرورت ہے۔ اس برگزیدہ ہستی کی خوبیاں بیان کرنا مجھ جیسے کم علم عالم کی بساط سے باہر ہے۔ ہر ظلم وستم کے ستائے مصیبت زدہ انسانوں کے لئے دلی سکون حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین جیسی پاک اور عظیم المرتبت شخصیت کے کردار، تعلیمات، سیر واحوال میں مضمر ہے۔ کوئی بھی انسان آپکے نقش قدم پر چل کر دیکھ لے۔

اس عظیم الشان بزرگ کی سیرا ور سوانح حیات کے لئے آپ کے نبیرہ اور صاحب سجادہ حضرت پیر طریقت صوفی محمد ایوب تارک صاحب ناگوری مدظلہ العالی نے اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھکر ایک عرصۂ دراز کے بعد اپنے جدا علیٰ حضرت صوفی حمید الدین علیہ الرحمۃ اور اپنے نانا حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی پر بڑے حقائق ودقائق کی روشنی میں بہت ہی جانفشانی کے بعد تاریخ صوفیائے ناگور تین جلدوں میں تصنیف فرمائی ہے۔ اس کتاب میں حضرت سلطان التارکین علیہ الرحمۃ اور قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری علیہ الرحمۃ کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے ان حضرات کی سوانح مقدسہ میں آپکی عادات وخصائل

اشغال زندگی، تعلیمات، مذہبی روحانی جذبات کو تفصیل کیساتھ پیش کیئے گئے ہیں۔
مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھکر ہر خاص و عام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا چونکہ آج تک ان دونوں بزرگوں کی سیرت مبارکہ پر کوئی تحقیقی اور مکمل کتاب ظہور میں نہیں آئی۔ سینکڑوں عقیدت مند حضرات کی بھی یہ دلی خواہش تھی کہ ان بزرگوں کے حالات پر کوئی کتاب منظر عام پر آئے۔ حضرت پیر محمد ایوب صاحب تارکی نے مقامی و بیرونی ہزاروں دلوں کی دلی آرزوؤں کو پورا فرمایا ہے۔ جزاک اللہ فی الدارین۔ اور اپنے ان چشتی سہروردی بزرگوں کے قلمی ذخیرۂ کتب کو منظر عام پر لاکر ایک کارہائے نمایاں انجام دیا ہے جسکا مدت سے مقامی و بیرونی عوام الناس کو انتظار تھا۔ آپکا یہ کارنامہ قابل صد تحسین ہے۔ آپکی شخصیت راجستھان کیا بلکہ بیرون راجستھان کے ہر خاص و عام کی نظروں میں ہر دلعزیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپکے حسن اخلاق، حسن کرداری کی دنیا گرویدہ ہے کیوں نہ ہو آپ حضرت صوفی حمید الدین چشتی علیہ الرحمہ کی صحیح النسب اولاد اور صاحب سجادہ بھی ہیں مجھ ناچیز پر آپکا بڑا کرم ہے۔ آپ روزانہ بلا ناغہ درگاہ شریف سے آتے وقت میرے غریب خانے پر ایک گھنٹہ اور کبھی دو گھنٹہ بیٹھ جاتے ہیں اور اپنی نصیحت آموز گفتگو سے ہمیں لطف اندوز فرماتے رہتے ہیں یہ آپکی کرم نوازی ہے یہ خاکسار بھی اکثر و بیشتر آپکے دولت خانے پر چلا جاتا ہے آپ مجھ سے بڑی محبت فرماتے ہیں اور کئی مرتبہ میرے سامنے اپنی کتاب کا مسودہ بھی رکھدیتے تھے اور فرماتے کہ پڑھو اور دیکھو کہ ہم نے کیا لکھا ہے۔ بارہا اس مسودہ کو پڑھنے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ مجھے یقین ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ آپکی یہ معرکۃ الآراء کتاب تاریخ صوفیائے ناگور مع سلاطین وقت جو تین جلدوں میں مرتب فرمائی گئی ہے انشاء اللہ تاریخ کی دنیا میں ایک نیا انقلاب برپا کردیگی اور جن مورخین سے غلطیوں کا صدور ہوا ہے اسکی بھی نقاب کشائی فرمائیگی اور مقبولیت کا درجہ حاصل کریگی۔ آمین یا رب العٰلمین۔ فقط والسلام

العبد المذنب :- محمد معراج عثمانی شہر ناگور راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مصنف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ وحبیبہ محمدن المصطفیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحٰبہ اجمعین

اما بعد!۔

لکھو تو آج تارک داستاں ناگور کی لکھ لو!
کہیں ایسا نہ ہو کل موت ہاتھوں سے قلم لے لے۔

قابل ذی احترام برادران اسلام علمائے کرام و مشائخ عظام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

بندہ کمترین پیر محمد ایوب تارک چشتی فاروقی سجادہ نشین جدِ اعلیٰ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ عرض گذار ہے کہ عرصۂ دراز سے اس فقیر حقیر کی دلی تمنا تھی کہ اپنے بزرگوں کے حالاتِ زندگی پر کوئی مربوط و مثبوت کتاب سپردِ قلم کر کے اہلِ ناگور کی خدمت میں پیش کروں۔ آج کے ناگفتہ بہ حالات میں ایسی کتاب کی اشد ضرورت ہے اس کا مجھے احساس ہے۔ اس سلسلہ میں مقامی و بیرونی عقیدت مندان کی بھی خواہش تھی نیز اصرار بھی تھا کہ میں اپنے جدِ امجد صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ و اپنے نانا قاضی حمید الدین سہروردی صدیقی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں کوئی تحقیقی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ کوئی ایسی کتاب لکھوں جو تاریخی اعتبار سے مستند بھی ہو اور محقق بھی۔ اس موضوع پر لکھنے کے لئے نہایت سنگلاخ راستوں کا ایک طویل سفر درکار تھا مجھ فقیر حقیر کے لئے اس کی ہمت جٹانا بہت کٹھن بھی تھا اور حوصلہ شکن بھی۔ مجھے اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی کا احساسِ کمتری کھائے جا رہا تھا۔ اپنے بزرگوں کے

فضل و کرم سے تحقیقی معلومات کے ذخیرے کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن وو یک من نقل را دہ من عقل باید" و نہ میں عربی داں نہ فارسی خواں" اور یہ سب تو انہیں زبانوں میں تھا بہر حال عقیدت مندوں اور بہی خواہوں کا اصرار میری توبۂ نصوح پر غالب آیا۔ بزرگوں کی دعائیں سے کچھ ایسی شخصیات سے وابستگی حاصل ہو گئی اور راہیں جو دشوار گزار تھیں آسان ہونے لگیں اور یہ کہتے ہوئے۔ ؎

کیوں نہ بڑھتا رہوں میں لیکے صداقت کا علم
میرے اسلاف کا کردار مرے سامنے ہے

قلم کو جنبش دینے پر مجبور ہو گیا اور لرزتے ہوئے دل سہمی نظر اور کانپتے ہاتھوں ایکی خدمت میں ایک نذرانۂ عقیدت ایک تہی دست جذبۂ جنون خالی از سوز دروں "بندۂ ناتواں کی بے قرار آرزوؤں کا عکس ناتمام، فصاحت و بلاغت اور ادب و انشا کی تمام رنگینیوں سے مبرا مگر بایں ہمہ پڑھنے کے قابل کیونکہ اسمیں دلِ بیتاب کی دھڑکنیں جذبۂ وجنوں کی بے تابیاں اور عزم و یقین کے شعلہ فشاں شرارے شامل ہیں۔

ان تمام صعوبتوں کے باوجود میں نے وو تاریخ صوفیائے ناگور مع سلاطین وقت" کے ارقام کے لئے رختِ سفر باندھ لیا اور نوکِ قلم سے جبین قرطاس پر اس عنوان کے اتر تے ہی مجھے اپنا وجود شیشے کے حصار میں محصور نظر آنے لگا جہاں اپنی ذات کے علاوہ اور بھی کئی چہروں کی جھلکیاں میں دیکھ رہا ہوں اگر میں ان کی تگ و دو کا ذکر نہ کروں تو یہ بڑی ناانصافی ہوگی۔ یہ وہ چہرے ہیں جنھوں نے مجھے تصنیف کے صحرائے لق و دق میں بھٹکتا دیکھ کر محبت اور انسانیت کے ناطے میری رہنمائی کو اپنا فرض سمجھا۔

میری ذات کے خم گردوں پر نظام شمسی کی طرح گردش کرتے ہوئے ان چہروں میں پہلا اور نمایاں محسن چہرہ جناب پروفیسر اختر حسین نظامی صاحب کا ہے جو شہاب ثاقب کی طرح ٹوٹ کر میری اندرونِ ذات کے اس اندھیرے پر گرا جس نے مجھے اپنے لہجے اور آہنگ

کی لطیف نوعیت کے ساتھ ساتھ عصری حیثیت سے مطابقت وہم آہنگی کے عرفان کو کسی
حد تک گہرائی عطا کی اور انگلش لٹریچر کا ترجمہ اردو میں کروانے میں اپنا تعاون پیش کیا
ان شخصیتوں کے چہروں میں ایک اور نمایاں چہرہ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کا ہے
جس کی کرن نے میرے اُفق کو منور کیا اور اپنی ضرب تیشہ سے پتھر کو نگینہ بنا کر ہی دم لیا۔
تیسرا چہرہ میرے کرم فرما جناب ڈاکٹر زیڈ۔ اے۔ دلیسائی صاحب کا ہے بغیر آپکی مدد کے
یہ کام پائے تکمیل تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔ آپنے انگلش کے میگزین ناگور اور ضلع ناگور کے
کتبات کی سروے رپورٹیں ارسال فرمائیں اور بڑی نایاب کتابوں کی زیراکس بھی عنایت
فرمائیں جو ناگور اور ضلع ناگور سے تعلق رکھتی تھیں اگر ان کتابوں کے زیروکس فقیر کو نہیں ملتے تو
ناگور اور ضلع ناگور کی تواریخ میں تشنگی رہ جاتی اس دور انحطاط میں ایسا با اخلاق انسان میرے
دیکھنے میں نہیں آیا میں آپ کا بھی بہت ممنون و مشکور ہوں اور دست بدعا ہوں کہ آپ جن
بیماریوں میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ آپکو ان بیماریوں سے صحت کاملہ عطا فرمائے آمین ثم آمین۔
چوتھا چہرہ میرے کرم فرما دوست ڈاکٹر نثار احمد فاروقی جنھوں نے کتابی معلومات فراہم کیں
پانچواں چہرہ میرے مشفق دوست جناب ڈاکٹر عبدالحلیم صدیقی نے کتابی تعاون فرمایا۔
چھٹا چہرہ میرے قریبی دوست محترم جناب حسنات احمد ناطق اشرفی باسنوی کا ہے
جنھوں نے سرور الصدر در نور البدور کے ترجمے میں میرا تعاون فرمایا اور ان کے علاوہ میرے
ہم جماعتی میں پیر منور عالم فاروقی اور پیر عبدالرحمٰن فاروقی نے بھی کتابی تعاون فرمایا دیگر
میرے قریبی احباب میں جناب شہر قاضی محمد یعقوب صاحب مرحوم اور ان کے پوتے اور
جانشین جناب مولانا حافظ و قاری شہر قاضی محمد معراج عثمانی ناگوری نے بھی اس کام میں کتابی
تعاون فرمایا اس کے علاوہ کئی محسنین مقامی عقیدت مندان صوفی میں ملتانی آہنگران لوہار
پورہ ناگور اور بیرونی حضرات میں جودھپور، بیکانیر، جے پور کے اہل عقیدت نے میرے ساتھ
مالی تعاون فرما کر فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی میں اس شعر کے ساتھ ان تمامی حضرات کا شکر

گذار ہوں۔

ے حوصلہ افزائی لوگوں کی ہمت خیز ہے ٭ شکر کی مے سے پیالہ قلب کا لبریز ہے

جب میں نے تاریخ صوفیائے ناگور کے ارقام کیلئے قدم بڑھایا تو ذہن و دماغ میں عجیب و غریب سوالات و خیالات جنم لینے لگے۔ سوچتا رہا اور کہتا رہا ے

ے کتنی یادیں تمہاری راہ میں ہیں ٭ کتنے نقشے دل و نگاہ میں ہیں

آخر اس خاکسار نے کتابوں کے مطالعہ کے سلسلہ میں رخت سفر باندھ لیا اور ایک طویل سفر بھی طے کیا۔ مثلاً حیدرآباد دکھن۔ احمدآباد، بمبئی، علیگڈھ، لکھنؤ۔ بارہ بنکی، دیوی شریف۔ دلی۔ اجمیر۔ جے پور۔ اودے پور۔ جودھپور۔ بیکانیر۔ لاڈنوں۔ کھاٹو۔ اور دیگر کئی مقامات پر جہاں سے بھی تاریخ ناگور کے سلسلے میں کتابی تعاون اور مدد مل سکتی تھی دیوانہ وار جرأتِ رندانہ اور جسارت ناروا دکھلاتے ہوئے تمام صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے پہنچا لوگوں نے میرا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال فرماکر میری ہمت افزائی اور رہنمائی فرمائی میں ان سبھی حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہوں اس کے لئے ہزاروں روپئے کی کتابیں بھی خریدیں اور آمد و رفت میں بھی کافی صرفہ ہوا۔ مگر یہ سوچ کر قدم بڑھاتا رہا۔ ع ہمت مرداں مددِ خدا۔ ے

ے مشکل نیست کہ آساں نہ شود ٭ مرد باید کہ ہراساں نہ شود۔

ے رکاوٹیں ہیں مگر راہ ڈھونڈ ہی لونگا ٭ میں دل میں لیکے چلا ہوں نشان منزل کے

بہرحال " ناگور " راجستھان کا وہ مقدس مقام اور صوفی کی نگری ہے جسکو مدینۃ الاولیاء اور گنج شہیداں کہا جاتا ہے۔ جس سرزمین پر ہزاروں اللہ کے ولی آسودۂ خاک ہیں جنھوں نے اس سرزمین ناگور کو اپنی روحانی خوشبو سے معطر کر رکھا ہے یہی وہ مقدس شہر ہے کہ جب شیخ احمد مجد شیبانی علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ناگور تشریف لائے اور آپکے ساتھ ہزاروں غوث و قطب

ولی بھی تشریف لائے تھے۔ مگر افسوس یہ کہ تاریخ داں حضرات نے اس پر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ یہی وہ مقدس صوفی کی نگری ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اولیاءِ کرام و صوفیانِ عظام نے توحید و سنت کا نغمہ چھیڑ کر دینِ ایمانی کی روشنی کو نمایاں کیا ہے۔ انہیں اولیاءِ کرام و بزرگانِ عظام میں حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور صوفی حمید الدین چشتی ناگوری علیہما الرحمۃ کے اسمائے گرامی ہیں جنکو ربِّ کریم نے اوائلِ شباب میں غمگساری تقویٰ شعاری اور بے پناہ فکرِ ملّی سے نوازا تھا۔ بایں وجہ موصوف حضرات گرامی نے ناگور میں قرآن و سنت کی روشنی بکھیر کر شرک و کفر کی ظلمت کی چادر کو تار تار کیا ہے۔ اور بندگانِ خدا کو اپنا اسوۂ حبیبِ ربِّ اعلیٰ کا عاشق بنایا ہے۔ یہ حضرات حسنِ تقویٰ، حسنِ عاقبت حسنِ اخلاق، حسنِ کردار کے شیدائی تھے۔ انہیں حضرات میں قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرتِ صوفی حمید الدین چشتی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کرم فرمائیوں سے اور معجزاتِ نبوی کی جلوہ آرائیوں سے راجستھان ہی نہیں پورے ہندوستان کو روشناس کیا ہر دو حضرات موصوف اسم بامسمّٰی تھے انہوں نے صرف دین ہی کی خدمت نہیں کی بلکہ تحمید و توحید باری پر اپنے دل کو قربان کر دیا۔ ان کی طریقت میں صرف مستیٔ احوال ہی نہیں تھا بلکہ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کے اصول ہی ان کی زندگی کے متبرک و مقدس آئین تھے۔ اپنے دور کی اہم محبوب و مقبول شخصیت کے مالک تھے ان کی تمام علمی، ادبی، ثقافتی، سماجی، سیاسی، اور شخصی صفات کا چند صفحات میں احاطہ کرنا دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے پینتیس[۳۵] چالیس[۴۰] سال کی مدتِ مدید اور عرصۂ بعید کی جد و جہد کے بعد آج یہ کتاب تاریخ صوفیائے ناگور راجستھان جلد اوّل[۱] دوم[۲] سوم[۳] مکمل ہو کر آپکے ہاتھوں کی زینت بننے کیلئے آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ جلد چہارم[۴]

منظوم سیر صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ پر مکمل تیار ہے انشاء اللہ زندگی نے وفا کی تو آپکی خدمت میں اس کے بعد پیش کرونگا۔ اس تاریخ ناگور راجستھان میں وہ تمام باتیں مل جائینگی جن کا آپکو مدت سے انتظار تھا۔ بتقاضۂ بشریت غلطیوں کا صدور ہو سکتا ہے۔ اگر کسی طرح کی کوئی خامی نظر آئے تو اسے خیر خواہانہ طریقے سے نظر انداز فرماکر فقیر کو مطلع فرمائیں شکر گزار رہوں گا۔ اس پاک پروردگار نے عرصۂ دراز کے بعد اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کر یہ جو کامیابی و کامرانی مجھ جیسے گنہگار خطا کار انسان کو عطا فرمائی ہیں اس رب العزت کی مہربانیوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔
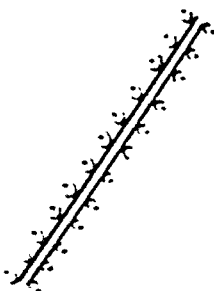
احقر العباد

فقیر حقیر پر تقصیر خاک پائے خوجگان چشت اہل بہشت پیر صوفی

محمد ایوب تارک سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سلطان التارکین صوفی حمید الدین چشتی

الفاروقی الناگوری رحمۃ اللہ علیہ دربار صوفیہ حمیدیہ چشتیہ معینیہ ناگور (راجستھان)

فہرست مضامین حصہ اول

سلسلۂ سہروردیہ حمیدیہ ناگوریہ

(تاریخ کے آئینے میں)

تمہید!

خطۂ ناگور کا تواریخی جغرافیہ اور عام معلومات :-

اس کتاب میں منسلک نقشہ (نقشہ) حالیہ ناگور ضلع کا ہے جسکے لئے میں اپنے کرم فرما جناب منشی بدرالدین صاحب انصاری کا رہین منت ہوں۔ اسکو دیکھنے سے ناظرین کو پتہ لگے گا کہ قدرت نے اس خطے کو راجستھان علاقے کے بیچوں بیچ جگہ دی ہے البتہ تیرھویں چودھویں صدی میں آج کی آٹھ تحصیلوں میں سے اوپر کی چار کا ہی ذکر برابر آتا ہے ہم ایک سطر ناگور سے جائل ہوتے ہوئے کھاٹو کی طرف کھینچ دیں تو کھاٹو کو ایک طرف شمال میں لاڈنو سے ڈیڈوانہ ہوتا ہوا سانبھر سے جوڑ کر ایک مثلث (ترکون) بنالیں گے جسکا تیسرا بازو (یعنی) لاڈنو سے ڈیڈوانہ ہوتا ہوا سانبھر سے جاملے گا۔ بس ناگور کے اقطاع (صوبہ) کا اتنا ہی حصہ تاریخ ساز (تاریخ بنانے والا) رہا ہے اور آج بھی ہے۔

ضلع کو قدرت نے دو زحمتوں سے بچا رکھا ہے۔ ایک شمالی ریگستان سے جسکا صرف تھوڑا ہی سا حصہ ناگور ضلع کی سرحد کو چھوتا ہے لیکن لڑائی کے دنوں میں جب غنیم سر پر آپہونچتا تو راٹھور مہاراجا، جودھپور چھوڑ کر ناگور آجاتے کہ دشمن نے یہاں کبھی چین نہ لینے دیا تو ریگستان کی طرف چلے جانے میں سہولت ہوگی۔ دوسرا بچاؤ جنوب میں لونی ندی کے سیلاب سے رہا یہ

درگاہ حضرت حمید الدین ریحانی بختا ساگر تالاب ناگور۔
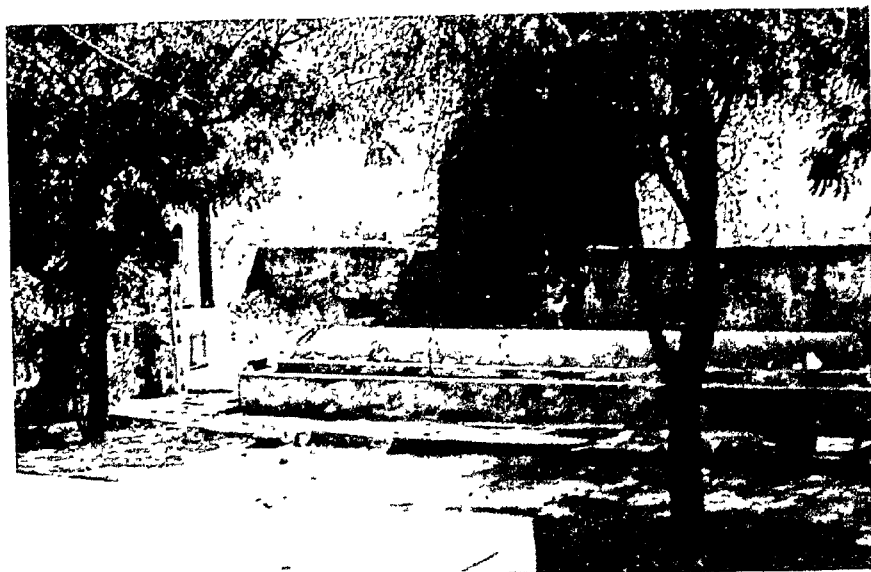
مزار اقدس حضرت نوگزا شہید دہلی گیٹ کے باہر
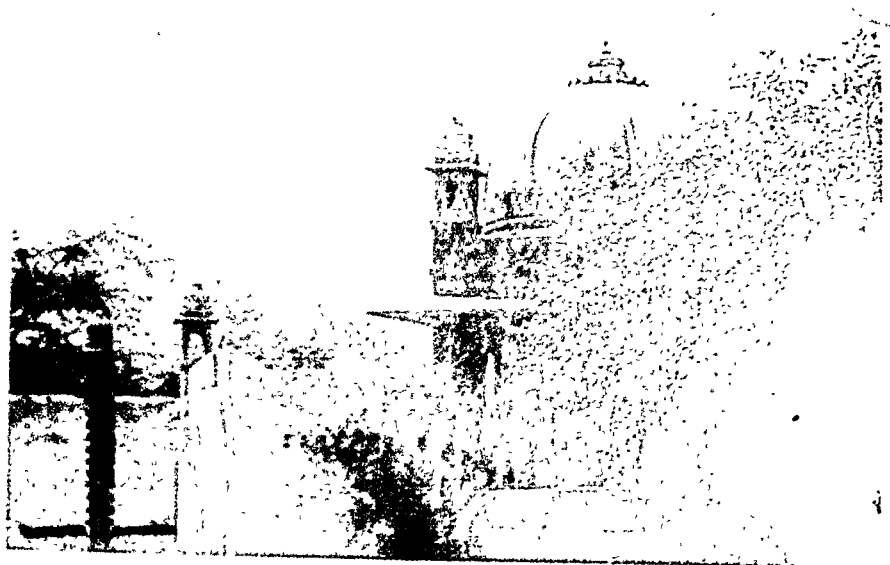
رگاہ حضرت راجا قتال رح عرف بانکے پہلوان جودھپوری دروازہ
کے باہر ناگور

درگاہ :- حضرت مجذوب احمد علی بابا رح قلعہ کی سڑک ناگور راج

یادگار آفتابہ وضو قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ روحل شریف
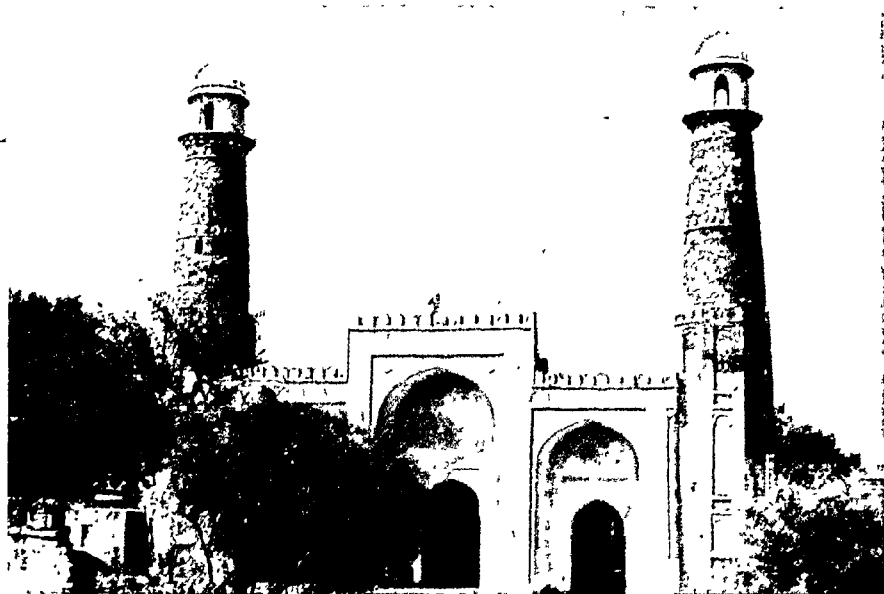
اکبری جامع مسجد ناگور راجستھان
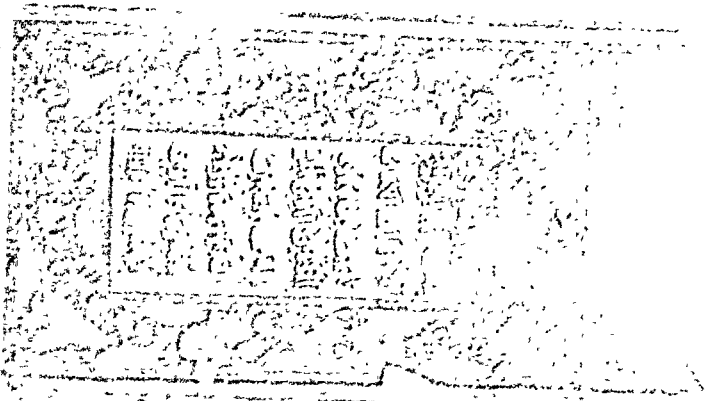
قلمی قرآن صوفی حمیدالدین ناگوریؒ
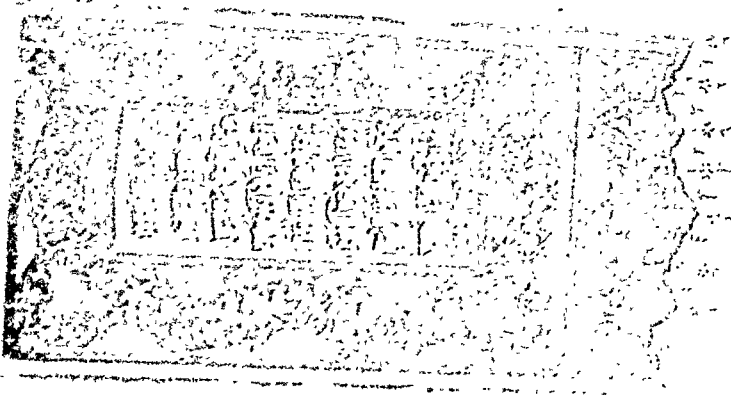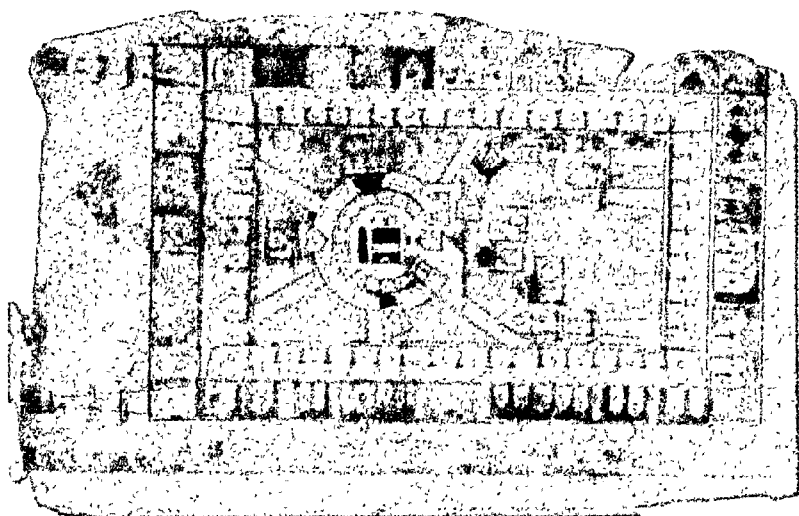
نقشین قلمی مجموعۂ درود شریف صوفی حمیدالدین ناگوریؒ
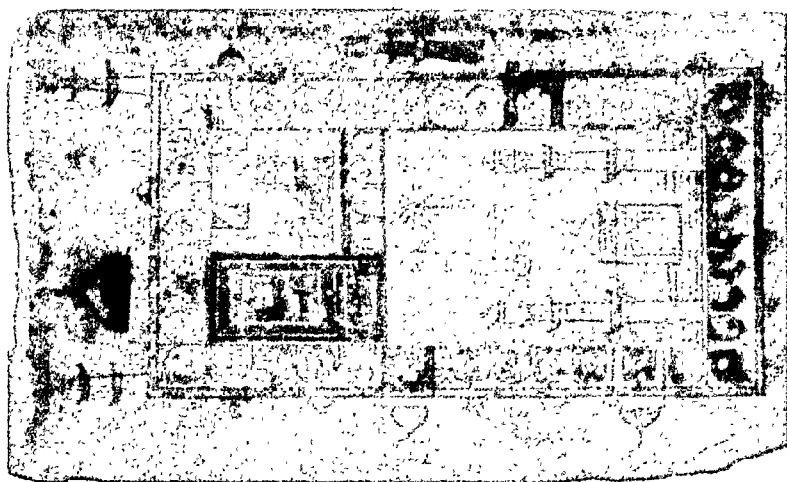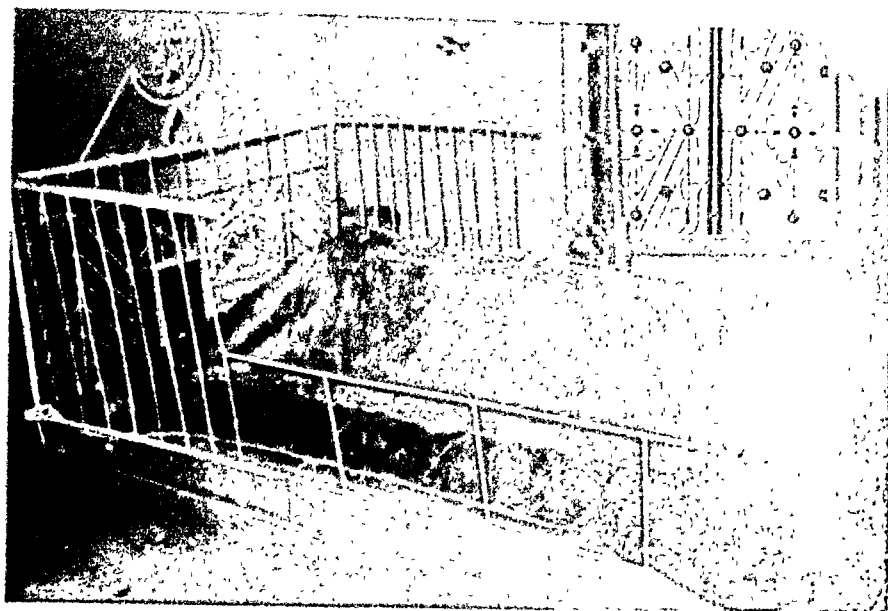
حضرت شیخ رضی الدین ابن قاضی حمید الدین ناگوری رح شوہر حضرت بی بی حافظہ جمال رح مندولاؤ تالاب ناگور

شمسی جامع مسجد ناگور راجستھان

شاہجہانی مسـ
ناگور راجستھان
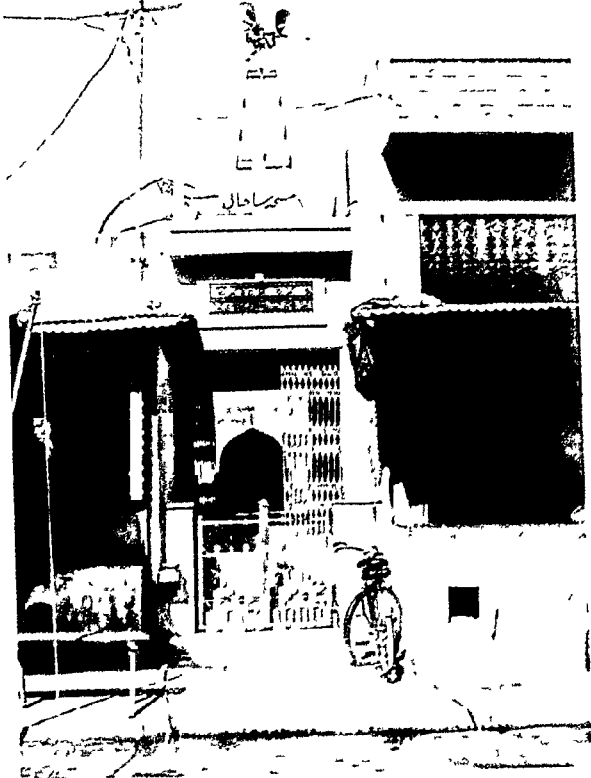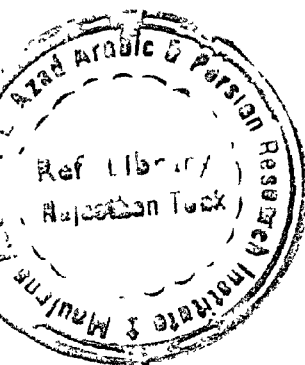
درگاہ حضرت حاجی شستری رح۔ آزاد چوک ناگور

مزارات حضرات ہفت حافظان جانب شرق درگاہ صوفی حمید الدین ناگوریؒ
ناگور راجستھان
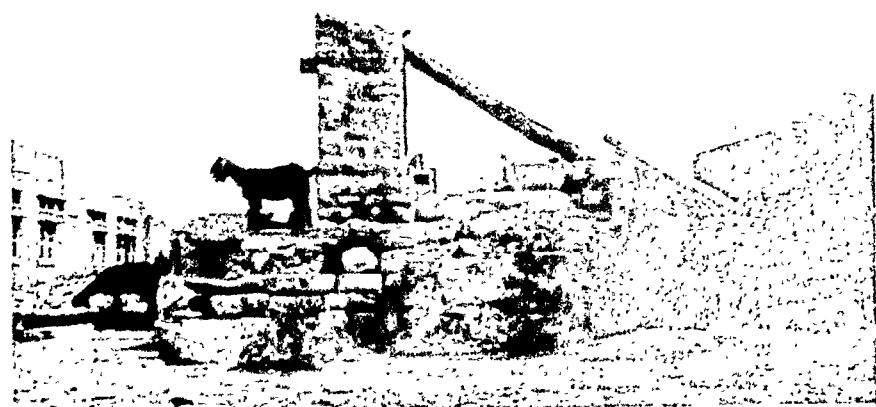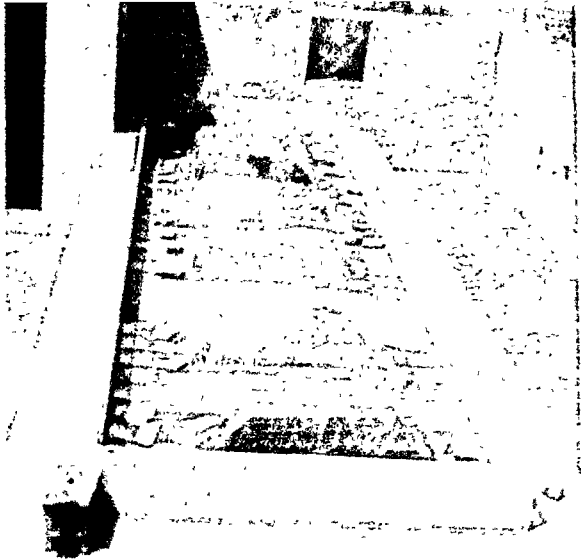
تاریخی جگہ دھوبیوں کا کنواں جہاں پر جبہ شریف کا فیصلہ ہوا دہلی
گیٹ کے باہر ناگور

ندی ضلع کے جنوبی سرے میں داخل ہو کر ایک نیم دائرہ بناتی ہوئی داہنے سمت کو گھوم جاتی ہے۔
اور ضلع کی آراضی کا صرف سینتس ۳۷ میل کا قطعہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ پورے
ضلع میں جھیلوں اور نالوں کا وجود تو ہے لیکن کوئی بڑی ندی قابل ذکر نہیں ہے۔

پہاڑ کی جگہ اس ضلع میں چھوٹی چھوٹی چٹانیں اور پہاڑیاں ہیں گھاس، سبزی یا پیڑوں
سے ننگی۔ جنگل بھی برائے نام ہیں۔ جنگل نہیں تو چوپایوں میں شیر چیتے بھی نہیں جنکا شکار
رئیس لوگ کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جودھپور کے مہاراجا بڑے شکار کے لئے دوسری
ریاستوں میں یا بیرون ملک (بدیشوں میں) چلے جایا کرتے تھے جنگل نہیں ہوں گے تو آدی باسی
جن جاتیاں نہیں ہوں گی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں آدی باسی (قدیم باشندے) صرف تین ۳ ہزار تھے
جن میں بھیل لگ بھگ چار سو ۴۰۰ اور مینا چودہ سو ۱۴۰۰ کے قریب بتلائے گئے ہیں اور میر قوم جیسے دال
میں نمک۔ ان سب کا شمار جرائم پیشہ میں کیا جاتا ہے ——— بات یہ ہے کہ ان قوموں کا گزر
بسر جنگلی پیداوار پر منحصر ہوتا ہے انکے بزرگوں نے کبھی کھیتی نہیں کی لہٰذا ناگور کے علاقے میں مویشی
ہانک لے جانا اور چوری ڈکیتی انکا پیشہ رہا ہے انکے بعد انُو سوچیت جاتیوں میں بھنگی چار ہزار ۴۰۰۰
اور چمار دو ہزار سے زیادہ مردم شماری ۱۹۶۱ء میں درج کئے گئے ہیں۔ اب بچے جاٹ، سچ
تو یہ ہے کہ اس سخت جان قوم نے کھیتی جیسے روزی رساں پیشے کو مارواڑ کی سنگلاخ دھرتی
میں زندہ رکھا ہے ورنہ یہاں افتادہ (پڑی ہوئی)، بنجر آراضی کا تناسب (انوپات) کل زمین کا ایک
تہائی ($\frac{1}{3}$) ہے۔ باقی صرف دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کاشت کے قابل ہے ناگور۔

(گزیٹیر ص ۶)

مغربی شمالی ناگور

مغربی شمالی ضلع جسمیں ناگور خاص آتا ہے خشک اور سنسان ہے اسکے ایک طرف چورو موہل وائی
(لاڈنو سمیت) سے لیکر شیخاواٹی تک 'باگڑ' کا میدان پھیلا ہوا ہے۔ جہاں سلطان علاؤالدین

خلجی کے زمانے میں حملہ آور مغلوں نے آکر اپنی فوج کا پڑاؤ ڈالا تھا اور دوسری سمت میں جانگل پردیش ہے جسے آج بیکانیر سمبھاگ کہا جاتا ہے شہر ناگور کے پڑوس میں ہی کھرنال کا وہ گاؤں ہے جہاں جاٹ قوم کا سب سے مشہور و معروف ہیرو ویر تیجا جی (صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر) کی جنم بھومی ہے (ناگور سے صرف دس بارہ میل کی دوری پر) جنہوں نے میر جاتی کے مویشی چوروں سے گوؤں کو چھڑایا تھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جاٹ قوم نے کھیتی کے مبارک پیشے کو آج تک نہیں چھوڑا ہے اور یہ بشنوئی فرقہ جس میں اکثر و بیشتر جاٹ ہی لوگ تو ہیں جو کاشتکاری کا پیشہ کرتے ہیں جبکہ موجودہ زمانے میں دوسرے لوگ ہمت ہار چکے ہیں اور کھیتی چھوڑ چھوڑ کر دستکاری کا پیشہ اختیار کر رہے ہیں اسکی وجہ بارش کی کمی ہے۔

مارواڑ میں خریف کی کھیتی ہی سے گزارہ ہے یہ موسم مانسون کی بارش کا ہوتا ہے لیکن بارش ایسی کہ کبھی ہوئی اور کبھی نہ ہوئی مارواڑ کی کہاوت کو کرنل جیمس ٹاڈ نے نوٹ کیا ہے "تین سال میں ایک سال خشک سالی اور آٹھ سال میں ایک سال قحط یہ مغربی اضلاع راجستھان کا شاندار قدرتی مرض ہے۔ (رگنہ بشیر ص۱۱۲)

یہی وجہ ہے کہ غلہ نہ ملنے کی صورت میں غریب اور مفلس لوگ جھاڑیوں کے پھل اور جڑی بوٹیوں سے گزارہ کرتے تھے۔ حضرت صوفی سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں جس جنگلی خوراک کا ذکر آتا ہے اس میں پھوگ، کیر، سانگرا اور کیر آل وغیرہ ہیں اسی خوراک کو ان درویش صفت بزرگوں نے پسند کیا اور غلے میں جوار، مونگ یا باجرا اور موٹھ، باجرہ اور موٹھ ایسے ہیں جو کم بارش والی زمین میں بغیر گہری جوت کے بو دیئے جائیں تو آسانی سے بغیر کھاد کے اچھی فصل کاٹ لی جاتی ہے عام جنتا اور صوفی درویشوں کی خوراک باجرا اور موٹھ کی کھیچ رہی ہے اور آج بھی ہے آدی باسیوں کے ہاتھ سے سانبھر کے چوہان راجا مانک دیو کے چھوٹے بیٹے نے بھوک کی حالت میں کھیچ کھا کر ہی "کھیچی" کا لقب باپ سے حاصل کیا تھا۔ اسی اجایل کے قدیم

کیھچی جاگیر میں آج بھی اس کی اولاد بس ہوئے اٹھارہویں صدی کے گوردھن کیھچی جودھپور کے مہاراجا بجے سنگھ جی کے مصاحب اعلیٰ کی رہائش گاہ موجود ہے جو "کیھچی کا محل" کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے۔

ناگور کا سرکاری گزیٹیر کہتا ہے کہ مارواڑ کے اکالوں کا ریکارڈ موجود نہیں ہے مہاراجا بجے سنگھ کے وقت میں (۱۷۹۲ء) جو قحط پڑا تھا اس کے قبل قطعی کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے (گزیٹیر ص۱۱۲) لیکن اس سلسلے میں ہم جین ساہتیہ کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ تیرھویں چودھویں صدی میں کل ملاکر جو چار اکال پڑے ان میں سے پہلا تیرھویں صدی کے وسط میں پچاس کی دھائی کا ہے جو ۱۲۵۵ء سے ۱۲۵۸ء تک لگاتار رہا۔

اس زمانے میں ناگور شہر میں غلہ اتنا کمیاب بلکہ نایاب ہوگیا تھا کہ شیخ کمال الدین قاضی و خطیب کو جامع مسجد میں حاضرین کے سامنے اللہ سے غلّے کے لئے مناجات کرنی پڑی تھی۔ (سرور الصدور ص ۳۴۲-۳۳۸) ایک دوسرے موقع پر اگلی (چودھویں) صدی میں کھاٹو کے حوالہ سے قحط کا ذکر آتا ہے جس کا سن نہیں دیا گیا ہے اس موقع پر کھاٹو کے مقطع (حاکم) نے شیخ احمد کھٹو کو ایک بیل گاڑی بھر غلہ دیا تھا۔ غلہ فروش سوداگروں اور بنیوں کے علاوہ سرکاری طور پر ریلیف (راحت) کے طور پر غلہ غریبوں، درویشوں کو تقسیم ہوتا تھا اور بعض وقت بنیے بقال غلہ بطور قرض بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کو دیتے تھے جیسا کہ کھاٹو والے قحط کے سلسلے میں مذکور ہوا ہے (سیرت احمدیہ ص۵۷) یہ قحط بابا اسحاق مغربی کی وفات ۱۳۴۷ء کے پیشتر کے کسی سال واقع ہوا ہوگا جس وقت کہ ڈیڈوانہ کا نائب حاکم ملک قطب الدین نجم تھا (ضیاء الدین دیسائی ملفوظ لٹریچر انگریزی پٹنہ ص ۱۹۹)۔

مختصر یہ کہ ناگور کی خشک سالی کی داستان بہت پرانی ہے۔ پانی کی کمی پوری کرنے کا ایک ماتر سادھن کنویں باولیاں اور تالاب کھدوانے کا رہا ہے۔ ناگور کے قصبے میں گینانی

کھیچی (چوہان) اور شکر (ورشمسی) تالاب ٹوٹی پھوٹی حالت میں آج بھی موجود ہے - کھاتو میں بھی دو تالابوں کا ذکر سیرت احمدیہ میں آتا ہے جنکو صاف کرانے کیلئے شیخ احمد کھتوؔ نے رقم مہیا کی تھی ایک شہر میں دوسرا پہاڑی کے دامن میں برسات کا کرشمہ تو دیکھ لیا جاڑے کے موسم میں سردی یہاں کڑاکے کی پڑتی ہے یہاں تک کہ شیخ حمید الدین سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ جیسے درویش کو موٹا کپڑا اسلا ہوا پہننا پڑتا تھا گرمی بھی یہاں انتہائی پریشان کن بلکہ جان لیوا ہے اور اس موسم میں ریت کی آندھیاں بھی چلتی رہتی ہیں -

ناگور کی وجہ تسمیہ

بابا حمید الدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ (بارھویں صدی) جیسے درویشوں اور انکے ہمنام قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ اور صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ (تیرھویں صدی) کا کام ایک تہہ بند سے (ستر عورت کے لئے) اور ایک چادر سے (کندھے پر ڈالنے کے لئے) چل جاتا تھا -

ترکوں کے عہد حکومت (تیرھویں صدی) میں جب ملک بالا (پرانے فارسی ملفوظات میں پنجاب غزنی وغیرہ کے علاقوں) سے آئے ہوئے مسلمانوں کا آب و دانہ ناگور کا ہوا تو روایت ہے کہ ان لوگوں نے ناگور کی وجہ تسمیہ (نام کرن) فارسی لفظ "ناگوار" سے نکالی جو گوار یا گوارہ کی نفی (انکار) ہے یعنی جو مقام ناقابل برداشت (ناگوار) ہوا اور اس ایجاد بندہ کی ذمہ داری پرتھوی راج کے سر منڈھ دی گئی (مین القلوب العارفین) واضح رہے کہ ناگور نام کی اصل ناگ (سانپ) سے ہے جسکی پوجا کرنے والی قوم کی راجدھانی ناگور کہلائی جیسا کہ ہم تو اریخ کے باب میں عرض کریں گے - ناگوار (لفظ فارسی) یا پرتھوی راج سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہ گیا ناگ تو ناگا جاتی کے سانپوں سے ہمارے اس علاقے کے باشندوں کا ابتک پیچھا نہیں چھوٹا ہے - جیسا کہ سرکاری رپورٹ اسکی گواہ ہے ناگور (گزیٹیر ص۱۲-۱۱)

جنوبی مشرقی ناگور!

آمدم بر سر مطلب ناگور کے تاریخ ساز حصوں میں جنوبی مشرقی ضلع کے پرگنوں کو خاص اہمیت حاصل رہا ہے لاڈنو سے ڈیڈوانہ ہوتے ہوئے سانبھر تک چلے جائیے (میڑتا سیٹی سمیت) یہ پورا حصہ عمارتی پتھروں کی بہترین اعلیٰ قسموں اور نمک کی کھانوں، بھدواسی کی کھڈی کھانوں اور جھیلوں کی سرزمین ہے عمارتی پتھروں میں قدیم زمانے سے دلّی اور گجرات کے سلطانوں تک (ناگور کے خانزادوں سمیت) کھاٹو کے پیلے پتھروں کی قدر تھی ۔ اور جب چودھویں صدی کے وسط (مدھیہ) میں دہلی کے سلطان محمد تغلق نے سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے بلند دروازے کی تعمیر کا فرمان جاری کیا تو اس عالی شان عمارت کے لئے عمدہ ترین پتھر کی سپلائی کھاٹو ہی سے پوری ہوئی تھی مغلیہ سلطنت کے زمانے میں اکبر اور جہانگیر کے زیر حکومت بنی عمارتوں میں سنگِ مرمر (ماربل) کم ہی استعمال ہوا ہے لیکن عہد شاہجہانی میں تاج محل کے مقبرے جیسی شاندار سارے عالم میں مشہور عمارت اپنی تیاریوں کے لئے تمام تر مکرانہ (تحصیل پربت سر) کی کانوں کی رہین منت ہیں۔ ان پتھر کی کھانوں سے عوام کو بھی ایک فائدہ زبردست پہونچا ہے - کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی میں کھاٹو کی پہاڑی پر آدی باسی قوم میر کا قبضہ تھا تو ظاہر ہے کہ کھاٹو کے اطراف میں میروں کی حکومت رہا ہو گی جب چوہانوں نے میروں کو پہاڑی سے بے دخل کیا تو بہت زمانے تک دونوں قبیلوں میں باہمی کشمکش رہی یہانتک کہ جب صدی کے آخر میں کچھ آفاقی مسلمان خاندان وہاں آکر آباد ہونے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ میروں کا شکست خوردہ قبیلہ اپنی شکم پروری کے لئے سلاوٹی (سنگ تراشی) کا پیشہ کرنے لگا تھا اور شہاب الدین غوری کے عہد سلطنت کے شروع

تک میر قوم کی سنگ تراشی میں ٹھیکیداری (مناپلی) ہو گئی تھی صوفیوں سے میروں کا رابطہ ہونے پر بالآخر اس قوم نے جبکے مکھیا اور چودھری بہیر آرات کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے مرید کرنے سے منع کر دیا تھا کھاتو کے بزرگان دین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اس قبیلے کے لوگ آج بھی سلاوٹی کام کے ماہر ہیں اور کھاٹو میں سلاوٹوں کی خوشنما مسجد میں شہر قاضی سید نصرت علی ہمدانی صاحب کو امامت کی ذمہ داری سپرد کر رکھی ہے - (تاریخ کھاٹو قلمی اور ذاتی مشاہدہ[۴])

علیٰ ہذا القیاس سترھویں[۱۷] صدی سے لیکر بیسویں[۲۰] صدی تک یعنی تین سو سال کے اندر مکرانہ کی کھانوں کے ٹھیکیداروں اور سلاوٹوں نے کبھی اچھی خاصی ترقی کی ہے اور کھاٹو کی طرح یہاں بھی پتھر کا کام مسلمان سلاوٹوں ہی کے ہاتھ میں ہے جو کھاٹو کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوشحال ہیں ۔ اسی طرح قدرت نے ضلع ناگور میں شمال مغرب کی کمیوں کا نعم البدل جنوب مشرق میں عطا کیا ہے اسکے علاوہ اس سمت کی زمین ناگور اور جائل کی تحصیلوں کے مقابلے میں زیادہ ہری بھری ہے - (گزیٹیر[۱])

باشندے اور آبادی

ورن آشرم (چاروں — برہمن ، راجپوت ، ویشیہ[۳] (بنیا کھتری) اور شودر) والوں کے مقابلے میں جاٹ (بشنوئی سمیت ، کاشتکاروں اور ہندو دھرم یا برہمن دھرم کے ماننے والے باقی پیشہ ور جاتیوں کی اکثریت رہی ہے جنکا ذکر علامہ البیرونی (شروع گیارہویں صدی) نے اپنی کتاب الہند میں اور جین بیکھکوں نے اپنے گرنتھوں میں کیا ہے دھرم شاستر کے مطابق ان لوگوں کو شہر کے باہر رہنے کی جگہ دی جائے اور ان سے چھوت چھات برتی جائے یہ لوگ چار[۴] ورنوں سے

باہر گنے جاتے تھے اور انکو انتیج کہا جاتا تھا جسطرح شودروں کی سیوا اور خدمت گاری سے اوپر کے ورن (جاتیوں) والوں کا کام چلتا تھا اسی طرح اُن انتیجوں کی دست کاری اور خدمت گاری سے پوری آبادی کے سماجی مسائل حل ہوتے تھے ان پیشہ وروں میں سے چند کے البیرونی نے اور جین لیکھکوں نے گنائے ہیں لیکن سچ پوچھیے تو انکی تعداد ان کتابوں کے اندراج سے کہیں زیادہ تھی مسلمان سوداگروں، علماء اور خاص کر صوفی سنتوں سے جب ان برادریوں کا نزدیکی رابطہ قائم ہوا تو ان بزرگوں کی روحانی کشش نے قبیلے کے قبیلوں کو ان صوفی بزرگوں کی گود میں ڈال دیا اور ان پاک ہستیوں کی صحبت میں ان لوگوں کی برادری کی برادریاں تبدیلِ مذہب کرکے اسلام میں داخل ہونے لگیں (ملاحظہ ہو دشرتھ شرما راجستھان ص۲۷-۲۸)

آخر گیارہویں صدی میں سید انس مشہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ڈیڈوانہ میں اور سید طاہر مشہدی رحمۃ اللہ علیہ کا کھاٹو میں آنے کا تاریخی مادہ "کوہ جنت" ۴۸۴ھ مطابق ۱۰۹۱ء مشہور ہے یہ زمانہ غزنی میں سلطان ابراہیم کا اور راجستھان میں درلبھ راج چوہان کا ہے انکے تین سال بعد ہی شیخ حمید الدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ کا ناگور میں آنا ہوا جسکا مادہ تاریخی " دورِ ناگور" ۴۸۷ھ ہجری مطابق ۱۰۹۴ء عیسوی کہا جاتا ہے۔ (بقول اضافاتِ حمید ص۱۱)

انکے دو ہمناموں میں سے اول یعنی شیخ محمد عطا عرف قاضی محمد حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا آنا ناگور میں ۵۶۰-۶۱ھ مطابق ۱۱۶۴-۶۵ء مانا جاتا ہے جو اجمیر میں پرتھوی راج دوئم جگد یو چوہان کا عہدِ حکومت تھا۔ ناگوری روایت کے مطابق اس وقت ناگور میں اجمیر کے چوہان سمراٹ کا حاکم بیسل دیو رہتا تھا ترائن کی لڑائی (۱۱۹۲) کے بعد جب شمالی ہند ترکانِ غوری کے زیرِ حکومت آیا تو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء سے لگ بھگ چھ سال قبل دوسرے ہمنام بزرگ

حضرت صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ناگور کو اپنا مستقر (قرارگاہ) بنایا ہوگا ایسا ہمارا خیال ہے صوفی صاحب کے سسرال والے ہمدانی لوگ پہلے ہی سے لاڈنو میں قیام پذیر تھے اور جہاں قاضی فضیل احمد ہمدانی کی نیک و پارسا دختر نیک اختر حضرت خدیجہ مائی کے ساتھ سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کا عقد ہوا حضرت حمید الدین ریحانی کا دور تصوف تو ناگور میں جمالی دور ہے یہ حضرت جینیوں کے بیچ میں جین مُنیوں اور جتیوں کی کتیس (پوشاک) میں رہے اور ان کے جینی بچوں کو تعلیم دیتے رہے دوسرے حمید الدین (قاضی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دور جلالی دور کہا جا سکتا ہے جبکہ انہوں نے ناگور میں آکر اپنی روحانی قوت سے یہاں کے ارکان حکومت کو مرعوب کیا اور تیسرے بزرگ حضرت صوفی حمید الدین کا راستہ ان دونوں کا درمیانی راستہ کہا جائے گا جو انکے پیر و مرشد حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ اعتدال تھا اسطرح تقریباً سو سال کے اندر اندر ناگور کی پیشہ ور قوموں کا بڑی تعداد میں کایا کلپ ہو گیا یہ لوگ جو برہمن دھرم سے دور تھے جماعتی حیثیت سے صوفیوں کے سایہ تلے آکر انکے مرید ہونے لگے یہاں تک کہ ترائن کے بعد چند سالوں کے اندر ایک مسجد کا کتبہ اعلان کرتا ہے کہ یہ مسجد فلاں نساج (بن کر) یعنی نوربافی کی بنوائی ہوئی ہے ہماری فہرست کے مطابق حسب ذیل ان پیشہ ور برادریاں ایک صدی کے اندر اسلام میں داخل ہوئیں ۔

۱۔ نوربافی یا نساج (جولاہے) موجودہ حضرات انصاریان

۲۔ چھیپے ۔ کپڑوں کے رنگنے والے یا چھاپنے والے (نیل گر یا رنگریز)

۳۔ پینجارے ۔ ندّاف روئی بیچنے والے بھرنے والے اور کاتنے والے دھننے والے

۴۔ قصاب ۔ (قصائی) گوشت بیچنے والے یا بکروں کے تاجر

۵۔ تیلی (روغن گر) جن کے محلے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بیوہ تیلن کے گھر حضرت محمد بن عطا (قاضی حمید الدین) آکر ٹھہرے تھے اور وہیں پر آپکی مسجد واقع ہے جو آجکل مسجد خرادیان کے نام سے جانی جاتی ہے اور ناگور کی یہ پہلی اور سب سے قدیم مسجد یہی ہے ۔

۶۔ کھاتی (ستار) بڑھئی یا خرادی۔

۷۔ سبھڑ بھڑبھونجے

۸۔ نائی (حجام)

۹۔ دھوبی

۱۰۔ پیڑا (ریشمی تاگوں کا کام کرنے والے

۱۱۔ لکھارے۔ لاکھ کی چوڑیاں بنانے والے

۱۲۔ سنار۔ سونے چاندی کے زیورات بنانے والے (یہ شاید باہر سے آئے ہیں)

۱۳۔ منیہار (بساطی)

۱۴۔ لوہار (مقامی) لوہار پورے کے ملتانی آہنگر بہت بعد میں آئے ہیں غالبًا راؤ امر سنگھ کے وقت میں

۱۵۔ نیاریے (ملتانی) ملتان سے آنے والوں کی اولاد ہیں

۱۶۔ گھوسی (دودھ بیچنے والے

۱۷۔ موچی چمڑے کا کام کرنے والے جن میں سے آج بعض حافظ قرآن اور مسجد کے امام ہیں۔

۱۸۔ میراسی (قوال م) میر گمانی قوال کی اولاد جو آج بھی موجود ہے

انکے علاوہ بعض برادریاں ایسی بھی ہیں جنکے کسی خاص پیشہ کے اختیار کر لینے سے ایک ذات بن گئی ہے مثلاً سلاوٹ، فقیر اور حمال اسی طرح بہلیمی لوگ رنگریز یا رنگاروں کا کام کرنے لگے کھوکھر پنجاب کی برادری ہے جنکے بزرگ خانزادوں سے قبل ناگور کے حاکم رہے ہیں اسکے علاوہ گوالیے (قیام خانی) دربانی (خان لوگ) اور تیر گر وغیرہ ہیں جو کبھی تیر کمان وغیرہ بنایا کرتے تھے کھیچی راجپوت اپنے کو خلجی کہنے لگے ہیں

قیام خانی کچھی کرم چند عرف قیام خاں کی اولاد ہیں - ناگور کے خانزادے ٹنک راجپوت ہیں - انکے
علاوہ موہل والی (لاڈنوں چھاپر) کے سابق جاگیردار مہل چوہان ہیں مسجدوں میں امامت کرنے
والوں اور دینی تعلیم دینے والوں اور فقیروں کی الگ الگ جاتیں جاتیاں ہوگئی ہیں - زمین بالا
سے آئے ہوئے مسلمانوں میں سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی عباسی لوگ ہیں جنہیں شادی کا رشتہ
ہوتا آیا ہے ناگور میں عباسیوں کے محلے میں فی زمانہ قصابوں کی آبادی ہے عباسیوں کے ترک
سکونت سے قبل عہد شیر شاہی میں حضرات عثمانی لوگ آ گئے تھے اور محکمہ قضا کی ذمہ داریاں انہیں
کے ہاتھوں میں رہتی آئی ہیں نوز بافوں کی ایک برادری کیسرے جولاہے کہلاتے ہیں ملتان میں
کیسر گڈھ نام کا کوئی قصبہ ہوگا جہاں کے یہ لوگ رہنے والے ہیں گویا ملتانی نوزباف ہیں اور ملتانی
لوہاروں کا تو پورا محلہ لوہارپورہ شاد و آباد ہے جہاں شیخ حاجی حسین اکبری عہد میں آکر بس گئے
تھے (فارسی کتبہ فہرست ناگور) راٹھور مہاراجا کی دعوت پر جو آہنگر ملتان سے آئے وہ سب راجپوتوں
کی اولاد ہیں قیام خانی بھی (جھنجھنوں فتحپور والے) آکر شہر ناگور میں اور دیہات میں آباد ہو گئے
ہیں - مثلاً سیہاگلی وغیرہ میں چند رنگریز بھی ملتانی ہیں حافظوں اور قرآن خوانیوں میں ختم پڑھنے والوں
کی ایک جماعت (گروپ) سی بن گئی ہے کچھ برادریاں ذکر کردینے سے رہ گئی تھیں مثلاً شورگر
(آتش باز) چیجن بیج (راج کاریگر) اور چھٹاورت (اب نہیں رہے) نقشبندیوں کے صرف چار
پانچ گھر رہ گئے ہیں - کل کارخانے نمک سازی - پتھر کی کھدانوں کا کام ان دستکاریوں کے
مرکز ہمارے ضلع میں ناگور کے علاوہ ڈیڈوانہ، میڑتا، کھاٹو، مکرانہ، سانبھر کے قصبے رہے ہیں
جہاں کپڑے کی بنائی رنگائی چھپائی ہاتھی دانت کا کام، برتن گری اور بعد کی صدیوں میں سنگ
مرمر کے کھدنے اور دستکاری کے اوزار بنانے کے علاوہ کھانوں سے پتھر نکالنے اور کنٹھوا کا
کی کھان سے کھڈی کے ڈھیلے نکالنے کا بھی کام شروع ہوا تھا - سانبھر کی جھیل نیچ کے زمانے
میں ریاست جے پور سے جڑ گئی تھی سلطان التمش کے عہد میں یہاں کی نمک جھیل کا کنٹرول اجمیر
سے ہوتا تھا (طبقات ناصری جلد دوم ترجمہ ۱۰۰) عمارتی پتھروں کی قیمتی قسمیں زمین کے اندر سے کھود کر

نکالنا ہمارے سنگتراشوں کا آج بھی اچھا پیشہ ہے جوتے بنانا آج بھی یہاں کا نفع بخش پیشہ ہے پچھلی صدیوں میں گھر کی عورتیں روئی سے چرخے پر سوت کات کر تیار کرتی تھیں بنجارے لوگ روئی ملتان سے لاتے تھے اور اس روئی کے بدلے ناگور سے تل لاد کر لے جایا کرتے تھے کولھو سے تیل نکالنے کی تجارت میں ناگور کے تیلی مشہور تھے موجودہ دور میں ان لوگوں نے ایک دوسری تجارت شروع کر دی ہے مثلاً لوہا اور تانبے پیتل، اسٹیل کے برتن وغیرہ کی دکانیں لگالی ہیں اور بڑے خوشحال ہیں جو بنجارے ملتان سے روئی لاتے اور ناگور سے تل لے جاتے تھے یہی بنجارے اپنی آمد و رفت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خط پہونچانے میں قاصد یا آجکل کے ڈاکیے کا کام بھی کرتے تھے۔

ذرائع آمد و رفت اور سفر کے راستے

ناگور کے ایک طرف دہلی یا اجمیر اور دوسری طرف گجرات یا ملتان واقع ہے لہٰذا گجرات یا ملتان سے دلی کا مسافر ناگور ہو کر ہی سفر کرتا تھا حضرت امام صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ناگور آکر ناگور سے گجرات کا سفر ۶۱۲ھ میں جالور ہو کر کیا تھا (سرور الصدور ص۳۹) اور صغانی علیہ الرحمہ کے پونے دو سو سال بعد جب شیخ احمد کھٹو حج کو تشریف لے گئے تھے تو ناگور، لودروا جیسلمیر ہو کر سفر کیا تھا اور سمرقند سے واپسی میں اوچھ (سندھ) سے چلے تھے تو بھی جیسلمیر کے راستے ہی سے تشریف لائے تھے دہلی سے ناگور آنے کے لئے پہلے ہانسی آنا پڑتا تھا۔ ہانسی سے آگے کا مسافر خواہ لاہور چلا جائے خواہ نارنول ہوتے ہوئے سیکر سے آگے ڈیڈوانہ یا لاڈنو سے ناگور آجائے یا ڈیڈوانہ سے کھاٹو ہوتے ہوئے مسافر جائل پہونچے گا اور جائل سے ناگور آجائے گا اور اگر اس کو اجمیر جانا ہے تو ڈیڈوانہ سے سانبھر کی طرف روانہ ہوگا۔ ایک بار بابا اسحاق مغربی رحمۃ اللہ علیہ کھاٹو سے روانہ ہوتے ہوئے رات کو اجمیر شریف پہونچے تھے اور صبح میں واپس بھی آگئے تھے (سیرت احمدیہ ص۱۰)

ڈیڈوانہ سے میرتا کے راستے بھی اجمیر کا سفر سہولت کا تھا ذرائع آمدورفت کے لیے گھوڑا
اونٹ، ڈولا، بہل اور بیل گاڑی کا ذکر ملفوظات صوفیہ میں ملتا ہے رؤسا ہاتھی پر بھی
چلتے تھے ظفر خاں گجرات سے چل کر کھاٹو سے گزرا تو احمد کھٹو اسکا ہاتھی دیکھنے گئے تھے
یہ ظفر خاں شہر دہلی کا سفر کر رہا تھا (سیرت احمدیہ صـ۶۱)

اس سے قبل سلطان التمش کے زمانے میں ایک بار تین صوفی بزرگ شیخ
کبیر خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاضی حمید الدین
ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ایک ساتھ گھوڑوں اور خچر پر سفر کر رہے تھے (سیر العارفین ترجمہ صـ۱۲)
حضرت شیخ فرید چاک پراں ناگور سے لاڈنو یا ڈیہہ سے جائل ہوتے ہوئے دہلی کو گزرتے
پر گئے ہیں (تیرھویں چودھویں صدی) (سرور الصدور صـ۳۸۲) انکے بعد بابا اسحاق مغربی ایک بار
کھاٹو سے ناگور بیل گاڑی سے تشریف لائے اور روہل تک گئے (سیرت احمدیہ صـ۵۸)
پندرھویں صدی میں مخدوم حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی بیل گاڑی اس بات کے لئے
مشہور تھی کہ بیلوں کو خود ہانکتے اور ان کو گھاس چارہ وغیرہ ڈالتے تھے انہیں ناگوری بیلوں
کی شہرت آج بھی قائم ہے بیلوں کے ساتھ ساتھ مادہ گائیں بھی ناگور میں دودھ کیلئے
مشہور تھیں ایک بار ناگور کے حاکم ملک جیپان نے کچھ گائیں موٹی تازی اچھی نسل کی
لوٹ میں حاصل کی تھیں ان میں سے چار گائیں شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ کو نذر کی گئی تھیں
جو بیس بیس روپے میں فروخت ہوئیں (سیرت احمدیہ صـ۶۳)

تجارت اور سوداگری

تجارت اور سوداگری کے سلسلے میں قدیم زمانے کی معلومات بقول سید اوصاف علی
صاحب ہمدانی (ڈیڈوانہ کے تعلق سے) یہ ہے کہ ڈیڈوانہ کے پرانے قبرستان میں قبروں کے

اوپر چوہان راجاؤں کے زمانے کے کتبے ۴۰۲ھ مطابق ۱۰۱۲ء تک کے موجود ہیں جب چوہان راجا گوبند راج سوئم سانبھر کا راجدھانی سے سلطان محمود غزنوی کے حملوں کی روک تھام کیا کرتا تھا سوال اٹھتا ہے کہ ایسے لڑائی کے زمانے میں یہ کون مسلمان لوگ تھے جو ڈیڈوانہ کی بستی میں آکر رہے اور وہیں مر کر دفن ہوئے تو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ سوداگر لوگ ہوتے تھے جن کی آمد و رفت روانگی پر راجپوت راجاؤں کی طرف سے روک تھام نہیں تھی مسلمانوں کا دوسرا طبقہ جسکو راجاؤں کی حکومتیں شک کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھیں۔ صوفی درویشوں کی جماعت ہے جب امام صغانی علیہ الرحمہ ۱۲۲۰ء میں ناگور سے گجرات کے لیے روانہ ہوئے تو علماء کا ڈھیلا ڈھالا لمبا بنیا لباس اتار کر کوتاہ آستین اور کوتاہ دامن لباس درویشوں والا پہن لیا تھا۔ (سرور الصدور صفحہ ۹۰) کیونکہ جالور کا علاقہ ۱۲۲۰ء میں دار الحرب تھا یعنی ۱۲۲۰ء میں سلطان التمش کی ماتحتی وہاں کا چوہان راجا قبول نہیں کر رہا تھا بلکہ برسر پیکار تھا تجارت کے سلسلے میں لاڈنو اور ڈیڈوانہ کے علاوہ سانبھر بھی قابل ذکر ہے۔ جہاں نمک کے بیوپاری گنگا جمنا کے ملک دو آب سے نمک لاد کر لے آیا کرتے تھے (گزیٹیر) اسی لئے سلطان التمش کے زمانے سے عہد راٹھوری تک سانبھر جھیل کا نظام سرکاری تحویل میں رہتا آیا تھا چھوٹی موٹی استعمال کی چیزوں کی سوداگری بنہار لوگ بساط خانے کے ذریعے اور کھانے پینے کی چیزیں بنیے بقال خریدتے تھے اور بیچتے تھے اور صوفیوں جیسے درویشوں کو راشن ادھار بھی دیتے تھے سرکاری گزیٹیر کہتا ہے کہ چیزوں کی قیمت کے آنکڑے دستیاب نہیں ہیں (صفحہ ۲۱۸ گزیٹیر) تاہم صوفیوں کے ملفوظات کی فارسی کتابوں میں بعض وقت چیزوں کا نرخ کبھی مل جاتا ہے مثلاً عمدہ نسل کی موٹی تازہ گائیں جو شیخ احمد کھٹو کو حاکم ناگور (چودھویں صدی) سے ملیں انہوں نے بیس بیس

ٹنکے (چاندی کا سکہ) میں فروخت کی تھیں اور روہل کا خربوزہ نہایت شیریں اور بہت ہی سستا تھا (سیرت احمدیہ ص ۶۲-۱۰۸)

بینک (ساہوکاری) اور سکے

ایسا لگتا ہے کہ ناگور چوہانوں کے عہد حکومت ہی سے ٹکسال کا مرکز چلا آرہا تھا۔ ناسں صاحب نے اپنی انگریزی کتاب (کرانیکلس آف دی پٹھان کنگس آف دہلی) ایلس سلطان شمس الدین کے زمانے کے ایک سکّے کی مثال دی ہے جو ناگور کی ٹکسال (۱۲۱۱ء) کا ڈھلا ہوا تھا بلبن (الغ خاں) سلطان بننے سے پیشتر ناگور کا حاکم رہ چکا تھا اس نے بھی (اپنے زمانہ سلطانی میں) ناگور کی ٹکسال سے سکہ ڈھلوایا تھا جس کے نمونے آجکل پائے نہیں گئے ہیں اکبر بادشاہ کے بعد راؤ امر سنگھ کے اثر شاہی سکّے اور مہاراجہ بجے سنگھ کے بجے شاہی سکے مشہور رہے ہیں خانزادوں نے غالبا کوئی سکہ نہیں ڈھالا لیکن جب بادشاہ شاہجہاں نے سترھویں صدی میں راٹھور امر سنگھ کو ناگور کا راج عطا کیا تو امر سنگھ کا ناگوری سکہ رائج ہوا تھا اور اٹھارہویں صدی میں جودھپور کے مہاراجہ بجے سنگھ (متوفی ۱۷۹۳ء) کا بجے شاہی سکہ تو مشہور رہا ہے ناگور کے علاوہ میڑتا میں بھی راٹھوروں کی ٹکسال قائم تھی۔ بجے سنگھ کے بعد پوری انیسویں صدی میں جودھپور کے راجا اپنے سکے ڈھالتے رہے ناگور، میڑتا سے اور ان دونوں ٹکسالوں کے علاوہ دوسری ٹکسالوں سے بھی راٹھوری سکے ڈھلتے رہے (گزیٹیر ص ۱۶۱)

جینی ساہوکار ڈاکٹر دشرتھ شرما جودھپوری اپنی معرکۃ الآرا کتاب "راجستھان تھرو دی ایجز" میں رقمطراز ہیں کہ راجستھان میں جین دھرم کے رواج نے اس رواج کو چھوٹا کر دکھایا ہے کہ جنگ جو راجپوتوں کے ملک میں اہنسا وادی مذہب پنپ نہیں سکتا تھا (ص ۴۱۶) جین فرقے میں آٹھویں صدی عیسوی نے ایسے ایسے سورما

مصلح پیدا ہوتے رہے جنہوں نے (اسلام کے صوفی بزرگوں کی طرح) سماج سدھار کے ذریعے وقتاً فوقتاً اپنی قوم کو صحیح راستے پر لگایا۔ عوام (سراوگیوں) کو بھی اور خواص (جینیوں) کو بھی سوالکھ کے چوہان حکمران جینیوں سے بہت متاثر رہے اور جین دھرم کی سرپرستی کرتے رہے غزنویوں کے ترک سلطانوں کے عہد میں ہی جب کہ صوفیوں کے سہروردی اور چشتی سلسلے منظم نہیں ہوئے تھے، سوتیامبر جینیوں کا ایک گچھ (سلسلہ) گجرات سے چل کر راجستھان میں آیا وہ کھرترگچھ (سلسلہ) کہلاتا ہے جسکے پس منظر کو سمجھنے کے لئے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح صوفیاء کرام کے اولین طبقے کا مرکز بصرہ اور کوفہ تھا اسی طرح گجرات سے جینیوں کے سماج میں ایک اصلاحی تحریک شروع ہوئی جسکو "ودھی چیتیہ" تحریک کہتے ہیں اور جسطرح سے لاہور میں آکر حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں تصوف پر پہلی کتاب لکھکر تصنیف اور تالیف کا سلسلہ شروع کیا اسی طرح انل واڑہ پٹن (گجرات) کے جین مفکروں نے بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا گیارہویں صدی عیسوی میں یہ جین منی جتی اور سوری لوگ گجرات سے راجستھان کا دورہ کرنے لگے تھے اور چتوڑ (میواڑ) سے آگے بڑھکر ناگور (مارواڑ) کے علاقے پر چھا گئے تھے موجودہ زمانے کے ہندو مورخین تاریخ (جیسے دشرتھ شرما) نے انکے اعلیٰ اخلاق اور اصلاحی تحریک کی کھل کر تعریف کی ہے جب کہ راجستھان میں برہمنوں کی کسی قسم کی تحریک کا پتہ نہیں چلتا فقیر اس جینی تحریک کا ذکر ذرا تفصیل سے تواریخ ناگور کے باب میں کرنا چاہتا ہے یہاں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بارہویں صدی میں جب ناگور میں اچھے اچھے جین دھرم کے رشی منیوں کا ورود شروع ہوا تو اسی وقت ناگور میں حمید الدین ریحانی نام کے ایک صوفی باصفا بزرگ پہلے ہی سے موجود تھے جنکی آمد کی تاریخ کا مادہ "در ناگور" ۴۸۶ھ مطابق ۱۰۹۳ء ہے یہ بزرگ جین اوسوال تاجروں اور ساہوکاروں کے بیچ میں رہ کر اور جین بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری سنبھال کر

لیسے انکے ساتھ گھل مل گئے کہ انتقال کے وقت جب جینیوں نے ان کا جنازہ اٹھایا تو تھوڑے بہت جو مسلمان اسوقت ناگور میں آباد تھے انہوں نے مطالبہ کیا کہ میت کو ہم قبر میں دفن کریں گے ایک اعلیٰ مرتبت مسلمان نے جب اپنی طرف سے رواداری اور نیک سلوک کا مظاہرہ کیا تو اسے غیر مسلم اجنبی ملک میں جو مسلمانوں کے لئے دارالحرب بھی تھا ایسی مقبولیت جین سماج میں حاصل ہوئی کہ ریحانی صاحب کے جو آج بھی حمید پیر یا ریحانی دادا کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں مکان کا کھنڈر اور انکے مدرسہ کی عمارت آج بھی جینیوں کی تحویل و حفاظت میں موجود ہے البتہ ترکوں اور راجپوتوں کے بیچ لڑائیوں سے اہل حکومت کے حلقے میں باہمی غم و غصہ کے آثار پائے جاتے ہیں جسکا ذکر ہم قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں کریں گے ریحانی صاحب کا آخری زمانہ پرتھوی راج دویم کا عہد حکومت ہوگا جو کہ قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کا شروع زمانہ ہوگا۔

کھانا پینا۔ لباس پوشاک

کھانے میں عوام کی خوراک باجرہ اور موٹھ کی دال تھی باجرے کی کھیچ خواہ موٹھ کے ساتھ یا اکیلا ہی کھانے کا رواج آج بھی ہے کھیچ کے ساتھ ساتھ چھاچھ یا دہی خواہ رائتہ بھی ذائقے کیلئے استعمال ہوتا تھا یہ کھیچ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری تارک الدنیا علیہ الرحمہ کی یادگار ہیں ان کے عرس کے دنوں میں یا دوسرے موقعوں پر انکی روح کو ایصال ثواب کے لئے پکانے کا عمل آج بھی زندہ ہے رہ گیا گوشت، تو جینیوں کو مقبولیت حاصل ہونے پر بارہویں صدی میں گوشت خور برہمن بھی سبزی خور بننے لگے تھے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں شیخ حمید الدین ریحانی نے آکر جینیوں کے بیچ میں جب دل رات مہینوں برسوں رہ کر زندگی گزاری تو یقیناً انہوں نے گوشت سے پرہیز کیا ہوگا اور وہ جینی جو انکے جنازے کو اٹھا کر چلے تھے انکی زندگی کے اندرونی

بیرونی حالات سے واقف تھے اس کے علاوہ جنگلی جڑی بوٹیوں یا جھاڑیوں کے پھولوں پھلوں کا استعمال خوراک کے بطور غریب طبقہ آج بھی کرتا ہے اور اس زمانے میں جوگی جتی اور درویش یکساں طور پر کھاتے پیتے تھے جسکا ذکر ہم پیداوار کے تحت پیچھے کر آئے ہیں صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ اور انکے کنبے والوں کی حالات میں بھی جنگل کی جنگلی خوراک کا پتہ ہم کو لگتا ہے (سرور الصدور ص۱۷) اور کھاٹو کے دونوں بزرگوں بابا اسحاق مغربی اور شیخ احمد کے یہاں بھی سادہ غذا ملتی ہے پھلوں میں روہل کے خربوزے کا ذکر سیرت احمدیہ ص۱۰۸-۱۰۱ میں موجود ہی ہے لباس پوشاک میں تہ بند اور چادر یکساں طور پر جوگیوں جتیوں اور درویشوں میں مستعمل تھی سر پر پگڑی اور مسلمانوں میں طاقیہ ٹوپی یا کلاہ کے اوپر پگڑی باندھی جاتی تھی کرتا اور پاجامہ کا رواج بھی تھا ہندوؤں کا لباس انگرکھی اور دھوتی مردوں کا اور کنچلی اور گھاگھر (لہنگا) عورتوں کا تھا حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ کے حوالے سے جاڑوں میں کرتا تنگ آستین والا بنایا جاتا تھا۔ اندراج (سرور الصدور ص۳۸۶ میں موجود ہے۔

غریب طبقہ گھر کے کتے ہوئے سوت کے بنے ہوئے کھدّر۔ کھادی یا گزی گاڑھے کا استعمال کرتا تھا خدیجہ مائی کے کاتتے ہوئے سوت سے ان کے دوپٹے اور انکے شوہر کے تہ بند بنے جانے کی بات سرور الصدور میں کہی گئی ہے۔ البتہ حضرت فریدالدین چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تیرہویں صدی کے اواخر اور چودھویں کے اوائل میں باریک اور قیمتی کپڑوں کا انکے گھر میں رواج ہوا (سرور الصدور)

فنونِ لطیفہ (للت کلا)

فنون لطیفہ کے سلسلے میں گز بٹیر کا کہنا ہے کہ سنگیت اور نرتیہ (رقص ناچ) کی روایات کا ناگور میں پتہ نہیں چلتا البتہ گاؤں اور قصبوں میں گانے بجانے کا رواج تفریح کے لئے اور مندروں وغیرہ میں تھا لیکن ایک سنگیت کو یہاں خاص طور پر ظاہر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ صوفیوں کے یہاں

سماع کے نام سے جو قوالی کا رواج انکی خانقاہوں میں ہندوستان میں شروع ہوا بیشتر علماء کی سخت مخالفت کے باوجود قوالی کی دھاک بھی ترکوں کے دارالسلطنت دہلی میں بیٹھ گئی اس کے لئے ناگور کے شیخ محمد عطا عرف قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر ذمہ دار ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ ۵۶۲ھ ۱۱۶۶ء میں چوہان پرتھوی راج دویم کے عہد حکومت میں پہلی بار ناگور وارد ہوئے اور حضرت شیخ حمیدالدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کی نماز انہیں نے پڑھائی تھی واللہ اعلم بالصواب -

حضرت محمد بن عطا نے لمبی عمر پائی تھی ۶۲۱ھ مطابق ۱۲۲۴ء میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی ہندوستان تشریف لائے (سیر العارفین ص۱۵) اور حضرات ناگوری و اوشی نے مل کر دہلی میں قوالی کو رواج دینا شروع کیا اور اسی میں فیصلہ کن کامیابی حاصل کی گزیٹیر نے قوالی کو نظر انداز کر کے ایسا لکھا ہے کیونکہ صوفیوں نے قوالی کو خانقاہوں میں محدود کر رکھی تھی اسے عوامی شکل نہیں دی تھی اپنے تک محدود کر کے بعض اوقات قوالی کے ساتھ اپنے طور پر رقص بھی کرلیتے تھے مگر صوفیوں کے رقص میں اور بھارت ورش کے نرتیہ (رقص ناچ) میں فرق تھا (ملاحظہ ہوں حالات قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ)

تعلیم اور ثقافت

تعلیم کے سلسلے میں شیخ حمیدالدین ریحانی کی پاٹھ شالا (مدرسہ) کا ذکر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے مگر اس کا بیّن اور زندہ ثبوت وہ عمارت ہے جو "حمید پیر" کے مدرسہ کے نام سے آج بھی ناگور میں موجود ہے جہاں ریحانی گروجی جینیوں اور ہندوؤں کے بچوں کو پڑھنا لکھنا اور حساب سکھاتے تھے انکے بعد قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں شیخ سلیمان سہروردی علیہ الرحمہ نے ایک باقاعدہ مدرسہ کھولا تھا جسمیں حضرت بابا اسحاق مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے کھاٹو سے

یہ شیخ احمد نے بچے کو لاکر وہاں کے استادوں سے بچے کے لئے ابتدائی کتابیں فراہم کی تھیں (سیرت احمدیہ ص۱۱۱-۱۰) اسی مدرسہ سے شیخ مبارک ناگوری نے سولہویں صدی میں اور انکے دونوں بیٹوں فیضی اور ابو الفضل نے تعلیم پائی تھی۔ برہمنوں کے کسی قدیم مدرسہ کا علم ناگور میں ہم کو نہیں ہے راجپوت اکثر و بیشتر پڑھنا اور پڑھانا پسند نہیں کرتے تھے انکی تمام تر توجہ فنِ تلوار بازی کی طرف مرکوز تھی ہمارے جائزے کے مطابق ناگور میں تعلیم و ثقافت کے نمائندے اول تو جین ہی تھے بعد میں صوفیوں کی آمد پر ناگور میں تعلیمی زندگی پیدا ہوئی اور دو سو سال کے اندر ایک طرف گاگرون (جھالاواڑ) میں پیپا جی اور ناگور میں جمبھوجی (دونوں راجپوت) کے ذریعے ہندو سماج میں انکی اپنی اور پداولیوں (رباعی قطعہ) کے ذریعہ جاگرتی پیدا ہوئی بعد میں ہری داس جی بانی جماعت نرنجنی (پرگنہ ڈیڈوانہ) اور میرا بائی (میڑتا) کے بھجنوں سے عوام کی تربیت ہوئی ناگور (گزیٹیر ص۹۲-۱۹۰)

یاد رہے کہ ان سنتوں کی تحریک کا پیدا ہونا سلسلۂ چشتیہ کے صوفی بزرگوں کا مرہونِ منت ہے جب چودھویں صدی میں گرو راما نند نے بنارس سے ان کو للکارا تو یہ صوفیوں کو چھوڑ چھوڑ کر اس کی شاگردی میں چلے گئے راجستھان میں اسکی مثال پیپا جی (گاگرون) اور دھنا جاٹ ہیں شیخ کے نام سے راجپوت بچے کا نام شیخا اور اسکی اولاد سے شیخاواٹی اور شیخ میراں کے نام سے دوداجی راٹھور (جاگیردار میڑتا) کی بچی کا نام میراں جی رکھا جانا یہ صوفیہ اثرات کے بیّن ثبوت ہیں جمبھوجی سے جو بشنوئی تحریک چلی اسکی تفصیل بعد میں دی جائے گی یہ پورے عہد سلاطینِ دہلی خانزادگانِ ناگور کے زمانے سے ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کے عہد تک کا خلاصہ ہے یہاں پر سنتوں کا ذکر خیر سنگیت کے سلسلے سے آیا ہے تو میں عرض کر دوں کہ سنتوں کی بانی کا گانا ہو یا صوفیوں کی قوالی دونوں ہی تال اور سُر میں ادا کئے جاتے تھے فرق تھا تو یہ کہ صوفیوں کے یہاں تار کا باجا منع تھا اور انکے یہاں

فارسی کی غزلوں کے ساتھ ہندوی (ہندوستانی) زبانوں کے گیت بھی رائج تھے جسکا ثبوت ملفوظات سے ملتا ہے۔

موضوع تصوف یا صوفیت پر علمی سرمایہ

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکر دو صدیوں تک بزرگانِ دین نے علومِ متداولہ (رائج الوقت) کے درس و تدریس (پڑھنے پڑھانے) میں اپنی تمام تر توجہ صرف کی علمِ طریقت سے انہوں نے تیسری صدی ہجری سے علمی دلچسپی لی لیکن علمِ شریعت کی تعلیم کے بغیر نہیں کیونکہ شریعت کے بغیر طریقت کوئی معنی نہیں رکھتی طریقت یا صوفیت شریعت ہی کی عملی شکل ہے۔

دورِ اول کی تمام تر کتابیں عربی زبان میں تھیں دو سو سال بعد فارسی زبان میں تصوف کی داغ بیل ڈالنے والی پہلی کتاب ہندوستان کے غزنوی علاقے میں لکھی گئی اور جب ہم ہندوستان کا نام تواریخ کے تسلسل میں لیتے ہیں تو ہندوستان سے ہماری مراد پوری برصغیر ہند سے ہوتی ہے جو عرب ساگر اور خلیج بنگال کے بیچ میں اور ہمالیہ پہاڑ کے نیچے واقع ہے یعنی بھارت ورش جس میں موجودہ انڈیا پاکستان اور بنگلہ دیش سمائے ہوئے ہیں سلطان محمود کی دارالسلطنت غزنی سے لیکر لاہور تک کا علاقہ بھی عہد راجپوتی میں ہند کا جزو رہ چکا تھا اس فارسی کتاب (کشف المحجوب) کا ذکر خیر ذیل میں درج ہے تمام عربی فارسی کتابوں کے ذکر کرنے کے لئے ہمارے پاس اوراق کی کمی ہے اور ان سب کتابوں کو ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہمارے موضوع سے باہر ہے لہذا میں صرف انہیں کتابوں سے دلچسپی رکھتا ہوں جو حضرت شیخ محمد عطا عرف قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ یا انکے پیر و مرشد کی تصانیف ہیں یا حضرت صوفی محمد حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور انکے جانشین حضرت فرید الدین پاک پراں رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعے میں رہیں جنکا تعارف ہمیں ان دونوں بزرگوں کے ملفوظات سرور الصدور و نور البدور کے صفحات

میں ملتا ہے۔

۱۔ قوۃ القلوب فی معاملۃ المحبوب۔ (عربی) از شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمہ متوفی ۳۸۶ھ مطبوعہ مصر یہ اسلامی تصوف پر چوتھی صدی ہجری کی جامع تصنیف کہی جاتی ہے۔ اکابرین صوفیہ کے یہاں نہایت مقبول کتاب ہے جس کے حوالے کشف المحجوب اور عوارف المعارف کے علاوہ سرور الصدور میں جابجا موجود ہیں طریقت وسلوک کے دقیق مسائل پہلی بار مصنف علیہ الرحمہ نے ہی پیش کئے ہیں خاص موضوع جس پر زور دیا گیا ہے وہ اتباع شریعت ہے کیونکہ اسلامی تصوف درحقیقت قرآن و حدیث کی پیداوار ہے ہندوستان میں سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا تھا بہت سے بزرگ چشتیہ سلسلے میں اپنے خلفاء کو قوت القلوب کا درس دیتے تھے جیسا کہ ناگوری ملفوظ سرور الصدور سے ظاہر ہے

۲۔ طبقات الصوفیہ ۔ از شیخ عبداللہ انصاری ہروی عرف پیر ہری۔ شیخ الاسلام ہرات علیہ الرحمہ متوفی ۴۸۱ھ۔ اس کتاب کا ماخذ دراصل طبقات الصوفیہ شیخ سلمی نیشاپوری (متوفی ۴۱۲ھ) کی عربی تصنیف ہے جو مشائخ طریقت کے حالات پر سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہے اور جسے یورپ میں مرتب (ایڈٹ) کیا گیا ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو سامنے رکھکر اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اسکے مطالب کی تشریح اضافے کے ساتھ اپنی مادری زبان ہروی فارسی میں کیا کرتے تھے جو کہ قلمبند کرلی جاتی تھیں اسطرح سے طبقات الصوفیہ اب طبقات الصوفیہ ہو گئی پھر حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے نویں صدی ہجری میں پیر ہری کی کتاب کو فارسی رائج الوقت میں منتقل کرتے ہوئے اضافہ بھی فرمایا اور اسکا نام نفحات الانس رکھا شیخ عبداللہ ہروی کی کتاب طبقات الصوفیہ کو ہندوستان میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی تھی سرور الصدور میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے اور بڑی عقیدت سے اس کے حوالے دئیے گئے ہیں۔

۳- رسالۂ قشیریہ - (عربی) شیخ ابوالقاسم القشیری نیشاپوری متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۲ء مطبوعہ مصر - یہ رسالہ چشتیہ سہروردیہ، قادریہ سلسلوں میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے اور بزرگانِ طریقت اس کا درس دیتے رہے ہیں تصوف کی اہم کتابوں میں اس کا شمار ہے اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں یہ جامع رسالہ ہے جس میں عقائد صوفیہ، مشہور مشائخ کے مختصر حالات اور تصوف کی اصطلاحات کی تشریح ہے جس کے ذریعہ ناگور کے ملفوظات سرالسّد میں مندرجہ احوال و مقامات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اس میں کراماتِ اولیاء بھی مذکور ہوئی ہیں رسالے کا ترجمہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے مختصر تعارف کے لئے تصوف اسلام از مولانا ماجد دریابادی دیکھی جا سکتی ہے -

خاص چیز جو اس رسالے میں ملتی ہے وہ ان تمام اعتراضات کی تردید ہے جو اس زمانے میں عام طور پر تصوف اور صوفیہ پر عائد کئے جاتے تھے انداز گفتگو نہایت سلجھا ہوا اور دلکش ہے ثابت کیا گیا ہے کہ تصوف شریعت و سنت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بقول علامہ خلیق نظامی - شیخ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالے نے معترضین کی زبانیں بند کردیں اور تصوف کی ترقی اور قبولیت کے دروازے کھول دیئے (تاریخ مشائخ چشتیہ ص ۹۱) -

۴- کشف المحجوب (فارسی) از شیخ علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی تقریباً ۴۷۰ھ - یہ فارسی زبان میں لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے چونکہ اس کتاب کا تکملہ لاہور میں ہوا لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کا مفصل ذکر عہد غزنویہ کی دین کی حیثیت سے آگے چل کر کروں پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہی تھا اسکے بعد لینن گراڈ (روس) سے بڑی کاوش کے بعد ایڈٹ (مرتبہ) ہو کر شائع ہوئی ہے

پھر ایران میں بھی اشاعت ہوئی ہندوستان میں تو کئی ترجمے اردو میں چھپ چکے ہیں امام قشیری
کی طرح شیخ ہجویری نے بھی تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب لانے اور غلط فہمیوں کو دور
کرنے کی کوشش کی ہے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گہرائی ہے۔ حقیقی
تصوف کو عوام تک پہونچانے میں اس کا بڑا حصہ ہے بعض مشائخ کا خیال ہے جس شخص کا
کوئی پیر نہ ہو اسکے لئے کشف المحجوب کافی ہے پانچویں صدی کے کتب تصوف میں یہ کتاب
(کشف المحجوب) جامع ترین کتاب ہے صوفیہ کے عقائد، مشائخ کے مختصر حالات مختلف
مسلکوں کا ذکر اور تصوف کی اصطلاحات بھی درج کی گئی ہیں۔

۵۔ احیاء العلوم الدین المعروف بہ احیاء العلوم۔ (عربی) از امام محمد
غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۵ھ مطبوعہ مصر قوت القلوب (ابو طالب مکی) اور رسالۂ قشیریہ
(امام قشیری) ان دونوں عربی تصانیف کے بعد تیسری عربی کتاب احیاء العلوم انہیں دونوں
کا تکملہ ہے یعنی یہ کہ اپنے ان پیش رووں کی لائن پر گامزن ہو کر تصوف کی تاریخ میں اسکے
فلسفے اور اسکے باقاعدہ مستقل فن کی ترتیب کو پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیش
کر کے بارہویں صدی کو خاص اہمیت مصنف علام نے عطا فرمادی ہے کتاب چار ضخیم جلدوں
میں ہے جس کا اردو ترجمہ سو برس پہلے لکھنؤ سے شائع ہوا تھا بیسویں صدی میں کئی اردو
ترجمے طبع ہو کر سامنے آگئے ہیں اس سے قبل حضرت مولانا شبلی نعمانی اپنے رسالے الغزالی
میں اس کتاب اور اسکے مصنف پر تنقید و تبصرہ کر چکے تھے جو قابل مطالعہ ہے اسکے علاوہ
خواجہ مخدوم حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نبیرۂ صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی
شرح لکھی تھی مگر ہمیں دستیاب نہیں ہوئی امام قشیری کے اصطلاحات تصوف کے بعد
امام غزالی نے مزید اصطلاحات کا اضافہ کیا اسکے علاوہ بقول خلیق احمد نظامی صاحب

پہلے کے صوفی بزرگوں کی روایات اور کردار کی ابتک توجیہہ نہیں ہوئی تھی۔ امام صاحب نے ہر ہر مسئلے پر تفصیل سے بحث کی اور صوفیہ کے عمل کو صحیح ثابت کیا جسکو ہم احیاء العلوم کی تلخیص کیمیائے سعادت کے ذیل میں پیش کریں گے کیونکہ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ میں احیاء العلوم کا حوالہ تو آتا ہے لیکن احیاء العلوم کے بعد اسکے مضامین کو رسالے کی شکل میں کیمیائے سعادت کے نام سے جو امام صاحب نے فارسی زبان میں پیش کیا اس فارسی کی مختصر تشریح کو سلطان التارکین نے اپنے یہاں مزے لے لے کر خوب خوب استعمال کیا ہے۔

۲۔ کیمیائے سعادت (فارسی) از امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۵ھ

علامہ نظامی نے کیمیائے سعادت کی ترجمانی تاریخ مشائخ چشت میں نہیں کی ہے اسلئے کہ امام غزالی کی موٹی کتاب چار جلدوں میں امام صاحب مطالب اور موضوعات پر سیر حاصل بحث ہے جو کہ فارسی کتاب میں مختصراً دہرائے گئے ہیں لیکن ناگور کے سلسلۂ عالیہ چشتیہ حمیدیہ کے تذکرے میں کیمیائے سعادت کو خاص اہمیت حاصل ہے حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمہ احیاء العلوم سے مانوس تو ہیں لیکن اپنی حد تک، البتہ کیمیائے سعادت ان جیسے درویش عالم صفت کے لئے ناگور جیسی چھوٹی جگہ میں اپنے یاروں اور اہلِ کنبہ کی تعلیم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب پیر و مرشد سے عطا ہو کر جن خلیفہ کو چشتیہ مسلک کو رواج دینے کے لئے قصباتی ماحول میں بھیجا گیا ہو اور مسلک ترکِ دنیا، ان کا اپنا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہو انکے لئے امام غزالی کی تو شرعی توجیہات نہایت کار آمد تھیں اس موضوع کو ناظرین کرام صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے تحت تفصیل وار ملاحظہ فرمائیں گے۔ انشاء اللہ۔ مندرجہ بالا احیاء العلوم (عربی) اور کشف المحجوب (فارسی) میں بقول حضرت شمس بریلوی ان دونوں کتابوں میں صوفیانہ اخلاق پر بڑی سیر حاصل اور مکمل بحث کی گئی ہے

اسلئے اسلامی اخلاق میں مذکور دونوں کتابیں آپ اپنا جواب ہیں ۔

۷۔ **عوارف المعارف** (عربی) از شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔ متوفی ۶۳۲ھ مطبوعہ مصر بارہویں صدی کی یہ معرکۃ الآرا کتاب قوت القلوب (عربی) اور کشف المحجوب (فارسی) کے سلسلے کی نہایت جامع اور مبسوط کتاب ہے جو عربی زبان میں دارالخلافہ بغداد میں ۵۶۰ھ میں اسوقت لکھی گئی جب شیخ المشائخ بغدادی کا عالم شباب تھا حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری اور حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ آپکے ہم عصروں میں تھے لہٰذا حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب سے مانوس نہ ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔

اس کتاب میں نص قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں ان تمام اعتراضات کو رفع کر دیا گیا ہے کہ "تصوف" کوئی غیر اسلامی چیز ہے یہ قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اگر شریعت روح ہے تو طریقت جسم ہے اور اگر طریقت روح ہے تو شریعت اسکا جسم ہے ۔ طریقت نام ہے کامل اتباع شریعت کا ۔ تیرہویں صدی عیسوی میں جب سلسلوں کی تنظیم شروع ہوئی تو ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ بغداد اور اطراف میں قادریہ خانقاہوں میں بھی یہ کتاب پڑھی پڑھائی جانے لگی کیونکہ اس میں بنیادی عقائد ۔ خانقاہوں کی تنظیم ۔ مرید اور پیر کے تعلقات کتاب وسنت کی روشنی میں بیان ہوئے ہیں تصوف کی اصطلاحات بھی سمجھائی گئی ہیں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاص مریدین اور خلفاؤں کو اس کا درس دیا کرتے تھے گلستاں ۔ بوستاں کے مصنف حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ شیخ سہروردی کے مرید تھے مگر یہ واضح کر دیا جائے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی فقہ میں امام شافعی کے پیرو تھے ۔

اس پورے موضوع پر میں نے علامہ شمس بریلوی کے اردو ترجمۂ عوارف المعارف سے استفادہ کیا ہے۔ امام غزالی اور شہاب الدین سہروردی ان دونوں بزرگوں کی خدمات پر صوفیہ سلسلوں کے ضمن میں عرض کروں گا اور اسی کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی کارنامہ کتنی سامنے آجائے گا انشاءاللہ۔

شعرائے صوفیہ گیارہویں بارہویں صدی عیسوی میں

کتابوں کا علمی سرمایہ متعلقہ نثر (عربی۔ فارسی) ہم نے ناگور کے نقطۂ نظر سے پیش کر دیا لیکن خلیق نظامی صاحب نے جو شعراد بزرگوں کے تذکرے میں مولانا شبلی کا نظریہ پیش کیا ہے اس کے لئے مجھ کو یہاں پر ایک صدی پیچھے پلٹ کر گیارہویں صدی کے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیات کا ذکر کرنا پڑے گا شیخ ابوسعید ابوالخیر پر عرفہ کتاب اسرار التوحید فی مقامات ابوسعید (متوفی ۵۵۱ھ) کے ذکر میں شمس بریلوی نے ترجمۂ عوارف المعارف کی تمہید میں کیا ہے اور اسی نام سے ایک کتاب فارسی میں بھی ہے (سنہ تالیف ۵۸۰ھ) جو طہران سے شائع ہو چکی ہے۔ ناگور میں حضرت صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ اور انکے جانشین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں شیخ ابوالخیر کی رباعیات کا بڑا چرچا تھا اور شیخ ابوسعید کی اتباع میں دادا پوتے دونوں ہی شعر گوئی کی مشق کیا کرتے تھے جسکو میں ان دونوں بزرگوں کی حالات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا یہاں صرف اتنا کہنا ضروری ہے کہ شیخ ابوسعید نے فارسی رباعیات کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے حقیقت یہ ہے کہ نثر کے ذریعے خیالات کی ترویج اتنی آسان نہیں جتنی نظم کے ذریعے ہوتی ہے ...... شیخ کے اشعار میں عشق حقیقی کی آگ بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے (نظامی) ــــ نتیجہ یہ ہوا کہ پیر ہری کی مناجات اور شیخ ہجویری لاہوری کی کشف المحجوب نے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہونچانے

میں زبردست کارنامہ انجام دیا شیخ صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوسعید علیہ الرحمہ کی
رباعیات کے بڑے دلدادہ تھے ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ تو تھے ہی صوفی شعراء کے پیش رو
(م ۱۰۴۹ء) بارہویں صدی کے مشہور صوفی شعراء میں حکیم سنائی اور خواجہ فریدالدین
عطار ہیں اخلاقی شاعری کی بنیاد (اصول اور آئین) حکیم سنائی غزنوی کی قائم کردہ ہے
آپ سلطان بہرام شاہ کے ہم عصر تھے آپکے بعد خواجہ فریدالدین عطار نے قصیدہ، رباعی
غزل تمام اصناف سخن میں صوفیانہ خیالات شامل کرکے اسکا دائرہ وسیع کردیا (مشائخ
چشت ص ۱۰۰) - اب تصوف کا صرف عوامی تحریک بننا باقی تھا تیرہویں صدی میں
سلسلوں کی تنظیم سے وہ کمی پوری ہوگئی اس سے قبل کہ ہم روحانی سلسلوں میں سہروردیہ
چشتیہ کا ذکر کریں میں ایسے دو بزرگوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا جنکی شخصیتوں کی چھاپ بارہویں
صدی کی تاریخ تصوف پر نہایت پائدار رہی ہے۔

۱۔ حضرت شیخ محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۶ء) حضرت
امام غزالی کی خدمات، علمی تصوف کے بارے میں ہیں تو حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات
عملی نوعیت کی ہیں جن کے ذریعہ اسلام کے زرین اصولوں کی بغداد جیسے مرکز سے نہ صرف
نشرواشاعت ہوئی بلکہ ارشاد و تلقین کی قادریہ ہنگامہ آرائی کے اثرات ہندوستان کے پڑوس
میں غور کے علاقے تک پہونچ گئے جہاں بھی فرقہ مہایان کے لوگ گوتم بدھ کی پوجا کرتے تھے
حضرت شیخ الکبیر (بڑے پیر صاحب) کی مجلسوں میں حاضرین کی تعداد ستر ستر ہزار تک پہونچ
جاتی تھی چار سو کاتب قلم دوات لئے شیخ کی تقریریں نوٹ کرتے رہتے تھے (اخبار الاخیار)
آپکے وعظوں کے دو مجموعوں، فتوح الغیب، اور فتح ربانی کا اردو ترجمہ دستیاب ہے اور
آپکی کتاب غنیۃ الطالبین (عربی) جس کا فارسی ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے
کیا تھا بارہویں صدی میں مسلمانوں کا دینی ماحول سمجھنے میں بے حد کارآمد ہے (مشائخ چشت ص ۱۰۱)

۲ ۔ دوسرے عظیم البرکت بزرگ جنکو بارہویں صدی کے دور میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے ۔ حضرت بغدادی بڑے پیر کے ہم لقب شیخ محی الدین ابن عربی ہیں ۵۶۰ھ ۔ ۱۱۶۵ء آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے معاصرین میں سے ہیں آپکا پیدائش ملک اسپین (اسپانیہ) کی ہے لیکن آپکے کارہائے نمایاں مشرقی ممالک میں انجام پائے آپکا عرف شیخ اکبر ہے اور اسی نام سے آج بھی یاد کئے جاتے ہیں آپ کثیر التصانیف تھے لیکن آپکی دو کتابوں "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی لہٰذا ایک تو ہوئے شیخ کبیر (بڑے پیر) اور انکے بعد شیخ اکبر ہیں ۔ جنکے نظریات اور عقائد کا نچوڑ انہیں دونوں کتابوں میں ملتا ہے شیخ اکبر کے فلسفے کا مرکزی نقطہ وحدت الوجود ہے ۔ علامہ نشاطی کے الفاظ میں "مختصراً" اسکے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں ۔ یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدائی ہے اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے صوفیہ کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے الگ نہیں ۔۔۔۔۔۔ شیخ اکبر کے اس نظریۂ وحدت الوجود سے اسلام کے بہترین دماغ متأثر ہوئے اور یہ نظریہ تصوف کی روح بن گیا (مگر)۔۔۔۔۔۔ چند باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں مثلاً کہ مسئلۂ وحدت الوجود پر عوام میں گفتگو کو مشائخ بہت برا سمجھتے تھے ۔۔۔۔۔۔ حقیقت میں یہ مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ عوام اس کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے اور ایسی صورت میں بے راہ روی پیدا ہو جانا لازمی ہے دوسری بات یہ کہ نظریہ "وحدت الوجود" ۔۔۔۔۔۔ پر اعتقاد رکھنے والے کا مطمح نظر بلند سمندر دریاں وسیع اور مقاصد اعلیٰ ہوتے ہیں وہ عملاً "الخلق عیال اللہ" (خلق اللہ کی عیال ہے) کا قائل ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔ ایسے انسان میں تنگ نظری اور تعصب کا وجود تو رہتا ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ وحدت الوجود کو عملی زندگی میں ایک انقلابی عنصر کی حیثیت سے استعمال کرنے کے لئے مجددانہ بالغ نظری اور بیدار مذہبی شعور کی ضرورت

ہے ورنہ اسکی گمراہیاں کبھی (اکبر بادشاہ کے) دین الٰہی کی شکل اختیار کرلیتی ہیں اور کبھی فتنۂ نمود و نمود کی جیسا کہ شاہزادہ دارالشکوہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا (مشائخ چشت ص ۴۲ ۱۱-۱۱۱)

چشتیہ سہروردیہ سلسلوں سے پہلے اسلامی دنیا کی حالت کا نقشہ پروفیسر خلیق صاحب نے یوں کھینچا ہے .... حالت زبوں تھی خلافت بغداد پر نزع کا عالم طاری تھا۔ بغداد کی عظمت ماضی ایک داستان بن چکی تھی .... اخلاقی پستی اپنی آخری حد پر پہونچ چکی تھی امراء و سلاطین، خلفاء و وزراء سب پر ایک اخلاقی انحطاط کا رنگ چھا گیا تھا عجم کا سیاسی نظام بے جان ہوچکا تھا اور کچھ ہی دنوں میں گرنا چاہتا تھا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی جو کہ عدل و انصاف میں مشہور تھا لیکن جب انکے تینوں بیٹوں میں خانہ جنگیوں کا ہولناک سلسلہ شروع ہوگیا تو شہر کے شہر تباہ ہوگئے دیہات و قصبات میں خاک اڑنے لگی ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں اور امن و امان کا نام و نشان نہ رہا ...... امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معاصر سلاطینوں پر احیاء العلوم (عربی) میں کھل کر تنقید کی ہے جسکا نمونہ کیمیائے سعادت (فارسی) میں موجود ہے ارکان سلطنت اور وزراء کو انکی بے راہ روی پر متنبہ کیا ہے اور انکو خطوط بھی لکھے ہیں (مشائخ چشت ص ۱۴ ۱۴۸-۱۱۶)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تنقید میں امام غزالی سے بھی بڑھکر تھے خلفائے وقت پر عوام کے سامنے تنقید کرتے تھے علیٰ ہذا القیاس شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اندلس کی ابتری پر اللہ سے مناجات کرتے تھے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی نہایت جرأت کیساتھ سیاسی حالات کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے سلاطین وقت سے گفتگو فرماتے تھے اور اگر کسی معاصر شیخ سے کوئی لغزش ہوجاتی تو اسکو پند و نصیحت فرماتے تھے ہمارے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ سہروردیہ چشتیہ سلسلوں کا ذکر چھیڑا جائے لیکن شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ معین الدین چشتی اجمیری سے قبل جو دو سو سال کا

طویل زمانہ حائل ہے اسکا تعارفی جائزہ ناظرین کے سامنے پیش کئے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا میرا مطلب عہد غزنویہ اور عہد غوریہ کے درمیانی دور (۱۱۰۰ تا ۱۲۰۰) سے ہے لہٰذا ناظرین با تمکین سے میں اس پس منظر پر مزید سمع خراشی کی اجازت چاہتا ہوں۔

ہندوستان کو عہد غزنویہ کی دین!

موضوع سے متعلق سب سے پہلا تحفہ جو غزنوی عہد میں ہندوستان کو حاصل ہوا وہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری یا شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف پر فارسی زبان میں تصنیف اول ہے جو سرزمین ہند میں لکھی گئی جس کے لئے ہم کو بجا طور پر فخر ہے اس گرانمایہ کتاب پر ذرا تفصیل سے بات کرنے ہی پر ہم اسکے حقوق سے عہدہ برآ ہو سکیں گے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ اس سے پہلے میں علامہ البیرونی کی عربی کتاب (کتاب الہند) سے گیارہویں صدی یعنی ترکی فتوحات ہند سے ماقبل ہندوستان کی سماجی حالت کیا تھی اس پر ایک معاصر عالم کی چشم دید رپورٹ ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتا ہوں۔

کتابُ الہند (عربی)

علامہ البیرونی کی عربی کتاب کی خاطر خواہ اشاعت نہ ہو سکی اور چھاپہ خانہ کی ایجاد کے بعد بھی اسکا متن ایک سَو سال سے زیادہ عرصے تک غیر مطبوعہ رہا کتاب کا کوئی فارسی ترجمہ بھی ہمارے علم میں نہیں ہوا ہے کیونکہ یہ کتاب تمام تر سنسکرت ماخذوں کی مرہون منت ہے اور سنسکرت الفاظ اور اصطلاحات کو عربی رسم الخط میں پڑھکر اسکا صحیح املا اور تلفظ زبان داں ہی کر سکتا ہے سَو برس پیشتر کتاب کا ترجمہ جرمن عالم سخاؤ نے لندن میں بیٹھکر انگریزی زبان میں نہایت سلیقے اور صحت کے ساتھ کیا تھا انگریزی سے یہ ترجمہ اردو اور ہندی میں بھی آگیا ہے لیکن عربی متن تو ابھی چند سال پیشتر حیدرآباد سے شائع ہوا ہے

علامہ البیرونی تو ایک طرح سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں نظر بندی کی زندگی غزنی اور ملتان کے درمیان گزار رہے تھے یونانی علم نجوم کے ماہر تھے اور ہندوستان میں رہ کر نجوم ہند پر کتاب قانون مسعودی لکھ کر محمود کے جانشیں مسعود کے نام سے معنون کی ہے جو غیر مطبوعہ ہے یہاں پر ہم کتاب الہند میں سے اپنے موضوع کے اعتبار سے جو باتیں ہندوستان میں اسلامی تصوف کو سمجھنے میں مددگار ہیں ان کو الگ کر کے پیش کریں گے کیونکہ یہ پوری کی پوری کتاب تو ہندو مذہبیات پر ہے جو گیارہویں صدی عیسوی کے سماجی پس منظر کو سمجھنے کے لئے از بس ضروری ہے اسی کتاب کے ساتھ ساتھ جینیوں کے گرنتھوں کو ماخذ بنا کر بیسویں صدی کے علمائے تواریخ نے شمالی ہند میں چار ورنوں (یعنی چار ذاتوں) (برہمن، راجپوت، ویشیہ اور شودر) والے دھرم کی مضبوطی اور کمزوری پر بات کی ہے۔

غزنی کے ترک حکمراں، راجپوت راجاؤں سے نپٹتے تھے مگر البیرونی کا رابطہ برہمن اہل علم کے ساتھ رہا تھا جنہوں نے انکو سنسکرت بھاشا سکھانے سے صاف انکار کر دیا تھا کیونکہ برہمن ہی اس دیوبانی (آسمانی زبان) کو اعلیٰ ورن کی ذاتوں کو ہی پڑھا سکتے تھے مگر شودروں اور پست ذات والوں کو نہیں برہمنوں کی کمزوری البیرونی کی نظر میں یہ تھی کہ اپنی علمیت پر انکو ناز تھا ایران یا خراسان کا کوئی بھی عالم ہو اس کو یا اسکی تصنیف کو خاطر میں نہیں لاتے تھے دوسری بات برہمن علماء کی جو البیرونی کو کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ سائنس کے نظریات جو عوام کو سمجھا کر پیش کئے جائیں اسکی زحمت برہمن ودوان گوارہ نہیں کرتے تھے مثلاً جوتش شاستر کے مطابق سورج گرہن یا چاند گرہن کا وقوع کس طرح ہوتا ہے اسکو ٹال کر عام جنتا کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ کرۂ شمسی یا

تمری کو راہو ڈس رہا ہے (راہو یعنی دیو) اس سے نجات کے لئے دان دکشنا دینی چاہیئے۔

البیرونی کو سلطان محمود ۱۰۱۷ء میں خوارزم کی فتح کے بعد وہاں سے لایا تھا محمود ہندوستان میں بت شکن اور لٹیرا بھلے ہی مشہور ہو لیکن اپنے ملک میں فنون اور ادب اور سائنس کا سرپرست تھا سلطان کا دارالعلوم غزنی میں مشہور تھا البیرونی کی شہرت نجومی۔ ریاضی داں اور فلاسفر کی تھی لیکن ہندوستان کے علاقے میں آکر یہاں کے علوم کے مطالعے کا اسکو موقع ہاتھ آیا سنسکرت بھاشا جیسے کبھی سیکھی ہو۔ دین دھرم کی کوئی کتاب نہیں بچی جو اس نے نہ پڑھی ہو اور جب پنجاب میں پوتھیاں ملنی بند ہو گئیں تو لکھتا ہے کہ محمود کے حملوں کی وجہ سے برہمن لوگ اپنی پوتھی پتر لیکر ایک طرف کشمیر کو اور دوسری طرف بنارس کو چلے گئے ہیں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ محمود کے حملوں سے اسلام کو کوئی نفع نہیں ہوا ہے کیونکہ یہاں یعنی پنجاب کی عورتیں روتے بلکتے بچے کو یہ کہکر چپ کرتی تھیں کہ چپ ہو جا نہیں تو محمود آجائے گا۔ ایک اور بات البیرونی نے برہمنوں کے حق میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے خراسان میں سن رکھا تھا کہ ہندوستان کے لوگ خالص مورتی پوجک ہیں لیکن برہمن علماء کے ساتھ تبادلۂ خیال سے یہ انکشاف ہوا کہ نہیں برہمن ودوان کے پاس ایک خدا کا تصور موجود ہے اور برہمن ودھوان ایک خدا کے قائل ہیں یہ سب ہوتے ہوئے ایک بات اور جو البیرونی کو کھٹک گئی وہ وہی ہے جسکو یونانی، چینی اور عرب مسافر صدیوں سے لکھتے چلے آئے تھے یعنی یہ کہ چار ورن (چار ذات) کے علاوہ کسی اور ورن کو ہندوستانی ضابطۂ سماج تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا تمام کی تمام پیشہ ور جاتیاں اسما ورنا شرم دھرم کے باہر ہی شمار کی جائیں گی باہر سے آنے والے ان مسافروں نے ہر زمانے میں ان دست کار اہل کسب کو گنایا ہے اور جین گرنتھوں میں سے جو دھیلو رکے ڈاکٹر دشرتھ شرما نے اپنی دونوں انگریزی کتابوں (ارلی چوہان ڈینسٹیز، اور راجستھان تھرو دی ایجز) میں نہایت قیمتی معلومات اس موضوع پر بہم پہونچائی ہیں جس کے نتیجے میں آج یورپ میں اور ہندوستانی

ہندو وغیر ہندو دونوں اسکالر سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ بارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان
کے زوال یعنی ترکوں کی راجپوتوں پر فتح کا خاص سبب راجپوتوں کی آپسی پھوٹ یا انکی فوجی
تنظیم کی کمزوری کا نہیں بلکہ یہ سماجی کمزوری ہے کہ دھندے والی جاتیوں کو چار ورنوں سے
الگ رکھ کر ان کو دیدہ ودانستہ حقوق معاشرہ سے محروم رکھا گیا تھا شاستروں میں ان
قوموں کو انتیج رکھا گیا ہے اسی کے ساتھ ساتھ جب سماج میں کام اور محنت کی تقسیم
روا رکھ کر حکومت اور تلوار کشی کے فرائض راجپوتوں کو سپرد کئے گئے تو بدیشی (بیرونی)
حملوں کی روک کے لئے راجپوت کے علاوہ کسی کو آگے بڑھنے کا حق یا اسکا فرض نہیں
رہا برخلاف اسکے حملہ آور ترکوں کے یہاں اسلامی شریعت کے قانون کے تحت ہر
ہٹے کٹے تندرست مرد کو خدمت انجام دینی فرض میں داخل ہے یہ ہے متفقہ رائے
آج کے یونیورسٹی اور کالج کے علماء تواریخ کی جن کی کتابیں نصاب میں داخل ہیں انہیں
میں اجمیر کے پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ہیں جنہوں نے ایک صدی آگے بڑھکر عہد
غزنوی کے بعد عہد غوری میں یہ دکھایا ہے کہ ذات پات کی تفریق (چھوت چھات کے ساتھ)
بڑھتی ہی گئی اور اب بارہویں صدی میں برہمنوں میں جاتیوں کے تحت اپ جاتیاں
بننے لگی تھیں علم کی ترقی رک سی گئی تھی طبع زاد (اصلی) کتابوں کی جگہ بارہویں صدی کے ہندوستان
میں کتابوں پر حاشیے اور تعلیقات لکھے جا رہے تھے ایسی حالت میں حب وطن اور
دردیش کی حفاظت کے لئے جان لڑانے کا جذبہ کہاں سے پیدا ہو سکتا تھا (مدھیہ کالین
بھارتیہ سنسکرتی از ڈاکٹر اوجھا) دشرتھ شرما ایک جگہ لکھتے ہیں کہ البیرونی نے ہندوؤں
اور مسلمانوں کے درمیان رائج بہت سی ان میل باتوں کا ذکر کیا ہے لیکن ڈاکٹر دشرتھ
شرما نے ان باتوں کو گنایا نہیں ہے ہم دو درجن باتوں میں سے صرف ایک ہی کا ذکر کریں گے
باقی دوسری باتیں البیرونی کے ترجمے میں دیکھی جا سکتی ہیں (البیرونی کا بھارت، ہندی مطبوعہ)

(اور البیرونیز انڈیا۔ انگریزی مخلص مطبوعہ نیویارک)

واضح ہو کہ کتاب الہند علامہ ابوریحان البیرونی نے اپنے ملک کے اہل علم کے لئے لکھی تھی اس لئے اسکی زبان عربی ہے لیکن تحریر کا لہجہ نہایت نرم اور سلجھا ہوا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مصنف نے رواداری کے ساتھ ہندوؤں کی اچھی اور بری باتوں کا اندراج کیا ہے اسی لئے اس کتاب کے مضامین کو آج ہندوؤں کے اہل علم اعلیٰ درسگاہوں میں پڑھ پڑھکر اپنی تصانیف میں اسکے حوالے دے رہے ہیں کیونکہ ہندوستان کے درمیانی زمانے کی سماجی حالت پر یہی واحد کتاب دستیاب ہے بار تو ہندوؤں برہمنوں کی بات جو علامہ ابوریحان کو خاص طور پر کھٹکی تھی وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بن کر (جولاہے) کو ناپاک (اچھوت) لیکن سینگی لگانے والے اور مرتے ہوئے جانور کو پانی میں ڈبو کر یا جلا کر پیسے روپے کے عوض میں مار ڈالنے والی ذات کو پاک سمجھتے ہیں ہم نے علامہ کے ایک اور مشاہدے کو چن لیا ہے کیونکہ پیشہ ور قوموں میں جنکو اچھوت کہکر چار ورن والے (چاتر ورن) سماج میں جگہ دینے سے محروم کر دیا گیا تھا یہی وہ قومیں ہیں جنہوں نے مسافروں، سوداگروں نجومیوں اور اسی قبیل کے دوسرے مسلمانوں کی طرف کشش محسوس کی تھی اور جب صوفیوں کا ورود مسعود راجستھان میں ہوا تو جہاں جین طبقہ اور راجپوت حکمراں ان درویشوں سے متاثر ہوئے وہیں پیشہ ور قوموں کے گروہ کے گروہ آکر انکے حلقہ بگوش ہوئے اور ان اہل کسب میں نور باف (جولاہے) اور راجپوت لوگ خاص امتیاز رکھتے ہیں جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔

یہاں پر ہم البیرونی کی بات اپنے الفاظ میں پیش کر دینا چاہتے ہیں کہ صوفیوں کے ذریعے راجستھان میں اسلامی تہذیب کا جو نمونہ پیش ہوا اس میں حسب ذیل باتیں نمایاں تھیں مثلاً صفائی طہارت اور لطافت کے لئے ایک ایک ہفتہ میں بال اور ناخن کٹوانا ضروری ہے اور زیر ناف کے بال بھی تراشے جائیں گے کھانا ایک ساتھ بیٹھکر دسترخوان کے

اوپر رکھکر کھایا جائے گا ایک ہی برتن میں سب کا مل کر کھانا باعث برکت ہے جھوٹے
بسنے کا کوئی پرہیز نہیں بلکہ مومن کا جھوٹھا شفاء ہے غیر مومن مہمان کا جھوٹھا پانی پی سکتے ہیں
مٹی کا برتن کتانا کھانے سے ناپاک نہیں ہوتا حلال چوپائے کا گوشت کھایا جائے گا لیکن
اس کا گوبر یا موتر (پیشاب) بیرونی استعمال میں لانا منع ہے ستر عورت کے لئے کمر سے لیکر
گھٹنے تک کے اعضاء ڈھکے جائیں گے (مرد کے لئے) عورت کے لئے صرف چہرہ اور
ہاتھ (کلائیوں تک) اور پیر (ٹخنوں کے نیچے تک) کھولنے کی اجازت ہے ۔ مرد نہ تو غازہ
استعمال کرسکتا ہے اور نہ ہی بدن کے کسی حصے میں گہنا زیور استعمال کرے گا سوائے
چاندی کی (سونے کی نہیں) انگوٹھی کے ۔ وہ بھی وزن میں ساڑھے چار ماشہ کی ۔ عورت کا
درجہ مرد کے برابر ہی ہے سوائے اسکے کہ خدا کے پیغمبر مرد ہی ہوتے آئے ہیں
حکومت مرد ہی کرے گا اور گھر میں کمانے والا مرد جو عورت کا منیجر اور محافظ بھی ہے
اپنی بیوی سے اس لحاظ سے بس ایک درجہ افضل ہے خانہ داری میں کمائی بیوی کے ہاتھ
سے خرچ ہوگی حکومت عورتوں کے مشوروں سے نہیں چلے گی البتہ کبھی کبھی عورتوں سے
بھی خانہ داری کے کاموں میں مشورہ لیا جائے گا گھر میں داخلے اور رخصت دونوں
کے لئے اجازت طلب کی جائے گی بزرگوں کے سامنے نہ تو تھوکو اور نہ ناک سنکو اور
نہ ان کے سامنے جوئیں مارو ریاح کے خارج کرنے (پادنے) کو چھپاؤ مگر چھینک کو
بُرا شگون نہ جانو چھینکو تو کہو ۔ الحمد للہ (اللہ کا شکر ہے) بلکہ پاس والا جو سنے تو وہ چھینکنے والے
کیلئے اللہ سے کہے یرحمک اللہ (اللہ تیرے اوپر رحم فرمائے) جولاہا ناپاک اور اچھوت نہیں ہے بلکہ دوسری
پیشہ ور قوموں کے مقابلے میں زیادہ دیندار ہے ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز دے تو
پھینک کر دینا خلاف تہذیب ہے ۔ وحشت ناک بدبو والی رطوبت اسی طرح ناپسندیدہ
ہے جسطرح گوموت، خون پیپ وغیرہ یا مست ہاتھی کے کانوں کا پانی ۔ یاد رہے کہ میرا موضوع

تصوف سے حضرات صوفیائے کرام کے یہاں ہندوستان میں تہذیب الاخلاق کی جو
تعلیم خانقاہوں میں تیرہویں صدی میں رائج ہوئی اسکی روشنی میں میں نے علامہ ابوریحان
کی روح کی تسلّی کے لئے کچھ باتیں یہاں پیش کردیں کیونکہ علامہ کے زمانے گیارہویں صدی
میں یہ تعلیمات ہندوستان کے اس خطے میں آپکی تھیں جہاں بیٹھ کر انہوں نے کتاب بھی
تصنیف کی اور جہاں ہندوستانی تہذیب کو سمجھنے کے لئے انہوں نے نقل وحرکت بھی
کی ایک مسلمان نووارد دانشمند کو اسلامی تہذیب کے برعکس کچھ باتیں ناپسند ہوئیں
تو اس نے اپنا ردعمل پیش کیا جس پر نہ موجودہ زمانے میں مترجموں کو اعتراض ہوا اور
نہ ترجمہ کے پڑھنے والوں کو کیونکہ البیرونی کی مہتم بالشان اور معرکۃ الارار کتاب کی طرز تحریر
سراسر علمی ہے اسکی نیت ہندوستانی تہذیب کا کھنڈن کرنے کی نہیں ہے بعض باتیں
اس کتاب کے اندر ہندو دھارمک ساہتیہ کے حوالے سے ایسی ملیں گی جن کو پڑھکر مسلم
توحید پرست قوم کے علمار کو گراں ہوگی لیکن البیرونی کی قوت برداشت کو داد دینی پڑے گی
کہ انہوں نے ہندو مذہب کو پسندیدہ ڈھنگ سے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا ہے
گھناؤنے طریقے سے نہیں کیونکہ شروع سے آخر تک انہوں نے علمی پلیٹ فارم سے
ہی دین ومذہب پر بات کی اور ترجمہ تو سخاؤ کا ایسا بن پڑا ہے کہ سو برس کے عرصے
میں کم از کم اسکے دو نئے ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور آج تک اس جرمن عالم کے ترجمے
پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی البیرونی کی کتاب الہند رہتی دنیا تک ہندتو کے
طالب علموں کے لئے مشعل راہ رہے گی۔

۹۔ **کشف المحجوب** (فارسی) اسلامی تصوف پر سب سے پہلی اس
فارسی کتاب کے مصنف کا پورا نام سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ہے جو اپنے
مزار مقدس کے شہر لاہور میں داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں آپکا سلسلہ نسب

وطریقت دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے آپ اپنے بزرگوں کے پرانے محلے کے نام اپنی نسبت کو پسند فرماتے تھے اور کتاب میں جابجا اپنے کو جلابی لکھ رہے ہیں تاہم وہ دنیا میں ہجویری کے نام ہی سے مشہور ہیں کیونکہ محلہ ہجویر میں انکے والد سکونت اختیار کر چکے تھے سال وفات ۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء انکی کتاب کے اردو مترجم مجید یزدانی کے نزدیک صحیح ہے۔

سیاحت کے بعد حضرت ہجویری ۴۳۱ھ میں مطابق ۱۰۳۹ء لاہور میں تشریف لے آئے تھے جو کہ خاندان غزنویہ کی تواریخ میں سلطان مودود بن مسعود کا دور سلطنت ہے یا آخری سال۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پہلی غیر سرکاری مسجد لاہور میں تعمیر کروائی اور تعمیر کے کام میں عملی حصہ بھی لیا اس وقت علامہ ابوریحان کا دور تصنیف و تالیف ختم ہو چکا تھا آپکو اہلسنت والجماعت اور حنفی ہونے پر فخر تھا تصوف میں عربی رسالے قشیریہ کے مصنف ابوالقاسم قشیری کا ذکر خاص اساتذہ میں کیا ہے آپ مسلک تصوف میں حضرت جنید بغدادی کے مکتب فکر سے متاثر و متعلق ہیں جن کو طاؤس العلماء کہا جاتا ہے جنیدی کا طریقہ اہل صحو کا ہے جس کا برعکس طریقہ مبنی بر سکر ہے کیونکہ حضرت ہجویری نے صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ "مشائخ من جملہ جنیدی بودہ اند" (میرے مشائخ تمام کے تمام جنیدی ہوئے ہیں) کیوں نہ ہو؟ اس لئے تو کشف المحجوب صوفی حمیدالدین ناگوری علیہ الرحمہ کی پسندیدہ کتاب تھی۔

کشف المحجوب کے علاوہ آپ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جو آج ناپید ہیں یا چرالی گئیں اسی کتاب کے ماخذ میں مصنف نے عربی رسالہ قشیریہ کے ساتھ طبقات الصوفیہ (کتاب سلمی رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی گنایا ہے جسکا ذکر میں آغاز کتاب میں کر چکا ہوں انکے علاوہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے رسالوں کا بھی حوالہ دیا ہے حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کا مسلک میں آگے پیش کروں گا مگر بقول مترجم "اصل ماخذ تو قرآن پاک اور

احادیث نبوی ہیں کہ ہر مسئلے کی ابتداء و انتہا عالم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں سے کی ہے۔
کشف المحجوب کی تاریخی حیثیت و اہمیت ہمیشہ مسلّم رہی ہے فارسی کے تذکرہ نگاروں نے ہر کے زمانہ میں اور روسیوں اور انگریزوں نے بیسویں صدی میں اس کتاب پر خاص توجہ دی ہے حتیٰ کہ نکلسن نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کر کے شائع کیا اور ژوکوفسکی نے کتاب کا صحیح ترین متن مرتب کر کے بڑی محنت و کاوش کے بعد ۱۹۰۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہونچا دیا اور بالآخر ۱۹۲۶ء میں طہران سے کتاب چھپ کر سامنے آگئی مجید یزدانی نے اس تصحیح شدہ متن سے اردو ترجمہ کیا ہے میں یہاں پر یزدانی کی تمہید سے حسب ذیل اقتباس پیش کرتا ہوں۔

امام قشیری کے رسالے کو دنیائے تصوف میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور کشف المحجوب کیساتھ اس کا ذکر کبھی برابری اور کہیں برتری کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن اس ضمن میں مولانا ماجد دریا بادی نے جو رائے دی ہے وہ سب سے زیادہ قابل اعتماد اور لائق توجہ ہے تصوفِ اسلام کے صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں۔

امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے برخلاف اسکے مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک محققانہ انداز سے اپنی ذاتی تجربات، واردات، مکاشفات، اور مجاہدات وغیرہ کو بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر رد و قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے اوراقِ کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ حکایات و روایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے" (استفادہ از تمہید اردو ترجمہ مجید یزدانی) شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سالِ وفات (۱۰۷۲ء) کے مطابق ان کا زمانہ غزنوی سلطانوں کے عہد میں آخر کا زمانہ ہے لیکن چونکہ کشف المحجوب حضرت کی آخری تصنیف بتائی جاتی ہے اس لئے قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ معرکۃ الآرا کتاب سلطان

ابراہیم غزنوی (۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء/ ۔ ۴۵۷ھ/۱۰۵۹ء) کے عہد کی پیداوار ہے جبکہ اس دیندار سلطان کی ملک داری نے باپ دادا کے ملک پر ضبط و نظم قائم کر رکھا تھا انقلاب زمانہ کے باعث مملکت میں جو بدنظمی پیدا ہو چکی تھی وہ ابراہیم کے عہد میں ختم ہو چکی اور سلطان محمود کا دو سنئے سرے سے تازہ ہو گیا۔ منہاج سراج مزید لکھتے ہیں کہ سلطان "بہت بڑا بادشاہ عالم، فاضل عادل دوست، خدا سے ڈرنے والا۔ مہربان، علماء سے محبت رکھنے والا، دین پرور اور دیندار تھا (طبقات ناصری اردو ترجمہ ص ۴۲۷-۴۲۸)

افاضات حمید کا یہ بیان ہے کہ اس عہد میں جب راجستھان میں دُرلبھ راج سوئم کی حکومت تھی اور چوہان سانبھر کی راجدھانی سے حکومت کر رہے تھے راجستھان میں مسلمانوں کی نزبلی ہوتی تھی اس بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے مسلمانوں کا ایک وفد آیا اور سید انس مشہدی (ڈیڈوانہ) سید طاہر مشہدی (کھاٹو) اور سید روشن علی (اجمیر) اس وفد میں شامل تھے اس وفد کی آمد کا مادہ تاریخی "کوہ جنت" (۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء) ہے اس کے تین برس بعد مشہور و معروف صوفی درویش شیخ حمید الدین عرف ریحانی دادا کی آمد ناگور ہوئی جس کا مادہ تاریخی دورِ ناگور (۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء) ہے روحل شریف کی روایت نزبلی مبالغہ آمیز ضرور ہے لیکن حقیقت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ میں اگلے باب میں تفصیل سے عرض کروں گا یہاں ایک بات صاف کر دی جائے کہ یہ زمانہ غزنی کے سلطان ابراہیم کا عہد حکومت تھا ہو سکتا ہے یہ وفد غزنی سے روانہ ہوا ہو جیسا کہ علامہ شیخ علی ہجویری کا سے قبل علامہ ابو ریحان البیرونی لکھ گئے تھے کہ دین تلوار کے زور سے نہیں پھیلا کرتا فرماتے ہیں اپنی کتاب میں کہ سلطان محمود کے حملوں سے شمالی ہند کے لوگوں پر خوف غالب ہو گیا ہے اور ہندوستان کی نظر میں تمام مسلمانوں (یعنی ترکوں غیر ترکوں) کے خلاف سخت بغض و عداوت پیدا ہو گئی ہے کیونکہ محمود نے ملک کی خوشحالی کو بالکل ختم کر کے رکھدیا ہے اور ایسے عجوبہ حملے کئے ہیں کہ ہندو لوگ گویا خاک کے ذرات

کی طرح ہر سمت میں تتر بتر ہو گئے ہیں (باب اول کتاب الہند)
البیرونی کی تنقید انکے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ میں مبالغہ آمیز تو ضرور ہے لیکن
ایک عادل ناطرف دار عالم کی چشم دید رپورٹ ہے جسکو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔
البیرونی عہد محمودی میں آئے اور عہد مسعودی میں چلے بھی گئے اسکے بعد صوفی عالم صفت
حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا دور آتا ہے محمود کے بعد مسعود اور اس کے بعد آنے والے
سلطانوں کے حالات طبقات ناصری میں ضرورت سے زیادہ مختصر ہیں مگر انیسویں بیسویں
صدیوں میں جو کتابیں ہندوستان میں لکھی گئیں ان میں غزنوی سلطانوں کی ہندوستان پر
چڑھائیوں کا ذکر بار بار لگاتار آتا ہے اور سانبھر کے چوہان راجاؤں کے سوا الکھ اور
انکے زمانے کی کتابیں شاہد ہیں کہ ترکی حملوں کا تانتا بندھا ہی رہا چوہانوں کے سب سے
بڑے مورخ ڈاکٹر دشرتھ شرما نے اپنی علمی رائے درج کی ہے کہ "ہم عام طور پر محمود غزنوی
کو محض لٹیرا خیال کرتے ہیں لیکن وہ فاتح ہونے کے دعوے میں حق بجانب ہے محمود نے
پنجاب کے بیشتر حصے کو اپنی غزنوی سلطنت میں ملایا اور حملوں کی پیش قدمی کی حکمت عملی
شروع کرنے والا وہی ہے جس کی پیروی خاص کامیابی کے ساتھ اسکے پیرو کرتے رہے
اسکے بیٹے مسعود کے عہد میں احمد نیال تگین اور خود سلطان، پھر مجدود (برادر مودود) کی
کارستانیوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ۱۰۸۰ء میں سلطان ابراہیم نے اجودھن پر
قبضہ کر لیا اور شاکنبھری کے چوہان حکمراں درلبھ راج سوئم کو قتل کر دیا گیا ہے اسکے بعد
ترک راجپوت تعلقات ایسے تلخ اور خراب ہوئے کہ غزنویہ پنجاب والوں کے لئے یہ سوالکھ
دارالحرب تو تھا ہی اس میں داخل ہونے کے لئے سلطان التمش کے زمانہ میں امام صنعانی
محدث بدایونی نے ناگور سے جالور کی طرف سفر کرنے کے لئے علماء کا لباس اتار کر صوفی
درویش کا لباس پہن لیا تھا کیونکہ درویشوں کو راجپوتی ملکوں میں نقل و حرکت کرنے سے کوئی

نہیں چھیڑتا تھا۔

حضرت شیخ حمید الدین ریحانی دادا رحمۃ اللہ علیہ

علیٰ ہذا القیاس نو سو برس پیچھے کے زمانہ میں یعنی شہاب الدین غوری کی فتح ترائن سے ایک صدی پہلے جو سوا لکھہ میں چوہان راجپوتوں کا عروج اور غزنی میں سبکتگین ترکوں کا زوال ہو رہا تھا اس وقت شیخ حمید الدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ نے تن تنہا چوہانی ریاست کے اندر بیچوں بیچ کے علاقے ناگور میں داخل ہو کر قیام کا ارادہ فرمایا تو کیا کرتے۔ حالت یہ ہو رہی تھی کہ اس وقت کسی مسلمان کا صوفی بنکر رہنا بڑا دشوار تھا ایسے نازک وقت میں ناگور جیسی مرکزی جگہ رہ کر کچھ کام کرنا ہے تو "جیسا دیس ویسا بھیس" والی حکمت عملی کی ضرورت تھی ناگور کے بارے میں مثل مشہور ہے کہ یہاں نو سو ننانوے ۹۹۹ گھر اوسوال جینیوں کے تھے چنانچہ ریحانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جین منیوں کے بھیس میں رہ کر موجودہ کالی پول محلے میں راج مل چودھری عرف پنا لال کے بزرگوں کے مہمان تھے ریحانی صاحب کے مکان کو جو آج نو کوٹی کا اپاسرا کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں فرش پر نو کوٹھریاں عبادت و ریاضت کے واسطے بنی ہوئی آج بھی کھنڈر کی حالت میں موجود ہیں اور اسکے صدر دروازے کا اگواڑا یعنی سامنے کا حصہ قدیم فن تعمیر کا نمونہ بطور تبرک باقی رہ گیا ہے اسے شیخ کی خانقاہ ہم کہہ سکتے ہیں کیونکہ بقول شری کنک مل جین ریحانی دادا محلہ ہیرا واڑی میں رہتے تھے آج اس ریحانی خانقاہ کے جیرن اُدّھار یعنی تعمیر نو کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کے عمل درآمد کے بعد وہاں دھار مک کاریہ شروع ہو گا

جینی پوسال اس اپاسرے یا خانقاہ سے ذرا سے فاصلے پر ریحانی دادا رحمۃ اللہ علیہ کا مکتب بابا پاٹھ شالہ ہے اور اسکا جیرن اُدّھار ہو چکا ہے یعنی

جہاں ریحانی دادا جینیوں کے (اور برہمنوں کے بھی) بچوں بچیوں کو پڑھنا لکھنا اور ریاضی (حساب ثالث) سکھاتے تھے۔ کیا پڑھاتے لکھاتے ہوں گے اس بات کو ڈاکٹر مانگی لال ویاس مینک کے حوالے سے ہم اسطرح بیان کر سکتے ہیں کہ جب سنسکرت کا استھان اپ بھرنش (عوامی زبان) نے لے لیا تو جین دھرم کے پربھاو (اثر) سے پراکرت (بھاشا) بھی جین سماج میں ساہتیک بھاشا (ادبی زبان) بنی رہی اپ بھرنش سے ہی مارواڑی زبان کا جنم ہوا راجستھانی بھاشا کا زمان (تعین) بارہویں شتابدی (صدی) کے آس پاس ہونے لگ گیا تھا اس مرو بھاشا یا یا مارواڑی کو سوتنتر (آزاد) بھاشا کے روپ میں آگے چل کر ڈنگل نام دیا گیا اور اس کو مروبھوم بھاشا، مارو بھاشا، مرودیشیا بھاشا یا مروانی کہہ کر بھی بولا جاتا تھا بس یہی بھاشا خواجہ حمید الدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد ناگور کے زمانے میں جینیوں اور برہمنوں میں رائج الوقت تھی اور یہی دونوں جاتیاں (جین اور برہمن) پڑھنے لکھنے والی تھیں آج بھی ریحانی پاٹھ شالا (پوسال) کا یہ کمرہ اوسوال اور برہمن محلوں کے ٹھیک درمیان میں واقع ہے۔

ریحانی دادا نے جینیوں کے بیچ میں عمر کا بہترین حصہ گزار دیا جوانی کے عالم (۱۰۹۲ء) میں آئے ہوں گے اور (۱۱۶۴ء) یا اسکے بعد وفات کا زمانہ مان لینے سے قیاس ہوتا ہے کہ قدرت نے انکو ستر سالہ زندگی کا انعام عطا فرمایا تھا کیونکہ رحل شریف کی روایت کے مطابق جنازے کی نماز حضرت شیخ محمد عطا عرف قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی تھی۔ (واللہ اعلم) تو اس طرح ریحانی دادا نے کم و بیش ستر سال کا طویل عرصہ خدمت خلق میں ناگور شہر میں گزار دیا۔ قاضی صاحب کی آمد کا زمانہ ہمارے اندازے کے مطابق ۶۶-۱۱۶۵ء ہونا چاہیئے جیسا کہ آگے چل کر عرض کیا جائے گا۔

انشاء اللہ المولیٰ العزیز۔

مسلک ملامتیہ!

حضرت ریحانی دادا رحمۃ اللہ علیہ کے جین جنیتوں کے بھلیس میں رہنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے جو اوپر بیان ہوئی یعنی فوجی حملوں اور قتل و غارت کے ردِ عمل میں آپسی نفرت وحقارت بڑھ جاتی ہے غزنی۔ لاہور کے حکمرانوں کے لئے یہ ملک سوالکھ دار الحرب تھا مگر صوفی مسلک اس قسم کی بناوٹی تفریق یا بٹوارہ قبول نہیں کرتا "اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ"(۱) تمام مخلوق اللہ کی پروردہ ہے) اس لیے رہن سہن کے فرق کو مٹا کر ریحانی رحمۃ اللہ علیہ جینیوں کے بیچ میں آکر رہے اور مقبول ہوئے۔

ایک دوسری وجہ اور بھی سمجھ میں آتی ہے مشائخ طریقت کے ایک گروہ نے طریقِ ملامت اختیار کیا ہے خلوص و محبت میں ملامت انتہائی مؤثر اور بجائے خود ایک مسلک کا درجہ رکھتی ہے اور دنیا بھر میں اہلِ حق خلق کی ملامت کے لئے مخصوص ہیں .... اللہ تعالیٰ نے بھی مومنوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ (مومن) ملامت اور ملامت کرنے والوں سے ڈرتے نہیں" (سورۂ المائدہ آیۃ ۵۴)

.... ملامت سے مراد ترکِ شریعت نہیں ہے .... طالبِ ملامت ایسا فعل کرتا ہے جو (قابلِ ملامت ہونے کے باوجود) شرعی نقطۂ نظر سے گناہِ کبیرہ یا گناہِ صغیرہ کے زمرے میں شامل نہ ہو" (ملاحظہ ہو کشف المحجوب از شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ چھٹا باب) ملامت کے بیان میں ص ۹۰ تا ۹۸ اردو ترجمہ) شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردی حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد نے بھی اپنی کتاب عوارف المعارف میں فرقۂ ملامتیہ اور ان کے احوال پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

---

(۱) مشکوۃ شریف۔ بابُ الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۵)

ملامتیوں کے سلسلے میں ایک روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک ملامتی سے درخواست کی کہ وہ انکی محفل میں سماع (قوالی) میں شریک ہو لیکن اس نے انکار کر دیا اس سے جب عدم شرکت کا سبب دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ "اگر میں محفل سماع میں شریک ہوں گا تو مجھے وجد آئے گا اور اسطرح لوگوں کو میرے حال کی خبر ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے حال سے واقف ہوں"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ملامتی کا درجہ تو متصوف سے بلند ہے مگر صوفی سے کم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ملامتیوں اور قلندریوں کے مابین فرق ہے (ملامتیہ) فرقے کے لوگوں کا حال شرف کی فضیلت رکھتا ہے اور عزت آب ہے یہ فرقہ سنت نبوی کا متبع اور اخبار و آثار کا پابند ہے اور ان میں اخلاص و صدق موجود ہے اور یہ ملامتی حضرات ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جائے کہ یہ شریعت سے بیگانہ ہیں"۔

قلندریہ سے ایک گروہ کی طرف اشارہ ہے جنکے دلوں میں خوشدلی اور طینت کے نشے نے قبضہ کر لیا ہے یہاں تک کہ انکی عادتیں بگڑ گئی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر وقت ترنگ میں رہتے ہیں خوشدلی کے میدان میں پھرنے کی بدولت بظاہر روزہ نماز سے غافل رہتے ہیں مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ملامتی اپنی عادت کو چھپاتا ہے اور قلندری اپنی عادتوں کی تخریب میں مصروف رہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صوفی ان دونوں سے الگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس چیز کو چھپانا چاہیئے اسکو چھپاتا ہے اور جس کو ظاہر کرنا مناسب ہے اس کو ظاہر کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

(عوارف المعارف باب ۹-۸ اردو ترجمہ)

ریحانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدت العمر اپنی عادات واطوار، عبادات وریاضات، کو چھپایا یہی تو جینی ان کو جینی اور مسلمان ان کو مسلمان سمجھتے رہے ان کی یادگار اسٹیشن روڈ

پر داداواڑی - باجرواڑہ محلے کا اپاسرا اور شہر سے باہر دو کلومیٹر پر نوچھتریوں کا استھان آج بھی موجود ہے -

عہد غزنویہ کا ورثہ (دین)

فقیر اپنے موضوع سے ہٹ کر ناگور کے سب سے اوّل صوفی کی کشش روحانی سے متأثر ہو کر بہت دور جا پڑا اب میں ناظرین سے معافی کی خواستگاری کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ریاست ٹونک (راجستھان) کے پرگنہ سرونج کے حضرت شیخ غلام مصطفیٰ خاں (حیدر آباد سندھ) نے ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی کشف المحجوب کو عہد غزنویہ کا ورثہ قرار دیا ہے جس کے پہلے ہم نے البیرونی کی کتاب الہند کا ذکر کر کے اب حیدر آبادی شیخ کی ذکر کردہ کچھ باتوں کا اضافہ کر کے اس معاملے کو ختم کر دینا چاہتے ہیں یہ باتیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پی-ایچ-ڈی-ڈی لٹ پروفیسر فارسی سندھ یونیورسٹی کی انگریزی کتاب سٹڈیز ان لٹریچر سے ماخوذ ہیں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سلاطین غزنویہ کے ضمن میں سلطان روحانیت حضرت شیخ علی بن عثمان جلابی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (غزنوی لاہوری) اور انکی مایہ ناز فارسی تصنیف کشف المحجوب کا ذکر کرنے کے بعد خرقہ اور قوالی کا ذکر چھیڑ کر فرماتے ہیں کہ سندھ میں آج بھی لباس خرقہ تیار ہوتا ہے جسے مقامی زبان میں رلّی کہا جاتا ہے (ہندوستان میں اسی کو گدڑی بولتے ہیں) غلام مصطفیٰ خاں کا دعویٰ ہے کہ سماع صوفیہ کے لئے فارسی میں مروّج قولؔ سے لفظ قوالی بنا ہے جو سب سے پہلے غور کے علاؤ الدین جہاں سوز نے اپنے طبع زاد اشعار میں اسطرح استعمال کیا تھا۔

اے مطرب بدیع چوں فارغ شدم زجنگ   برگوئے قول راو بیار آں ترانہ را

ترجمہ - اے انوکھے گویّے! جب میں جنگ سے فارغ ہو گیا تو 'قول' کو کہہ اور اس گیت کو

پیش کر۔

دولت چو سرکشید نشاید فرو گذاشت   "قول" مغنی و مئے صافی مغانہ را

ترجمہ۔(جب اقبال نے سرکشی کی تو گویے کا "قول" اور مے فروشی کی نتھری ہوئی شراب کو نہیں بھولنا چاہیئے)۔

"قول" سے قوال (قول کہنے والا یا گانے والا) اور قوال سے قوالی جیسا کہ صاف ظاہر ہے... عہد غزنویہ کے شعراء میں حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) سے صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص لگاؤ ہے۔ سنائی سلطان بہرام شاہ کے (جسکا گورنر لاہور چھوڑ کر ناگور میں محمد باہلیم خود مختار ہو کر جم گیا تھا پھر اپنے کیفر کردار کو پہونچا) درباری شاعر ہیں لیکن درباری شاعری سے ہٹ کر غزل گوئی میں ایسی طرح ڈالی کہ ان کے دوسرے شاعروں نے اقتدا کی۔ ان کی "حدیقۂ سنائی" مشہور زمانہ ہے جو حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مقبول تھی۔

(ملاحظہ ہو سرور الصدور ص)

شیخ محمد عطا کی آمد ناگور اور شیخ ریحانی کی وفات

قاضیان روہل[۵] کے یہاں جو شیخ عطا کے بیٹے محمد کی آمد ناگور کے بارے میں روایت بیان کی گئی ہے (افاضات حمید ص۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ محمد بن عطا، جو ترکوں کی فتح راجستھان کے بعد ناگور کے قاضی مقرر ہوئے اور آج تک ان کے خاندان والے قاضیان روہل کہے جاتے ہیں پچھلے پہل جب سوا لکھ کا سفر ان کا ہوا تو وہ زمانہ سانبھر

---

۵ سیرت احمدی میں اسکی املا روہل ہے (چودھویں پندرہویں صدی) پھر روہل ہوا اور اب بول چال میں رول ہو گیا ہے (دیکھئے گزیٹیر)

کے چوہان راجا پرتھوی راج دوئم کا تھا جسکی رانی سانبھر چھوڑ کر کھاٹو کی پہاڑی پر رہنے لگی تھی اور جس کے محل کے کھنڈرات اور اس کا کنواں اسی "روٹھی رانی" سے منسوب کیا جاتا ہے جاڑنوں کی کھیاتوں میں لکھا ہے کہ کھیچی جاگیر جایل کا معاصر جاگیردار (ناگور کے پاس قدیم کھیچی جاگیر جایل جو اب تحصیل کا صدر مقام ہے اور جہاں اٹھارہویں صدی کے مہاراجہ بجے سنگھ (راٹھوڑ جودھپور) کے مصاحب اعلیٰ گوردھن کھیچی کا خوبصورت باریک نازک کاریگری والا محل محفوظ ہے) روٹھی رانی کے پاس آتا جاتا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رانی اپنے بیٹا کے ساتھ کھاٹو میں رہتی تھی اسی رانی کے شوہر پرتھوی راج دوئم کا حاکم بیسل دیو نامی ناگور کی قدیم چوہانی (فوجی) راجدھانی میں حکومت کرتا ہوگا۔ رحمان بخش وکیل تو فرماتے ہیں کہ اسوقت یعنی ۱۱۶۴ھ میں نزبلی کا دور دورہ تھا اس قول میں مسلمانوں سے مراد دھندے والے لوگ ہیں جو اچھوت سمجھے جاتے تھے۔

ذلت مسلمانوں کی نزبلی ناگور میں

روزانہ ایک مسلمان کو استھم پول[1] کے اندر (حاکم کی کچہری کے پاس) رات کو گرفتاری کی حالت میں رکھ کر دوسرے دن صبح کو بھیروں کے قدموں پر ڈال کر یعنی قلعہ کے اندر کے قدیم مندر میں اس کا بدھ (قربانی) کر دیا جاتا تھا اور اس عمل میں بیسل دیو کو خاص دلچسپی تھی اس سلسلے میں ناظرین کی خدمت میں حسب ذیل باتیں پیش کرنی اشد ضروری ہیں۔

ڈاکٹر دشرتھ شرما جودھپوری اور دیگر علماء تواریخ کی کتابیں پڑھنے سے یہ تو پتہ چلا کہ شمالی ہند میں جا بجا دیوی ماتا کی مورتی کے سامنے بھینسوں اور بکروں کی قربانی عام تھی بہ بلوی

---

[1] یہاں مظلوموں کو رکھا جاتا تھا لہٰذا استم پول کہا جانے لگا جو استمبھ، استھم، استم سے استم پول بن گیا ہے۔

آدی واسیوں کی دیوی ہے جس کی پوجا چاتُروَرن اور خاص کر راجپوتوں میں رائج ہو گئی تھی۔
اور انکی دیکھا دیکھی دیوی کی پوجا جین سماج میں بھی پھیل گئی تھی جہاں جانوروں کی قربانی کی
بجائے ساگ سبزی دیوی کو چڑھائی جاتی تھی کہیں کہیں دیوی کو خوش کرنے کے لئے یا منت
پوری کرنے کے لئے انسان کی قربانی بھی ہوتی تھی جس کا تواریخی ثبوت ہمارے مؤرخ
پیش کر رہے ہیں یعنی نربلی کا رواج موجود تھا میں پیچھے بدیشی مسافروں کے تذکروں۔
کے حوالے سے عرض کر چکا ہوں کہ پیشہ ور قوموں کو جنکو انتیج کہا جاتا ہے برہمن دھرم۔
کے معاشرے میں کوئی جگہ حاصل نہ تھی ان سے چھوت چھات برتی جاتی تھی ان سے غیریت
کا برتاؤ ہوتا تھا اور ان سے جاگیرداری نظام کے تحت بیگار لیا جاتا تھا۔ ان پیشہ وروں
کے تین درجے علامہ البیرونی نے اپنی کتاب "کتاب الہند" میں بتائے ہیں انہیں تین
طبقوں میں سے سب سے نچلا طبقہ ڈوموں اور چانڈالوں کا تھا جن سے آج بھی میلا
کمانے کی خدمت لی جا رہی ہے اور وہ اس گندے کام کو روزی رساں سمجھ کر اسکے عادی
ہو چکے ہیں اور معذور و مجبور بھی ان کے اوپر ایک دوسرا طبقہ ذکر کیا گیا ہے اور سب سے
اوپر وہ دھندے والی جاتیاں تھیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کر کے اس۔
دین سے سماج کے اندر اپنی بلندی درجات کے لئے استفادہ کیا ناگورکی ان قوموں۔
کی فہرست میں پہلے ہی باب میں اس کتاب کے اندر دے چکا ہوں روایت بالا سے۔
جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان کی نربلی ہوتی تھی وہاں مسلمان سے مراد شہروں اور۔
قصبوں میں بسنے والی وہ 'انتیج (چاتُرورن سے باہر) اچھوت قومیں ہیں جو اسوقت۔
اکا دکا اسلام میں داخل ہوتی جا رہی تھیں اور اس روایت میں میں جسکا حوالہ دے
رہا ہوں اس خاص دن میں جسکی خبر شیخ محمد بن عطا کو دی گئی تھی ایک بیوہ نومسلم تیلن کا

تزلزل کیلئے شکار بنا تھا ۔ واللہ اعلم بالصواب

شیخ محمد بن عطا بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اس روایت کے راوی کا یہ کہنا کہ بیسل دیو روزانہ اس طرح کا مسلمان شکار پکڑواتا تھا کسی غالی راوی کا انتہائی غلو آمیز بیان ہے جسکے قبول کرنے کو ہمارا ضمیر گوارہ نہیں کرتا ہے اور اسکے لئے کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی سوائے اس راجپوت ترک عداوت کے جس کو راجپوت کلچر (تہذیب) میں پرتی سودھ (جیسے کو تیسا) کہا جاتا تھا یعنی دشمن سے ہتیا یا ہار کا بدلہ لینا تو راجپوتوں کی سیاسی دشمنی تو غزنی لاہور کے ترکوں سے تھی نہ کہ بچھڑی ذات کے مسلمانوں سے جو انکی فرماں بردار رعیت بن کر وفاداری سے رہ رہے تھے اور اپنے پیشے کے ذریعہ سماج کی خدمت کرتے تھے اور پھر قصہ ناگور کا بتلایا جاتا ہے جہاں خواجہ حمید الدین ریحانی رادا جیسے روادار صوفی جین ہندو سماج میں بسے ہوئے تھے اور جنہوں نے ناگور شہر میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اہنسا (عدم تشدد) کا جال اپاسروں کے ذریعہ جینیوں کے سہیوگی بن کر پھیلا رکھا تھا۔

روایتوں میں اختلاف

دوسری بات جس سے میں اس رذیل روایت پر اعتماد اور یقین کرنے سے قاصر ہوں ، یہ ہے کہ روایتوں میں اختلاف ہے اضافات حمید (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں کسی تحریری روایت کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور وہ ماخذ فارسی و اردو جن کی مختصر فہرست کتاب میں درج ہے ، باوجود میری کوشش کے دست رس سے باہر رہے نقیر حقیر راقم الحروف کی ننہال (اسی خاندان رذیل کی ناگوری شاخ) کی ایک فارسی کی مخطوطہ یادداشت جو میرے نانا شیخ و سجادہ نشین

درگاہ ظہیر الدین ابن قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ المسمیٰ جمیل الدین ابن شیخ عبد الغفور
سہروردی کی مجھکو ورثہ میں ملی ہے اس میں آج سے دو تین پشت پہلے ہمارے نانا مرحوم
رقمطراز ہیں کہ جس وقت شیخ محمد بن عطا (بخارا سے چل کر اپنے والد کے ساتھ پشاور تک
آئے اور پشاور سے اپنے اہل و عیال کو کرمان بھیج کر آگے بڑھتے ہوئے راجپوتی ہندوستان
میں اول دہلی تشریف لائے جو "تو" مر راجپوتوں کی راجدھانی تھی لیکن وہاں نہ ٹھہر کر سیدھے
ناگور کی راہ لی جہاں تقریباً نصف صدی قبل مئی سنہ ۱۱۰۸ء / ۵۰۲ھ میں سلطان بہرام غزنوی کے
باغی حاکم محمد باحلیم نے عارضی طور پر اپنی خود مختار راجدھانی قائم کی تھی پھر اس کے ملتان کے
کسی دلدل میں مع دس بیٹوں کے دھنس جانے کے بعد سلطان غزنوی نے سالار حسین بن
ابراہیم علوی کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیج دیا تھا اور بالآخر سمراٹ وگرد راج چہارم (۶۴-۱۱۵۰
عیسوی) عرف بیسل دیو[1] کے وقت میں بیشتر ترکی مقبوضے مع ناگور دوبارہ چوہانوں کے
قبضے میں آگئے تھے وہ وقت ریحانی گرو کے بڑھاپے کی ضعیفی کا ہوگا اور انکے قیام
ناگور کا آخری زمانہ یہی ہے کیونکہ بقول افاضات حمید محمد بن عطا نے انکی نماز جنازہ
پڑھائی تھی حضرت ریحانی رحمۃ اللہ علیہ کے قیام ناگور کی اس پون صدی میں ان تیج
مسلمانوں کی تعداد پیدا ہوئی ہوگی اور یہ ان تیج شہر ناگور میں اس وقت ہندو اور
مسلمان دونوں ہی ہوتے تھے جنکو بزبلی کا شکار بنایا جاتا تھا اب سوال یہ ہے کہ جین سماج
اور اسکے پیشوا جو اپنے تیوہار کے دنوں میں اجمیر کے چوہان راجا سے کہکر (اب سوا لکھ
کی راجدھانی سانبھر سے اٹھ کر ۱۱۱۳ء میں دو برس پہلے ہی اجمیر جا چکی تھی) جانوروں کا
بدھ رکوا دیتے تھے جیسا کہ دشرتھ شرما کتبوں کے حوالے سے لکھتے ہیں (ارلی چوہان
ڈائی نیسٹیز) ناگور کے یہی جینی اپنے ودیا گرو (ریحانی) کے (مسلمان) مریدوں یا ہم مذہبوں
کو روزانہ قتل ہوتے دیکھتے ہوں اور کچھ نہ بولتے ہوں یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے لہٰذا

[1] بیسل دیو اجمیر کے راجا کا عرف تو کتابوں میں ملتا ہے ہو سکتا ہے ناگور کا حاکم بھی بیسل دیو کہلاتا ہو۔

میں مختصراً اپنی تنہائی تحریری (فارسی) یادداشت کا خلاصہ نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں نربل کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے ناگور کا حاکم فوج لے کر ملتان کی چڑھائی پر گیا ہوا تھا کہ اتنے میں شیخ محمد عطا ناگور تشریف لاتے ہیں تیلن بیوہ کے گھر اترتے ہیں اور نماز کے وقت اذان دے کر نماز ادا کرتے ہیں اذان پر اہل محلہ کی طرف سے پتھراؤ ہوتا ہے لیکن شیخ کو کوئی گزند نہیں پہونچتا پتھر آکر گرتے ہیں لیکن کوئی پتھر انکے جسم مبارک کے ساتھ گستاخی نہیں کرتا اس پر اہل شہر کو تعجب ہوتا ہے اور اہل حکومت مرعوب ہوتے ہیں حاکم بیسل دیو اپنی مہم میں شکست کھا کر لوٹتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ نے پیشین گوئی کر رکھی تھی ان نو وارد بزرگ کے حالات سن کر بیسل بھی متأثر ہوتا ہے خدمت میں آکر حاضری دیتا ہے اور حضرت شیخ کا معتقد ہو جاتا ہے اسی بنیاد پر میں ایک جگہ پیچھے لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرت حمید الدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ جمالی اور شیخ محمد عطا صدیقی کا برتاؤ جلالی واقع ہوا تھا۔

بہر کیف اوجین کے پروفیسر ڈاکٹر کیلاش چندر جین اپنے ڈی لٹ کے تحقیقی مقالے میں رقمطراز ہیں کہ ناگور میں اسلام کا پرچار حضرت حمید الدین ریحانی اور قاضی حمید الدین ناگوری کے ذریعہ ہوا اور یہ کہ بیسل دیو نے ناگوری صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا (ص ۲۵) ڈاکٹر دشرتھ شرما نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں راجستھان کے اندر ناگور اور اجمیر اسلام کے دو مرکز تھے (ص ۲۷۸) [اینشینٹ ٹاؤنس اینڈ سٹیز آف راجستھان (جین) ورا جستھان تھرو دی ایجز (شرما)]۔

ناگوری صوفیوں کی اصطلاح میں اس کامیابی کو دورِ ناگور کے مادّے سے ادا کیا گیا ہے

ے شیخ محمد عطا ہی آگے چل کر سلطان التمش کے عہدِ حکومت میں قاضی حمید الدین ناگوری (مورثِ اعلیٰ قاضیانِ روہل) کے نام سے شہرت پاتے ہیں۔

جو سراسر روحانی فتح تھی (سنہ ۱۱۶۵ء-۶۶ / سنہ ۵۶۱ھ) اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا فتح اجمیر کا ذکر میں آگے چلکر کرونگا یہاں ریحانی صاحب کی وفات اور شیخ محمد عطار رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی بغداد کا ذکر کر دینا چاہیئے

وفات ریحانی دادا علیہ الرحمۃ

میں لکھ چکا ہوں کہ ریحانی صاحب کا اٹھنا بیٹھنا - رہنا سہنا - پڑھنا لکھنا سب جین بھگتوں اور احباب کے بیچ ہی ہوتا تھا لہٰذا جب زندگی کا آخری لمحہ آن پہونچا اور اس عارضی دنیا سے رخصت ہو کر اپنے خالق و مالک کے پاس جا پہونچے تو ظاہر ہے کہ انکے آگے پیچھے سرہانے پائنتی ہر طرف ان کے جین احباب اور معتقدین ہی تھے جنہوں نے انکا جنازہ تیار کیا اور اٹھا کر کریا کرم کے واسطے چلے ریحانی صاحب کی تابوت (ارتھی) کاندھے پر اٹھائے ہوئے چل ہی رہے تھے کہ ماہی دروازے کے پاس مسلمانوں نے انکو روکا کہ میت کو نذرِ آتش نہ کیا جائے ہم اسکو سپردِ خاک کریں گے جینی برادرانِ وطن نے دعویٰ کیا کہ دادا ہم میں سے تھے ردّ و قدح شروع ہو گئی تھی تابوت (ارتھی) کاندھے سے اتار کر زمین پر رکھ دی گئی تھوڑی دیر بعد چادر اٹھائی گئی تو صرف پھول ہی پھول تھے لاش غائب تھی جو مسلمانوں کی طرف پائی گئی اس طرح جب لاش نے جلنے سے انکار کر دیا تو جینی 'دھرم کرم' والے اس بات پر قانع ہوئے کہ اچھا ہم اپنے طریقے کی کارروائی پھولوں کے ساتھ کر لیں گے - چنانچہ مسلمانوں نے لاش کو لے جا کر قاضیان رودہل کی روایت کے مطابق نمازِ جنازہ شیخ محمد عطا کی اقتدا میں پڑھی گئی اور ماہی دروازہ کے باہر بختا ساگر پر میت کو دفن کر دیا گیا جہاں ریحانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجع خاص و عام ہے - **حضرات ناظرین!** آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بارہویں صدی کا نصف اول ناگور کی تاریخ میں اہم واقعات کا متحمل ہے جون سنہ ۱۱۱۲ء / سنہ ۵۰۷ھ میں ہتو بان راجا جے راج

دوئم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے خیال سے راجدھانی سانبھر سے اٹھا کر اجمیر میں قائم کی تھی ۲۴ اپریل ۱۱۱۸ء / ۵۱۲ھ میں محمد باحلیم (حاکم لاہور) نے سلطان بہرام خاں سے بغاوت کرکے ناگور کو ایک خود مختار ریاست کا پایۂ تخت بنایا تھا لیکن زیادہ دن نہ ٹِک سکا اور ملتان جا کر دلدل میں دھنس گیا لیکن اس کا قبیلہ بحلیم کے نام سے راجستھان میں آج بھی موجود ہے اور ناگور کے پاس باسنی میں بحلیمان کے نام سے جو مسجد موجود ہے وہ اس قبیلہ کی یاد دلاتی ہے تتر بتر ہو کر بحلیم لوگ راجستھان کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں اور آج کے زمانے میں سپہ گری چھوڑ کر دست کاری ان کا پیشہ ہے۔

کتبہ باسنی بڑی مسجد کا — بنا شد این مسجد در موضع باسنی بہلیمان در عہد ابوالظفر سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی در جلوس سی و شش ۳۶ ج ہجری یکہزار و یکصد و پنج ۱۱۰۵ھ —

اجے راج کے جانشیں ارنوراج کے زمانے میں ترکی حملہ آوروں کا اس جگہ قتل عام ہوا جہاں بعد میں انا ساگر جھیل کھدوائی گئی تھی ۲۲ مارچ ۱۱۲۱ء / ۵۱۲ھ میں گجرات کے راجا سدھ راج جے سنگھ نے ناگور فتح کرکے عارضی طور پر اپنے زیر حکومت رکھا انور راج چوہان بڑا پرتاپی راجا تھا لیکن اس کے جانشیں وگرہ راج چہارم عرف بیسل دیو کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے دہلی اور ہانسی فتح کرکے تومر راجپوتوں کو اپنا مطیع بنایا اور اسطرح سپادلکش (سوالکھ) ریاست کا شمار ہندوستان کی درجۂ اول کی ریاستوں میں ہونے لگا اسکا عہد حکومت سوالکھ کی تواریخ میں سنہرا زمانہ

؎ اس نام کی املا میں آب کوثر کے مصنف بائے ہوز استعمال کرتے ہیں اور باہلیم کو راجپوت قبیلہ کہتے ہیں جبکہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں باحلیم، محمد کی کنیت قرار دے کر حائے حطی سے لکھتے ہیں یعنی ابا حلیم جس کے الف کے گر جانے سے باحلیم ہو گیا ہے پھر باحلیم سے بحلیم ہو گیا۔

کہا جاتا تھا اس نے غزنی کے سلطان خسرو شاہ کو ہرایا تھا اتفاق دیکھئے کہ اس راجا المعروف بہ بیسل دیو کی حکومت کے آخری سال ۱۸ / نومبر ۱۱۶۴-۶۵ء / ۵۶۰-۶۱ھ میں شیخ محمد عطا رحمۃ اللہ علیہ کا آنا بھی ربیل کی روایت کے مطابق ناگور میں ہوا لہٰذا حاکم ناگور کی جگہ پر روایت کے راویوں نے بیسل دیو (راجا اجمیر) کا نام داخل کر کے روایتی الجھن پیدا کر دی ہے سمراٹ بیسل دیو کا جانشین پرتھوی راج دوئم ہوا ہے (۱۱۶۵-۶۶ء / ۵۶۰-۶۱ھ) جسکی پٹ رانی "سہودے جوگیانی" اپنے پتا کے ساتھ کھاٹو کے محل میں پہاڑی پر رہتی تھی اور چارنوں کی کھیاتوں میں روٹھی رانی کر کے مشہور ہے جس کے پاس جایل کے کیمپی جاگیردار گونڈل راؤ کی آمد و رفت درج کی گئی ہے تاقیفول کی روایت کے مطابق شیخ محمد عطا فتح ناگور کے بعد ناگور سے واپسی کا سفر اختیار کرتے ہیں اور بغداد جا پہونچتے ہیں جہاں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند مشیخت و ارشاد بچھانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

فتح اجمیر!

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے میں معاصر مورخین کی رائے نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ۱۱۶۴-۶۵ء / ۵۶۰-۶۱ھ میں ایک ہی سال شیخ محمد عطا داللہ (قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری مدظلہ الرحمٰن) اور حضرت شیخ معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا تھا لیکن محمد عطا رحمۃ اللہ علیہ دہلی ہوتے ہوئے سیدھے ناگور پہونچے جبکہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (داتا گنج بخش) کے مزار پر ایک چلّے کا اعتکاف فرمانے کے بعد ملتان تشریف لے گئے لیکن ملتان سے آگے نہیں بڑھے وہاں سے آپکی واپسی ہوگئی دوران سفر آپ نے ہندوی زبانوں کو سیکھنے میں اپنی توجہ مبذول فرمائی یہ زمانہ پرتھوی راج دوئم کا تھا۔ جو جگ دیو چوہان کا بیٹا پرتھوی راج تھا دوسری بار جب حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے ہندوستان کا رخ کیا تو

۵۸۸ھ ر ۱۱۹۱ء میں آپ چوہان راجا پرتھوی راج سوئم (رائے پتھورا) جو سومیشور چوہان کا بیٹا تھا) کے عہد حکومت میں دہلی ہوتے ہوئے اسکی راجدھانی اجمیر آکر رہے یہاں پر ہمارے مورخین نے منہاج سراج صاحب طبقات ناصری کے ایک جملے سے زبردست دھوکہ کھایا جنہوں نے معین الدین تولکی کو (خواجہ) معین الدین چشتی سمجھ کر یہ سمجھ لیا کہ حضرت خواجہ (سلطان غازی) شہاب الدین غوری کی دوسری جنگ ترائن کے موقع پر سلطان غوری کے لشکر میں اسکے ساتھ تھے (ملاحظہ ہو آب کوثر ص۲۰۳ سیر العارفین حاشیہ ص۱۲ اردو ترجمہ بزم صوفیہ ص۶) لہٰذا اس کتاب میں سیر الاولیاء کی عبارت کو جسکی تصدیق اخبار الاخیار سے ہوتی ہے یہ کہہ کر مان لیا گیا ہے کہ دوسری جنگ ترائن سے قبل حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اجمیر ہی میں موجود تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح اجمیر

دوسری جنگ ترائن ۵۸۸ھ-۱۱۹۲ء کے قبل کے واقعات متعلقہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ میں بڑا الجھاؤ ہے معتقدین نے طرح طرح کے مبالغہ آمیز بیانات نقل کئے ہیں مناسب سمجھتا ہوں کہ بزم صوفیہ کتاب (شبلی اکیڈمی) کی تحریر کو مختصراً پیش کر دوں جس سے اشارے کنائے بابت فتح اجمیر کی وضاحت ہو جائے "پہلے تو رائے پتھورا کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی اور جب انہوں نے حضرت خواجہ کی عظمت و کرامت کے مقابلے میں اپنے کو بے بس و لاچار پایا (سیر الاولیاء ص۴۷) تو جوگیوں کو خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں لیکن حضرت خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت سے اُن پر غالب رہے اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جنہوں نے اسکا اسلامی نام عبد اللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا سیر الاولیاء میں ہے (اردو ترجمہ) "شیخ معین الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے پیوستگان (جڑے ہوئے لوگوں) میں سے ایک مسلمان پتھورا کا نوکر تھا اس مسلمان کو بہت مضرت (تکلیف) پہونچائی جانے لگی تو اس مسلمان نے شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں التجا کی"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے تھے حضرت خواجہ صاحب کے اثرات بڑھے تو راجہ کی طرف سے ان کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی ملی" لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس دھمکی پر جو ارشاد فرمایا وہ اخبار الاخیار کے مطابق یہ ہے "پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم" (پتھورا کو ہم نے زندہ پکڑ لیا اور حوالے کر دیا) اردو ترجمہ ص ۵۱) ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ جلد اول ص۳ میں ہے (اردو ترجمہ) کہ یہ فتح انکے قطب ربانی کے رہنمائی نقش مبارک کی کھدیڑ کی بموجب تھا"۔ ابوالفضل ناگوری آئین اکبری جلد سوم ص ۱۶۸ میں اسی مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کرتے ہیں " اجمیر میں (آپکی) گوشہ نشینی ہوگئی بہت زیادہ چراغ روشن کئے اور انکے دم گیرا دیکھنے والے کی بدولت گروہ کے گروہ نے حصہ پایا۔ (استفادہ از بزم صوفیہ ص ۲۲) ترکوں کی فتح ترائن دنیاوی اعتبار سے ہے لیکن خواجہ صاحب کی فتح اجمیر روحانی اعتبار سے ہے ۔

اب عصر حاضر کے مورخوں کی سنیئے :۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت واستحکام سے بیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے مقام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ انکی اولوالعزمی، عالی ہمتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایان مذاہب اور فاتحین عالم کی

تاریخوں میں مل سکتی ہیں انکے استقلال واخلاص، انکے توکل و اعتماد، ان کے زہد و قربانی اور انکے دردوسوز نے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کردیا۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" (تاریخ دعوت وعزیمت از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جلد۳ ص ۲۷ منقولہ تاریخ مشائخ ہند کی دوسری جلد از اسلام الحق مظاہری)۔

ناگور میں جین دھرم

جسطرح شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر پہلی فارسی کتاب کشف المحجوب گیارہویں صدی عیسوی میں لکھ کر فارسی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا اسی نمونے پر سوبتامبر جینیوں کے یہاں بھی تصنیف وتالیف شروع ہوگئی تھی اور مصنفین میں پہلا نام کھرترگچھ کے جینیشور سوری کا ہے جس طرح سے چشت کے صوفی خراسان سے باہر نکل کر اپنا مسلک تصوف پھیلانے میں مشغول ہوئے تھے اسی طرح انہلواڑہ پٹن (گجرات) سے چل کر کھرترگچھ کے جن دلبھ سوری راجستھان کے چتوڑ (میواڑ) کو اپنا مرکز بنا چکے تھے اور ناگور (وسط راجستھان) آکر ایک مندر (ودھی جیتیہ) تعمیر کیا تھا اسکے بعد جن دت سوری جن چندر سوری اور جن پتی سوری بارہویں صدی میں ناگور آتے رہے برہمن دھرم ہیں جسے سناتن دھرم بھی کہتے ہیں انکے یہاں پیدائشی ہندو تو ہوتے ہیں (لیکن) تبلیغ مذہب کا کوئی سدھار نہیں ہے برخلاف اسکے جینیوں کے یہاں دوسرے مذہب سے وردھمان مہاویر کے چلائے ہوئے جین دھرم میں داخلے کی اجازت ہے برہمن سماج سے تو کم مگر راجپوتوں میں سے زیادہ لوگ اس زمانے میں جین دھرم قبول کرنے لگے تھے اور جین دھرم کا اثر بارہویں صدی میں اسقدر بڑھا کہ گوشت خور (مانس آھاری) برہمنوں نے گوشت کھانا چھوڑ چھوڑ کر اہنسا کا مذہب اختیار کرلیا تھا (دشرتھ شرما چوہان ڈائے نسٹیز)۔

جن ولبھ سوری اور جن دت سوری کا زمانہ ڈاکٹر کیلاش چندر جین کے مقالے (ناگور سیمینار ١٩٩١ء)
کے مطابق بارہویں صدی ہے اور ہمارے قیاس کے مطابق شیخ حمید الدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ
(آمد ناگور ١٠٩٤ء وفات لگ بھگ ٦٦-١١٦٥ء) کا ناگور آکر اوسوال جینیوں کے بیچ میں رہنے بسنے
پڑھانے لکھانے، عبادت کرنے اور مکان چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کر جانے کا یہی زمانہ ہے۔
انکے نو کوٹھی اپاسرے کا کھنڈر آج بھی انکے بارے میں مشہور روایتوں کی زندہ شہادت ہے
جسکے متولی سیٹھ پنا لال کے لڑکے چودھری راج مل کے دونوں صاحبزادے موجود و سلامت
ہیں۔

سلطان قطب الدین خلجی کے عہد تیرہویں صدی میں سیٹھ مُل کی درخواست پر ناگور کے
سراوگیوں نے اس سنگھ میں حصہ لیا جو کھیم پا سے نکالا گیا تھا ناگور کے باشندے ٹھاکر
اچل سنگھ جیسے متقی اور پرہیزگار جینی کو معاصر حاکموں اور سلطان دہلی نے بڑی عزت
بخشی اور انہوں نے ١٦ر مارچ ١٢١٧ء ر ٦١٤ھ میں تیرتھ گاہوں کی زیارت کرنے کا
اجازت نامہ دہلی سے حاصل کیا کھر ترگچھ کا ایک معاصر سلسلہ تپا گچھ تھا۔ اس سے قبل ٥ر مئی
١١١٧ء ر ٥١١ھ میں اس تپا گچھ کے پدم پربھ سوری مہان تپسیا کر کے ناگور میں "ناگور
یا تیا کا لقب حاصل کر چکے تھے دھرم کے حلقے (چھیتر) ناگور کے منیوں جینیوں تپسیوں کی
شہرت اور دھاک قائم رہی۔ پندرہویں صدی میں خانزادوں کے زمانے میں۔ مول سنگھ کے
بھٹارکوں کی ایک شاخ ناگور میں قائم ہو گئی تھی یاد رہے کہ بھٹارکوں کا ناگوری گرنتھ
بھنڈار آج بھی قائم و دائم ہے جسکے مخطوطوں کو ڈاکٹر ...... کاسلی وال نے اپنے مطبوعہ فہرستا
میں داخل کیا ہے ان مخطوطوں کی تعداد لگ بھگ پندرہ ہزار بتلائی گئی ہے (ناگور سیمینار کا
انگریزی لیکچر از ڈاکٹر۔ کے۔ سی۔ جین) خانزادہ حکمرانوں کے ساتھ جینیوں کے تعلقات

ے گچھ = سلسلہ۔ پنتھ مثلاً کھر ترگچھ۔ تپا گچھ وغیرہ۔

اتنے خوشگوار تھے کہ انکے عہد میں "پیروز خاں" پرشستی کے نام جو شجرہ ان مسلم راجپوتوں کا بنایا گیا تھا وہ آج فارسی کی مرأت سکندری کے برابر کا تواریخی ماخذ ثابت ہوا ہے اور اس زمانے میں جینی برادران وطن نے جن مورتیوں کو گڑھوا کر ان کا پرتشٹھاپن (قیام) کرایا تھا وہ آج موجود ہیں یہ کام جس گچھ کی سرکردگی میں ناگور میں ہوا تھا اس کا نام "اپ کیش گچھ ہے" اس سے ڈاکٹر جین یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ ناگور میں پندرہویں سولہویں صدی میں اپ کیش گچھ کے ماننے والے کافی تعداد میں تھے۔

فیقر حقیر نے جین سماج کا نمایاں طور پر جو یہاں ذکر کیا وہ بے معنی نہیں ہے اول تو یہ کہ برہمن سماج کے حالات دستیاب نہیں ہیں دوسری بات یہ ہے کہ حالانکہ جین اقلیت ایسی مختصر ہے گویا خوردبین کے ذریعہ دیکھی جاسکتی ہے یعنی جیسے دال میں نمک لیکن اپنی مال ودولت کے اعتبار سے عہد راجپوتی اور اسکے بعد کے حکمرانوں سے لیکر آج تک حکومت اور عوام دونوں کو متاثر کرتی رہی ہے اسکے علاوہ برہمن سماج کے مقابلے جینیوں کے یہاں چھوت چھات کم تھی اور تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے جو سرکار برسر اقتدار آتی اسکے ساتھ تعاون کرتی تھی سلطانوں بادشاہوں کو ضرورت کے وقت جین ساہوکاروں سے قرض ملتا تھا دلی کے سلطان علاؤالدین خلجی کے ٹکسال کا داروغہ جین تھا اور سلطان محمد بن تغلق کے ساتھ کھرتر گچھ کے جن پربھ سوری کا گہرا رابطہ تھا علی ہٰذا القیاس راجستھان اور ہمارے خطہ ناگور میں بھی جینیوں کا رول ایسا ہی رہا ہے بارہویں صدی میں کھرتر گچھ کے جن ولبھ سوری اور جن دت سوری کی نقل وحرکت ناگور میں تھی تو یہاں کا اخلاقی ماحول ایسا اچھا بن گیا تھا کہ جب حضرت حمیدالدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے زاہد عابد متقی پرہیزگار بزرگ کی تشریف آوری یہاں ہوئی تو جینیوں نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا کام انکے سپرد کردیا جین برادران وطن ساہوکاری، سوداگری اور دکانداری کے پیشے سے تعلق رکھنے کی وجہ

راٹھوڑوں کے عہد میں جودھپور کے کھیچیوں کو اپنے آبائی وطن جایل (ناگور) کا اس قدر پاس و
لحاظ تھا کہ مہاراجا بجے سنگھ کے مصاحب اعلیٰ (اٹھارہویں صدی کے گوردھن کھیچی) نے مہاراجا
سے فرمائش کر کے جایل میں اپنے لئے نہایت خوبصورت باریک راجستھانی کاریگری کا محل تعمیر کروایا
تھا جو آج بھی موجود ہے اور فقیر نے جا کر دیکھا ہے اور ناگوری کے پرگنے میں اس کی جاگیر کا
گاؤں سوٹلانا تھا آج کے زمانے میں جایل کے نام سے ایک علیحدہ تحصیل قائم ہو گئی ہے جایل
تحصیل ناگور سب ڈویزن میں شامل ہے اور قاضی حمید الدین کا گاؤں روہل صوفی حمید الدین علیہ الرحمہ کا
بھاگلی اور شیخ فرید الدین علیہ الرحمہ کا ڈیہہ سب اسی پڑوس میں مجتمع ہیں جبھی تو کھیچی اتہاس کے
ماہر رگھوناتھ سنگھ کھیچی کے قلم سے یہ بات نکل گئی کہ روہل والے بزرگ اور ناگور والے دونوں
شیخوں کو ہمارے شیخوں نے مانا ہے ۔ (رگھوناتھ سنگھ کھیچی کا لیکھ ناگور سیمینار ۱۹۹۱ء)۔

ناگور کے اتہاس پر جتنی صدیاں گزرتی گئیں اسکی وہی مرکزی شہرت قائم رہی جو پہلے سے چلی
آ رہی تھی بارہویں صدی میں یہاں کے جین تپا (مجاہد) پدم پربھ سوری کو ناگوری تپا کا لقب دیا گیا
تھا جینیوں کا ایک گچھ یا سنگھ (یعنی سلسلہ) ایسا ہے جس کا صدر مقام ناگور ہونے سے وہ سلسلہ
ناگوریا سنگھ کے نام سے مشہور ہوا ناگور بارہویں صدی عیسوی میں گجرات کے کھرترگچھ اور تپاگچھ
کی پنگل جوڑی کے زیر اثر تھا اور دونوں ہی کے روحانی پیشوا یہاں پر مندر جینیہ (خانقاہ) اور
کتب خانے (گیان بھنڈار) بنواتے یا قائم کرواتے تھے ۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب پرتھوی راج دوئم کے زمانے میں شیخ محمد عطا بغداد
سے سفر کرتے ہوئے پیشاور کے راستے سے غزنوی سلطنت کے علاقے میں ہوتے ہوئے
۶۵-۱۱۶۴ عیسوی میں بقول قاضی رحمان بخش پہلی بار راجستھان میں داخل ہوئے اس وقت
ناگور کی شہرت اپنی چرم سیما (نقطۂ عروج) پر پہونچ گئی ہوگی حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ چوہان راجدھانی
اجمیر کی طرف نہ مڑ کر سیدھے ناگور ہی تشریف لائے تھے ناگور سے ان کا لگاؤ اسطرح بڑھا

سے علایم الفرصت ہوتے ہیں منیمی (منیجری) اور تعلیم وغیرہ کا کام اکثر دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ جین مندروں کے پجاری اکثر برہمن ہوتے ہیں جو ان کو آسانی سے ملتے ہیں اور بنیے کے بچے کی تعلیم تو پڑھنا لکھنا اور حساب انہیں تینوں کے اندر محدود ہے جسکو ریحانی صاحب نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا جب کہ انکی پاٹھ شالا کا کمرہ آج بھی زبان حال سے اسکی شہادت دے رہا ہے ودیارتھی بالک اور بالکائیں سکچھک گرو اور ماتا پتا کے درمیان اچھا مادھیم (واسطہ) ثابت ہوتے ہیں ایک حد تک جب شیخ ریحانی جینیوں کے درمیان سکونت اختیار کرکے جین سماج کے تعلیمی مسئلے کو حل کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ ان کا رہن سہن لباس پوشاک ریاضت وعبادت ان کا طرۂ امتیاز تو تھا ہی جب اوسوالوں کے محلے پڑوس میں دم توڑا تو کفن دفن کے لئے جینی معتقدین ہی آگے بڑھے جو انکی وفاداری، محبت اور رواداری کا بیّن ثبوت ہے ۔

قدیم تواریخ ناگور

ناگور کے پڑوس میں جو زمین کی کھدائی سے آثار قدیمہ والوں نے چیزیں برآمد کی ہیں ان سے عہد ما قبل تواریخ قدیم انسان کے وجود کا نہ صرف پتہ چلا ہے بلکہ خطۂ ناگور کی قدامت اور اسکی دھرتی پر اولاد آدم کا ہزاروں سال پہلے موجود ہونا ایک قابل ذکر بات ظاہر ہوئی ہے جب رگ وید کے زمانے میں شمالی ہند میں آریوں کی تہذیب اشاعت پذیر ہوئی تو راجستھان میں آتے آتے اس تہذیب کو وقت لگا پنڈت وشیشور ناتھ رے او (جودھپوری) اپنی کتاب مارواڑ کا اتہاس حصہ اول میں مہابھارت کال میں راجستھان کی سرزمین پر آدی باسیوں (قدیم باشندوں) کا ہونا بتلاتے ہیں جبکہ یہاں پر کوروں کا ادھیکار یعنی قبضہ تھا

یہ آدی باسی ناگا کہلاتے تھے شاید بوجہ اسکے کہ انکے یہاں ناگ (سانپ) کو یہ اہمیت حاصل تھی کہ وہ لوگ ناگ کو پوجتے تھے اور جب آریوں اور اناریوں (آدی باسی) قبیلوں کا رابطہ بڑھا تو آریوں کی اولاد بھی ناگ کی پوجا کرنے لگی جو آج تک ناگ پنچمی (ماہ اگست) کے نام سے رائج ہے زمانۂ گپت خاندان (پاٹلی پتر) میں شمالی ہند اور راجستھان میں ناگا جاتی کے چھوٹے چھوٹے راجیہ پھیلے ہوئے تھے جن میں ایک چھوٹی ناگا ریاست منڈور میں دوسری ناگور میں قائم تھی گپت راجا کا وکرمی سن ۴۸۴ کا ایک شلالیکھ مارواڑ کے گوٹھ مانگ لود کی سیما (سرحد) کے ددی متی دیوی کے مندر سے ملا ہے یہ دونوں گاؤں ناگور سے ۲۴ میل اتر پچھم میں ہیں مارواڑ پراچین (قدیم) کی راجدھانی منڈور تھی (مارواڑ کا اتہاس از رائے بہادر پنڈت وشن وشور ناتھ ریو صفحہ ۵) ناگور کا نام بھی ناگوں سے ہی منسوب ہے اور ناگور کے علاوہ اسکے نام ناگپور، اہی پور یا اہی چھتر پور، اجیت پور نوا نگر ناگا دری ناگ کنڈ، ناگنر وغیرہ ہیں (ناگور کا اتہاس وشن وشور ناتھ ریو ص ۸) مستعمل تھے جودھپور والوں نے فی زمانہ باوجود اختلاف علمائے تواریخ، ناگور کا پرانا نام اہی چھتر پور ہی پسند کر کے قلعہ ناگور کے دروازے پر اس کا بورڈ نصب کر دیا ہے۔

خطۂ ناگور کے لئے پرانا نام انت گوچر پردیش رائج تھا لیکن چوہان راجپوتوں کی حکومت جب قائم ہوئی تو اس وقت کے کتبوں میں اس خطے کو "سپادلکش" سنسکرت میں لکھا جاتا تھا اور بول چال میں سوالکھ کہا جاتا تھا ساتویں صدی عیسوی میں اس حصۂ راجستھان میں چوہان آگئے تھے چوہان سے قبل کا بھی اتہاس ملتا ہے جس وقت مقامی حکمران قنوج کے شمالی ہند کے پرتیہار سمراٹ کی ماتحتی قبول کرتے تھے۔

---

(۱) مارواڑ کا اتہاس از رائے بہادر پنڈت وشن وشور ناتھ ریو صفحہ ۵-۶-۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲

جب گیا رہویں صدی میں تین سو سال کا زمانہ گزرنے پر قنوج کا سامراجیہ کمزور ہوکر بالآخر ختم ہوگیا تو راجستھان میں منڈور کے پریہار اور سانبھر کے چوہانوں کی حکومت چلتی رہی اب چوہان لوگوں نے اسوقت سانبھر کو اپنا مستقر بنالیا تھا اور سانبھر کی دیوی شاکمبری کے نام سے جڑ کر سانبھر یا چوہان، کہلانے لگے تھے اور آج تک اس نام پر فخر کرتے ہیں سانبھر کی دیوی کی پوجا بھی چوہانوں میں آج تک رائج ہے جب شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج سوئم[¹] پر ۱۱۹۲ء میں فتح حاصل کی اسوقت اجمیر سانبھر ناگور اور منڈور کے علاوہ شمال میں ہانسی تک یہ پورا علاقہ سوالکھہ میں شامل سمجھا جاتا تھا (دیکھئے طبقات ناصری ص۲۱ (حواشی)۔

پاٹلی پتر کے سمراٹوں کے یہاں اور بعد میں چوہانوں کے خاندان میں ناگ ونشی کنیاؤں کا بیاہ کرجانا یہ ثابت کرتا ہے کہ اب ناگ ونشی قبیلے کا شمار چھتریوں اور راجپوتوں میں ہونے لگا تھا مثلاً ددریوا (بیکانیر علاقے) کے راجا گوگ دیو (چوہان) کی ماتا ناگ ونشی خاندان کی لڑکی تھی (ناگ ونشی چھتریوں کا اتہاس مقالہ ناگور سیمینار ۱۹۹۱ء) یہ گوگ دیو یا گوگا جی وہی ہیں جن کی پوجا لوک دیوتا کی روپ میں ہوتی ہے ناگور سیمینار والے اس لیکھ کے لیکھک گووند لال نے یہ بھی دکھلایا ہے کہ ناگ ونشی اور تکشک دونوں ایک ہی قبیلے کے نام ہیں تکشک کو عرف عام میں ٹاک یا ٹک کہا جاتا ہے اور یہ جو تغلق سلطانوں کے آخری زمانے میں ظفر خاں گجرات کا حاکم ہوا اور اسکے بھائی شمس خاں نے اور شمس خاں کی اولاد نے ناگور پر ڈیڑھ سو سال حکومت کی یہ لوگ ٹک ہی تھے جنکی نسل ناگوں سے چلی ہے یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ٹک جاتی کی کماریاں راٹھوروں کے یہاں بھی بیاہ کر آئی ہیں اور راٹھوروں نے بھی اپنی بیٹیاں ناگور کے مسلم ٹک راجپوتوں کو دی ہیں (جودھپور کا اتہاس) جس زمانہ پندرہویں صدی میں ناگ ونشی ٹک مسلم راجپوت ناگور پر حکومت کررہے تھے اسوقت ایک اور عجیب

[¹] پرتھوی راج سوئم سے مراد رائے پتھورا آخری چوہان سمراٹ ہے اس سے قبل پرتھوی راج دوئم کا ذکر ہوچکا ہے۔

اتفاق ناگور کے جین سماج میں ہوا وہ یہ کہ چودھویں پندرہویں صدی عیسوی میں ناگور میں جو "آدیہ ناگ" گوتر کے سراوگی (گرہستھ) رہتے تھے اور ان کے ذریعے مورتیوں کی پرتشٹھا (قیام) کروائی گئی اس کا ریکارڈ شلالیکھوں سے جانا جاتا ہے۔ غالباً یہ لوگ بھی ناگ ونشی راجپوتوں کی اولاد تھے جو اس وقت جین دھرم میں شامل تھے اس طرح ناگا جاتی کی اولاد میں پندرہویں صدی کے ناگور میں مسلمان بھی ہیں، جین بھی ہیں اور ناگا جاتی کی لڑکیاں دیگر گوتروں کے راجپوتوں میں بیاہی جا رہی تھیں اور آج بھی یہ عمل جاری ہے (مندرجہ بالا حوالے لیکھ کے علاوہ دیکھئے۔ اوجین کے پروفیسر ڈاکٹر کیلاش ناتھ جین کا انگریزی لیکھ جین سورسز فار دی ہسٹری آف ناگور" ناگور سیمینار ۱۹۹۱ء)۔

چوہانوں نے ناگور میں اپنی حکومت کی داغ بیل اسلئے ڈالی ہوگی کہ یہ مقام پہلے ہی سے ناگ ونشیوں کا صدر مقام رہ چکا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ چوہانوں کی دیوانی (سول) راجدھانی سانبھر تھی اور فوجداری (ملٹری) راجدھانی ناگور تھی۔ اور ناگور کے دُرگ (قلعہ) کی بنیاد بھی ناگاؤں نے ہی ڈالی تھی جہاں آکر چوہان اور بعد میں کچھ دنوں کے لئے محمد بہلیم بھی بیٹھ گیا تھا اور ناگور کی یہی حیثیت گجرات کے حکمرانوں کے لئے باعث کشش بن گئی تھی ورنہ اس "ناگور" جگہ میں آنے سے گجرات جیسے زرخیز علاقے کے آقاؤں کو کیا ملنے والا تھا؛ چوہان راجا تو تھوڑے دنوں ناگور میں رہ پائے ہوں گے کہ شاکمبری دیوی نے اپنی طرف کھینچ لیا لیکن سانبھر کے راجا نے سامنت دیو عرف مانک راؤ اپنے چھوٹے لڑکے کو ناگور رکھا اور یہی مانک کھیچی کہلایا ناگور کے پڑوس میں تیئیس ۲۲ میل پورب جایل میں اور اسی کے پاس کھدانا ان دونوں مقامات پر کھیچیوں کی کھیات کے مطابق مانک راؤ کو اس کے والد نے دو گڑھیاں بنوانے کا حکم دیا تھا جہاں سے بعد کے زمانے میں جایل والی اور کھدانیانام سے کھیچی چوہانوں کی دو شاخوں کی شہرت ہوئی مانک راؤ کی عرفیت 'کھیچی' کی وجہ تسمیہ باجرہ کی کھیچ ہے۔ میں پیچھے بتا چکا ہوں ۔ × × × × × × × × × × ×

کو نصف صدی بعد جب ان کو ناگور ہی میں قائم رکھنے کے لئے ان کا بسایا ہوا ارو ہول یا روہل گاگاؤں جاگیر میں دیا گیا اور انہوں نے بھی گویا جین سادھوؤں کی روایات پر ناگور میں سب سے پہلا مدرسہ کھولا تو شاید وہ زمانہ وہی ہوگا جب دونوں ترکی سلطان شہاب الدین غوری نے ان جیسے جیّد عالم کو ناگور کا قاضی (یعنی جج) بنائے جانے کا فرمان صادر کیا تھا اس وقت ناگور شہر کی نسبت فارسی ترکیب کے مطابق "ناگوریا" کی جگہ "ناگوری" ہونے سے قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی سیاح طبیعت نے کل تین سال سے زیادہ قضا کے عہدے پر ان کو رہنے نہیں دیا لیکن شہرت ان کی اور انکے خاندان ناگور و روہل کی قاضی ہی کی حیثیت سے ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ کے بعد جب حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا آب ودانہ ناگور کا ہوا تو انکی حیثیت شیخ اور خلیفۂ اعظم خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی لہٰذا دونوں ناگوری بزرگوں میں فرق کرنے کے لئے انکے نام سے صوفی کا لقب جو کئی پیڑھیوں سے انکے خاندان کے بزرگوں میں چلا آرہا تھا (دیکھئے شجرۂ حمیدیہ ناگوریہ) ان کے نام کے پیچھے سے ہٹا کر نام کے آگے جوڑا جانے لگا اور قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے دہلی منتقل ہو جانے پر جب ناگور میں صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا دورِ شیخت آیا تو ان کے بعد پھر انکی اولاد کے ناموں میں صوفی کا لفظ نہیں آتا البتہ ان کے جانشیں فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے پوتے کے نام میں ناگوری کی نسبت جوڑی جاتی رہی غالباً اسلئے تاکہ (بابا) فرید الدین اجودھنی سے ان کو الگ کیا جاسکے۔

علیٰ ہٰذا القیاس پندرہویں صدی کے شیخ حسین (ناگوری) اور سولہویں کے شیخ حسین (اجمیری) ان دونوں کی ہستیاں علٰحدہ علٰحدہ سمجھنے کے لئے پہلے کو مخدوم حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا رہا لیکن ناگوری نسبت کا وہ جادو ختم ہو چکا تھا! قاضی صاحب اور صوفی صاحب کے سنہرے زمانے میں ناگوری نسبت کی دھوم، اجمیر، دہلی، اجودھن، پٹن (گجرات) بدایوں

ناربول جیسے صوفیہ مرکزوں تک پھیل رہی تھی حضرت امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے گجرات جانے کے لئے ناگور کا راستہ اختیار کیا تھا صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی نقشی نوک جھونک تو مشہور رہی ہے بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اجودھن میں بیٹھے ہوئے دونوں ناگوری بزرگوں (قاضی صاحب و صوفی صاحب) سے خط و کتابت کیا کرتے تھے - بابا فریدالدین کے بعد اجودھن کے شیخ زادوں کا ناگور کے فریدالدین چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے آنا سرورالصدور سے ثابت ہے خود چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا اور ان کے چھوٹے بھائی نجیب کا بھی فوائدالفواد میں ذکر ہے۔ (منادی ماہنامہ شمارہ ۱۰)

بدایوں کے جید عالم، شاعر اور نثر نگار شیخ ضیاءالدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روحانی تربیت کے لئے شیخ فریدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب اپنے مرشد کی غرض سے کیا تھا - امیر تیمور کے ذریعہ دہلی کی خرابی و بربادی کے نتیجے میں جب منڈور کے راؤ چونڈا راٹھوڑ نے ناگور کے قلعے کو گھیر لیا اور شیخ کبیرالدین رحمۃ اللہ علیہ ناگور سے ہجرت کر کے گجرات میں جا بسے تو وہاں بھی اس ناگوری شیخ نے اپنی روحانی برتری قائم رکھی اور انکی اولاد بھی حاکم گجرات کی اچھی خدمت بجالائی ان کے شاگرد اور خلیفہ حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے اپنی جگہ پر ناظرین کے مطالعے میں آئیں گے۔

اس وقت پندرہویں صدی میں انقلاب زمانہ نے ناگور کی روحانی قدر و قیمت کے ساتھ اسکی حکومتی برتری قائم کر دی تھی جب گجرات کے حاکم ظفر خاں (مظفر شاہ اول) نے اپنے چھوٹے بھائی شمس خاں کو حاکم ناگور کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے بھیج دیا تھا- سلاطین دہلی کے عہد میں ناگور کبھی اجمیر کے تحت رکھ دیا جاتا تھا اور کبھی ناگور کو اپنا مستقل اقطاع (صوبہ) کی حیثیت دے دی جاتی تھی اور تغلقوں کے دور آخر میں ناگور کے ساتھ جالور کو بھی منسلک کر کے اقطاع -

ناگور و جالور کے نام سے ایک مشترک ولایت بنادی گئی تھی جیسا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی کے ذریعے ایڈٹ کیئے گئے کتبوں کی عبارت سے ظاہر ہے لیکن پندرہویں صدی میں حالات کا تقاضہ ایسا ہوا کہ ناگور اور کبھی ناگور کے متوازی ڈیڈوانہ بھی خود مختار ریاست کا صدر مقام بنا اور یہ حیثیت تقریباً ۲۷-۱۵۲۶ء کے بعد تک قائم رہی۔

ناگور کے قلعے کا وہ تعمیری حصہ جو شمس خاں دندانی (پہلے حاکم) سے منسوب ہے شمس تالاب اور شمسی جامع مسجد کی پر شکوہ عمارت اور اسی سے ملحق دارالعلوم[۱] کی عمارت جو بارہ دری کے سامنے ہے مسمار ہو چکی ہے شمسی مسجد اور عیدگاہ سے ناگور کی خود مختارانہ عظمت کا اعلان ہوتا ہے جودھپور کے راٹھوڑوں کے زمانے میں بھی ناگور کی قسمت نے اسکا ساتھ دیا۔ یوراج (ولی عہد) ہونے کے حق کو جب "بانکے" امر سنگھ سے چھین لیا گیا تو راؤ کی پدوی کے ساتھ امر سنگھ کو ناگور بھیج کر صرف اسکے آنسو ہی نہیں پونچھے گئے بلکہ اسکو شاہی منصب کی ترقیوں کے ساتھ بادشاہ شاہجہاں (سترہویں صدی) نے ایسا نوازا کہ ہم چشموں میں امر سنگھ ناگوری کی دھاک جم گئی۔

جودھپور کے مہاراجہ کا سکہ تو چلتا ہی تھا امر سنگھ نے بھی اپنی ریاست میں اپنے نام کا سکہ "امر شاہی سکہ" چلایا کیونکہ ناگور بادشاہی خالصے کا خطہ تھا امر سنگھ کے بعد بجے سنگھ کا بجے شاہی سکہ بھی خوب چلا جو دوسری ٹکسالوں کے ساتھ ناگور کی ٹکسال میں بھی ڈھالا جاتا تھا ناگور میں امر سنگھ کی چھتری اور اس سے ملحق رانیوں کی چھتریاں مغل راجپوت فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں ناگور میں امر سنگھ کے بعد راٹھوڑے سنگھ ہوئے رائے سنگھ کے جانشین

۱ؔ مگر درسگاہوں کے کمرے کی نیویں ابھی موجود ہیں جہاں پر عرب و عجم کے طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے جسکا ثبوت ابھی بھی دونوں میناروں کی دونوں طرف گیلری کی دیوار پر اور ایک مینار کی چھتری جو شمس خاں دندانی کے گنبد کی طرف ہے ان طالب علموں کے دستخط اور تحریریں موجود ہیں کالی سیاہی سے لکھی ہوئی طالب علم اپنے کو کہیں ایرانی کہیں طہرانی لکھ رہے ہیں۔

اندر سنگھ، راٹھوڑوں کی بغاوت کے ایام میں جودھپور کی گدی کے لئے بادشاہ اورنگ زیب
عالمگیر کے شاہی نامزد مہاراجا قرار دیئے گئے تھے اندر سنگھ کے بیٹوں میں بڑے یعنی ولی عہد
محکم سنگھ تھے جن کو مہاراجا اجیت سنگھ کے حکم سے مروادیا گیا تھا لہٰذا اندر سنگھ کے بعد
راؤ خاندان سے ناگور کی حکومت ضبط ہوکر اجیت سنگھ کے چھوٹے بھائی کنور بخت سنگھ کے
سپرد ہوئی۔

انقلاب ۱۱۹۲ء

زمانے کا انقلاب ایک دم سے اچانک نہیں آتا زمین کے اندر لاوا پکتا رہتا ہے اس کے
بعد وقت آنے پر پھوٹ پڑتا ہے آئیے پھر ترکوں کے وطن کا جائزہ لیں اجمیر والوں کو کیا معلوم
تھا کہ سومیشور دیو چوہان ۱۱۶۹-۷۹ء کے زمانۂ حکومت میں غور کا سلطان غیاث الدین چھوٹے
بھائی شہاب الدین غوری کو غزنی کا حاکم مقرر کر دیگا جہاں سے محمود غزنوی کے وارثوں کو ہٹا کر
لاہور جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا شہاب الدین جسکو اپنی نقل و حرکت کے لئے پوری آزادی حاصل
تھی بڑا ہی حوصلہ مند حکمران تھا اس نے فتوحات کا سلسلہ اُچھ اور ملتان سے شروع کیا (۱۱۷۵ء)۔
جسکی خبر شر نار بھیوں نے اجمیر تک پہونچادی تھی لیکن جب ۱۱۷۸ء / ۵۷۴ھ میں شہاب الدین
نے گجرات پر حملہ کیا تھا تو اجمیر سے گجرات کے سولنکھی رشتہ داروں کے لئے کوئی امداد نہیں پہونچائی
گئی حالانکہ گجرات کے مہم میں قسمت نے شہاب الدین محمد بن سام کا ساتھ نہیں دیا تھا اسی وقت
پرتھوی راج سوئم عرف رائے پتھورا (۱۱۷۸-۹۲ء) تیرہ چودہ سال کا بالک ہی تو تھا حکومت
کی ذمہ داری اسکی ماتا سر پرست اور مکھیہ منتری کدمب واس (کیماس) پر تھی کہ کچھ خود حفاظتی
تدبیر کرتے اس تنگ نظری اور کوتاہ نظری نے آگے چل کر چوہان مفادات کو نقصان پہونچایا
شہاب الدین جیسے چست و چالاک اور تجربہ کار دشمن نے یہ تدبیر سوچی اس تنگ نظری اور
کوتاہ نظری نے آگے چل کر چوہان مفاد کو نقصان پہونچایا شہاب الدین جیسے چست و

چالاک اور تجربہ کار دشمن نے یہ تدبیر سوچی کہ اب گجرات کے سولنکھی کے مقابلے میں شکست کھا کر سوالکھ کے چوہانوں پر چڑھائی کرنی چاہیئے جس کے لئے پہلے لاہور کے غزنویوں کو ختم کرنا پڑے گا اس کام کے لیے آٹھ سال کا لمبا عرصہ لگا اور جب ۲۴ مارچ ۱۱۸۶ء مطابق ۵۸۲ھ میں پورا پنجاب شہاب الدین غوری نے فتح کر کے شمال سے جنوب کی طرف رخ کیا تو وہاں سوالکھ میں چوہانوں کی لمبی چوڑی ریاست پھیلی ہوئی تھی کہتے ہیں کہ بالکپن میں پرتھوی راج (رائے پتھورا) نے پرن کیا تھا کہ ملیچھوں کو میں جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ لیکن جب ۲۸ مئی ۱۱۸۰ء ۵۷۶ھ میں حکومت کی باگ ڈور بعمر ۱۶ سولہ سال سنبھالی تو بجائے ترکوں کے راجپوتوں کے خلاف دگ وجے شروع کر دی ۷ مئی ۱۱۸۲ء مطابق ۵۷۸ھ میں بوندیل کھنڈ کے چندیلوں اور گجرات کے سولنکھیوں پر حملوں کے بعد قنوج کے گاہڑوال (گہروار) راجا جے چند کا نمبر آیا تو اسکی کنیا سنیوگتا کا اغوا کیا یا اسکے پتا کی مرضی کے خلاف بھگا کر اجمیر لے آیا بقول دشرتھ شرما کے ان نیم فوجی کارروائیوں سے اس کی فوجی قوت نہ صرف یہ کہ لنگڑی کمزور ہو گئی بلکہ ایک طاقتور پڑوسی کے پرتی شودھ (بدلے) کا ہمیشہ کے لئے نشانہ بن گیا ادھر محمد غوری حملے کی تیاری میں مشغول تھا پہلی ترائن کی لڑائی (۱۱۹۱ء) کی طاقت آزمائی میں پتہ لگ گیا تھا کہ راجپوتوں کی فوجی برتری اور بہتر قیادت کے مقابلے میں ترکوں کو ابھی کامیابی ملنے والی نہیں ہے لیکن جسطرح خرگوش کے مقابلے میں کچھوا دوڑ میں آگے نکل گیا تھا اسی طرح ادھر شہاب الدین نے نیند اور آرام اپنے لئے حرام کر لیا تھا ادھر نوجوان پتھورا میں عالی دماغی اور بلند ہمتی کا آدرش محض سستی اور کاہلی میں بدل کر رہ گیا تھا غزنی کی طرف فوج تھوڑی لیکن اعلیٰ کمان واحد (ایک)۔ اجمیر کی طرف راجپوتوں کی طرف فوج بے نہایت

لیکن ان فوجی ٹکڑیوں کے کپتان الگ الگ ایسی حالت میں لڑائی کی صبح کو بقول دشرتھ شرما ۲۶ سالہ نوجوان پرتھوی راج چوہان ابھی سوکر نہیں اٹھا تھا (استفادہ از چوہان ڈائی نیسٹیز) عصری مورخوں نے ۱۸ جنوری ۱۱۹۲ء مطابق ۵۸۸ھ کی ترکی راجپوتی جنگ کو "ڈاؤن فال آف ہندوانڈیا" (ہندوانڈیا کا زوال) اور پرتھوی راج کو "آخری ہندو سمراٹ" اور اسکی ریاست کو "آخری ہندو سامراجیہ" کہا ہے جو بالکل بجا ہے ۱۱۹۲-۹۳ء میں اور اسکے بعد شہاب الدین کی وفات ۸ اگست (۱۲۰۶ء) مطابق ۶۰۲ھ تک گنگا جمنا کا علاقہ آگے پورب میں بنگال تک راجپوتوں کے ہاتھ سے نکل کر ترکوں کے ہاتھ میں چلا گیا ترائن کی لڑائی میں ایک لاکھ ویرل اور یودھاؤں کے مارے جانے سے بقول یورپین مصنفین کے راجپوتوں کی سورمائی (بہادری) گویا تباہ ہو گئی اور راجپوت اگلے دو سو برسوں تک پنپ نہیں سکے جبکہ ترکوں میں سلطان علاؤ الدین خلجی جیسا فاتح سو سال کے اندر ہی پیدا ہو گیا جس نے نہ صرف راجپوتانہ کی سرزمین کو لگ بھگ اپنا زیر نگیں کر لیا بلکہ اسکے علاوہ گجرات، مالوہ اور دکھن کے علاقے دیوگری (مرانکھواڑہ) وارنگل (آندھرا) اور دوارسمندر (کرناٹک - تامل ناڈو) تک ترکی پرچم کو پہونچا دیا اور مغلوں جیسے بے رحم اور خونخوار حملہ آوروں کو عاجز کر کے شمالی ہند کی حفاظت کا کارنامہ انجام دیا چودھویں صدی میں دہلی سلطنت کے تغلق حکمرانوں کی کمزوری کے زمانے میں جب تیمور لنگ کا حملہ ہوا (۱۷ ستمبر ۱۳۹۹ء مطابق ۸۰۲ھ) اور دہلی لوٹی گئی اور رعایا کا بغیر بھید بھاؤ (ہندو مسلم دونوں کا) قتل عام ہوا تب راجپوتوں کی بچی کھچی ریاستوں کے راجاؤں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اس وقت بھی رانا سنگرام سنگھ (رانا سانگا) کے زمانے کو پہونچنے تک اگلے سو سال کا عرصہ بیت گیا اور ہندوستان کی ستا (طاقت) راجپوتوں کے ہاتھ نہ آئی ان وجوہات کی بنا پر میں ۹۳-۱۱۹۲ء کے واقعات کو "انقلاب" ماننے میں حق بجانب ہوں اسکے علاوہ ایک دوسرا واقعہ بھی ترکوں کی فتح اور راجپوتوں کی شکست کی وجہ سے رونما ہوا وہ یہ تھا کہ ابھی تک جتنے

حملہ آور ہندوستان میں آتے رہے وہ یہاں کی تہذیب و تمدن سے اسقدر متأثر ہوئے کہ یہاں کی تہذیب و تمدن میں گھل مل گئے کیونکہ انکی اپنی تہذیب و تمدن کی کوئی ترقی یافتہ شکل نہ تھی برخلاف اسکے ترکوں کے آنے سے جب مسلمانوں کا باہر سے یعنی لاہور و غزنی اور انکے آگے کے علاقوں سے ترک وطن ہوا بالخصوص جب سلطان التمش کے وقت سے تاتاری مغلوں کے اسلامی ممالک میں ظلم و غارت گری کے سلسلے کی شروعات ہوئی تو وسط ایشیا اور ایران کے مسلم خاندانوں کے اہل علم و فن، شرنارتھیوں (پناہ گزینوں) کی حیثیت سے اس ملک بھارت ورش میں آ آ کر جان کی امان پاتے رہے اور اپنی سات سو سالہ پرانی تہذیب و تمدن کے بیش بہا مخطوطات ہندوستان میں لاتے رہے جس تہذیب کی بنیاد آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے سنہیلے زمانے میں پڑی تھی اور ان صدیوں میں اسلام کے پیروؤں نے جو اسلامی لٹریچر کا ذخیرہ پیدا کر کے ڈھیر لگا یا تھا اس کی آمد ہندوستان میں بلا روک ٹوک ہوئی انہیں نو وارد بزرگوں میں سے وہ طبقہ ہے جس کا دعویٰ تھا کہ ہمارا مذہب اسلامی شریعت کی عملی شکل ہے جسکو وہ طریقت سلوک یا تصوف کہتے تھے انہیں اللہ کے خاص بندوں کا اتہاس ہیں اس کتاب میں لکھنے کی تیاری ابھی تک کر رہا تھا اور میں اس منزل تک آپہونچا ہوں جہاں اب اس مذہبی جماعت کے سربرآوردہ لوگوں کا تعارف۔ ان کے نظریات اور ان کے کارناموں کے اثرات کو پیش کروں گا سب سے پہلے عہد شمسی پر مورخ عصامی کی منظوم کتاب فتوح السلاطین سے چند اشعار ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر دوں جس سے ان نو واردوں کی نوعیت کی جھلک کم سے کم مل جائے گی۔

(۱) بسے سیداں صحیح النسب | رسیدند در وے ز ملک عرب

(بہتیرے صحیح النسب سادات دلّی میں ملک عرب سے پہونچے)

(۲) بسے کاسبان خراساں زمین | بسے نقشبندان اقلیم چین
(بہتیرے خراسان کے ملک کے دستکاری والے | بہتیرے چین کے ملک کے مصور)

(۳) بسے عالمان بخارا نژاد | بسے زاہد و عابد از ہر بلاد!
(بخارا کی نسل کے بہتیرے عالم | ہر ملک کے زاہد اور عابد)

(۴) ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گراں | ز ہر شہر و ہر اصل سیمیں گراں
(ہر ملک اور ہر جنس کے کاریگر | ہر شہر اور ہر نسل کے حسین لوگ)

(۵) بسے ناقدان جواہر شناس | جواہر فروشاں بروں از قیاس
(بہتیرے جواہر کو پہچاننے والے پارکھی | عقل سے زیادہ جواہرات کے سوداگر)

(۶) حکیمان یونان طبیبان روم | بسے اہل دانش ز ہر مرز بوم!
(یونان کے حکیم، روم کے طبیب | ہر ملک کے دانشمند عالم)

(فتوح السلاطین ص ۱۱۰) آگرہ ایڈیشن

سلسلۂ سہروردیہ ناگور

میرا موضوع سخن سلسلۂ چشتیہ حمیدیہ ناگوریہ ہے جب کہ چشتیہ سلسلے کے متوازی سہروردیہ سلسلہ بھی منظم ہو رہا تھا تو ان دونوں سلسلوں کی تنظیم کا زمانہ تیرہویں صدی ہی ہے۔ سہروردیہ سلسلے کی ہندوستان میں تنظیم و اشاعت کا سہرا حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (ملتانی) کے سر ضرور ہے جس کا دائرۂ توسیع سندھ و پنجاب تک محدود رہا البتہ ناگور میں شیخ محمد عطاء اللہ بخاری بغدادی سے حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی کی مریدی اور خلافت سے مشرف ہو کر جب تیسری بار ہندوستان آئے تو قاضی

ناگوری پہلے ہی سے مشہور تھے اور ناگور میں سہروردیہ سلسلے کی بنیاد انہیں کے ذریعہ پڑی۔
لہٰذا میں اب صوفی علماء اور درویشوں کا ذکر انہیں کے نام نامی اسم گرامی سے شروع کرتا ہوں

شیخ محمد عطا عرف قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ نویسوں میں شیخ جمالی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں ۱۵۲۰ اور ۱۵۲۵ عیسوی کے درمیان شیخ محمد حمید الدین کے نام سے ان کا ترجمہ قلمبند کیا یہ تذکرہ نویس رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی سہروردی بزرگ ہیں، رقمطراز ہیں کہ "شیخ محمد حمید الدین ناگوری عالم باعمل شریعت و طریقت کے حامل تھے علم ظاہر میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اپنے والد عطاء اللہ محمود کے ہمراہ بخارا سے سلطان معز الدین سام (شہاب الدین غوری (۱۲۰۶ - ۱۱۹۲ء) کے زمانے میں دار الخلافہ دہلی آئے تو انکو ناگور کا قاضی مقرر کر دیا گیا تین سال تک ناگور کے قاضی رہے۔ (سیر العارفین ص۲۱) اور یہی عہدۂ قضا ان کی عرفیت "قاضی حمید الدین ناگوری" کے لئے ذمہ دار ہے خاندانی روایت جو قاضی رحمان بخش وکیل نے اپنے رسالے افاضات حمید (۱۹۲۷ء) میں درج کی ہے اس میں شیخ محمد ابن عطا اللہ محمود کے سوانح حیات آگے پیچھے کر کے بیان ہو گئے ہیں میں نے حضرت محمد عطا کی آمد (۶۵-۱۱۶۴ء) کو خاندانی روایت مان کر اس کتاب میں دور چوہانی کے ضمن میں درج کر لیا ہے اس وقت جب آپکی واپسی ہوئی تو اس زمانے سے لیکر ترائن کی لڑائی کے بعد تک جب سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں آپکی دوبارہ آمد ہوتی ہے اس غیر معمولی طویل عرصے میں آپکی نقل و حرکت اور مصروفیات سے متعلق مستند حالات دستیاب نہیں ہیں میں سمجھتا ہوں جب جوانی کا عالم تھا قدرت نے غیر معمولی دماغی قابلیت عطا فرمائی تھی ان دنوں تصنیف و تالیف کے کام میں آپ نے اوقات گزارے قاضیان اہل کا بیان ہے کہ آپکی پیدائش ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ عیسوی میں ہوئی مگر اس کی کوئی سند نہیں ہے

بہرکیف عہد غوری میں ہند کے حالات بدل چکے تھے لیکن ناگور کی قضات سے دل اچاٹ ہوا
تو اچانک ناگور کی قضات کا کام چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے والد بزرگوار کی وفات ناگور آنے سے
قبل ہی دہلی میں دیکھ چکے تھے اما ضات حمید کی یہ بات بے سند ہے کہ قضات کی ذمہ داری
منجھلے صاحبزادے مولانا احمد ظہیر الدین کے سپرد کر گئے کیونکہ ۱۲۲۰ء میں امام صنعانی
رحمۃ اللہ علیہ محدث بدایوں کی آمد پر ان کے درس حدیث میں قاضی حمید الدین ناگوری
رحمۃ اللہ علیہ کے بعد قاضی کمال الدین کا نام آتا ہے اور پھر بار بار قاضی کمال الدین کا ذکر سرالقضر
میں درج ہوا ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ باضابطہ قاضی موخر الذکر یعنی قاضی کمال الدین ہی حکومت
دہلی کی طرف سے مقرر تھے بہرکیف حضرت کی واپسی بغداد کا محرک وہ خواب تھا جس میں رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنے پاس طلب فرمایا تھا (سیر العارفین صنہ ۲۱)

قضات ناگور کے زمانے میں شیخ محمد عطا (اب قاضی حمید الدین ناگوری) کتابوں کے مصنف ہو چکے تھے
اما ضات حمید کے مؤلف اس وقت انکی چار کتابیں درج کرتے ہیں۔ (۱) طوالع الشموس شرح
اسمائے حسنیٰ (۲) لوامع (۳) لوائح (۴) مطالع شرح چہل حدیث اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس
زمانے میں ان کتابوں کے مصنف کو اپنی علمیت اور اعلیٰ دماغی پر ناز تھا کہتے ہیں یہی
چار کتابیں ساتھ لے کر آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے بغداد میں
ملنے گئے تھے مرید ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے انہیں ایام میں حضرت قطب الدین
بختیار اوشی مرید و خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی اور دونوں
میں یک گونہ قرب پیدا ہوا پیر و مرشد کی اجازت سے زیارت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور روضۂ پاک کی مجاورت سے مشرف ہوئے بعدہٗ مکہ معظمہ تشریف لائے غالباً انہیں
ایام میں طواف بیت اللہ کے درمیان ان بزرگ کی پیروی کر رہے تھے جن کا ذکر شیخ
نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلس میں کیا تھا کہ فرمایا ان بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے

کہ اے حمید! ظاہری پیروی کیا کرتے ہو، باطنی پیروی کرو کہ میں ہر قدم پر ختم کلام اللہ کرتا ہوں اور زبان سے پڑھتا ہوں (سیر العارفین میں ترجمہ ص ۲۱۱ فوائد الفواد ترجمہ نظامی ص ۲۰۳)

حضرت قاضی حمید الدین کی تیسری بار آمد ہند کے زمانے میں ملک التمش والیِ بدایوں، غلام و داماد سلطان قطب الدین ایبک، دہلی کے تخت پر جلوہ افروز تھا (۳۵-۱۲۱۰ عیسوی) اور دار السلطنت کی آبادی اور دنیاوی رونق کے ساتھ ان علماء و مشائخ کی کثیر تعداد اور مدرسوں و خانقاہوں کی وجہ سے اس شہر کو دینی عظمت حاصل ہو رہی تھی جس کا ذکر مؤرخ عصامی کے منظوم بیان کے ذریعے ہو چکا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اول قاضی حمید الدین ناگوری ناگور ہی تشریف لائے ہیں کیونکہ ۱۲۲۰ء میں حضرت کی ناگور میں موجودگی پائی جاتی ہے جبکہ وہاں امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ حدیث مصباح الدجیٰ کا درس شروع کیا تھا لہٰذا یہ قیاس کرنا بجا ہے کہ ۱۲۲۰ء سے پہلے آپ آئے اور ناگور میں رہنا شروع کیا اور جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہند میں ہوئی تو آپ نے بھی انکی مصاحبت میں دہلی کا رہنا پسند کیا اور دلی منتقل ہو کر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اہل و عیال ان کے ناگور ہی رہے کیونکہ موضع رحل التمش سے ان کو مدد معاش میں ملا تھا یا جیسا کہ قاضیان رحل کا بیان ہے ویران جگہ میں قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے گاؤں آباد کیا تھا جہاں تین ڈھانیوں میں قزاقی پیشہ راجپوت آباد تھے قاضی صاحب نے جا کر اس پہاڑی پر قیام فرمایا تھا جو پیر پہاڑی کہلاتی ہے یہ مقامی باشندے آپکے مرید ہو گئے اس زمانے کی چلّے کی مسجد محلہ طاہر پورہ میں موجود ہے جہاں عرصے تک آپ نے چلہ کشی فرمائی تھی۔ ہجری سنہ ۶۲۱ مطابق ۱۲۲۴ عیسوی یعنی امام صنعانی کی آمد کے چوتھے سال میں حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ ملتان آچکے تھے ایک روایت کے مطابق دہلی میں قاضی حمید الدین صاحب ۹ رہائش اختیار

کر چکے تھے اس کے بعد قطب الدین صاحب آکر کیلوکھڑی میں قیام پذیر ہوئے دوسری
روایت میں ہے کہ پہلے قطب صاحب دہلی آچکے تھے بعد میں قاضی صاحب تشریف لائے جو بھی
ہو مگر ان دو بزرگ ہستیوں کا (قران السعدین) (دو مبارک ستاروں کا یکجا اکٹھا ہونا) ۱۲۲۴ء
یا اسکے بعد میں ہونا ظاہر ہے یہیں سے قاضی صاحب کی طویل زندگی کا آخری دور شروع
ہوتا ہے یہ دونوں بزرگ دلی میں ایک جان دو قالب بن کر رہے ایک سہروردی ہیں دوسرے
چشتی مگر سماع کے دونوں دلدادہ تھے قطب صاحب کی مصاحبت میں قاضی صاحب کا
قوالی کے ساتھ شغف بڑھا اور مقامی علمائے ظاہر کی چھیڑ چھاڑ سے بڑھتا ہی گیا۔ کل ملاکر
تیرہ سال کے قریب دونوں کا دہلی میں ساتھ رہا (۳۴-۱۲۲۴ء) کیونکہ ۱۲۳۴ء عیسوی قطب صاحب
کا سال وفات ہے اس آخری دور میں قاضی صاحب نے اپنی علمیت، پابندی شریعت
با اثر شخصیت اور روحانی برتری کے ذریعے مخالفین سماع کا نہ صرف منہ بند کر دیا بلکہ بقول
حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں انہیں کے ذریعہ قاضی منہاج الدین سراج کی تائید
سے سماع کا سکہ رائج ہوا ناگور میں قاضی صاحب اپنے منجھلے صاحبزادے احمد ظہیر الدین
رحمۃ اللہ علیہ کو سہروردی مسلک کو سنبھالنے کے لئے ذمہ داری دے کر آئے تھے۔
دلی آکر سلسلے کی مسند پر بڑے لڑکے ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بٹھا دیا جنکی قبر
قطب صاحب کے احاطے میں بتائی جاتی ہے ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سلسلہ انکے
بیٹے یا پوتے معین الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ امروہہ پہونچا قاضی صاحب
خود قطب صاحب کے ساتھ ایسے گھل مل کر رہے کہ بعد کے تذکرہ نویسوں نے قطب
صاحب کو قاضی صاحب کا شاگرد اور قاضی صاحب کو قطب صاحب کا مرید و خلیفہ قرار
دے دیا جیسا کہ 'لطائف اشرفی' ملفوظ سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے

البتہ ہم کو یہ کہنے میں عار نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ قاضی صاحب نے قطب صاحب سے خرقہ تبرک حاصل کیا ہو جیسا کہ بقول نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں بھی خرقہ شمس الدین سمرقندی سے آپ نے پہنا تھا کیونکہ دوسرے پیر کا خرقہ پہننے سے بیعت ارادت میں نقص وارد نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت سلطان التارکین نے اپنے پیر طریقت وارشاد و خلافت حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت حمید الدین خوئی ناگوری کو اپنا پیر خرقہ کہا ہے اور حضرت شمس الدین حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کو پیر صحبت فرمایا ہے (سرور الصدور ص ۲۷۸)

دہلی میں سماع کے علمبردار قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی عہد شمسی کے تحت سن ۱۲۲۸-۳۷ عیسوی میں دار السلطنت دہلی کی نقل و حرکت کو سمجھنے کے لئے ہم کو انکی طویل العمر زندگی مبارک کے آموختے کو دہرانا ہوگا۔ یہ فقیر حقیر حضرت کی پہلی آمد ناگور کی تاریخ ۱۱۶۴-۶۵ء ۵۶۰-۶۱ ہجری مان کر چلا ہے اسکے ایک قرن[1] بعد ہی آپکی واپسی بعہد سلطان معز الدین سام ہوتی ہے جب کہ آپ معمر اور سن رسیدہ یعنی غالباً ستر کی دہائی میں چل رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم

خاندانی روایت کے مطابق اسی سفر میں کرمان میں نکاح ثانی کیا اور اہل وعیال کو پشاور میں والد بزرگوار کی حفاظت میں چھوڑ کر ہندوستان میں داخل ہوئے اور تیس سال کے مختصر عرصے میں ناگور کی قضا کا کام چھوڑ کر واپس بغداد پہونچے اس وقت آپکی شہرت ایک جید عالم کی تھی یعنی عالم درویش صفت جیسا کہ آپکی کتابوں سے ظاہر ہے سیر العارفین کے بقول باطنی علوم میں قاضی صاحب کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا (ص ۲۱ اردو ترجمہ)

بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے خلافت حاصل کرنا اور

[1] قرن سو سال کو کہتے ہیں

زیارت و حج سے فارغ ہو کر ہندوستان کا سفر اختیار کرنا اور عہد شمسی میں ہندوستان کی مستقل سکونت اختیار کرنا روایتوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

سلطنت دہلی میں عہد شمسی کے روحانی ستارے!

(۳۵-۱۲۱۰ء = ۱۳-۶۰۷ھ)

دہلی میں علمی و روحانی فضا کے قیام کا بہت کچھ سہرا سلطان شمس الدین التتمش کے سر ہے شاید اپنے ہونہار غلام التتمش کے افتاد طبیعت کو دیکھکر ہی سلطان قطب الدین ایبک ۱۰-۱۲۰۶ = ۷۲-۶۰۲ھ) نے اسکو اقطاع بدایوں کا مقطع (حاکم) بناکر بھیجا تھا۔

روایت ہے کہ ۱۵ ارسال کی عمر میں جب اپنے آقا خواجہ جمال الدین کے کام سے کچھ نقدی لے کر بازار کو کھانا لینے جا رہا تھا تو راستے میں یہ رقم حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نذر کردی اور دعاء کا خواستگار ہوا حضرت نے اس نوجوان کی پیشانی پر خوش قسمتی کے آثار کا انکشاف کر کے فرمایا تھا کہ یہ لڑکا آگے چل کر بادشاہت کرے گا آپکی صحبت میں اسوقت حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی بھی تشریف فرما تھے انہوں نے بھی سہروردی پیر کے ارشاد گرامی پر تائیدی الفاظ کہے (سیر العارفین بحوالہ طبقات ناصری اردو ترجمہ ص۱۵۷)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بغداد کی مجلس سماع میں رات بھر غلام بچہ التتمش اپنے آقا کے مکان میں شمع (موم بتی) کا گل مقراض (قینچی) کے ذریعہ جھاڑتا رہا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بارہویں صدی عیسوی کے اواخر اور تیرہویں کے اوائل میں جبکہ سلاسل صوفیہ میں تنظیمی آثار ظہور پذیر تھے اور اسکا ماحول میں التتمش کا بچپن گزرا ہے ہندوستان میں جب ایلتمش کو ایبک کے زرخرید غلام کی حیثیت سے شہ سواری اور سپہ گری کی تربیت

حاصل ہوئی اور ہونہار کمک کے آثار دیکھے گئے تو ایسے اقطاع کی ذمہ داری اس کے سپرد ہوئی جس کا صدر مقام بدایوں علاقہ کیتھر (اتر پردیش) میں مسلمانوں کی نوآبادی (کالونی) کی حیثیت سے اہلِ علم اور اہلِ عشق کا مرکز بن چکا تھا جہاں معاصر ہندوستان کے محدث اول حضرت امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور جہاں سہروردی بزرگوں کے ذریعے تصوف کے پودے کی ایسی آبیاری ہوئی تھی کہ بہت جلد سادات و شیوخ کے حلقے سے باہر نکل کر صوفیا کی تعلیم اہلِ کسب (پیشہ ور قوموں) میں عام ہو گئی جیسا کہ آپ آگے چل کر دیکھیں گے یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ سن ۱۲۱۰ = ۶۰۷ سے پہلے ایلتمش کے عہد ایالت کی یادگاروں میں بدایوں کا حوض شاگر (تالاب) اور وہاں کی جامع مسجد قدیم اور عمری درگاہیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ قدرت نے ایلتمش کو بدایوں شریف سے دینی اور روحانی مزاج بنا کر ۱۲۱۱ء میں تختِ سلطنتِ دہلی کی رونق بڑھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ دہلی آکر ایلتمش کا رابطہ سہروردی اور چشتی دونوں سلسلوں کے بزرگوں سے بڑھا اور انہیں دونوں سلسلے کے بزرگ اس زمانے میں دینی میدانِ عمل کے شہسوار تھے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہند میں میرے بہتیرے خلیفہ ہیں انہیں میں قاضی حمید الدین ناگوری بھی ہیں حالانکہ سہروردی سلسلے کی اشاعت کا کام پنجاب اور سندھ میں حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے ذریعے انجام پہونچا ہے۔

غرضے کہ ہم اس وقت دہلی کے سلطان ایلتمش کو ایک دین دار تہجد گذار حکمراں کی حیثیت سے دیکھتے ہیں حضرت قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت جلال الدین تبریزی کیوں نہ ہوں! التتمش کی راجدھانی میں جیسے ہی قدم رنجہ ہوئے ان کے استقبال اور تعظیم میں سلطان حد درجے کوشاں نظر آتا تھا۔ یہی برتاؤ قاضی حمید الدین بخاری بغدادی ناگوری کے ساتھ بھی ایلتمش الملقب بہ شمس الدین

نے روا رکھا تھا بہرکیف اس کے عہدِ حکومت (۳۵-۱۲۱۰ = ۳۳-۶۰۷) میں دہلی میں تصوف کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں چشتیوں کے سردار اعظم حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلے کی تنظیم شروع کر رکھی تھی راجستھان کے مرکز اول اجمیر میں خود بہ نفس نفیس بیٹھے ہوئے روحانی فیوض و برکات سے اس علاقے کو مالا مال کر رہے تھے اور مرکز دوم ناگور کیلئے صوفی حمید الدین دہلوی کو سلطان التارکین کی حیثیت سے سرفراز کر دستار فضیلت سے سرفرازی بخش کر روانہ کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے ادھر بغداد میں شیخ قطب الدین بختیار خلیفہ اول کو پیر کی خدمت میں پہونچنے کے جذبے نے سفر پر آمادہ کیا تو ان کے لئے دہلی شہر کا میدان عمل تجویز ہوا جہاں رہ کر قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان ہند شمس الدین کو اپنی مریدی میں قبول فرمالیا تھا قاضی حمید الدین کے ساتھ بابا فرید کا قرب تھا اور خط و کتابت بھی اب ان چار بزرگوں کے ساتھ حضرت بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ قطب صاحب کو جوڑلیں تو پنجتن پاک اور قاضی صاحب کے بدایونی خلیفاؤں کو شامل کرلیں تو ہفت احباب کی گنتی پوری ہو جاتی ہے ادھر سہروردیوں میں قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سلسلے کا کام اپنے بڑے صاحبزادے حضرت ناصح الدین کو خلیفہ و جانشین بنا کر سپرد کر رکھا تھا جن کے پاس بدایوں تک کے معتقدین کی آمد و رفت رہتی تھی اور قاضی صاحب کا کم از کم ایک بار اپنے مریدین و خلفاء کے پاس بدایوں جانا روایت سے ثابت ہے (اخبار الاخیار ص۹) قاضی صاحب کے علاوہ ایک بزرگ سید نور الدین مبارک غزنوی سہروردی ہیں جو شیخ شہاب الدین بغدادی سہروردی کے بھانجے اور خلیفہ تھے جن کو اہل دہلی "امیر دہلی" کے نام سے پکارتے تھے (اخبار الاخیار ص۶۲)۔ (مدفن حوض شمسی کے مشرق) حضرت نور الدین مبارک غزنوی دہلوی کے خواہرزادے شیخ نظام الدین ابو المؤید تھے جو قطب صاحب کی تربیت یافتہ تھے

- انہیں کے پوتے حضرت شیخ جمال کولی (رعلی گدھ) ہیں اور انکی والدہ بی بی سارُاں قطب صاحب کو بھائی کہتی تھیں یہی نظام الدین ابوالمویّد (واعظ اور مستجاب الدعوات) بدایوں میں بھی نظر آتے ہیں اور جنکی علالت کے زمانے میں شیخ شاہی موئے تاب عرف" روشن ضمیر" (خلیفہ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ) نے دعائے صحت فرمائی تھی - ان کے علاوہ سر سلسلۂ سہروردیان ہند حضرت بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو ملتان سے سلطان التمش کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے شیخ جلال تبریزی کے خلاف محضر منعقد کرکے طلب کرایا تھا لیکن محضر نے ایسا پلٹا کھایا کہ نجم الدین صغریٰ خود معزول ہوئے اور قطب صاحب کے انکار کرنے پر شیخ الاسلامی حضرت بہاؤالدین زکریا کے نام کیا درج ہوئی کہ انکے خاندان میں برابر تین پشتوں تک قائم رہی اور اس طرح سہروردیوں کے ملتانی سربراہ کا رابطہ دہلی سے قائم اور مستحکم ہوا آگے چل کر حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح کو حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء سے یک گونہ محبت تھی اور سیدالاولیاء کی روایت ہے کہ مؤخرالذکر کی نماز جنازہ حضرت ملتانی صاحب نے پڑھائی تھی اب یہاں پر حضرت جلال الدین تبریزی کا بھی حوالہ مبارک دے دیا جائے آپ کا شمار شیخ جمالی نے سیرالعارفین میں سہروردیوں میں کیا ہے ان کے تعلقات خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤالدین سے دوستانہ تھے اور اپنے دوست قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے قیام دہلی کے زمانے میں ہی دہلی آئے تھے لیکن نجم الدین صغریٰ کی تہمت تراشی کی وجہ سے دہلی سے ہٹے اور بدایوں کا قیام اختیار کیا اور وہاں سے بنگال کا رخ کیا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جوامع الکلم ملفوظ سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت تبریزی نے ایک مرتبہ ملتان پہونچ کر "دیوانہ قاضی بچہ" فرید مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

کو ایک انار دیا تھا جس کے دانے بچّے نے بانٹ دیئے صرف ایک دانہ اپنی افطار کے لئے زمین پر گرا ہوا اٹھا کر رکھ لیا جب شیخ فرید نے اپنے پیر قطب صاحب سے اس واقعے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ" بابا فرید جو کچھ تھا صرف اسی ایک دانے میں تھا جو تمہارے لئے رہ گیا تھا (اخبار الاخیار اردو ترجمہ کراچی صفحہ ۹۲-۹۳)

مندرجہ بالا فہرست میں اگر ملتان کے سہروردی سربراہ حضرت شیخ الاسلام زکریا اور حضرت شیخ شمس تبریز کا نام بھی جوڑ لیا جائے جو بنگال جانے سے قبل مدت تک بدایوں میں رہے تو شاید عہد شمسی کے صوفی بزرگوں کی کافی نمائندگی ہو جاتی ہے۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع میں غلو

آمدم بر سر مطلب ۔ اس تمہید کے بعد ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارے ناگوری رہنما کی نقل و حرکت عمر کی آخری دور بدایوں میں کیا تھی روایت ہے کہ دہلی آتے ہوئے راستے میں ققنس پرندے سے جنگل میں ملاقات ہو گئی جس کی منقار میں بارہ سوراخ ہوتے ہیں اور ہر سوراخ سے ایک نئے سُر کی آواز نکلتی ہے اس چڑیا کی گوناگوں آوازوں کو سن کر قاضی صاحب پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی جس سے حضرت کی طبیعت کا گداز ظاہر ہوتا ہے (امانات حمید صفحہ ۱۵) اس زمانے میں دارالسلطنت دہلی میں اہل علم و فضل کے اندر قوالی کا رواج عام نہیں تھا۔ سن ۱۲۲۴ = ۶۲۱ھ سے حضرت قطب الدین بختیار اور قاضی حمید الدین مصاحبت باہمی کے دور میں خلوت میں اور جلوت میں ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہوئے سماع کی مجلسیں گرم ہونے لگیں قاضی صاحب کی طبیعت مائل بہ جلال تھی شریعت و طریقت کے ماہر تھے کسی معترض کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن قاضی اور صدر الصدور کا

کام احتساب کا ہے چنانچہ قاضی سعد اور قاضی عماد اس بات کے درپے ہوئے کہ قوالی کو روکا جائے اور اس کے خلاف سلطان کے سامنے محضر کی درخواست پیش کی جائے حسن اتفاق سے قاضی شہر قاضی منہاج سراج جرجانی خود قوالی کے دلدادہ تھے اور سلطان شمس الدین قطب صاحب کا مرید ہو چکا تھا اور قاضی صاحب کی طول عمری اور سن رسیدگی کی رعایت اس کے دل میں جاگزیں تھی بلکہ قاضی صاحب کی علمیت و بزرگی کی دھاک اس کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی قاضی سعد و عماد نہ مانے اور سلطان کے یہاں درخواست پیش ہوئی کہ قوالی حنفی فقہ میں ناجائز ہے قاضی صاحب سے جواب طلب کرنا چاہیئے چنانچہ قاضی صاحب کو دربار سلطانی میں بلایا گیا اس واقعے کا سب سے قدیم ذکر عصامی کی مستند منظوم تواریخ فتوح السلاطین فارسی میں ملتا ہے جس کی نشاندہی کے لئے یہ فقیر حقیر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا مرہون منت ہے

؎ اس مخطوطے کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ایک آگرہ میں دوسرا مدراس میں۔

میں یہاں عصامی کے اشعار معہ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد عربی فارسی انسٹی ٹیوٹ ٹونک کے شکریہ کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔

بحث کردن قاضی سعد و قاضی عماد
با قاضی حمید الدین ناگوری در باب سماع رحمہم اللہ علیہم اجمعین

شنیدم کہ در عہد آں پادشاہ	کہ صاحب ولایت بد و پارسا
میں نے سنا کہ اس بادشاہ کے عہد میں	جو کہ صاحب ولایت اور پارسا تھا
ز ناگور صاحب دلے در رسید	نہ خالی کہ با کاملے در رسید
ناگور سے ایک صاحب دل آن پہونچا	بلا وجہ نہیں بلکہ کسی مطلب سے آیا تھا

حمیدالدیں آں مرد را بُد لقب
اس آدمی کا لقب حمید الدین تھا

سماعے شنیدے بہ ہر روز و شب
دن رات سماع سنا کرتا

چناں مست گشتے ز دورِ سرود
گانے کے دور سے مست ہو جاتا

کہ کم آمدے از سرس مے فرود
کہ شراب (عشق) کا نشہ اسکے سر سے نہ اترتا

وگر بعد دورے شدے ہوشیار
اور اگر ایک دور کے بعد ہوش میں آجاتا

بہ رفتے پئے دیدنِ شہریار
تو بادشاہ سے ملنے کے لئے چلا جاتا

بہ تعظیم او شاہ برخاستے
شاہ اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا

نظر از جمالش بیاراستے
اسکے جمال سے نظر کو آراستہ کرتا

دو مفتی مگر اندراں روزگار
مگر دو مفتی اس زمانے کے اندر

بحالے گرفتند بر شہریار
بادشاہ سے چغلی کھانے لگے

یکے را لقب سعد و دیگر عماد
ایک کا لقب سعد اور دوسرے کا عماد (تھا)

ہم اصحابِ علم و ہم اہلِ جہاد
اصحابِ علم بھی اور اہلِ جہاد بھی (تھے)

بہ لشکر کشی ہر یکے بہمنے
لشکر کشی میں ہر ایک مثل بہمن کے تھا

بہ سختی کشی بہ ز روئیں تنے
سختی اٹھانے میں (اسفندیار) روئیں تن سے بھی بڑھکر

یکے روز گفتند مر شاہ را
ایک روز خاص شاہ سے بولے

کہ" اے صاحب شرع فرماں روا
کہ" اے شرع والے حکمران

دریغ است در عہدِ تو بدعتے
افسوس ہے کہ تیرے عہد میں ایک بدعت

بگیرد دریں تخت گہ رفعتے
اس تخت گاہ (دہلی) میں بلندی کا پکڑتی جا رہی ہے

حمیدالدیں آں صاحبِ خانقاہ
اس خانقاہ والے حمید الدین نے

کہ آمد ز ناگور در تخت گاہ!
جو ناگور سے تخت گاہ میں آیا ہوا ہے

شروع چناں کرد اندر سماع
سماع کے اندر ایسی شروعات کی ہے

کہ خلقش کمر بست در اتباع
کہ خلق نے اسکی پیروی میں کمر باندھی ہے۔

همہ شہر پر فتنہ شد از سرود
پورا شہر گانے کے فتنے سے بھر گیا ہے
بجز شہ کہ ایں فتنہ ساز د فرود؟"
سوائے شاہ کے اس فتنہ کو کون دبا سکتا ہے"!

چو خسرو از ایشاں شنید ایں سخن
جب بادشاہ نے ان سے یہ بات سنی:
بگفتہ" کہ اے مفتیان کہن - !
تو کہا کہ" اے پرانے مفتیو !

چہ تدبیر باید دریں کار کرد ؟
اس کام میں کیا تدبیر کرنی چاہیئے ؟
کزیں کار باز آید آں پیر مرد "
کہ وہ پیر مرد اس کام سے باز آجائے"

بگفتند" اے شاہ غم خوار دیں
بولے" اے دین کے غم خوار بادشاہ
ز سودائے تو گرم بازار دیں
تیری فکر سے دین کا بازار گرم ہے

چو ایزد ترا کرد فرماں روا
چونکہ خدا نے تجھے حکمراں بنایا ہے
بفرما کہ خوانند آں مرد را
حکم دے کہ اس مرد کو بلایا جائے

بہ شرطے کہ چوں آید ایدر مخیز
اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ یہاں آئے تو کھڑے مت ہو
چو شاہی، ز تخت کیاں بر مخیز
چونکہ تو شاہ ہے بادشاہی تخت سے کھڑا نہ ہونا

بگو تا نشیند بہ پہلوئے ما
اس سے کہنا کہ ہمارے بغل میں بیٹھے
چو بنشانیش اندریں بارجا
جب تو اسکو اس بارگاہ میں کنارے بٹھائے

ز منع تغنی بران مرد کار
گانے سے منع کرنے کے لئے اس مرد کار پر
بخوانیم نص و حدیثے سہ چار
تین چار نص (آیات قرآنی) اور حدیثیں ہم پڑھیں گے

چو در بحث ملزم شود لاجرم !
جب بحث میں بالضرور ملزم ہو جائے گا
نیارد زدن پیش ما بیش دم
تو ہمارے سامنے زیادہ بات نہ کر سکے گا

ضرورت کند توبہ از سرود
ناچار گانے سے توبہ کرلے گا -
ز سرمستی عشق آید فرود " !
عشق کی مدہوشی سے (نیچے) اتر آئے گا"

از ایشاں چو ایں قصہ بشنید شاہ
ان سے جب شاہ نے یہ قصہ سنا -
پذیرفت آں خسرو دیں پناہ
تو اس دین پناہ بادشاہ نے منظور کرلیا

دگر روز کاں غنچہائے مطیب
دوسرے روز جبکہ خوشبودار غنچے

بہ رقص آمد از نغمۂ عندلیب
بلبل کے نغمے سے رقص میں آئے

شہنشہ یکے را ز خاصان خویش
تو شہنشاہ نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک کو

فرستاد بر قاضیٔ راست کیش
سچے دین والے قاضی کے پاس بھیجا -

بداں تا بخواند بہ درگاہ شاہ
تو سمجھ لے کہ شاہ درگاہ میں بلا رہا ہے

کہ شد محضرے اندریں بارگاہ
کہ اس دربار میں ایک محضر مقرر ہوا ہے

ہمہ حال آں قاضیٔ ہوشیار
وہ باہوش قاضی فی الحال --

درآمد چو در مجلس شہریار
جب بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہو گیا

شہ مشرق چوں روئے قاضی بدید
تو مشرق کے شاہ (شمس = آفتاب نے) جیسے ہی قاضی کا چہرہ دیکھا

فرود آمد از تخت و اندر دوید
تخت سے اتر آیا اور حیران ہو کر دوڑا

بہ صد عز و اکرام بنواختش
بہ صد عزت و اکرام اس کو نوازا -

ابا خویشتن ہم نشیں ساختش
اپنے ساتھ اس کو ہمنشیں بنایا -

بسے بوسہ بر دست قاضی بداد
قاضی کے ہاتھ کے بہتیرے بوسے لئے

زباں را بہ پوزش گری برکشاد
معذرت خواہی کے لئے زبان کھولی

ازیں حال اہل غرض شد غمیں
اس حالت سے اہل غرض غمگین ہوئے

وزاں پس یکے زاں دو مرد گزیں
اور اس کے بعد ان دو پسندیدہ مردوں میں ایک نے

رخ آورد بر قاضیٔ تیز ہوش
تیز فہم قاضی کی طرف رخ کیا -

ہمہ خلق بر گفت او داشت گوش
اسکی تقریر پر تمام خلق نے کان لگائے

بپرسید "حکم تغنی کہ چیست"؛
پوچھا کہ "گانا سننے کا کیا حکم ہے"؟

شنیدہ کہ "سامع بہ بینم کہ کیست"؛
سن لیا کہ "سننے والوں کو دیکھتا ہوں کہ کون ہے"؛

حرام است بر سامع اہل قال
اہل قال سننے والے کے لئے حرام ہے

مباح است بر سامع اہل حال"
اہل حال سننے والے کے لئے مباح ہے

همان حال چوں صاحب قال ماند
اس وقت جب کہ صاحب قال ٹھہر گیا

یکے قصۂ طرفہ قاضی بہ خواند
تو قاضی نے ایک حکایت عجیب بیان کی

رخ آورد بر خسرو پاک دیں
پاک دین بادشاہ کی طرف رخ کیا

دعا گفت بر شاہ روئے زمیں
روئے زمین کے بادشاہ کے لئے دعا کی

بگفتا کہ "یک شب چہل مرد را
فرمایا کہ "ایک رات چالیس سالک مردوں نے

بہ بغداد اندر یکے خانقاہ
بغداد کی ایک خانقاہ کے اندر

سماعے بکردند تا صبح دم
صبح سویرے تک سماع کیا

دراں جمع من بودم و شاہ ہم
اس میں میں اور شاہ بھی جمع تھے

ولیکن شہا! من بہ رقص و سماع
لیکن اے شاہ! میں نے سماع اور رقص کر لیے

ہمی کردم آں قوم را اتباع
اس قوم کی پیروی کی تھی

تو خود طفل بودے دراں روزگار
اس زمانے میں تو خود بچہ تھا

ولے آں شب بود اقبال یار
لیکن اس رات کو اقبال تیرا یار تھا

ہمہ شب سر شمع بے گفت کس
تمام رات بغیر کسی کے کہے شمع کا گل

بریدی بہ مقراض اے خوش نفس!
اے خوش نفس! تو قینچی سے کاٹتا رہا

دراں شب ترا ملک ہندوستان
اس رات میں تجھے ہندوستان کا ملک

بدادند زاں چاکری عارفاں"
عارفوں نے اس خدمت کے لئے دیا تھا"

شہنشاہ را آں شب آمد بیاد
شہنشاہ کو وہ رات یاد آ گئی

بصد عذر در پائے قاضی فتاد
تو بصد عذر قاضی کے پاؤں پر گر پڑا

حریفاں ازیں حال حیراں شدند
اس حال کو دیکھ کر مخالف لوگ ہکا بکا رہ گئے

ز مستی آں دور غلطاں شدند
اس دور کی مستی سے ڈگمگا گئے

فتادند در پائے قاضی تمام
تمام کے تمام قاضی کے پیروں پر آ پڑے

رہا کردہ دعوائے قاضی تمام
گزشتہ دنوں کے تمام دعوے چھوڑ کر

بس آنگہ بگفتند سعد و عماد ۔۔۔ کہ "دعویٰ بہ برہاں شود مستفاد"
لہٰذا اسوقت سعد اور عماد بول اٹھے ۔۔۔ کہ "دعویٰ دلیل کے ساتھ فائدہ مند ہوتا ہے"

شنیدم من از پیر صاحب سماع ۔۔۔ کہ دارد بہ مستان حق اتباع
ایک سماع والے بوڑھے سے میں (قاضی) نے سنا ہے ۔۔۔ جو کہ حق کے مستوں کی پیروی کرتا ہے

کہ یک خادمے بود محمود نام ۔۔۔ کہ او بود قوال قاضی مدام
کہ محمود نام کا ایک خادم تھا ۔۔۔ کہ وہ ہمیشہ قاضی (حمید الدین) کا قوال رہتا تھا

بدو گفت قاضی کہ "ہاں اے جواں! ۔۔۔ دریں دیو خانہ فسونے بخواں
قاضی نے اس سے کہا کہ "ہاں اے جوان! ۔۔۔ اس دیو خانے میں ایک منتر پڑھ"

بہ فرمان قاضی ہماں مرد را ۔۔۔ فرو گفت قولے دراں بزم گاہ
اسی سلوک والے مرد نے قاضی کے حکم سے ۔۔۔ اسی مجلس میں ایک قول کہہ کر پیش کیا

برقص آمد آں قاضی ملک حال ۔۔۔ ہمی راند حالے چو اہل کمال
وہ حال کے ملک کا قاضی رقص کرنے لگا ۔۔۔ اہل کمال کی طرح حال کی کیفیت میں آ گیا

بسے خار و آتش پئے امتحاں ۔۔۔ فگندند در پائے قاضی رواں
امتحان کے واسطے بہتیرے کانٹے اور آگ ۔۔۔ فوراً قاضی کے پیروں میں ڈالے گئے

ازاں حال قاضی خبر ہم نداشت ۔۔۔ دراں ذوق از خار ہا غم نہ داشت
قاضی کو اس حال کی وجہ سے خبر کبھی نہ ہوئی ۔۔۔ اس ذوق (مزے) میں انکو کانٹوں کا غم (دکھ) نہ ہوا

مغنی پس از ساعتے شد خموش ۔۔۔ ہماں قاضی از مستی آمد بہ ہوش
گویا ایک گھڑی کے بعد خاموش ہوا ۔۔۔ تو اسی وقت قاضی بھی مستی سے ہوش میں آ گئے

گرفت آں گہے دست سعد و عماد ۔۔۔ بہ تعظیم و تکریم شاں کرد شاد
اسی وقت سعد اور عماد کا ہاتھ پکڑ کر ۔۔۔ ان کی تعظیم و تکریم کر کے ان کو خوش کیا!

پس آں گاہ از مجلس شہ بخاست
پس اسی وقت شاہ کی مجلس سے اٹھے

عصا را طلب کرد و نعلین خواست
عصا (لاٹھی) طلب کیا اور جوتیوں کی جوڑی منگائی

ہماں روز شاں برد در خانقاہ
اسی روز ان لوگوں کو خانقاہ میں لے گئے

یکے دعوتے دادہ، شد عذر خواہ
معذرت کرتے ہوئے ان کی دعوت کی

چو پرداختند از شراب و طعام
جب کھانے پینے سے فارغ کیے گئے

عراقؔ آمد اندر نوا بعد شام
تو شام کے کھانے کے بعد عراقؔ کا راگ چھیڑ گیا

مغنی بر آہنگ جاں کرد ساز
گویّے نے جان کے قصد سے ایسی ترکیب کی

دل اہلِ دل آمد اندر گداز
کہ دل والوں کے دل پگھلنے لگے

ہم آغازِ کار آں چناں در گرفت
کام کی شروعات نے ایسا اثر دکھایا

کہ عاشق دل خود ز جاں بر گرفت
کہ عاشق نے اپنا دل جان سے اٹھا لیا

اثر کرد احوالِ خاصاں بعام
خاص لوگوں کے حال نے عام لوگوں پر ایسا اثر کیا

بہ رقص آمدہ اہلِ مجلس تمام
کہ تمام اہلِ مجلس رقص کرنے لگے

شنیدم درے بستہ تا صبح گاہ
میں نے سنا ہے کہ دروازہ بند کرکے صبح کے وقت تک

بہ کردند رقصے دراں خانقاہ
اس خانقاہ میں رقص کرتے رہے

چو شد مطرب از بانگ مؤذن خموش
جیسے ہی گویا مؤذن کی پکار پر خاموش ہوا

ز مستی ہمہ مجلس آمد بہ ہوش
کہ پوری مجلس مستی سے ہوش میں آگئی

گروہے بعزمِ نمازِ عشاء
ایک گروہ نمازِ عشاء کے ارادے سے

بپا خاست زاں مجلسے جاں فزا
اس جاں فزا مجلس سے اٹھا

کشادند یکسر در خانقاہ
خانقاہ کا دروازہ پورا بالکل کھول دیا

بدیدند شب رفت و شد صبح گاہ!
کیا دیکھتے ہیں کہ رات گزر گئی اور صبح کا وقت ہو گیا ہے

ازاں حال ماندند اندر عجب
اس حالت کو دیکھکر تعجب میں پڑ گئے

کہ تا چشم برہم زنی رفت شب!
کہ آنکھ جھپکتے ہی رات گزر گئی!

چو بودست بے ہوش مجلس تمام
جب کہ تمام مجلس بے ہوش تھی

کسے کم خبر داشت از صبح و شام
کسی کو صبح اور شام کی خبر نہ ہوئی

فسونے دل انگیز آمد سرود
گانا کیا تھا دل کو بھڑکانے والا جادو

دمے عشق آمیز آمد سرود
گانا گویا عشق میں ملی ہوئی ایک پھونک تھی

منظوم تواریخ فتوح السلاطین فارسی مدراس ایڈیشن، ۱۱۱ تا ص ۱۲۰

یہاں پر سماع سے متعلق بحث کا موضوع ختم کر کے عصامی نے ہندوستان میں سنگیت کے ذریعے ہرن کا شکار کرنے کا طریقہ لکھا ہے کہ ہرن کو گانے کی آواز سے مست کر دیا جاتا ہے پھر خواہ اسکو قید کر لیا جائے، تیر سے زخمی کر دیا جائے یا زندہ گرفتار کر لیا جائے تو جب حیوان جنگلی پُر لطف آواز سے ہوش و خبر کھو دیتا ہے تو ایسا آدمی جو موسیقی سے لطف اندوز نہ ہو سکے کیسا دل رکھتا ہے؛ حضرت امیر خسرو دہلوی نے بھی اپنی مثنوی نہ سپہر میں سنگیت کے اس حیرت انگیز اثر کا ذکر کیا ہے۔

خلاصہ

آئیے اب ہندوستان میں سماع (قوالی) کے علمبردار اور اس کے لئے راجدھانی دلی میں سخت مخالفتوں کے باوجود راستہ ہموار کرنے والے، سامع اعظم کا حق ادا کرنے کے لئے مؤرخ عصامی کی کاوش کا تجزیہ کر کے حضرت قاضی علامہ حمید الدین سہروردی بخاری ناگوری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت پر مختصر تنقید و تبصرہ پیش کر دیں جو بقول حضرت محبوب الٰہی سلطان الاولیاء شیخ نظام الدین چشتی بدایونی دہلوی

ہندوستان میں سماع کا سکہ جمانے والوں کے پیشوا ہیں دوسرا نمبر قاضی منہاج سراج جرجانی کا ہے ایک قاضی القضات ہونے کا مستحق مگر بے پرواہ، دوسرا اس عہدے کے لئے حریص اول الذکر کا خلوص کام کر گیا سماع کے آخری مؤید اور پروان چڑھانے والے حضرت امیر خسرو امیر حسن اور خواجہ مبشر کے شیخ اور مخدوم اور دو سو قوالوں کے مربی و سرپرست، خود حضرت نظام الدین اولیاء تھے مگر پیشرو اور پیشوا تو بہر حال قاضی ناگوری ہی ہیں۔ اس پر ناگور شریف کو بجا طور پر فخر کرنے کا حق ہے بشرطیکہ حضرت ناگوری کے مسلک قوالی کو مشعل راہ بنایا جائے۔

مؤرخ عصامی حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے سو برس بعد ایسے مصنف شاعر بھی ہیں جنکی دو روایتوں کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے میں تذکرہ نگاروں کی دو روایتیں پیش کر کے اثرات قوالی کی کارفرمائیاں جو مندرجہ بالا واقعات سے کہیں زیادہ عجوبۂ زماں ہیں، بتلا کر یہ دکھانا چاہوں گا کہ تصوف کے دور اول میں ہمارے بزرگوں کے چشتیہ سہروردیہ انحاد کا کرشمہ کس بلندی کو پہونچ گیا تھا جب کہ حضرت قاضی حمید الدین کا نام نامی اسم گرامی قوالی کے موضوع کی سرخی بن گیا تھا اور جب کہ قوالی حضرت قطب صاحب کے لئے اپنے محبوب (اللہ تبارک و تعالیٰ) سے ملنے کا بہانا اور قاضی صاحب کے لئے قبولیت دعاء کا وسیلہ بن گئی تھی۔

(۱) محبوب سے وصال

حضرت محبوب الٰہی سلطان الاولیاء کی روایت ہے کہ دہلی میں شیخ علی سگزی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جو حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی کے عزیز اور خواجہ بختیار کاکی کے ہمسائے تھے، محفل قوالی گرم تھی (ان کی قبر بھی خواجہ قطب صاحب کے مزار کے قریب ہی ہے) شیخ احمد جام کی غزل کا یہ شعر قوال کہہ رہے تھے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ترجمہ (تسلیم و رضا کے خنجر کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عنایت ہوتی ہے)۔
سیر العارفین اور اخبار الاخیار میں اس روایت کو نقل کیا گیا ہے۔
مجلس میں حضرت شیخ محمد عطا (حمید الدین ناگوری)، شیخ بدر الدین غزنوی خلیفہ حضرت قطب صاحبؒ اور شیخ احمد ہزوالی بدایونی (خلیفہ قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مصاحب قطب الدین صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ) موجود تھے۔ شیخ جمالی نے تفصیلات اسطرح بیان کی ہیں کہ "حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اس شعر میں ایسا حال، تغیر اور تحیر پیدا ہوا کہ بالکل از خود رفتہ ہو گئے۔ اول الذکر دونوں بزرگ ان کو گھر پر لائے قوالوں کے اس شعر پر تین شبانہ روز تکرار پر قطب صاحبؒ کا وجد قائم رہا نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز ادا کرتے چوتھی شب حالت زیادہ خراب ہو گئی حضرت کا سر مبارک قاضی حمید الدین صاحب (مصاحب خاص) کے زانو پر اور ان کے پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی (خلیفہ) کی گود میں تھے قاضی صاحب نے عرض کیا کہ اپنے جانشیں کے لئے حکم فرما دیجئے' قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند اکبر کو چھوڑ کر شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو خاص مصلیٰ، عصا اور چوبی نعلین پہونچانے کا فرمان دیا جو اس وقت ہانسی میں تھے جہاں انہوں نے خواب دیکھا کہ حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو درگاہ باری تعالیٰ میں بلایا جا رہا ہے اور علی الصباح دہلی کی جانب روانہ ہو گئے راستے میں ایک درویش ملا جسے حضرت قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ہانسی کی طرف دوڑایا تھا کہ حادثے کے متعلق خبر دے حضرت فرید مسعود رحمۃ اللہ علیہ تیسرے روز قطب صاحب کے مقبرے پر پہونچے مذکور الصدر دونوں بزرگوں نے قطب صاحبؒ کی وصیت کے مطابق پیر و مرشد کے آثار متبرکہ اسی جگہ حاضر کیئے۔
انہوں نے اسی مجلس میں وہ خرقہ مبارک زیب تن کیا ا :ص مصلیٰ بچھا کر دوگانہ ادا کیا اور قطب الدین صاحب کے مکان ہی میں قیام فرمایا۔

(۲) قبولیت دعا کا وسیلہ

شیخ جمالی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلی کے حوالے سے ایک مجلس قوالی کا حال لکھتے ہیں جب کہ حضرت محمد عطا یعنی قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے یار غار حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت سے محروم ہو چکے تھے دہلی میں ایسی خشک سالی ہوئی کہ گرانیٔ غلہ کی وجہ سے بہت سے لوگ فاقوں سے مر گئے سلطان شمس الدین نے بقول شیخ جمالی رحمۃ اللہ علیہ ایک معتمد کو درویشوں کے پاس بھیجا کہ نزول بارش کے لئے دعا فرمائیں جب شاہی پیغام حضرت محمد عطا کے پاس پہونچا تو انہوں نے جواب بھجوایا کہ درویشوں کی دعوت کر کے سماع کے اندر بارش کی دعا کی جائے یہاں پر راقم الحروف کو اشکال ہے کہ حضرت قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات اگر ۱۲۳۵=۶۳۲ مان لیا جائے (۱۴ ربیع الاول) جیسا کہ سیر العارفین کے مترجم ڈاکٹر ایوب قادری نے مانا ہے اور سلطان التمش کی وفات موسم باراں سے قبل اپریل ۱۲۳۶ء میں مانی گئی ہے تو یہ خشک سالی ۱۲۳۵ء کی ماننی چاہیئے لیکن ۱۴ ربیع الاول موسم برسات کے بعد نومبر میں پڑتا ہے ہوسکتا ہے کہ زمانہ سلطان رضیہ کا آگیا ہو۔

بہرکیف حضرت قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش برائے انعقاد مجلس قوالی مان لی گئی مجلس میں جو درویش شامل ہوئے تھے ان کے نام شیخ جمالی نے یہ دیئے ہیں:۔ شیخ علی سجزی رحمۃ اللہ علیہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ احمد نہروالی رحمۃ اللہ علیہ شیخ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر)۔ سید قطب الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ محمود موئینہ دوز رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سماع کے دوران اتنی بارش ہوئی کہ درویش بڑی مشکل سے مکانوں پر

پہونچے ۔ (سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۲۲ - ۲۲۱)
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رائے بریلوی نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب
تاریخ دعوت وعزیمت میں قوالی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ صوفیا حضرات پر
یہ بہتان ہے اگر یہ کہا جائے کہ یہ بزرگ سماع کو عبادت سمجھکر کرتے تھے مولانا کا کہنا
بجا ہے عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ اہل حال کے لئے مباح سمجھتے ہوئے ہی قاضی حمید الدین
ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے قوالی کو اتنا اونچا اٹھا دیا تھا کہ ان کے عین حیات قوالی کے
دوران رقص بھی ہوتا رہا۔ اور رقص بھی ایسا کہ قوالی کے دوران زمین پر قدم ایسے پڑیں
جو قوالوں کے تال سے مطابقت رکھتے ہوں سماع پر رسالہ قلم بند فرما کر بھی درویشوں کو
پابند کر دیا تھا کہ سماع مباح جب ہی ہے کہ رقص کے دوران سامعین کو اپنی سُدھ بدھ نہ
رہے کہ کانٹوں پر یا آگ پر قدم ہمارے پڑ رہے ہیں حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ
کے زمانے میں جب درویشوں کے عمل میں کمزوری دیکھی گئی تو رقص کی ہمت افزائی
نہیں کی گئی اور امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ جیسے دنیاداروں کے لئے تو دوران سماع ہاتھ
اٹھانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ
کی مجلس سماع میں دف بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ دف کا کام تالیوں کے ذریعے لیا جاتا تھا قاضی
حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے سو برس پہلے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے
سماع کے اصول وقواعد مدوّن (جمع کئے ہوئے) کر کے اپنی تحریروں کے ذریعے نشر
کر دیئے تھے (۱) قوالی مسجد میں نہ ہوگی، نماز کے وقت نہ ہوگی، حجرے میں یا خانقاہ میں
ہوگی (زمان ومکان) (۲) گانے والے صوم وصلوٰۃ کے پابند باشرع داڑھی والے
ہوں گے۔ مجلس میں کوئی اَمرَد (بے داڑھی والا نوجوان) نہ ہوگا۔ عورتیں نہ ہوں گی۔ (۳)
سامعین میں شیخ اور ان کے یار ہوں گے یا جن کو ان کی اجازت سے دعوت دی گئی ہوگی

عوام نہ ہوں گے (۴) قوال اور سامعین با وضو حالت میں دو زانو ہو کر بیٹھیں گے (۵) قول جو گایا جائے عشق مجازی پر نہ ہو کر عشق حقیقی پر مبنی ہوگا۔ غزل گائی جائے تو سامعین کو چاہیئے کہ اسکے الفاظ، تشبیہہ و استعارہ اور تلمیحات کو معبود حقیقی کے ساتھ منسوب کریں (دیکھئے فوائد الفواد ترجمہ نظامی ص ۴۱۸) نیچے قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ سماع کا ملخص پیش کرتا ہوں۔

فوائد الفواد میں ایک جگہ اس رسالے کی بعض اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ کتب میں یہ رسالہ تھا اور انکی نظر سے گزرا تھا (سماع با جم وغیر با جم ص۱۹۶ ترجمہ نظامی)

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو صرف قاضی سعد و قاضی عماد کی مخالفت نہیں جھیلنی پڑی تھی بلکہ بقول حضرت نظام الدین اولیاء دوسرے علمائے ظاہر بھی مقابلے پر اتر آئے تھے۔ مولانا رکن الدین سمرقندی کو تو قاضی صاحب نے بڑی حکمت عملی سے عاجز کیا جب کہ صاحب خانہ کو، جہاں سماع ہو رہا تھا، غائب کر دیا اور مکان کا دروازہ کھلا رکھا مولانا سمرقندی صاحب خانہ کی عدم موجودگی میں مکان کے اندر داخل ہوتے تو خود پکڑ میں آجاتے دوسرے بزرگ مولانا شرف الدین بحری تھے (بحری کو صاحب ترجمہ نظامی نے قاضی لشکر بتایا ہے لیکن اخبار الاخیار کے اردو ترجمے مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء میں مولانا ئے مترجم کو بُجیری لکھا ہے اور نام کے پہلے الف کا حرف جوڑ کر اشرف الدین بتایا ہے واللہ اعلم) مولانا بحری تو قاضی صاحب کی صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے وہ صفائے قلب والے درویش صفت قاضی عیادت کے لئے بحری صاحب کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ "کیا وہی آئے ہیں جو خدا کو معشوق کہتے ہیں میں ان کا منہ نہیں دیکھوں گا" یہ ملفوظ محبوب الٰہی کا ہے ان سے حضرت امیر حسن سجزی کاتب فوائد الفواد نے عرض کیا کہ کیا اس (لفظ) معشوق سے ––

محبوب مراد ہے ؟ اس پر محبوب الٰہی نے فرمایا کہ یہ قصہ بڑا طویل ہے لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیتے ہیں لیکن کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر کچھ کہہ لے تو اس کے بارے میں کیا کہا جائے ؟ (فوائد الفواد ص۱۰۸ اخبار الاخیار ص۳۸)

غرضیکہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ قوالی کے معاملے میں اپنی بات پر جمے رہے یہانتک کہ جیسا کہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے علمائے دہلی کے اصرار پر قاضی حمید الدین نے بغداد پہونچکر وہاں بھی علمائے عصر کو قائل معقول کیا۔ لیکن چونکہ اس روایت میں جسکو سبع سنابل سے قاضی رحمان بخش نے افاضات حمید (ص۱۳-۱۵) میں بغیر حوالے کے درج کیا ہے، چونکہ مزامیر کا ذکر ہے اس کو نقل کرنے سے اجتناب (پرہیز) کرنا چاہتا ہوں (سبع سنابل ص۱۴۲-۱۴۴) البتہ افاضات حمید میں قاضی صاحب کی بغدادی تقریر کل ساڑھے پانچ صفحات پر پھیلا کر لکھی گئی ہے اس کی عبارات کے استناد کی دل گواہی دیتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ حضرت قاضی حمید الدین علیہ الرحمہ کے بہتر رسالوں میں سے کسی رسالے کا اقتباس ہے جو رو ہل کے قاضی رحمان بخش کے ہاتھ لگا ہے میں اس لمبی تقریر کو رسالۂ سماع مان کر اس کا خلاصہ درج ذیل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور اس اقتباس پر ہماری اپنی لمبی تحریر درباره سماع کا خاتمہ بالخیر بھی ہو جائے گا واضح رہے کہ خواہ مخواہ قوالی کے اشتہار کا دعویدار نہیں ہوں لیکن سلسلۂ چشتیہ میں جسکی تواریخ لکھنے جا رہا ہوں اور جس کو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی نے اپنی انتاد طبیعت کی بنا پر نہ صرف اختیار کیا تھا بلکہ اس کی عملی تائید میں چشتی اہل سماع سے بھی کئی قدم آگے نکل گئے تھے سماع بالشریعت کو خاص مقام حاصل ہے لہٰذا اگر میں ناگور میں بیٹھے ہوئے قاضی صاحب کے سماع کا سرسری ذکر کر کے آگے بڑھ جاتا تو یہ اس صوفی جلیل القدر عالم دین صفت کے ساتھ انتہائی بے انصافی کا عمل مجھ سے سرزد ہو جاتا۔

رسالۂ سماع از قاضی حمید الدین ناگوری

(ملخص)

(اسکے بعد فرمایا کہ) اکثر قصبہائے بے ترتیب (یعنی بے تالے) اور سرودہائے بے ادب (یعنی "ہزل اور فحش") سنتے ہیں جسکے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ السماع حرام للعوام لبقاء نفوسھم (گانا سننا حرام ہے عام لوگوں کے واسطے کس لئے کہ ان کے نفس زندہ ہیں) لہٰذا آدابِ سماع بہت ہیں لیکن پانچ شرطیں اصلی بیان کرتا ہوں (۱) سننے والا قوال کو فرمائش نہ کرے کہ فلاں راگ گاؤ بلکہ بے اختیار سننا چاہیئے جیسا کہ سری (سقطی) نے فرمایا کہ کما قال السری من امر مغنیا حصل لہ ھوا (جسنے مغنی یعنی گانے والے کو حکم دیا اس کو خواہش حاصل ہوئی) کیونکہ شیخ عبداللہ مسطری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر مدینہ منورہ کی مجلس میں مغنیوں کے حاضر آنے پر فرمایا تھا کہ مغنی (گویا) قاتل ہے اور سامع (سننے والا) مقتول لہٰذا بموجب آیۃ کریمۂ لا تلقوا بایدکم الی التھلکۃ (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو)۔

(۲) شرط دوم یہ ہے کہ سامع (سننے والے) کو چاہیئے کہ سماع سنتے وقت ظاہر کے ساتھ باطن میں بھی متوجہ بہ بارگاہ الوہیت رہے، اور سماع شروع ہوتے ہی دعائے توجہ پڑھ لے "انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین" (ترجمہ (متوجہ کیا میں نے اپنے چہرے کو اس ذات (خداوندی) کے لئے جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) کیونکہ السماع عبارۃ عن شھود الحق (سماع یعنی گانا سننا حق تعالیٰ کی شہود (حضوری) سے

عبادت (مراد) ہے)

(۳) تیسرے یہ کہ سماع کے واسطے مکان پوشیدہ چاہیئے (کھلے عام نہیں) جہاں پر کہ وہم و گمان نہ پہونچتا ہو کیوں کہ سماع سے مراد معرفت حضرت صمدیت ہے جسکے لئے حال (وجد و کیفیت) کا ظہور من جانب اللہ ہونا چاہیئے۔

(۴) یہ ہے کہ سماع کے وقت کوئی تکبر (اپنے کو بڑا سمجھنا) کوئی کراہت (مکروہ بات) یا انکار ظاہر و باطن میں نہ گزرے۔

(۵) تمام حاضرین (حتیٰ الامکان) ایک پیر کے مرید ہوں یا اس سلسلے اور خاندان کے معتقدین ہوں۔

قوالوں کیلئے دو شرطیں

(۱) قوال باوضو اور با نیت ہو یا :- (نیت کرتا ہوں میں کہ سنوں ا ور سناؤں) میں اللہ کے واسطے وہ کلام جو ملادے پروردگار (رب العالمین) تک ساتھ ان لوگوں کے جو حاضر ہیں اور مغنی (گویئے) کو سوائے دینا تیعن کے دنیاوی حاجت نہ ہو۔

(۲) جب مغنی (قوال) حاضر ہوں تو صاحب دل اور صاحب مجاہدہ صوفیوں کے مقابل نہ بیٹھیں اور باہم گفتگو نہ کریں۔

سماع دو قسم کا ہے

(۱) ہاجم (ہجوم لانے والا یعنی مغلوب کر دینے والا) جس کا سننے والا جنبش میں آتا ہے اس حال کو ہاجم کہتے ہیں جس سے صوفی بے شعور ہو جائے۔ زمین و زماں سے بے خبر جیسا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ وَجْدِیْ فِیْ نُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ وَ تِلَاوَتِہٖ ترجمہ (میرا وجد و حال قرآن کے نازل ہونے (وحی کے نزول) اور اسکی تلاوت میں ہے) یہ

حالت سننے والوں پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے ۔

(۳) غیر باجم وہ ہوتا ہے کہ سماع کا شعر متأثر کرتا ہے اور سامع (سننے والا) اسکو کسی ہستی پر محمول کرتا ہے ۔ اللہ پر یا اپنے پیر پر یا کسی اور چیز پر جس کا خیال اسکے دل میں آئے ۔ یہ بات شعر کے معنی و مطلب میں تأمّل و تفکّر کرنے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا غیر باجم سننے والے کو اپنے اختیار سے حرکت کرنا جائز ہے تاکہ سماع روح کو جنبش دے اور وجد کی حرکت پیدا ہو اگر ایسی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو بے حرکت بغیر ہلے جلے بیٹھے رہنا چاہیئے ریا (دکھاوے) کیلئے حرکت کرنا گناہ ہے ۔ اور لازم ہے شعر کے معنی و مطلب کو اُمردوں (نوعمر لڑکوں) عورتوں اور حسین لونڈیوں پر گمان نہ کرے ۔ سماع میں عمل زائد بھی منع ہے مثلاً وجد کی حالت میں قوالوں یا دیگر لوگوں سے کوئی بات نہ کہے ۔ کسی دوسرے کی تواضع (خاطر داری) نہ کرے ۔ کسی کے پاؤں پر نہ گرے کیونکہ تعظیم خلائق جائز نہیں ۔ سامع کو چاہیے کہ تواجد کے درمیان کچھ دیر بیٹھ جائے ہوشیار رست بن کر رہے یہ بھی لازم ہے کہ تواجد کی حالت میں سبقت نہ کرے البتہ بعد سماع کے قوالوں کو کچھ دے سکتا ہے حال کے دوران کپڑے نہ پھاڑے ۔

مجلس سماع میں تین چیزوں کی حاجت

(۱) نفیس خوشبو (۲) گورا خوبصورت چہرہ (۳) سلونی سانولی آواز ـــ بعض عارفوں کو اس میں اختلاف بھی ہے ۔

سماع کہاں سے ثابت ہے ؟

قرآن پاک وحدیث سے ثابت ہے :۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰىھُمْ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولِی الْاَلْبَابِ ۝

فرمایا اللہ تعالیٰ نے (خوشخبری دے دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) میرے بندوں کو جو (اچھا)
قول (کلام) سنتے ہیں پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کو ہدایت کی گئی اور
یہی لوگ عقل والے ہیں) رکوع۔ تفسیر و حدیث میں آیا ہے کہ مراد قول کی قول قرآنی و غیر
قرآنی دونوں سے ہے۔ اور احسن (اچھی بات) سے مراد قرآن سننے والوں ان اذکار و اشعار
وغیرہ خوش آوازی سے ہے جو کہ تابع قرآن ہوں اور جو اس ہدایت و عقلمندی کے تابع ہیں انکو
جنت کی بشارت ہے۔ مشارق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
روایت ہے کہ ایک انصاری کی عورت نے انصاری مرد سے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ یَا عَائِشَۃُ اَلَا تُغَنِّیْنَ اَنَّ ھٰذَا الْحَیَّ مِنَ الْاَنْصَارِ یُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ
(اے عائشہ کس لئے گانا نہیں گوائی ہو کہ انصار لوگ گانے کو دوست رکھتے ہیں) نیز روایت
کی گئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ (آپکے والد) عائشہ رضی اللہ عنہا کے
پاس تشریف لائے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں ایام تشریق (۹-۱۰-۱۱-۱۲
۱۳ ذی الحجہ کے پانچ دن) میں گا رہی تھیں اور ناچتی تھیں اور دف بجاتی تھیں۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت کپڑا اوڑھے سو رہے تھے پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو
جھڑکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ چھوڑ دے ان کو یعنی مت
منع کر اس لئے کہ یہ دن عید کے ہیں"۔ ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی
ہے کہ ایک روز میرے پاس کنیز (لونڈی) گا رہی تھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف
لائے آپکے روبرو بھی اس نے سرود (گانے) کو جاری رکھا یہاں تک کہ حضور نے سنا
پس عمر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ مغنیہ (گانے والی) بھاگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم
فرمایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "یارسول اللہ کس پر آپ نے تبسم فرمایا؟"۔ آپ نے کنیز مغنی

کا قصہ بیان فرمایا - عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں چلا جاؤں؟ تاکہ نہ سنوں جو کچھ رسولِ خدا نے
سنا ہے" - حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کو بلایا اور گانے کے لئے حکم دیا -
صحیحین ز دونوں صحیح یعنی بخاری اور مسلم) میں بروایتِ صحیح آیا ہے کہ سماع قولِ منظوم بہ آواز
خوش ور ستک (تال) دف سننا مباح ہے کہ ایک روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے دربار میں ایک عورت ضعیفہ آئی اور عرض کیا کہ" میں نے نذر مانی ہے کہ اگر پیغمبر خدا اس
سفر سے سالم و غانم (یعنی صحیح سلامت اور مالِ غنیمت لے کر) تشریف لے آئیں تو میں آپ کے
روبرو سرود کہوں گی اور دف بجاؤں گی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَذَرْتِ فَافْعَلِی
یعنی اگر نذر مانی ہے تو ایسا کر" اس عورت نے دف بجایا اور سرود کیا پس اے جانِ من تم کو
معلوم ہونا چاہیئے کہ نذر غیر مشروع جائز نہیں ہوتی - سماع عاشقوں پر حلال، زاہد پر مباح،
اہلِ تصوف پر مستحب اور اہلِ نفوس پر مکروہ اور عوام پر حرام ہے -

باتفاق علماء دو مزامیر حرام ہیں ایک مجرہ (وہ باجا جو آواز بلند کرنے کو کھینچا جا سکتا ہو)
دیگر مندلہ (جسکو ہندوستان میں پکھاوج یا مردنگ کہتے ہیں جو بھارت ورش کا قدیم ڈھولک
ہے)-

نوٹ - فوائد الفواد میں ہاجم (ہجوم کرنے والا) اور غیر ہاجم ہائے ہوز سے لکھا گیا ہے
اور افاضاتِ حمید میں حائے حطی سے کتابت ہوئی ہے اور ایک درجن بار دہرائی گئی ہے
اور حجم سے بتلائی گئی ہے جو شکل مجھ کو لغات میں نہیں ملی -

طوالع الشموس

اوپر میں نے حضرت قاضی حمید الدین کی تقریر سماع کو "رسالہ سماع" مان کر ملخص اس کا
درج کیا ہے دو تحریریں ان کی اور بھی ہاتھ لگی ہیں پہلی ہے ان کے شاہکار طوالع الشموس -

کے حصہ اول کا اقتباس "تشریح اسم ہُو" جو مجھ کو اخبار الاخیار سے دستیاب ہوتا ہے اور جس کو اخبار الاخیار کے کسی پرانے ایڈیشن سے یکرافاضات حمید کے مؤلف نے غالباً اپنے محسن و مربی مولانا مظفر علی شاہ ڈیڈوانوی جودھپوری "پرشین پروفیسر" کی امداد سے ترجمہ کر کے اپنے رسالہ میں تمام و کمال اتار لیا ہے جو ہمارے پاس کے ترجمہ (کراچی) سے پورا پورا ملان نہیں کھاتا کیونکہ اخبار الاخیار کے ایڈیشنوں میں اختلاف ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس مستند ترین تذکرے اخبار الاخیار میں طوالع الشموس کا تعارف اس طرح کرلتے ہیں:۔

"قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف کتاب طوالع الشموس ہے جس میں مضامین اسرار طریقت موج در موج اور معانی طریقت فوج در فوج لکھے ہوئے ہیں۔ اس میں اختصار و انتخاب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس کے تمام مضامین اپنی متانت و حرارت اور سم شکل و شباہت میں خاص خاص موضوع رکھتے ہیں۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسم "ھو" کی تشریح کی گئی ہے اور اتنے زیادہ معنی لکھے ہیں کہ میں انہیں دہرا نہیں سکتا۔ اس میں سے کچھ لکھے جاتے ہیں۔ خدا کرے یہ مفید و کارآمد ہو سکیں۔"

خلاصہ

پھر بھی اپنی اس کتاب کا حجم دیکھتے ہوئے میں مجبور و معذور ہوں کہ کتاب کا پورا متن درج کرنے کے لئے میرے پاس جگہ کی تنگی ہے۔

فرماتے ہیں قاضی حمید الدین صاحب کہ "ھو" صرف اشارہ ہے (ھو = وہ) جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو عالم کے ظواہر سے بری ہو کر ایک اللہ کی جانب متوجہ ہوئے "یُطْعِمُنِی وَیَسْقِیْنِ" (وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) دنیا کے تمام ذرے

عالم سلوک میں اللہ ہی کی جانب متوجہ رہتے ہیں پھر بھی سالک اور اللہ کا جمع ہونا محال ہے لہٰذا وجد و حال کی کیفیت میں اللہ تک رسائی نہ ہونا یہ حال نہیں ہے بلکہ تفرقہ اور گمراہی ہے۔ قسم بخدا "اَنَا" (میں) کہنے کے مقام پر "ھُو" (وہ) کہنا گمراہی و تفرقہ ہے اور جس مقام پر "ھُو" کہنا چاہیئے وہاں "اَنَا" کہنا ناجائز و محال ہے۔ (امام حسین رضی اللہ عنہ اگر "اَنَا" کے بجائے "ھُو" کہتے تو سر دینے کے علاوہ سرمایۂ توحید سے بھی ننگے ہو جاتے۔ "اَنَا" (میں حسینا ہوں) کہنے سے حقیقتاً جیت گئے اور ہزاروں درجہ بلند و برتر ہو گئے۔

قسم بخدا کسی کی طرف اشارہ کرتے وقت۔ اشارہ، مشارٌ الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) اور اشارہ کرنے والے (مشیر) تینوں کا وجود ضروری ہے تاکہ اشارہ کرنا ضروری درست ہو جائے (لیکن) یہ حالت "کثرت" کی ہو جاتی ہے جو عیسائیوں کی تثلیث (تین معبود: اللہ تعالیٰ۔ مریم رضی اللہ عنہا۔ عیسیٰ علیہ السلام) کے مذہب (جا پہونچتی ہے) اسی لئے اسکی طرف اشارہ کرنا شرک، اور اس کے غیر کی عبادت کرنا جرم و گناہ ہے۔

اسکی طرف اشارہ کرنا دل کی غفلت ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ جس دل پر اسکی عظمت کی تجلیات ہوتی ہیں اسکو یادداشت کی پرواہ نہیں رہتی جسکی وجہ سے ایسے شخص کی ہلاکت و ذلت کا ظہور لازمی ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد کی جائے۔

اے بھائی! تم خود کو فراموش کرو اور بھول جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ" (اپنے پروردگار کی یاد (ذکر) کیا کرو جب کہ اپنے (نفس) کو بھول جاؤ جیسا کہ ایک دن (حضرت) شبلی کی اس کیفیت میں نماز کا وقت گزر گیا۔ جب

ہوش میں آئے تو اس کا ورد پُرلطف تھا۔

سنو! اسم "ھُوَ" ایک حرف ہے (ہٗ) اس میں جو حرف "واؤ" نظر آتا ہے وہ پیش کو کھینچ کر پڑھنے کے سبب پیدا ہوا ہے۔ اس لئے بھی یہ اسم مقدس دراصل وحدتِ مسمّیٰ (موسوم کی گئی) کی دلیل ہے۔ اس (ھُو) کے سوائے کسی دوسرے اسمائے حسنیٰ میں ایسی مشابہت نہیں ہے۔

قسم بخدا۔ یکتا شہنشاہ کا اسم اعظم بھی یکتا و یگانہ ہونا چاہیئے تاکہ اس کے بے حد و بے حساب معانی کا ادراک ہو سکے۔ حرف "ھ" جب حرف الف سے ملتا ہے ("ھا") تو ندائے محبوب کی طرف مضاف ہوتا ہے یعنی "ھا" وہ آواز ہے جس کے ذریعے محبوب اپنے محبت رکھنے والے کو آواز دیتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو!) یہ آواز اُستاد وکار عاشقوں کو بلانے کیلئے ہوتی ہے تاکہ وہ اللہ کے احکام کی طرف دوڑیں۔

اے عزیز! اچھی طرح یاد رکھو۔ اسم ھُوَ اشارہ ہے موجودِ ازل وہست لم یزلی (اللہ) کی جانب جو تمام اوصافِ کمال سے موصوف اور نقائص و زوال سے پاک و منزہ ہے۔ ایسا موجود ہے جسکے ازل ہونے کی ابتدا نہیں اور ایسی ہستی ہے جسکی ہمیشگی کی انتہا نہیں۔ یہ پہلا اسم ہے جو غیب کے پردوں سے عالمِ ظہور میں آیا جیسا کہ سورۂ اخلاص میں ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سے ظاہر ہے۔ اس میں اللہ کو "ھُو" کے ساتھ لگا دیا تو "ھُوَ اللّٰہُ" ہو گیا۔ زیادتیِ بیان یعنی وضاحت کیلئے اسم "اَحَدٌ" اسکے آگے بڑھا دیا، انوارِ احدیت (اکیلا پن) کی تجلیات کے حصول کے لئے کیونکہ انوارِ احدیت (کہ اللہ یگانہ ہے) لوگوں کی انانیت (کہ میں ہوں!) کو جلا کر

خاکستر کر دیتا ہے لہٰذا مزید وضاحت کیلئے اسم "صَمَدْ" کا اضافہ کر دیا (بے نیاز) اس کے آگے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اسکا ہم پلہ اور ہم سر نہیں ہے) کی صفات کا بھی اضافہ کر کر تمام مخلوقات کو دائرہ عبودیت میں لاکر ہنسی خوشی یا زبردستی بارگاہِ الوہیت میں حاضر کیا۔ اب سب کی نظر ابتدا پر پڑی اور انہوں نے "ھا" "وہ" کا دائرہ دیکھا جو کل چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اگرچہ اسم اپنی عبارت و تحریر کے ساتھ تمام اسمائے حسنیٰ (اچھے نام) ہیں موجود ہے لیکن بظاہر "ھا" کے دائرے میں دیکھ کر کہا کہ یہ اسم اعظم ہے جو تمام اسماء (ناموں) کی اصل (جڑ) ہے اور جسطرح سورۂ فاتحہ کو اُمّ الکتاب کہتے ہیں اسی طرح یہ اسم دراصل اُمّ الاسماء (اسماء کی ماں) ہے ایک سرمستِ عشقِ خداوندی کو دیکھ کر میں نے اس سے پوچھا "آپ کا نام کیا ہے"؟ جواب دیا "ھُوْ" میں نے کہا "آپ ہیں کون"؟ جواب دیا "ھُو"۔ پھر میں نے پوچھا "آپ کہاں سے آئے ہیں"؟ جواب دیا "ھُو"۔ میں نے پوچھا "اب کہاں جانے کا ارادہ ہے"؟ جواب دیا "ھُو" آخرش میں نے کہا "ھُو" کہنے سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ کیا پروردگارِ عالم ہے" جسکا ملک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا"؟ یہ سنتے ہی اس بزرگ نے ایک چیخ ماری اور مردہ کی مانند اسطرح گرے کہ پھر نعرہ نہ لگا سکے اور ان کی جان دیدارِ شہنشاہ کے استقبال کے لئے روانہ ہو گئی۔

اے عزیز! جسطرح اسم "ھُو" کا مسمّٰی (جسکو نام سے پکارا گیا ہو) تمام کیفیات سے منزّہ (پاک) اور ابتدا انتہا سے بالاتر ہے اسی طرح یہ اسم "ھُو" ابتداء و انتہا کے مخرجوں سے بالاتر و مقدس ہے کوئی ابتدا اس تک نہیں پہونچ سکتی اور کسی انتہا کی اس تک رسائی نہیں۔ اللہ کی سب سے بڑی صفت یہی ہے کہ اسکی اوّلیت سے ابتداء عاجز اور اسکے آخری ہونے سے نہایت و انتہا قاصر (قصوروار) ہے

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اول میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت تک ہمارے ساتھ ہے اور آخر میں بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ اول سے ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ واجبُ الوجود (جسکی ذات اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو) ہے جسکے انوار کی چمک دمک عالم شہود (ہر شئے کا عین حق نظر آنا) میں ظاہر ہے۔ "ھا" کا دائرہ اپنی صفت صلاحیت میں وہی "ھُو" ہے جو اول و آخر میں موجود ہے اس معنی کے لحاظ سے بھی اسم "ھُو" کی عظمت ظاہر ہے۔

اہلِ بصیرت نے احدیت (یگانگی۔ اکیلاپن) کے معنی جب حرف ہا (ہ) میں دیکھے تو اپنے دل کو اس جانب متوجہ کیا اور کہنے لگے کہ اس اسم کا معنی وہی "ھُواللہ" ہے۔

اسم اور مسمّٰی دونوں کے دونوں بغیر کسی شک و شبہ کے وہی ایک اللہ ہے۔ اسم "ھُو" مقربانِ سابق الخیرات کے نصیب میں آیا جو نفس مطمئنہ (اطمینان پانے والا) کے اہل ہیں اور پرتوِ انوارِ احدیت میں سوختہ ہو رہے ہیں۔ نیز غیر کو دیکھنے سے انہوں نے اپنی آنکھیں سی لی ہیں۔ تمام دنیا سے بے شعور ہو کر استغراق (محویت) میں ہیں اور نورِ خداوندی کی لطافتوں اور مہربانیوں سے استفادہ (فائدہ اٹھانا) کر رہے ہیں۔

میرے ایک عزیز نے بیان کیا کہ میں ایک بت خانہ میں تھا جہاں ایک جوگی نے مجھے ایک جگہ لے جا کر ایک آدمی دکھایا جو عاجزی اور انکساری سے کھڑا ہے اور مشہود کو دیکھنے کے لئے آمادہ ہے یہ دیکھ کر میرا دل سہم گیا جوگی نے بتایا کہ بارہ برس سے یہ شخص مشاہدۂ جلال پروردگار کے لئے منتظر کھڑا ہے۔ کبھی کبھی صبح کے وقت اس کے اسم "ھُو" کی آواز مجھے سنائی دیتی ہے۔ (ختم شد اقتباس)

حضرات ناظرین کرام! شیخ جمالی اپنے تذکرے سیر العارفین (ص ۲۱۴ اردو ترجمہ) میں رقم طراز ہیں کہ "سلوک و اسرار کے موضوع پر حضرت (قاضی) حمید الدین کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً لوائح اور طوالع الشموس کہ جس کا نام شرح نُوْدَ رَنہ (نیا نوے نام) ہے۔ دو جلدوں میں پوری ہوتی ہے اور اس کتاب کو اہل کمال اور صاحب حال کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں سمجھ سکتا" باوجود اس تنبیہہ کے میں نے مندرجہ بالا اقتباس کا خلاصہ پیش کرنے کی جسارت کی ہے اللہ غفور الرحیم معاف فرمائے۔ یہ کتاب عرصے سے نایاب ہے قاضیان رو ہل کے پاس ہوتی تو اخبار الاخیار کا اقتباس رسالۂ افاضات حمید میں کیوں درج کرتے ؛ ایک نسخہ طوالع الشموس کا علی گڈھ میں ہے۔

عرصہ ہوا ڈاکٹر بروس لارنس اس کتاب پر کام کر رہے تھے اور ان کا مقالہ بھی کلکتہ کے انگریزی رسالے "انڈو ایرانیکا" میں شائع ہوا تھا جس کو میں نے حاصل کر لیا ہے۔

از رسالہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ جمالی رحمۃ اللہ علیہ سہروردی بزرگ تذکرہ سیر العارفین میں حضرت قاضی صاحب کی صرف دو کتابوں کا نام لیتے ہیں لوائح اور طوالع الشموس عرف شرح نُوْدَ رَنہ (دو جلدیں) لیکن کل تصانیف بہت سی ہونا بتلاتے ہیں مجموعۂ رسائل کا حوالہ قطب الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ سے محمول کیا گیا ہے (سیر العارفین ترجمہ ص۲۱۴) عرف عام میں رسالوں کی کل تعداد بہتر بتلائی ہے۔

(نوٹ ۱) افاضات حمید میں اس اقتباس کو مناقب حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے تحت درج کیا ہے۔ اسکے بعد نمبر شمار شروع ہوتا ہے۔

جاتی ہے جن میں سے تقریبًا ایک درجن راقم الحروف پیر تارک ناگوری کی تحویل میں ہیں۔

راحت القلوب میں حضرت فرید شکر گنج، قاضی حمید الدین ناگوری کے رسالے راحت الارواح کا حوالہ دیتے ہیں (حاشیہ ترجمہ سیر العارفین ص ۲۱۳ - بزم صوفیہ ص ۵۸ اور دیگر تذکرے) مگر یہاں پر میں ایک ایسے رسالے کے اقتباس کا ملخص پیش کرتا ہوں، جو افاضات حمید میں رسالہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ کی سرخی سے درج کیا گیا ہے (ص ۴۴-۳۶) اسکی اصل ونقل کی ذمہ داری مؤلف محترم قاضی رحمان بخش پر ہے جن کو کتب درگاہ شریف ردحل دستیاب تھیں مگر میری دست رس سے دور ہیں۔

اس رسالہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ میں مجھے دو جگہ اشکال (دشواری) ہے:۔

(۱) ۔ کسی تمہید کے بغیر بلا دغدغہ رسالہ شروع ہوتے ہی یہ الفاظ آتے ہیں "حضرت فرید شکر گنج سے منقول ہے کہ" ص ۳۲ افاضات حمید) جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ تصنیف ماسوا قاضی صاحب کسی دوسرے بزرگ سے منسوب کی جاسکتی ہے کیونکہ آگے چلتے ہی ص ۳۸ میں الفاظ ملتے ہیں "فرمایا قاضی صاحب نے" گویا کوئی شخص غائب ان سے نقل کر رہا ہے،، اور چونکہ قاضی کے ساتھ "صاحب" لگاتا ہے تو یہ اسلوب نام کے آگے "صاحب" کا اضافہ کرنے کا ہندوستان میں سترہویں صدی عیسوی سے قبل میری ناچیز معلومات کی بنا پر رائج نہیں تھا۔ باوجود اسکے میں قاضی رحمان بخش صاحب متوطن ردحل قاضیان۔ وکیل چیف کورٹ کے کتابچے کے اس مضمون کے نکات اختراماً پیش کئے دیتا ہوں:۔

نماز

اقتباس از رسالہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ :— نماز میں خشوع وخضوع (عاجزی۔ گڑگڑانا) سے شروع ہوتا ہے۔ جس کے بغیر نماز قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتی نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا بھی خشوع کے خلاف ہے۔ خضوع کمال نیازمندی ہے نماز ظاہری اور ہے' نماز باطنی اور۔ یعنی نماز خضوع در تن (بدن) کے ساتھ خشوع در قلب (دل) ضروری ہے یعنی دل کی حضوری سے نماز پڑھی جائے کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے جس میں اپنا ہوش نہ رہے۔ نماز اعظم العبادت ہے۔ اسکو ہرگز عادتی طور سے نہیں گزارنا چاہیئے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ "(بے شک مراد کو پہونچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں) اور خشوع وخضوع کے ساتھ اپنا حال خدا کی جناب میں آیات کلام ربانی کے معنی کے مطابق عرض کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ ہم تیری ہی عبادت کریں اور تجھی سے مدد چاہیں ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ اسکا جس پر تونے انعام کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بھکے ہوؤں کا۔ آمین۔

نماز کے درجے بھی ہیں (۱) عوام کی نماز :" وَالَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (اور وہ لوگ نماز ہمیشہ لگاتار بلاناغہ پڑھتے ہیں) پنج وقتہ، جمعہ، وتر تراویح نہیں چھوڑتے اور اشراق، چاشت، تہجد اور نوافل وغیرہ بھی پڑھتے ہیں

غفلت نہیں کرتے۔ علیٰ ہٰذا القیاس خواص (خاص لوگوں) کے لئے خضوع تن اور حضور دل
میں مداومت (ہمیشگی) رکھنا اور کل احوال میں استقامت (پائیداری) رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح
خواص الخواص (خاصوں میں خاص) کا شمار انبیاء اور اولیاء میں ہے جن کی والہانہ ادائیگی نماز
کے قصے مشہور ہیں۔ خواص الاخص جب نماز کا قصد کرتے ہیں تو باادب اور حضور دل سے
اب دل پر خدا کی ہیبت کو متمکن (سوار) کر لیتے ہیں اور ما (فارسی) اور أنا (عربی) یعنی "ہم" کی نفی
(انکار) کر دیتے ہیں۔

نماز میں وضو اور سجدے کا مقام یہ ہے کہ وضو ظاہری کے ساتھ باطنی بھی ہونا چاہیئے
دل کا وضو دنیا کے میل اور محبت سے خالی ہونا ہے اور سُرور روح کا وضو اللہ کے ماسوا رشتوں
کو کاٹ دینا ہے۔ سجدہ میں صرف پیشانی زمین پر رکھی جاوے اور دل ہر طرف بھٹکتا رہے تو ایسا
سجدہ مسجود (اللہ) تک نہیں پہونچتا۔

[کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں | کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں
نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ | کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں!
میں جو سر بسجدہ کبھی ہوا تو زمیں سے آنے لگی صدا | ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں؟]

(علامہ اقبال)

قبلے بھی چار ہیں:-

(۱) قبلہ جو تمام مومن مسلمانوں پر فرض ہوا جس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔
(۲) قبلۂ دل کہ اصحاب طریقت کو اس سے توجہ ہے اور اس میں ان کی مشغولی ہے۔
[ع دل کے آئینے میں ہے تصویر یار (اللہ) :: جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی]
(۳) قبلۂ پیر کہ مریدوں کی توجہ شیخ کی جانب ہو۔
(۴) قبلۂ وجہ اللہ (یعنی رب کعبہ کا رُخ) جو تمام قبلوں کو محو کرنے والا ہے اور رسولوں

ونبیوں اور جملہ خاص اولیاء کی توجہ اسکی جانب ہے۔ اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا (بے شک میں نے رخ کرلیا اسکی طرف جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ رخ سیدھا سچا یکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جن کا لقب حنیف ہے)

روزہ

عیدین (دونوں عیدوں) اور ایام تشریق میں روزہ نہیں ہے۔ روزہ خدا کے واسطے ہے اور اجر اس کا خدائے تعالیٰ دے گا۔ روزۂ مجازی کھانے پینے سے باز رہنا ہے مگر روزۂ حقیقی خواب و بیداری میں اور اٹھتے بیٹھتے عبادت میں رہنا ہے کہ روزہ دار کا نفس تسبیح میں ہو اور اسکے جسم کے اعضاء و جوارح (آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں، پیٹ) گناہوں سے پرہیز میں رہیں۔ اگر روزہ ہمیشہ نہ رکھ سکے تو تقلیل طعام کرے یعنی وقت طعام تھوڑی بھوک باقی رہے کہ ہاتھ کھانے سے اٹھالینا چاہیئے۔

اے عزیز! پیغمبروں علیہم السّلام کو ڈکار نہیں آتی تھی کیونکہ پیٹ بھر نہیں کھاتے تھے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں پیٹ بھر کھانا بدعت سمجھا جاتا تھا) حدیث میں آیا ہے کہ شکم گرسنہ (بھوکے) جگر تشنہ (پیاسے) اور تن برہنہ (ننگے یا ستر) رہو تاکہ اپنے خداوند (اللہ) کا دیدار نصیب ہو۔ مومن کو سوائے دیدارِ خداوند تعالیٰ کے کوئی خوشی نہیں ہے۔ اسکے بعد علم، روح، حواس عناصر، عشق و عقل کی قسمیں اور ان کے حقائق گنائے ہیں اسکے بعد صفات خداوند:۔

حی[۱] (زندہ)۔ علیم[۲] (علم والا) قادر[۳] (قدرت والا) بصیر[۴] (بصیرت والا) سمیع[۵] (سننے والا) کلیم[۶] (کلام کرنے والا) مرید[۷] (غیر مطیع) کو سبع سیارہ (سات ستاروں: زحل۔ مشتری، مریخ

شمس ۔ زہرہ ۔ عطارد اور قمر) کے ساتھ جوڑ کر بنایا ہے ۔

اسکے بعد موالید ثلاثہ (تین قسم کی مخلوق یعنی حیوانات ۔ جمادات اور نباتات) کی
پتھر ۔ سبزی
مثال دیکر انسان کا ممکن الوجود اور ذات خداوندی کا واجب الوجود ہونا فرمایا ہے ۔
آخر میں یہ ہے کہ ایک وحدت (توحید ۔ یکتائی) سے دو احدیت (اکیلاپن) کا ظاہر ہونا یعنی
ذات غیب ہویت خدائے تعالیٰ (وحدت) اور دوسری یہ کہ جملہ موجودات جہان ذات
سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئیں ۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَم بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْن
اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللہِ وَکُلُّ شَیْئٍ مِنْ نُوْرِیْ (میں نبی تھا
اور آدم آب اور مٹی کے درمیان تھے ۔ اول اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا ۔ میں
اللہ کے نور سے ہوں اور کل چیزیں میرے نور سے ہیں) اے عزیز! اگرچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ظاہر میں اولادِ آدم ہیں مگر باطن میں تمام لوگ اولادِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

ذکر سلطان الاذکار

سب سے آخر میں ذکر اسم ذات اللہ کا لائے ہیں اور حضرت غوث الاعظم شیخ
عبدالقادر جیلانی عرف شیخ الکبیر (بڑے پیر) کے حوالے سے اسکو سلطان الاذکار ۔
ذکروں کا بادشاہ یعنی بزرگ ترین ذکر کہا ہے ۔

جان تو کہ اسم اللہ کو بلاحرکت زبان آہستہ آہستہ دل میں کہتا رہے اسوقت
تک جبکہ حالت یہاں تک پہونچے کہ سوتے میں دل کو آگاہی ہوجائے کیونکہ ذات موجودات
اس صفت سے خالی نہیں ہے اور بھید اس اسم اعظم (بڑے اسم یعنی اللہ) کا کسی کو
معلوم نہیں ہے ۔ اے یار! جو چاہے تو کہہ شغل مبارک سلطان الاذکار شروع کرے

اور اس شغلِ شریف کو پاوے تو چاہیے کہ رات یا دن میں جنگل ہیں کہ جو آدمیوں کی آمد و رفت وغیرہ سے محفوظ ہو اور وہاں کسی کی آواز سنائی نہ دے یا ایسے حجرے میں جہاں آواز کسی کی نہ پہونچے اپنے کانوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے اور جہاں تک ہوسکے اسمیں غور کرے تاکہ آوازِ لطیف تجھکو ملے اور وہ آواز رفتہ رفتہ ایسی غالب ہو کہ جمیع جہات سے تجھے پکڑ لے اور کوئی وقت و کوئی جگہ ایسی نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ نہ رہے لیکن افسوس ہے کہ آجکل کے علمائے دنیا ساز جہاں چاہا ذکر و اذکار کرنے لگے ہیں۔

نوٹ:- علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ کے اشعار جو اوپر درج کئے گئے ہیں وہ راقم الحروف کا خارجی اضافہ ہے۔ اصل متن سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ اس اقتباس کو افاضاتِ حمیدیہ میں مناقب حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے تحت نمبر شمار ۷ پر درج کیا گیا ہے۔

دیگر رسالے

رسالۂ عشقیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں) اور درود بے حد ہو ظہور (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو (اللہ کی) ذات کا مشہود اور (اسکی) صفات کا مقصود ہیں اور آل و اصحاب پر اور ان کے پیروؤں (اپنیوں) پر۔

اس کے بعد چند کلمے، جو الہامات سے ہیں نہ کہ عقلیات سے، یاروں کی ذوقیات کیلئے لکھے گئے تاکہ عشق کے عقدے (گتھی) میں رہنما ہوں اور اس (الہامی) شراب سے، شوق کی چنگاری دل میں اتر جائے۔ امید ہے کہ ہمیشہ کے مقبولوں (خدا کے پیاروں) کی نظر میں قبول ہو جائے۔ آمین ربّ العالمین!۔

ایک ایسے قدوقامت کا قیام، جو قطب الاقطاب حضرت شاہ حسامؒ کے نام سے قائم
ہے، وہ سلطان العارفین شاہ حسنؒ کے بحرِ حسن (حسن کے سمندر) میں ہمیشہ مستغرق رہتے ہیں
ہر صبح و شام ہمیشہ یہی وظیفہ اور وردِ رہتا ہے۔ جان کی عندلیب (بلبل) کو اس ذات کے
گلشن میں آرام ہے۔ اسکے جمال کی عنقا[3] اور قاف دانے اور دام (جال) سے فارغ ہیں
ان کے چہرے (جمال) کی شراب کے پینے والے کا جام (پیالہ) کار اور بیکاری میں، غفلت
اور ہوشیاری میں حضوری (نزدیکی) کی شراب سے بھرا ہوا ہے۔ ذات (حقیقت) کو
حاصل کر۔ میری قدرت کے پردوں کا معائنہ کر اور گوناگوں (طرح طرح کی) نعمتوں کو تصرف
(استعمال) میں لا اور شکر کر کیونکہ ان سب کو تیرے لئے میں نے مہیا کیا ہے۔ اور تجھے
اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ اس سے متفرق (چھٹیل) نہ ہونا۔ خاطر جمع رکھ کہ محبت کا سلسلہ
مضبوط ہوتا ہے یعنی یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت
کرتے ہیں) کرم (بخشش) کا رفیق (ساتھی) ہر حال میں تجھ سے جدا نہ ہوگا یعنی وَهُوَ مَعَكُمْ
اَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تم لوگوں کے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) اور لطف کا قلاوہ (پٹا) تیری گردن سے
کھینچا نہیں جائے گا۔ یعنی وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (اور ہم قریب اسکے شہ
رگ سے بھی زیادہ) ہر وقت ہمارے ساتھ محوِ گفتگو رہا کر یعنی فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ (تم میری یاد
کرو میں تمہارا چرچا کروں گا) اور ہر دم مجاہدے (ریاضت) میں اپنی فراموشی (بھول جانے) کی
کوشش کر یعنی اُذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (اپنے رب کا ذکر کر جب تجھ سے بھول ہو جائے) تاکہ

---

[1] شاہ حسام دراصل حضرت حسام الدین مانکپوری ہیں جنکو قطب الاقطاب کا لقب دیا گیا ہے۔ [2] شاہ
حسن دراصل حضرت نور الحق قطب عالم پنڈوی ہیں جنکو سلطان العارفین کہہ کر نام دیا گیا ہے (دیکھئے اخبار الاخیار
ص ۲۱۲-۲۱۳ ترجمہ) [3] عنقا۔ ایک فرضی نایاب پرندہ۔ قاف = ایشیائے کوچک میں پریوں
کا پہاڑ۔

مشاہدے (دیدار) کی شراب ہر وقت پیا کر یعنی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (یعنی جس طرف تم رخ کرو اسی کی طرف اللہ کا چہرہ ہے) اور ہمیشہ جمع الجمع کے دائرے میں مقیم رہے یعنی کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ (زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والی) تاکہ ہر دم مشتاق کے شوق کی شراب، ذوق (مزے) کے ساتھ ناز و نخرے والے ہاتھوں سے تیری جان کے حلق میں گرائی جائے یعنی وَسَقٰیہُمْ رَبُّہُمْ شَرَابًا طَہُوْرًا" (اور پلائی ان کو ان کے پروردگار نے پاک شراب) اسکے بعد تھوڑے ہی دنوں میں تیرے وصل کا رشتہ (ناگا) ہلایا جائیگا اس کثرت (دا کیلاپن) کے سفر میں اصلی وطن کو جو کہ وحدت (اکیلاپن) ہے پہونچ جائیگا یہی وہ قطرہ (سوانی کا بوند) جس کو صدف (سیپ) میں پوشیدہ کیا گیا ہے. اس واسطے کہ موتی بن جائے اور جب کامل موتی بن گیا تو اسوقت سیپ کے لائق نہیں رہا بلکہ اسوقت تو اسکو بادشاہ کے خزانے میں ہونا چاہیئے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" (آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو پورا کردیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کردیا) اس معنی میں کتنی ہیہات ہیہات (ہائے ہائے) جب وہ بیش قیمت موتی سیپ میں آیا بلا کا تیر تھا جو نشانے پر پڑا یعنی لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا) عجب ظہور کہ عین حجاب (پردہ) ہے اور عجب حجاب کہ عین ظہور ہے (اور عجب ظہور کہ جو عین موجود ہے) عجب موجود کہ بے شہود (بے جلوہ) اور باشہود (باجلوہ) ہے عجب اَحَد (اکیلا) کہ عدد (گنتی) میں بے حد ظاہر ہوتا ہے اور عجب نمود اری (ظاہر داری) کہ اس میں سراسیمگی ظاہر ہوتی ہے۔ عجب ایک معمہ (پہیلی) جسکو کوئی بوجھ نہیں سکتا۔ عجب چہرہ جو دل سے ہوش اڑادے۔ عجب ربودگی (ہوش ربائی)

کہ جس نے نابود (ناپید کر دیا ہو۔ عجب نابودگی کہ بُود (وجود) میں لادے۔ عجب بودگی (موجودگی)
جو اس میں ہوتی ہے۔ عجب باشندگی کہ جو اس میں ہے۔

اے ہائے! کیا اچھا درد کہ وہی درمان (علاج) بھی ہے کیا اچھا علاج کہ اسی سے جان ہے۔ کیا اچھی جان کہ جاناں (معشوق) کے ہمراہ خوش ہے۔ کیا اچھی سودائی (دیوانگی) جو ہُوا (اشتیاق) رکھتی ہو۔ کیا اچھی ہُوا جو اسکی لقا (ملاقات) کرادے۔ کیا اچھی ملاقات جو بقا (حیات جاودانی) بخشتی ہو۔ کیا اچھی چشم (امید) کہ اسکی امید میں نگراں (دیکھنے والی) ہو۔ کیا اچھا وصل (ملن) جو ہجراں (جدائی) سے فارغ (بَری) ہو

اے جانِ من! ایسا وجود عین یافت (کمائی) ہے۔ جس کسی نے اس کمائی میں کمائی نہ کرلی اس نے ہرگز نہ پایا۔ اور یہ دیدہ دیکھنے کے لئے ہے جس نے اس آنکھ سے اس دیکھنے کے وقت میں نہ دیکھا اس نے ہرگز نہ دیکھ پایا " مَن کَانَ فِی ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی " (جو اس دنیا میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا رہا)

اے جانِ من! شوق میں جوش کھانا، اس کا گویا ہوش میں کوشش کرنا، اپنے کو ذات (خداوندی) میں چھپائے رکھنا ہے۔ یہاں تک کہ اقوال کا مشاہدہ، افعال کا مشاہدہ ظاہر ہو اور احوال کے مشاہدے میں اس قدر مستغرق (محو) رہتا ہے کہ فنائے مطلق ہو جاتا ہے جب مطلق فانی ہو گیا تو ابدی (ہمیشہ کے لئے) بقا (زندگی) پالی اور یہاں پر اقوال و افعال حقیقی ہوتے ہیں۔ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور " قُمْ بِاِذْنِہٖ " (اٹھ ہمارے حکم سے) یہیں سے ہے لیکن ان احوال کو کوئی گھٹاتا ہے اور کوئی بڑھاتا ہے اور انتہا یہ ہے کہ گھٹاتا ہے اور جو کبھی گھٹاتا ہے سر سلامت لے جاتا ہے اور جو کہ بڑھاتا ہے سر دے جاتا ہے جو کہ سر سلامت لے جاتا ہے دریا نوش (بے حد پینے والا شرابی ہے) جو کہ بڑھاتا ہے،

ایک قطرے سے ہی مدہوش ہو جاتا ہے اور ایسا شاہِ عشق ہے کہ کسی جگہ جوش کے ساتھ آتا ہے اور کسی جگہ ہوش کے ساتھ جو کہ باجوش ہے وہ عاشق ہالک (نیست ہونے والا) ہے اور جو کہ باہوش ہے عاشق عارف (پہچاننے والا) ہے۔ لیکن وہ (اول الذکر) غارت ہوا اور یہ (مؤخر الذکر) اشارے ہی میں رہ گیا۔

اے جانِ من! جسطرح بہشت والوں کو دوزخ عذاب ہے اسی طرح دوزخ والوں کو بہشت عقاب (اونچی جگہ) ہے۔ یعنی جلالی کے لئے جلال اچھا ہے اور جمالی کے لئے جمال بہتر ہے۔ لیکن عاشق لوگ ان دونوں سے اوٹ میں ہیں۔ کیونکہ ذاتی (حقیقی) یعنی اللہ والے ہیں اور ان کا خیال ان (دونوں) سے برتر ہے اور ان کا محبوب انکی گود میں ہے اسی کے حسن کی بے نہایتی سے سرمست اور اسی کے عشق کی بے نہایتی سے ہر دم مضطر (بے چارہ)۔ ہمیشہ ان کا رنگ درو پے زر (سونے) کے اور ہمیشہ محبت کی کسوٹی خوب تر ان کا مقام عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ'' (صاحبِ اقتدار حق تعالیٰ) کے پاس ہے۔

ہائے ہائے! اے جانِ من عاشق و معشوق ایک ذات ہیں۔ عبارت (بیان) میں دو معلوم ہوتے ہیں۔ جو کہ دو حال دیکھتا ہے خروش (شور و غل) میں ہے اور اکہرا دیکھتا ہے خاموش ہے اور جو کوئی کچھ بھی نہیں دیکھتا ہے ہوش ہے۔ یہ سب اسکے رنگ (طرز و روش) ہیں۔ یہ کون ہے جو بیچ میں پڑتا ہے؟ اور اسکی مدح میں زبان کھولتا ہے یہ وہی ہے جو اسکے بے نہایت ہونے میں حیران دکھائی دیتا ہے۔

ہیہات ہیہات! اس وقت سے جب کہ عشق کی ہوا وحدت کے دریا کو جنبش میں لائی اور موجیں اٹھنے لگیں اور یہ سب کہ جو دکھائی دے رہا ہے اسی دریا کی موج ہے جو آتی ہے اور جاتی ہے جس وقت وہ ہوا ساکت (خاموش) ہو جاتی ہے اور دریا جنبش سے

آرام پاتا ہے، جس وقت کہ ظہور بطون (پیٹ) میں چلا جاتا ہے، قیامت قائم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں "جب تک اللہ کا کہنے والا زمین پر ہے قیامت نہیں آئے گی"۔ اور یہ اشارہ اسو جہ سے ہے کہ اس بات کی شرح قلم سے ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہوتی۔ "فہم مِنْ فہم" (جس نے سمجھ لیا سمجھ لیا)۔

اے جانِ من! ایک اشارت سے ہزاروں عبارت پیدا ہوتی ہے، ہر عبارت کو ایک صورت اور ہر صورت کو معنیٰ اور ہر معنیٰ کو بیانِ معنیٰ ہے وحدت سے کثرت کا چہرہ پیدا ہوتا ہے اور ظہور کے صحرا میں ہر طرف سے موسیٰؑ کی طرح اَرِنِی[۱] (دکھا مجھے) کی پکار آتی ہے۔ ناگاہ بغیر مقصود کی گیند میدان میں پھینکی گئی اور ہر شخص اپنے مقام سے ہلے اور ادراک (عقل و فہم) کا گھوڑا کھول دیا اور تفکر (سوچ بچار کے) چوگان (بلّے کے ذریعے اس جگہ کو جو (بہادر) مردوں کے حال کا مقام ہے "علم چوگان کی گیند کی معرفت پوری کوشش سے ایک طرف کو لے گئے۔ لیکن کوئی شخص مقصود کی حالت میں اسکو نہ پہونچا سکا مگر وہ شہ سوار جو "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" (جس نے نفس کو پہچانا پس ضرور اس نے رب کو پہچانا) کی گیند بازی میں ماہر اور چوگان کی گیند سے واقف تھا۔ ایک ہی جولان (پھلانگ) میں بیچ میں سے اچک لے گیا اور پلک جھپکاتے ہی حال (چوگان) کے حلقے سے نکال لے گیا یعنی اسکے "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی) نے مقام پر پہونچا دیا یعنی "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" (دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم) اور وقت سے اپنی جگہ پر قائم یعنی "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ"[۲]۔ ملک مقرب

---

[۱] حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر خدا سے درخواست کی تھی "رَبِّ اَرِنِیْ" (اے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا) جواب ملا "لَنْ تَرَانِیْ" (تو مجھے نہ دیکھ سکے گا)

[۲] اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت

جبرئیل اور نبیؐ مرسل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص ہے اور ملک مقرب عقل محمد عقل ملکوتا ہے مقام محبت میں مغلوب ہے قولہ تعالیٰ "وَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ" (اپنی جوتی اتار دو) اور وہ جمع الجمع کے دائرے میں مقیم ہوگیا یعنی "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ اللّٰه" (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ کا سامنا)۔

اے جانِ من! جو شخص ذات میں گم ہوگیا صفات میں ظاہر ہوا اور جب صفات میں ظاہر ہوا پس عالم وجود میں وجود کے اندر ہویدا ہوا کیونکہ جیسے ہی "این" (یہ) درمیان سے اٹھا "او" (وہ) درمیان میں آیا پس جو کچھ بھی ہے وہی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی جگہ پر ہے۔ اس خاص جگہ میں کوئی نہیں پہونچا مگر آپ یا آپکے بعض پیرو (امتی) مگر ہزاروں میں ایک۔ حضرت کے خیمے کی ایک طناب (رسی) کو دیکھنا چاہیئے۔ بعضے "لَا إِلٰهَ" کی وادی میں رہ گئے (یعنی فنا میں) اور بعضے "إِلَّا اللّٰه" کے دائرے میں پہونچے (یعنی بقا میں) اور محمد رسول اللہ کی حقیقت کو نہ پہونچے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ" (جس نے مجھے دیکھا پس اس نے حق یعنی خدا کو دیکھ لیا) اس جگہ مسلّم (مانا ہوا) ہے۔

اے جانِ من! عوام کے لئے اسم با جسم ہے اور خواص کے لئے اسم بے جسم ہے کیونکہ وہ لوگ حقیقی جسم میں محو ہو گئے لاچار (ہارے داؤں) سوا دے ایک اسم کے زیادہ نہیں ہے انکی خودی خدا میں غائب ہوگئی پس سوائے خدا کے کچھ نہ رہا دوسرے لوگ اپنی خودی میں رہ گئے۔ لاچار (مجبوراً) ہمیشہ کے فراق میں جا گرے خاص لوگوں کا وجود وحدت کے رشتہ (زناگے) میں مثل بیلر سے ہوئے دانے کے معلق آویزاں (لٹکا لٹکایا ہوا) ہے اسی وجہ سے ان کے قدم کی زمین مشرق سے مغرب تک ہے اور جب قلب پھرتا ہے

تو مصفا اور لطافت ہو جاتا ہے۔ قالب (جسم بھی قلب (دل) کی خاصیت کا ہو جاتا ہے۔ نور کے پاس نور پہونچ جاتا ہے، لطیف کے پاس لطیف جُڑ جاتا ہے۔ درُون (اندر) اور بروُن (باہر) سراسر ایک ہو جاتا ہے۔ اور درمیان میں کوئی کدورت (رنجش) نہیں رہتی۔ پس اگر اس پر تلوار چلائی جاتی ہے تو ایسی جیسی کہ پانی میں چلی جائے۔ وہ تو نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں بلکہ سات طبق نیچے یا سات طبق اوپر ایک ہی طور پر گھومتی ہے انکی نظر میں کوئی حجاب (پردہ) نہیں رہتا یعنی "وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" (اور وہ لطیف اور خبیر یعنی مقدس اور دانا ہے)

اے جانِ من! یہ بات مشکل ہے کیونکہ جب تک فانیٔ مطلق (قطعی فانی) نہ ہو حقیقی مسلمان نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

فرد۔ صوفی و سبزہ پوشی شیخی و حیلہ دار
ایں جملہ شدی لیک مسلمان نشدی

عشق ناہوت میں، معشوق یاہوت میں، عاشق لاہوت میں (فنا)، عارف جبروت میں (وحدت صفت)، واصف ملکوت میں، واقف ناسوت میں۔ یہاں تک نزول ہوتا ہے۔ پھر جب وقوف پایا اور وصف میں جھکا (راسخ الارواح) تو وصف کو عرفان (معرفت الٰہی) (شریعت) میں پھینک دیا اور عرفانِ معارف (پہچان والوں) میں مشغول ہو گیا اور معارف کی رویت (دیکھنے) میں عاشق نے اپنے آپ کو ہار دیا جب اپنے کو ہار دیا تو معشوق کو پایا۔ اچانک وحدت کی کمینگاہ (گھات) سے غیرت کی فوج کو چڑھا دیا اور سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور شاہِ عشق (حسن) کو چھوڑ کر کچھ نہ چھوڑا۔ چونکہ وہ چیز ذات تھی پھر بھی وہی ذات ہو گئی اور وہ نزول (نازلہ ہونا) تھا اور یہ عروج۔ پس کُنتُ کنزاً مخفیاً (میں پوشیدہ خزانہ تھا) عبارت ہے یاہوت سے فَاَحبَبتُ (میں نے چاہا) عبارت ہے یاہوت سے اَن اُعرَفَ (   ) عبارت ہے لاہوت سے

فَخَلَقۡتُ الۡخَلۡقَ (پس میں نے خلقت کو پیدا کیا) عبارت ہے جبروت، ملکوت اور ناسوت سے - یہ سب منزلیں عشق کی سیرگاہ ہیں کہ ہر منزل میں ایک دوسرا ہی ظہور اور ہر مقام میں ایک دوسرا ہی ذوق اور دوسرا ہی نام ہے - البتہ ناسوت جمع ہونے کی جگہ ہے یعنی ان تمام کا مجموعہ عین حاصل کیونکہ جو تیر قضا کے کمان سے باہر اچھلتا ہے، وہ ٹھیک ناسوت کے نشانے پر پہونچتا ہے یعنی جو کچھ کہ احدیت کی دوکان میں تھا یکایک کثرت کے بازار میں دکھایا گیا اور جو وجود کہ بغیر شہود کے ہے، وہ ظہور کے عالم میں موجود ہے -

اے جانِ من! تو خواہ جانے یا خواہ نہ جانے جو دم کہ ہے ہمیشہ ہوٗ، کے ذکر میں رہتا ہے یعنی "لَا" میں آتا ہے اور "لَا" میں جاتا ہے اور ہر شخص پر یہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی محض عطاء ہے - افسوس ہمارے اوپر کہ اس عطاء کی قدر نہیں جانتے اور اس نعمت کا شکر نہیں گزارتے پس سمجھنا چاہیئے جو دم کہ آتا ہے اور جاتا ہے اور کن کن حروف میں اور کس آواز میں اور کس پکار میں چھوٹ جاتا ہے - یعنی "لَا لَا" پس جس کسی نے جانا اپنے کو اس معنیٰ میں ساتھی بنایا اور فہم کو اس گہرائی میں ڈبا دیا اور وہم کو اس گہرائی میں مقیم بنایا اور اس خیال میں ہر حال میں اپنے کو ہرا دیا، امید ہے کہ گوہرِ مقصود (مقصود کا موتی) پا جائے گا اس لئے کہ جب اس معنیٰ میں فہم کو رکاب دار (رکاب تھامنے والا) بنایا اور وہم کو اس گھیرنے والے دریا میں ڈالا اس حد تک کہ اپنے کو بیچ میں سے اڑا دیا، اس نے بیشک پایا جو کوئی نمک کے اس انبار میں گرتا ہے نمک ہو جاتا ہے لیکن مہم سر کر لیتا ہے یہ مہم یہی شغل ہے اور اسکے سوا جو کچھ بھی ہے ہوا کرے لیکن نہ مجاہدہ نہ ریاضت نہ صوم (روزہ) نہ صلوٰۃ (نماز) نہ ذکر نہ فکر نہ مراقبہ (دھیان) نہ محاسبہ نفس کا تسبیح نہ علم نہ معرفت نہ کفر نہ اسلام کسی سے بھی تعلق نہیں رکھتا - سب سے باہر ہے - اسکو خاص عنایت اور محض عطاء

(بخشش) کہتے ہیں، جسکو بھی دی جائے۔

اے جانِ من! تیری روح نے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ[1] (اللہ کے ساتھ میرے لئے ایک وقت ہے)
کی موج کو فراق کے ساحل میں ٹکرایا یعنی اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ[2] (بے شک میں بشر ہونے میں تم جیسا ہوں)
سے اونچا نالہ رَبِّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا[3] بلند کیا اس وقت کبھی نعلین کی خاک سے
عرش کو قرار ہوتا تھا، تو کبھی ان کے دل کے نشانے پر اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی[4] (کیا
تم کو اس نے یتیم نہ پایا پھر جگہ دی) کا تیر مارا جاتا کبھی بے نیازی کے عشق میں "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی
(آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی) کا بے نیازی سرمہ آنکھوں میں پھیرا جاتا تو کبھی اغیار کا طعنہ
عادت کے پیمانے سے انکی جان کو پہونچتا کبھی قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے تخت پر
بیٹھتے تو کبھی بیواؤں کے گھروں کے دروازے کا چکر لگاتے یہ سب محبت و درد محبت
کو بڑھانے کے واسطے ہوتا تھا اسی لئے یہ ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز فرمایا کرتے
کہ جس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نیا درد اور ایک نیا عشق حاصل نہیں ہوتا تو سورج نکلنے
پر اس دن برکت نہیں ہوتی۔

اے جانِ من! فراق (جدائی) جتنا ہی زیادہ ہوگا عشق بھی اتنا ہی زیادہ اور عشق
جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی عاشق بے قرار زیادہ ہوگا جتنا ہی عاشق بے قرار زیادہ ہوگا معشوق
اتنا ہی در کنار (گود میں) اور جتنا ہی معشوق گود میں ہوگا اتنا ہی عاشق دل فگار (زخمی)
جتنا ہی عاشق دل کا زخمی ہوگا اتنا ہی عشق اس کا آب دار (چمکدار) ہوگا۔ اسی معنی میں ہے کہ

---

[1] لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ (اللہ کے ساتھ میرے لئے ایک وقت ہے)

[2] ظاہر صورت بشری میں میں تم جیسا ہوں) [3] کاش کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
پیدا نہ کرتا۔ [4] کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔

ع نہ جنت آخریں دارد، نہ سعدی راسخن پایاں

(نہ جنت سب سے آخر کا نشانہ ہے اور نہ سعدی کے کلام کی کوئی انتہا ہے) پس اس کا قرار بے قراری میں رکھا گیا ہے اور بے قراری ممکن نہیں ہے مگر فراق (علیحدگی) میں اور فراق ممکن نہیں ہے مگر جدائی میں اور جدائی ممکن نہیں ہے مگر خودی (خودشناسی) میں اور خودی ممکن نہیں ہے مگر جدائی سے یعنی خودی کی حقیقت خاص خدا کے لئے ہے۔ پس ہر حال میں خدا خود اپنے روئے (جمال) کا حجاب ہے بے شک محبت کا ترانہ (گیت) من وتو کے ساز میں شروع ہوتا ہے۔ جس وقت کہ یہ ساز نہیں تھا کچھ بھی نہیں تھا۔ ہیہات ہیہات (افسوس افسوس) عجیب وصل (ملاقات) کہ عین ہجر (جدائی) ہے اور عجیب ہجر کہ عین وصل ہے۔

اے جان من! اسی ذات واحد اس دو تعبیہ (کسی چیز کا کسی چیز میں اس طرح مل جانا کہ علٰحدہ معلوم نہ ہو) میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور عاشق و معشوق کے ان دو تعبیوں کا اٹھ جانا ہرگز واقع نہیں ہوتا اور اگر اٹھ جائیں تو درمیان میں کچھ بھی نہ رہ جائے۔ پس جس جگہ کہ کچھ نہیں ہے کچھ بھی تو نہیں ہے عشق ایک درخت ہے جس کی دو شاخیں ہیں ؛۔ ایک عاشق دوسری معشوق۔ اسی کا نتیجہ عبودیت (بندگی) اور ربوبیت (پروردگاری) ہے پس اس دوئی (دو ہونا) کو دوئی نہیں کہہ سکتے بلکہ (ہو) ہوی (ہوئیتا۔ مرتبہ وحدت) ہے۔ اس لئے کہ جس وقت سے کہ شاہ عاشق نے عاشقی و معشوقی کی تلوار سے اپنے کو دو ٹکڑے کر ڈالا اور درمیان میں شک ڈال دیا اور ہجر کی بازی (کھیل) اپنے ساتھ کھیلنے لگا تاکہ اپنا ذوق اپنے ہی سے حاصل کرے اور اپنے شوق سے اپنے آپ ہی میں قرار ہے یعنی شاہ عشق کہ اس سے حسن عبادت ہے عاشق کی آنکھ سے معشوق کے

آئینے میں ہر چند کہ خود دیکھتا ہے تو اسکو بہت اچھا پاتا ہے اور ہر چند کہ خوب تر پاتا ہے خراب تر ہو جاتا ہے اور ہر چند کہ خراب تر ہو جاتا ہے خوب تر ہوتا ہے اس کا حال ازل سے ابد تک یوں ہی ہے۔

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں (اقبال)

تنقید

اس مختصر رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اولیاء اللہ کے کلمات، ارشادات اور ملفوظات از قبیل الہامات ہی ہوتے ہیں نہ از قسم عقلیات۔ اسرار الاولیاء میں حضرت بابا فریدالدین گنج شکر سے نقل کیا گیا ہے کہ "علماء اہل عقل اند و صوفیاء اہل عشق و میان اینہا تضاد است" (علماء عقل والے ہیں اور صوفیاء عشق والے اور ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف ضد یعنی مخالفت ہے)۔ رسالے کا طرزِ کلام بھی کچھ طوالع الشموس جیسا ہی ہے۔ جا بجا عشق۔ عاشق۔ معشوق اور شاہِ عشق کی اصطلاحات کا استعمال جن کے لئے دہلی کے علمائے ظاہر نے حضرت قاضی حمیدالدین کو بدنام کر رکھا تھا اور انکے علاوہ ناہوت ہاہوت لاہوت جبروت، ملکوت اور ناسوت کے الفاظ سے منازل سلوک کو پیش کرنا۔ جا بجا آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے پردے میں خیالات تصوف کا اظہار۔ ناظرین کو اے جانِ من! کے لقب سے مخاطب کرنا، جو حضرت صوفی حمیدالدین سلطان التارکین کی یاد دلاتا ہے یہ سب اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہے ہم بھی رو میں آکر ترجمہ کرتے چلے گئے لیکن تمہید ہی میں "قطب الاقطاب حضرت شاہ حسام" اور

"سلطان العارفین شاہ حسن" کے نامہائے نامی اسمہائے گرامی سے ہمارے قلم کا گھوڑا رکاوٹ ڈال رہا تھا یہاں تک کہ میں نے لاہور کے مطبوعہ اردو رسالے خیالات عشاق کو اٹھایا جس کے فقرے، جملے اور اس کا اسلوب بیان سب کا سب ہمارے فارسی خطی نسخہ رسالۂ عشق من تصنیف (شیخ) قاضی حمید الدین ناگوری سے حرف بحرف ملنے لگا اور صفحہ ۲۹ پر پہونچے پہونچتے رحسام الدین جن کو ناگوری کہہ کر بتلایا گیا ہے اور انکے بعد نور الحق قطب عالم کا نام ہے تب پھر میرا ماتھا ٹھنکا کہ یہاں بھی کچھ دال میں کالا ہے کیونکہ حضرت شیخ نور الحق قطب عالم پنڈوی کے خلیفہ شیخ حسام الدین مانک پوری ہیں نہ کہ ناگوری اور حسام الدین ناگوری کے نام سے شجروں میں کسی بزرگ سے ملاقات نہیں ہوتی۔ نہ سہروردیوں میں اور نہ چشتیوں میں، تو نتیجہ یہی برآمد ہوا کہ یہاں بھی تھوڑے تغیر سے کام لے کر رسالہ خیالات العشاق کو حضرات سہروردیہ رحمہم اللہ سے درپردہ نسبت دے دی گئی ہے۔

ایسی حالت میں ہمارا فارسی مخطوطہ جس کو ۱۰۸۱ھ میں کاتب سید تبارک حسینی ساکن قصبہ بہیرا سرکار سرنے شیخ (نہ قاضی نہ صوفی) حمید الدین ناگوری سے بتاریخ ۲۷ ماہ صفر کتابت کرکے منسوب کیا ہے، پندرہویں صدی عیسوی کا مانا جانا چاہیئے۔ اس رسالے میں خواہ فارسی کا عشقیہ ہو خواہ اردو کا خیالات العشاق دونوں میں ایک شعر فارسی کا سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے جن کو قاضی رحمان بخش روہلی نے قاضی حمید الدین ناگوری کے پیر بھائی کہا ہے، اور جا بجا کئی شعر خیالات العشاق میں حافظ شیرازی کے درج ہوئے ہیں۔

لہٰذا میں اب رسالہ عشقیہ کہے جانے والے فارسی کے اس رسالے کا اقتباس مندرجہ بالا اپنی کتاب سے خارج تو سمجھتا ہوں لیکن حذف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا البتہ ناظرین اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ رسالہ خواہ اسے عشقیہ کہا جائے خواہ "خیالات العشاق" جو بھی نام صحیح ہو، بہرحال کس بزرگ اہل عشق کا مانا جائے اگر میری اس کتاب کے

ذریعے اصل رسالے اور اس کے مصنف علیہ الرحمہ اور ان کے زمانے کا سراغ لگ جائے۔
تو راقم الحروف اور ناظرین میں سے سراغ رسانی کرنے والے اہل علم دونوں کے لئے کار ثواب
ثابت ہوگا ایسا میرا عقیدہ ہے کیونکہ میری معلومات کے مطابق رسالہ عشقیہ شمالی ہند کے
علاوہ مغربی ہند اور جنوبی ہند کے پیرزادوں کے پاس اکثر پایا جاتا ہے اور وہ بڑی عقیدت
کے ساتھ اسکو قاضی حمید الدین ناگوری فقیر کے نانا کی تصنیف سمجھ کر محفوظ کئے ہوئے ہیں آج
تک کسی نے اسکا تجسس نہیں کیا کہ یہ الہامی رسالہ آخر کس کی تصنیف مبارک ہے اگر کسی نے
اس کا تفحص کیا ہو تو از راہ کرم مجھ کو بھی مطلع کرکے عنداللہ ماجور ہوں گا۔

اب میں قاضی حمید الدین ناگوری کے دوسرے رسالوں کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔
روح الارواح کا ذکر فوائد الفواد میں ہے کہ قاضی صاحب کو یہ رسالہ زبانی یاد تھا اور
بسا اوقات اپنی تقریروں میں اس کو استعمال کرتے تھے۔(فوائد الفواد ص۴۶)
روح الارواح کا ذکر راحت القلوب میں بھی ہے جسکے حوالے اضافات حمیدمیں
دئے گئے ہیں بزم صوفیہ میں بھی اسکا حوالہ ہے۔

بحر المرجان کا حوالہ تفسیر و الضحیٰ میں قاضی صاحب کے نبیرے بہاؤالدین ابن
ابراہیم نے دیا ہے یہ رسالے آج نایاب ہو چکے ہیں۔مجموعۂ رسائل کا ذکر بھی ملتا ہے جن کو
لے کر مولانا نظام الدین اولیاء نے فرمایا تھا کہ جو کچھ ہے وہ ان رسائل میں ہے اور جو
کچھ ان میں سے نہیں ہے وہ کہیں نہیں ملتا۔ ص۱۰۵ ف ف

رسالہ چہل حدیث المعروف بہ شرح اربعین

ہمارے پاس جس مخطوطے کی نقل ہے اس کے آخر میں کاتب کی تحریر یہ ہے۔
تم تمام شد کتاب شرح اربعین (احادیث اربعین) من تصانیف سلطان العاشقین۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ حسب فرمودہ امارت و اقبال پناہ ملجاء الفقراء میرزا محمد مومن جیو سلمہ اللہ تعالیٰ ترقیم نمودہ۔ مورخًا الخامس عشر من الصفر ختم اللہ بالخیر والظفر ۱۰۶۴ھ رقیمہ ترین خادم درویشاں قادریہ فقیر محمد عباسی غفر اللہ لہٗ و الدیہ۔ کوئی صاحب قادریہ سلسلے کے معتقدین میں ہیں جنھوں نے پندرہ (۱۵) صفر المظفر ۱۰۶۴ھ کے دن اس نسخے کی کتابت کی جس میں چالیس حدیثیں ہیں غالباً یہ فتح محمد عباسی ناگور ہی کے رہنے والے ہیں جن کے خاندان کا قاضی حمید الدین اور صوفی حمید الدین کے خاندانوں سے رشتہ تھا ان کے اور بھی قلمی نسخے میرے کتب خانہ میں موجود ہیں تصنیف قاضی حمید الدین ناگوری کی بتاتے ہوئے ان کو سلطان العاشقین کہا ہے کتابت میرزا محمد مومن جیو کی فرمائش پر کی گئی ہے جو کوئی امیر کبیر اور درویشوں کے ملجا و ماوی ہیں اس سے زیادہ صاحب فرمائش اور اپنے بارے میں کاتب نے کچھ نہیں لکھا اور نہ اپنی اور نہ ان کی جائے سکونت بتلائی ہے نقل تازہ بقلم سید اشتیاق حسین مشہدی النقوی ریٹائرڈ ہیڈ مولوی ہے جو اپنے کو بہار ایجوکیشنل سروس سے منسوب کرتے ہوئے اپنے کو "محققین اعلیٰ" کا حامی و معین اور ان کا خادم بتلاتے ہیں اور سکونت موضع کشیا ڈاکخانہ مورت گنج تحصیل چایل ضلع الہ آباد۔ تاریخ کتابت ۲۸ اپریل ۱۹۷۵ء یوم جمعہ مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ درج ہے۔

قصہ یہ ہوا کہ "محققین اعلیٰ" میں سے ایک صاحب بہادر ڈاکٹر بروس لارنس سفر کرتے ہوئے علی گڈھ سے ناگور پہونچے ان کے ہاتھ میں یہ تازہ نقل تھی فرمایا کہ میں علی گڈھ یونیورسٹی سے لایا ہوں۔ ان کے ہمراہ ان کی لیڈی صاحبہ بھی تھیں سرکٹ ہاؤس میں ناگور دس روز قیام فرمایا اور مجھ فقیر سے روزانہ تصوف کی کتابوں کے بارے میں گفتگو فرماتے رہتے تھے امریکا کے رہنے والے یہ مستشرق عربی فارسی کے جانکار تھے

انکی بیوی اردو جانتی تھیں درگاہ شریف صوفی صاحب میں جمعرات کو میرے ہمراہ محفل سماع میں شرکت فرماتے دوزانو ادب سے بیٹھتے اور قوالوں کیلئے نذرانہ پیش کرتے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور جامی رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی غزلوں کے مطلعے کو پڑھکر قوال سے وہ غزل گانے کی فرمائش کرتے یہ تازہ نقل انہوں نے راقم الحروف کو پیش کردی اور میں نے انکو سلطان التارکین پر کتاب از احسان الحق فاروقی (پاکستان) اردو کی پیش کی تھی۔ فرمایا کہ میں چھ ماہ سے یہاں ہوں اور ابھی چھ ماہ اور میں ہندوستان میں گزارونگا ابھی یہاں کے بعد میں بمبئی جارہا ہوں وہاں سے واپسی پر میں تمہاری کتاب واپس دونگا تم ہمارا مخطوطہ ہم کو واپس دے دینا کچھ عرصے بعد پان کی دکان واقع تحصیل چوک میں رات کو اس انگریز اور فقیر کی نشست و برخاست بھی رہتی تھی دوکان کے پاس عبدالحکیم تیلی کے لڑکوں کی سائیکل کی دکان تھی وہ بچہ بھی ہمارے پاس آکر بیٹھ جاتا تھا، یہ بچہ بمبئی گیا ہوا تھا اس کو بروس لارنس صاحب نے بمبئی میں پہچان لیا اور پیغام بھجوایا کہ پیر صاحب کو کہدینا کہ وہ مخطوطہ میں نے ان کو بخش دیا اور وہ مجھے اپنی کتاب اردو کی بخشدیں یہ بھی فرمارہے تھے کہ میں نے ایک کاتب پانچ سو روپے ماہوار پر علی گڑھ میں بٹھایا ہوا ہے آپکو جس کتاب کی نقل چاہیئے تو میں کرواسکتا ہوں اور اپنے خرچے سے کرواکر بھیج سکتا ہوں اس نقل مخطوطہ کے سرورق پر آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا نمبر اندراج قلمی فارسی فا $\frac{9}{11}$ ، $\frac{82}{22.6}$ تحریر ہے۔ ہوسکتا ہے فاضل پروفیسر وہی ہوں جن کا مقالہ تقریباً بیس سال پہلے کلکتہ کے انڈو ایرانیکا میں طوالع الشموس پر شائع ہوا ہے۔

تسمیہ کے بعد پہلی حدیث شروع ہوجاتی ہے حدیثوں کا حوالہ اکثر و بیشتر صحاح ستہ کی کتابوں سے نہیں دیا گیا ہے اور میں ان کتابوں میں ان حدیثوں کو تلاش کرنے اور ان کا

حوالہ دینے سے قاصر ہوں میں احتیاطاً عربی کا متن بھی نہیں دینا چاہتا صرف حدیث کا مفہوم پیش کرتا ہوں ہر حدیث کے ساتھ صاحب رسالہ نے فارسی الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اعلیٰ آداب و القاب لمبے چوڑے استعمال فرما کر پھر حدیث کا ترجمہ یا مفہوم ادا کیا ہے اور مختصر تشریح بھی فرمائی ہے اور ہر حدیث کے معانی و مطالب تصوّف کے اسلوب و رنگ میں رنگے ہوئے ہیں بیچ بیچ میں اشعار (قطعات، مثنویات رباعیات، نظم بیت کے نام سے) قرطاس ابیض (سفید کاغذ) پر جڑتے چلے جاتے ہیں ایک جگہ تین اشعار کے مجموعۂ سخن کو 'ثلاثی' کا نام دیا ہے۔

الحدیث الاوّل

فرمایا میں سید ولد آدم (بہترین فرزند آدم) ہوں قیامت کے دن پہلا شخص میں ہوں گا۔ جس کے لئے قبر کی زمین پھٹے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا یعنی قیامت کی صبح کو وہ عاشق صادق انتظار کے جلباب (چادر۔ نقاب) سے دیدار الٰہی کے لئے سر نکالیں گے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ " (سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا) لہٰذا ان کو اللہ سے ملاقات کا شوق بھی سب سے زیادہ ہے۔

اور اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مقام محمود پر کھڑے ہو کر اللہ سے امت پر رحم کی درخواست کریں گے۔ زبور میں وارد ہے کہ یَا دَاوٗدُ! اَنَا شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ (اے داؤد! میں گنہگاروں کا شفیع یعنی شفاعت (سفارش) کرنے والا ہوں)

مصرعہ۔ کسے سرّش نمی داند زباں درکش زباں درکش۔ (کوئی اسکا بھید نہیں جانتا ہے زبان بند کر زبان بند کر)

۲

الحدیث الثانی

فرمایا مجھے اختیار دیا گیا کہ میں بادشاہ بن کر پیغمبر رہوں یا بندہ بن کر پیغمبر رہوں پس میں نے جبرئیل کی طرف نظر کی تو اس میں تواضع کے آثار مشاہدے میں آئے پس کہا میں نے کہ میں بندہ بن کر پیغمبر رہوں گا۔ اپنے کو اس کے دروازے پر گرا کر ایک روز بھوکا اور ایک روز سیر ہو کر۔

بے شک محبت کی دنیا میں عشق کے صرافوں کے بازار میں نقد ایمان کو امتحان کی کسوٹی میں چڑھاتا ہے کہ جو شخص سو جان سے عاشق ہوتا ہے اور وہ ہزاروں سے موافق ہوتا ہے (وہی) عبدیت (بندگی۔ غلامی) کا خلعت پہنتا ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ (اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے) کونین (دونوں جہاں) سے اور جو کچھ ان میں ہے اس سے نظر اٹھا لیتا ہے۔ شاہی افتخار کا تاج سر سے اتار کر رکھ دیتا ہے اور بندگی اختیار کر لیتا ہے۔

۳

الحدیث الثالث

فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) والوں پر نہ موت کا غم ہے نہ قبر کی وحشت (گھبراہٹ) ہے اور نہ قیامت کے دن کی دہشت ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والوں نے ایک محبوب کو دل دے دیا ہے اور جان پر ایک مطلوب کا بوجھ رکھ دیا ہے۔ موت سے کیوں غم ناک ہوں گے؟ چونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والے اس کے لئے زندہ ہیں اور اس کے لئے قائم ہیں فنا قبول نہیں کرتے۔ اگر محبوب کے خزانۂ عظمت میں عبودیت (بندگی) سے بڑھ کر کوئی خلعت ہوتا تو لیلۃ القدر

(شب قدر) میں وہ رسول اللہ کے پاس بھیجتے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ
لَیۡلًا (پاک ہے وہ اللہ جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت) سے معلوم ہوا
کہ خلعت عبودیت (بندگی) سے عزیز تر اور شریف تر کوئی خلعت نہیں ہے۔

پھر جو بھوک اختیار کی، اس کے ضمن میں ایک بھید ہے نفس کا گھوڑا تاکہ ہمیشہ
مغلوب رہے اور سوار کا کام اس سے باضابطہ چلتا رہے کبھی کبھی اس کو ریاضت
(جفاکشی) کے لئے بھوکا رکھنا چاہیئے تاکہ راستے میں تھک نہ جائے معراج کی سواری
براق ہی عجب سواری تھی کہ خانہ کعبہ سے "اَوۡ اَدۡنٰی" کے مقام تک ایک حملے میں طے کرتی
ہے "ایک دن کا بھوکا رہنا" اسی لئے ہے۔

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ والوں کے لئے موت نہیں ہے اور نہ قبر کی وحشت ہے جب
موت کا اندیشہ نہیں رہتا قبر بھی دوستوں کا خلوت خانہ بن جاتی ہے دنیا کا گھمنڈ دور ہو
گیا اور ابھی عقبیٰ کو نہیں پہونچا ہے اس درمیان میں قبر میں احد (ایک خدا) کے ساتھ
آرام کر رہا ہے لہٰذا وحشت کیوں ہوگی۔ لَا وَحۡشَتَ لِیۡ مَعَ اللّٰہِ (اللہ کے پاس مجھے
کوئی وحشت نہیں) وَھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں ہو)
اور روز قیامت کا ڈر اس کے دوستوں پر اثر نہیں کرتا جب انبیائے معصوم اس
ہیبت والے دن نفسی نفسی کہیں گے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی اُمتی فرمائیں گے
تب احد (اللہ) عبدی عبدی (میرا بندہ۔ میرا بندہ) کہے گا اس طرح بندہ اللہ کی لقاء
(ملاقات) سے مسرور (خوش) ولا (محبت) سے مجبور (بے بس) رضا (خوشنودی) سے
مغفور (مغفرت کیا گیا) اور مست شراب طہور (پاک شراب سے مست) رہے گا۔

ما فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی (سورۂ نجم ع ۱) تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا
فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم (اَوۡ اَدۡنٰی)

الحدیث الرابع

فرمایا جب روزِ قیامت منادی (پکارنے والا) عرش کے بطنان سے ندا کریگا

"اے میرے بندو! میرا جو حق تم پر تھا میں نے تم کو بخش دیا۔ تمہارے آپس کے جو حقوق باقی رہ گئے ہوں، ایک دوسرے کو بخش دو اور میری رحمت کے فضل سے بہشت میں چلے جاؤ۔"

اے برادر! قیامت کے دن بڑی حسرت وندامت ہوگی عاشقانِ کار افتادہ (مصیبت زدہ) اور دل بہ بار دادہ (گھبرائے ہوئے) کے کانوں میں یہ آواز پہنچے گی کہ تم کو بخش دیا اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل کیا۔

حقے کہ تراست بر ذکر کس ۔ گر عاشق صادقی تو بگذار

کسی شخص پر تیرا کوئی حق ہے تو ۔ اگر تو سچا عاشق ہے تو یہ حق چھوڑ دے

الحدیث الخامس

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ بہشت کے باغ دیکھو تو ان باغوں میں کیا کروگے؟ (صحابہ نے پوچھا) یا رسول اللہ! بہشت کے باغ کیا ہیں؟ "فرمایا" ذکر کے حلقے۔" (افضل الذکر، لا الٰہ الّا اللہ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے)۔

اے برادر! عاشق کو چاہیئے کہ جنت کے باغوں میں یعنی ذکر کے حلقوں میں اللہ کی رضا (خوشنودی) کی پھلواری طلب کرے جس کی کلی محبت ہو اور پھل اسکا لقا (دیدارِ الٰہی) ہو۔

قانع نہ شوی اگر توانی ۔ در جنتِ خلد جز بہ دیدار

اگر ہو سکے تو کسی چیز پر تو قناعت نہ کرے ۔ جنت الفردوس میں سوائے دیدارِ الٰہی کے

الحدیث السادس

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ عزوجل نے عرش کی پیشانی پر، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے دو ہزار سال قبل لکھ دیا تھا کہ میں غفار (بخشنے والا) ہوں اس شخص کو جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح (نیک کام) کرے پھر وہ ہدایت یاب ہو۔

اے برادر! یہ توبہ شرک سے توبہ ہے کیونکہ ایمان سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے توبہ کے بعد ہی بندۂ مومن کو ایمان وامان حاصل ہوا اور وہ عمل صالح کی طرف بڑھا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ مومن کا قلب (دل) اللہ کا عرش (تخت) ہے۔

؎ محبوب چو غافر است غفار — نومید مباش زو تو زنہار

محبوب چونکہ غافر (بخشنے والا) غفار (بڑا بخشنے والا) ہے۔ تو اس سے ہرگز نا امید مت ہونا۔

الحدیث السابع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے جب عقل کو پیدا کیا تو فرمایا" اے عقل! بتا میں کون ہوں"؟ عقل حیران رہ گئی پس وحدانیت (ایک خدا ہونا) کے سرمے سے سرگیں ہوئی۔ پس کہا اس نے انتَ ربی لا الٰہ الا انتَ (تو میرا رب ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے تیرے)۔

اے برادر! لا احصی ثناءً علیک (اس کی ثنا یعنی تعریف کا کوئی شمار نہیں) اس معنی کا بھید ہے۔ بھلا عقل کیا جواب دیتی؟

مصرع۔ کسے سرش نمی داند زباں درکش درکش (کوئی اسکا بھید نہیں جانتا۔

زبان بند رکھ زبان بند رکھ)

سبحان اللہ! (پاک ہے اللہ) وحدت کی سلائی سے قربت (نزدیکی) کا سرمہ عقل کے حلقے میں پھیر دیا گیا۔ پس اس سے دانا (جانکار) ہو گیا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے نفس کو پہچانا پس تحقیق اس نے رب کو پہچانا) اس معنی کا بھید ہے۔

؎ آں کحل جمالِ تست بسیار نکو ⁂ کحلے کہ بدو چشم ہمہ بینا شد

وہ تیرے جمال (حسن) کا سرمہ ہے زیادہ مت کہہ ⁂ وہ سرمہ کہ جس سے آنکھ کو بینائی ملی

آفریدگار (پیدا کرنے والے) کی عزت کی قسم! کہ اگر وحدانیت کے سرمے سے سرمگیں کرنے کی قوت نہ ہوتی تو عقل کی آنکھ اس کے غم سے تا ابد (ہمیشہ کے لئے) متحیر رہتی اور وحدت کی لوح (تختی) کو پڑھ نہ سکتی۔

؎ سرِّ وحدت خرد کجا بیند؟ ⁂ چوں بخود نیست خود چرا بیند؟

وحدت کا بھید خرد (عقل) کہاں دیکھے؟ ⁂ جب بخود (آپ میں) نہیں ہے تو کیسے دیکھے؟

الحدیث الثامن

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کو دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ۔ وہ بندہ بھی عجب ہے کہ اس کا دیدار پروردگار کی یاد کا موجب (سبب) ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ غافلوں کو خوابِ غفلت سے جگانے والا اور عاطلوں (کام سے خالی لوگوں) کو شہوت کی مستی سے ہوشیار کرنے والا ہے۔

اے برادر! جس نے اس (بندے) کو دیکھا اس (خدا) کو دیکھ لیا۔

مصراع۔ کسے سرِّ کش نمی داند زباں درکش زباں درکش (کوئی اس کا بھید نہیں جانتا زبان بند رکھ زبان بند رکھ)۔

الحدیث التاسع

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استقامت (مضبوطی) پکڑو اور ہرگز نہ جان سکو گے کہ تمہارا بہترین اعمال نماز ہے اور وضو کی محافظت نہیں کرتا مگر مومن۔ اللہ کی طرف سے ہمارے رسول کو استقامت کا حکم ہوا اور آنحضرت کی طرف سے ہم کو۔ چونکہ نماز بندوں کی سرگوشی (کانا پھوسی) رب کے ساتھ ہے اس لئے خیر اعمال (بہترین اعمال) کہی گئی اور نماز ی وصال کے قابل ہوا۔

ہمارے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کے گریبان حضرت الٰہ کے جمال کے عشق نے پکڑ لیا تھا، نماز کے اندر آہ وزاری سے کام لیتے تھے۔ آپ کا جسم مبارک دنیا سے دور اور قلب حضرت رب العزت سے قریب تھا۔

عشق میں پاکی وطہارت کی حفاظت نہایت معتبر ہے اور عاشق کے حق میں بہت ضروری ہے۔

الحدیث العاشر

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پیغمبر کی دعا مستجاب (قبول) ہوتی ہے اور وہ (پیغمبر) تعجیل (جلدی) کے ساتھ قبولیت چاہتا ہے اور حاصل کرتا ہے میں اپنی مستجاب دعا کو پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ روز قیامت اسی کے ذریعے شفاعت کروں اور وہ بالضرور ہو کر رہے گی اور اس کا اثر ان بندوں کو پہونچے گا جنہوں نے وحدت خدا میں شریک نہیں کیا۔ لا الٰہ الا اللہ۔

انبیاء اللہ کی برگزیدہ اور افضل ترین مخلوق ہیں اور ملائکہ مقربین بارگاہ

(دربارِ الٰہی کے مقرّب فرشتے) ان سے کم تر درجے کے ہیں۔ اسی لئے انبیاء کی دعاء مقبول ہوتی ہے۔ بے شک! جبکہ ان کو نفسِ مُطمئِنّہ عطا ہوا ہے جو چاہتے ہیں ان کو ملتا ہے۔

بے شک برادر! لغت میں "دعوت" بلانے کو کہتے ہیں۔ خبردار! انبیاءِ معصوم میں سے ہر ایک نبی کی اپنی مدّتِ عمر میں ایک "دعوت" سے زیادہ نہیں تھی۔

(اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ) (مجھ کو بلاؤ میں جواب دیتا ہوں) اے برادر! ہمارے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم (دونوں جہان کے سردار) اپنی مقبول دعاء کو امت کے گنہگاروں کی کرنی (کرتوت) کے واسطے قیامت کے دن کے لئے رکھ چھوڑتے تھے۔ سارے انبیاء مرید تھے اور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے مرید جو کچھ چاہتا ہے اپنے لئے چاہتا ہے جب پا جاتا ہے دعوت بند کر دیتا ہے۔ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اس معنیٰ کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے تھے پس عزیز و شریف تھے "مقامِ محمود"[1] اسی سے عبارت ہے اسکا نسبت سے ہم کو اپنے عمل سے ڈر نہیں ہے اور آخرت میں ہلاکت کا خوف نہیں ہے۔

ے از کردہ گناہ خود نہ دارم باکسے ؛ در حشر حبیب گر شفیعم باشد

اپنے کئے ہوئے گناہ سے مجھے کوئی ڈر نہیں ہے اگر حشر میں حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرے شفیع ہوں

ابو طالب مکّی قدّس اللہ رُوحہٗ کتاب قوت القلوب[2] میں لکھتے ہیں کہ اسی معنیٰ میں سے آیۃ:- عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (قریب ہے کہ آپکا رب آپکو مقامِ محمود پر کھڑا کر دے) ہمی نائلۃ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ (اللہ نے چاہا تو یہ پانے والے ہیں) اسی معنیٰ کا بھید ہے۔

---

[1] مقامِ محمود ایک خاص مقام قیامت میں عطا ہوگا جہاں کھڑے ہو کر محمد نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم امت کی شفاعت کریں گے۔

[2] قوت القلوب کے لئے دیکھئے پیچھے صفحہ پر

نظم :-

چوں عرش خدائے می بخشد ؛ از لطف قدیم خود بہ مختار

جب تخت خدا بخش دیتا ہے ؛ اپنی قدیم مہربانی سے مختار (اختیار والے) کو

مختار برائے ما بخواہد ؛ از حضرت او رضائے دیدار

مختار ہمارے واسطے چاہتا ہے ؛ اسکی درگاہ سے دیدار کی رضا

تحقیق بباید آنچہ خواہد ؛ تو شبہہ خود ز راہ بر دار

بے شک پاتا ہے جو کچھ چاہتا ہے ؛ تو اپنی شبہہ کو راستے سے ہٹا دے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے)۔ اس معنی اور اشارے کا بھید ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (پس میری اتباع (پیروی) کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا) ان خزانوں کی کنجی ہے۔

الحديث الاحد عشر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک دن اُحد (پہاڑ) پر آپکی نظر پڑی۔ فرمایا یہ پہاڑ مجھے دوست رکھتا ہے اور میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ اے اللہ، بے شک ابراہیم علیہ السّلام نے مکہ کو حرام (حرمت والا) بنادیا کہ مکہ کی تعظیم فرض ہو گئی۔ میں نے اس پہاڑ کو حرام (حرمت والا) قرار دے کر اس مقام سے اُس مقام تک پہونچا دیا۔

جب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اُحد پہاڑ پر پڑی، وجد میں آگئے گویا کہ جو معنی مہتر کلیم (موسیٰ علیہ السلام) نے طور پہاڑ پر دیکھے تھے آپ نے اُحد پہاڑ میں مشاہدہ فرمایا

جب رب کی تجلی جبل طور پر ظاہر ہوئی تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰ علیہ السّلام کو بے ہوشی طاری ہوگئی اور آپ نیچے گر پڑے۔ اس کے بالمقابل اُحد پہاڑ تجلی کے وقت سلامت رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرور (خوشی) کے مقام پر تھے۔

فرمایا طور کی تجلی غصّے کے عالم میں تھی لیکن اُحد کی تجلی لطف (مہربانی) کے عالم میں ہوئی کوہ سلامت رہا اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت (بزرگی) قائم رہی۔ اگر بصیرت کی آنکھ ہو تو اس قصّے کی شرح طویل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کے مقام اور ناز ونیاز کے مرکز سے فرمایا کہ ایک دوست (خلیل) نے دوستی کے مقام سے مکّہ کو حرام (حرمت والا) بنادیا اور شکرانے میں بیٹے اسماعیل کی قربانی پیش کردی میں بھی اسکی متابعت (پیروی) میں ایک جماعت کو شکرانے کے بطور اس مقام پر لاؤں اور تو شہادت کے خنجر سے اس کا خون بہادے۔ خلیل کی قربانی کے لئے گوسپند (دنبہ) آیا تھا وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ؕ

اُحد کے مقتولین کی دیت (خون بہا) مَنْ قَتَلَهٗ فَاَنَا دِيَتُهٗ ؕ

مصراع۔ کسے سرش نمی داند زباں درکش زباں درکش (کوئی اس کا بھید نہیں جانتا زبان کو روک زبان کو روک)

الحدیث الثانی عشر ۱۲

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا ہے بے شک چشم (آنکھ) عالم ملک (دنیا) سے ہے اس لئے خواب (نیند) کی صفت سے موصوف ہوئی۔ دل عالم ملکوت (عالم ارواح) سے ہے بیدار کی تعریف سے معروف ہے اے برادر! آنکھ طبیعت کے قلعے کی سیڑھی ہے اور دل طبیعت کے قلعے کا قید کیا ہے

آنکھ مقصود کو سامنے دیکھتی ہے لیکن دل محبوب کو سامنے دیکھتا ہے چونکہ آنکھ آرام پاتی ہے تو سو جاتی ہے لیکن دل محبوب کے لامتناہی (بے انتہا) عالم کا ناظر (دیکھنے والا ہے) اس کو دید سے دہشت ہوتی ہے اور دریافت (پانے) سے شیفتگی (پریشانی) ہوتی ہے الا باتوں سے وہ جاگتا رہتا ہے سبحان اللہ (پاک ہے اللہ) دل کو یہ طاقت ہے کہ آنکھ کو سلا دے آنکھ کو یہ قوت نہیں کہ دل کو خراب (ویران) کرے۔

اے برادر! آنکھ کلیم (موسیٰ علیہ السلام) کے مرتبہ میں آئی ہے اَرِنِی اَنظُرْ اِلَیْکَ (دکھا مجھکو میں تجھے دیکھونگا) دل حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتبے میں آیا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ (کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف) ہوتی ہے۔ ناچار آنکھ لَنْ تَرَانِی (تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) کا زخم کھاتی ہے اور دل انا ذار کے خلعت پہنتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک کا عالم، ملکوت کے عالم کا پرتو (سایہ) ہے

الحدیث الثالث عشر ۱۳

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ و رسول پر ایمان لاتا ہے اور نماز کھڑی کرتا ہے اور رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کا اللہ پر حق ہے کہ اللہ اس کو جنت میں داخل کرے۔ خواہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا ہو یا اپنے مرکز ولایت میں بیٹھے رہنے والا ہو۔

اے برادر! دل اللہ کی ہستی کی تصدیق کرتا ہے تو زبان محبوب کے ذکر میں حرکت کرتی ہے دل کو فکر میں ایک وسیلہ چاہیئے اور زبان کو ذکر میں یقین چاہیئے دل کا وسیلہ ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور زبان کا یقین مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

جب دل نے توحید کے معنیٰ کا تمسک (گرفت) کیا اور زبان کو توحید کی صورت کا ذریعہ حاصل ہوا تو تن کو روزہ و نماز سے تعلق پیدا ہوا تاکہ مہمل اور معطّل نہ رہے۔

۱۴

الحدیث الرابع عشر

ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ گواہ رہیئے میرے کام پر جو مجھے بہشت سے قریب کردے اور دوزخ سے مجھے دور کردے پس فرمایا آپ نے اللہ کی بندگی کر شریک مت کر اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نماز کھڑی کر اور زکوٰۃ ادا کر اور ہمیشہ رحم کیا کر۔

اے برادر! جو شب و روز وَحدہٗ کہتا ہے اور سال و ماہ غیر پر نظر رکھتا ہے مخلص موحد اس کی توحید پر ہنستے ہیں اور اعتقاد والے عارف زنّار (جینو) اسکی کمر میں باندھتے ہیں! سبحان اللہ (پاک ہے اللہ) جو شخص صحو و بیداری کے زمانہ میں شریعت کے احکام پر رجوع رہتا ہے اور اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ کی شرطیں پوری کرتا ہے اور تکبر اور بخیلی سے پاک رہتا ہے جب صحو (ہوشیاری) سے سکر (بے ہوشی) کے عالم میں بڑھتا ہے اور اونچے مرتبے پر پہونچتا ہے شبلی علیہ الرحمہ کی طرح ایک شبانہ روز تحیّر (حیرت) کی حالت میں رہے اور کہا کہ اے خدا! تیرے جمال کے عشق میں نماز فراموش ہوگئی۔ جو مرد توحید و ایمان والا ہے، اگرچہ کہ محراب کا طالب ہے وہ بہرحق ہے اگرچہ اَنَا الحق کا کہنے والا ہے ناچار استغراق (محویت) کے مقام پر غیر سے غنی (بے پرواہ) ہے فقیر کے مانگنے پر دیتا ہے۔ عزیز و اقارب سے مل کر رہتا ہے اور رحم کے شرائط (صلہ رحمی) بجالاتا ہے تو اکانے بندگی کے حقوق ادا کیے۔

الحدیث الخامس عشر ۱۵

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کی طرف نظر کی ۔ ان کو ایک پوستین میں دیکھا جس میں سوراخ ہو رہے تھے ۔ پس فرمایا علیہ السلام نے " اس مرد کی طرف دیکھو ۔ اللہ نے اس کے دل کو منور کر رکھا ہے ۔ میں نے اسکو دیکھا تھا کہ اس کے ماں باپ نے طیب (لطیف) کھانے پینے سے پرورش کیا تھا اللہ اور رسول کی محبت نے اسکو اس جگہ پہونچا دیا جہاں دیکھ رہے ہو ۔

اے برادر ! اگر آسمانِ شریعت کے آفتاب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مصعب بن عمیر کو نورِ ایمانی سے منور کرتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ خود اللہ کے منظورِ نظر تھے ہی ، مصعب بن عمیر کو اپنا منظورِ نظر بنا لیا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کیلئے اصحابی کالنجوم (میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں) فرماتے تھے ۔ مصعب کے آئینۂ دل کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے صقال (صیقل کرنے والے) نے مصفا (صاف ستھرا) کر دیا تھا ۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مطلب کی بات ان میں دیکھی تو اشارۃً خطاب کیا ، خاص طور سے عاشقوں کو کہ " انظروا الی ھذا الرجل (اس شخص کی طرف نظر کرو) اس معنی کو سمجھنے کے لئے ذوقِ سلیم چاہیئے اور نوّر اللہ قلبہٗ (اللہ نے اس کے قلب کو منور کر دیا ہے) جو فرمایا ، وہ اس لئے تھا تا کہ مصعب کی نظر مصغرِ (تکلیف دیئے ہوئے) سے اٹھ جائے اور وہ دل کی قوت سے شہود کے دامن میں لٹک جائے ۔ واہ واہ پیرِ مشفق ! کہ مرید کو دم بھر کے لئے بھی اکیلا نہیں چھوڑا کہ وہ نفس اس کے راستے (سلوک) کا روڑا بن جائے لا الٰہ الا اللہ

عاشق اگرچہ شروع میں ناز و نعمت سے نوازا جاتا ہے مگر آخر میں نیاز (آرزو - تمنا) سے پگھلایا جاتا ہے - وجہ یہ ہے کہ کارِ عشق کا مدار شروع میں ختل (دغا فریب) پر ہے اور آخر میں قتل پر - العشق اَوَّلُہٗ ختلٌ وَاٰخرہٗ قتلٌ (عشق شروع میں ختل ہے اور آخر میں قتل) سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعاہ حب اللّٰہ ورسولہ الی ماترون (اللہ و رسول کی محبت نے اسکو اس مقام پر پہونچا دیا جو کہ دیکھتے ہو) یعنی غنیت (بے نیازی) سے قلت (کمی) پر اور دولت (خوش حالی) سے محنت (تکلیف) پر - بے شک محبت نے مہتر زکریا معصوم علیہ السلام کو آرے کے نیچے لے آئی اور اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری رکھوادی اور خلیل جلیل علیہ السلام کو آگ میں ڈلوادیا اور مہتر ایوب علیہ السلام کے قالب (جسم) کو کیڑوں کی خوراک بنادیا اور بلاؤں کے گوپھن سے محنت کا پتھر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لب اور دانتوں پر چلوادیا - لہٰذا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دولت سے محنت میں پہونچا دیا اور غنیت سے قلت میں گرادیا تو تعجب کی بات نہ تھی -

الحدیث السادس عشر[۱۶]

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہٗ (مومن) کہتا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو اللہ عز و جل کی طرف سے خطاب ہوتا ہے کہ سچ کہا میرے بندے نے لا الٰہ الا انا (نہیں ہے کوئی معبود سوائے میرے) اے فرشتو! گواہ رہنا کہ میں نے اس کے صدق مقال (سچ کہنے) کی برکت سے اس کے کئے بڑے گناہ سے درگزر کیا -

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ملکوت کے بینا (دیکھنے والے) اور جبروت کے بھیدوں کے دانا (جاننے والے) تھے جب عزت کے براق پر بیٹھتے تو ملک (دنیا) کے

سلہ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا (غالب)

عالم سے گزر جاتے۔ جب جبرئیل علیہ السلام کے پنکھ پر حوصلے کے ساتھ جاگزیں ہوتے تو ملکوت سے خبر لاتے اور جب کرامت (بزرگی) کے جبروت پر سوار ہوتے تو جبروت کا اثر ظاہر ہوتا اور جب قربت (نزدیکی) کے رفرف پر آتے غیب کے بھیدوں سے باخبر ہو جاتے اور حالتِ وجد میں عاشقانِ سرانداز (ناز سے اٹھلا کر چلنے والے) اور مشتاقانِ جاں باز (جان پر کھیل جانے والے) صحابہ کو بھیدوں کی خبر کرتے تھے۔ خبروں کا لگاؤ آپ ہی کی طرف تھا چونکہ آپ ہی خبر دینے والے اور خبر پانے والے بھی تھے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے)۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقول اللہ عزوجل صَدَقَ عَبْدِیْ (فرمایا اللہ عزوجل نے میرے بندہ نے سچ کہا) سبحان اللہ! حضرتِ معبود اپنی الوہیت (معبود ہونے) پر خود ہی گواہ ہے اور بندے کی شہادت (گواہی) کا مصدّق (تصدیق کرنے والا) ہے۔

اے برادر! جب حاکم عدل (عدل وانصاف والا) ہوتا ہے، اپنے شہود کی عدالت (انصاف) کرتا ہے۔ جب شاہد (گواہ) کا مصدّق (تصدیق کرنے والا) حاکم ہوتا ہے تو شہادت (گواہی) قبول ہو جاتی ہے۔ وَذٰلِكَ سِرٌّ عَجِيْبٌ (اور یہ عجیب بھید اور راز ہے)۔

بر صدقِ تو شاہد است یزداں ؛ زنہار مدار از گناہاں
اللہ تیرے صدق پر گواہ ہے ؛ جا گناہوں سے مت ڈر
حاکم چو شہادتِ تو شنود ؛ آں را نہ کند بہ قہر مردود
حاکم جب تیری گواہی سن لیتا ہے ؛ اس کو اپنے غصّے سے مردود نہیں کرتا

فرمانِ الٰہی:۔ اے ملائکہ معصوم! تم نے ان (مخلوق انسان) کے بارے میں

کہا ہے اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء (کیا ایسے کو نائب کریگا جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے) جب تم نے انہیں سے قبول کی گواہی سن لی تو تم ان کے گواہ ہو جاؤ۔ اور تم نے اپنی عدالت (انصاف) خود کی ہے کہ ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك (اور ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں)۔ تو لا کیونکر تم ان کی والی گواہی کے خلاف جرح کر سکتے ہو؟ اب ان (انسانوں) کی مغفرت پر گواہ ہو جاؤ اور میرے حکم کے راز سے آگاہ ہو جاؤ تاکہ انی اعلم ما لا تعلمون (میں بے شک جانتا ہو جو تم نہیں جانتے) کا بھید ظاہر ہو جائے۔

اندر نظر خدائے عالم ؛	واللہ کہ مکرم آدمی بود
خدائے عالم کی نظر میں	اللہ کی قسم! کہ آدمی مکرم (عزت دیا گیا) تھا
گر ہست ترا خرد بدانی ؛	آدم بنمود، آں دمی بود
اگر تجھ میں عقل ہے تو جان لے	آدم ظاہری، اور تو خونی تھا

الحدیث السابع عشر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اگر کافر جان لے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی زیادتی کو تو نا امید نہ ہوگا جنت سے اور مومن جان لے اللہ کے عذاب کی شدت کو، تو محفوظ نہ ہوگا دوزخ سے"۔ فلک (آسمان) ملک (فرشتے) انبیاء اولیاء سب اس کے غصے کے رعب و دبدبے سے حیران و پریشان حال ہیں۔ حاکم عادل کے سامنے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہے بہتر داؤد علیہ السلام کو آگاہ کیا گیا تھا کہ میرے تدبیر سے ایمن نہ رہنا اللہ کی درگاہ کے تدبیر کی پوشیدگیوں اور اس کی عزت کے غصے کے اندیشے سے دونوں جہان میں کوئی محفوظ نہیں ہے یہ ایسا سمندر ہے جسکا کوئی ساحل (کنارہ)

نہیں۔

اے برادر! اگر تو عارف (پہچاننے والا) ہے تو جب تونے آیت لاَ یَاْمَنُوا مَکْرَ اللہِ (اللہ کے مکر سے امان نہیں ہے) مان لی تو بصیرت کی نظر آیت "لَا تَیْاَسُوا" (رحمت مایوس نہ ہو) پر بھی رکھ تاکہ تیرا دل خوف کی آگ سے آب (بے بس) نہ ہو جائے۔ اے بھائی! اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے دو ہزار سات سو سال قبل زیتوں کے پتوں پر لکھ دیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب (غصے) سے پہلے ہے لہٰذا کوئی خوف نہیں ہے۔

چوں فضل خدائے بے شمار است | با یاس دل مرا چہ کار است
جب خدا کا فضل بے شمار ہے | تو میرے دل کو ناامیدی سے کیا کام؟
با یاس مباش یک زمانے | بخشد بہ تو فضل او جہانے
ایک ساعت کے لئے بھی مایوس مت ہو | اسکا فضل تجھے ایک جہاں بخش دیگا

مختصر یہ کہ ہمارا ایمان "لَا تَقْنَطُوا" (مایوس مت ہو) پر ہے اور ہماری امید لَا تَیْاَسُوا" پر۔

الحدیث الثامن عشر

روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں مومنوں میں سے ان کے آدمیوں سے بہت اچھا (اولی) ہوں مومنوں میں سے جو کوئی مرتا ہے اور کوئی قرض چھوڑ جاتا ہے، اس کا ادا کرنا میرے اوپر ہوتا ہے اور اگر مال چھوڑ جاتا ہے خاص اسکے ورثاء کے لئے ہے۔ چونکہ کتاب کریم (قرآن) میں آیا ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھنے کے بعد اس بھید کے معنی کا اظہار کیا اور ان الفاظ میں خبر کی" اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ ہمارے نبی ہم سے بہت اچھے بس کام نکل گئے اور مرادیں پوری ہوئیں۔

ـــــــ

؎ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ (بے شک ہم نے بزرگی دی آدم کی اولاد کو) القرآن

؎ چوں خواجۂ ما بما قریب است کار دل ما بما عجیب است
جب ہمارے خواجہ ہم سے قریب نہیں ہمارے دل کا کام ہمارے ساتھ الوکھا ہے

عارفوں نے جو فرمایا ہے کہ امتوں نے انبیاء سے ہدایت پائی لیکن انبیاء نے امتوں کیلئے رسالت پائی۔ اس بات کی دلیل پیدا ہوتی ہے اور عقل کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ اگر مجرم نہ ہوتے تو کوئی شفاعت کی خلعت نہ پاتا۔ جب شفاعت کی بساط بچھائی جاتی ہے تشفیع (شفاعت کرنے والے) لوگ مجرموں کو تلاش کرتے ہیں تاکہ ان کے واسطہ سے کچھ زمانے تک قربت کی بساط پر کھڑے ہونے کی طاقت حاصل کریں اس معنی کی فہم کے لئے ذوق سلیم چاہیئے چونکہ تشفیع کے لئے مجرم کے واسطہ سے کام نکلتا ہے اور مراد میسر آتی ہے اگر اس کا قرض ہے اور اس کے لئے دعوت کے صفہ (چبوترے) پر ایک شمع روشن کرتا ہے تو کوئی عجب نہیں ہاں اس کے مال کی طمع نہ کرے قُل لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰه (آپ کہدیجئے اس پر میں اجر کا سوال نہیں کرتا۔ نہیں ہے کوئی اجر سوائے اللہ کے اوپر کے) اس معنی کا بھید ہے۔

؎ محبوب تشفیع مجرمان است مارا زغمش ازاں امان است
محبوب مجرموں کا تشفیع ہوتا ہے اسی لئے ہم کو اس کے غم سے امان ہے

الحدیث التاسع عشر [۱۹]

روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہتر کلیم کریم (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے مہتر آدم مکرم علیہ السلام کے پاس احتجاج (حجت) کیا کہ آپ ہمارے باپ آدم ہیں۔ آپ نے ہمارا نقصان کیا اور یار کے لطف وکرم سے باہر کر دیا۔ آپ نے ہم کو بے نصیب کیا اور جنت سے نکلوایا۔" مہتر آدم علیہ السلام نے جواب دیا آپ موسیٰ

(علیہ السلام) ہیں اور آپ نے اصطفار (برگزیدگی یعنی چنے جانے) کا خلعت حاصل کیا ہے اور مکالمت (باہم اللہ سے ہم کلام ہونے) کا شرف (عزت) حاصل کیا ہے۔ حضرت آفریدگار (خالق) عالم نے آپ کے واسطے قدرت کے ہاتھ سے توریت لکھی۔ آپ ایسے کام کیلئے مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ جو میری پیدائش کے چالیس سال قبل میرے لئے مقدر کر دیا گیا تھا مہتر آدم علیہ السلام اصل وجود تھے اور مہتر کلیم علیہ السلام ان کی شاخ۔ اصل جو ہے وہ فرع (شاخ) سے مستغنی (بے پرواہ) ہوتی ہے اور شاخ اصل (جڑ) کی محتاج ہمیشہ رہتی ہے اس نسبت سے احتجاج کے مقام پر شاخ (موسیٰ) اصل (آدم) سے مغلوب ہے۔ مہتر کلیم آدمی تھے اور مہتر آدم آدمی زادہ خون جنا کے لئے فرشتوں نے ان کی پیدائش سے پہلے اللہ سے کہا تھا کہ یہ دنیا میں جا کر فساد پھیلائیں گے اور خون بہائیں گے) اسی طرح آدمی، آدم کے باپ اور آدمی آدمی کے بیٹے ہوئے۔ اس بات سے "اَنْتَ اَبُوْنَا" (آپ میرے باپ ہیں) کا بھید ظاہر ہوتا ہے۔ مہتر آدم ابداعی (نئی چیز نکالنے والے) سے تھے "خَلَقْتُ بِیَدَیَّ" (تجھے پیدا کیا میں نے اپنے ہاتھ سے) اس بھید کی تائید "فَاِذَا سَوَّیْتُ" (پس جب تجھے سنوارا) سے ہوتی ہے۔ اور "وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" (اور تجھ میں میں نے اپنی روح میں سے پھونک دیا) تمام بھیدوں کا اظہار کر دیتا ہے پھر تو مہتر کلیم کریم کی ابنیت (بیٹا ہونا) پیدائشی تھا لہٰذا "اَنْتَ اَبُوْنَا" (آپ میرے باپ ہیں) بالکل درست ہوا مہتر کلیم نے جو یہ کہا کہ آپ نے ہم کو جنت سے نکلوایا اب ہم کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں مہتر آدم مکرم نے جواب دیا کہ آپ کو جو بزرگی و عزت اللہ کے نزدیک حاصل ہے وہ یہ ہے کہ آپکی بے واسطہ (سیدھی) مکالمت (بات چیت) اللہ سے ہے جب محبوب اپنا عشق نامہ (محبت کا خط) خود لکھتا ہے تو جاننا چاہیئے کہ اس کی درگاہ کے امین (امانت دار فرشتے) اور محرم راز (راز کے جاننے والے) کوئی نہیں ہوتے۔

چوں در آمد وصال را حالہ محو شد گفت و گوے دلالہ

جب محبوب کے وصال کے لئے حال کی کیفیت آگئی تو درمیان میں دلالہ (رکھنے) کی گفتگو مٹ گئی

جب عالم بالا کے مقدس فرشتوں اور اعلیٰ ذی روحی کے معتکفوں نے اس راز کو معلوم کیا تو فریاد اٹھائی کہ حج آدم موسیٰ حج آدم موسیٰ (آدم اور موسیٰ میں حجت ہوئی)

الحدیث العشرون

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا حضرت نوح علیہ السلام خوف اور گریہ گزاہٹ کے عالم میں لبیک وسعدیک کہتے ہوئے حاضر ہوں گے خطاب ہوگا "ہمارا فرمان ہمارے بندوں کو پہونچایا تھا؟" حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے ـ" آپ تو بھیدوں کو جاننے والے ہیں۔ آپکو معلوم ہے کہ میں نے پہونچایا" تب ان کی امت کو خطاب ہوگا کہ" نوح نے ہمارا فرمان تم کو پہونچایا"؟ تو وہ لوگ انکار کی راہ سے آنسو بہاتے ہوئے جواب دیں گے ما اتانا من نذیر (کسی ڈرانے والے نے ہم کو آپکے قہر کے دبدبے سے ہم کو خبر نہیں کی) تب مہتر نوح بافتوح (کامیابی والے) کو حکم ہوگا کہ" گواہی پیش کرو اپنے صدق مقال (سچ بولنے) کی" نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ" میرے گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہیں"۔ اب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ" میں اور میری امت گواہی دیں گے کہ مہتر نوح علیہ السلام نے خدائی فرمان پہونچایا تھا" اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کتاب حمید مجید (قرآن) کی پڑھی" وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ) حضرت آفریدگار عالم (اللہ) کہ فضل

کرنا انکی نعمت ہے اور عدل انکی صفت ہے' انبیاء معصوم سے شہادت طلب کراتا ہے حالانکہ حاکم کو حادثے کی خبر ہوتی ہے اور واقعہ اس کی نظر میں ہوتا ہے پھر بھی فریقوں کے دلوں کے اطمینان کے واسطے گواہ مانگتا ہے ۔ مَنْ یَشْهَدُ لَكَ یَا نُوحُ (اے نوح: تمہارے گواہ کون ہیں ؟) اس معنی کا بھید ہے ۔

اے برادر! (سمجھنا چاہیئے کہ) مخالفت والا کام اگر بے خودی کے عالم میں کیا جائے ۔ چونکہ حکم کا ترک کر دینا ہے ۔ کسی کا یہ اقدام قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے کیلئے مایوسی کا باعث ہوتا ہے چنانچہ یہ دعا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے رب ہمارے ہم نے اپنی نفسوں پر ظلم کیا) مانگنی (آدم وحوا) کو تلقین کر دی گئی تھی جب کہ ابلیس کے لئے "اَبیٰ وَ اسْتَکْبَرَ" (انکار کیا اور تکبر کیا) اللہ کے حکم سے تھا ۔ مختصر یہ کہ محشر کے دن اس بڑے مجمع میں سلطان جلال وجمال وکمال (مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوقات کو دکھانا چاہتا ہے ورنہ بہتر نوح کی تبلیغ میں کوئی شک نہ تھا ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ انبیاء امتوں پر گواہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شاہد (شہادت دینے والے) یعنی امتوں کا انصاف انبیاء پر تمام ہوتا ہے اور انبیاء کا انصاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ترتیب پاتا ہے ۔ ؎ برنوح گواہی بہ حق داد :: بکشاد در نجات وارشاد

(محمد نے) حق کے سامنے نوح پر گواہی دی :: نجات وارشاد کا دروازہ کھول دیا

الحدیث احد والعشرون ۲۱

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کے ایک حلقے کے درمیان سے گزرے تو فرمایا "تم لوگ اس جگہ کیوں بیٹھے ہو"؟ وہ کہنے لگے "ہم لوگ اس لئے بیٹھے ہیں تاکہ اپنے معبود اللہ کو یاد کریں اور اسکی حمد کریں اس بات پر کہ ہم کو اسلام کا راستہ دکھلایا بقدر طاقت" سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

کہ اسی ساعت جبرئیل امین نے میرے پاس آکر کہا کہ بار خدائے جہاں فرشتوں کے سامنے اس قوم (آدم) پر فخر کرتے ہیں۔ آدمی زاد جس وقت کہ ذکر و ثنا میں مشغول ہوتا ہے بشریت کے مرتبے سے گزر کر ملکیت کے عالم میں جا پہونچتا ہے کیونکہ بالطبع ملک (فرشتے) ہی ذاکر ہوتے ہیں۔ آدمی زاد بھی ذاکر ہے مگر بشرع اور عالم معنٰی میں شرع کی اطاعت کرنے والا طبع کی اطاعت کرنے والے سے کہیں زیادہ قبولیت کے عالم میں قربت رکھنے والا ہے۔ ایسے پر کیا کیا کہنا کہ مرید کو ملائکہ پر جلوہ آرا کر رہا ہے اور ان کے عشق کو معصوم (فرشتوں) پر پیش کر رہا ہے یہی جماعت تو ہے جس نے اعتراض کیا تھا کہ آدم کو پیدا کر رہے ہو جو فساد کریں گے اور خون بہائیں گے اس پر خالق انسانیت نے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے "

؎ کسے سرش نمی داند زبان درکش زباں درکش (کوئی اسکا بھید نہیں جانتا زبان بند رکھ زباں بند رکھ)

؎ عشقت کہ از جہاں صورت ؛ بر چرخ برد ترا ضرورت
تیرا عشق ہے کہ تجھے دنیا کے ظاہر سے ؛ ضرور تجھے آسمان پر لے جاتا ہے
عشقت کہ از جہان معنٰی ؛ بے واسطہ حروف دعوٰی
عشق ہی ہے کہ تجھے معنی کی دنیا سے ؛ حروف دعوٰی کے واسطہ کے بغیر
عشقت کہ می کشد سحرگاہ ؛ مر جان ترا بہ حضرت شاہ
عشق ہی ہے کہ صبح کے وقت کھینچتا ہے ؛ تیری جان کو شاہ کی درگاہ کی طرف
عشقت ہمی کہ کرد آباد ؛ مر چشم ترا بہ آتش و باد
یہ عشق ہی ہے جس نے آباد کیا ؛ تیری آنکھ کو آگ اور ہوا سے

الحدیث الثانی والعشرون ۲۲

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا۔ اے

ابا ہریرہ جا! میرا جوتا لیکر۔ اس دیوار کے پرے جس شخص کو دیکھے کہ کلمۂ توحید کا تصدیق کرنے والا ہے اس کو بہشت کی بشارت دے۔ لا الٰہ الا اللہ جیسے ہی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ مقام استغراق میں تھے مشاہدۂ جمال کے بعد اس نے فرمایا کہ دونوں جوتوں نے ستارے کے سر کو چھوا ہے اور عرش کی چوٹی پر چڑھے ہیں ان کا دیکھنا جنّت کی بشارت ہے۔ کلمۂ توحید کا پڑھنے والا اہلِ یقین میں سے ہوتا ہے۔ تو بہشت گویا اسکی نزول راہ ہے عجب نہیں کہ حضرت اللہ کا مبشّر (بشارت دینے والا) بادشاہ کی تائید سے اس کلمہ گو کو اپنے سے فارغ ہو کر محبوب کے ساتھ مشغول ہونے کی بشارت دیدے۔

آں را کہ ز محبوب بشارت باشد	سودے دلش از عشق اشارت باشد
جس شخص کو محبوب کی طرف سے بشارت ہوتی ہے	تو اسکے دل کا نفع گویا عشق سے عبارت ہوتا ہے
گر صلح کند بجنّت او خستہ جگر	واللہ کہ نصیب او خسارت باشد
ایسا خستہ حال اگر جنّت پر راضی ہو جائے	قسم اللہ کی ایسے کا نصیب گھاٹا کھاتا ہے

اے برادر! اگر بہشت اور اسکی نعمتیں عاشقوں کی ہمّت کے ترازو میں ایک دانے کے برابر کے وزن کی ہوتیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکی بشارت کیلئے عمامۂ مبارک بھیجتے۔ چونکہ نعلین (جوتے) بھیجے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہشت (تو محض) راہ ہے۔ اصلی مقصود پیشگاہِ الٰہی ہے۔

اے دوست! بہشت عاشقاں را	راہ راست ازاں بہ طوع بگذر
اے دوست! عاشقوں کے لئے بہشت	راستہ ہے۔ اس سے خوشی خوشی گزر جا
زنہار مخواہ آں ز محبوب	در روے بقبول ہیچ منگر
اس (بہشت) کو محبوب سے ہرگز مت چاہ	اس میں ذرا بھی قبول کی نگاہ مت کر

گر طالب آں شدی بہ ہمت ۔۔۔ خود را تو ز عاشقانش بشمر

اگر اس ہمت کیساتھ اس (بہشت) کا طالب ہوتا ہے ۔۔۔ تو اپنے تئیں اس (محبوب) کے عاشقوں میں شمار مت کر

الحدیث الثالث والعشرون

ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ڈھانچہ ماں کے پیٹ میں جمع ہوکر چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے - چالیس دن تک علقہ (جما ہوا خون) اور چالیس روز مضغہ (گوشت کے ٹکڑے) کی شکل میں رہتا ہے ۔ اسکے بعد ارحام (بچہ دانیوں) کے فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ اس مقدس مادے کو زندہ کرکے غیب کے چار کلمے اس تک پہونچائے اور اس کو آگاہ کرکے وہ کلمے اسکے وجود کی تختی پر لکھ دے :-

(۱) اس کا رزق (۲) اس کی اجل (موت) (۳) اس کا عمل (۴) اس کے کاموں کے نتیجے یعنی سعادت (بھلائی) اور شقاوت (بدبختی) اس پر ظاہر کردے ۔ خدا کی قسم کہ تم میں سے کوئی درستی اور راستی کے ساتھ اہل بہشت والا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان ایک گز کی دوری رہ جاتی ہے اسی طرح اس سے ایسا عمل ظہور میں آتا ہے جو آگ کا مستحق ہوتا ہے اور وہ اہل دوزخ والا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور آگ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے ۔

سبحان اللہ ! عالم کا بنانے والا پروردگار اپنے فضل خلاقی سے بچے کو پیدا کرتا ہے اور رزاقی سے پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ اس پر اپنی محبت کے آثار و انوار فرشتوں پر ظاہر کرتا ہے انسان کے نطفے کو اس کے صلب (پیٹھ کی ہڈیوں) سے نکال کر رحم میں چالیس شبانہ روز رکھکر پوشاک سے لپیٹتا ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ چالیس چالیس دن کے وقفے سے ترقی دیتا ہوا زندگی بخشتا ہے اور اپنا دوست و بندہ بناتا ہے لا الٰہ الا اللہ ۔ عالم قبول میں بہشت اور عالم رد میں دوزخ

اسکی جزا و سزائیں مقرر فرمائی۔

الحدیث الرابع والعشرون ۲۴

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمام امت بہشت میں جائے گی مگر وہ لوگ کہ میرے نافرمان ہوں انکار کرتے ہوں۔ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ (جس نے رسول کی اطاعت کی پس اس نے ضرور اللہ کی اطاعت کی) قرآن کریم میں آیا ہے سبحان اللہ! ملائکہ معصوم نے بار امانت اٹھانے سے انکار کیا تھا۔ جو شخص میرا نافرمان ہوتا ہے وہ انکار کرتا ہے اور انکار کرنے والا ابلیس کا ساتھی ہوتا ہے" فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (پس میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

الحدیث الخامس والعشرون ۲۵

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص آگ (دوزخ) سے باہر آجائے گا جس نے کہا ہوگا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) اور ہوگی اس کے دل میں بھلائی سے ایک جو کی مقدار کے برابر۔ احکام نبوی کو عقل کی ترازو نہیں تول سکتی اسکی مثال ایسی ہے کہ جس ترازو سے سونا چاندی تولی جاتی ہے اسی ترازو سے ایک پہاڑ تولنے لگیں تو اسکا وجود ہی نہ رہ جائے گا اور وہ مٹ جائے گی۔

اے برادر! بھلائی بانٹی نہیں جا سکتی تھوڑی سی بھلائی بھی بہت ہوتی ہے اسکی ضعیف مقدار بھی وزن دار ہوتی ہے۔ بھلائی (خیر) جو ہے وہ نور ہے۔ نور آگ (نار) کو اپنی طاقت سے کمزور کر دیتا ہے اور اسکی حرارت کو چھین لیتا ہے دل کے خانے کو نور سے بھرنے کے لئے بھلائی کے نور کا ایک ذرہ کافی ہوتا ہے تاکہ مخلوق خدا پروردگار کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔

؎ یک ذرہ خیر گر بود حاصل تو   از آتش قہر کے بسوزد گل تو

بھلائی کا ایک ذرہ بھی اگر تجھے حاصل ہے تو قہر کی آگ سے تیری رگ رگ رہتی جسم کیسے جل سکتی ہے

الحدیث السادس والعشرون

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت و دوزخ میں تکرار ہو گئی۔ دوزخ نے کہا کہ مجھ میں جباران گردن کش اور متکبران مردم کش آتے ہیں۔ بہشت نے کہا مجھ میں ضعیفان بارکش اور مسکینان حال مشوش (پریشان حال) آتے ہیں" حضرت ذوالجلال کی طرف سے دوزخ کو خطاب ہوا کہ "تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے عذاب کرتا ہوں جس کو چاہتا ہوں؟ بہشت کو فرمان ہوا کہ "تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے میں بخشواتا ہوں جس کو چاہتا ہوں" لا الہ الا اللہ عرف (عام بول چال) میں دوزخ کو بہشت کا ضد اور بہشت کو دوزخ کا ضد کہا جاتا ہے مگر عشق کی راہوں کے سالک (چلنے والے) دوزخ کو فراق (جدائی) کا موقع اور بہشت کو موعد وصل (محبوب سے ملنے کی جگہ) جانتے ہیں. لیکن عارف (خداشناس) لوگ بہشت کو لطف کی صفت کا اثر اور دوزخ کو قہر (غصے) کی صفت کا اثر کہتے رہیں کیونکہ عارفوں (اللہ کے ولیوں) کی نظر عالم وحدت (یکتا) پر رہتی ہے نہ کہ کثرت (انیکتا) پر۔ چونکہ ظاہر نظر میں (دوزخ اور بہشت) دو (عدد) دکھلائی دیتی ہیں اور ضدیت کے لائق نظر آتی ہیں لہٰذا ان (دونوں) کی حجت کی بات چھڑ گئی۔ احتجت النار والجنۃ۔

اے برادر! جو شخص بھی دوزخ کے خوف سے بے قرار رہتا ہے اور بہشت کی امید سے زار (عاجز) رہتا ہے اور اہل دیدار نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناجات میں فرمایا ہے۔

ع از چنگ ہوا اگر برستی ‏ ‏ ‏ حق راز برائے حق پرستی

اگر خواہشات کے پنجے سے تو چھوٹ جائے ‏ ‏ ‏ تو حق (خدا) کو برائے حق تو پوج سکتا ہے

اگر بہر نعیم و خوفِ آتش   خود را بکُن بر و مشوش

(جنت) کی نعمتوں اور (دوزخ کی) آگ کے خوف سے   اپنے تئیں ان سے پریشان مت کر

در عالمِ عشق خوفِ اغیار   واللہ کہ بُت بود زنّار

عشق کے عالم میں غیروں کا خوف   واللہ زنّار (جنیو) اسے بت بن جاتا ہے (دیکھی کا سانپ بانکا بتنگرہ)

الحدیث السابع والعشرون

عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا تھا اور اس کے ساتھ اس کا غیر نہ تھا اور عرش مجید اس کا پانی پر تھا اور لوح محفوظ پر مشیت (تقدیر) کے قلم سے احکام لکھ دیئے تھے۔ اسکے بعد قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ مَعَهٗ (خدا تھا اور اس کے ساتھ کچھ بھی نہ تھا)

اے برادر! نقاش چابک دست نے لوحِ مصفّا پر ایک صورتِ زیبا اور پیکرِ رعنا نقش کر کے ایک مدت تک رکھا۔ اس کے بعد سب کو مٹا دیا۔

ع نقاشِ قضا بہ لطف خود بنگارد   بیروں ز شمار صورت و بگذارد

قضا کا نقاش اپنے لطف سے بناتا ہے   صورتیں شمار سے باہر اور چھوڑ دیتا ہے

ہر گہ کہ نخواہد از سرِ قہاری   آں را بموکّل بلا بسپارد

جس وقت کہ قہاری کے بھید سے نہیں چاہتا   اس کو بلا کے فرشتے کو سپرد کر دیتا ہے

سبحان اللہ! اس کا عرش مجید پانی پر تھا۔ بے شک عرش سے مراد بقائے ابد (ہمیشگی کی بقا) تھی اور پانی سے مراد ہمیشہ کا زمانہ ہے۔ مہتر سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر تھا اگر خدائے اکبر کا عظیم عرش مجید پانی پر ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ عرش عالم حدوث (نئی ایجاد) اور پانی بھی عالم حدوث سے ہے اور حضرت الٰہ حدوث سے پاک۔ اگر عرش سے مراد مومن کا دل لیا جائے بحکم قلبُ المومن

عرش اللہ (مومن کا دل اللہ کا عرش ہے) تو بھی روا ہے اور دل کی نشست معرفت (خداشناسی) کے پانی پر ہے۔

ے عرش است دلت اگر بدانی | دل را تو ہمیشہ عرش خوانی
اگر تو جانے تو تیرا دل عرش ہے | دل کو تو ہمیشہ عرش کہہ
برعرش چو استو است معلوم | خود را تو مداں زعرش محروم
جب معلوم ہے کہ عرش پر کوئی سوار ہے | تو اپنے کو عرش سے محروم مت جان

لاالٰہ الااللہ ۔ عرش عالم جبروت سے ہے اور لوح عالم ملکوت سے ہے۔ قدرت کاملہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تا کہ عالم ملک بھی آباد رہے

پاک است خدا ز عرش و کرسی | تشبیہ ز راہ خویش بردار
خدا عرش و کرسی پاک ہیں | اپنے راستے سے تشبیہ کو اٹھا لے
تا تو بنہانی اے برادر! | در آتش بُعد او گرفتار
تا کہ تو اے برادر! نہ رہے | اس کے بُعد کی آگ میں گرفتار

الحدیث الثامن والعشرون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جو شخص راضی ہوا اللہ کے رب ہونے سے، اسلام کے دین ہونے سے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے تو جنت اس پر واجب ہوگئی لاالٰہ الااللہ ۔ خدائے پروردگار کی رضا عقل اور روح کے لوازمات سے ہے عقل کے ذریعے خالق حقیقی کا وجود معلوم ہوتا ہے اسی طرح روح عالم امر سے ظہور میں آئی تو اسے بھی خدائے پروردگار کا یقین ہوگیا۔ آگے چل کر عقل و روح کو قدرت کے راز سربستہ معلوم ہوئے البتہ روح کو جو راز معلوم ہوئے ان کو مصلحتاً پوشیدہ رکھا لیکن اب عقل و روح دونوں نے رب کی حقیقت سے آشنا ہونا چاہا لیکن کامیابی

نہ ہوئی تو عاجز ہو کر پکار اٹھیں کہ لَا عِلْمَ لَنَا کی آیت پڑھی (اے رب ہمارے ہمارے علم میں کچھ نہیں سوائے اس کے جو کچھ تونے ہم کو سکھایا) علیٰ ہٰذا القیاس بارگاہِ الٰہی کے مقرب فرشتے بھی اس ضمن میں عاجز پائے گئے۔

عقل نے بھی خدا کو پہچاننے سے عاجزی کا اظہار کیا اور روح نے تو ہتھیار ہی ڈال دیئے کیونکہ وہ تو اپنے آپ کو نہیں پہچان رہی تھی تب عقل کو حکم ہوا کہ ہماری حقیقت کو نہیں بلکہ ہماری صفات کے ذریعے ہم کو پہچان۔ عقل کو اب عبودیت کا راستہ مل گیا اور وہ رب سے راضی ہو گئی۔ روح نے بھی وہی کیا جو عقل نے کیا تھا اس طرح عقل سرمایۂ بندگی کے وسیلے سے اور روح دوستی کے طفیل کامیاب ہوئی۔

الغرض عقل و روح کو جو کچھ حاصل ہوا تھا پردے میں تھا۔ لہٰذا اللہ نے ان دونوں کے نور کو پیدا کیا۔ طبیعت کو پیدا فرمایا اور طبیعت کو روح کے واسطہ سے زندہ رکھا اور عقل کے طفیل سے دانا کیا عقل و روح اب شجرۂ رضا کے ثمرہ کے واسطہ سے بارگاہِ خداوندی میں پہونچیں۔

عقل و روح سعادتِ رضا کے حصول کے لئے لقائے دید کے لئے تڑپتی رہیں۔ جب یہ حاصل ہوئی تو اسلام کی راہ کھلی اور دولتِ ایمان نصیب ہوئی خدا کی نظر میں محبوب و منظور ہوئیں۔ اور اللہ کی طرف سے رہنمائی ہوئی کہ تم مرشد کی تلاش میں نکل پڑو اس طرح عقل و روح کو وہ سرمایہ ملا جو نعمتِ غیر مترقبہ تھا یہ ہے مقامِ رضا پر پہونچ کر مقامِ وصل کا حصول۔ جو اپنے کو ہادی اور مرشد کا تابع کر چکا اس کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہو گئی۔

الحدیث التاسع والعشرون

انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں مجھ سے پہلے رکوع نہ کرو۔ میرے سجدے پر سبقت

مت کرو۔ میری برخاست (لوٹنے) سے پہلے (سجدے سے) اٹھ مت جاؤ اور میری بازگشت (واپس لوٹنے) سے پہلے پھر کر مت آ جاؤ کہ میں تمہیں دیکھوں گا کہ صفاً میں کھڑے ہو اور تم نے تو میری اقتدار (پیروی) کی ہے ۔" پس فرمایا (آپ نے) "اس خدا کی قسم کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس کے قبضۂ اقتدار میں ہے کہ اگر جو میں دیکھ رہا ہوں تم دیکھ پاؤ تو تھوڑا ہنسو گے (مگر) زیادہ روؤ گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کیا دیکھتے ہیں! فرمایا "بہشت اور دوزخ کو (دیکھتا ہوں)" لا الٰہ الا اللہ ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشوائے امت ہیں اور ملت کے مقتدا (دین سردار)۔ آپکی مخالفت شرعاً اور طبعاً جائز نہیں ہے اور کوئی حائل مخالفت کے لائق نہیں ہے لا الٰہ الا اللہ ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصل وجود ہیں ۔ دلیل راہ شہود ہیں ۔ صاحب مقام محمود ہیں ۔ انکے خلاف کرنا اور ان پر سبقت (پہل) کرنا عقل سے بعید بات ہے ۔

؎ کردی چو بہ خواجہ اقتدائے	بگذار رہ خلاف زنہار
جب تونے خواجہ (حضرت) کی اقتدا کر لی	تو ضرور بالضرور خلاف کا راستہ چھوڑ دے
تا تو نہ شوی بہ قہر مولیٰ	بے ہیچ وسیلۂ گرفتار
تاکہ تو مولیٰ کے غصّے میں نہ ہو	گرفتار کسی بھی سبب سے

سبحان اللہ! چونکہ آپ کا وجود مبارک نور تھا اور ہمیشہ ہمیشہ عالم حضور میں تھا چشم بصیرت سے غائب وحاضر کے آپ دیکھنے والے تھے شمع کی پشت اور روئے (سامنا) نہیں ہوتا ہے آگے اور پیچھے دیکھنا حاصل الامر ابتدائے کونین عالم سے منتہائے امور بنی آدم تک جو کچھ بھی تھا آپکی نظر مبارک میں تھا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اگر تم لوگ وہ دیکھ لو جو میں دیکھتا ہوں تو تھوڑا ہنسو گے مگر زیادہ روؤ گے یعنی میری جہاں میں آنکھ نہاں میں (پوشیدہ کی دیکھنے والی) ہو گئی ہے اور آخرت مجھے ایسی نظر آتی ہے جیسی کہ تم کو دنیا۔ جو شخص کہ آخرت میں

(آنحضرت کا دیکھنے والا) ہوتا ہے دنیا کے فوت (جاتے رہنے) سے نہیں روتا ہے اور عقبیٰ کی یافت (پانے سے) ہنستا بھی نہیں ہے یعنی اسکا حزن (افسوس) اور سرور (خوشی) فوت اور یافت دنیا وعقبیٰ پر منحصر نہیں ہے کیونکہ مطلوب جہاں اور محبوب جناں دنیا اور عقبیٰ سے ورے ہے۔

مغرور مشو بہ وصل دنیا — بردار ہمی تو راہ عقبیٰ

وصل دنیا سے مغرور مت ہوجا — تو عقبیٰ کی راہ اختیار کر

چوں یافتہ شد نعیم باقی — محبوب کند بہ لطف ساقی

جب باقی رہنے والی نعمتیں مل گئیں — تو ساقی اپنی مہربانی سے محبوب بنالیتا ہے

سرمست چو گشتی اے نکو کار! — ہر چیز کہ جز وے است بگذار

اے نکوکار! جب تو سرمست ہوگیا — تو جو چیز بھی اس کے سوا ہے اسے ترک کردے

الحدیث الثلثون ۳۰

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ "اے بنی کعب بن لوی! اپنے نفسوں کو دوزخ کی آگ سے بچا کر رکھو یا بنی مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو آتش دوزخ سے حفاظت میں رکھو۔ یا بنی عبد شمس! اپنے نفوس کی دوزخ کی آگ سے نگاہ داشت رکھو۔ یا بنی عبد مناف! اپنی جانوں کو آتش دوزخ سے حفاظت میں رکھو۔ یا بنی عبد المطلب! اپنی جانوں کو آگ (دوزخ) سے بچائے رکھو۔ یا فاطمہ! اپنی جان کو آگ (دوزخ) سے بچا کیونکہ میں حضرت لایزال ذوالجلال کے ملک اور ملک میں کوئی حکم نہ دے سکوں گا سوائے اس کے کہ مجھے تمہارے ساتھ رشتۂ رحم کی پیوستگی (ملا ہوتا) ہے اسی کی حفاظت کرتا ہوں اور صلۂ رحم کی پابندی کرتا ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ

آنحضرت نے قریش کے پہلوانوں اور عرب کے سرداروں کو جمع کیا اور ممبر رسالت پر چڑھکر دیکھا کہ سب کے سب محرومی کی آگ میں مبتلا، جہالت کے پانی میں غرور کی ہوا ناپ رہے تھے

اور گمراہی کی خاک پر لوٹ رہے تھے اور بتوں اور پانسوں سے کام کی درستگی کر رہے تھے۔ لات و منات کی عبادت میں مشغول ہو رہے تھے پتھر سے حاجت پوری کرتے اور حق تعالیٰ کو بھلا رکھا تھا لہٰذا نبوت کی مرحمت اور نتوت (مروت) کی کثرت سے گروہ گروہ کا نام لیا اور بعد (دور) کی آگ سے خوف دلایا تاکہ شاید قرب (خدا) سے مکرم ہو جائیں اور بغیر اس کے کہ کسی دل کو تکلیف پہونچے کام نکل جائے اور خاتونِ جنت (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو مخاطب کر کے تنبیہ فرمائی۔

الحدیث الحادی والثلثون (۳۱)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مومن جان لے جو کچھ کہ رحمت سے اللہ کے پاس ہے تو اسکی بہشت سے ناامید نہ ہوگا لا الٰہ الا اللہ۔

پروردگارِ عالم کا علم کلیات و جزئیات کو محیط ہے بندوں کا علم اسکی معلومات کی ماہیت کو نہیں پہونچتا رضا اور غضب حضرت حق تعالیٰ کی صفات سے ہے۔ اگر مومن اس کے غضب (غصے) کی حقیقت کو پہونچ جائے تو ناامیدی اس کے دل کی ولایت سے نکل جائے۔ خوف ناخوشی کی دید سے پیدا ہوتا ہے اور رجا (امید) رضا کی دید سے ظاہر ہوتی ہے بندے کو آرام اس میں ہے کہ خوف و رجا کے درمیان رہے اور کسی طرف جھکاؤ ظاہر نہ ہو کیوں کہ رجا کی طرف جھکاؤ بے خوفی لاتا ہے اور نص (قرآنی) وَلَا تَامَنُوا آئی ہوئی ہے اور خوف کی طرف جھکاؤ مایوسی لاتا ہے اور آیت وَلَا تَيْاسُوا وارد ہوئی ہے۔

ایمن مشو اے پسر تو ہشدار | از عدلِ خدائے خویش زنہار
اے بیٹے تو بے خوف مت ہو، خبردار! | اپنے خدا کے عدل سے ہرگز
نومید مشو ز فضل او ہم | تا تو نہ شوی بہ قہر در ہم
اسکے فضل سے کبھی ناامید مت ہو | تاکہ تو غصے سے رنجیدہ مت ہو

باخوف ورجا تو اے برادر! | می باش بہ عون او برابر
اے برادر! تو خوف ورجا سے | اسکی یاری مددگاری سے ہم وزن رہ

جب ایمان کی راہ کا سالک ایک مدت تک خوف ورجا کے درمیان مقام کرتا ہے تو اس کے دین وملت کا کام درستگی پر رہتا ہے اور اسکی تلخی ختم ہو جاتی ہے اور وہ خوف قبض میں بدل جاتا ہے اور وہ رجا بسط میں بدل جاتی ہے یہاں پر عالم طریقت پر نظر رہتی ہے ۔ بسط کی حالت میں بے دہشت (نڈر ہو کر) اللہ سے مانگتا ہے اور قبض کی حالت میں فقر ومسکنت کے ساتھ مناجات کرتا ہے ۔

ع در بسط بود مقام دولت | در قبض بود مقام ذلت
بسط میں عزت کا مقام ہوتا ہے | قبض میں ذلت کا مقام ہوتا ہے
آں جا ہمہ عزت تقاضا | ویں جا ہمہ ذل بے محابا
اس جگہ پوری عزت کا تقاضا | اور اس جگہ پوری ذلت بے تامل

ص یہاں تک خوف ورجا کی بات سمجھائی گئی جو مریدوں کے لئے ہے اب خوف ورجا کی جگہ پر قبض وبسط کی اصطلاح پیش کر کے سالک کے مطلب کی بات داخل کر دی گئی ہے جسکو سمجھنے کیلئے مجھ کو حضرت شیخ عثمان علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مستند تصنیف کشف المحجوب سے مدد لئے بغیر چارہ نہیں ۔ فرماتے ہیں کتاب کے آخری باب میں کہ قبض وبسط احوال میں سے دو حالتیں ہیں جو اللہ کی طرف سے وارد ہوتی ہیں ۔ انسان کی سعی وکاوش کا کوئی دخل نہیں اللہ ہی قبض کر لیتا ہے اور اللہ ہی کھول دیتا ہے (سورۂ بقرہ آیت ۲۴۵) قبض سے مراد دلوں کا قبض ہو جانا اور بسط سے مراد دلوں کا کھل جانا ہے ۔ بسط کا درجہ قبض سے بلند تر ہے ۔ بسط سے سرور ہوتا ہے اور قبض میں ہلاکت ہوتی ہے ۔ دراصل قبض وبسط ایک ہی حالت کے دو پہلو ہیں ۔ جب بھی انکا ظہور ہوتا ہے تو باطن (دل) مسرور اور نفس مقہور ہو جاتا ہے یا نفس مسرور اور باطن (دل) مقہور ہو جاتا ہے ۔ یہ ہے عالم طریقت کی تشریح جس کے لئے میں اردو ترجمہ "گنج مطلوب" کا رہین منت ہوں ۔ ص ۔ ۹۱ ۔ ۵۸۹ ۔ از پروفیسر محمد عبد المجید یزدانی ایم ۔ اے ۔

وآنجا ہمہ بشری و کرامت — این جا ہمہ محنت و ندامت

اس جگہ تمام خوشخبری اور کرامت — اس جگہ پوری محنت اور شرمندگی

سالک جب اس مقام پر ایک مدت تک مقام کر چکتا ہے تو قبض سے ہیبت کے مقام پر پہونچتا ہے اور بسط سے انس[1] کے مقام پر آتا ہے یہاں پر نظر عالم حقیقت پر ہوتی ہے جسکی میری عبارت میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ جب سالک شہود کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے تو شہود کی ہستی میں اسکا استغراق ہوتا ہے استغراق کے مقام میں کس سے ہیبت اور کس سے انس؟ (ہیبت اور انس کا سوال ہی نہیں اٹھتا)

ع چو غرق شدی بہ حب مشہود — جان تو بدید روئے مقصود

جب تو شہود (باری تعالیٰ) کی محبت میں غرق ہوا۔ تو تیری جان نے مقصود کا چہرہ دیکھ لیا

از خود تو بہ کل رسیدی اے جان! — بے واسطے رسیدی اے جان!

اے جان! تو خود سے کل کی طرف پہنچا گا. — اے جان! تو بغیر کسی واسطے کے پہونچ گیا

---

[1] قبض و بسط کو عالم طریقت سے تحویل کر کے سالک کو ہیبت و انس کے عالم حقیقت میں پہونچا کر صاحب تصنیف شرح اربعین یعنی قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ جن سے یہ رسالہ منسوب ہے. فرماتے ہیں کہ ہیبت و انس کو مقام عالم حقیقت سے تعلق رکھتا ہے جسکو بیان کرنا میرے بس کا نہیں ہے تاہم مجھ جیسے مبتدیوں کے لئے صاحب کشف المحجوب بہتر سمجھا ہیں ثابت ہو رہے ہیں فرماتے ہیں اسی ترجمے کے صفحات ۹۲-۹۴ میں کہ انس و ہیبت بھی دو حالتیں ہیں جو سالکان راہ سلوک کو پیش آیا کرتی ہیں جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر شہود جلالی کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو جو کچھ بندے کو نصیب ہوتا ہے اسے ہیبت کہتے ہیں اور جب یہ تجلی شہود جمالی کے ساتھ ہو تو نصیب بندہ جو چیز ہوتی ہے وہ انس کہلاتی ہے اہل ہیبت اس کے جلال سے رنج و تعب میں مبتلا رہتے ہیں اور اہل انس اس کے جمال کے لطف و مسرت سے ہمکنار رہتے ہیں ہیبت عارفان حق کا مقام ہے اور انس مریدوں کا درجہ ہے۔

۳۲
الحدیث الثانی والثلثون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے کہ اہل بہشت کو بہشت کے اندر حسرت ہوگی اس ساعت پر جس میں وہ ذکر خدا سے غافل رہے ہوں گے لا الٰہ الا اللہ ذکر کا شمار مجاہدہ میں ہے لہٰذا اس کے فوت سے حسرت ہوتی ہے۔

از ذکر خداوند اگر بمانی باز ۔۔۔ در توبۂ غم دل شکستہ بگداز

اگر تو ذکر خدا سے باز رہتا ہے ۔۔۔ تو غم کی کٹھیا میں ٹوٹے ہوئے دل کو پگھلا

سبحان اللہ! ذکر جو ہے وہ مذکور (خدا) کی طرف راہ دکھاتا ہے اور ذکر ہی طبیعت کا زنگ آئینۂ دل سے چھڑاتا ہے ذاکر (ذکر کرنے والے) کو ذکر ہی وصل (ملاقات) کے سائبان تلے آرام دیتا ہے۔ بالضرور اس سعادت کے فوت ہونے سے سعیدوں کو سعادت کے گھر (بہشت) میں حسرت ہوتی ہے۔ قول "ساعات الذکر فی الدنیا وساعات الرؤیۃ فی الجنۃ" (دنیا میں ذکر (الٰہی) کے اوقات اور جنت میں رویت (دیدار الٰہی) کے اوقات) یہی اس مضمون کا بھید ہے۔

حاصل الامر جب کہ ذکر مذکور تک پہونچاتا ہے تو ذکر کا فوت ہو جانا وصل (ملاقات) کا فوت ہو جانا ہے اور وصل کے فوت سے بے انتہا حسرت ہوتی ہے۔

گر فوت کنی تو ذکر معبود ۔۔۔ ہرگز نہ رسی بہ ہیچ مقصود

اگر تو معبود کے ذکر کو فوت کر دیتا ہے ۔۔۔ تو ہر گز کسی مقصود تک نہیں پہونچ سکتا

مقصود تو اوست گر بدانی ۔۔۔ جز سورت ذکر بر نہ خوانی

اگر تو معلوم کرے تو تیرا مقصود وہی (خدا) ہے ۔۔۔ تو سوائے ذکر والی سورت کے اور نہ پڑھے

اگر ذکر بدو ہمی رود راہ ۔۔۔ زاں بندہ بذکر می شود شاہ

ذکر کے ساتھ ہی اس (خدا) کی طرف چلتا ہے ۔۔۔ اسی ذکر سے بندہ شاہ بن جاتا ہے

بے ذکر مباش گر توانی　　تا سورۂ بعد بر نخوانی

اگر ہو سکے تو بغیر ذکر کے نہ رہا کر　　جب تک کہ بعد کی سورت نہ پڑھے تو

اگر ذکر بدید پور عمران　　بر طور مراد نور یزدان

عمران کے بیٹے (موسیٰ علیہ السلام) نے ذکر کی بدولت دیکھی　　طور (پہاڑ) پر یزداں (خدا) کے نور کی مراد

در ذکر مدام میر جمہور　　از خلعت قرب گشت مسرور

ہمیشہ کے ذکر سے میر جمہور (عام لوگ)　　قرب (نزدیکی) کی خلعت سے مسرور ہوئے

ذاکر چو بذکر می شود مست　　از ہستی دوست می شود ہست

جب ذاکر ذکر میں مست ہو جاتا ہے　　تو دوست (خدا) کی ہستی کی وجہ سے ہست (ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ) ہو جاتا ہے

مغلوب بذکر می شود او　　از خویش بدو ہمی رود او

ذکر سے وہ (نفس) مغلوب ہو جاتا ہے　　اپنی خودی سے اس (خدا) کی طرف جا پہنچتا ہے

الحدیث الثالث والثلثون ۳۳

طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرد نے جو آپکی خدمت میں آیا تھا، پوچھا کہ احکام اسلام میں سے کون کون سے اس پر فرض ہیں؛ آپ نے بتلایا کہ پانچ نمازیں شبانہ روز میں گذار۔ اگر مالدار ہے زکوٰۃ دے اور اس کے دینے میں درویش پر احسان مت رکھ۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھ۔ مرد نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے اوپر اس کے سوا بھی کچھ فرض ہے؛ سرور عالم نے فرمایا نہیں مگر وہ عبادت جو اپنی خوشی سے تو کرے۔ اس شخص نے عرض کیا بخدا اس سے زیادہ نہیں کرتا اور اس سے کم بھی نہیں کرتا۔ سرور عالم نے فرمایا، اگر سچ کہتا ہے تو کامیاب ہوا" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر کے لئے ذریعہ اور شفیع محشر تھے اور خلق کی نجات آپکے واسطہ سے تھی آپ نے اس طالب کی طرف رخ کیا اور مسند رسالت پر پشت کر کے فرمایا اے طالب!

تیری مراد کیا ہے ؛ وہ مرد چونکہ راہِ آخرت کا طالب تھا اس نے حضرت کے جمالِ جہاں آرا پر نظر کی اور بہت رویا۔ (اس کے بعد) بولا ہوا و ہوس کے عاجزوں کے لئے اخلاص اور رضا کے طالبوں کیلئے مناص (پرہیز) کس چیز میں ہے ؟ سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ (نماز میں) نماز محلِ راز ہے تکبیر نماز کی ہیبت (اللہ کا خوف) ہے۔

قیام اس کا اسکا ملت (گفتگو) ہے رکوع اس کی خشیت (ڈر) ہے سجود اسکا مشاہدہ (حاضری) ہے اور قعود اس کا زلفت (نزدیکی) ہے۔ نماز ہی معراجِ معنوی ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (نماز مومنین کی معراج ہے) اس مرد نے کہا یا رسول اللہ! کوئی اور چیز ؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندگی کے پھندے میں آگیا تو اگر تونگر ہے تو مال کی زکوٰۃ دے اور اس دینے پر درویش پہ احسان مت رکھ کیونکہ (اصلی) لینے والا حضرت اعلیٰ معبود ہے مرد نے پھر پوچھا اس کے بعد بھی کوئی چیز ؟ تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہِ رمضان کا روزہ فرض ہے اس کا بھید کسی سے مت کہہ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں اسکی جزا دوں گا۔ پھر بھی مرد نے کہا کہ "یا رسول اللہ اور اس کے بعد بھی کوئی چیز ہے ؛ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ درجات کی زیادتی کے لئے نوافل نوافل ادا کئے جائیں تاکہ تو پروردگار کی محبت کا مستحق ٹھہرے۔ اسکا پر اس درد بھرے مرد نے عرض کیا "وَاللہ! جو کچھ آپ نے فرمایا اس سے نہ زیادہ کرتا ہوں نہ کم کیونکہ احکامِ دین میں کمی بیزاری کا سبب ہوتا ہے اور کمال پر زیادتی کرنا بھی نقصان دیتا ہے" سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے ضمیر کی واقفیت رکھتے تھے۔ فرمایا کہ "مغرور مت ہونا"۔

الحدیث الرابع والثلثون ۳۴

ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے ذمے گناہ نہ ہوں کہ مغفرت ان کو پائے تو حضرت معلّیٰ

آفریدگار بے نہایت اور بے شمار کرم سے غیرت کے پردے سے ایک قوم کا ظہور کرتا ہے جو بے خودی
میں گناہ کرتے ہیں، معاملے کی کتاب (نامۂ اعمال) کو سیاہ کرتے ہیں تو ان کے نامۂ معاملت سے
گناہوں کی سیاہی کو راستی کی عنایت سے دھو دیتا ہے اور محبت کے بھید ان کو بتلاتا ہے
اور مغفرت کا تاج خود ان کے سر پر رکھ دیتا ہے انکی بدیوں کو بے نیازی کی ہوا سے اڑا
دیتا ہے۔ **اشعار حمید الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ**

گر عاشقی اے حمید درویش ۔۔۔ رو رو ز گناہ کردہ مندیش

اگر تو عاشق ہے اے حمید درویش! ۔۔۔ جا جا گناہ کرنے سے اندیشہ مت کر

مرجان ترا بدو پناہ است ۔۔۔ گو عفو کند چو بادشاہ است

تیری جان کو اس کی پناہ حاصل ہے ۔۔۔ عرض کر دے کہ معافی دے کیونکہ بادشاہ ہے

قیامت کے روز خلائق شفیع طلب کریں گے اس کی شفاعت کے ذریعے خلاصی دیکھیں گے
شفیع (حضرات) گنہگار طلب کریں گے تاکہ اس کے واسطہ سے ایک ساعت کے لئے مشاہدہ
کے مقام پر مقرر ہوں اور محبوب (اللہ) کے جمال باجلال میں امکان نظر حاصل کریں۔

الحدیث الخامس والثلثون ۳۵

ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت ذوالجلال متعال اہل بہشت سے خطاب کرتا ہے
اہل بہشت تعظیم و اجلال کے ساتھ جواب دیتے ہیں لبیک (حاضر ہوں) ربنا اے
ہمارے رب) وسعدیک والخیر فی یدیک (نیک بختی اور بھلائی تیرے ید قدرت
میں ہے۔) جب ان سے لبیک کی اجابت (جواب دینا) ظاہر ہوتی ہے تو ان سے خطاب ہوتا ہے
تم مجھ سے راضی ہو گئے۔ وہ لوگ رو رو کر اور گڑ گڑا کر عرض کرتے ہیں کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم
راضی نہ ہوں اس درستی و راستی کے ساتھ جو تو نے ہمیں نعمتوں میں دی ہے اس خطاب سے

جو ہم سے تو نے کیا ہے۔ جو کسی بندے کو نہیں دیا اور کسی پسندیدے کے ساتھ نہیں کیا؛ (حضرت ذوالجلال) سے پھر خطاب ہوتا ہے انکی طرف کہ "میں تم کو اس سے بھی فاضل تر نعمت اور شریف تر کرامت دیتا ہوں" وہ (اہل بہشت) پوچھتے ہیں "اے بار خدایا! وہ کونسی نعمت ہوگی اس سے فاضل تر اور وہ کونسی خلعت ہوگی اس سے عزیز تر"؟

فرمان ہوتا ہے حضرت اللہ تعالیٰ سے کہ "تم کو رضا (خوشنودی) کے مقام پر رکھتا ہوں اور لقا (دیدار) کے مُوعَد (وقت وجگہ وعدے کی) پر لاتا ہوں اور تجھ کو غصّے کے مقام سے چھٹکارا دیتا ہوں اور بھاگنے کا موقع عطا کرتا ہوں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ اہل سعادت دارِ سعادت (سعادت کے گھر یعنی بہشت) میں خطاب کے درجے کو پہونچتے ہیں۔ حَبَّذَا (بہت خوب) اگرچہ محبوب کا خطاب (گفتگو، عتاب (خفگی) کے مقام سے بھی ہو مگر چونکہ مقام رضا سے ہوتا ہے لہٰذا اچھا ہوتا ہے اور نہایت دلکش۔

ے "تازہ شود از خطاب جانم خود ہست خطاب او روانم
(محبوب کے) خطاب سے میری جان تازہ ہوتی ہے اس کا خطاب ہی میری جان ہے

باشد بہ عتاب گر خطابی واللہ کہ بداں ست فتح یابی
اگر عتاب سے ہی بات چیت ہو جائے تو واللہ اسی میں کامیابی ہے

از عین رضا اگر بہ باشد نورے است کہ بر جہاں بہ پاشد
رضا کی آنکھ سے اگر میسر ہو گویا وہ نور ہے کہ دنیا پر چھڑکا جائے

حاصل الامر "یَا اَھْلَ الْجَنَّۃ" کا خطاب (لذیذ) انکو پہونچتا ہے یہاں تک کہ ان کی جان وصال کی امید سے ناز کرتی ہے اور بہشت کی نعمت سے موافقت کرتی ہے جو کوئی محلّ خطاب آئے اور ہر لمحہ اس کے سوال کا جواب آتا ہو ایسے شخص کو جنت کی نعمت کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے۔

س آں راکہ ہمی کشف جمالش باشد | بادید کرشمہ و دلالش باشد

جسکو (محبوب) کے جمال کا پردہ اٹھ جاتا ہے | اسکو دیدار سے نازو نخرہ حاصل ہوتا ہے

او را نظر از نعیم بربایدداشت | گر ہیچ تمنائے وصالش باشد

ایسے شخص کو (جنت کی) نعمت سے نظر اٹھالینی چاہیئے | اگر ذرا بھی تمنا اسے وصال کی ہو

(غرضے کہ) وہ مردانِ خدا و عاشقانِ محبوب ہزار جان سے جواب کی لبیک کہتے ہیں اس پر خطاب ہوتا ہے هَلْ رَضِيتُمْ ؟ (کیا تم راضی ہو) چوں کہ محبوب کی رضا ان کو بھاتی ہے کہ "آدمیت" سے گزر کر اور "جبریلیت" سے اوپر اٹھ کر خدا تک پہنچے اور معنی کے جمال کا مشاہدہ کیا۔ (شب معراج میں) کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سبحان اللہ! جو اپنے آپ قائم ہو اور اپنے میں شیفتہ و سرگرداں ہو اس کو زیب نہیں دیتا کہ اس دنیا میں پھنس جائے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قائم باللہ تھے اور خدائی بھیدوں سے آگاہ تھے انہوں نے نڈر ہو کر جنت کے درجات کو دیکھا اور مجاہدوں کے نصیب کی خبر معلوم کی۔

جاں را تو فدا کنی بہ راہش | فردوس بہ تو دہد تو بشتاب

تونے اس کے راستے میں جان فدا کی ہے | تجھ کو فردوس دے تو سبقت کر

در عالم غفلت ار توانی | زنہار بخود مباش و دریاب

اگر غفلت کے عالم میں تجھ سے ہوسکے تو | ہرگز خودی میں نہ پڑ اور تحقیق کر

لا الٰہ الا اللہ کہ ہمارے نبی تمام انبیاء کے مقتدا تھے اور نبوت والی شفقت (مہربانی) اور فتوت (مروت) والی مرحمت کی راہ سے اشارہ فرمایا اور اس اشارے سے عبارت فرمائی کہ "جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس کا سوال کرو اگر برخاست (اٹھنا) میسر نہیں ہے تو درخواست (خواہش) سے چارہ نہیں ہے فردوس کی خواہش کرو۔ اسکی چھت عرش مجید ہے

اور اس میں رحمت کے آثار ظاہر ہیں۔

فردوس بخواہ گر توانی ۔ تا تو بہ فراق در نمانی
اگر تجھ سے ہو سکے تو فردوس کی مانگ کر ۔ تاکہ تو جدائی سے عاجز نہ ہو جائے
فردوس نکو ترین جنان است ۔ مقصود و مرام اندران است
جنتوں میں بہترین فردوس ہے ۔ مقصود اور مطلب اسی میں ہے
بر فوق وی است عرش یزدان ۔ این را تو بہ نور عقل می دان
خدا کا عرش اسی کے اوپر ہے ۔ اس بات کو تو عقل کے نور سے جان لے
زنہار! جنان ازو روان است ۔ موعود لقائے حق در آنست
خبردار! جنتیں اسی سے جاری ہیں ۔ وعدہ کیا ہوا حق کا دیدار اسی میں ہے

الحدیث السادس والثلثون

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت) عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے کہ اے عمر! اٹھ اور ندا کر کہ بہشت میں سوائے مومنوں کے کوئی نہ جائیں گے لا الٰہ الا اللہ۔ جنت میں داخل ہونے کیلئے ایمان چاہیئے ....

.... جب طبیعت نفس کلمۂ توحید کو پسند کرتی ہے اور نفی (لا الٰہ) اور اثبات (الا اللہ) کا اقرار ہوتا ہے نفی اور اثبات ہی کی حقیقت ایمان ہے جو کہ امن و امان ہے جنتی سے سوال ہوگا کیا راضی ہوا تو؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بہشت میں رہنے والی نعمت سے شریف تر ایک دوسری نعمت ہے (یعنی لقا یعنی دیدار الٰہی) بخشش کے سمندر میں ڈوبے ہوئے اور وصال کی تمنا میں جلے ہوئے کہیں گے "نعمتوں میں کیا باقی رہا

جو تو نے نہیں دیا اور کرم میں کیا باقی رہا جو تو نے نہیں کیا ہم کو مخلوق پر برگزیدہ کیا اور اپنے خود کیلئے شائستہ کیا یہ نعمت جو ہم کو پہونچی ہے کسی کو نہیں پہونچی چونکہ اس نعمت سے ہم مخصوص ہیں رضا کی بارگاہ کا دروازہ ہم پر کھلا ہوا ہے مرآد کے لشکر پر ہم مظفر (فتح یاب) ہیں اور رضا کے مقام پر ہم مقرر ہیں" حق تعالیٰ اسے خطاب ہوگا ان کو "میرے فضل کے خزانے میں اس سے شریف تر ایک خلعت ہے اور میرے لطف کے دستر خوان پر ایک نعمت ہے اس سے عزیز تر جو میں تمہیں دیتا ہوں سب کے سب تعجب سے کہیں گے کونسی چیز ہے جو اس سے افضل ہے! خطاب ہوگا۔ بغیر ناخوشی کی رضا اور بغیر غصے کی رحمت! لا الٰہ الا اللہ۔

ے ہر کس کہ از و رضا بیابد	بے شبہ از و لقا بیابد
جو شخص کہ اسکی رضا پا جاتا ہے	بے شبہ اسکا دیدار پاتا ہے
در موعد وصل چوں لقا یافت	درحال بدو لقا بیابد
جب وصل کے وقت اور جگہ پر دیدار پا گیا	ابھی حال اسکا دیدار پا گیا
آں کو ز کمال عشق دلدار	از خود برود ورا بیابد
وہ شخص جو دلدار کے کمال عشق سے	از خود رفتہ ہو جاتا ہے اسکو پا جاتا ہے

الحدیث السابع والثلثون (۳۷)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک گروہ بہشت میں جائے گا کہ ان کے دل مرغ (پرند) کے دل کے مانند ہوں گے۔ لا الٰہ الا اللہ۔

پرند کے دل کے لوازمات میں خوف ہوتا ہے۔ ہر طرف دیکھتا ہے ہر طرف اڑتا ہے۔ یہاں تک کہ خالی جگہ پاتا ہے اور وہاں اطمینان سے چرتا ہے مومن کا دل ہمیشہ پر خوف رہتا ہے خلق پر گزر تو کرتا ہے (مگر) اپنے اوپر نظر رکھتا ہے یہاں تک کہ ایک زمانے میں دل کو بدنی تعلقات اور ممنوعات اور نفسانی خطروں اور وسوسوں سے خالی کر لیتا ہے اور محبوب کی درگاہ کی

طرف جھپٹ جاتا ہے تا کہ وصل کے پھولوں کی خوشبو پائے۔

ے چوں مرغ ہمیشہ پُر وَجل باش ۔ در عالم عشق بے ذلل باشی
پرند کی طرح ہمیشہ پُر خوف رہ ۔ عشق کے عالم میں بغیر ذلتوں کے رہ

چوں مرغ شکستہ بال می کوش ۔ خود را تو بہر دو کون مفروش
شکستہ بال چڑیا کی طرح کوشش کر ۔ اپنے تئیں دو کون کے لئے مت بیچ

خواہی کہ بہ خلد جائے یابی ۔ در عدن بسے سرائے یابی
تو چاہتا ہے کہ خلد میں جگہ پائے ۔ عدن کی جنت میں بہت دن مہمان رہے

دل را چو دلِ طیور می دار ۔ وز ہر چہ بد است دور می دار
تو دل کو چڑیوں کے دل کے مثل رکھ ۔ اور جو چیز بری ہے اس کو دور رکھ

سبحان اللہ! پرندہ خوف کی وجہ سے کسی پر اعتماد نہیں کرتا اور اپنے کو سوائے اپنے خوش نہیں کرتا۔ مومن کے دل کو چاہیئے کہ سوائے حق (خدا) کے کسی پر اعتماد نہ کرے اور اپنے کو سوائے اس کی یاد کے شاد نہ کرے۔ اے برادر! دنیا جال ہے اس کی لذتیں اور شرابیں (مثل) دانے گھاس۔ کیلوں اور ملواح[1] (ملّو) کے ہے تیرا دل مرغ کی طرح اس جال کے گرد چکر کاٹتا ہے اگر نا چیز دانے کی خواہش کرتا تو (خود) شکار ہو جاتا بے مرادی کے دسترخوان پر ذبح ہوتا اور بے خودی کے خنجر سے گھایل ہوتا۔ اور اگر خداوند تعالیٰ کی عنایت سے مخصوص ہوتا تو تیری نظر دانے میں مشغول نہ ہوتی اور ملواح (ملّو) کی طرف توجہ نہ کرتا جلدی ہی قربت اور نزدیکی کی ہوا و فضا میں اڑنے کی جولان گاہ پا جاتا۔

ے مرغِ دل تو اگر گرفتار شود ۔ در دام ہوا ز قہر افکار شود
اگر تیرے دل کا مرغ گرفتارِ بلا ہو جائے ۔ افکار کے نیلے سے ہوا و ہوس کے جال میں پھنس جائے

[1] وہ پرند جس کے پاؤں باندھ کر جال میں ڈال دیتے ہیں تاکہ اور پرند آ کر پھنسیں۔

در میل ورا بسوئے دل دار شود | مر نعمت وصل را سزاوار شود!

اور اگر اسکی توجہ دلدار کی طرف ہو جائے | تو مزہ وصل کی نعمت کا سزاوار ہو جائے

الحدیث الثامن والثلثون[۳۸]

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ارحام (قریبی رشتہ داروں) کو جوڑنے اور اصنام (بتوں) کو توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور اسلئے بھیجا گیا ہے کہ اس کو وحدت کے ساتھ پہچانوں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں۔ لا الٰہ الا اللہ ـــ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق (اخلاق کی اچھی خوبیوں) کے اظہار کے واسطے تھے آپکی ذات مبارک مہربانیوں کے تواتر (لگاتار) اور بخشش و عطا کے تسلسل (سلسلہ وار) کے ساتھ مؤدّب (ادب دیئے گئے) اور مہذب (پاک کئے گئے)۔ جس کا ادب دینے والا حضرت اعلیٰ پروردگار ہو وہ بے شک ویسا ہی ہوتا ہے۔

پیوند با اقربا و درویش | وز آتش قہر او میندیش

اقربا اور درویش کیساتھ رشتہ جوڑ | اور اس کے غصے کی آگ سے اندیشہ مت کر

آب کرمش فرونشاند | گلہائے کرم بدو کشاند

(یعنی) آتش قہر کے گرم پانی کو نیچے بجھا دیتا ہے | کرم کے پھول اس پر کھلا دیتا ہے

اے برادر! تیرا تن عالم خاک سے ہے اور تیری جان عالم پاک سے ہے تن کو خاک کے سپرد کرنا صلۂ رحم ہے اور جان کو عالم پاک تک پہنچانا (بھی) صلۂ رحم ہے۔ چونکہ خاک پاکی کے ساتھ موسوم ہے اسکو معاصی و مناہی کے ناپاکیوں سے آلودہ کرنا قطع رحم ہے اور اس پاک علوی کو ہوا و ہوس کی طرف مائل رکھنا اور دنیا کی طرف توجہ کرنا یہاں تک کہ پاکوں کے قرب و جوار سے دور رہے قطع رحم۔ الحذر الحذر (خدا کی پناہ)۔

حاصل الامر صلۂ رحم پیغمبر آفاق صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔

اسکو قبول کرنا چاہیئے اور آخر عمر تک اس پر قائم کرنا چاہیئے۔

(دوسری بات جو) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ مجھے بتوں کے توڑنے کیلئے بھیجا گیا ہے ـــــ نفس کے بڑے بت کو مجاہدے (ریاضت) کے ذریعے توڑو تاکہ رحم کا جوڑنا میسر ہو۔ لاالٰہ الا اللہ۔ بڑے صنم کا توڑنا سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر ہوا تھا۔

ع بت را زوجود خود بروں کن — بس وصل بہ روضۂ جنوں کن

اپنے وجود سے بت کو باہر کردے — دُھن کے باغ کے ساتھ وصل کر

تا باز رہی ز دیو ملعون — خورسم شوی از جمال بے چون

تاکہ تو دیو ملعون سے چھٹکارا پائے — (اور) تو بے چون (بے مانند) خداوند عالم کے دیدار سے خوش ہو جائے۔

آمدم بر سر مطلب۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھیجا گیا ہے کہ وحدت کا بھید ظاہر کروں اور شرک اور اس کے مددگاروں کو ناپید کروں۔ توحید بحر بے کراں (سمندر جس کا کنارہ نہ ہو)۔ قوت بشری کے ساتھ اس میں تیرنا نہیں چاہیئے فرشتوں جیسی پاکیزگی کے بغیر (توحید) میسر نہیں ہوتی۔ توحید کی پوست کو نہیں بلکہ مغز کو تلاش کرنا چاہیئے۔

الحدیث التاسع والثلثون

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے معاذ جبل! تو جانتا ہے کہ خدا کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے"؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، خدا اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں، اس کی وحدت کا اقرار کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں"۔ اس کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا معاذ بن جبل رضی اللہ عنک تو جانتا ہے کہ بندوں کیلئے اس کی جزا کیا ہے کہ اسکی عبادت کی اور اسکی وحدت میں شرک نہ لائے"۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ "خدا اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں ایسے نیکوکار کی جزا یہ

ہوتی ہے کہ اسکو عذاب نہیں کیا جاتا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

حبذا! (بہت خوب) تھا معاذ کا وقت جس ساعت کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا۔ اے برادر! معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آفتاب شہود کا ایک ذرہ تھا اور عالم مقصود کا ایک قاصد۔ ہمیشہ پروانے کی مثال شمع رسالت کے گرد گھومتا تھا تاکہ حضرت کے دولت واقبال کی مبارکی سے مقصود تک راہ پائے اور معبود کی پناہ پائے۔ ایک دن اپنے تئیں شمع رسالت کی چکاچوند میں اپنی نظر اس جمال نبوی کی طرف جمائے ہوئے تھے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو درکار اور طالب اسرار دیکھ کر فرمایا" اے معاذ بن جبل رضی اللہ عنک اگرچہ ناشناسی نظر رکھتے ہو اور محبوب کے حق کی آگاہی رکھتے ہو"؛ معاذ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو محبوب کی تائید سے آپکے بے نہایت علم کے حوالے کر کے عرض کیا" واللہ اعلم ورسولہ"۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنک پہلا قدم عالم توحید میں ہونا چاہیئے تاکہ عبادت درست ہو جائے اور محبت کا لباس چست ہو جائے اور شرک سے پرہیز ہو جائے تاکہ طالب کی طرف راغب ہو جائے"۔

درصورت توحید بسے رنج مبر ۔۔۔ گر ہشیاری زپوست براو نظر

توحید ظاہر کے پیچھے زیادہ آزردہ مت ہو ۔۔۔ اگر صاحب ہوش ہے تو چھلکے سے نظر اٹھالے

درمغز نہاں است معنی وحدت او ۔۔۔ بگذر تو زصورت و بمعنی بنگر

اسکی وحدت کا معنی مغز میں پوشیدہ ہے ۔۔۔ تو صورت سے گزر جا اور معنی پر نظر رکھ

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ توحید کے سمندر سے عقل کی تیراکی سے باہر نہیں جا سکتے اور روح کی قوت سے وحدت کی مہمات سے خلاصی نہیں پا سکتے تاکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس سے خلاصی پا جائیں اور بے خودی کے کیچڑ میں نہ پڑیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" یا معاذ رضی اللہ عنک! ہشیار رہ۔ جب عالم وحدت میں سفر کرتے ہیں تو چشم بصیرت سے نظر

کرتے ہیں حضرت معلّٰی ان کے لئے اپنے کرم سے ایک حق واجب کردیتا ہے اور وہ حق وہ ہوتا ہے کہ ان کو فراق (جدائی) کی آگ جلانہ پائے اور دیر تک عالم اشتیاق میں رکھے"۔

الحدیث الاربعون

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں سو درجے ہیں جو کہ حضرت آفریدگار نے مہیا کئے ہیں یہ سب غازیوں مجاہدوں کے لئے ہیں ان درجوں میں دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان۔ جب اللہ سے بہشت مانگو تو فردوس مانگو کہ جنتوں کے مقامات میں وہ اشرف ہے اور درجوں میں برترین ہے۔ عرش الٰہی جل وعلا اس کی چھت ہے اور بہشت کی نہریں اس سے جاری ہوئی ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ ولایت دین کے شحنہ (محافظ) تھے، انہوں نے دیوان شریعت کو حکم دیا کہ اٹھو شرک کو دنیا سے مٹادو اور خلق کے درمیان ندا کرو کہ نہیں داخل ہوں گے جنت میں سوائے مومنوں کے۔

تمام شد کتاب اربعین (احادیث اربعین) من تصانیف سلطان العاشقین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ بحسب فرمودہ میرزا محمد مومن جیو سلمہ اللہ تعالیٰ ترقیم نمودہ مورخا الخامس عشر من الصفر ۱۰۶۷ھ رقیمہ فقیر محمد عباس غفر اللہ لہ و والدیہ نقل نسخہ جو مسٹر بروس لارنس صاحب مولانا آزاد لائبریری سے کتابت کرا کر (تاریخ نقل ۲۴ اپریل ۱۹۷۵ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ بروز جمعہ) ناگور کی تشریف آوری پر ساتھ لائے اور اس فقیر حقیر پیر صوفی محمد ایوب تارک فاروقی کو پڑھنے کو دی۔ بعد کو یہ نسخہ مجھے بخش دیا تھا جو میرے پاس محفوظ ہے۔

لوائح !!

میں اپنے کرم فرما ڈاکٹر بروس لارنس کے مقالے مندرجہ سہ ماہی انڈو ایرانیکا (کلکتہ) کی اشاعت ۱۹۷۵ء (جلد ۲۸) ۵۲-۴۲ کی روشنی میں اپنے بے بضاعتی کا اقرار کرتے ہوئے چند اقتباسات کو جنہیں ہم تھوڑا بہت سمجھ سکے ہدیۂ ناظرین کرنے کی جسارت کرتا ہوں اسی کے ضمن میں لوائح کا ذکر بھی آجائے گا اور اس طرح میں قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے موضوع کو ختم کرنے پر مجبور و معذور ہوں گا کیونکہ جتنی کتابوں یا رسالوں کی تصنیف حضرت قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے ان کا عشر عشیر بھی میرے ہاتھ نہیں لگا ہے اور تصوف کے میدان میں ہندوستان کے ایک بزرگ قلم کار کا ایسا اونچا مقام کہ آج مغربی مستشرقین میں بروس لارنس جیسا فاضل اس کے رسالوں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہو اور طوالع اور لوائح جیسے دو رسالوں کا انتخاب کرکے ان پر فلسفیانہ انداز میں تحریریں پیش کرتا ہو یقیناً یہ بات ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ باعث فخر ہے بلکہ مزید یہ کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفاتی مقام کی بلندی کو پہنچنے کیلئے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (سولہویں صدی) کے بعد تقریباً چار سو برس کا زمانہ گزرنے پر آج مغربی فضلاء کو یہ توفیق ہو رہی ہے اور یہ سعادت نصیب ہو رہی ہے کہ خالص اسلامی تصوف کے حامل بزرگ کی تخلیقات پر قلم اٹھائیں۔

لیجئے! سب سے پہلے کچھ اقتباس علی گڑھ والے مخطوطہ، طوالع الشموس سے پیش کئے جاتے ہیں:۔ یہ مخطوطہ کل ایک سو چالیس فولیوز پہ مشتمل ہے مگر بے شمار داغ دھبوں کی وجہ سے ناقص ہے اور بیچ بیچ میں عبارت میں خلا بھی ہے۔ طرز کلام اور اسلوب بیان رسالۂ عشقیہ کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے یا یہ کہ عشقیہ کو طوالع کے ساتھ مناسبت ہے۔ مقامات تصوف کا حوالہ رسالہ کے آغاز ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور جگہ جگہ پیر ذکرہ اللہ بالخیر کے اقوال کا حوالہ بھی دیتے جاتے ہیں جو حضرت امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد الفواد کی یاد دلاتا ہے۔

تو کیا ذکراللہ بالخیر سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت یہ رسالہ لکھا ہے ان کے پیرومرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بقیدِ حیات تھے جیساکہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے لئے امیر حسن نے ہر مجلس کے ملفوظ میں خواجہ ذکراللہ بالخیر کا فقرہ استعمال کیا ہے۔

اکثر جملے اے برادر! کے ندائیہ سے شروع ہوتے ہیں جیساکہ عشقیہ کے علاوہ شرح اربعین (چہل حدیث) میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

جلد ہی تیسرے فولیو "پ" سے سورۂ اخلاص کے "ھُواللّٰہ" کی تشریح قاضی صاحب بقول اخبارالاخیار اپنے خاص انداز میں "موج در موج" اور "فوج در فوج" کے اسلوب میں شروع کردیتے ہیں جس کے طویل اقتباس کا خلاصہ میں پیچھے ہدیۂ ناظرین کرچکا ہوں۔ اسی کو دُہرانا سمع خراشی ہوگی۔ "ھُواللّٰہ" کی "ھُوَ" کو اسم "معظم" ثابت کرنے کے بعد (جیساکہ فاتحہ ام الکتاب ہے) جہاں تصوّف کی گہرائی میں قلم کو غوطہ دینے کا موقع آتا ہے بقول بروس لارنس نظامی گنجوی کے مصرعہ "کسے سرّے نمی داند زباں درکش زباں درکش" لکھ کر قلم کو روک دیتے ہیں توحیدِ خالص کو وحدت الوجود کے قابل اختلاف و اعتراض پہلو سے بچانے کے لئے یہ طریقہ شرح اربعین میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔

"پ" فولیو ۸ پر فرماتے ہیں کہ اے برادر ھُوَ اسم اشارت مشارٌ الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) کی ذات کی طرف ہوتا ہے نہ کہ صفات کی طرف اور یہی بات اس معنی کا سرّ (بھید) ہے جو واصلانِ (خدا) یعنی اولیاء اللہ نے کہا ہے کہ عشق ذات پر واقع ہوتا ہے نہ کہ صفات پر . . . .

اے برادر! فردِ مطلق وہ ہوتا ہے کہ اس کو کسی چیز سے صفت (موصوف) نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کسی چیز کا وصف کسی (دوسری) چیز سے کرنے سے مغایرت (غیریت) کا تقاضا ہے۔

اس اسے تعدد اور کثرت کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور تعدد سے وحدت (احدیت۔ یگانگت) کی نفی ہوتی ہے۔ وحدت کا مفہوم جملہ اسماء (ناموں) کے مقابلے میں اس کی "ذات بے کیف حضرت مقدس" کی صحیح خبر دینے سے قاصر ہے اور حقیقت احدیت وفرد مطلق کا مخبر "اسم معظم "ھُوْ" ہی ہے جو طالب کے اشتیاق کو غیر سے منقطع کرتا (کاٹتا) ہے اور مطلوب تک پہونچاتا ہے۔ لاالٰہ الااللہ اللہ جل جلالہ عم انضالہ نے قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فرما کر ایک ہی آیت میں تین اسموں کا ذکر کر دیا ہے یعنی هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

اے برادر! حسین منصور مقام ذکر میں نفی و اثبات کا امام تھا کبھی نفی اور کبھی اثبات کے حق میں دلیل پیش کرتا تھا۔ لیکن اپنے کام کا بھید کسی پر ظاہر نہ کرتا تھا ایک دن اس نے کلمہ لاالٰہ الااللہ پر نظر کی۔ عین بصیرت سے اس میں نفی کی کوئی بات نہیں دیکھی جس کا اثبات عقل سے محال ہو حیرت میں پڑ گیا لہٰذا اس معنی کا سر (بھید) کہ "لا" اس کی نفی کرتا تھا اور "الا" اس کا اثبات کرتا تھا اللہ کے اسم میں دیکھتا رہا۔ اس "اسم معظم" کو ورد جان بنا لیا۔ الف کی استقامت (سیدھا پن) اور لام کی عواج (ٹیڑھے پن) میں پھنس گیا تو اس کے باطن میں خطاب ہوا کہ مستقیم اور معوج (ٹیڑھا) کے درمیان غرق ہو گیا ہے لہٰذا اس استغراق سے ہاتھ کھینچ لے لیکن غیرت کی آگ نے ماسوی المحبوب کو اس کی نظر میں جلا دیا۔ بقول بروس لارنس فوائح کے بیانات کی بناء پر قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ پر وہ الزامات عائد نہیں ہو سکتے جن کو لے کر منصور حلاج کو "اناالحق" (میں حق ہوں) کے نعرے پر دار (پھانسی) کی سزا دی گئی تھی منصور نے خدائی بھید کو ظاہر کیا لیکن قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب اس غلطی کے ارتکاب سے انکار کرتے تھے۔

آمد برسر مطلب! اب میں لوائح پر مختصر بات ہدیۂ ناظرین کرنے کا اپنا فرض ادا کرتا ہوں کیونکہ میری دانست میں میرے کرم فرما بروس لارنس ہی پہلے فاضل ہیں جنکے ذریعے لوائح کے چند اوراق کا پتہ پروفیسر علامہ خلیق احمد نظامی کے حوالے سے لگا ہے جن کو یہ اقتباس "معارج الولایت"

کے مخطوطے سے حاصل ہوا اور پروفیسر نظامی کے ذریعے لارنس صاحب کو معارج الولایت سے استفادہ کرنے کا زریں موقع ہاتھ آیا معارج الولایت میں طوالع الشموس کا جو اقتباس ہے وہ حرف بحرف وہی ہے جسکا خلاصہ میں شیخ عبدالحق محدث کے 'اخبار الاخیار' سے پیش کر چکا ہوں۔
لوائح کا درس ہندوستان میں شیخ فریدالدین گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خانقاہ میں دیا کرتے تھے۔ اس درس سے استفادہ کرنے والوں میں حضرت سلطان الاولیاء شیخ نظام الدین بدایونی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شمس دبیر کا ذکر تبریزی چودھویں صدی کے صوفی ادب میں آتا ہے۔ بقول شیخ جمالی قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی خالص تصوف پر مبنی تحریریں اچھے اچھے فاضلوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں ظاہر ہے کہ حضرت بابا فریدالدین جیسے عالم تصوف ہی لوائح کے رسالے کو طالب علموں کو پڑھا سکتے تھے بابا فرید کے بعد جب کوئی عالم ایسا نہ رہا جو لوائح کے ادق مضامین طلبائے علم کے سامنے بیان کرنے میں دلچسپی لیتا تو رفتہ رفتہ لوائح کے مخطوطے نایاب ہو گئے غنیمت ہے کہ 'طوالع' اور عشقیہ کے رسالے کمیاب ہیں مگر نایاب نہیں ہیں لوائح کے ان بیسا ندہ اوراق کے معانی و مطالب کو 'طوالع' اور عشقیہ کی مدد سے سمجھنے کی قابل تحسین کوشش میرے دوست بروس لارنس نے کی ہے جو ان کے انگریزی مقالے کے سولہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کا خلاصہ میں اپنے کرم فرما کی مدد سے پیش کرتا ہوں جو حسب ذیل ہیں۔

کہتے ہیں کہ "قہر" اور "لطف" دونوں معشوق کی صفات ہیں لیکن وہ معشوق (جو معبود بھی ہے) اپنے عاشقوں کو لطف کی شراب، قہر کے پیالے میں دیتا ہے البتہ خاص بندوں کو قہر کی شراب لطف کے پیالے میں مرحمت فرماتا ہے۔

اس کے آگے کہا جاتا ہے کہ معشوق کا ناز و نخرہ اور بوس و کنار عاشق کو پہونچتا ہے کیونکہ معشوق ہی عاشق کا خالق ہے اور عاشق اپنے خلق ہونے سے قبل معشوق کا چاہنے والا نہ تھا بلکہ اس منزل پر معشوق ہی عاشق کا چاہنے والا تھا یعنی معبود کو ضرورت تھی کہ کوئی اسے چاہے!

اس کے علاوہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب معشوق عاشق کی موجودگی میں بوس وکنار کا عمل کرتا ہے تو اس وقت عاشق میں اضطراب اور فکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے برخلاف اس کے معشوق کو اس مبادے میں مزہ ملتا ہے لیکن چونکہ معشوق کے سامنے عاشق اپنے کو کمزور، تابعدار اور مفلس پاتا ہے لہٰذا معشوق کے سامنے خوشی کی ایک دنیا ہوتی ہے یہی عاشق کیلئے خوشی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عاشق جگر سوزی کا رونا روتا رہا تو معشوق کو اس پر رحم آیا اور پوچھا، تم چاہتے کیا ہو؟ عاشق نے جواب دیا میں چاہتا ہوں تم آج اپنی زینت (سنگار) کر لو تاکہ میری روح کا اضطراب بڑھ جائے لہٰذا معشوق کی سطح پر وصال (ملاقات) ہے اور عاشق کی سطح پر فراق (جدائی) ہے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اول الذکر ہمیشہ ناز ونخرہ دکھلاتا ہے جب کہ مؤخر الذکر تعمیل (حکم) کرتا ہے مختصر یہ کہ عاشقوں کی بربادی معشوق کا راز فاش کرنے کی وجہ سے ہے۔ الوہیت کا راز فاش کرنا کفر والحاد ہے خواجہ حسین (منصور حلاج) کی تباہی کا سبب یہی ہوا تھا۔

پہلے دن اس کو قتل کیا۔ دوسرے دن نذر آتش کیا تیسرے دن اس کی راکھ کو ہوا میں اڑایا۔

حاصل عشق ایں سہ سخن بیش نیست سوختم وسوختم وسوختم

(عشق کا حاصل ان تین باتوں سے زیادہ نہیں ہے میں جلا اور میں جلا اور میں جلا

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب عشق کامل ہو جاتا ہے تو معشوق کو عشق کے آئینے میں نہیں دیکھا جاسکتا مطلب یہ ہے کہ عشق کے کامل ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

آئینہ ایم او جمالے دارد اورا از برائے حسن او دریابم

(ہم آئینہ ہیں، وہ جمال رکھتا ہے اس کو اس کے حسن کی وجہ سے دریافت کرتے ہیں)

الحدیث:۔ المؤمن مرآۃ المؤمن (مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے)

اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ "مقامات" کا عشق جسکا تعلق انسانی اعمال اور صفات الٰہیہ سے ہے۔

آدمی کے اندر سے برآمد ہوتا ہے جب کہ مخلوق کا عشق باہر سے تمہارے اندر داخل ہوتا ہے عشق کی پابندیاں میں جو شخص ترکِ دنیا نہیں کر سکتا، ایسا شخص غیر کا عاشق ہے اور غیر کا عشق خدا کے حوالے سے ناقص ہے آخر میں یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کا اثبات واقرار نظارے سے تعلق رکھتا ہے لیکن عشق کا اثبات سماعت (سننے) سے بھی ہوتا ہے نظارے سے عشق مجازی حاصل ہو سکتا ہے لیکن عشق حقیقی تو دل میں دُھڑکنے والا شعلہ ہوتا ہے جو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔

طوالع الشموس اور رسالۂ عشقیہ

لوائح کا اقتباس یہاں پر آکر ختم ہو جاتا ہے لیکن اقتباس کے اختصار کی وجہ سے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے مطالب کی وضاحت کے لئے بروس لارنس نے طوالع الشموس اور رسالۂ عشقیہ دونوں رسالوں کو سامنے رکھ کر اپنے ان پانچ صفحات پر مزید دس صفحات لکھے ہیں جن کے لئے میری کتاب میں نہ تو گنجائش ہے اور نہ میری فہم ناقص میں پھر بھی رسالۂ عشقیہ کا جوڑا طوالع الشموس جو میرے ذخیرے میں موجود نہ تھا میں نے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لائبریرین صاحب جناب پروفیسر نور الحسن خاں کی خاص اجازت سے، حاصل کر کے چند کلمات کا اضافہ طوالع اور بروس لارنس کے موازنے سے یہاں پر کرنے کی جرأت کی ہے میں یہاں ان تین مضامین کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جو لارنس صاحب نے طوالع اور عشقیہ کے مطالعے سے اس سلسلے میں نکالے ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ معشوق بیک وقت بے رحم اور رحم دل ہے اپنے عاشق کو ستاتا ہے اور اس سے خوشی بھی حاصل کرتا ہے اس کی وضاحت طوالع الشموس سے ہوتی ہے — "سپ" "فولیو۳۸" اللہ تعالیٰ کی صفات میں جلال کے ساتھ جمال بھی ہے جو بروس لارنس کا مغربی دماغ نہیں سمجھ سکا اس کے لئے ان کو طوالع الشموس کی ورق گردانی کرنی پڑی۔

رسالۂ عشقیہ میں ہے کہ اللہ (معشوق) نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو لبھایا۔ آدم نے دانۂ گندم کو جنت کے عوض خرید کر لیا۔ گیہوں "دانۂ عشق" ثابت ہوا اور آدم کی ذات سے عشق ظاہر ہوا (عشق = گناہ) کیونکہ عشق کی بدولت ہی جنت سے بے دخل کئے گئے۔

لارنس عشقیہ مث سے نقل کرتے ہیں کہ زاہد گو کہ دوڑتا ہے مگر منزل مقصود کو نہیں پہونچتا اس کے مقابلے میں عاشق نہ راستے کی پرواہ کرتا ہے نہ منزل کی کیونکہ وہ معشوق کی کمند کا قیدی ہے گدھ چاہے جتنا اوپر کو اڑے پھر بھی مردار ہی پر نظر رکھتا ہے جب کہ عقاب اپنی ہمت عالی کی بدولت اڑتا ہے رفتار گو اس کی دھیمی ہوتی ہے۔

(۲) دوسری بات جو بروس لارنس اٹھاتے ہیں وہ حلاج کی متضاد باتیں ہیں حلاج تو سوختہ دل عاشق تھا خواجہ منصور حلاج کی بظاہر الٹی یا خلاف قیاس بات پر جسکو انا الحق کے نعرے سے اس نے ظاہر کیا قاضی حمید الدین بقول بروس لارنس حلاج کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ اس نے رازِ الٰہی کو فاش کر دیا لیکن بہ یک وقت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حلاج کو اس کے اپنے آپ کو قربان کرنے والے عشق کی خاطر سراہا بھی ہے۔ جو مضمون لوائح میں نثر کی حیثیت رکھتا تھا وہ سیر الاولیاء (امیر خورد) میں جا کر رباعی کی شکل اختیار کر گیا:-

ابجد عشقت چو بیاموختم	پیرہن محنت و غم دوختم
جب میں نے تیرے عشق کی ابجد کو سیکھا	تو میں نے رگویا محنت و غم کا پیرہن سی ڈالا
حاصل عشق ایں سہ سخن بیش نیست	سوختم و سوختم و سوختم
عشق کا حاصل ان تین باتوں سے زیادہ نہیں	کہ میں جلا اور جلا اور جلا

قاضی حمید الدین 'عشقیہ' اور 'طوالع' میں حلاج کی شطحیات پر تنقید کی جگہ اس کی (روحانی) استعداد کے لئے تعریف کے الفاظ استعمال کرتے ہیں:-

مثلاً حلاج کی ایک شطح کو خوبصورتی سے طرح دے جاتے ہیں اَلتَّوحِیدُ حِجَابُ المُوَحِّد عَنِ الاَحَدِیَّت توحید کی شہادت موحّد (توحید کے شاہد) اور احدیت (اللہ کا احد ہونے) کے درمیان حجاب ہے یعنی توحید کی شہادت اس فرد کا وصف ہے جو توحید الٰہی کی شہادت دیتا ہے لیکن روحانی عروج میں اوصاف حجاب بن جاتے ہیں لہٰذا شہادت توحید میں ایک تو شاہد ہے ایک وہ جسکی شہادت دی جائے اور تیسری بات یہ کہ توحید کی شہادت دی گئی حتیٰ کہ توحید کی شہادت کابل ہوجائے۔ یہ تثلیث (تری مورتی) عیسائیوں والی تثلیث نہیں ہے جس پر قرآن کا فرمان ہے وَلَاتَقُولُوا ثَلٰثَة "(مت کہو کہ تین ہیں اللہ۔ مریم اور عیسیٰ) فرماتے ہیں حلاج کا روحانی تجربہ عشق کا نقطۂ عروج ہے۔

(۳) عاشق و معشوق کا ردّ و بدل بروس لارنس کا تیسرا نکتہ ہے:۔

اس نکتے کو پیش کرنے کے لئے بہترین مثال حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ہے کہ جو اللہ کو دیکھنا چاہتے تھے مگر دیکھ نہ سکے۔ یہ عشق کے ناز و نیاز کی بات ہے جس سے عاشق مایوسی میں مبتلا ہوتا ہے جب کہ معشوق کو اسی سے خوشی حاصل ہوتی ہے قاضی صاحب نے اپنے خط میں ایک رباعی حضرت بابا فرید کو بھیجی تھی اس سے اس نکتے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے :۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد ! | واں روح کجا در جلال تو رسد !
وہ عقل کہاں ہے جو آپکے کمال تک پہونچے ! | اور وہ روح کہاں جو آپکے جلال کو سمجھ سکے
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال ؛ | آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد !
میں نے فرض کیا کہ تونے جمال سے پردہ اٹھایا | (لیکن) وہ آنکھ کہاں ہے جو آپکے جمال کو دیکھ سکے۔

ایک اور رباعی جو طوالع الشموس سے فوائد الفواد، سیر الاولیاء، سیر العارفین ہوتی ہوئی اخبار الاخیار تک پہونچی ہے قاضی صاحب کے مطمح نظر کو سمجھنے کے لئے بروس لارنس پیش کرتے ہیں۔

آں را کہ جانش مست شراب محبت است | ہشیار گردد او چہ بہ بیند جمال یار

جس کا کہ جان محبت کی شراب میں مست ہے — جب وہ جمال یار دیکھتا ہے تو ہوشیار ہو جاتا ہے

واں راکہ جانش مست وہالست تا ابد — زاں سکرش نہ گردد آں مست ہوشیار

اور وہ جس کی جان ابد تک توحید میں مست ہے — اس نشے سے وہ مست ہوشیار نہیں ہوتا

بے صبری، اضطراب، مصیبت، اندیشہ۔ عاشق کو معشوق کے خواہش دیدار سے روکنے کیلئے کافی نہیں ہیں خواہ معشوق کی طرف سے کتنی ہی بے نیازی کا برتاؤ ہو سوال یہ ہے کہ عشق کا اظہار پہلے کس کی طرف سے ہوا عاشق کی جانب سے یا معشوق کے؟

عشقیہ کے مطابق معشوق ایسا سنگدل نہیں ہے کہ عشق سے بے حسی دکھلائے:۔

آں کس کہ بہ عشق یار مسرور بود — بر لشکر غم ہمیشہ منصور بود

وہ شخص جو عشق یار میں مسرور ہوتا ہے — غم کے لشکر پر ہمیشہ فتح پاتا ہے

درحالت مغلوبی آں خستہ جگر — ذاکر باشد ولیک مذکور بود

مغلوبی کی حالت میں وہ خستہ جگر — پہلے وہ ذاکر ہوتا ہے لیکن وہ مذکور بھی ہو جاتا ہے

(فاذکرونی اذکرکم) (میرا ذکر کر میں تیرا ذکر کروں گا)۔

بابا شیخ فرید الدین کی دعا اکثر و بیشتر یہ ہوتی تھی:۔ خدائے عزوجل ترا دردے دہاد (خدائے بزرگ و برتر تجھے درد عطا فرمائے) قاضی حمید الدین کے نزدیک بھی عشق اور درد میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں ہم معنی ہیں۔

آخر میں نتیجہ خیز بات جو بروس لارنس کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ قاضی حمید الدین وحدت الوجود کے قائل ہیں اور ابن العربی سے قبل وہ بات کہہ گئے ہیں جس پر ابن العربی نے اپنے نظریہ کی عمارت کھڑی کی ہے " وہ میرا عاشق ہے اور میں اس کا معشوق۔ میں وہ ہوں۔ میرے بغیر وہ کہاں ہے اور بغیر اس کے میں کہاں ہوں!" (رسالہ عشقیہ ص۲)

یعنی اس وجود کے بغیر اس کا کوئی شہود نہیں اور بغیر اس کے وجود کے شہود کا پتہ نہیں۔

(اشارت بہ وحدۃ الشہود) فقط

میرے دوست بروس لارنس کے مقالے سے استفادہ کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسالۂ عشقیہ میرے نانا حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کا سہروردی ہی کی تصنیف سے ہے حالانکہ یہ کاتب الحروف پچھلے صفحات میں رسالۂ عشقیہ کی تردید کر چکا تھا کہ یہ قاضی حمید الدین ناگوری کی تصنیف نہیں معلوم ہوتی مگر اب میرے فاضل دوست بروس لارنس اور ایک کرم فرما ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کی تحریر سے بھی تصدیق ہو گئی ۔ کہ یہ رسالہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے۔

دیگر رسائے

(۱) **ہفت احباب** :۔ یہ رسالہ مطبوعہ (اردو ترجمہ) حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ منسوب ہے ۔ احباب کے نام حسب ذیل ہیں :۔

(۱) حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ (مصنف باب اوّل رسالہ عقد سیماب) صہ ۱۲۲-۴۰ ۔

(۲) جوگی گیان ناتھ عرف شیخ سعادت منڈ (باب دوم رسالہ سیت ساگرہ ۔ جوگی گیان ناتھ صہ ۱۴۷-۴۲ فارسی ترجمہ ۲۷ ساکھیاں گرد گورکھ ناتھ از حضرت حمید الدین ناگوری و امرت مکھ کا دوسرا عمل از حضرت شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ۔

(۳) حضرت شیخ سلیمان منڈوی رحمۃ اللہ علیہ (باب سوم رسالہ ہفت کوکب) صہ ۲۰۶-۳۲ بمع منتر مہادیو ۔

(۴) حضرت سید ہاشم بخاری رحمۃ اللہ علیہ (باب چہارم رسالہ ہفت طبقہ صہ ۲۲۳-۵۱

(۵) سید طیب لودھی رحمۃ اللہ علیہ (باب پنجم رسالہ ہفت جوہر صہ ۲۵۲-۹۶ ۔

(۶) حضرت نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نارنولی (باب ششم رسالہ ہفت ایام صہ ۲۰۷-۲۷

(۱) حضرت مولانا محمد صادق صاحب ملتانی ر باب ہفتم رسالہ ہفت روح ص ۲،۲ طبع منتر ہیر چند جوگی وضمیمہ مجربات حکیم حافظ محمد شریف رضا ماہر اکسیر گیان ناتھ جوگی۔

جنہوں نے ایک اکسیر حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور دوستوں کو پیش کیا تھا لیکن اسکو کسی نے اٹھایا بھی نہیں بلکہ ہنسنے لگے۔ گیان ناتھ نے اعتراض کیا تو احباب نے اس جوگی کو آڑے ہاتھوں لیا اور بطور نصیحت کہا کہ تم نے کیمیا کا علم حاصل کرنے میں چالیس سال کی عمر گنوادی۔ انہیں اوقات کو یاد خدا میں گزارتے تو بہت کچھ حاصل ہوتا۔ اس پر گیان ناتھ کا احساس کمتری ومحرومی جاگ اٹھا اور انہوں نے اپنی پرانی کیمیا گری سے توبہ کر کے اسلام قبول کرلیا جس میں روحانی کیمیاگری کا سبق پڑھایا گیا ہے نام اس جوگی کا قبول اسلام کے بعد شیخ سعادت منار رکھا گیا۔

اس رسالے ہفت احباب میں سے ہر ایک شخص کیمیا کا نسخہ اپنے اپنے طور پر پیش کرتا ہے یاد رہے کہ حضرت قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہندوستانی جوگیوں سے ہوتی رہی ہے ایسے ایک جوگی کا حوالہ میں طوالع الشموس کے تحت پڑھ چکا ہوں بعد کے بزرگوں میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں بھی جوگیوں کا ذکر ہے راجستھان میں بھی حضرت بابا اسحاق مغربی اور ان کے پرورده وجانشین حضرت شیخ احمد کھٹو کے ملفوظات میں بھی جوگیوں کی ملاقات کا تذکرہ مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول کے اردو ترجمے سیرت احمدیہ میں پڑھنے کو ملتا ہے اب میں اس رسالے ہفت احباب کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں کہ اس رسالے کا زیر اکس مجھ کو ایک کرم فرما جناب مولانا جابر حسین بجنوری کے ذریعے حاصل ہوا جس میں یہ پڑھ کر مجھ کو دلچسپی ہوئی کہ یہ رسالہ ہمارے نانا قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا گیا ہے لبعد میں

پتہ چلا کہ ایک قدیم ترجمہ حضرت سید زین العابدین موجودہ دیوان صاحب درگاہ اجمیر شریف، کے پاس بھی ہے اور اس کا ایک فارسی مخطوطہ میرے برادر قاضی محمد یعقوب صاحب (ناگوری) کی تحویل میں ہے جو میرے دیکھنے میں آیا تھا مگر اب ان کے جانشین ان کے پوتے شہر قاضی حافظ قاری مولوی محمد معراج صاحب کے پاس یہ نسخہ نہیں ہے مگر اس کے مترجم جناب عبدالرحمٰن براہوی ساکن ہدہ کوئٹہ (اپریل ۱۹۶۶ء) ترجمے کے دیباچے میں رقمطراز ہیں کہ پچاس ساٹھ برس پہلے فارسی رسالے "ہفت احباب" کے ترجمے اردو میں ہونے شروع ہوئے جن میں بے شمار غلطیاں پائی گئیں۔ برسہا برس کی کاوش کے بعد مترجم نے یہ ترجمہ پیش کیا ہے اور "کیمیا گر" اور "کیمیا گری" پر سو صفحات پر مشتمل ایک تمہیدی رسالہ لکھ کر پوری کتاب پیش کر دی ہے۔ جرنلسٹ حکیم نور محمد چوہان صاحب نے اس میں ترمیم و اضافہ بھی فرمایا ہے ہم علم کیمیا کے ماہر نہیں ہیں حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا علم کیمیا کے خلاف فتویٰ موجود ہے لہٰذا میں اس رسالے میں اس بات کا متلاشی ہوا کہ اس پورے رسالے کے مؤلف و مرتب کہے جانے والے حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کون بزرگ ہیں کیا اس کتاب کے مضامین اور طرز تحریر سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت محمد بن عطا بخاری عرف قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف سمجھی جائے جیسا کہ اخبار الاخیار (فارسی) اور آب کوثر (اردو) سے قاضی صاحب کا تعارف اخذ کر کے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے کہ انہیں بزرگ اور ان کے مندرجہ احباب کی ملاقات گرو گورکھ ناتھ (جوگی) کے شاگرد گیان ناتھ جوگی ماہر کیمیا سے ہوئی تھی اور جو اکسیر گیان ناتھ نے اپنی تیار کردہ پیش کی اس کو تو ہاتھ نہیں لگایا مگر علم کیمیا کی افادیت کے قائل و معقول ہو کر اپنے اپنے طور پر ایک ایک رسالہ خود لکھ ڈالا اور ان رسالوں کے مجموعے کا نام "ہفت احباب" رکھ کر شائع کر دیا گویا قاضی حمید الدین ناگوری بذات خود کیمیا گری کے ماہر تھے

اور اس طرح پہلی فصل والا رسالہ عقد سیماب ان سے منسوب کر دیا گیا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی سوانح اور علمی فضیلت پر جو کچھ مواد حاصل ہوا ہے اس کا خلاصہ اس کتاب میں دے دیا گیا ہے ان میں علم کیمیا کا کہیں ذکر نہیں ہے الا یہ کہ قاضی رحمان بخش صاحب (رودولی شریف) نے افاضات حمید کے صفحہ ۴۶ پر مناقب ۱۶ کے تحت گیان ناتھ جوگی کی قاضی صاحب سے ملاقات کا ذکر بغیر کسی حوالے کے ان کی بغداد کی واپسی پر پنجاب میں کیا ہے کہ گیان ناتھ نے کسی گھاس کی جڑ قاضی صاحبؒ کو پیش کی جسے انہوں نے دریا میں ڈال دیا۔ یہاں پر گیان ناتھ کا اسلامی نام مبارک دیا گیا ہے جن کا مدفن دہلی میں قطب صاحب کے احاطے کے باہر جانب شمال بیس قدم کے فاصلے پر بتایا ہے۔

یہاں پر بھی صاحب افاضات حمید لکھتے ہیں کہ کتاب ہفت احباب قاضی صاحب نے اسی گیان ناتھ کی یادگار میں دربارۂ علم کیمیا لکھی جو ایک مشہور نسخہ ہے (جس کا پتہ رحمان بخش صاحب پیش نہیں کرتے) چونکہ یہ نسخہ ہفت احباب جناب عبدالرحمن پراہوی کے ترجمے کی شکل میں میرے ہاتھ لگا ہے لہٰذا حسب ذیل وجوہات و دلائل کی بنا پر میں اس کو قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ منسوب کیے جانے سے متفق نہیں ہوں اس کتاب میں ترمیم و اضافہ ہے "حمیدالدین ناگوری" کو قاضی حمیدالدین ناگوری (محمد بن عطا) مان کر ان کا تعارف کرا دیا گیا مگر یہ نہ دیکھا کہ ایسی کتاب جس کے تمام تر مضامین جوگیوں کی تحریروں سے لیے گئے ہیں جو شرکیہ منتر مہادیو ص ۲۲۵ (نمبر ہفت احباب) ہونے کے علاوہ سفلی عملیات سے بھرے ہوئے ہیں کیونکہ کیمیا گروں کے یہاں منتر جنتر سے بھی کام لیا جاتا تھا روزہ رکھ کر بعض اوقات شراب اور گوشت سے افطار کیا جاتا تھا ص ۲۷۵ (ہفت احباب) فصل دوم رسالہ ہفت روح) اس کے علاوہ یہ کتاب عہد سلاطین لودھی کی تالیف معلوم ہوتی ہے (غالباً سلطان سکندر لودھی) کیونکہ مفردات کا وزن بہلولی وزن سے دو جگہ پر بتلایا گیا ہے (ہفت احباب ص ۱۶۱ و ۲۶۳) یعنی سلطان لودھی کے زمانے کا وزن یعنی باٹ

تول یا مقدار۔ ہفت احباب میں سے ایک یار (سید طیب) کی پہچان "لودھی" کے لقب سے کی گئی ہے
حضرت شیخ سلیمان کو "منڈوی" کہا گیا جب کہ مانڈو یا منڈو تیرہویں صدی میں ابھی فتح نہیں ہوا تھا گیان ناتھ
جوگی کا اسلامی نام اس کتاب میں "شیخ سعادت مند" اور افاضات حمید میں "مبارک" لکھا گیا ہے۔ گیان
ناتھ کو گرو گورکھ ناتھ کا چیلا مان بھی لیا جائے تو مورخین ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکے ہیں کہ گورکھ ناتھ
تیرہویں صدی عیسوی میں ہوئے ہیں یا گیارہویں بارہویں میں۔

اس سرسری جائزے کے پیش نظر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری جیسے جید عالم کو اس
کتاب ہفت احباب کا مصنف، مؤلف یا اس کے ایک فصل کا مضمون نگار مان لینا بہت بڑی
جسارت ہوگی اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو علم و فن کیمیا میں ملوث کرنا ان کے
مرتبے سے ان کو گرانا ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

آخر میں فوائد الفواد کے حوالے سے رسالہ روح الارواح کا ذکر کر دیا ہے
کہ فرمایا حضرت نظام الدین اولیاء نے کہ قاضی حمید الدین اکثر تقریروں میں روح الارواح
کا مضمون پیش کرتے ہیں۔

روح الارواح کے علاوہ چار رسالے ایسے ہیں جن کا حوالہ مصباح العاشقین (تفسیر
والضحی) میں ملتا ہے جس کے مؤلف شہاب الدین بن محمود بن ابراہیم ہیں جو اپنے کو قاضی
حمید الدین ناگوری کا نبیرہ کہتے ہیں۔ یہ چار رسالے ہیں۔ ۱ بحر المرجان۔ ۲ بحر المعرفت۔ ۳ بحر الاسرار
۴ بحر الانوار۔ ان کے علاوہ اس رسالے راحت الارواح کا ذکر اضافات حمید میں راحت القلوب
کے حوالے سے کیا گیا ہے اس طرح بقول قطب الدین مبارکی ان رسالوں کا مجموعہ بن جاتا
ہے جو گویا تصوف کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ "جو کچھ اس مجموعے میں نہیں ہے وہ نہیں کے برابر ہے"۔
ایک اور رسالہ بحر عشق ہے جو مطبوعہ ہے (دیکھئے مشائخ و اتقیاء صنا) فہرست قدیم
کتب کتبخانہ سید نادر آغا لکھنؤ ۳۲ (رستم نگر) یہ حوالہ تھا جو دستیاب نہیں ہو سکی۔

مصباح العاشقین!

(تفسیر والضحیٰ) اور مفسرین کی تشریحات

از شہاب الدین بن محمود بن ابراہیم نبیرۂ بندگی مخدوم قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ۔
حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے مجھے دستیاب ہیں یا جن کا سراغ لگایا
گیا اور جو جعلی قرار پائے ان سب کا جائزہ اپنی ناقص استعداد کے مطابق میں پیش
کر چکا ہوں لیکن ایک تنہا واحد اکیلا رسالہ میرے ہاتھ لگا ہے جس کے مؤلف حضرت
شہاب الدین اپنے کو نبیرۂ قاضی حمید الدین ناگوری کا کہہ کر موسوم کرتے ہیں شجرے میں جو
نبیرگان کے نام ہائے نامی اسمائے گرامی ملتے ہیں وہ میں ابھی پیش کرتا ہوں۔ حضرت شہاب الدین
کتنے پشتوں بعد ہوئے ہیں یہ ابھی ہمیں پتہ نہیں لگا میری جانکاری میں بھی ایک رسالہ ہے
جو اس صدیقیہ سہروردیہ خاندان کے کسی فرد نے تصنیف کیا اور وہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ
رہا لہٰذا میں تبرکاً اس کو قاضی صاحب کی تصنیفات کے بعد اس کتاب میں شامل کرتا ہوں اس
رسالے کا نام "مصباح العاشقین" اور عرف "تفسیر والضحیٰ" ہے کیوں کہ قرآن کے تیسویں
پارہ عم کی سورۂ والضحیٰ کی یہ تفسیر ہے جو تصوف کے رنگ میں کی گئی ہے اور قاضی حمید الدین کے
تصنیف کردہ رسالوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد مصنف علیہ الرحمہ اپنا نام شہاب الدین بن محمود بن ابراہیم
نبیرۂ بندگی حضرت مخدوم قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف
چار عدد جن کے حوالے اس کتابچے میں ملے ان رسالوں کو میں قاضی صاحب کے رسالوں میں شامل
کر کے سب سے آخر میں درج کر چکا ہوں اس معروضے کے ساتھ کہ یہ رسالے آج دستیاب
نہیں لیکن مصنف اپنے پیر دستگیر کا حوالہ بھی دیتے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی ایک جگہ

پیر جمال الدین بتلاتے ہیں ابتدائے کتاب میں اپنے دادا صاحب (جدِ اعلیٰ) رحمۃ اللہ علیہ کے لئے "بندگی مخدوم" کے القاب استعمال میں لائے ہیں جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مصباح العاشقین چودہویں صدی کے اواخر یا پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل کا ہو سکتا ہے جب کہ شمالی ہند میں یہ دونوں القاب "بندگی مخدوم" رواج پا رہے تھے تاریخ مبارک شاہی اور سیر العارفین سے میرے قول کی تصدیق کی جا سکتی ہے اس سے زیادہ مصنف نے اپنے زمانہ و عہد کے بارے میں کوئی ارشاد نہیں دیا ہے ایک جگہ شاہ بوعلی قلندر کا حوالہ آیا ہے جو چودہویں صدی عیسوی کے بزرگ ہیں۔

مؤلف کا دعویٰ ہے کہ یہ کتابچہ تفاسیر معتبرہ و احادیث صحیحہ کے ساتھ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے حوالے جات پر مبنی ہے قاضی صاحب کے چار رسالوں کا حوالہ مؤلف نے دیا ہے لیکن تفسیر و حدیث کی کسی کتاب کا ذکر پورے رسالے میں نہیں ہے میں چونکہ ان فنونِ اسلامیہ کا ماہر نہیں ہوں میں رسالے کی مندرجہ روایات کی صحت پر حکم لگانے سے قاصر ہوں مجھ کو اپنی کوتاہی داماں کی شکایت بھی ہے اور اس رسالے کا ذکر خیر "تبرکاً" کر رہا ہوں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے لہٰذا "تفاسیر معتبرہ" اور "احادیث صحیحہ" کی ذمہ داری مؤلف علیہ الرحمہ پر چھوڑتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① وَالضُّحٰی وَاللَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ‫{‬ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دن کے وقت
ترجمہ: چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے ‫}‬ چاشت کی قسم کھائی ہے، واللیل کی قسم کو صلوٰۃ تہجد سے تعبیر کیا گیا ہے کہ "شب عاشقوں کی خلوت ہے" پیغامبر علیہ السلام رات ہی کے وقت امِ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر محوِ خواب تھے کہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اٹھا کر معراج میں بلائے گئے۔ والضحیٰ کے ضمن میں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ مصطفیٰ علیہ السلام

کے دندانِ مبارک کی صفائی وشفافی کا حوالہ دے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت نقل کرتے ہیں جس میں عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ حضرتؐ کی مسکراہٹ سے حضور کے دانت کھل گئے اور حجرہ روشن ہوگیا جس سے بغیر چراغ کی روشنی کے زوجۂ محترمہ نے سوئی میں تاگا ڈال کر سلائی کا کام پورا کیا تھا یہی دانت جنگِ احد میں مجروح ہو لگے اس وقت صحابہ زیارت کریں گے اس کے آگے قاضی صاحب کی کتاب بحرالمرجان کا حوالہ ہے (ص۳) اور اسی کے آگے لوائح کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لوائح میں " بندگی مخدوم " قاضی حمیدالدین ناگوری کا لکھا ہوا بھی میں نے دیکھا ہے کہ اہلِ عشق کا قرار (برداشت) یہ ہے کہ سچے عاشق لوگ معشوق کا نام ہرگز زبان پر نہیں لاتے (اس کی) دلیل یہ ہے کہ معشوق حاضر ہوتا ہے یا غائب اگر حاضر ہوتا ہے تو خود اس کا نام لینا بے ادبی ہے اور اگر غائب ہے تو خود عاشقی کہاں رہی! اور انبیاء بھی عاشقانِ درگاہ ہوئے ہیں اور ہمارے پیغمبر آنحضرت (اللہ) کے محبوب اور ایں حضرت (پیغمبر) ہمیشہ حاضر اور ہمیشہ ناظر ہوتے ہیں اسلئے صریح (صراحت والا) ارشاد نہیں ہے بلکہ اشارے کنایے کے ساتھ ہے (وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی) ترجمہ۔ چاشت کی قسم اور رات کی جب وہ پردہ ڈالے (کنز الایمان)۔ یعنی صریح کے مقابلے کنایہ فائق ہے یعنی بہتر و بزرگ ہے ۔

ایک مرتبہ منافقوں نے وحی پر اعتراض کے سلسلے میں یہ اعتراض اٹھایا کہ تین مسئلے توریت میں مشکل ہیں جو ان منافقوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے :۔ ایک مسئلہ اصحاب کہف دوسرا قصہ ذوالقرنین تیسرا مسئلہ روح ۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کل بتلاؤں گا " اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے اس کے بعد چند روز وحی نازل نہ ہوئی جس پر پیغمبر علیہ السلام دل شکستہ ہوئے اب منافق آئے اور سوال کے جواب کا تقاضہ کرنے لگے ۔ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ اور ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کہو وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۔ ترجمہ۔ چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے

رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ (کنز الایمان)

بحر المرجان میں لکھا ہے کہ اس سے قبل کہ جبرئیل پہونچیں حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا کو حکم ہوا کہ اے ہوا تو جا اور حبیب کو یہ پیغام پہونچا تاکہ اس کے دل کو قرار پہونچے ہوا کا پیغام پاکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دل شاد ہوئے اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام بھی آگئے اور عرض کیا یہ بات سراسر محبت وعشق کے بھیدوں اور وعیدیں کی بات ہے کہ تمام بیگانہ منافقوں کے درمیان کل کا قول آپ نے ادا کیا اور زبان سے انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کہا اور نہ ہی دل میں کہا اس کے علاوہ آپکے دروازے پر کتے کا بال پڑا ہوا تھا جہاں پر کتے کا بال پڑا ہوا ہوتا ہے وہاں پر ہماری گذرگاہ نہیں ہوتی آج کے دن اس بال کو ہوا اڑا لے گئی لہٰذا ہم آئے ہیں۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ ترجمہ۔ کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ یعنی منافق لوگ کہہ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اللہ نے قسم کی یاد دلا کر فرمایا" اے محمد صلی اللہ علیک وسلم۔ منافق جھوٹ بولتے ہیں ہم نے تجھ کو نہیں چھوڑا ہے" جبرئیل نے دو مسئلوں کا جواب بتلایا قصۂ کہف اور ذوالقرنین البتہ مسئلہ روح کا جواب نہ بتلایا قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ کے حکم سے ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۔ ترجمہ۔ اور بے شک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔ آخرت یعنی قیامت میں جب نفسی نفسی ہوگی اور آفتاب سوا نیزے پر ہوگا اس وقت اے سید! میں تجھ کو اذن دوں گا کہ مانگ جو کچھ مانگتا ہو۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن وحی نازل ہوئی تو جمال پیغمبر زرد ہوگیا یاروں نے

وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جبرئیل آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ میں نے تیری امت کے تین حصے کئے اور ایک حصے کو بغیر حساب وکتاب بخش دیا تو دوسرے (دو حصوں) سے شفاعت کا ہاتھ کھینچ لے" پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوئے اور سبھی کے بخشش کی درخواست کی اس پر فرمان ہوا کہ "دو حصوں کو بخش دیا لہٰذا باقی لوگوں کی شفاعت سے ہاتھ اٹھالے" پیغمبر علیہ السلام نے پھر عاجزی کی کہ نہیں خداوندا! سبھی کو بخش دے اس پر فرمان ہوا کہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۔ یہاں تک کہ ایک امتی خباد نام کو بھی بخشوا کر چھوڑیں گے

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ٥ (کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی)۔

پیغمبر علیہ السلام یتیم تھے ابو طالب نے پرورش کی اللہ نے برگزیدہ کیا اور اوج فلک تک ان کا مرتبہ اونچا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں ایک اسمٰعیل دوسرے عبداللہ۔ اسمٰعیل کا قصہ مشہور ہے مگر عبداللہ کا مشہور نہیں ہے عبداللہ کو عبدالمطلب نے پانچ سو اونٹوں کے عوض میں قرعہ اندازی کے ذریعے حاصل کیا تھا جس کا قصہ بحر المرجان سے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا" اے سید! سلیمان علیہ السلام کو ملک دنیا دیا تو تجھ کو ملک آخرت دیا اور صاحب آب کوثر بنادیا اگر ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل کہا تو تجھ کو حبیب بنایا۔ موسیٰ کو کلیم اللہ کہا اور کوہ سینا پر معراج عطا کیا تو تجھے قاب قوسین پر لے جا کر اپنا محرم اسرار بنایا عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بنایا اور اس کی دعا سے مردہ کو زندہ کیا تو تجھے اپنا دوست کہا اور تیرے گنہگاروں کو بخشا تو یتیم تھا میں نے تجھے سب انبیاء سے بزرگ کیا۔ پہلے تیرے نور کو پیدا کیا پھر تیرے نور سے سب کو پیدا کیا"۔

"بندگی مخدوم" سلطان حمید الدین ناگوری سے نقل ہے کہ ....

....

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ یعنی ہم نے تیرے سینے کو چیرا اور تیرے دل کو باہر نکال کر

حسد اور کینہ سے پاک کیا۔ تو یتیم تھا میں نے تجھے قوت باطن عطا کی ۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔ بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری نے طوالع الشموس میں لکھا ہے کہ قوت ظاہر علم ہے اور قوت باطن عشق ہے اور قوت ظاہر کا ثمرہ حضور و قصور ہے اور ثمرۂ باطن دیدار غفور ہے سلطان حمید الدین ناگوری فرماتے ہیں۔ بیت

عشق از ازل است تا ابد خواہد بود   چوں بندۂ عشق بے عدد خواہد بود
عشق ازل سے ہے، ابد تک رہے گا

فردا چو کتاب عاشقی باز کنند   اے ہر کہ عاشقت رد خواہد بود
کل جب عاشقی کی کتاب کھولے گا

البتہ۔ تصنیف بحر المعرفت میں بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری کا نے ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ اے سیدا تو یتیم نہیں تھا یعنی تو عالم ظہور میں نہیں آیا تھا کہ مجھے تجھ سے محبت تھی اور تمام انبیاء تیرے محب ہیں اور تو محبوب ہے۔ ٹھہر جا! کہ کل کو قیامت ہو جائے تمام انبیاء اور اولیاء میرے جمال کو دیکھیں اور میں تیری طرف دیکھوں تا کہ تیرے اور دوسروں کے درمیان فرق رہے۔

من تو شدم تو من شدی   من تن شدم تو جاں شدی
میں تو ہوا اور تو میں ہوا   میں تن ہوا اور تو جان ہوا
تا کس نہ گوید بعد ازیں   من دیگرم تو دیگری
تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ   میں دوسرا ہوں تو دوسرا ہے

نقل ہے بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری لکھ گئے ہیں کہ جس کے صلب میں نور محمدی تھا اس کا چہرہ ایسا روشن ہوتا تھا کہ اندھیری رات میں کتاب لکھنا یا پڑھنا ہو سکے اور جو کوئی اس کا چہرہ دیکھتا تھا اس کا عاشق اور والہ اور بندہ ہو جاتا تھا۔

نقل ہے بحر الاسرار۔ بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری اپنی تصنیف کردہ کتاب میں

لکھے گئے ہیں کہ قیامت میں جب خلائق بہشت میں آئیں گے تو فرمان ہوگا اے جبرئیل جا اور حضرت حوا کو بتلا دے کہ مریم پارسا اور حضرت آسیہ زن فرعون جس نے مہتر موسیٰ کو پالا تھا لائی جائیں فرمان ہوگا کہ اے میرے حبیب میں نے ان دونوں کو سجایا ہے کہ ہر دو پاک داماں کا تیرے ساتھ عقد کر دوں........

بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

یا من بمیان رسول آیم تو تنہا جہان من تنہا با تو
خورشید بخواہم کہ برآید با تو آئی برسن سایہ نباشد با تو

تجھ کو حلیمہ دوست رکھتی تھی اپنے بیٹوں کو علاحدہ سلاتی تھی تجھے اپنی گود میں لٹاتی تھی۔ اور اپنے سے جدا نہ کرتی۔ یہ سب میرا کرم اور رحمت تھی...........

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى۔ ترجمہ۔ اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

حلیمہ پر خواب کا غلبہ ہوا اور آنکھ بند ہو گئی تو شیطان علیہ اللعنۃ نے تیری پرنور پیشانی کو دیکھا حلیمہ کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور بیابان کی طرف روانہ ہوا میں نے جبرئیل کو فرمان دیا "اے جبرئیل جا۔ حبیب کے اونٹ کی نکیل راستے پر لے آ"۔ یہ میرا کرم اور رحمت تھی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى ۝ (اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا)..

روایت ہے کہ خدیجہ نے اپنا مال و اسباب سید عالم کو بخش دیا سید عالم نے وہ مال نادار مسلمانوں میں لٹا دیا حتیٰ کہ افطار کے لئے بھی کوئی چیز نہ رکھی اور رضائی یعنی چادر مبارک رہن رکھنی پڑی مکانات بھی اہل قریش کے ہاتھ فروخت کر دیئے اور مال فقیروں کو دے دیا.........

یہاں پر حضرت بو علی قلندر کی ایک بیت نقل کرتے ہیں ۔

اے سید تو درویش تھا کہ میں نے تجھے غنا عطا کی ۔ دنیا مردار کو تیری نظر میں جنت بے قیمت کی طرح کر دیا

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ ترجمہ (تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو) ۔

روایت ہے کہ ایک روز سید عالم علیہ السلام یاروں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے حسن وحسین پیغمبر علیہ السلام کی گود میں تھے کہ ایک ہفت سالہ یتیم لڑکا آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اگر میرا بھی باپ یا دادا یا نانا ہوتا تو میں بھی اس کی گود میں بیٹھتا ۔ ابوبکر صدیق نے چار چھوہارے لا کر پیغامبر علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوہارا پہلے یتیم کے سامنے رکھا اور ایک ایک حسن وحسین کو دیا اور ایک اپنے سامنے رکھا یتیم لڑکا بھوکا تھا ہاتھ بڑھا کر یتیم نے چھوہارا پیغامبر علیہ السلام کے سامنے سے لے لیا تو پیغامبر علیہ السلام نے اس یتیم بچے کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا اے لڑکے ! ادب سیکھ لڑکا پیغامبر علیہ السلام کے سامنے سے اٹھ کھڑا ہوا اس پر جبرئیل آ گئے اور فرمان لائے فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ (تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو) اے سید! تو ہرگز یتیم بے باپ والے کی طرف تیز نگاہ مت کر اور قہر کی بات مت کہہ تو بھی یتیم بے باپ کا تھا میں نے تجھے کرم اور رحمت کی نظر سے پالا تھا (بحر المرجان سے ماخذ)

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ (اور منگتا کو نہ جھڑکو) ۔

البتہ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک دن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے بڑے بڑے اور اچھے سیب بک رہے تھے عثمان بن عفان نے ان سیبوں کو خرید کیا اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور سید عالم کی نظر کے سامنے رکھا پیغمبر علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان سیب کو توڑیں کہ اتنے میں سائل آ گیا اور کہنے لگا التوفیق شیٔ عزیز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سیب سائل کو دے دیا عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور سائل کے پاس گئے

اور اس سیب کو خرید لیا پیغمبر علیہ السلام کے سامنے لائے پیغامبر علیہ السلام نے چاہا کہ کھائیں پھر وہی سائل آیا اور کہنے لگا التوفیق شئی عزیز پیغامبر علیہ السلام نے پھر وہی سیب سائل کو دے دیا (اب) علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور اسی سیب کو خرید کر پیغمبر علیہ السلام کے سامنے لائے پیغمبر علیہ السلام نے وہ سیب سائل کو دے کر ارشاد فرمایا انت سائلی یا تاجری ! (تو سائل ہے یا تاجر ہے ؟) اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آگئے اور اللہ حضرت عزت کے پاس سے یہ آیت لائے۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور منگتا کو نہ جھڑکو)۔

رسالہ قطب عالم خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے لکھے ہوئے میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک زانی کو خواب میں دیکھا جو بادشاہی ٹوپی پہنے ہوئے تخت نشین تھا پوچھا اس عزت و احترام کی وجہ کیا ہے۔ وہ زانی بولا کہ ایک دن میں بھوکا تھا میں نے چاہا کہ روٹی کھاؤں کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا تو میں نے وہ روٹی سائل کو دے دی آج کے دن وہ روٹی میرے کام آئی ....

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ترجمہ (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو) مراد نعمت سے اسلام ہے۔ اے سید! یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرع دین کو مومنوں پر بیان کر۔ بعضے کہتے ہیں مراد اس نعمت سے جہاد ہے اور مال اور زکوٰۃ ہے (ماخوذ از بحر المرجان)۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس نعمت سے مراد نبوت ہے یعنی اے سید! تو میرے بندوں پر اس نعمت نبوی کو پہونچا یعنی میری طرف بلا بعضے کہتے ہیں کہ اے سید! میں نے تجھے پرہیز گاری دی تو میرے بندوں کو کہہ کہ پرہیز گاری (تقویٰ) اختیار کریں۔ (ماخوذ از کشف الاسرار)۔

بعضے کہتے ہیں کہ اس نعمت سے مراد نماز کا وقت پہچاننے سے ہے تو میرے بندوں کو بیان کر کر نماز کا وقت پہچانیں۔ اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ مراد اس نعمت سے قبلہ کو پہچاننا ہے۔ بحر الانوار تصنیف بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری میں لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ نعمت پروردگار

پانچ قسم کی ہے:۔

نعمت[1] چشم (آنکھ کی)۔ ونعمت[2] دست (ہاتھ کی)۔ ونعمت[3] پائے (پاؤں کی)۔ ونعمت[4] تن (بدن کی)۔ ونعمت[5] دل (دل کی)۔

میں نے اپنے پیر دستگیر شیخ جمال الحق والدین سے سنا ہے یعنی یہ کہ بقول بندگی مخدوم شیخ شیوخ جہاں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس نعمت سے مراد شکر ہے دوسری بات مراد اس نعمت سے باطن ہے۔ بندگی مخدوم سلطان حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بحر المرجان اپنی تصنیف میں نعمت ظاہر و باطن کو دس وجہ سے بیان کیا ہے۔

کتاب پیر دستگیر معرفت القلوب میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ نعمت ظاہر و باطن پانچ وجہ سے ہے۔

سوانح عمری و سیرت

حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

عطاء اللہ محمود بخاری کے لڑکے تھے نام محمد تھا لقب حمید الدین خطوط میں محمد عطاء اور شعر و شاعری میں حمید درویش لکھتے تھے نکاح اول کرمان میں ہوا۔ نکاح ثانی کے بعد پہلی بار جب چوہان دور میں ہندوستان تشریف لائے تو اہل و عیال کو پیشاور چھوڑ دیا تھا یہ خبر خاندانی روایات پر مبنی ہے والد کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا قیاس کے مطابق ۵۶۱ ۵۶۰ھ ۔ ۶۵-۱۱۶۴ء جگدیو چوہان کا لڑکا پرتھوی راج دویم کے عہد میں پہلی بار ناگور تشریف لائے) اور قاضیان ردول کہتے ہیں یہ شیخ حمید الدین ریحانی کے جنازے کی امامت کی واللہ اعلم۔

اسی سال ناگور میں مسماۃ تیلن کے لڑکے کی نزع کا واقعہ پیش آیا ہوگا جس میں اختلاف ہے۔ مسجد خرآدیان اسی زمانے کی آپکی یادگار ہوسکتی ہے اس کے بعد وطن کو واپس ہوگئے واپسی کے کچھ بھی حالات معلوم نہیں ہیں میرے نزدیک اس دور کا کارنامہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نزع

کا ذکر ہے ۔

آمد بار دوم

۶۵-۱۱۶۴ء عیسوی کے بعد کا زمانہ غالباً تصنیف و تالیف میں گزرا ہوگا :۔ طوالع الشموس، رسالۂ عشقیہ لوائح ۔ لوائح کے علاوہ اربعین (چہل حدیث) یادگار ہیں ۔ عرف عام میں بہتر رسالوں کی تالیف محمد عطا بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کی جاتی ہے ۔ جب قطب الدین کاشانی دہلی میں پہونچے تو حضرت محمد عطاء اللہ کا انتقال ہوچکا تھا ۔ فرمانے لگے کہ میں حمید الدین ناگوری کی محبت کی وجہ سے آیا تھا ۔ مرحوم کے مجموعۂ رسائل جات دیکھتے دیکھتے فرمانے لگے کہ ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ سب ان رسائل میں ہے اور جو کچھ ہم نے اور تم نے نہیں پڑھا ہے اور نہ سمجھا ہے وہ بھی ان رسائل میں ہے (سیر العارفین ص ۱۵-۲۱۴) شیخ جمالی کا یہ قول حضرت نظام الدین اولیاء کے قول پر مبنی معلوم ہوتا ہے (فوائد الفواد ص ۲۱ اردو ترجمہ از حسن ثانی نظامی)

ترکوں کی فتح دہلی (۱۱۹۲ء = ۵۸۸ ھ) کے بعد غالباً بعہد سلطان محمد بن سالم المعروف بہ شہاب الدین غوری (دوسری بار) محمد بن عطاء اللہ محمود کا دلّی آنا شیخ جمالی نے سیر العارفین میں لکھا ہے یعنی ۱۱۹۲ء سے ۱۲۰۶ء عیسوی کے درمیان جب کہ ان کو ناگور کی قضا کا عہدہ سلطان کی طرف سے تفویض کیا گیا تھا اس عہدے پر تین سال فائز رہے لیکن کسی وجہ سے دل اچاٹ ہوا تو عہدے سے مستعفی ہوکر واپس تشریف لے گئے ۔ استعفا اور واپسی بقول سیر العارفین بحکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقع ہوئی ۔ سیر العارفین (ص ۲۱ اردو ترجمہ) تین سال ناگور کے قاضی رہنے کی وجہ سے محمد عطا اب قاضی حمید الدین ناگوری مشہور ہوگئے ہوں گے ۔

آمد بار سوم

ابھی تک حضرت محمد بن عطا کسی پیر کے ساتھ وابستہ نہ تھے اب پہلی بار حضرت شیخ شہاب الدین

سہروردی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ارادت کا شرف حاصل کر کے خلافت کا منصب پایا۔ بغداد ہی میں دو بزرگوں سے رابطہ ہوا جن میں شیخ شمس الدین سمرقندی سے بیعت خرقہ اور خواجہ قطب الدین اوشی سے ملاقات ویگانگت حاصل ہوئی پیر کی اجازت سے اول زیارت روضہ مدینہ منورہ اور مجاورت کے بعد حج مکہ معظمہ نصیب ہوا۔ بارگاہ رسالت سے آپکو قاضی حمیدالدین ناگوری کا خطاب عطا ہوا اسی وقت آپ ناگور کی طرف چل پڑے (افاضات حمید صہ ۱)

طواف کے دوران ہی وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر فوائد الفواد میں ہے کہ جن بزرگ کی پیروی طواف میں کر رہے تھے وہ حضرت ہر قدم میں ایک ختم کلام اللہ کرتے تھے (ترجمہ صہ ۹ فوائد الفواد)

اب تیسری بار جب ہندوستان کا رخ کیا تو راجدھانی دلی میں ایلتمش کی حکومت تھی جو اس سے قبل بدایوں کا حاکم سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں رہ چکا تھا۔ التمش اپنے لڑکپن میں بغداد میں غلامی کی زندگی بسر کر چکا تھا اور سماع کی ایک محلس میں مقراض کے ذریعے شمع کا گل کاٹتا تھا تب سے اس لڑکے کو قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے جو اب خوبی قسمت اور اولیاء اللہ کی دعاؤں سے تخت سلطنت پر فائز تھا (۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء مطابق ۶۳۳ھ-۱۲۳۶ء)

قاضیان روہل کی خانگی روایات کے مطابق بعہد التمش، جو سلطان شمس الدین کے نام سے ملقب ہوا۔ ناگور سے لگ بھگ بیس کیلومیٹر پر روہل کا گاؤں قاضی صاحب کو بخشا گیا۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس بستی کو راجپوت قزاقوں سے چھڑا کر آباد کرنا افاضات حمید میں لکھا ہے قصبہ روہل میں قاضی صاحب کے آثار میں چلے کی مسجد اور پیر پہاڑی بتلائی جاتی ہیں روہل کی بستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشاک مبارک، جبہ شریف کے نام سے زیارت گاہ خاص وعام ہے اور اب روہل شریف کے نام سے مشہور ومعروف ہے کافی تعداد میں آپکے خاندان کے لوگ وہاں آباد ہیں جو صحیح النسب آپکی اولاد سے ہیں روہل شریف اور جبہ شریف کے مفصل حالات افاضات حمید میں لکھ کر شائع کئے گئے ہیں اور اس رسالے مؤلفہ رحمان بخش وکیل سے میں نے بہت کچھ

استفادہ کیا ہے جیسا کہ ناظرین کرام پیچھے ملاحظہ کر چکے ہوں گے آگے چل کر متنازعہ جبہ شریف کے تحت کچھ اور بھی مزید جانکاری جبہ شریف سے متعلق فقیر ہدیۂ ناظرین کرے گا۔ انشاء اللہ۔

طبقات ناصری کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کا ملتان میں آنا حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان کی حیثیت سے اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی موجودگی میں ۶۲۱ھ = ۱۲۲۴ عیسوی میں ثابت ہے۔

حضرت قاضی صاحب کا ۶۱۷ھ = ۱۲۲۰ عیسوی میں ناگور میں موجود ہونا اس وقت پایا جاتا ہے جب حضرت امام رضی الدین صنعانی[1] بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سفر بغداد کے لئے نکلے تھے اور دلّی سے چلے ہوں گے تو ناگور ہوتے ہوئے گجرات کی طرف جا رہے تھے۔ ناگور کے دوران قیام ۶۱۷ھ = ۱۲۲۰ عیسوی میں حضرت محدث بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالۂ حدیث مصباح الدجیٰ کا درس دیا تو قاضی کمال الدین (غالباً قاضی وقت) کے علاوہ قاضی حمید الدین ناگوری بھی درس حدیث میں موجود پائے گئے (سرور الصدور ص ۳۶) اس طرح اشارہ ملتا ہے کہ روہل کی جاگیر کی وجہ سے حضرت قاضی حمید الدین صحیح معنوں میں ناگوری بن چکے تھے۔ ناگور خاص میں ان کی اولاد کا مدرسہ بھی تھا جس کی جگہ پر اب مدرسہ حنفیہ صوفیہ اور اوپر کی منزل پر دار العلوم صوفیہ حمیدیہ متصل ناہر پول چاندنی چوک (اب گاندھی چوک) میں واقع ہے اور یہ مقام بیرون ناہر پول سر دست محلہ پیرزادگان چشتیان و سہروردیان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دہلی اور ناگور کے درمیان ان کی نقل و حرکت رہتی ہوگی اور ظن غالب یہ ہے کہ بدایوں سے رابطہ قائم ہونے کا واسطہ امام صنعانی رحمۃ اللہ ہی بنے ہوں؟ واللہ اعلم۔

بہرکیف حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی آمد ۶۲۱ھ = ۱۲۲۴ء سے اپنی وفات ۶۳۳ھ = ۱۲۳۵ء تک کے بیس سال کے زمانے کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ روہل کی زمینداری کا کاروبار اپنے

---

[1] سرور الصدور میں صنعانی اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں صنعانی لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صاحبزادوں کے سپرد کیا اور احمد ظہیر الدین منجھلے صاحبزادے کو سلسلۂ سہروردیہ کی مقامی یعنی ناگور کی ذمہ داری دے کر قطب صاحب کی مصاحبت اختیار کی اس بات میں اختلاف کی گنجائش ہے کہ ۱۲۲۴ء میں قطب صاحب کی آمد دہلی کے وقت قاضی صاحب دہلی میں مقیم تھے یا اول قطب صاحب دہلی میں مقیم ہوئے پھر قاضی صاحب ان کی مصاحبت میں رہنے لگے پچھلے سات سو برسوں میں معینیہ - قطبیہ - فریدیہ - نظامیہ - نصیریہ پانچ بزرگوں کے حالات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر ناگور کے حالات پر نا حال کما حقہ توجہ مبذول فرمانے والے کسی مصنف کا مجھ کو پتہ نہیں ہے یا ملفوظ کا جس سے کہ اس دور کے قاضی حمید الدین علیہ الرحمہ کے حالات مستند طور پر معلوم ہوتے - مصنفین متاخرین نے جو سب کے سب چشتیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے - قاضی صاحب کو چشتیہ سلسلے کا بزرگ مان کر ان کے ساتھ بڑی بے انصافی اور غیر دیانت داری کا برتاؤ کیا ہے پہلے تو قاضی حمید الدین صاحب کو قطب صاحب کا استاد و مکتب مان کر بعد میں قطب صاحب کا مرید و خلیفہ یہاں تک کہ خواجہ معین کا مرید و خلیفہ تک کہہ دینے میں ان کو عار نہیں ہوا - قطب صاحب کی طالب علمی کے حالات اور ان کی عمر شریف کے بارے میں بھی غیر ذمہ دارانہ طور پر بے سر اور بے پیر کی باتیں مشہور کی ہیں جنکا کوئی وجود نہیں - خاص کر سماع (قوالی) کے ضمن میں چونکہ قاضی صاحب قوالی کے رسیا اور علم بردار تھے اور قوالی میں اکثر و بیشتر قطب صاحب کا اور ان کا چولی دامن کا ساتھ رہتا تھا بہت سی غلط باتیں متاخرین کی کتابوں میں درج ہو گئی ہیں لہذا میں اس بیس سال کے زمانے کو صحیح اور مستند واقعات کی بنیاد پر سمجھنے کے لئے قاضی صاحب کے واسطہ سے اس دور کو دو حصوں میں بانٹ کر پیش کرنا چاہتا ہوں -

پہلا دور ۳۷ - ۱۲۲۴ء = ۳۵ - ۶۲۱ھ

یہاں سا پڑے گا کہ ناگور کی خانگی ذمہ داریاں اور سلسلۂ سہروردیہ کا مقامی کام صاحبزادگان

کے سپرد کرکے قاضی صاحب کا دہلی منتقل ہونا اور دہلی میں مستقل سکونت کی حالت میں حضرت قطب صاحب کی رفاقت اختیار کرنا اس دور کا واقعہ ہے اس دور میں قوالی کے جواز کا مسئلہ راجدھانی دلّی میں چھایا رہا اور قاضی سعد و قاضی عماد کے علاوہ رکن الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ شرف الدین بحیری جیسے مخالفوں کی پرواہ نہ کرکے سماع کا جھنڈا قاضی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے بلند رکھا۔ محضر سے متعلق دربار شمسی کی حاضری کے بعد روہل کے قافیوں کی روایت ہے کہ قاضی حمیدالدین ناگوری ایک بار پھر بغداد کے سفر پر روانہ ہوئے ہیں کہ بغداد کے فتوے کے بعد ہی قوالی کا جواز دہلی میں پورے طور پر رائج ہوگا حالانکہ ان دنوں قوالی کو روکنے والا دہلی میں کوئی بااثر طاقت ور اہل علم نہ تھا وجہ یہ تھی کہ سلطان شمس الدین قطب صاحب کا مرید تھا اور قاضی صاحب کی عظمت اور بزرگی اس کے دل میں جاگزین تھی حضرت قاضی صاحب اور حضرت قطب صاحب باہمی رفاقت میں ایک جان دو قالب ہو رہے تھے جیساکہ شیخ جمالی نے قطب صاحب کے تحت حوض شمسی کی تعمیر کے سلسلے میں ایک روایت درج کی ہے کہ اکثر خواجہ قطب الدین ... اضی حمیدالدین وہاں عبادت میں مشغول رہتے اور ان کے ساتھ دیگر مصاحبین بھی مثلاً بدرالدین غزنوی (خلیفہ قطب صاحب) خواجہ محمود موئنہ دوز (غالباً مصاحب قطب صاحب) اور شیخ تاج الدین منور اوشی جن (آخرالذکر) کو ایک بزرگ نیلم پوش ابوسعید دمشقی (مردان غیب میں سے) ملے اور فرمایا کہ حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور محمد عطار (قاضی حمیدالدین ناگوری) کو میرا سلام پہونچاؤ (سیرالعارفین ترجمہ ص ۲۱-۲۲) شروع کے دس سال قاضی حمیدالدین کے قطب صاحب کی رفاقت میں اچھے گزرے ہوں گے ۲۳-۱۲۲۵ء = ۶۲۳-۶۲۴ھ میں حضرت غریب نواز اور سلطان التمش کا یکے بعد دیگرے وصال ہوگیا اور ۱۲۳۷ء = ۶۳۵ھ میں قطب صاحب بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے قطب صاحب کی آخری قوالی کا وجد و حال مشہور ہے جس میں اس شعر پر۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانے دیگر است
تسلیم کے خنجر کے مارے ہوؤں کو | ہر لحہ غیب سے دوسری جان عطا ہوتی ہے

قطب صاحب علیہ الرحمۃ نے جان جان آفریں کو سپرد کی اس واقعہ میں حضرت کا سر قاضی صاحب کی گود میں تھا اور پیر شیخ بدرالدین غزنوی کی گود میں ۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ

قاضی حمید الدین ناگوری کے آخری چھ سال ۱۲۳۶ء-۴۲ ۴۱-۶۳۵ھ

حضرت قاضی حمید الدین کے آخری چھ سالوں کے حالات کی تفصیل مجھ کو میسر نہیں ہے لیکن سماع تو قاضی صاحب کی روحانی زندگی کا مشغلہ تھا۔ شیخ نصیر الدین چراغ اس دور کی ایک قوالی کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں اور صاف فرماتے ہیں کہ اس مجلس سے قبل حضرت قطب صاحب انتقال فرما چکے تھے پہلے فرمایا کہ شیخ الاسلام شیخ قطب الدین قدس سرہٗ العزیز اس وقت حیات میں تھے پھر تفکر کیا اور فرمایا کہ حیات میں نہیں تھے۔ اچھا تو قاضی حمید الدین ناگوری تو تھے ہی زندہ سلامت۔ اس وقت استسقا (خشک سالی) ہوا۔ بادشاہ نے درویشوں کے پاس آدمی بھیجے اور کہلایا "جنگ و قتال" ہمارا حق ہے۔ ہم وہ کر رہے ہیں دعا آپ کا حق ہے آپ لوگ دعا فرمائیں تاکہ بارش برسے۔ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ "درویشوں کو ایک دعوت دی جائے۔ بارش ہو گی"۔ بادشاہ نے جب سنا کہ قاضی حمید الدین نے سماع کی مانگ کی ہے تو کہا کہ ضرور بارش ہو گی" فوراً حکم دیا کہ دعوت کا بندوبست کیا جائے اور اس وقت کے درویش حاضر ہوئے اور قاضی حمید الدین بھی حاضر ہوئے درویشوں کو تواجد ہوا بارش شروع ہوئی۔ اتنی برسی کہ خلق نے کہا کہ اگر ہوتی رہے تو بہت اچھا ہو۔ الحمد للہ رب العٰلمین (خیر المجالس ص ۴۵) اسی روایت کو ذرا بڑھا کر شیخ جمالی نے نقل کیا ہے اور حاضرین مجلس کے جو نام دیئے ہیں وہ یہ ہیں:۔ حضرت شیخ علی سجزی۔ حضرت شیخ قاضی حمید الدین ناگوری۔ حضرت شیخ احمد نہروال۔ حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی

سید قطب الدین غزنوی، شیخ نظام الدین ابوالمؤید غزنوی۔ حضرت شیخ محمود موئینہ دوز اور دوسرے درویش بھی جمع تھے۔ (سیر العارفین ترجمہ ص ۲۲۰-۲۲۱)

ان دنوں سلسلۂ سہروردیہ کا کار منصبی مقامی طور پر منجھلے صاحبزادے احمد ظہیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھا (یعنی ناگور کا کام) اور دہلی میں یہی کام بڑے لڑکے ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے تھے جن کے بیٹے معین الدین رحمۃ اللہ علیہ مرید و خلیفہ شیخ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ شاہ ولایت امروہہ ہوئے۔ شیخ ناصح الدین کی ایک روایت شیخ نظام الدین اولیاء نے اس طرح بیان کی ہے "فرمایا کہ بدایوں میں ایک درویش تھے جن کو عزیز بشیر کہتے تھے۔ وہ بدایوں سے دہلی قاضی حمید الدین ناگوری کے صاحبزادے ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خرقہ لینے آئے ہوئے تھے اسی نیت سے سلطان کے حوض (تالاب نالہ یعنی تالاب مراد ہے) کے کنارے ایک اجتماع کیا درویشوں میں سے بعض وہاں تشریف لائے اس درمیان ہر شخص حوض سلطان کے میٹھے پانی کی تعریف کر رہا تھا۔ ان عزیز بشیر نے جو خرقہ حاصل کرنے آئے تھے جو حوض سلطان کو دیکھا تو کہا کہ یہ چھوٹا حوض ہے۔ حوض ساگر (ساگر تال) جو بدایوں میں ہے اس حوض سے زیادہ اچھا ہے! احمد کبیر وہاں حاضر تھے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو مولانا ناصح الدین سے کہا کہ خرقہ مت دیجئے۔ یہ مبالغہ کرنے والے آدمی ہیں مولانا ناصح الدین نے ایسا ہی کیا ان کو خرقہ نہیں دیا (فوائد الفواد ص ۱۹-۲۹)

مولانا احمد ظہیر الدین (ناگور) کے بارے میں کوئی خاندانی روایت قاضیان رو ہل اور اولاد ناگور کی جانب سے مجھ تک نہیں پہونچی ہے۔

بذلہ سنجی | قاضی صاحب کی سیرت میں بذلہ سنجی کو دخل تھا خوش طبعی اور لطیفہ گوئی کی دو روایات یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا:۔

فرمایا شیخ نظام الدین اولیاء نے کہ "ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری اور قاضی کبیر (الدین) اور برہان الدین بلخی نیلوی کہیں جا رہے تھے قاضی حمید الدین خچر پر سوار تھے وہ لوگ اونچے اچھے

گھوڑوں پر۔ القصہ اس دوران مولانا کبیرالدین نے قاضی صاحب سے کہا کہ "مولانا آپکا مرکب (سواری کا خچر) بہت صغیر (چھوٹا) ہے۔ خواجہ حمیدالدین ناگوری نے کہا (مگر) کبیر (بڑے) سے بہتر ہے"۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور کہا دیکھو کیسا جواب دیا کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا (فوائد الفواد ص ۴۰۸-۴۰۹)

بذلہ سنجی کی دوسری حکایت بھی فوائد الفواد میں ملتی ہے۔ فرمایا حضرت نظام الدین اولیاء نے کہ "اس شہر میں سماع کا سکہ قاضی حمیدالدین ناگوری نے چلایا اور قاضی منہاج الدین نے بھی وہ بھی جب قاضی بنے اور صاحب سماع ہوئے تو ان کی وجہ سے اس کام میں استقامت آئی۔ لیکن قاضی حمیدالدین ناگوری اس کے باوجود کہ مخالف ان سے دشمنی اور جھگڑا کرتے تھے اپنی بات پر جمے رہے چنانچہ ایک دفعہ کوشک سفید (سفید محل) کے پاس کسی مکان میں ان کی دعوت کی گئی۔ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز اور دوسرے بزرگ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے مولانا رکن الدین سمرقندی کو خبر لگی کہ یہاں سماع (قوالی) ہے وہ (اس کے) زبردست مخالف تھے۔

اپنے گھر سے خدمت گاروں اور متعلقین کے ہمراہ روانہ ہوئے تاکہ اس گھر میں جائیں اور سماع سے منع کریں۔ قاضی حمیدالدین کو صورت حال کی اطلاع دی گئی انہوں نے مالک مکان سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ۔ تمہیں کتنا ہی بلائیں تم سامنے مت آنا۔ اس نے ایسا ہی کیا اس کے بعد قاضی حمیدالدین نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دیا گیا اور سماع شروع ہوا۔ مولانا رکن الدین سمرقندی جب اپنے اہالی موالیوں کے ساتھ مکان کے دروازے پر پہونچے تو پوچھا مالک مکان کہاں ہے؟ کہا گیا کہ مالک مکان موجود نہیں رہیں۔ دوبارہ پوچھا گیا اور بہت کچھ ڈھونڈھ بھال (کی گئی) اور اصرار ہوا کہ گھر والا کہاں ہے (مگر) یہی بتایا گیا کہ ہمیں کیا خبر کہاں ہے؟ رکن الدین سمرقندی نے جب مالک مکان کو نہ پایا تو

دروازے سے لوٹ گئے۔ خواجہ ذکراللہ بالخیر جب اس بات پر پہونچے تو تبسّم فرمایا اور کہا کہ قاضی حمید الدین ناگوری نے اچھی ترکیب کی کہ مالک مکان کو غائب کر دیا کیونکہ مالک مکان کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لئے اگر رکن الدین سمرقندی بے اجازت اندر آتے تو وہ خود دیکھ لیں آجاتے (فوائد الفواد ترجمہ نظامی ص ۴۷)

مکارم اخلاق

پابندی شریعت کے علاوہ قاضی حمید الدین ناگوری کی سیرت میں مکارم اخلاق کا اچھا نمونہ ملتا ہے۔ نظام الدین اولیاء اپنی تیسری حکایت میں فرماتے ہیں کہ (قوالی کے بارے میں) بحیریوں نے کبھی قاضی حمید الدین سے جھگڑا کیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ مولانا شرف الدین بحیری بیمار ہوئے قاضی حمید الدین اس صفائے قلب کی وجہ سے جو درویشوں کی صفت ہے بیمار پرسی کے لئے مولانا شرف الدین کے دروازے پر آئے ان کو خبر کی گئی کہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں انہوں نے کہا کیا وہی آئے ہیں جو خدا کو معشوق کہتے ہیں؛ میں ان کا منہ نہیں دیکھوں گا القصہ ان کو اندر نہ آنے دیا گیا (ایضاً ص ۴۰۸) فوائد الفواد۔

تقویٰ

قاضی حمید الدین ناگوری ایمانداری اور پرہیزگاری میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ (سیر العارفین ص ۲۱)۔ حضرت قطب الدین بختیار اوشی سے زندگی اور موت میں جدا نہیں ہوئے چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے مزار ایک ہی جگہ واقع ہیں اور حضرت شیخ قطب الدین سے خلوت وجلوت میں علیحدہ نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قطب صاحب کی عظمت کو ملحوظ رکھا۔

علوم ظاہر و باطن

علم باطن کی قاضی صاحب کی تصانیف کا تو خاصہ تذکرہ آچکا ہے علوم ظاہر پر قاضی صاحب کی کسی مستقل تصنیف کا مجھے علم نہیں ہے البتہ شیخ جمالی کی شہادت موجود ہے کہ "علم ظاہری میں وہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے"

اگر علم شریعت (قرآن۔ حدیث اور فقہ) پر قاضی صاحب کو عبور نہ ہوتا تو اس ذہنگی کے ساتھ فقہائے کرام کا سماع کے بارے میں مقابلہ نہ کر سکتے جو انہیں کا حصہ تھا۔ (دیکھئے رسالہ اسماع)۔

نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے قوالی کے بارے میں ایک نوجوان فقیہہ کی روایت بیان کی ہے "قاضی حمید الدین کے سماع کا بہت چرچا ہوا تو اس زمانے کے مخالفین نے بڑے فتوے مانگے اور جواب لئے اور سب نے لکھا کہ سماع حرام ہے ایک فقیہہ (معتا) داؤد تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنکا قاضی حمید الدین کے یہاں بھی آنا جانا تھا شاید انہوں نے بھی اس فتوے پر کچھ تحریر کیا تھا اس کی خبر قاضی حمید الدین کو پہونچائی گئی اس دوران یہ فقیہہ قاضی حمید الدین کی خدمت میں آئے قاضی (صاحب) نے ان سے مخاطب ہو کر کہا "کیا تم نے بھی اس کا جواب لکھا ہے" خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے فرمایا کہ اس روز قاضی حمید الدین نے بھی اپنا راز ظاہر کر دیا الغرض جب ان فقیہہ نے کہا کہ جی ہاں میں نے لکھا ہے تو قاضی حمید الدین بولے کہ وہ سب مفتی جنہوں نے جواب لکھا ہے میرے نزدیک ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہیں۔ تم پیدا تو ہو گئے ہو لیکن ابھی بچے ہو! (ایضاً ص۴۹) فوائد الفواد۔ سیر العارفین ص۲۱۴

ریاضت و عبادت

روضۂ اقطاب سید محمو بولاق رحمۃ اللہ علیہ میں کتاب راحت القلوب کے حوالے سے تحریر ہے کہ ایک وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ و قاضی حمید الدین ناگوری و مولانا بدر الدین غزنوی دہلی کی جامع مسجد میں معتکف تھے اور ریاضت کرتے تھے اور ہر ایک بزرگ نے یہ وظیفہ مقرر کیا تھا کہ دن رات میں ایک ایک دو دو قرآن شریف ختم کریں گے ایک دن یہ ارادہ کیا کہ آج تمام رات بیدار رہیں اور دو رکعت نماز نیاز کے ساتھ ایک پاؤں سے کھڑے ہو کر پڑھیں اور دن نکال دیں تینوں نے ایک دل ہو کر وضو کیا اور نماز میں مشغول ہوئے قاضی حمید الدین ناگوری امام ہوئے اور دونوں نے انکی

اقتدا کی۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے اول رکعت میں تمام قرآن شریف ختم کر کے چار پارے زیادہ پڑھے اور دوسری رکعت میں ختم کر دیا سلام کے بعد تینوں صاحب نے ایک پیر سے کھڑے ہو کر دعا مانگی اور کہا کہ " الٰہی جیسے تیری عبادت اور ریاضت کرنی چاہیئے اس طرح ہم سے نہ ہو سکی تو ہم کو اپنے کرم سے اور فضل سے بخش دے " مسجد کے گوشے سے آواز آئی کہ " اے میرے دوستو! تم نے اچھی عبادت کی۔ پس ہم نے تم کو بخشا اور اپنے عاشقوں میں قبول کیا اور تم اپنے مطلب کو پہونچے "۔ واللہ اعلم (روضۂ اقطاب باب سویم صفحہ ۲۱-۲۰)

کرامت و خرق عادت

صاحب روضۂ اقطاب سیر الاولیاء سے نقل کرتے ہیں بروایت خواجہ قطب الدین کہ ایک وقت میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کر کے دریا کے کنارے پہونچے کہ مجھ کو بھوک لگی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک بکری دو روٹیاں جو کی منہ میں رکھے ہوئے آئی اور ہمارے آگے رکھکر چلی گئی ہم نے انکو خداداد سمجھ کر کھالیا اور اسکی نعمت کا شکر ادا کیا اس عرصے میں ایک بچھو بلی کے برابر آکر جلدی سے دریا پار ہو گیا ہم نے دیکھ کر تامل کیا اور کہا اس میں کچھ نہ کچھ حکمت ہے آؤ ہم بھی دریا پار ہوں اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیں ہم نے دعا کو ہاتھ اٹھائے کہ دریا خشک ہو کر زمین خشک ظاہر ہوئی۔ ہم اسی وقت پار ہو گئے کیا دیکھتے ہیں کہ دوسرے کنارے پر درخت کے تلے ایک مرد سو رہا ہے عنقریب تھا کہ ایک اژدہا اس کو کھائے کہ اس بچھو نے ڈنک اژدہے کے مار کر اس کو ہلاک کر دیا اور غائب ہو گیا ہم نے جانا کہ یہ مرد کوئی بہت بڑے بزرگوں میں سے اور نیک ہو گا کہ خدا نے اس کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ جب ہم قریب پہونچے تو دیکھا کہ ایک مرد شراب پیئے بدمست پڑا ہے پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی ایسا گنہگار نافرمان اور وہ اللہ تعالیٰ اس پر ایسا مہربان! اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ " اے عزیزو! اگر ہم اگر نیک بختوں اور پارساؤں کو نگاہ میں رکھیں تو یہ شراب خور اور گنہگاروں کی کون حفاظت اور پرورش کرے گا اسی سوچ بچار میں تھے کہ وہ مرد ہشیار ہوا ہم نے سارا ماجرا اسکو سنایا

وہ سن کر شرمندہ ہوا اور شراب خوری اور بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔

(روضۂ اقطاب باب دویم صد۱ سیرالاولیاء اردو ترجمہ صد۵۸ و ۵۹)

ایک اور کرامت طعام سماع کے بارے میں صاحب روضۂ اقطاب نے نقل کی ہے بحوالہ سبع سنابل جب کہ قاضی حمید الدین کے گھر مجلس سماع تھی حضرت خواجہ قطب الدین بھی حاضر ہوئے اور خلقت بہت تھی۔ جب مجلس سماع موقوف ہوئی قاضی حمید الدین ناگوری نے خواجہ قطب صاحب سے کہا سب کو کھانا دینا چاہیئے پس خواجہ قطب الدین نے اپنی دونوں آستینیں جھاڑیں اور ہر ایک حاضرین کے سامنے دو دو کاک حلوی گرم کے ساتھ موجود ہوئے اسی مجلس سماع میں ایک شخص ڈھائی سیر شکر قاضی صاحب کے واسطے لایا تھا قاضی صاحب نے اس شکر کو چھاگل میں ڈال کر سات پیالے پانی کے ڈالے اور کہا کہ ہر ایک حاضرین مجلس جس قدر شربت چاہیں پئیں۔ اگرچہ آدمی ہزاروں تھے لیکن شربت حسب دل خواہ ہر ایک نے پیا۔ بعد فراغ مجلس بھی سات پیالے بڑے چھاگل میں باقی رہے تھے۔

(روضۂ اقطاب باب دویم صد۱۹ سبع سنابل صد۲۴۴)

ایک حکایت ملک زادہ سعد الدین تنبولی کے حوالے سے ہدیۂ ناظرین ہے۔ سعد الدین سلطان شمس الدین التمش کا بھانجہ کہا جاتا ہے روضۂ اقطاب میں مفتاح السعادت کے حوالے سے تحریر ہے کہ ایک دن سعد الدین تنبولی نے خواجہ صاحب اور قاضی صاحب سے ملنے کا قصد کیا اور خدمت میں پہونچکر عرض کیا کہ بندہ چاہتا ہے کہ آپ کے مریدوں میں شامل ہو اور خدمت کرے۔ خواجہ صاحب نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابھی تجھ کو لیاقت فقیروں کی خدمت کی نہیں ہے کیونکہ زر و دینار جمع کرتا ہے ملک زادہ اپنے گھر الٹا پھر گیا اور جو کچھ اس کے گھر میں تھا وہ سب فقیروں کو دے دیا تارک و تائب ہو کر صبح کو دوسرے دن شیرینی اور پانی لے کر پھر خواجہ کی خدمت میں عرض ارادت کی تو خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے

قاضی حمید الدین کو فرمایا کہ اس جوان تارک و تائب کو مرید کرو قاضی صاحب نے بحسب ارشاد خواجہ قطب الدین اس کو مرید کرلیا اس کے دل کی سیاہی دھودی اور دنیا سے اس کا دل سرد ہو گیا اب سلطان التمش کو فکر ہوئی تو حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا مجلس میں سعد الدین بھی حاضر تھا جب سلطان کی ضیافت کی غرض سے خواجہ صاحب نے دونوں آستینوں سے کاک گرم و سفید نکالیں تو قاضی صاحب سے کسی قدر مٹی جو وضو کے پانی سے تر تھی زمین سے اکٹھا کر کے کاک کے اوپر رکھدی کاوہ مٹی حلوا بن گئی سلطان نے کہا سعاد الدین نے بھی کوئی نعمت حاصل کی ہے یا نہیں؟ قاضی صاحب نے اس کی طرف دیکھا ملک زادے نے ہاتھ بغل سے نکال کر دو بیڑے پان کے سلطان کو دیئے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

بے بنیاد باتیں

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ قطب الدین اوشی رحمۃ اللہ علیہ ایک جان دو قالب تھے اس میں کوئی شک نہیں اور اس یگانگت کی خاص وجہ قاضی صاحب کا سماع کے ساتھ شغف تھا جو ان کی سوانح کے مطالعے سے صاف ظاہر ہے دوسری طرف حضرت خواجہ قطب صاحب کو بھی قوالی میں غلو تھا اس کے نتیجے میں متاخرین کے زمانے میں یہ رائے قائم کرلی گئی کہ ہو نہ ہو حضرت قاضی صاحب چشتیہ سلسلے سے نسبت رکھتے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے قاضی صاحب کو قطب صاحب کا مرید اور خلیفہ لکھ دیا ستم بالائے ستم یہ کہ شیخ معین الدین چشتی (حضرت خواجہ بزرگ) اور بچے بختیار اوشی کو اوش میں اکٹھا دکھلا کر یہ بیان کیا گیا کہ حضرت خواجہ معین الدین سجزی نے بختیار بچے کو بسم اللہ پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ قاضی حمید الدین ہندوستان سے آرہے ہیں وہ بسم اللہ پڑھائیں گے ۔

چنانچہ قاضی صاحب نے اوش پہونچکر بچے سے پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ

۱۵ پارے تو مجھے ماں کے پیٹ میں یاد ہو گئے تھے لہٰذا بلا تاخیر بقیہ پندرہ پارے قاضی صاحب نے یاد کرا دیے۔ اللہ کی پناہ! یہ تو بیان چشتیہ حضرات کا ہے لیکن سہروردیہ سلسلہ کے شیخ جمالی رقمطراز ہیں کہ اوش میں ایک باکمال معلم ابوحفص کا مدرسہ تھا وہاں قطب صاحب بچہ کو سپرد کیا گیا کہ اس کو قرآن ناظرہ پڑھایا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی نے یہ حکایت خیر المجالس میں نقل کی ہے (ص۱۰۱)

فرماتے ہیں کہ "خدمت شیخ قطب الدین قدس سرہٗ نے ان ابا حفص کے سامنے قرآن ناظرہ ختم کیا لیکن جب بڑے ہوئے اور اس شہر میں یعنی دہلی میں آئے تو تیس سال کے بعد قرآن یاد کیا"۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے بیان سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں (قطب صاحب) نے عمر کے آخر میں قرآن یاد کیا۔ جب پورا حفظ ہو گیا تو اس وقت رحلت فرمائی۔ (ص۱۳۵)

تیس سال کی عمر میں قرآن یاد کیا ہو یا تیس سال کا عرصہ یاد کرنے میں لگا ہو جیسا کہ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ "بعد سی سالگی" سے مطلب نکالا جا سکتا ہے لیکن محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں کہ "درآخر عمر قرآن شریف یاد گرفت"۔ "چوں تمام محفوظ شد آنگاہ نقل فرمود" ان مبہم الفاظ سے نتیجہ نکالنا کہ کس عمر میں حضرت قطب صاحب ہندوستان تشریف لائے اور کس عمر میں انتقال فرمایا بڑے جسارت کی بات ہوگی چشتیہ روایت کا قول تو یہ ہے کہ قاضی سعد و قاضی عماد کے فتویٰ سماع کے وقت قطب صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی اور امرد تھے یعنی منہ پر داڑھی کے بال ظاہر نہیں ہوئے تھے؛ جب مفتیوں کا اعتراض ہوا تو آپ نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور چشم زدن میں چہرے پر داڑھی نمودار ہو گئی؛ جب کہ سیر العارفین کا بیان ہے کہ بیس سال کی عمر میں حضرت اوش میں تھے اور ان کی والدہ نے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ دوسری خبر جو استفاد کا درجہ رکھتی ہے یہ ہے کہ ۱۲۱۴ء

(۶۱۱ ہجری) میں پہلی بار خواجہ قطب صاحب ہندوستان میں داخل ہوئے اور اس سال ملتان میں کفار کا غلبہ تھا اور انکی دعا سے ملتان کے قلعہ کو چھوڑ کر مغل چلے گئے یہ بھی ہم کو علم ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ۶۳۳ یا ۶۳۴ یعنی قاضی حمید الدین کے انتقال سے دس سال یا چھ سال قبل حضرت خواجہ قطب الدین نے وصال فرمایا ان بیانات اور تاریخوں کو سامنے رکھنے کے بعد بھی آج تک مستند نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا کہ حضرت قطب صاحب کی عمر شریف کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے۔

چشتیہ بزرگ سید محمد بولاق رحمۃ اللہ علیہ مؤلف رسالہ روضۂ اقطاب باب ششم کے صفحہ ۹۰ میں دعویٰ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ (باوجود اختلاف) کتب تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر خواجہ قطب الدین کی چوہتر برس کی تھی اور جو کم بتاتا ہے وہ غلط ہے" باوجود کوشش کے اجمیر کی اشاعت کا رسالہ قطب الاولیاء از گدڑی شاہ بابا جس میں مندرجہ بالا اشتباہات پر روشنی ڈالی گئی ہے مجھ کو میسر نہ ہوا لہٰذا میں ان باتوں پر کوئی فیصلہ کن رائے دینے سے قاصر ہوں علاوہ اس کے میرا موضوع سخن" خواجہ قطب الدین بختیار نہیں ہے۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سے ان کے تعلقات کی بنا پر اس قدر باتیں مجھ کو عرض کرنی پڑیں۔

وفات حسرت آیات
حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

سب سے پہلے قاضی صاحب کی تاریخ وفات کے استناد (سند) کا مسئلہ ہے۔ اختلاف کو رفع دفع کرنے کیلئے جو کتبہ چند سال قبل ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی نے قبر کے چھپے ہوئے حصے سے ڈھونڈ کر نکالا وہ ۱۱ رمضان ۶۴۳ ؁ عیسوی مطابق چھ سو کتالیس (۶۴۱ ؁ھ) ہے۔ عرس کی تاریخ تو ۱۱ رمضان ہی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ

لطائف اشرفی ملفوظ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کچھوچھہ شریف کے مندرجہ سن ۸۱۴ھ سے کتبے کی عبارت کا ملان ہو گیا تو اب بات پکی ہو گئی کہ مستند تاریخ وفات ۱۱ رمضان ۶۴۳ھ ہجری ہی ہے ۔ یہ کتبہ شیخ سلیمان ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بعہد اکبر بادشاہ لگوایا تھا ۔ مرض الموت کچھ نہیں ! ۔ ۱۱ رمضان کی تراویح میں قرآن سنا کر حضرت قاضی حمید الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فارغ ہوئے اور وتر کی نماز کے بعد سجدے میں تھے کہ اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن (سیر العارفین ص۲۳)

تدفین

حضرت قاضی صاحب کی وصیت کے مطابق حضرت قطب صاحب خواجہ بختیار اوشی کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پائین ایک اینٹ کی نیچائی میں حضرت کو دفن کیا جانا تھا مگر ان کی اولاد نے وصیت کے خلاف قطب الدین صاحب کے پائین جب دفن کیا تو ان کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اپنے والد محترم) کے قبر کی کرسی قطب الدین صاحب کی کرسی سے نیچی رکھی جائے ۔

حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کا معمول اکثر قطب صاحب (اپنے دادا پیر) کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے جانے کا تھا ۔ فرماتے ہیں کہ "دونوں بزرگوں (قطب صاحب اور قاضی صاحب) کی قبروں کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنے میں بڑی حلاوت حاصل ہوتی ہے ۔ یہ مدفن شریف قصبہ مہرولی (قطب صاحب کی لاٹ) میں اس زمین پر ہے جس کو قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی قبر کے لئے پسند فرمایا تھا ۔ روایت ہے کہ عیدگاہ سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک جگہ ٹھہر گئے کہ "اس خطۂ زمین سے بوئے محبت آتی ہے ۔" مالک آراضی کو بلوا کر اس زمین کو خرید کر لیا اور اپنے پاس سے قیمت ادا کر دی اور فرمایا کہ یہیں میری قبرگاہ ہوگی ۔

حضرت کی وفات کے بعد قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو تو حجرے کے اندر قبر کیلئے

خاص جگہ لی۔ ان کے علاوہ قطب الدین صاحب کے بعض مصاحبین بھی مقبرے کے آس پاس دفن کئے گئے جن کے مدفن آج بھی موجود ہیں ....

نقل کتبہ

یہ کتبہ شیخ سلیمان سہروردی میرے نانا کا لگوایا ہوا ہے جب بعہد اکبر بادشاہ ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۶ء میں انہوں نے قاضی صاحب کی لحد پر مقبرہ تعمیر کیا تھا قاضی محمد نجیب مؤلف مناقب حمیدیہ رحمہ نے سب سے پہلے ۱۰۲۷ھ (مطابق ۱۶۱۷ء) میں اس کتبہ کو دیکھا تو اپنی کتاب میں نقل کیا۔ اسی کتاب کے حوالے سے افاضات حمیدیہ میں کتبہ ناقص طور پر نقل کیا گیا ہے جس کو حال کے زمانہ میں ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی سابق ڈائرکٹر آرکیالاجیکل سروے آو انڈیا ناگپور نے ایڈٹ کرکے اپنے محکمے کے رسالے عربین اینڈ پرشین سپلی مینٹ ۱۹۶۸ء میں شائع کیا (پ ۲۷-۲ اسکیل ۱۷)

کتبہ اسطرح ہے: — وفات حضرت شیخ المحققین، قطب العارفین، شاکر بارگاہ قدس، (محققوں کے شیخ) (عارفوں کے قطب) (بارگاہ قدس کے شاکر) طائف کعبۂ انس، (کعبۂ انس کے طواف کرنے والے) در دریائے حقیقت، (دریائے حقیقت کے موتی) جوہر کان طریقت، (طریقت کی کان کے جوہر) محبوب محمد حمید (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حمید کے محبوب) بندگی شیخ محمد حمید الدین نور اللہ مرقدہٗ (بندگی شیخ محمد حمید الدین اللہ منور کرے ان کی مرقد کو) در شب دوشنبہ (پیر کی رات میں)۔

مناقب حمیدیہ سے بس اسی قدر کتبہ رحمان بخش وکیل نے افاضات حمیدیہ میں نقل کیا ہے (ص ۵۲-۵۱)

اس کے آگے یہ الفاظ ڈاکٹر دیسائی نے پڑھے:۔

یازدہم ماہ رمضان سنۃ ۶۴۱ ہجری جاء الشمس فی الحمل فلک اللیل

(گیارہویں ماہ رمضان سن چھ سو اکتالیس ہجری اس رات کو آفتاب برج حمل میں آیا تھا)

اسی کے ساتھ شیخ سلیمان سہروردی نے اپنی عبارت علیحدہ سے اس طرح کندہ کرائی اس میں قاضی صاحب کے لئے دیگر القاب درج کئے۔ وہو ہذا۔ (افاضات حمیدیہ میں یہ بھی ناقص ہے)۔ ہذا مرقد النور، قطب الاولیاء فی الآفاق، وغوث الاتقیا
(یہ نور والا مرقد) (دنیا کے اولیاء کے قطب) (اور استحقاق
بالاستحقاق، الامام العالم العابد، الولی الفاضل الکامل
کے ساتھ متقیوں کے غوث) (عالم عابد اور امام) (فاضل کامل ولی)۔
شیخ حمید الدین نور اللہ مرقدہ عمر ہذا الروضۃ خادم
(شیخ حمید الدین ان کے مرقد کو منور کرے (اس روضے کی تعمیر کی) (فقیروں کے خادم
الفقراء سلیمان بن بھیکھ فی سنۃ اربعۃ وسبعین وتسعمائۃ
سلیمان بن بھیکھ نے ۹۷۴ھ ہجری نو سو چوہتر میں)

اس طرح کتبے دو عدد ہوئے:۔

ایک کتبہ سنہ وفات کا ۶۴۱ھ ہجری = ۱۲۴۱ء عیسوی

دوسرا کتبہ سنہ تعمیر روضہ کا ۹۷۴ھ ہجری = ۱۵۶۶ء عیسوی

اس کے بعد افاضات حمیدیہ میں ایک روایت یہ درج کی گئی ہے:۔ چونکہ آپ کی یہ وصیت تھی کہ مجھے اس طرح دفن کیا جاوے کہ میرا سر حضرت قطب الدین بختیار کے پیروں کی طرف ہو لہٰذا وصیت پر عمل کیا گیا مگر فرزندان قاضی صاحب کو یہ ناگوار تھا اس لئے مزار شریف کا چبوترہ بلند کروا دیا (سیر الاولیاء ص ۱۶۳، اخبار الاخیار ص ۳۵)۔

اس کے آگے اضافہ ہے کہ اس پر عالم رویا میں قاضی صاحب نے اپنے فرزندوں کو فرمایا کہ تم نے چبوترا اونچا بنوا کر مجھ کو روئے مبارک حضرت بختیار سے شرمندہ کیا اور حضرت بختیار نے فرمایا کہ جس روز سے حضرت قاضی صاحب کو یہاں رکھا ہے میں نے اپنے پیر سمیٹ لئے۔ مزار آپ کا مہرولی قطب صاحب میں بمقام دہلی کہنہ، پایان حضرت

بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (واللہ اعلم)۔

سلسلۂ سہروردیہ کی سربراہی

ہندوستان میں سلسلۂ سہروردیہ کے جائزے میں فقیر حقیر پیچھے عرض کر چکا ہے کہ شمالی ہند کے پنجاب اور سندھ میں سہروردیہ سلسلے کی اشاعت کا سہرا حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو ہے، جو بعہد سلطان شمس الدین التمش نجم الدین صغریٰ کی معزولی کے بعد دہلی کے شیخ الاسلام بنے اور یہ معزز عہدہ ان کے خاندان میں تین۳ پشت تک چلا۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی ہیں روایت ہے کہ حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین عمر بغدادی کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں میرے کئی خلیفہ ہیں، انہیں میں قاضی حمید الدین ناگوری کا بھی ہیں ہم لکھ چکے ہیں کہ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہو کر جب قاضی صاحب آئے تو سلطان التمش کے زمانے میں ان کے بڑے اور منجھلے لڑکے سلسلے کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے:۔ دہلی میں اور ناگور میں۔ مگر خود قاضی صاحب کے بارے میں دو۲ باتیں مشہور ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرید بہت کم کرتے تھے دوسرے یہ کہ مریدی اور خلافت کے بارے میں اہل کسب یعنی دھندے والوں اچھوتوں کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت قطب الدین بختیار کی آمد کے بعد ۱۲۲۴ عیسوی میں یا اس کے بعد قاضی صاحب کی مستقل سکونت دہلی میں ہوئی تو ان کی بزرگی اور روحانی عظمت کی شہرت بدایوں (اتر پردیش) پہونچی جہاں مسلمانوں کی خاص آبادی تھی اور سلطان التمش خود بدایوں کی حکومت سے ترقی پا کر دہلی کے تخت و سلطنت کا مالک بنا تھا مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدایوں کے۔

اہلِ اسلام پہلے سے ہی سہروردیہ سلسلے سے مانوس تھے اور اب قاضی صاحب نے خود دہلی بیٹھے ہوئے اپنے بعض خلفاؤں کو بدایوں بھیجنا پسند کیا۔ یہ بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ ۶۲۰ھ میں حضرت امام رضی الدین صنعانی یا صغانی رحمۃ اللہ علیہ محدث بدایونی کی آمد ناگور میں ہوئی اور انکے درسِ حدیث میں قاضی وقت کمال الدین کے ساتھ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری بھی شریک تھے۔ اس طرح بدایوں سے قاضی صاحب کا رابطہ صاف ظاہر ہے اور بدایوں کے ساتھ قاضی صاحب کی دلچسپی قابلِ ملاحظہ ہے۔ کم از کم ایک بار قاضی صاحب کا بدایوں تشریف لے جانا واقعات سے ثابت ہے جب شیخ نہروالی رحمۃ اللہ علیہ کا کرگھا دیکھ کر فرمایا تھا کہ احمد کب تک اس میں مشغول رہو گے اور اسی کے بعد شیخ نہروالی کے ہاتھ میں چوٹ آئی اور انہوں نے اس پیشے کو خیر باد کہا تھا قاضی حمید الدین ناگوری کے مریدین و خلفاء کے لئے ملے دیکھو میرا ماخذ سیر العارفین، سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف سہروردی مصنف جمالی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہے جس کے اردو ترجمے سے فقیر نے حسبِ ذیل اقتباس پیش کئے ہیں:۔

شیخ احمد نہروالی بدایونی

حضرت نظام الدین اولیاء کا قول ہے کہ شیخ حمید الدین ناگوری نے تمام عمر میں صرف تین مرید کئے جو تینوں ہی صاحب کشف و کرامات ہوئے۔ ان میں زیادہ شہرت کے مالک شیخ احمد ہیں گجراتی جولاہے جن کی اصل گجرات کے سولنکی راجپوت راجاؤں کی راجدھانی نہروالا سے تھی اس لئے نہروالی کہلائے اور بدایوں آکر رہے۔ حضرت قطب الدین بختیار اوشی کو ان سے بہت محبت و مودت تھی حضرت قطب صاحب اور شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا (دونوں ہی حضرات) شیخ احمد نہروالی کے برابر نہ کسی کو پسند کرتے تھے اور نہ کسی کی ان کے برابر تعریف کرتے تھے۔ وہ ان کی شان میں فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ احمد کا استغراق اور ان کی مشغولی دس صوفیوں کی برابر ہے۔

(فوائد الفواد صفحہ ۲۸۹) سیر العارفین صفحہ ۲۱۵

شیخ احمد نہروالی کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ ایک رات چور ان کے گھر میں گھسا حضرت نہروالی اسوقت مشغولِ عبادت تھے۔ کرگھے میں جو کپڑا بننے کو چڑھایا تھا اس میں سے دس بارہ گز کپڑا کاٹ کر چور کے سامنے ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو چور اپنے متعلقین کے ہمراہ شیخ کے پاس آیا اور چوری سے توبہ کی اور ان کی خدمت میں رہ کر خدا رسیدہ ہوا۔

شیخ نہروالی جب جامع مسجد کو جاتے تو ان کے بہت سے مریدوں کا ایک گروہ ساتھ جاتا اس گروہ کو دیکھ کر شیخ علی شوریدہ شرماتے۔ نہروالی ایک دن اپنے گروہ کی ہمراہی میں کہیں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا کہ ایک ترک اس پر ظلم کر رہا ہے مریدوں نے شیخ کے حکم سے مظلوم کی چاروں طرف حلقہ بنایا اور ظالم ترک کو اس کی حرکت نازیبا سے روک دیا اتنے میں علی شوریدہ آ گئے تو نہروالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "دیکھو اس طرح ہم اپنی جماعت کے ذریعے مظلوم کو ظالم سے بچاتے ہیں"۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جس قوالی میں بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو واقعہ خاص پیش آیا تھا اس مجلس میں شیخ احمد نہروالی بھی موجود تھے (فوائد الفواد ص ۲۹۱) سیر العارفین ص ۲۱۵

شیخ احمد نہروالی کو کبھی کبھی کرگھے پر کام کرتے کرتے ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ وہ اس بے خودی کی حالت میں کپڑا بننا چھوڑ دیتے لیکن کرگھا چلتا رہتا اور کپڑا از خود تیار ہوتا رہتا۔

ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوری آپ سے ملنے آئے اور واپس جاتے وقت کہا شیخ احمد کب تک اس کام میں مشغول رہو گے۔ قاضی حمید الدین کے جانے کے بعد شیخ احمد نہروالی کرگھے کی منجیں کسنے کیلئے اٹھے کہ ضرب سے ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ ہندی میں فرمایا "اس پیر نے میرا ہاتھ توڑ ڈالا" اس کے بعد بافندگی کا پیشہ چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ مزار آپ کا بدایوں میں ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۹۷ خیر المجالس ص ۲۸۶)

۱؎ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اشتباہ ہے کہ نہروالی رحمۃ اللہ علیہ کس کے مرید تھے۔ کہتے

ہیں یہ نعمت نفیسہ مادھو سے پائی تھی ایک روز شیخ احمد نہروالی ہندوی کلام گارہے تھے نفیسہ مادھو امام جامع مسجد اجمیر نے کہا ہندوی گانے کے بجائے قرآن حفظ کرلو شیخ احمد نہروالی رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ کرلیا۔ (ق ف ص ۲۹۰)

شیخ عین الدین قصاب

شیخ عین الدین قصاب رحمۃ اللہ علیہ شہر دلی کے نوبٹہ بازار میں گوشت فروخت کیا کرتے تھے۔ کشف وکرامات سے جس کے حق میں جو بات کہہ دیتے وہ پوری ہو جاتی۔

حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ "میں نے ان قصاب کو دیکھا تھا اور انکی صحبت میں رہا ہوں۔ انکی دعا سے قاضی فخر الدین ناقلہ قاضی بن گئے۔ ایک دوسرا آدمی انکی دعا سے امیر داد بن گیا تھا۔ تیسرے صاحب مولانا وجیہہ الدین شیخ کی دعا سے عالم ربانی اور اہل تقوی ہو گئے تھے۔ علی ہذا القیاس چوتھے آدمی مولانا احمد بھی شیخ کی دعا سے خدا رسیدہ ہوئے"۔ (فوائد الفواد ص ۱۲ - ۱۱۳)

شیخ شاہی رسن تاب

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے مرید شیخ شاہی رسن تاب ہیں یعنی رسیاں بٹنے والے جو بدایوں میں رہا کرتے تھے۔ بڑے صاحب کشف اور اہل حال۔ لوگ ان کو شیخ شاہی روشن ضمیر بھی کہتے تھے (جو لقب ان کے پیر کا دیا ہوا تھا) ایک روز حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خرقہ دیا اور حضرت شیخ محمود موئینہ دوز کو کہلا بھیجا کہ "میں نے آج اس جوان کو خرقہ پہنا دیا ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟" محمود موئینہ دوز نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کام نہایت پسندیدہ اور برگزیدہ کیا ہے آپ کا کام مستحسن ہوتا ہے۔

(فوائد الفواد ص ۸۹ - ۲۸۸ - اخبار الاخیار ص ۵۵)

جب شیخ شاہی پیر کے حکم سے بدایوں سکونت پذیر ہوئے تو ہمیشہ ریاضت وہدایت میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ ایک دن

حضرت شیخ شاہی نے اپنے دوستوں اور مریدوں کے ہمراہ باغ میں کھیر پکانے کی فرمائش کی
جب کھیر سامنے آئی تو پہلے ہی لقمے میں سمجھ گئے کہ کچھ خیانت اور نقصان کیا گیا ہے۔ مریدوں
نے قبول کیا کہ جب دودھ جوش میں آیا اور وہ اچھلنے لگا اور زمین پر گرنے لگا تو ہم نے اسکو
ضائع ہونے دینے کی بجائے اسکو ضرور کام میں لیا اور تھوڑا سا پی لیا۔ شیخ شاہی نے حکم دیا
کہ ان کو دھوپ میں کھڑا کیا جائے یہاں تک کہ دوستوں سے پہلے: انہوں نے جتنا دودھ پی
لیا ہے اتنا انکا پسینہ نکل جائے اس کے بعد ان کو سایہ میں بلایا اور حجام کو طلب کرکے
کہا کہ میرے یاروں کا جتنا پسینہ بہا ہے اتنا ہی خون میرے جسم سے نکال لے اور زمین پر
بہا دے (فوائد الفواد ص ۵۹-۱۵۸- خیر المجالس ص ۱۱-۲۱۰)

اب پھر شیخ نظام الدین بدایونی سے نقل ہے کہ جب شیخ نظام الدین ابوالمؤید
(کہ جو شیخ جمال کے دادا ہیں اور شیخ جمال شہر کول (علی گڑھ) میں مدفون ہیں) دار الخلافہ دہلی سے
شہر بدایوں میں آئے تو بیمار ہو گئے۔ نماز کیلئے کبھی اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا یہاں تک کہ
کروٹ بھی نہیں بدل سکتے تھے شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے شیخ شاہی سے کہا کہ میرے
لئے دعا کیجئے اور اصرار کیا تو شیخ شاہی مجبور ہو گئے۔ فرمایا میرا ایک دوست ہے شرف الدین
خیاط (درزی) اس کو بلا کر کہا کہ حضرت شیخ نظام الدین ابوالمؤید کو بیماری لاحق ہے۔ ناف
سے لیکر بدن کا اوپری حصّہ میرے ذمّے ہے اور ناف سے پیر تک تمہارے ذمّے۔ توجہ کرو
دونوں نے مراقبہ کیا اور اٹھے۔ شیخ شاہی نے اپنا ہاتھ سر سے ناف تک پھیرا اور شرف الدین
درزی نے ناف سے قدم تک ہاتھ پھیرا۔ اسی وقت شیخ نظام الدین ابوالمؤید اٹھ بیٹھے۔
نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور پوری طرح صحتیاب ہو گئے۔ (فوائد الفواد ص۱۵۹، اخبار الاخیار ص۵۵)
پھر شیخ نظام الدین بدایونی سے ہی منقول ہے کہ بداؤں میں ایک درویش تھے محمد نخاسی (یا مسعود
نخاسی) ایک مرتبہ مسجد میں شیخ شاہی سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ شیخ شاہی کا رنگ کالا تھا۔
درویش کی زبان سے نکلا کہ اے کالے! تو نے بہت ہنگامہ گرم کر رکھا ہے۔ میں ڈرتا ہوں

کہ کہیں تو جل نہ مرے - خدائے تعالیٰ کے حکم سے شیخ شاہی کے مکان میں آگ لگ گئی - باہر نہ نکل سکے - اسی جگہ جل گئے (فوائد الفواد ص ۲۹۱)

شیخ شاہی رسن تاب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپکے برادر شیخ ابو بکر موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ آپکے جانشین ہوئے جن کا ذکر شیخ ضیاء الدین نخشبی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے سلک السلوک میں کیا ہے کہ میری ملاقات اُن سے تھی -

ان تین بزرگوں کے علاوہ شیخ محمود موئینہ دوز نجندی (مصاحب قطب صاحب) اور شہزادہ سعد الدین تنبولی کا ذکر شیخ جمالی کی سیر العارفین میں نہیں ہے اور بڑے بیٹے ناصح الدین و منجھلے احمد ظہیر الدین کو شامل کر لینے سے میری معلومات کے مطابق خلفاء یا خاص مریدین کی تعداد سات عدد ہوتی ہے جن کی نشاندہی مجھ کو ہوئی ہے -

ہفت حمید کا افسانہ

مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لیکر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری اور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کے زمانے تک ہفت حمید یعنی حمید نام کے سات بزرگ ناگور میں ہوئے ہیں جن میں تین حمید (آسا، حمید خاصہ اور حمید کاسہ لیس) احاطۂ سہر دریان میں آسودۂ خاک ہیں - اسمیں کوئی شک نہیں کہ شیخ حمید الدین ریحانی سے گنتی شروع کی جائے تو مع صوفی حمید الدین صاحب سلطان التارکین سات حمید پورے ہو جاتے ہیں اس طرح :-

(۱) شیخ حمید الدین ریحانی چوہانی عہد میں جن کی شناخت فقیر نے صوفیہ کے ملامتی مسلک سے کی ہے اِنکی آمد کا مادہ "در ناگور" ۴۸۰ھ تاریخ صوفیائے میوار ص ۱۲۷ مطابق ۱۰۹۴ء سے یعنی پرتھوی راج دوم کا زمانہ تھا :-

اس عہد سے خواجہ غریب نواز کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ آپ تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے

(۲) قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ (۳) حمید اسا بردار
(۴) حمید الدین خاصہ (۵) حمید الدین کاسہ لیس (۶) حمید الدین مغربی[۱]۔ ان کی شناخت نہیں ہو سکی ہے۔ اول الذکر تین[۲] یعنی آسا، خاصہ و کاسہ لیس کی قبروں کی نشاندہی احاطۂ سہروردیان میں کی جاتی ہے۔ اور حمید الدین مغربی، صوفی صاحب کے احاطے کے ایک گوشے میں مدفون ہیں۔ اور انکی قبر کے اوپر سائبان یعنی چھت نہیں ہے حجرے کے باہر سوئے ہوئے ہیں۔ بڑی کھاٹو میں حضرت بابو اسحاق مغربی کے ذریعے مغربی سلسلے کی ترویج شروع ہوئی اور انکے پالک و خلیفہ شیخ احمد، جو احمد کھٹو کے نام سے مشہور ہوئے، اپنی عمر کے دوسرے حصے میں سرکھیج (احمد آباد گجرات) جاکر سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں سے مزار و خانقاہ بابا اسحق مغربی (کھاٹو) کے اخراجات کی کفالت کرتے تھے۔ یہ چودھویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے یعنی حضرت صوفی حمید الدین ناگوری اور شیخ فرید الدین چاک پراں کی وفات سے لگ بھگ ایک صدی بعد کا، میرا قیاس ہے کہ بابا اسحق اور شیخ احمد کھٹو یا اس کے بعد کوئی بزرگ حمید الدین، جو مغربی سلسلے سے وابستہ تھے ناگور آکر رہے اور بعد وفات یہاں مدفون ہو گئے۔ (۷) صوفی حمید الدین ناگوری (سلطان التارکین)
(۸) شیخ حمید الدین خوئی رح جن کا مزار احاطۂ سہروردیان کے مسجد کے صحن میں واقع ہے۔ اور موجودہ وقت میں ملتانی آہنگران نے صاحب سجادہ پیر عبد الجبار سہروردی کی اجازت سے جودھپوری پتھر کا خوشنما مقبرہ تعمیر کروا دیا ہے اور اس کے بغل میں مسجد ہے۔ ان بزرگوں کا ذکر خیر ملفوظ سرور الصدور میں درج ہے جس کے

---

[۱] حمید الدین مغربی جو بابا اسحق مغربی کھٹوی کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ خواجہ معین الدین چشتی سے

مطابق شیخ خوبیؒ کو حضرت سلطان التارکینؒ نے اپنا پیر خرقہ کہا ہے یعنی حضرت خوبی کا خرقہ (گدڑی) دیا ہوا برکت کیلئے پہنا ہے۔ حضرت تارکین صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ خوبیؒ صاحب کے مزار پر دعا کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ اور جو پہلے اُنکے مزار پر حاضری دیکر میرے مزار پر آتا ہے تو میں اسکی ایسی دعا کو پسند کرتا ہوں۔

یہ ہو گئے ہشت حمید (آٹھ حمید) لیکن چشتیہ سلسلہ کے حامیوں نے اس پر بس نہیں کیا، ایک اور حمید کو لے آئے اور لکھدیا کہ ان کو حضرت غریب نوازؒ نے سات حمیدوں کا سرغنہ بنا کر ناگور بھیجا تھا یعنی قطب الدین بختیار کاکی کو ان لوگونکی مدد کیلئے، مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے اور اسکی حیثیت افسانے سے زیادہ نہیں ہے، اس طرح ہفت حمید کی تعداد ہمارے ایک بزرگ قاضی غلام احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے بڑھا کر ہشت حمید کر دی ہے۔ (شرح رسالہ عبدالنبی المسمیٰ بطریق مصطفوی ص ۳)

میری ستانہ پیر ظہیر الدین احمدؒ کے سلسلے میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آمدم بر سر مطلب۔ الحمدللہ! پیر ظہیر الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ گو شکستہ حالت میں ہے، سہروردیہ سلسلے کی خدمات اس کے ذریعے تھوڑی بہت انجام پاتی رہتی ہیں۔ موجودہ سجادہ نشین برادرم پیر عبدالجبار صاحب صدیقی سہروردی کے کتب خانے سے مجھکو شجرۂ انساب قاضی صاحبان ناگوری کے علاوہ اولاد و احفاد کے نامہائی نامی و اسمہائے گرامی اور ایک فرمان (بٹہ) محمد شاہ بادشاہ ۱۱۳۶ھ درگاہ ظہیر الدین کا حاصل ہوا، جس کے لئے میں ان کا مرہون منت ہوں۔

دیگر اولاد قاضی حمید الدین ناگوری دہلوی بخاریؒ (۳) شیخ علیم الدین۔ ان کا مزار بندر ڈابھول ضلع رتناگری متصل بمبئی ہے اور وہاں آپکی اولاد صاحب وقار رہے۔ علیم الدین صاحب کا نکاح گلبرگہ (دکھن) میں ہونا بتلایا گیا ہے۔ آپ نے کئی حج ادا کیے ایک بار

حج سے واپسی میں ڈابھول بندر پر ٹھہرے جہاں کے حاکم کو برص کا مرض تھا۔ جو آپ کی دعا سے رفع دفع ہوا۔ حاکم نے بائیس[۲۲] گاؤں نذر کئیے جن پر انکی اولاد تا حال قابض ہے[۱]

(۴) چوتھے صاحبزادے قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حسام الدین ہیں ان کا مزار ناگور خاص میں تالاب گینداں کے اوپر جانب درگاہ حضرت جدِ اعلیٰ سلطان التارکین صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے تالاب کے پانی سے علیحدہ بنا ہوا ہے۔ عرفِ عام میں آپ حسام الدین شہید کے نام سے مشہور ہیں۔

(۵) پانچویں صاحبزادے حضرتِ شیخ وجیہ الدین ہوئے ہیں۔ ان کا مزار ناگور میں بیرونِ جودھپوری دروازہ ماناسر کی جھاڑی میں ہے۔ ان کی درگاہ کے اخراجات کیواسطے سری دربار جودھپور سے پارہ سو بیگھہ زمین وقف ہے۔ آپ عوام الناس میں رجب دین پیر کے نام سے مشہور ہیں۔

(۶) چھٹے صاحبزادے شیخ عبد اللہ عرف رضی الدین ہیں جن کے نکاح میں حضرتِ خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دختر نیک اختر بی بی حافظہ جمال دی گئیں جو حضرتِ خواجہ کی دوسری منکوحہ حضرت امۃ اللہ بی بی کی بطن سے ہیں[۲]۔ اس رسالہ تاریخ کھٹو میں امۃ اللہ بی بی کا ہندوانی نام سورج کلا لکھا ہوا ہے۔ شیخ رضی الدین سے متعلق روایت میں آتا ہے کہ آپ کا قیام اجمیر شریف رہتا تھا لیکن جہاد کا تقاضہ انکو ناگور لے آیا۔ اور دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ آپ کا سن وفات تاریخِ کھٹو[۳] سنہ ۶۱۳ھ شوال لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ان کا مزار ناگور شہر کے نخاس دروازے

۱۔ قلمی رسالہ باخبار اصح کھٹو صہ ۱۲

۲۔ حصہ دوم احسن تواریخ صہ ۳۰۔ ۳۔ افاضاتِ حمید صہ ۷۵

کے باہر چار یا پانچ کلو میٹر پر منڈولاؤ[1] تالاب کی مینڈھ پر واقع ہے جس کے سائبان یا غلاف کیلئے کپڑا درگاہ شریف اجمیر سے آتا تھا لیکن سیلاب کی وجہ سے مٹی قبر کے اوپر آگئی جسکی وجہ سے غلاف آنا بند ہوگیا۔ بزرگوں سے سنا ہیکہ آپ کا مزار سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا جس پر کتبہ بھی لگا ہوا ہے سجادہ نشین مرحوم پیر عبدالجبار ابن پیر بشیر الدین سہروردی نبیرۂ قاضی حمید الدینؒ کے یہ شیخ رضی الدین جدؒ بزرگوار ہوتے ہیں۔

بی بی حافظہ جمال کے بارے میں روایت ہیکہ آپ اپنے والد کی مریدہ تھیں اور حضرتِ خواجہ نے آپکو خلافت نہیں دی تھی لیکن آپ عورتوں کی تعلیم و تلقین میں اوقات گذاری کرتی تھیں۔ تاریخ کھٹو میں لکھا ہے کہ آپ کا نام نور بی بی تھا۔ اجمیر میں آپ کی دو یادگاریں موجود ہیں۔ آپ کا ایک حجرہ (جالی دار احاطہ) خوبصورت جو گنبد خواجہ کے قریب میں واقع ہے۔ دوسری یادگار "چلہ بی بی حافظہ جمال" جو شہر کے باہر ہے۔

شیخ رضی الدین کے دو لڑکے بی بی حافظہ جمال یعنی نور بی بی کے بطن سے ہوئے جوان کے مدفن کے قریب میں سو رہے ہیں لیکن تاریخ کھاٹو ناگور کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تیسرا بچہ بھی تھا کمال الدین جو جہاد کرتے ہوئے کھاٹو کی پہاڑی پر شہید ہوا جس کی قبر شمس الدین عرف سمن دیوان کی درگاہ کے سامنے کھاٹو کی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں پر میں ناظرین کی توجہ چاہتا ہوں تیرھویں صدی، عیسوی کا تواریخی ماحول خطۂ ناگور کا پیش کر دینے سے باپ بیٹے رضی الدین و کمال الدین کی شہادت کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ ناگور کی بستی اتنی ہی قدیم ہے جتنی نارنول یا اجمیر بلکہ زیادہ۔ دہلی یا اجمیر سے ناگور آنے والے کیلئے بیچ علاقے میں بر سرِ راہ ایک بڑی پرانی

---

[1] منڈولاؤ یا منڈولاؤ ناگور کے قوم موند ڑا قوم کے ہندو بوجی پتی نے بنوایا تھا اس لئے منڈولاؤ کہتے ہیں
[2] احسن السیر صـ ۳۹

بستی لے گی ۔ بڑی کھاٹو جس کی دونوں پہاڑیاں کسی زمانے میں آباد تھیں اور اس آبادی کے آثارِ قدیمہ: گڑھی. روٹھی رانی کا قلعہ محل پر اندھیریا کنواں، مزارات، مسجد وغیرہ آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں سلطان محمد بن سام عرف شہاب الدین غوری کی فتح ترائن ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء سے لیکر اگلی ایک صدی کے زمانے تک، چونکہ ناگور ایک طرف دہلی دارالسلطنت اور دوسری طرف اقطاع (صوبہ) اجمیر سے کافی دوری کے فاصلے پر تھا۔ (گوکہ ناگور کو اقطاع کا درجہ حاصل تھا مگر علاقہ سوالاکھ میں اجمیر کے بعد ہی اس کا درجہ تھا) لہٰذا ناگور کے حاکم کا نظم ونسق تیرھویں صدی میں یک گونہ کمزور رہی تھا۔

ترکوں کی حکومت کے آغاز میں کھاٹو کی پہاڑیوں پر تین تواریخی دور گذرے ہیں (۱) ایک میروں کا دور. میر ایک آدی باسی (قدیم قوم) ہے جس کے نام سے اجمیر کو اجمیر میرواڑا کہا جاتا ہے. جیسے چتوڑ یا ادے پور کو میواڑ یا منڈور، جودھپور کو مارواڑ یہ میر قوم کھاٹو پر تیرھویں صدی میں قابض تھی. رسالہ تاریخ کھاٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں جب چوہان راجپوت اجمیر سے بے دخل ہوچکے تھے ان میں سے بعض نے کھاٹو کی طرف رُخ کیا اور میروں کے ساتھ ان کی جھڑپیں ہوتی رہیں. کبھی میر اور کبھی چوہان کھاٹو کی پہاڑی گڑھی پر قابض ہوجاتے اور ترکی حکومت اپنے آدمیوں کو وہاں آباد کرنے میں کمزوری محسوس کرتی۔ میر قوم کا پیشہ لوٹ مار اور سلاوٹی (سنگ تراشی) تھا ان تو حکمران قوم تھی اس وقت یہ دونوں قومیں پہاڑی پر آباد تھیں جب نئے وارد مسلمان اجمیر کی طرف سے وہاں آنا شروع ہوئے۔ ان میں دو خاندان سادات ہمدانی اور سادات مشہدی تھے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا مربی اور سرپرست بتلایا جاتا ہے اور آخر عمر میں جب حضرتِ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے سید حسین مشہدی قلعہ دار تاراگڑھ کے چچا سید وجیہ الدین محمد

مشہدی کی صاحبزادی عصمت اللہ سے نکاح ثانی فرمایا سید وجیہہ الدین مشہدی اس طرح حضرت غریب نواز کے خسر بن گئے سید وجیہہ الدین مشہدی کے ایک بھائی تھے جن کا نام صاف طور پر سہروردی خاندان ناگور کی یادداشت میں نہیں ہے۔ ان کے دو صاحبزادوں کو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی دو صاحبزادیاں بی اللہ دی اور بی بی صاحب دولت نکاح میں دی گئیں۔ صاحبزادوں کے نام شمس الدین و نظام الدین افاضات حمیدیہ میں دیے گیے ہیں مگر ان کو اولاد حضرت غوث اعظم میں شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آمدم بر سر مطلب۔ منشاء میرا یہ بتلانے کا تھا کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ داروں سادات مشہدی کا کھاٹو آنے کا ذکر یادداشت کھاٹو میں ملتا ہے۔ سید وجیہہ الدین مشہدی کے صاحبزادے کا نام میر انور بتایا گیا ہے۔ جنھوں نے ۱۲۱۳ء (العہد سلطان ایلتمش) مع دو سو سوار کے بڑی کھاٹو آکر کھاٹو پر قبضہ جمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ خطہ ناگور میں سلطان شمس الدین کے عہد میں استقلال واستقامت نصیب ہوئی مگر میر نور کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ تب چوہان نے کھاٹو پر غلبہ پایا اور کھاٹو کے نومسلم بے یارو مددگار رہ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری نے اجمیر سے سادات ہمدانی میں سے محمد بختیار ہمدانی کو چالیس آدمیوں کے ساتھ کھاٹو بھیجا تھا۔

حضرات اہل کناٹو تو کہتے ہیں کہ ہمدانیوں اور اہل کھاٹو کی پشت پناہی کیلئے حضرت خواجہ خود بہ نفس نفیس کھاٹو تشریف لائے۔ واللہ اعلم۔ قلعہ کھاٹو کی قلندری مسجد کا کتبہ تاریخ کھاٹو میں پیش کیا گیا ہے کہ معین الدین خراسانی کے دوران قیام پانچ شعبان چھ سو دس ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۳ء میں یہ مسجد تعمیر ہوئی۔ محمد بختیار ہمدانی آخری عمر میں حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کے ہم عصر ہونگے۔ ان کے بیٹے اور جانشین

سعد اللہ ہمدانی تھے۔ ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء کا کتبہ ان کے والد کی مسجد (مسجد بختیار ہمدانی) میں لگا ہوا ہے۔ بختیار ہمدانی کی بیوی گل بانو کا مدفن قصبے سے باہر تالاب پر موجود ہے۔ اس تالاب کو چیین راج چوہان کی صاحبزادی نے بنوایا تھا۔ بختیار ہمدانی کا مدفن بھی مسجد کے باہر موجود ہے۔ یادداشت کھاٹو عرف احسن التواریخ میں باپ بیٹے بختیار ہمدانی اور سعد اللہ ہمدانی کی کارگزاریوں کا اشارہ ملتا ہے کہ کس طرح کھاٹو کے نومسلموں کو ڈھارس بندھائی اور پائے استقلال میں لغزش نہیں آنے دی۔

سعد اللہ ہمدانی کی مسجد کتبے والی موجود ہے (۶۵۵ھ ۱۲۵۷ء) جس میں سلطان ناصر الدین کے بیٹے (ابن) کے الفاظ پڑھے گئے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سعد اللہ ہمدانی اس نواح کا خراج وصول کرتے تھے اور یہاں پر نومسلموں کے بیس گھر آباد تھے۔ آپ کی تاریخ وفات جو ۶۹۹ھ ہجری ۱۲۹۹ء عیسوی بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے اور اس اعتبار سے کہ سعد اللہ ہمدانی شیخ فریدالدین چاک پراں ناگوری کے ہمعصر بیٹھتے ہیں چوہانوں سے ہمدانیوں کی چھڑپیں چلتی رہتی تھیں۔

خاندانِ مشہدی

تاریخ کھاٹو میں ساداتِ مشہدی کا بھی ذکرِ خیر ہے اور سید جلال الدین مشہدی کو سید وجیہہ الدین مشہدی کا بیٹا بتلایا گیا ہے۔ یہ دونوں خاندان (ہمدانی اور مشہدی) ہم عصر تھے۔ فرق یہ تھا کہ ہمدانیوں کو انتظامی امور میں دلچسپی تھی اور مشہدیوں کو جہاد سے رغبت تھی چنانچہ سید جلال الدین کیلئے لکھا ہے کہ جہاد کرتے ہوئے (غالباً اجمیر سے) تشریف لائے اور قلعہ کھاٹو پر قبضہ کرلیا۔ آپ کے ہمراہ

شیخ رضی الدین (عبداللہ) سہروردی دامادِ خواجہ کے فرزند کمال الدین بھی تھے جنکو شاید کتابت کی غلطی سے یا یادداشت کی غلطی سے سید کمال الدین لکھدیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہیکہ رسالہ تاریخ کھاٹو کا بیان اگر صحیح مان کر چلا جائے تو شیخ رضی الدین عبداللہ کے تین لڑکے شمار میں آئیں گے۔ دو چھوٹے بچے تو درگاہ شریف اجمیر خواجہ بزرگ سے ملحق صحن میں مدفون ہوئے اور تیسرے یہ کمال الدین ہوئے۔ سید جلال الدین اور کمال الدین دونوں کا مدفن مسجد کھاٹو کے اندر ہے اور کتبہ موجود ہے۔ غرۃ ذی الحجہ سن سبع مائۃ سات سو ہجری سنہ ۱۳۰۷ عیسوی۔ اس کے آگے لکھتے ہیں کہ ناگور سے محمود قتال رح (خلیفہ صوفی حمید الدین) مع اپنے مجاہدوں کے کھاٹو تشریف لائے اور جہاد میں پہاڑی پر شہید ہوئے ان کے ساتھ ان کا نابالغ بچہ بھی شہید ہوا۔ باپ بیٹے کی قبر پہاڑی کے اوپر موجود ہے۔ یہ محمود قتال شیخ ضیاء الدین نورباف (خلیفہ سلطان التارکین ہمارے جدِ اعلیٰ صوفی حمید الدین ناگوری رح) کے داماد ہیں جن کی دختر سے صوفی صاحب نے محمود قتال کا نکاح کرا دیا تھا۔ شیخ ضیاء الدین کی قبر ناگور کے محلہ پیر بلخ پیرزادگان میں پیر عثمان بلخی رح کے پڑوس میں تھی اس فقیر حقیر کاتب الحروف نے تقریباً ۵ سال قبل دیکھی تھی ٹوٹی پھوٹی کھڈی کی بنی ہوئی اور اس پر ایک کیر کا درخت لگا ہوا تھا جو اب زمین کے برابر ہو گئی۔ مٹی کے نیچے آگئی ہے۔ کھدائی کرنے پر برآمد ہو سکتی ہے۔ مگر یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مزار ضیاء الدین نورباف کا ہی ہے۔ چونکہ کھاٹو کی ایک تاریخ اخبار الصلحا صفحہ ۱۳ میں آپ کا مزار کھاٹو کی پہاڑی پر بتلایا ہے اور دوسری تاریخ کھاٹو احسن التواریخ صفحہ ۲۲ میں ناگور مسجد پیر بلخ میں لہذا یہ فیصلہ کن بات نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم الخ محمود قتال کے

سن وفات کا کتبہ ان کے قبر پر ۱۸۸۴ء ہجری ۱۳۰۱ عیسوی دیا ہوا ہے۔ (تاریخ کھاتو صفحہ ۱۲)

حضرت شیخ عبداللہ عرف رضی الدین چھٹے صاحبزادے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل رہا تھا جسکو سمجھنے کیلئے ہم کو کئی اوراق سیاہ کرنے پڑے۔ اس کے لئے میں ناظرین کرام سے سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔

ساتویں صاحبزادے کا نام افضات حمیدیہ میں نہیں دیا گیا ہے دوسری یاد داشتوں سے ان کا نام سرمد شہید (ملتان) اور یادداشت سہروردیہ میں حسین مست ملتا ہے واللہ اعلم۔ (۹ - ۸) نو، آٹھ لڑکوں کے بعد دو صاحبزادیوں کا اندراج کرسی نامے میں ہے۔ بی بی اللہ دی۔ اور بی بی صاحب دولت جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

شجرۂ انساب قاضی حمید الدین ناگوری مع اولاد و احفاد

مطابق کرسی نامہ سہروردیان (یادداشت) جو برادر عزیز پیر عبدالجبار سہروردی نبیرۂ قاضی حمید الدین ناگوری، سجادہ نشین درگاہ حضرت پیر ظہیر الدین احمد لوہار پورہ کے کاغذات سے شکریہ کے ساتھ حاصل ہوا۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری بن سلطان عطاء اللہ بن سلطان احمد بن سلطان محمد شیخ یوسف بن شیخ طیب بن شیخ اسمٰعیل بن شیخ طاہر بن شیخ یعقوب بن شیخ اسحاق بن شیخ اسمٰعیل بن شیخ قاسم بن شیخ محمد بن امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

اولاد و احفاد (پوتے نواسے)

فرزند اول شیخ ناصح الدین مجرد بود لکھا ہے۔ دوئم بندگی حضرت احمد

ظہیرالدین سیوم[3] حضرت شیخ علم الدین چہارم[4] شیخ وحیدالدین پنجم[5] شیخ حسام الدین[1] ششم[6] شیخ عبداللہ عرف رضی الدین ہفتم[7] شیخ حسین سرمست (وحیدالدین [4] کا نام دوسرے کرسی ناموں میں نہیں ہے۔) اسمائے دختران۔ حضرت بی بی اللہ دی وصاحب دولت ونام آں حضرت بی بی حمیرا بنت سید ابوبکر کرمانی سے شہر پشاور میں پیدا ہوئی تھیں[2] کہ برادر سید وجیہ الدین مشہدی حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی کے تھے یہ دونوں بھائی ولایت مشہد سے ہندوستان میں آئے تھے۔ ان دونوں دختران کو بحکم آں حضرت رضی اللہ عنہ ان دونوں عالی قدر کے ساتھ سلک مناکحت میں دیا اور بی بی حافظہ جمال عرف نور بی بی دختر صلبی حضرت خواجہ معین الدین کو حضرت شیخ رضی الدین پسر شیخ حمیدالدین ناگوری کی مناکحت میں قاضی حمیدالدین ایک[180] سو اسی سال کے تھے۔ واللہ اعلم۔ ان کی وفات بتاریخ گیارہ ماہ مبارک رمضان اور وفات حضرت احمد ظہیرالدین بتاریخ گیارھویں ماہ رجب ہے تمت تمام شد۔ نقل مطابق اصل کہنہ اوراق پشکریہ برادر عزیز عبدالجبار سہروردی نبیرۂ قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

---

[1] حاشیہ نقیب۔ شیخ ناصح الدین کو سہروردیان ناگور کی یادداشت میں مجرد لکھا ہے۔ مجرد کے معنی تارک الدنیا کے بھی ہوتے ہیں۔ امروہہ شریف کی روایت کے مطابق شیخ معین الدین اُن کے بیٹے تھے جو شاہ ولایت امروہہ شریف شیخ شرف الدین کے مرید و خلیفہ ہوئے اور قاضیان ردہل کی کتاب افاضات حمید کے مطابق ناصح الدین صاحب کی اولاد دہلی اور میوات میں پائی جاتی ہے۔ آپ کا مزار شریف حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کی درگاہ کے احاطے میں موجود ہے۔

[1] صفحہ   پیر رحمت اللہ صاحب رونق سلیمانی کا کہنا ہے کہ یہ حسام الدین عرف شام شہید ہمارے خاندان کے بزرگ ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اولادِ بڑے بیٹے شیخ ناصح الدین

تحقیقِ مصنف:۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرتِ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بغدادی نے ہندوستان میں سلسلۂ سہروردیہ کا کام اس طرح تقسیم کیا تھا کہ بڑے بیٹے شیخ ناصح الدین کا قیام دہلی رہتا تھا لہٰذا بعدِ وفات والدِ محترم وہی حضرتِ قاضی صاحب کے سجادہ نشین ہوئے اور حضرتِ نظام الدین اولیاؒ کی تقریر سے واضح ہے کہ حضرت ناصح الدین سے خرقۂ سہروردیہ حاصل کرنے کیلئے لوگ بدایوں سے حاضر ہوتے تھے اور ایک موقع پر عزیز بشیر نامی ایک بدایونی کو ایک غلطی پر خرقے سے محروم رکھا گیا تھا[1] مولانا ناصح الدین کا نکاح بی بی فاطمہ بنتِ سید نجم الدین برادر سید وجیہہ الدین مشہدی سے ہوا تھا[2]

کتاب تذکرۃ الکرام (تاریخ امروہہ) جلد دوم صـ۲۱ سے منقول ہے کہ شیخ معین الدین صدیقی (سہروردی) قدس سرہٗ مولانا ناصح الدین سہروردی کے بیٹے اور قدوۃ العارفین قاضی حمید الدینؒ ناگوری کے پوتے فضائل صوری و معنوی سے بہرہ ور مشائخ متقدمین سے ہیں باپ دادا باعتبار علم و فضل زہد و ورع اور علوِ مرتبت درجۂ امتیاز رکھتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ کے والد مولانا ناصح الدین سہروردی سے حضرت سید شرف الدین حسن شاہِ ولایت امروہہ رحمۃ اللہ علیہ نے اکتسابِ فیض کیا تھا شاید اس تعلق سے حضرت ممدوح نے اپنے مرشد زادے کو فیضِ تربیت سے بہرہ ور کیا

---

[1] فوائد الفواد صـ۸۶ اخبار الاخیار صـ۱۰۳ [2] افاضاتِ حمید صـ۲۵

مدۃ العمر ساتھ رکھا اور خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ شیخ معین الدین حضرت شاہ ولایت کی رحلت کے کچھ عرصے بعد امروہہ سے باہر چلے گئے لیکن اپنے انتقال سے قبل اس خیال سے مع اپنی اولاد کے امروہہ واپس تشریف لے آئے کہ موت کے بعد بھی پیر و مرشد کا قرب حاصل رہا ہے۔ ۔ مقاصد العارفین میں ہے کہ (ترجمہ) جب ایام وصال کے قریب پہونچے فرمایا امروہہ میں میرا قرار بہتر ہے کہ میرے مزار کو مخدوم رضوان اللہ علیہ الکرام کا پڑوس حاصل رہے اور اس کی دوری ہر چند کہ زیارت کے اشتہار اور تذور کی زیادتی ہے لیکن ان کا قرب سراپا نور و حضور ہے ۔ اسی لئے معین الدین سہروردی کی قبر مخدوم کی پائینتی میں ہے ۔

ابن بطوطہ کی آمد کے زمانے میں آپ کا قیام امروہہ میں تھا سیاح موصوف نے اپنے سفر نامے میں خانقاہ کے جس شیخ کا تذکرہ کیا ہے اس سے مراد آپ ہی کی ذات مستجمع الصفات ہے۔ آپ کا مرقد منور شاہ ولایت شرف الدین امروہہ کے پائین مزار جانب غروب ہے۔ اور اس خاندان کے قبرستان بیرون احاطہ درگاہ جانب جنوب ہیں جہاں سلیا پتھروں کا ایک قدیم چبوترہ موجود ہے ۔

آپ کے یعنی معین الدین ابن ناصح الدین ابن قاضی حمید الدین ناگوری ؒ سہروردی کے بارہ[۱۲] فرزند تھے اس وجہ سے ان کا قیام سکونت محلہ بارہ[۱۲] پوتیان سے مشہور ہوا۔ اب اس خاندان سہروردیہ میں معدودے چند حضرات منشی محمد راغب تحسین علی، در راحت علی وغیرہ ہیں۔ (تاریخ امروہہ جلد دوم صـ۲۱ـ)
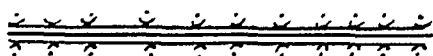
خاندانِ قاضیان سہروردی ناگوریہ

اولادِ پیر احمد ظہیر الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاضی حمید الدین کا خاندان بوجہ مستقل سکونتِ دہلی بعد از ۱۲۲۴ء
بھائیوں میں دوجگہ تقسیم ہوگیا تھا سلسلۂ سہروردیہ کے انتظامی امور کے لئے بڑے
صاحبزادے مولانا ناصح الدین دہلی میں رہے پھر یہ خاندان ناصح الدین صاحب
کے صاحبزادے شیخ معین الدین کے وقت میں امروہہ منتقل ہوا جہاں اس خاندان
کے معدودے چند آدمی محلہ بارہ پوتیان میں رہتے ہیں۔

منجھلے لڑکے سلسلہ سہروردیہ کا کام دیکھتے ہوئے ناگور میں اپنی خانقاہ
سہروردیہ واقع بیرون ماہی دروازہ محلہ لوہارپورہ میں رہے جہاں ان کا آستانہ
ٹوٹی پھوٹی حالت میں موجود ہے۔ اور وہاں قبروں میں کتبات بھی پائے جاتے
ہیں۔ یہ مقام خانقاہِ سہروردیہ روضۂ پیر کے نام سے بھی مشہور ہے۔ پیر ظہیر الدین کا
نکاح بی بی سکینہ بنتِ سید نجم الدین برادر سید وجیہہ الدین مشہدی کسے ہوا تھا۔
رودلی کے قاضی انہیں بی بی صاحبہ کے بطن سے ہیں [1]

اونچی اونچی قبریں ایک چبوترے پر جس کے کھمبوں پر چھت بھی بنی ہوئی
ہے جن میں بیچ و بیچ تو خاص قبر پیر ظہیر الدین صاحبِ خانقاہ کی ہے۔ آپ کے
قریب آپکی زوجۂ محترمہ کی قبر بتلاتے ہیں دوسری قبروں پر کتبے نہیں ہیں اور ہیں یا
تو پڑھے نہیں جاتے سنہ ہے مگر نام نہیں ہے تو آپ میر محمد معصوم نامی بھکری اور ان

---

[1] افاضاتِ حمید ص ۲۵

کے لڑکے میر بزرگ یہاں آئے تھے اور دو رباعیاں قبروں کے کھمبوں پر ان
کی یادگار میں کندہ ہیں ۔

محکمۂ آثارِ قدیمہ نے وہ کتبے پڑھے ہیں جو ان قبروں کے کھمبوں پر کندہ ہیں
لیکن افسوس ہیکہ ان میں سے کوئی کتبہ عصری نہیں ہے یعنی تیرھویں صدی کے پیر
ظہیرالدین اور ان کے جانشینوں کا ایک بھی کتبہ نہیں ہے ۔ ہم محکمۂ آثارِ قدیمہ کے شکر
گذار ہیں کہ انہوں نے جن کتبوں کی نشاندہی فرمائی ہے ایک کتبے میں ۷۴۵ھ ہجری
۱۳۴۴ء عیسوی کی تاریخ پڑھی گئی ہے مگر صاحبِ قبر کا نام نہیں آیا ہے ۔

دو عدد دوسرے کتبے اور ہیں جو مشہور و معروف اکبری عہد کے سیاح نواب
میر محمد معصوم نامی بھکری یا ان کے لڑکے میر بزرگ کے ہیں جو انہوں نے ایران سے
واپسی پر دورانِ سیاحی ہند بہت سے مقامات پر اور ناگور میں خانقاہ سہروردیہ
کے علاوہ صوفی حمیدالدین ناگوری کے بلند دروازہ پر کھاٹو میں بابا اسحٰق مغربی
کی درگاہ کی دیواروں پر اور ناگور میں کندہ کرائے ۔ خانقاہِ سہروردیہ کے
کتبوں میں باپ بیٹے کے نام کے ساتھ سالِ ہجری ۱۰۰۸ھ ۱۶۰۰-۱۵۹۹ء
کندہ ہے ۔ دو رباعیاں ہیں رسالہ احسن السیر کتاب ص ۲۳ سے نقل
کرتا ہوں مگر قرأت و کتابت کے صحیح ہونے کی ذمہ داری میری نہیں ہے

گویند بود فاتحہ را فایحہ — زاں فاتحہ بخش نکہت رائحہ
کہتے ہیں فاتحہ کیلئے خوشبو ہوتی ہے — فاتحہ سے خوشبو کی بخشش کر دے
بر روحِ گذشتگاں فرست اخلاص — محتاجِ دعائیم بخواں فاتحہ
گذرے ہوؤں کی روح پر نجات ہے — میں دعا کا محتاج ہوں فاتحہ پڑھ دے

تو خفتۂ براہ و کاروانِ تیز — منشیں چو گردِ باد برخیز

تو راہ میں سویا ہوا ہے اور قافلہ تیز ہے — مت بیٹھ ہوا کے گرد کی طرح اٹھ

نامی چہ نشستۂ دریں راہ — می نہ قدمے دراز و کوتاہ

اے نامی! اس راہ میں تو کیوں بیٹھا ہے؟ — دراز اور کوتاہ قدم رکھ

میر محمد معصوم اکبر بادشاہ کے حکم سے ایران کی سفارت پر گئے تھے واپسی سفر میں بے شمار مقامات کی سیاحی کرتے ہوئے فتحپور سیکری کو گئے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ ہر جگہ اپنی کہی ہوئی یا غیر کی کہی ہوئی رباعیاں یا نظمیں کندہ کراتے جاتے تھے۔ اور اپنی یادگار میں نامی تخلص کرتے تھے۔ سندھ کے مقام بھکر کے رہنے والے تھے۔ اپنے نام سے پہلے نواب کا لقب لکھکر بادشاہ کے نزدیک اپنا مرتبہ ظاہر کیا ہے۔

تحقیق

مصنفِ فقیر حقیر صوفی محمد ایوب تارک سجادہ نشین آستانۂ عالیہ صوفی حمید الدین رح کی تحقیق آپ کے بہتر رسالوں میں سے مختلف ذرائع سے جو نام دریافت ہوئے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

قاضی حمید الدین سہروردی صدیقی دہلوی بخاری ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی

تصنیفات

(۱) لوائح۔ ف ف ص ۱۱۹۔ مصباح العاشقین ص ۶۔

(۲) لوامع۔ افاضاتِ حمید ص ۸۔

(۳) طوالع الشموس۔ زیر اکس علیگڈھ فقیر کے پاس ہے مصباح العاشقین ص ۲۶۔

(۴) شرح اربعین۔ زیر اکس فقیر کے پاس ہے۔ افاضاتِ حمید ص ۸ ۔

(۵) رسالہ عشقیہ۔ فقیر کے پاس ہے ف ص ۸۶ ۔

(۶) بحرِ عشق۔ مطبوعہ اردو۔ کتاب مشائخ و اتقیا ص ۱۰ ۔

(۷) خیالات العشاق مطبوعہ اردو کتاب مشائخ و اتقیاء ص۱ اقدیم فہرست لاہور

(۸) مصباح العاشقین (تفسیر والضحی۔ فقیر کے پاس ہے خیالات العشاق بھی فقیر کے پاس ہے

(۹) بحر المرجان۔ مصباح العاشقین ص ۲۔ ۱۲ - ۲۰

(۱۰) بحر المعرفت " " " " ص ۲۷

(۱۱) بحر الاسرار " " " " ص ۳۱

(۱۲) بحر الانوار " " " " ص ۴۱

(۱۳) معرفت القلوب " " " " ص ۴۲

(۱۴) مقاماتِ اصفیہ۔ تذکرۂ اولیاءِ ہند مرزا محمد اختر دہلوی ص ۶۵ پر حوالہ ہے

(۱۵) راحت الارواح۔ افاضاتِ حمید ص ۹۴ ف ص ۸۶

(۱۶) کتاب عوارف۔ عشق و محبت آپ کی تصنیف سے مشہور ہے۔ رسالہ عید النبی شرح مصطفوی ص ۱۰۳ پر حوالہ ہے۔ فقیر کے پاس ہے۔

(۱۷) رسالہ احوال حمید الدین سہروردی رح ناگوری فارسی مخطوطہ نقل کنندہ انوار الحق دہلوی تبصرہ نگار مجموعہ سرور الصدور۔ ایک مئی تا ۱۱ مئی دورۂ صوفی کانفرنس حیدرآباد آندھرا پردیش حال ہی میں فقیر کے دیکھنے میں آئی۔ جس کی زیراکس کیلئے لائبریرین جناب کرامت علی خاں کو درخواست دیدی گئی ہے۔ ان کے محکمہ کے ڈائریکٹر صاحب سے اجازت ملنے پر عنقریب انشاءاللہ آجائیگی۔ مزید تحقیق جاری ہے۔

خلاصہ
سیرِ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار "السَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ" میں ہے جو راجستھان میں ترکی حملوں کے پہلے اور محمود غزنوی کی فتحِ پنجاب کے بعد وارد ہوئے۔ بغداد اس وقت دنیائے اسلام کی راجدھانی کی حیثیت رکھتا تھا جس کی راہی بھی عزت محمود غزنوی جیسے سلطان مانتے تھے۔

خلیفۂ بغداد سے خطابات کے ذریعہ نوازے جاتے اور نادار خلیفہ کو بیش بہا نذرانوں کے تحفے بھیجکر اپنی سلطنت کی جڑیں مضبوط کرنے میں مددگار مانتے تھے۔

تصوفِ اسلام کا مرکز بغداد ہی تھا۔ گو اسلامی علوم کی زبان عربی تھی مگر گیارھویں صدی عیسوی سے چھُٹ پُٹ تالیفات کا سلسلہ فارسی میں شروع ہو گیا تھا مثلاً "کشف المحجوب"، "کیمیائے سعادت" وغیرہ۔ اس دور کے بزرگ صوفیاء عربی لٹریچر کے ماہر ہوتے تھے لیکن فارسی میں تصوف پر خیال آرائی کرنے میں ان کو عار نہ تھا اور ایک صدی کے اندر غزنوی عہد نے اچھے اچھے شاعروں کی تخلیقات سے فارسی ادب کے بھنڈار کو مالا مال کر رکھا تھا۔ میری ناچیز سمجھ میں بارھویں صدی کے دوسرے اور آخری نصف حصے کے زمانے میں علامہ محمد بن عطا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک خاص مقام ہے جس کے لئے اُن کو خراج تحسین دینے کی ضرورت ہے۔ کیوں نہ ہو؟ تصوف کے ادق مسائل کو قرآن و حدیث کے ساتھ منطبق کرنا علماء ہی کا کام ہے کہ عقائد شریعت سے سرِ مُو تجاوز نہ کر جائیں۔

شطحیاتِ صوفیہ کی تائید میں احتیاطاً ایک علوم ظاہر و باطن کے ماہر ہی کا کام ہے
اور یہ خوبی ہم محمد بن عطار رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں دیکھتے ہیں جنکی کتاب
طوالع الشموس کا: کافی بڑا اقتباس سترھویں صدی کے ہندوستانی محدثِ اعظم حضرتِ
شیخ عبدالحق دہلوی کی اخبار الاخیار کے ذریعے مجھ تک پہونچا ہے۔ مختصر یہ کہ محمد بن عطا
رحمۃ اللہ علیہ کی تخلیقات ہندوستان جیسے دور دراز علاقے میں پڑھی گئیں اور طلبائے
تصوف کو پڑھائی گئیں۔ پڑھانے والے لوگ بھی ایسے ہمعصر تھے جیسے حضرت شیخ
فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جو اجودھن (پاک پٹن) بیٹھے لوائح کا باضابطہ
درس دیا کرتے تھے اور اس درس سے استفادہ کرنے والے نظام الدین بدایونی
دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ہونہار تصوف کی معراج پر چڑھتے ہوئے طالبعلم ہوتے
تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بابا فریدالدین پر کیفیتِ حال کا تقاضہ ہوا تو حضرتِ
نظام الدین سے فرمایا کہ تھیلی میں سے قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا خط
نکالو۔ خط پڑھا گیا اور بابا صاحب پر حال کی کیفیت طاری ہوئی۔ اشعار
کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ مرتبے کے صاحبِ حال بابا رحمۃ اللہ علیہ، محمد
بن عطار رحمۃ اللہ علیہ کے کہے ہوئے اشعار کو ترجمان بناکر رکھتے تھے اور
درویشانِ عالم صفت کے دلوں میں قاضی صاحب کی بڑی وقعت تھی۔ صرف ہم
عصر ہی نہیں بلکہ بیسویں صدی کے غیر ملکی علما مثل امریکی ،، بردس لارنس بھی ،
قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل تصوف کو سمجھنے کی کوشش کررہے
ہیں جن کے بارے میں مولانا جمالی نے خیال ظاہر کیا تھا کہ ان رسائل کو سمجھنا کسی
کے لئے دشوار ہے تاہم جس نے سمجھا اس نے یہ اظہارِ خیال کیا ان رسائل

ہیں وہ سب کچھ ہے جن کی تشنگان علوم کو تلاش ہے اور جو کچھ ان رسائل میں
نہیں ہے وہ کہیں اور نہیں ملے گا (سیر العارفین ص ۲۱۴ - ۲۱۵) -

قاضی صاحب قرآن و حدیث دونوں کے ماہر ہیں جیسا کہ مطالع اربعین
(چہل حدیث) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس حدیثوں کی تصوف کے رنگ
میں تشریح اور مطالب کو ہر موقع پر رباعیات، نظم اور اشعار کے ذریعے عام
فہم کرتے گئے ہیں۔ اس لئے میں نے مناسب جانا کہ چہل حدیث کا خلاصہ پورے
کا پورا ناظرین کے استفادے کیلئے شاید پہلی بار اس کتاب میں داخل کریں
جس سے لوگ جان لیں کہ شیخ محمد بن عطا الملقب بہ حمید الدین (قاضی) المتخلص بہ
"حمید درویش" (شاعر) بھی ہیں یہ شاعری شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ (رباعی
گو) کی روایاتی پیروی میں گنی جائے گی۔ مگر شاعری کو قاضی صاحب نے مقدم نہیں
جانا۔ بلکہ ادبی طور پر روحانی گتھیاں سلجھے ہوئے طور پر اشعار کے ذریعہ
پیش کرنے کے واسطے شاعری کو اچھا اور مفید جانا لیکن مستقل تصنیفات
کی نظم کے مقابلے نثر ہی میں ترتیب دی۔

بارھویں تیرھویں صدی کے ہندوستان میں گورکھ ناتھ جوگی شمالی
علاقوں میں گھومتے رہتے تھے اور قاضی صاحب کے علاوہ بابا صاحب (فریدالدین
گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ) اور سلطان الاولیا، (شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ) کے ذکر
میں جوگیوں کا ان کی خانقاہ میں آنا اور ان بزرگوں سے الوہیت پر تبادلۂ خیال
کا ہونا پایا جاتا ہے۔ یہ جوگی اوتاری توحید کے قائل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی و
صوفیوں کو ان کی باتیں متاثر تو کرتی تھیں لیکن یہ جوگی حضرات کیمیا کے

قائل تھے اس لئے صوفی محمد عطا نے گیان ناتھ جوگی کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کیمیا کے مشغلے میں عمر کو کھپانے کے مقابلے میں "اللہ واحد" کی ایک دن کی عبادت افضل ہے اور جوگی کی عطا کردہ جڑی بوٹی کو دریا میں پھینک دیا

ایک بات یہاں صاف کر دینا ضروری ہے۔ قاضی حمیدالدین ناگوری سہروردی ہیں چشتیہ سلسلہ ان کا مذہب نہیں ہے۔ عمر دراز پائی لہذا خواجہ معین الدین غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ خواجہ قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ یعنی چشتیہ سلسلہ کی تین پیڑھی کے اکابرین کا ہم عصر ہونا انکو نصیب ہوا۔ اس زمانے میں اور اس کے بعد کے چشتیہ بزرگ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت چراغ دہلوی کے زمانے تک سلطانوں سے نہ جاگیر قبول کی گئی اور نہ ان کی نوکری کرنا پسند کیا گیا۔ ادھر حضرت صوفی حمیدالدین تو سلطان التارکین تھے ہی، ان کا بھی یہی حال رہا۔ ادھر دلی میں سلطان محمد تغلق اور شیخ نصیرالدین چراغ کے درمیان اس بات پر خاصہ جھگڑا رہا یہانتک کہ چراغ دہلوی نے اپنے پیر کے تبرکات کو اپنی قبر میں دفن کروانے کی وصیت کر دی اور ان کے بعد یہ سلسلہ دکھن (گلبرگہ) اور گجرات (نہروالا) میں پنپتا رہا لیکن چودھویں صدی تک چشتیہ بزرگوں اور سلطانوں کی ماتحتی قبول کرنے سے بچتے رہے برعکس اس کے سہروردیہ کے یہاں سلطان سے جاگیر لینے یا عہدہ قبول کرنے کی چھوٹ تھی اور مال و دولت جمع بھی کرتے تھے اور خرچ بھی کرتے تھے جبکہ چشتیہ کے یہاں مال و دولت سے پرہیز ہے۔ جو فتوح آئے "اسے محتاجوں پر خرچ کرو" اسی بات کو لیکر حضرت سلطان التارکین شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے ساتھ الجھ گئے تھے مگر ادھر ناگور میں شیخ حمید الدین نے اور ادھر ملتان میں شیخ بہاء الدین نے جاگیریں قبول کی تھیں۔ ایک نے قاضی کا عہدہ سنبھالا اور دوسرے نے شیخ الاسلام کا۔ (جو تین پشت تک ان کے خاندان میں چلتا رہا) مال جمع کئے ہوئے کو غریبوں پر خرچ کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ شیخ حمید الدین ناگور کی قضات اور رودھل کی جاگیرداری نے ان کی اولاد کو پشتنی قاضی اور جاگیردار مشہور کر دیا

آج کے قاضیانِ رودہل چاہے جس حالت میں ہوں مگر ان کے آباء واجداد شیخ حمید الدین (قاضی) اور ان کے دونوں صاحبزادے شیخ ناصح الدین و احمد ظہیر الدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے شرعی روایات (علمی و روحانی) کو قائم رکھا اور قاضی صاحب کا مرتبہ تو اس ضمن میں بہت ہی بلند ہے۔

اب رہا سوال سماع یعنی قوالی کا تو اس پر لوگوں کو وہم ہوا ہے کہ قاضی صاحب کا سماع میں غلو ان کا چشتی سلسلہ اختیار کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن ایسی بات قطعی نہیں ہے۔ سہروردیہ سلسلے میں قوالی پر زور نہیں ہے مگر قوالی منع بھی نہیں ہے۔ جس زمانے میں قوالی پر علماء ظاہر کے فتوے وارد ہو رہے ہوں صوفیاء حضرات تو خود ہی پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے اور قاضی صاحب اور قطب صاحب سے ایک صدی قبل امام غزالی علیہ الرحمۃ نے سماع کے اصول مرتب کر کے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "احیاء العلوم" میں شائع کر دیئے تھے لیکن شمس الدین التمش کی دلّی میں قوالی سے متعلق بغداد جیسا ماحول نہیں تھا اور بغداد میں بھی سماع سے متعلق عقیدہ اور عمل کا زوال آچکا تھا جس کو امام غزالی نے بخوبی اپنی کتابوں میں طشت از بام کیا تھا۔ ایسی حالت

یں جب دارالسلطنت دہلی میں قاضی القضات اور شیخ الاسلام کے عہدے قائم ہوئے تو ان کے عہدے داروں نے اپنا اپنا منصبی فرض ادا کیا۔ ایک بات کا اتفاق اور ہوا یعنی قاضی منہاج الدین سراج جرجانی خود سماع کے دلدادہ نکلے اور سلطان التمش خود صوفی نہیں تو متصوف تو تھا ہی اور قطب صاحب کے آنے پر ان کا مرید ہو گیا تھا۔ اور قطب صاحب وہ ہیں جن کا ہم مسلک (قوالی کے بارے میں) اور ہم خیال قاضی صاحب نے اپنے کو پایا۔

بس کیا تھا گھٹنے ٹیک دیئے۔ قوالی کی مجلس دلی میں ہو گی اور بے روک ٹوک ہوں گی۔ محفل قوالی کے بارے میں قطب صاحب کی آمد سے پہلے منعقد ہوا یا حضرت کے آنے کے بعد اس کا پتہ تو تواریخ سے ہم کو نہیں ملتا مگر یہ جگل جوڑی قوالی کے قیام ورواج کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہی۔ ایک نے قوالی کے پیچھے خنجرِ تسلیم سے اپنے تئیں کشتہ کیا اور دوسرے صاحب جن کے ہاتھوں میں شریعت وطریقت کی دُو دھاری تلوار تھی گویا قوالی ہی کے لئے زندہ سلامت رہے۔ اور بقول حضرت نظام الدین اولیا، دنیا کو دکھادیا کہ شریعت والی قوالی کے بہانے اللہ خشک سالی دور کر سکتا ہے اس طرح قوالی کی جڑوں کو مضبوط کر کے ہی اس دنیا سے رخصت ہوئے اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس قوالی کی نوعیت کیا تھی جسکو قاضی صاحب اور قطب صاحب نے سُنا اور وجد کیا۔

قاضی صاحب کے رسالۂ سماع کا حوالہ بھی پیچھے دے چکا ہوں جس میں ان کے فتوے کا خلاصہ یہ ہے کہ "سماع اہلِ قال کے لئے حرام اور اہلِ حال کے لئے مباح ہے۔" یہاں مزامیر کا ذکر نہیں ہے۔ مزامیر ہوں یا قوالی کی دوسری

شرائط پوری نہ کی جائیں، جن کو امام غزالی نے اپنی کتاب میں عائد کیا تھا اور جن کو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی کی زبان میں فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں دہرا گیا ہے۔ تو قوالی خاص وعام سب کے لئے حرام ہو جائے گی عام اس سے کہ وہ اہلِ قال ہوں یا اہلِ حال۔ لیکن قاضی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سماع سے متعلق ایسا اندیشہ کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ہے۔ جب کہ مورخ عصامی نے اپنی کتاب میں قاضی صاحب اور ان کے ساتھیوں کے سماع کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ بعد نماز مغرب سماع شروع ہوا اور پوری صوفیوں کی جماعت سماع کے ساتھ رات بھر رقص بھی کرتی رہی جب کہ فرش پر کانٹے اور آگ دونوں ہی چبھنے اور جلانے والی چیزیں تھیں۔ جن کو وہ قوالی کے عادی حضراتِ اہلِ حال خاطر میں نہیں لائے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ (فتوح السلاطین صفحہ ۱۱۴ آگرہ ایڈیشن)

یہاں تک تو ہم قاضی صاحب کے علوم ظاہری و باطنی کے عالم باعمل ہونے کی بات کرتے رہے۔ اب میں پیچھے لوٹتا ہوں گیارہویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں راجستھان (سوالکھ) کے علاقہ ناگور و اجمیر میں ان نیچ اچھوتوں کی نربلی کی خبریں غزنی پنجاب تک پہونچنے کی خبر رحمان بخش صاحب کے رسالے افاضاتِ حمیدیہ سے معلوم کرکے میں حضرت محمد عطا بخاری رح کی اس روحانی عزیمت کی یاد تازہ کرتا ہوں جبکہ وہ سنہ ۱۱۶۴-۶۵ء کے زمانے میں نہ عالم ہونے کی شہرت رکھتے تھے اور نہ سہروردیہ سلسلے میں داخل ہوئے تھے۔ الّا یہ کہ ناگور میں حضرت حمیدالدین ریحانی رحمۃ اللہ علیہ نے جَین سماج کے بیچ میں رہ کر ایک خاموش فضا بھائی چارے کی بنا رکھی تھی اور حکومتِ ناگور

اجمیر کے چوہانوں کی تھی۔ پھر بھی محمد عطا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ اور خلوق نیز
حاکم کی طرف سے بے خوفی رنگ لائی اور بیوہ تیلن کا فرزند دیوتا کے سامنے بلی
چڑھنے سے محفوظ رہا۔ [1] یہ روحانی کارفرمائی قاضی صاحب کا پہلا کارنامہ
دوسرا کارنامہ قاضی صاحب کا تصنیف و تالیف ہے جس کا ذکر پیچھے ہوچکا
ہے۔ علمی کارنامے کا زمانہ ۱۸ جون ۱۱۹۲ء سنہ ۶۴-۶۵ھ کے بعد سے لیکر سلطان شہاب
الدین محمد بن سام کی حکومت کے سالہائے آغاز کے درمیان کا مان کرچلا
ہوں۔ اب اس وقت قاضی صاحب کے بڑھاپے کا زمانہ تھا جب کہ آپ کو
غزنی کی سرکار نے ایک متبحر عالم دین و شریعت مان کر قضاتِ ناگور کی مسند
پر فائز کرکے ان سے استفادہ کیا مگر قاضی صاحب حکومتی نظام سے الگ اپنی
علمی طبیعت مائل بہ روحانیت پاتے ہوئے تین سال ہی میں سرکاری
عہدے سے مستعفی ہوکر اور فقاہت کے منصب سے دست بردار ہوکر بغداد
چلے گئے اور پیرِ وقت حضرتِ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
کے دستِ بیعت و ارشاد سے مستفیض ہوکر حج بیت اللہ کے رُکن کو پورا کیا
اس سے قبل اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسی زمانے میں حضرت
شیخ قطب الدین بختیار اوشی سے محبت و یگانگت پیدا ہوئی۔ ہندوستان
میں دلی کے سلطان کا صوفیت اور صوفیوں کی طرف رجحان و عقیدت
اور اسکی اپنی افتادِ طبیعت کا شہرہ بغداد پہونچا ہوگا۔ حضرتِ خواجہ معین الدین

---

[1] اسی قسم کا واقعہ تقریباً ایک صدی بعد کا گاگرون (ضلع جھالاوار) میں پیش آیا جسکے
لئے دیکھئے ٹیسروے آو ،، کیمبنجی یوہان ہسٹری۔ اس موقع پر حیان بخشی کے واقعے کے ہیرو
محمد عطا کے ہم لقب حمیدالدین گاگرونی عرف پیر مٹھے صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ۱۲ منہ،

حسن چشتی کی کشش دونوں کو ہوئی ہوگی۔ بہر کیف پہلے تو قاضی حمید الدین
کی تشریف آوری ہوئی پھر ان کو رودہل کی جاگیر عطا ہوتی ہے ۱۲۲۰ عیسوی
میں ان کا ناگور میں موجود ہونا اور مولانا صنعانی کے درس حدیث میں شریک
رہنا یقینی ہے جبکہ قاضی شہر قاضی کمال الدین ہوگئے۔ اس وقت طوالع، لوامع
لوائح، اور مطالع وغیرہ کے مصنف کی حیثیت رکھتے تھے اور اسی زمانے
میں رودہل جیسے اجاڑ اور بے امن علاقے کو شاد و آباد کرنے میں دلچسپی لی
ہوگی جیسا کہ رودہل کی روایت میں ہے۔ (۱۲۲۴ء)

قاضی صاحب کی اسی مشغولیت کے درمیان حضرت قطب الدین صاحب
ملتان میں قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ جسکی خبر دلی سے اجمیر پہونچ گئی ہوگی اور
اب قاضی صاحب کے تیسرے کارنامے کا دور شروع ہوگا جس کا عنوان
ہے سماع یا قوالی کا رواج دلی میں۔

ظاہر ہیکہ دار السلطنت کی نقل و حرکت کا اثر اطراف بلکہ پورے ملک
پر پڑتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "جیسا راجا ویسی پرجا"، "اَلْعَوَامُ عَلٰی دِیْنِ
مُلُوْکِہِمْ"، جب قوالی کو قطب صاحب اور قاضی صاحب جیسے اہل چشتی
اور سہروردی دونوں سلسلے کے بزرگوں کے متوازی سلطانِ وقت شمس الدین
التتمش"، اور قاضی القضات (منہاج السراج) کی تائید حاصل ہوگئی تو
رواج چل پڑا اور یکے بعد دیگرے علماءِ وقت جو ابھی تک مخالفت میں سرگرم
نظر آرہے تھے قائل ہونے لگے۔

واضح رہے کہ میں یہاں پر اس قوالی کی تائید میں قلم چلا رہا ہوں

جو شریعت سے سرِ مو نہ ٹکراتی ہو۔ قاضی صاحب کا چوتھا کارنامہ میری نظر میں اہلِ کسب (دھندے والے) کی تائید و سرپرستی ہے۔ اگر افاضاتِ حمید کے بیانات کو صحیح مان کر چلیں تو راجستھان اور ناگور میں اہلِ کسب اور اچھوتوں کی حالت زار ہندوستان کے چاتُر وَرن زدہ سماج میں، محمد بن عطا کی پہلی آمد ۱۱۶۴-۶۵ء میں قابلِ رحم تھی جسکو دیکھکر ان پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ لہٰذا انھوں نے اذان پکار کر نماز پڑھی۔ شیخ حمید الدین ریحانی کے بارے میں مشہور ہے کہ جینیوں میں پیچھے ہونے کے باوجود تبلیغ جو اسلام میں فریضۂ دین ہے اس سے غافل نہیں تھے مٹھی بھر ناگور کے مسلمانوں اہلِ کسب میں قوم تیلی بھی شمار ہوتی تھی۔ جاگیردارانہ نظامِ حکومت میں اہلِ کسب چاتُروَرن (یعنی جینی، چھتری، بنئے، شودر،) سے باہر ہوتے تھے ان سے حاکم یا ٹھاکر لوگ بیگار بھی لے سکتے تھے اور دیوی دیوتاؤں کے سامنے سب سے اعلیٰ قربانی (انسانی قربانی) کے لئے شودروں کو چھوڑ کر ان نیچوں ہی میں سے انتخاب ہوتا تھا۔ جب جودھپور قلعے کی تھاپنا۔ (بنیاد) رکھی گئی تو بلی کیلئے ایک چمار کو چنا گیا تھا جس کی اولاد آج بھی موجود ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مالوہ میں مشہور ہے کہ مانڈو کے قلعے کی دیوار ایک مہتر یعنی بھنگی کے (جسم لاش) پر چنی گئی تھی۔

تیسری بار نصف صدی بعد جب قاضی صاحب شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی کی عطا کردہ خلافت سے سرفراز ہو کر ناگور تشریف لاتے ہیں تو حضرت قاضی صاحب مریدوں کو داخلِ سلسلہ کرتے وقت جولاہوں اور قصابوں جیسی قوموں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان کو نہ صرف ارادت میں لیا بلکہ خلافت بھی انھیں کو عطا فرمائی جب کہ

مشہدی اور ہمدانی جیسے ساداتِ عظام کے خاندان لاڈنو، کھاٹو، ڈیڈوانہ میں سنو برس پہلے سے کالونیاں بسائے ہوئے تھے۔

قاضی حمیدالدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے خلیفہ بدایوں میں شیخ احمد نہروالی گجراتی نساج تھے جو بدایوں میں آکر بس گئے تھے اور اپنا ذاتی کرگھا (کارگاہ) چلاتے تھے۔ جولاہا قوم کے بارے میں علامہ ابوریحان البیرونی کو بھی احساس کمتری ہوا تھا۔ فرماتے تھے اپنی کتاب میں کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو قوم بیمار جانوروں کو دریا میں ڈبو کر مارتی ہے یا جو مردار جانور کی کھال ادھیڑتی ہے وہ تو اچھوت نہیں ہے مگر جولاہا قوم جو کپڑا بنکر سماج کی خدمت کرتی ہے وہ برہمنوں کے نزدیک ناپاک ہے۔ (کتاب الہند انگریزی ترجمہ، سخاد)

ان نتیجوں میں یہی قوم نساج یا نوربافیہ ایسی تھی جو اسلام سے دوسری ذوات کے مقابلے جلد تر متاثر ہوئی اور کثیر تعداد میں داخل دین عتیق ہوئی اس قوم کی سرپرستی میں قاضی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ ہی "السابقون الاولون" میں ہیں۔ جب حضرت سلطان التارکین چشتیہ سلسلے کی خلافت لے کر ناگور میں سکونت پذیر ہوئے اور سلسلے کا کام ان کے ذریعے جاری ہوا تو شیخ ضیاالدین نورباف کا نام ان کے خلفا میں سب سے اوپر نظر آتا ہے۔ ان کی دختر نیک اختر کو صوفی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محمود قتال مجاہد کے نکاح میں دے دیا تھا جس سے ایک بچہ بھی تھا اور باپ بیٹے دونوں کھاٹو کی پہاڑی (کوہ جنت) میں شہید ہو کر ہیں دونوں ایک ہی جگہ پر مدفون ہیں۔ مقبرہ ٹوٹی پھوٹی حالت میں موجود ہے۔ [1]

(تاریخ کھاٹو ص ۱۳)

قاضی صاحب اور صوفی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد پندرہویں صدی عیسوی میں حضرت مخدوم حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ملتا ہے کہ اچھوتوں میں سب سے زیادہ اچھوت قوم جھاڑو دینے والے اپنے ایک مرید کو ایسا نوازا اور اس کی تعلیم و تربیت میں ایسی سعی بلیغ فرمائی کہ ان کے اس مرید کا اپنے وقت کے بزرگانِ دین میں شمار رہوا۔ (اخبار الاخیار ص ۳۲۵)

اچھوتوں پر بے انصافیوں کے ازالے کا ثواب بعد کے بزرگوں کے ساتھ ساتھ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ملتا رہے گا۔ انشاء اللہ

جبہ شریف لانے کا زمانہ یہی ہے جس کے لئے رحمان بخش، مؤلف "افاضاتِ حمید" کے قول کے مطابق تیسرے قیامِ ناگور کے بعد جب چوتھی بار بغداد جا کر پلٹے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس تبرک ساتھ لائے ہیں جس پر روایتِ مشہورہ و معروفہ کے مطابق حضرت جنید بغدادی نے اس پر سنجاف لگائی تھی اور تینتیس ۳۳ برس تک اپنے سر پر اٹھائے پھرتے رہے۔ آج وہ جبہ شریف زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ (افاضاتِ حمید ص ۱۰)

یہاں پر ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی حضرتِ قاضی صاحب کی سیرت کی نمایاں خصوصیت ہے۔ راجستھان سے بغداد کا سفر جھیلنا اور واپسی میں پھر پورا فاصلہ طے کرنا قاضی صاحب ہی جیسے ہمت ور سیاح مزاج بزرگ کا کام تھا جن کے چار میں سے تین سفر بغداد کے بڑھاپے کی عمر ہی میں بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئے ہیں اور سفرِ حج و زیارت مزید براں۔ اس سے وطن کی محبت کا تقاضہ بھی پورا ہوتا ہے "حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ"

وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے" اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بارھویں، تیرھویں صدی میں بغداد سے ہند کا راستہ بے خطر تھا۔

ناگور میں تعلیمی ضرورت کو پورا کرنا بھی قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے نامۂ اعمال میں ملائکہ درج کریں گے۔ قلعۂ ناگور کے صدر دروازے پر کھڑے ہو کر چاندنی چوک (اب گاندھی چوک) کی طرف نظر دوڑائیے تو سامنے ناہرپول کے بائیں بازو سے ملحق جس عمارت کے دروازے کے بالاخانے پر سٹیٹ بینک آف انڈیا کا ادارہ ہے اسی ادارے کے نیچے مدرسے کا صدر دروازہ ہے جو مدرسہ حنفیہ صوفیہ حمیدیہ کے نام سے آج چل رہا ہے یہی مدرسہ وہ دار العلوم ہے جہاں سے کھاٹو سے سلسلۂ مغربیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابو اسحاق مغربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے لے پالک بچے احمد کھٹو کو لیکر بچے کی تعلیم کے واسطے کتابیں فراہم کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ سیرت احمدیہ میں اس مدرسہ کو قاضی حمید الدین کا مدرسہ کہا گیا ہے۔ (سیرت احمدیہ صفحہ ۱۱)

تعلیم گاہ کے قیام کے بارے میں بھی قاضی صاحب "السابقون الاولون" میں شمار کئے جائیں گے۔ اٹھارویں صدی کے ایک کتبے میں اس مدرسے کے لئے "خانقاہ قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ" کا نام آیا ہوا ہے۔ فقیر حقیر کے ننھیالی بزرگوں میں حضرت شیخ سلیمان ابن بھیکہ سہروردی جنھوں نے دلی (مہرولی) میں قاضی صاحب کی قبر کے نیچے کتبہ کندہ کرایا تھا۔ اسی مدرسے ناگوریہ کے ناظم تھے جو سولہویں صدی بعہد اکبر شاہ گذرے ہیں۔

آخر میں عرض کردوں گا کہ حضرت قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت

عالیہ میں پابندی شریعت وطریقت، تقویٰ، مکارم اخلاق، ریاضت وعبادت کے ساتھ چند خوبیاں اور بھی نمایاں ہیں مثلاً مزاج میں خاکساری وانکساری وہم چشموں کے ساتھ خصوصاً حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وفاداری زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی جیسا کہ قطب صاحب کے پائینتی میں اپنے دفن کے لئے وصیت کر گئے۔ مزاج میں بذلہ سنجی تھی جیسا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی حکایت سے ظاہر ہے۔ کرامت وخرق عادت کے واقعات بھی ہیں درج کر چکا ہوں اس میں شک نہیں کہ ناگوری صوفیائے متقدمین میں قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھری ہوئی رکھے۔

قاضی حمید الدین ناگوری مرید بہت کم کرتے تھے! اہل تذکرہ نے دو چار مریدوں کے نام بدایوں کے حوالے سے درج کئے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس درویشوں سے زیادہ رابطہ نہیں بڑھاتے تھے۔ سرور الصدور میں آیا ہے کہ جو درویش قاضی صاحب کی خدمت میں آتے ان کو کچھ نہ دیتے اور کہتے کہ اے درویشو تم ایک دکان رکھتے ہو اور ہم بھی دکان رکھتے ہیں۔ تمہاری دکان چلتی پھرتی دکان ہے اور ہماری دکان نشستہ (بیٹھی ہوئی) دکان ہے۔ ا

ناگور دور حکومت غوریہ وغلامان دہلی میں (سنہ ۱۱۹۳ء تا ۱۲۰۰ء)

جب انقلاب سنہ ۱۱۹۳ء (جنگ ترائن) کے بعد محمد بن سام (سلطان شہاب الدین غوری) کا قبضہ اول اجمیر (دار الحکومت پرتھوی راج چوہان) پر ہوا تو قیاس سے ایسا

معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناگور سے سانبھر تک کا پورا علاقہ مع لاڈنو، ڈیڈوانہ، کھاٹو دنرائنہ
جو چوہانوں کی دو قدیم راجدھانیوں ناگور اور سانبھر سے متعلق تھا علاقہ اجمیر ہی
کے ساتھ بیک وقت ترکوں کے زیر اقتدار آگیا اور اسی مثلث خطۂ زمین کو کتبوں میں
خطۂ ناگور کہا گیا ہے۔

بعد کے سرکار ناگور اور آج کے ضلع ناگور کا شروعاتی ایریا (رقبۂ زمین) بس
اسی قدر ماننا چاہئے۔ واضح ہو کہ ضلع ناگور کا سب سے عمدہ زرخیز علاقہ نسبتاً ہری بھری
سرزمین کا ہے جو تحصیل ناگور خاص سے لے کر تحصیل پربت سر اور رناداتک پھیلی
ہوئی ہے۔ اور جسمیں کثیر آمدنی کی نمک کی جھیلیں اور رنگین وسفید پتھر (مرمر) کی
کھانیں واقع ہیں۔ یہی علاقہ چوہانیہ سے لیکر آج تک ضلع ناگور کا بہترین ترقی یافتہ
ثقافتی علاقہ سمجھا جاتا رہا ہے جہاں مہاراجہ مان سنگھ (۴۳-۱۸۰۳ء) کے زمانے
میں بہترین آمدنی والے پرگنے نواب امیر خاں پٹھان کے قبضہ میں آگئے تھے۔
(۱۷۔۱۸۰۷ء) وہ کتبہ جس کو ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی نے ایڈٹ کر کے پیش
کیا ہے کہ (۱۱۹۲ء) میں ناگور کا علاقہ اجمیر کے ساتھ ساتھ ہی شہاب الدین کی
حکومت میں تھا اس بات کی تردید کرتا ہے کہ ناگور خطے پر شمس الدین التمش کے
عہد میں ترکی اقتدار کی جڑ قائم ہوئی۔ یہ بات اور ہے کہ ابتدائی عہد ترکیہ میں میروں
کے قبیلوں، مقامی چوہانوں کے ساتھ دہلی حکومت کو بہتیرے معرکوں میں عہدہ برآ ہونا
پڑا۔ جیساکہ کھاٹو کی یادداشتوں سے ظاہر ہے۔ ابتدائی دور میں ناگور ترکی حکومت کیلئے
پھولوں کی سیج نہیں تھا بلکہ کانٹوں کا بستر تھا اور مقامی قبیلوں اور ٹھاکروں سے پوری
ایک صدی بلکہ بعد تک جھڑپیں ہوتی رہی تھیں۔ دہلی یا اجمیر سے ناگور کے نو واردوں

کو اتنی کافی اور وافر مدد نہیں پہونچی تھی کہ ان کو اپنی خود حفاظتی تدابیر سے نجات حاصل ہو
برابر لڑتے مرتے رہے۔ اور اپنی نو آبادیاں (کالونیاں) قائم کرتے رہے اِن نو واردوں
میں ہمدانیوں اور مشہدیوں کا نام بر سر فہرست ہے۔ ساتھ ہی اُن تیجوں (اچھوتوں)
کے مختلف قبیلے بھی اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ اور قصبوں میں قابل قدر نو مسلم
آبادی نظر آنے لگی۔ ایک دوسرا کتبہ بھی عہدِ محمد بن سام کا ہے جو کھاٹو میں پایا گیا
(سنہ ۱۲۰۳ء کا ہے) اور شائع ہوچکا ہے۔

طبقاتِ ناصری تیرھویں صدی کے لئے میرا ماخذ طبقاتِ ناصری از قاضی منہاج سراج ہے۔ منہاج سنہ ۱۲۲۸ء میں دہلی میں آئے۔ سب سے پہلے واعظ (سنہ ۱۲۳۲ء) پھر قاضی خطیب، امام، اور محتسب کا منصب باضابطہ عطا ہوا۔ کتاب لکھنے کا سنہ آغاز (سنہ ۱۲۵۸ء ۔ سنہ ۶۵۵ھ) قیاس کیا گیا ہے جبکہ وہ تیسری بار کل ہند کے قاضی القضات مقرر ہوئے کتاب کی تکمیل کی تاریخ سنہ ۶۵۸ھ ۔ سنہ ۱۲۶۱ء) ہے (طبقاتِ ناصری ترجمہ اردو جلد دوم ص۲۳۲) یہ کتاب سلطان ناصر الدین محمود (۵۹ سنہ ۶۳۱ھ ۔ ۶۲۰ سنہ ۱۲۳۴ء) کے نام پر معنون ہے اس کتاب سے مجھ کو خطۂ ناگور کے صرف حکام کے نام اور ان کا مختصر تعارف ہی دستیاب ہے جو میں درج ذیل کرتا ہوں۔

اجمیر کے مرکز حکومت کے ساتھ ملحق علاقہ تمامی سوالکھ مع ہانسی، سرستی اور دوسرے علاقے مع ناگور (منڈور کو چھوڑ کر) فتح ہو گئے تھے۔ حصہ اول طبقات ناصری حواشی ص۶۲ کے مطابق پہلا نام ناگور کے حاکم کا علی ناگوری ہے جس نے اپنے چچا محمد محمود کو اپنی ملازمت میں رکھا تھا اور چچا کو اب علَم اور نقارہ عطا کیا۔ اس طرح

ــــــــــــــــ

لہ اے پی گرافیا انڈیکا عربی فارسی سپلی منٹ سنہ ۱۹۶۸ء ۲ے اپنوئل رپورٹ انڈین اپی گرافی سنہ ۶۳-۱۹۶۲ء۔

علی ناگوری عہدِ غوری کا پہلا امیر ہے جس کے پاس محمد بن بختیار خلجی بھی ناگور میں رہ چکا تھا جو بعد میں بہار و بنگال کا فاتح بنا۔

عہدِ قطبی کا حال معلوم نہیں (۱۲۰۶ء تا ۱۲۱۰ء) البتہ جب ۱۲۱۰ء میں التتمش تخت نشیں ہوا تو سات سال بعد ۶۱۴ھ - ۱۲۱۷ء میں اپنے رقیب ناصر الدین قباچہ کی شکست سے فارغ ہو سکا تو سوالکھ سمیت اطراف پر اسکے ضبط اور فتوحات کا آغاز ہوا مثلاً ۶۱۴ھ - ۱۲۱۷ء میں منڈور جو حدود سوالکھ ہی میں ہے اور جودھپور سے قبل مارواڑ کا صدر مقام تھا فتح ہوا۔ ناگور میں عہدِ شمسی کا پہلا حاکم ملک عزالدین ناگوری نامزد ہوا دوسرے شمسی حاکم کا نام ملک کریم الدین حمزہ درج ہوا ہے (تقریباً ۶۲۱ھ - ۱۲۲۴ء) دیکھئے ط-نا - جلد اول ص۵۱۲ شجرہ حکمران سجستان و نیمروز ص۱۳ ص۹۱۲) فارسی رسم الخط کا سوالک، سپادلکش کا ابیبرنش ہے اور دراصل اس کا صحیح اِملا ''سوالکھ'' ہونا چاہئے فارسی رسم الخط میں ہندی کے کھ (کھ) کی آواز نہ ہونے کی وجہ سے سوالکھ کی کتابت ''سوالک'' کی گئی اور راورٹی صاحب نے طبقاتِ ناصری کے انگریزی ترجمے میں سوالک کے ''لک'' کو زبر کی بجائے زیر کے ساتھ سوالِک لکھا جو لکیر انگریزی میں آجتک پیٹی جارہی ہے۔ سوالکھ کے حدودِ اربعہ طبقاتِ ناصری میں وہی دیئے گئے ہیں جو اوپر درج کرچکا ہوں۔

منڈاور کی صحیح کتابت ''منڈور'' ہونی چاہئے نہ ہی منڈاور اور نہ مندور جیسا کہ بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ التتمش کی فتح منڈور عارضی رہی اور جلال الدین فیروز خلجی کو بعد میں حملہ کرکے منڈور کو دوبارہ دہلی کے زیرِ نگیں لانا پڑا۔ منڈور میں پریہار راجپوتوں کی حکومت تھی جو بعد میں راٹھوڑوں کو جہیز میں ملگیا تھا۔

ملک کریم الدین حمزہ کا زمانہ لگ بھگ ۱۲۲۴ء - ۶۲۱ھ قیاس کیا گیا ہے۔ لہذا کریم الدین حمزہ حضرت صوفی حمید الدین کا ہمعصر نہیں بیٹھتا ہے کیونکہ اس سنہ میں صوفی صاحب کے ناگور تشریف لانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (دیکھئے ط۔ نا جلد اول صلا۵۱۲ وشجرۂ حکمرانانِ سیستان وتیموز مد ۱۳-۹۱۲ جس کے مطابق تاج الدین بن التگین (۲۹۔ ۱۲۲۵ء) کا کریم الدین حمزہ کے ساتھ ناگور میں ہونا پایا جاتا ہے۔

چوتھا حاکم ناگور کا جسکا اندراج منہاج نے کیا ہے۔ ملک نصیر الدین ایتمر بھائی ہے۔ جب سلطان شمس الدین ایلتمش ۱۲۲۸ء ۶۲۵ھ میں اوچھ اور ملتان کی تسخیر کے لئے آیا تو نصیر الدین ایتمر نے جو اس وقت لاہور میں تھا، لاہور سے آکر محاصرے میں کارنامہ انجام دیا اور اس علاقے کے قبضے کے بعد سلطان نے اجمیر سے لیکر پورا سوالکھ مع نمک سانبھر کے انتظام کے اس کو سونپ دیا اور ایک ہاتھی بھی عطا کیا۔ قیاس کا تقاضہ ہیکہ ملک نصیر الدین ایتمر کی اقطاع میں ناگور بھی شامل تھا مگر صدر مقام اس کی حکومت کا اجمیر تھا۔ اجمیر ہو کر وہ راجپوت علاقوں پر تاخت وتاراج میں مشغول ہوا انھیں ایام میں منہاج سراج نے ولایتِ سانبھر نمک میں آکر ایتمر سے ملاقات کی تھی۔ لکھتا ہیکہ ملک ملکِ بونڈی (رہاڑوتی) کی چڑھائی میں دریائے (چنبل) میں ڈوب گیا کیونکہ ہتھیار بندی کی حالت میں ندی پار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ (ط۔ ناجلد دوم صنا)

پانچواں نام جو منہاج کے ذریعہ ہمکو دستیاب ہے (ملک) عزالدین کشلو خاں سلطانی کا ہے (عہد سلطان علاءالدین مسعود شاہ جلد دوم ص ۲۴-۴۲) جو ۶۴۹ھ ۱۲۵۱ء میں سرکشی ہو کر معزول ہوا۔ (ط۔ نا حصہ اول ص۸۵)

اور چھٹا گورنر ملک کشلی خاں سیف الدین ایبک سلطانی ملک الحجاب، سوالکھ میں بھیجا گیا تھا۔ ساتویں نمبر پر بالآخر عہد ناصر الدین محمود میں الغ خاں بلبن کو امراء کی سازشوں کے نتیجے میں دہلی سے ناگور بھیجدیا گیا۔ یہاں پر مصنف طبقاتِ ناصری نے ناگور واضح طور پر لکھا ہے۔ مگر بلبن سیدھا ناگور تک پہونچکر ہانسی ہی میں رکا رہا (۱۲۵۳ء ۶۵۱ھ حصہ اول ص ۵۴ ۵۱ وحصہ دوم ص ۷۴-۷۱) دو باتیں ناگور کے سلسلے میں بلبن سے متعلق شہرت یافتہ ہیں۔ ایک یہ کہ رنتھنبور کے علاقے تک اس نے تاخت وتاراج کی جس وجہ سے ناگور کی اہمیت بڑھ گئی۔ دوسری یہ کہ سلطان التمش کی قائم کردہ ناگور کی ٹکسال سے جسطرح التمش کے نام کے سکے دستیاب ہوئے ہیں اسی طرح ناصر الدین محمود کے بعد جب بلبن سلطان بنا تو اس نے بھی ناگور کی ٹکسال میں اپنی سلطنت کا سکہ ڈھلوایا تھا جیسا کہ ایک بلبنی ناگوری سکے،، کی خبر ٹامس صاحب نے اپنی کتاب میں دی ہے [۱]۔ ایک بلبنی ناگوری سکہ پروفیسر محمود شیرانی لاہور کی تحویل میں رہ چکا ہے۔

بس اسقدر مواد سوالکھ اور ناگور سے متعلق عہد غلامان میں ملتا ہے جسکا واحد ماخذ طبقات ناصری ہی ہے حالانکہ مصنف اس طبقات کے قاضی منہاج سراج کا وجود سلطان غیاث الدین بلبن کے جانشین سلطان کیقباد (آخری سلطان غلامان) کے عہد تک پایا جاتا ہے۔ سلطان بلبن کے عہد میں سرالصدر کی روایت ان کے بارے میں یہ ہے کہ سلطان کا قول تھا کہ میرے قاضی تین قسم کے ہیں (سرور الصدور ص ۳۶۳) ایک قاضی فخر ناقلہ وہ ہے جو مجھ سے ڈرتا ہے۔ خدا

---

[۱] ایڈورڈ ٹامس کرانیکلس آف دی پٹھان کنگس آف ڈیلی (لندن) ۱۸۷۱ء ص ۷

سے نہیں ڈرتا۔ دوسرا قاضی لشکر رضی الدین بحرا خدا سے ڈرتا ہے مجھ سے نہیں ڈرتا تیسرا منہاج ایسا ہے جو نہ مجھ سے ڈرتا ہے نہ خدا سے ڈرے اس کے بعد کیقباد کے عہد میں جب دربار میں بداخلاقی کا ماحول چھایا ہوا تھا، سلطان کے اشارے پر ایک فاحشہ عورت ہور ہی نام منہاج کے گلے میں باہیں ڈالکر جھول گئی ان دو اشارات کیلئے میں سرور الصدور کا مرہونِ منت ہوں قاضی کے اخلاقی زوال کی قابلِ رحم روئداد ہے۔

عہد خلجیہ کے پہلے سلطان جلال الدین فیروزشاہ کے عہد میں منڈور پر حملہ ہوا جس سے ظاہر ہے کہ التمش کی فتح منڈور عارضی تھی جلال الدین فیروز کا کتبہ منڈور کی مسجد میں ادھورا ہی سہی مگر موجود ہے جس میں فیروز کے نام پر علمائے تاریخ میں اختلافِ رائے ہے۔ کیونکہ مع لقب پڑھا نہیں جاتا بوجہ کتبے کے ٹوٹا پھوٹا ہونے کے مگر اغلب قیاس یہی ہے کہ فیروز سے مراد جلال الدین فیروز خلجی ہے کیونکہ منڈور پر اسکی چڑھائی کا اندراج دھلی کی تواریخ سے ثابت ہے۔[1]

حالانکہ یہ فتح منڈور بھی عارضی ہی رہی۔ خلجیوں کا قبضہ منڈور پر بہت دنوں تک نہیں چلا اور قومِ پریہار کے راجپوت ایندا منڈور پر قابض رہتے آئے

شجرۂ انساب

حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کا اصلی نام محمد ہے۔ آپ شاہانِ بخارا کی اولاد سے ہیں سلطان عطاء اللہ

---

[1] مفتاح التواریخ

محمود شاہِ بخارا کے یہاں ۵۶۲ھ میں آپکی پیدائش ہوئی نسخہ بزبان الجالمین میں نسب نامہ اس طرح ہے۔

شیخ محمد بن سلطان عطاء اللہ محمود بن سلطان احمد بن سلطان محمد بن شیخ یوسف بن شیخ طیب بن شیخ اسمعیل بن طاہر بن یعقوب بن اسحق بن اسمعیل بن قاسم بن محمد بن امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[۲]

قلمی شجرۂ انساب

ابتدائی حالات حضرت قاضی حمید الدین سہروردی صدیقی ناگوری بلوئ

ترکِ سلطنتِ بخارا

قاضی صاحب کے والد ماجد سلطان عطاء اللہ محمود بخاری کو آپ سے محبت پدر بے غایت تھی اسلئے قاضی صاحب کو بعمر ۱۵ سال بجائے خود مسند نشین کر کے امور سلطنت کا ذمہ دار بنا دیا اور خود نے گوشۂ تنہائی اختیار کیا۔ بعد مسند نشینی چند روز اپنے امورِ سلطنت کو باخوش اسلوبی تمام انجام دیا لیکن جب آپکی حرم محترم بی بی ماہرو نے بقضائے الٰہی انتقال کیا تو آپ غمگین رہنے لگے اور بے ثباتی دنیا پر ہر روز اپنے خیالات کو وسعت دینے لگے ایک روز شکار کے واسطے جنگل میں تشریف لے گئے وہاں ایک آہو (ہرن) نہایت خوبصورت آپ کی نظر پڑا اس کے پیچھے گھوڑ ڈالدیا اور اس آہو دوڑتے ہوئے کے تیر مارا وہ زخمی ہوکر گر گیا جس وقت آپ اس کے پاس پہونچے وہ آہو گویا ہوا۔ اے عزیز!

---

[۱] سن پیدائش ۵۶۳ھ مطابق ۱۰۷۱ء اس اعتبار سے آپکی عمر ایکسو اکہتر سال ہوئی۔
[۲] نسب ظہیری ص ۶۴ خطی نسخہ، افاضات حمید ص ۷۔

تو بندۂ پروردگار ہے مجھ بے گناہ کو کیوں مارا اپنے پروردگار کو کیا جواب دیگا۔ اس واقعہ پر آپ کو نہایت تعجب ہوا اور آہو کی گویائی سے متاثر ہو کر متحیر و محزون محلسرائے پر تشریف لائے اور علی الصبح شہر بخارا میں صلائے عام دلوا کر تمام سامانِ محلسرائے کا غریبوں اور درویشوں پر تقسیم کر دیا اور خود بنفسِ نفیس گروہِ درویشوں میں شامل ہو کر کرمان کی طرف روانہ ہو گئے اور آپ کے والدِ ماجد بھی فرطِ محبت کی وجہ سے مفارقت گوارہ نہ کر سکے۔ اور قاضی صاحب کے ہمراہ ہو گئے چند روز کے بعد کرمان پہونچکر خواجہ ابوبکر کرمانی کے گھر فروکش ہوئے اور ایک عرصہ تک وہاں قیام فرمایا خواجہ ابوبکر نے اپنی دخترِ نیک اختر بی بی حمیرا کا آپ سے نکاح کر دیا اس کے بعد قاضی صاحب نے اپنے عیال کو کرمان ہی میں چھوڑ کر معہ والد بزرگوار جہاں نوردی اختیار کی۔ اثنائے سفر میں ہاتفِ غیبی نے خضر علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرا بندہ محمد بن عطا میرے خوف سے ترکِ سلطنت کر کے میرے دوست کی طرف جاتا ہے اس کو علم لدنی تعلیم کرو۔ چنانچہ خضر علیہ السلام آپ سے آکر ملے اور بارہ برس تک قاضی حمید الدین کو اپنی خدمت میں رکھکر تعمیل حکم خداوندی بجالائے بعد تحمیلِ تعلیم جب زمانہ مفارقت آیا تو خضر علیہ السلام سے قاضی حمید الدین نے درخواستِ بیعت کی۔ مگر وہ نامنظور ہوئی اور حسب ارشاد خضر علیہ السلام آپ بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ کے پاس چار کتابیں اپنی تصنیف سے موجود تھیں جنکے نام یہ ہیں۔

(۱) طوالع الشموس شرح اسمائے حسنہ (۲) لوامع (۳) لوائح (۴) مطالع شرح چہل حدیث۔ ان چاروں کتابوں کو قاضی صاحب نے بہنگام روانگی بغداد خضر علیہ السلام

کی خدمت میں پیش کیں تو خضر علیہ السلام نے ان کو پسند فرما کر ارشاد کیا کہ ان کو حق تعالیٰ نے قبول فرمائیں تم جہاں کا سفر اختیار کرو اور دوستانِ خدا کی ملاقات سے مستفیض ہو اور جس جگہ تم کو تسلی ہو اسی کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ اس لئے قاضی صاحب بغداد کی طرف روانہ ہو گئے اطرافِ بغداد میں پہونچنے پر ایک شخص نے آپ سے حضرت شہاب الدین صدیقی سہروردی کے حالات و کمالات و فیض صحبت کا تذکرہ کیا تو آپ کو کمالِ اشتیاق شیخ کی زیارت کا دامنگیر ہوا اور اسی وقت شیخ کی خدمت میں روانہ ہو گئے اثناءِ راہ میں تین باتیں آپکے دل میں گذریں اوّل یہ کہ جو شخص میرا راز یعنی سلطان ابن سلطان ہونے کا حال کشف سے معلوم کریگا اس کا مرید بنونگا۔ دوّم لوائح کے چند مشکل مسائل کو جو کوئی حل کر دیگا اس سے بیعت کرونگا۔ سوّم اس پیر سے بیعت کرونگا جو وصولِ کمال کے واسطے مجھ سے زیادہ خدمت نہ لیگا۔ اور جلد فیضیاب کر دیگا۔ چنانچہ جس وقت قاضی صاحب در دولت شیخ شہاب الدین سہروردی پر پہونچے اور زمرۂ خادمانِ شیخ میں جاکر بیٹھے اسی عرصہ میں ایک خادم نے اندر سے آکر آواز دی کہ تم لوگوں میں محمد کون ہے؟ اسکو شیخ طلب فرماتے ہیں چونکہ اس وقت وہاں پر محمد نام کے کئی شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے خادم شیخ سے دوبارہ حکم حاصل کرنے اندر گیا تو شیخ نے فرمایا کہ اس محمد کو بلاؤ جسکے پاس چار کتابیں ہیں۔ خادم باہر آکر قاضی صاحب کو شیخ کی خدمت میں لے گیا جسوقت شیخ کی نگاہ آپ کے اوپر پڑی فوراً شیخ کا رعب آپ پر غالب ہوا۔ اور بدن کانپنے لگا اس وقت شیخ نے ازراہ تلطف فرمایا۔ کہ اے محمد خاطر جمع رکھ مقصدِ دلی کو پہونچے گا۔

میں جانتا ہوں کہ تو سلطانِ بخارا کا بیٹا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہٗ نے دنیا کو تیرے دل پر سپرد کر دی ہے اور راہِ ہدایت دکھلا کر تجھ کو علم لدنی عطا فرمایا۔ انشاء اللہ تو بہت جلد محب و مقربِ بارگاہِ خداوندی ہوگا۔

اس کے بعد چاروں کتابیں قاضی صاحب سے لیکر فرمایا کہ یہ چاروں کتابیں مصنفہ تمہاری اللہ جل شانہٗ کے نزدیک قبول ہوئیں دنیا کو اِن سے فیض ہوگا۔ پھر ان کتابوں کو شیخ نے قاضی صاحب کے روبرو کھول کر دکھلائیں تو تمام اوراق سادہ پائے اور واپس بند کر کے قاضی صاحب کو عطا فرمائی اس وقت بدستور لکھی ہوئی ملی اس حالت کے متعلق قاضی صاحب کی گذارش پر شیخ نے فرمایا کہ ان میں جو کلمات دھوڈالنے کے تھے وہ دھوڈالے گئے۔ اب کسی کو ان کے بارے میں مجالِ سخن نہیں ہیگی چنانچہ اسی وقت قاضی صاحب نے لوائح کو کھول کر دیکھا کہ تمام حل ہر مشکل کا متن میں لکھا ہوا پایا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے درخواستِ بیعت کی تو شیخ نے فرمایا کہ اب تم یہ خیال کرو کہ میں صدیق ہوں یا زندیق؟۔ یہ کلمہ سنتے ہی قاضی حمیدالدین نے شیخ شہاب الدین کے قدموں پر اپنا سر رکھدیا۔ شیخ نے قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر سات مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی تعلیم فرمائی سورۂ اخلاص کے تمام کرتے ہی حجاب اٹھ گیا اور عرش سے تحت الثریٰ منکشف ہوئے اور عرش کے نام کے متصل اپنا نام لکھا ہوا دیکھا۔ بیعت سے مشرف ہونے کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین علیہ الرحمۃ نے جبۂ مبارک حضرت سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاضی حمیدالدین صدیقی سہروردی ناگوری کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے "محمد" بارگاہِ رسالت سے ایک خرقہ اور ایک بردِ یمانی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیرِ خدا کو اور ایک خرقہ حضرت اویس

قرنی عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا تھا۔ چنانچہ جو خرقہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت ہوا وہ یہ ہے اور چند واسطہ بزرگان سے مجھے پہونچا ہے میں نے باحترام تمام اس کو رکھا ہے حالانکہ تم کو سپرد کیا جاتا ہے۔ اس کو نہایت تعظیم اور حفاظت سے رکھنا۔

سِلسلہ جبّہ مبارک

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سلسلہ سے جبہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحل شریف میں آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت خواجہ حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت خواجہ حسن البصری رح سے حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت خواجہ حبیب عجمی رح سے حضرت خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت خواجہ داؤد طائی سے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت معروف کرخی رح سے حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت شیخ سری سقطی رح سے حضرت سید الناس جنید بغدادی رح کو عطا ہوا

حضرت شیخ جنید بغدادی رح سے حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت ممشاد علو دینوری سے حضرت شیخ احمد اسود رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا

حضرت احمد اسود دینوری سے حضرت شیخ ابو حفظ ابن عمر محمد عمویہ سہروردی کو عطا ہوا

حضرت عمر محمد عمویہ سہروردی سے حضرت شیخ وجیہہ الدین سہروردی رح کو عطا ہوا

حضرت شیخ وجیہ الدین سہروردیؒ سے	حضرت شیخ ضیاءالدین ابوالقاہر ابونجیب سہروردیؒ کو عطا ہوا
حضرت شیخ ضیاءالدین سہروردیؒ سے	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے	حضرت استاذ الاولیا قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو عطا ہوا
حضرت قاضی حمید الدین سہروردیؒ سے	حضرت مولینا ظہیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہو
حضرت مولانا ظہیر الدین رحمۃ اللہ سے	اپنی اولاد کو عطا ہوا

یہ جو ابتک در قریہ روحل شریف ریاست جودھپور مارواڑ میں موجود ہے۔

(افاضات حمید ص ۷-۸-۹-۱۰)

حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۸۹ کا قاضی کمال الدین قاضی نظام الدین قاضی جمال الدین قاضی صدر الدین جہاں سہروردی صدیقی کا مزار صوفی صاحب میں باب خدیجہ مائی کے نزدیک ہے مزار پر کتبہ بھی کندہ ہے۔ آپ کی وفات ۸۰۵ھ میں ہوئی بقایا تین مزار اولاد قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ صوفی صاحب کے صحن پر موجود ہیں۔ جس کا حوالہ سرور الصدور میں دیکھیں۔

شجرۂ انساب خاندان حضرت محمد قاضی حمید الدین سہروردی صدیقی بخاری دہلوی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

۱ — شیخ معین الدین کلاں
ب ۵۶۹ھ ۱۲۰۳ء
انکا مزار نور درگاہ قطب صاحب دہلی میں ہے

۲ — شیخ احمد الدین خورد
مزار درگاہ تربینہ ناگور

۳ — شیخ علیم الدین
مزار رتناگیری تحصیل بمبئی

۴ — شیخ وحید الدین عرف وجیہہ الدین کا مزار ماما سری بخاری ناگور

۵ — شیخ حسام الدین شہید مزار تالاب گیندانی ناگور

۶ — شیخ عبداللہ عرف رضی الدین مزار مسند والا تالاب ناگور

۷ — شیخ حسن سرمست

۸ — شیخ قاضی کمال الدین
قاضی نور الدین
قاضی جمال الدین
قاضی صدر الدین جہاں [۱]
صدیق معنوی
سرور الصدور

(شیخ احمد الدین خورد کی اولاد)
ضیاء الدین تیغ برہنہ مزار اپنے والد کے برابر ناگور میں ہے
حسین عرف حسن
اسماعیل عرف حسن ثانی
محمد اسحاق عرف بدر الدین
علاء الدین خورد۔ اولاد ناگور میں
علی
محمود عرف بڈھ
معین الدین
مظہر الحق بہیک
- شیخ المشائخ شیخ سلیمان مزار ظہیر الدین کے چبوترے کے نزدیک ناگور میں
- عثمان

شیخ سلیمان:
- شیخ حمید — مصطفیٰ لاولد
- بازید (بایزید)
  - قطب محمد
  - عاشق محمد

ضیاء الدین لاولد — صبغۃ اللہ — صادق محمد — نور محمد — ابو تراب — عبد الواحد

صبغۃ اللہ:
- شیر محمد
- بو الحسن

ابو تراب:
- شیخ غلام علی
- غلام محمد

شیر محمد:
- خواجہ احمد — حیات اللہ سجادہ نشین
- خواجہ منصور لاولد

حیات اللہ سجادہ نشین:
- بایزید ثانی — وحید الدین — لاولد
- شہاب الدین — عثمان — جواد علی — صدر الدین — شرف الدین سجادہ نشین — بشیر الدین
- وجیہ الدین — منیر الدین — عبد الغفور — جمیل الدین سہروردی ۔۔

دختر حیات بی بی زوجہ عبد الغنی جو اس فقیر حقیر کے والد محترم ہیں سجادہ نشین صوفی حمید الدین ناگور

بشیر الدین:
- عبد الجبار سجادہ نشین — جمشید علی لاولد، نعمت علی
- ظفر علی — واجد علی، غلام علی
- مقصد علی — برکت علی، محترم علی، ساجد علی، صداقت علی

عبد الواحد
تاہر
محمد یوسف
محمد ذاکر
محمد جمعہ
اللہ بخش
عبد الغفور
عاشق محمد
سلیم الدین — علیم الدین — خواجہ بخش — محمد عمر — نظام الدین — وزیر الدین — عبد الستار
ماڑوار

محمد عمر:
- محمد عثمان
- محمد صابر

ہر دو کی اولاد ناگور میں ہے

(وسطی شجرہ)
حضرت قاضی حمید الدین صدیقی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا احمد ظہیر الدین
ضیاء الدین تیغ برہنہ
شیخ حسن
ضیاء الدین ثانی مزار روحل شریف میں تالاب کے اندر جس پر جانب شمال مسجد بنی ہوئی ہے
حسین
حسن ثانی
شیخ اسحاق
- ۱ اول شیخ برہان الدین اولاد روحل شریف میں
- ۲ دوم شیخ علاء الدین اولاد ناگور شریف میں

شیخ برہان الدین:
- قاسم بانی تالاب روحل شریف
- حسن ثانی بانی کنواں روحل شریف

حسن ثانی:
- میاں بد المعروف میاں محسن
- دوم میاں بڈھن
- سوم برہان الدین ثانی المعروف میاں کٹن
- چہارم میاں حلیم الدین عرف خطن

نوٹ:- ان مذکورہ بالا چاروں حضرات کی اولاد روحل شریف میں ابھی تک جاری و ساری ہے۔

---

۱ اخبار الاخیار ص ۱۰۳ ۔ نسب ظہیری قلمی فارسی قاضی جیون روحل شریف ص ۳۶ ۔ ۶۶ ۔ ۶۷ ۔ ۶۸ ۔ ۶۹ ۔ ۷۰ ۔ ۷۱ ۔ افادات حمید ص ۵۲ ۔ ۵۳ ۔ بحوالہ قلمی رسالہ انساب سجادہ نشین حیات اللہ سہروردی ناگوری

نقل مطابق اصل فرمان محمد شاہ بادشاہ غازی بنام مہا راجہ بخت سنگھ جی فارسی بنام شیخ غلام علی و شیخ محمد غوث

(فارسی) ہوالغنی

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ
رفعت پناہ تہور وجلادت دستگاہ راجہ
بخت سنگھ محفوظ باشند درینولا شیخ غلام علی
و شیخ محمد غوث از فرزندان قدوۃ الواصلین
التماس نمود کہ قدرے زمین سکنی مشتمل
آبادی موضع محمد پورہ و مقابر کہ محدودہ
است بہ بعض کنار از تالاب گیندانی
تا بولاؤ جوہر پورہ تا دیوار شہر پناہ
و ماہی دروازہ در سواد قصبہ ناگور
از مدت پانصد سال تعلق بہ روضہ شیخ
محمد ظہیر الدین خلف قدوۃ الواصلین است
و ہر چہ میوہ اشجار در پورہ مسطور پیدا می
شود بخرچ روضہ مذکورہ در می آید و از
حکام پیشین احدی مزاحم نشدہ الحال کسان
آں رفعت پناہ بتکالیف ممنوعہ پائگاہ
والا مزاحم می شوند دریں معنی باعث

ترجمہ بزبان اردو ہوالغنی

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ
رفعت پناہ تہور و جلادت دستگاہ راجہ
بخت سنگھ محفوظ باشند۔ اس زمانے میں
شیخ غلام علی اور شیخ محمد غوث نے، جو قدوۃ
الواصلین کے فرزندوں میں سے ہیں، التماس
کیا ہے کہ کچھ زمین سکنی جو موضع محمد پورہ
کی آبادی اور حد بندی کئے ہوئے مقبروں
پر مشتمل ہے گیندانی تالاب کے کنارے سے بولاؤ
جوہر پورہ اور وہاں سے شہر پناہ کی دیوار
اور ماہی دروازہ تک، قصبہ ناگور کے
سواد میں واقع ہے وہ پانسو سال
کی مدت سے محمد ظہیر الدین خلف قدوۃ
الواصلین کے روضہ سے متعلق ہے جو
کچھ اس کے درختوں کے پھل پیدا ہوتے ہیں
وہ روضہ مذکور میں خرچ کئے جاتے
ہیں اور اگلے حاکموں میں سے کسی نے

پریشانی خادمہ روضہ مزبور است امید
داریم کہ اندریں باب بآں نہور دستگاہ
قلمی گردد۔ لہذا نوشتہ می شود کہ
ہر یکسان خود مقرر سازند کہ موافق
معمولِ قدیم با احد ابواب ممنوعہ و دیگر
تکالیف معفوہ پائگاہ معلی مزاحم
و معترض نشوند تا مکرر نالش ایں
مقدمہ بحضور انور نرسد۔

بتاریخ ۴ر شعبان المعظم ۸ھ قلمی شدہ
بتاریخ شانزدہم رمضان المبارک
بقلمبند و حضور کل رساندہ

امہر پشت پر جلوس معلی ۸ھ

۱۱۳۶
محمد شاہ بادشاہ غازی
سنہ ۶ محمد شاہی فدوی
نصرت جنگ اعتماد الدولہ
وزیر الممالک
قمر الدین خان چین بہادر

بتاریخ شعبان المعظم
نقل بدفتر
رسید
موجب التماس منم

اسکو نہیں روکا ہے۔ اب آنجناب کے ملازمین
مزاحم ہو رہے ہیں اور اس بات سے روضہ مذکور
کے خدام پریشان ہیں۔ وہ امید کرتے ہیں
کہ اس بارے میں ہم آپ کو لکھیں۔ لہذا یہ تحریر
کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے کارندوں کو
تاکید کر دیں کہ وہ قدیم معمول کے مطابق
پائگاہ سے جو تکلیفیں معاف کر دی ہیں اور
جن باتوں کو ممنوع قرار دیا ہے انمیں دخل
اندازی اور اعتراض نہ کریں تاکہ اس بارے میں
حضور انور تک دوبارہ کوئی نالش نہ
پہنچے۔ ۴ر شعبان المعظم ۸ھ کو لکھا گیا۔
۱۶ر رمضان المبارک کو حضور میں پیش
کیا گیا۔

===

مہر اعتماد الدولہ وزیر الممالک قمر الدین خاں
چین بہادر نصرت جنگ فدوی محمد شاہی
سنہ ۶ محمد شاہ بادشاہ غازی بتاریخ شعبان
المعظم ۸ھ جلوس معلی (مطابق ۹ اپریل
۱۷۲۶ء/۱۱۳۸ھ)
نقل بہ موجب التماس دفتر میں پہنچی۔

شجرہ پیران طریقت حضرت شیخ المشائخ غلام علی سہروردی صاحب فرمان کی تفصیل اسطرح ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ محبوب المحبین والواصل للطالبین والصلوٰۃ علیٰ شہباز فضلا فضلا فنا جو سیمرغ قاف شہود دعنار لیب چمن افضال اہل بوستاں نوال طاؤس سرور تقویٰ ناموس عالم معنے ہمای ہوائے مازاغ تذرو باغ بلاغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت شیخ غلام علی نور اللہ مرقدہ ۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ ہاشم نور اللہ مرقدہ ۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ ابو تراب نور اللہ مرقدہ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ عاشق محمد نور اللہ مرقدہ ۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ بایزید نور اللہ مرقدہ ۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ سلیمان نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ مظہر الحق بھیک نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ معین الدین نور اللہ مرقدہ ۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ محمد عرف بڈھ نور اللہ مرقدہ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ علی نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ علاء الدین نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ بدر الدین نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ اسمٰعیل نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ حسن نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ حسین نور اللہ مرقدہ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ محمد ضیاء الدین تیغ برہنہ نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ قطب المحققین قدوۃ السالکین شیخ احمد ظہیر نعمت کثیر نور اللہ مرقدہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ والاولیاءٗ مخدوم حضرت شیخ حمید الدین ناگوری قدس اللہ سرہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ

شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی قدس اللہ سرہ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ وجیہہ الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ الٰہی بحرمتِ شیخ المشائخ شیخ احمد قدس اللہ سرہ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ خواجہ ممشاد علو دینوری قدس اللہ سرہٗ الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ الٰہی بحرمتِ خواجہ سری سقطی قدس اللہ سرہ الٰہی بحرمتِ خواجہ معروف کرخی قدس اللہ سرہٗ الٰہی بحرمت خواجہ داؤد طائی قدس اللہ سرہ الٰہی بحرمت حضرت شیخ حبیب عجمی قدس اللہ سرہ الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہ الٰہی بحرمت حضرت شاہِ مردانِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ الٰہی بحرمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

شیخ سلیمان نبیرۂ حضرت قاضی حمید الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

بندگی حضرت شیخ المشائخ، شیخ سلیمان بن شیخ بھیکھہ، صاحب سجادہ "بندگی حضرتِ شیخ حمید الدین ناگوری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ابھی تک شیخ سلیمان بن بھیکھہ کے جو کل تین کتبات دریافت ہو کر شائع ہو چکے ہیں، ان میں دو تو ایسے ہیں جو ایک ہی سال یعنی ۹۵۹ھ = ۱۵۵۲ عیسوی کے ہیں۔ ان دونوں میں پہلا کتبہ اسٹیٹ میوزیم جودھپور میں محفوظ ہے (اپی گرافیا انڈیکا عربک اینڈ پرشین سپلی منٹ ۱۹۵۵ء عیسوی صفحہ ۶۳) جس کے مضمون کے مطابق یہ خبر ہے کہ "ناگور خاص میں بھٹارک کیرت چند کا ایک جین پوشال (اسکول، بلڈنگ) تھا جس کو سرکاری یا پرائیویٹ کام کیلئے اخذ کر لیا گیا تھا۔ اِس

کی شکایت شیخ سلیمان کی خدمت میں آئی۔ حضرتِ شیخ کی سفارش سے عمارت خالی کراکر مجلسِ عالی یوسف دولت خاں سور کے حکم سے (جو اغلب ہے کہ اس وقت بعہدِ اسلام شاہ سور ناگور کا گورنر مقرر تھا) رجب المرجب ۹۵۹ھ ہجری = فروری ۱۵۵۲ء میں اصلی مالک کے حوالے کیا گیا۔"

اس واقعے سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ کہ حکومت کے غلط اقدام کی تلافی گورنر صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی مگر اصلی کارفرمائی پسِ پشت روحانیت کی تھی جو شیخ سلیمان رحمۃ اللہ کی لب کشائی سے ظہور میں آئی۔ اس واقعے کے ذریعے بقول ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی ایک بات تو یہ اظہر من الشمس ہے، کہ مسلمان بزرگان دین کی روایتی رواداری کا کرشمہ سولہویں[۱۶] صدی عیسوی میں بھی دیکھنے کو مل رہا ہے۔ مگر دوسری بات جو قابلِ اعتراف ہے وہ یہ کہ اس زمانے میں شیخ سلیمان کی عزت واحترام کا یہ عالم تھا کہ حاکمِ وقت حضرت کی بات کو ٹال نہ سکا اور ساتھ ہی یہ کہ غیر مسلم رعایا کو حضرت کے عادلانہ و انصافانہ طبیعت پر کتنا بھروسہ تھا، خصوصاً جین سماج کو جو خان زادگان کے عہدِ حکومت میں ان کی منظورِ نظر رہ چکی تھی۔ خان زادوں کے برسرِ حکومت نہ رہ جانے سے جین اقلیت کی سرپرستی شیخ سلیمان نے بخوبی نبھائی۔

۱۹۵۵-۵۶ء تک یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہمارے شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی شناخت کیا ہے۔ یہ راز اس وقت کھلا جب ایک دہائی کے بعد ڈاکٹر ڈیسائی کو اسی سنہ ۹۵۹ ہجری = ۱۵۵۲ عیسوی کا دوسرا کتبہ ہاتھ لگا جو خانقاہ حضرت (قاضی) حمید الدین ناگوری واقع تاہر پول محلہ سہروردیان۔

وچشتیان میں ایک مدرسہ شیخ سلیمان کی ایک مسجد کی تعمیر سے تعلق رکھتا ہے۔

افسوس ہیکہ معاصر مورخین کرام اپنی تصنیفات میں ان کتبات سے استفادہ کرتے ہوئے نہیں پائے جارہے ہیں اور ایک بہت بڑی غلطی جسکا ارتکاب بڑی آزادی سے کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ کھیاتوں کے بیانات کو قابل تسلیم سمجھ کر یہ باور کرایا جارہا ہے کہ اس زمانے میں شیر شاہ کی وفات کے بعد راؤ مالدیو (جودھپور) کو نادر موقع ہاتھ آیا اور اس نے ۱۵۴۶ء کے اس پاس دوبارہ مارواڑ اور ناگور پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا! فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ [1]

غرض یہ کہ ۱۹۵۲ء کا دوسرا کتبہ جو اس وقت پیر بشیر الدین سہروردی فقیر حقیر کے چچا کی تحویل میں ہے۔ جو ناگور کی سہروردی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں اس کتبہ کی نقل یہ ہے۔ "بناکرد ایں مسجد در خانقاہ بندگی حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردی صاحب سجادہ ایشاں بندگی حضرت شیخ المشائخ شیخ سلیمان بن شیخ بھیکہ بتوفیق اللہ تعالیٰ میاں خواجا شکر بتنی غرہ ماہ رجب سنہ ۹۵۹ تسع و خمسین تسعمائۃ در عہد سلطان السلاطین بواثق بتائید الرحمن ابوالمظفر بن اسلام شاہ بن سلطان شیر شاہ"۔ یہ کتبہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ (بندگی) شیخ حمید الدین ناگوری سہروردی کی خانقاہ میں، جس کے صاحب سجادہ بندگی حضرت شیخ المشائخ شیخ سلیمان بن شیخ بھیکہ ہیں غرہ رجب سنہ نو سو انسٹھ ۹۵۹ھ = ۲۲ جون ۱۵۵۲ء عیسوی میں بعہد ابوالمظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ یہ مسجد خواجہ بن شکر بتنی نے بنوائی۔"

میاں خواجہ بن شکر یا شکر بتنی کی شناخت (جسکو فقیر حقیر پٹنی پڑھے

[1] سری رام شرما کی کتاب سٹڈیز ان میڈیول انڈین ہسٹری (شولاپور ۱۹۵۶ء) اور ڈاکٹر اے۔ ایل سری واستو: شیر شاہ اینڈ...

کی جرأت کرتا ہے) نہیں ہو سکی ہے لیکن یہ قیاس ہوتا ہے کہ کوئی افغان بزرگ ہیں جسکے لئے ان کا لقب "میاں" اشارہ کر رہا ہے۔ بہرحال میرا مطلب تو سردست شیخ سلیمان سے ہے ان کی شناخت الحمدللہ! اب ہوئی کہ سہروردی سجادہ نشین ہیں جنھوں نے چار ماہ قبل بھٹارک کیرت چنار کے پوسال کی واگذاشت میں جینیوں کی مدد کی تھی۔

پیر بشیرالدین سہروردی اور پیر عبدالغنی چشتی مرحوم (فقیر حقیر کے والدِ مغفور) اس وقت کے سجادہ نشین درگاہ صوفی حمیدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ان دونوں بزرگوں سے شجرۂ نسب حاصل کر کے ڈاکٹر دیسائی نے دونوں کا مقابلہ کیا جس سے یہ بات بھی نکلی کہ محلہ سہروردیان کے بزرگ شیخ بایزید شیخ سلیمان سہروردی کے فرزند ہیں۔ ان کے پاس ہی یہ مسجد ہے۔ جو اسی جگہ آسودۂ خاک ہیں اور دیسائی صاحب کو یہ ہی بتلایا گیا کہ شیخ سلیمان کی قبر پیر ظہیرالدین احمد سہروردی ابن قاضی حمیدالدین ناگوری کے احاطے میں واقع لوہار پورہ میں ہے۔

تیسرا کتبہ دہلی سے تعلق رکھتا ہے جو سنہ ۹۷۴ھ یعنی ۶۷-۱۵۶۶ عیسوی میں حضرتِ قاضی حمیدالدین ناگوری کے مقبرے واقع مہرولی (دہلی قدیم) میں قاضی صاحب کی قبر کے سنگین تابوت میں لگا ہوا ہے۔ اس کتبے میں قطب الاولیاء غوث الاتقیاء شیخ حمیدالدین نوراللہ مرقدہٗ کے مرقد المنورہ کا یہ روضہ خادم الفقراء سلیمان بن بھیکھہ نے "فی سنۃ اربع وسبعین وتسعمائۃ کرایا (یعنی نوسو چوہتر ۹۷۴ سنہ ۶۷-۱۵۶۶ء میں)" وفات شیخ المحققین قطب العارفین ساکن

بارگاہِ قدس وطائف کبیرالنس، دُرِ دریائے حقیقت، جوہر کانِ حقیقت، محبوب حضرتِ محمد حمید، بزرگی شیخ محمد حمید نوراللہ مرقدہٗ درشبِ دوشنبہ یازدہم ماہِ رمضان ۶۴۱ھ حین الشمس فی الحمل ذالک اللیل" یعنی سوموار کی رات میں رمضان کی گیارھویں تاریخ میں ہجری ۶۴۱ھ = ۲۲ فروری ۱۲۴۴ء عیسوی جب کہ سورج اس رات کو برجِ حمل میں آچکا تھا۔)

مندرجہ بالا کتبے سے ایک بات تو یہ حاصل ہوئی کہ شیخ سلیمان سہروردی ۹۶۷ھ ۱۵۶۶ء عیسوی میں باحیات تھے مگر خاص بات جس کی تواریخی اہمیت ہے، وفات کی صحیح تاریخ ہے جس کے بارے میں میر خورد نے سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد قاضی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ دس سال تک زندہ رہے اور خواجہ بختیار کاکی کی تاریخ وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۲ھ ہے یہی تاریخ محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں درج کی ہے۔ لہٰذا اب صحیح تاریخ وفات ۱۲۴۴ء عیسوی ۶۴۱ھ کے لئے یہ فقیر حقیر شیخ سلیمان سہروردی کا مرہونِ منت ہے اور لطائف اشرفی صفحہ ۳۶۸ نے بھی ۶۴۱ھ لکھا ہے۔

آخر میں ڈاکٹر دیسائی رقم طراز ہیں کہ قاضی حمیدالدین ناگوری کے فرزند مولانا ناصح الدین اور نبیسے (نواسے) مولانا شرف الدین کا بھی ذکر حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں آیا ہے۔ اور ان کے نبیرے (پوتے) بہاءالدین عرف راجا، مصنف اسرارالمشائخ ہیں (اسٹوری صاحب کی فہرستِ انگریزی) لہٰذا شیخ سلیمان کی وفات کی تاریخ وفات ۹۶۷ھ ۱۵۶۶ء عیسوی اور اکبر بادشاہ کے

سنِ جلوس ۲۵ کے درمیان ماننا چاہیئے کیونکہ تنازعہ جبہ شریف سے متعلق شاہی فرمان روہل کے قاضیوں کے پاس محفوظ ہے جسمیں شیخ سلیمان سہروردی کا نام نامی اسمِ گرامی موجود نہیں ہے۔ (افاضاتِ حمیدص ۵۸) یعنی اس وقت آپ دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔

حالات شیخ ابوالفضل اور تنازعہ جبہ شریف

کتاب افاضاتِ حمید شرح عبدالنبی المسمیٰ بہ طریق مصطفوی میں لکھا ہے کہ محمد اسحاق نبیرۂ قاضی حمیدالدین ناگوری کے ڈو لڑکے تولد ہوئے کلاں برہان الدین اور خورد علاءالدین ناگوری نامی نے اپنی اپنی سکونت ناگور شریف کی اختیار کرلی اور اولادِ برہان الدین نے اپنی جاگیر کی جگہ نہ چھوڑی اور حسبِ دستور اپنی ملک اور جاگیر پر قائم رہے۔ یہ نہ سوچا سمجھا کہ گاؤں دیہات میں سکونت پذیر ہوجانے سے ہماری اولاد بےعلم اور ناخواندہ رہ جائیگی۔ حضرت علاءالدین صاحب کی اولاد شہر ناگور میں پڑھ لکھکر عالم فاضل بن گئے اور آخر دونوں بھائیوں میں بباعث طمع دنیاوی جاگیر اور تولیت زیارتِ جبہ مقدس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم نزاع وفساد واقع ہوا۔

القصہ سرکار اور حکامِ عصر نے یہی حکم دیا کہ تولیت ہمیشہ سے حسبِ رواج بڑے فرزند ولی عہد کو پہونچتی ہے۔ جو قاضی محمد اسحاق سہروردی صاحب نے برہان الدین کو دیدی ہے اور یہ اپنی جگہ پر قائم ہے مگر جاگیر اور ملک و املاک میں شرعاً و قانوناً علاءالدین اپنے حصے کا مالک ہے اور علاءالدین نے جاگیر موضع

روہل شریف سے تقسیم کرا کر اپنا حصہ اور رقبہ علاحدہ کر کے اپنی حدود میں ایک گاؤں آباد کیا اور موضع کہنور اس کا نام رکھا مگر بنیادِ فساد دفع نہیں ہوئی بلکہ روزبروز ترقی فساد ہوتی رہی اس کے بعد ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء ہجری میں سلطان جلال الدین اکبر سریر سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔

تب ابوالفضل ابن مبارک ناگوری آگرہ جا کر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہو گیا۔ اولادِ قاضی علاء الدین سہروردی اور اسکے درمیان بباعث ملاقاتِ قدیمی کے قول و اقرار تھا۔ لہٰذا ابوالفضل نے حاکم ناگور محمد اعظم خاں پر ایک پروانہ اس مضمون کا تحریر کروا کر بھیجا۔ پروانہ فارسی۔

"بدانند و آگاہ باشند کہ قاضیان موضع روہل اولادِ قاضی برہان الدین محض جاہل بیہودہ ہستند از ایشاں آداب جبۂ مبارک حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم توقع ندارد لازم کہ باولادِ حضرت قاضی علاء الدین سہروردی بسپارند کہ اوشاں لائق و فائق عالم باعمل اند و نیز حصہ داران و بنی اعمام ایشاں اند طوعاً و کرہاً و جبراً گرفتہ حوالہ نمایند و دریں امر زنہار درنگ و تامل روا ندارند"

پس حسب الحکم وزیر اعظم حاکم ناگور محمد اعظم خاں نے از راہِ بے انصافی جور و تعدی کر کے صندوقِ معلٰی پیرا ہن مبارک کو اولادِ قاضی برہان الدین سے چھین کر اولادِ قاضی علاء الدین کے سپرد کر دی چند مدت فیما بینَ دونوں فریقوں کے تنازع رہا ہر چند قاضیان موضع روہل نے شور و غل مچایا مگر کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ بالآخر قاضی صدر الدین قاضی برہان الدین ثانی قاضی فرض اللہ قاضی اولیاء قاضی غلام نبی

متوجہ دہلی ہوئے۔ اور دہلی میں آکر ہر چند فریاد کی امیروں وزیروں کے درباروں میں جاکر پکارے مگر کسی نے ان مظلوموں کی فریاد نہیں سنی آخر مجبور و لاچار ہو کر اپنے جد امجد حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مقدسہ پر جاکر مجاور بنے اور زار و نزار روئے اور اشکباری کی اس کے بعد انہیں قاضی زادوں میں سے ایک صاحب نے جو کسی قدر استعداد رکھتے تھے اپنے محاورے کے موافق چند ابیات اپنے حسب حال بنا کر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جد اعلیٰ کے روبرو مزار پر پڑھے اور عرض کی۔

فارسی ابیات

بتو آمدیم اے حمید زمن | برہنہ و عریاں نے پیرہن
بسویت چہ پوئیم و گوئیم حال | نہ قوت بیانی نا تاب سخن
ز بیدادیٔ شہریار و وزیر | بگشتیم بیخانماں بے وطن
تو بخشیدہ بودی بما نعمتے | ببردند از ما بجور و محن
ز جور ستمگار گشتیم خوار | تو گلزار داری گل دہ بمن
ز پا او فتادیم یا دستگیر! | تو دہ دست از بہر خواجہ حسن
بحرمت شہ قطب الدین بختیار | بکن بختیارم بفضل و امن
ندائے شنیدیم با گوش جان | کہ قاضی بفرمود با ما سخن
مرا زندہ پندار چوں خویشتن | من آئیم بجاں گر تو آئی بتن
چو نصر من اللہ و فتح قریب | کہ من باشما یم خدا یم بمن
امانت سلامت بخواہد رسید | تو خاطر جمع دار اے ذوالمحن

یہ ابیات پڑھتے پڑھتے وہیں سو گئے خواب سے جو نکلتے ہی کہنے لگا کر

چلو اپنی فتح ہوئی مجھکو ابھی حکم ہوا ہے کہ تم سب خاطر جمع رکھو تمہاری امانت سلامت آملیگی سب نے کہا کہ خواب تو بہت نیک ہے مگر کچھ تدبیر ظاہری بھی سوچو امداد و استمداد بزرگانِ دین سے بیشک صحیح ہے کرامات اولیاء اللہ کی برحق ہے مگر حیلہ وسیلہ ظاہری سے بھی غافل رہنا اچھا نہیں مجبور ہو کر نواب خان خاناں سے جا کر ملے اور معرفت نواب موصوف کے شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر سلطان عصر کی خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ ہم مظلوموں کی فریاد بادشاہ تک پہنچا دیں اور حاکم ناگور پر اتنا حکم لکھوا دیں کہ صندوق معلیٰ جبہ مبارک کو ہم دونوں فریق یعنی مدعی اور مدعا علیہ کے روبرو رکھدی جائے جس فریق کا آدمی صندوقِ معلیٰ کو اپنے سر پر اٹھا لے اسی کو سچا حقدار سمجھا جائے جس فریق سے نہ اٹھے وہ جھوٹا اور ناحق پرست ہے خانِ خاناں نے ان حضرت کو اپنے ساتھ لیجا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا شہنشاہ کے دربار میں یہ درخواست بہت پسند کی گئی اور برگزیدہ مانی گئی فوراً شنوائی ہوئی اور اسی وقت حکم ہوا کہ عامل ناگور پر یعنی حاکم ناگور محمد اعظم خاں پر ابھی اسی وقت فرمان لکھدیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت شہنشاہِ عالی جاہ نے اپنے روبرو فرمان لکھوا کر ہمارے سپرد کر دیا۔ عبارت فرمانِ عالیشان کی یہ ہے ۔

نقل فرمان فارسی	ترجمہ
امانت و ایالت پناہ مورد مراحم بیکراں عمدۂ فدویان شہامت نشان محمد اعظم خان بعنایت بادشاہی امیدوار بودہ بدانند۔ دریں ایام ستم دیدگان و جور	امانت و ایالت پناہ، بیکراں عنایتوں کے مورد عمدۂ فدویان شہامت نشان محمد اعظم خان بادشاہ کی عنایت کے امیدوار رہ کر معلوم کریں۔ اس زمانے میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری

کشیدگان اعنی شیخ برہان الدین و
صدرالدین وغیرہ از فرزندان والاحسب
حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری پیشگاہ
حضور والا مع النور بار دولت یافتہ اظہار
کردند کہ از قدیم الایام عہدۂ خدمت خرقۂ
مبارک حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و
آلہ واصحابہ وسلم بمایان مقرر ومفوض است
اما امسال آں عمدۃ الملک جبراً وقہراً
انہارا محروم ساختہ دولت عظمیٰ را باولاد
قاضی علاءالدین سہروردی سپردہ ایشاں
را قابض ساختہ از جادۂ عدل وانصاف
گذشتہ اند لہٰذا دریں باب فرمانِ عالیشان
شرف نفاذ یافتہ کہ صندوق جبۂ مقدسہ
منورہ را باادب تمام بیرون شہر ناگور در بادیہ
طاہر و پاک نہادہ بحاضری سکنائی بلدۂ
ناگور کافۂ اہل اسلام ہر دو فریق را اجازت دہد
کہ صلوٰۃ و درود خواندہ صندوق معلیٰ را بردارد
کسیکہ بہ برداشتن آں امانت را قادر باشد
آں را کاذب بے اعتبار شمارد و کسیکہ بسہولت

کے فرزندوں میں سے ستم رسیدہ وجور کشیدہ
یعنی شیخ برہان الدین اور صدرالدین وغیرہ نے
حضور انور میں باریاب ہوکر بیان کیا کہ پرانے
زمانے سے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ
وسلم کے خرقہ مبارک کی خدمت ہم لوگوں میں
مقرر اور ہمیں سونپی ہوئی ہے مگر اس سال عمدۃ
الملک نے زور زبردستی کرکے انھیں محروم
کر دیا ہے اور یہ دولتِ عظیم قاضی علاءالدین
سہروردی کی اولاد کے سپرد کردی ہے انھیں
اس پر قبضہ دلایا ہے اور عدل وانصاف
کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔
لہٰذا اس بارہ میں فرمان عالیشان جاری کیا
جارہا ہے کہ جبہ مقدسہ منورہ کا صندوق پورے
ادب واحترام کیساتھ شہر ناگور کے باہر کسی
پاک صاف جنگل میں لیجاکر رکھیں وہاں شہر
ناگور کے باشندے اور تمام مسلمان حاضر ہوں
دونوں فریقوں کو اجازت دی جائے کہ کوئی
فریق صلوٰۃ وسلام پڑھکر صندوق معلیٰ کو
اٹھائے جو اس امانت کو نہ اٹھا سکے اسے جھوٹا

تمام آں نعمت عظمیٰ را تا حجرۂ مقدسہ برساند او را مستحق ایں خدمت شمردہ جبۂ مبارک را باو سپارد دریں امر عقل را ہرگز ہرگز مدخل ندہد قدغن بلیغ داند۔

تحریر فی التاریخ ششم ربیع الاول ۳۵ جلوس والا۔ [1]

اور بے اعتبار شمار کیا جائے۔ اور جو اس نعمتِ عظمیٰ کو سہولت سے اٹھا کر حجرۂ مقدسہ تک پہونچا دے اسے اس خدمت کا مستحق جان کر جبۂ مبارک اس کے حوالے کر دیا جائے۔ اس معاملے میں عقل کو ہرگز ہرگز دخل نہ دیں اس بات کی سخت تاکید جانیں۔

تحریر بتاریخ ششم ربیع الاول ۳۵ جلوس والا۔

جس وقت یہ فرمانِ شاہی فضلِ الٰہی سے ہمکو ملا فوراً دہلی شریف روضۂ مقدسہ حضرت قاضی حمید الدین صدیقی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ پر جا کر قدمبوسی حاصل کر کے اپنے وطن مالوف یعنی ناگور شریف آئے حاکم ناگور محمد اعظم خاں نے جب یہ فرمانِ عالیشان بادشاہ کا دیکھا نہایت شرمندہ ہوا اسی وقت چار و ناچار شہر میں منادی کرا دی گئی کہ کل صبح کو بعد نماز فجر کل مسلمانان شرفاء و فضلاء خاص و عام بیرون دہلی دروازہ متصل تکیہ گازران جہاں دھوبی لوگ کپڑے دھوتے اور سکھاتے ہیں اس میدانِ وسیع میں جمع ہو جائیں حاکم مذکور نے سب طرح کا انتظام کر کے فرش و فروش پاکیزہ بچھوا دیئے سیر علی الصبح صندوق معلی پیراہن پاک صاحب لولاک کو باآداب تمام درود و سلام پڑھتے ہوئے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہ کی مسجد سے جسکو زمانۂ سابق میں مسجد النبی کہا کرتے تھے۔ اب بھی وہ مسجد قاضی حمید الدین ناگوری صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ اور حجرۂ متبرکہ پیراہن شریف کی صندوق مبارک رکھنے کا اس میں آج تک

[1] افاضاتِ حمید ص ۵۷ - ۵۸ [2] شرح رسالہ عبد النبی ص ۴۸ پر ۱۵ جلوس ہجری القدس یا ۱۰۹۵ھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم

موجود ہے۔ وہاں سے خود حاکم محمد اعظم خاں معہ اہالیان و کارکنان و توابعان کے ہمراہ ہوکر بہ تعظیم و تکریم تمام ہمراہ مردمان خاص و عام کے لاکر اس فرش طاہر و مکلف پر رکھا گیا اس کے بعد فریقین کو روبروئے تمام اہل اسلام کے وہ فرمانِ شہنشاہِ عالی شان کو پڑھکر سنایا گیا اس کے بعد حکم فرمایا کہ صندوق پیرہن شریف کو باوضو اور طہارت کامل صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے اٹھاؤ جس فریق کا آدمی اٹھاکر حجرہ تک پہنچائے گا وہی اس دولتِ عظمیٰ کا مستحق اور حقدار سمجھا جائیگا یہ حکم سنکر اول اولادِ حضرت قاضی علاءالدین سہروردی جو بڑے عالم فاضل صاحبِ عزت و ثروت تھے پیش قدمی فرماکر میدان میں تشریف لائے اور دلائل الخیرات اور حصن حصین کی درودیں اور دعائیں باآوازِ فصیح و ملیح و صحیح خوش الحانی اور پاکیزہ بیانی سے پڑھتے ہوئے اول ایک ایک صاحب نے زور لگایا پھر دو دو اور تین تین نے زور لگایا۔ صندوق کو اٹھانے کی بہت کوشش کی گئی مگر صندوق پاک نے اپنی جگہ سے بالکل جنبش نہیں کی۔ اس کے بعد تمام جماعت کے لوگ ملکر زور لگانے لگے یہانتک کہ زور لگا لگا کر یہ لوگ تھک گئے پھر بھی صندوق نہیں اٹھا سکے ادھر حاکم ناگور کے خلاف عوام نے شور مچانا شروع کر دیا کہ دوسرے فریق کو موقعہ کیوں نہیں دیتے۔ اس کے بعد پھر حاکم ناگور نے جب یہ معجزہ حضرت خیر البشر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنی نظر سے روبروئے اہل شہر ناگور ملاحظہ فرماکر حضرت قاضی برہان الدین سہروردی صاحب کی اولاد کو حکم دیا اور اشارہ کیا کہ اب آپ حضرات کا امتحان باقی ہے۔ دیکھیئے کیا ہوتا ہے۔ اے صاحبانِ کمبل پوش قلیان نوش ہوشیار ہو جائیے اور میدان میں آگے قدم بڑھائیے اور تم لوگ بھی اپنا ناز و نیاز د

آزمائیے اور درود وسلام خوش الحانی سے سنائیے یہ سنتے ہی ایک قاضی صاحب دہقانی صورت نے فوراً اپنا کملا سنبھالا اور کمر باندھکر کہا اللہ کا جوالر بسم اللہ یا نبی رسول اللہ! اس صاحبزادے کی بے علمی پر سب کو رونا آگیا مگر اس قاضی زادے نے آتے ہی صندوقِ معلیٰ کو باآسانی تمام سر پر ایک ہی دفعہ میں اٹھالیا اور اس جماعتِ حاضرین کو گواہ بنالیا کہ حق حقداروں کے ہاتھ آتا ہے اپنے حق کو حقدار ہی اٹھاسکتا ہے۔ یہ دوسرا معجزہ حیات النبی کا ہے دیکھو ایک جماعت کثیر وجم غفیر اپنا اپنا زور لگا چکے مگر جبہ مقدسہ کو نہ اٹھا سکے اگرچہ ہم تو ناخواندہ اور دہقانی و نابکار ہیں مگر اس دولتِ سرمدی اور جبہ احمدی کے اصلی حقدار ہیں یہ سنکر سب مسلمان ساکنانِ شہر ناگور اور صاحبانِ نامور بولے کہ یہ تو خدائی اور مصطفائی انصاف ہوگیا آپ لوگ ہی اس کے حقدار ہو تمام قاضی زادگان نے جبہ مبارک کا صندوق اپنے سر پر اٹھاکر رد حل شریف کی طرف یہ کہتے ہوئے روانہ ہوگئے کہ تم لوگوں نے تو ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارے جدامجد قاضی حمید الدین صدیقی ناگوری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم پر اپنا کرم فرمایا ہے اور بحکم خدا ورسول کے یہ پیراہن شریف ہمارے ہاتھ آیا ہے یہ سخن درد آمیز سنکر تمام مسلمانانِ بلدۂ ناگور عاشق زار جبہ سید الابرار صندوقِ معلیٰ کے پیچھے پیچھے ہوگئے موضع ردہل شریف میں آکر باآداب تمام صندوق شریف قاضیان صاحبان نے کھولا تمام اہل ناگور کو زیارت سے مشرف فرمایا۔ اس روز سے تاحال اسی تاریخ پر میلا بھرتا ہے اور دور دور سے زائرین زیارتِ جبہ شریف کیلئے آتے ہیں اس لئے ہم نے یہ معمول بنالیا کہ بروز پنجشنبہ زیارت کیلئے یہاں آیا کریں

اور جمعہ کی شب کو بھی زیارت کرائی جائیگی اور بڑی تقریب زیارت کی مثلاً عرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاول کے مہینے میں بارہ[۱] روز تک ہم اور ہمارے اجداد شہر ناگور میں کرایا کرتے تھے وہ اب ۱۴ تاریخ ربیع الاول کے روز چونکہ اس روز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کا عرس بھی ہے اُس دِن آپ حضرات آئینگے تو ہمارے جدامجد قاضی حمیدالدین ناگوری قدس سرہ کی روح مبارک بھی خوش ہو جائیگی اور دوسری تقریب زیارت کے واسطے ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ جوکہ نہایت متبرک روز عرفہ کا دن ہے زیارت پیراہن شریف کریں تیسری تقریب زیارت شب معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ۲۷ ماہ رجب قدرہٗ

اسیطرح ہمارے آباؤ اجداد بھی زیارت جبۂ مقدسہ منورہ کے واسطے یہ ایام متبرکین وشبہائے متبرکات کو مناسب اور صواب سمجھا کرتے تھے یہ دستورالعمل ٹھہرا کر مسلمانان شہر ناگور کو واپس ناگور روانہ کر دیا اسی روز سے آج تک دو روز تک میلہ رہتا ہے پہلے درگاہ کی زمین جو آبادی تالاب قاسم لائی کے درمیان تھی وہاں زائرین ٹھہرتے اور جمع ہوتے تھے کسی تنازعہ کی سبب اب سرکار نے اس زمین کے بدلے قصبہ رومحل کے باہر زمین قاضی صاحبان کو تحریری شکل میں عنایت فرمادی ہے ۔ جہاں برابر ہر سال یہ میلہ بڑی شان و شوکت سے بھرتا ہے اور قاضی زادگان آنے والے زائرین کی بڑی عزت و احترام اور خدمت کرتے ہیں ۔

---

[۱] افاضات حمید ص ۵۷ ۔ ۵۸

[۲] شرح رسالہ عبدالنبی المسمّٰی بر طریق مصطفوی قلمی فارسی ص ۵۱ تا ۵۴ اور ۵۴ تا ۵۶

شیخ مبارک ناگوری

انکا حسب و نسب اور اولاد و احفاد

مولوی غلام الثقلین نے ابوالفضل علامی کی سوانح عمری میں جسکو انہوں نے رسالہ حسن حیدرآباد (دکھن) میں شائع کیا تھا، شیخ مبارک ناگوری کا حسب نسب کا سلسلہ ۸۰۰ ہجری مطابق ۱۳۹۷ء عیسوی یعنی آٹھویں صدی ہجری کی عین انتہا سے شروع کیا ہے۔ شیخ مبارک کے مورثِ اعلیٰ کا نام شیخ موسیٰ بتلاتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ یہ بزرگ ملکِ یمن کے پشتنی باشندے تھے۔ وطن چھوڑکر سیستان متصل سندھ میں آبسنے کی وجہ ہم وطنوں کی نفرت بتلاتے ہیں۔ جیسا کچھ بھی ہو یہ تارکِ وطن ایک آزاد منش، اور صوفیانہ خیال کے آدمی تھے جن کی اولاد تقریباً ایک سو برس تک سیستان میں آباد رہی یعنی نویں صدی ہجری کے زمانے میں۔ دسویں صدی کے آغاز میں شیخ موسیٰ کے پڑپوتے شیخ خضر ہوئے جن کو سیر و سیاحت کے علاوہ اپنے اصلی وطن (یمن) جانے کا سودا سوار ہوا لہذا شیخ خضر پہلے ہندوستان تشریف لائے کہ یہاں کے بزرگانِ دین سے ملاقات کرکے گجرات کے راستے سے جہاز دیمن کا سفر اختیار کریں۔

شیخ خضر وارد ناگور

دس ویں صدی ہجری میں، ناگور کا حکمراں خاندانِ خان زادگان، اپنی بلوغ کو پہونچکر مائل بہ تنزل ہو رہا تھا لیکن کہا نہیں جاسکتا کہ کس خانزادے کے دورِ حکومت میں شیخ خضر ناگور میں وارد ہوکر مچھلیوں کے چوک کی مسجد کی امامت پر فائز ہوئے

جو آج تک خضر کی مسجد کر کے مشہور ہے۔ البتہ چونکہ روایات میں سلطان سکندر لودھی کا عہد بتلایا جاتا ہے جس کے معاصرین میں ناگور میں سید یحییٰ بخاری اوچی (مسند نشین حضرت مخدوم جہانیان) شیخ یوسف بخاری، شیخ عطن ناگوری و شیخ سالار ناگوری رحمۃ اللہ علیہم بڑے مشہور بزرگ اس وقت رہتے تھے۔ لہذا قدرتی امر ہے کہ شیخ خضر یمنی کو، جو بزرگ سیرت اور باعمل شخص بتلائے جاتے ہیں، ان بزرگوں کی کشش ناگور لے گئی ہوگی۔ ناگور آنے پر پیرزادہ شیخ منور کی لونڈی سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کو شیخ مبارک کہتے ہیں جو کہ پیرزادہ شیخ منور نے ان کو زن کی حیثیت سے بخش دیا تھا۔ مگر اہل وطن کی کشش دامن گیر تھی۔ لہذا بیوی اور چھوٹے بچے کو چھوڑ کر اہل وطن میں سے کچھ رشتہ دار لوگوں کو سیستان (سندھ) سے ناگور (مارواڑ) لانے کے ارادے سے چلے مگر راستے میں قضا کا پیغام آگیا اور اللہ کے پیارے ہو گئے۔

شیخ مبارک اور والدہ

بچے کی پیدائش کا سال آئین اکبری کے حوالے سے مولوی محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں سنہ ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء عیسوی درج فرمایا ہے اور نام مبارک اللہ لکھا ہے "ہونہار بیروا کے چکنے چکنے پات"، چار سال کی عمر میں بچوں کو بسم اللہ پڑھائی جاتی تھی

---

۵ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولوی غلام الثقلین کا مضمون بابت ابو الفضل (رسالہ حسن حیدرآباد سنہ ۱۸۹۳ء) ۵ ان کے بعد علامہ عصر محمد حسین آزاد نے دربار اکبری پر ایک مستقل کتاب لکھ دی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ دیکھئے صفحہ ۳، ۳ سے آگے (مطبوعہ ۱۹۱۰ عیسوی)

بزرگوں کی دعا نے اثر کیا اور نو برس کی عمر میں بچے کے اندر عالم کے آثار ظاہر ہوئے
حتیٰ کہ چودہ برس کی عمر (۱۵۱۹ء) میں علوم رسمی حاصل کر لئے معاصر بزرگوں کی
خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے خصوصاً شیخ عطن ناگوری کے پاس زیادہ تر
رہتے تھے جو سکندر لودھی کے زمانہ میں ناگور کو وطن اختیار کر چکے تھے۔ دوسرے
بزرگ تھے شیخ سالار ناگوری جس کے ذریعے خدا شناسی کی آنکھیں روشن ہوئیں۔

شیخ مبارک کے نسب میں طعن اور مادرِ شیخ مبارک کی اہانت

اس زمانے میں ناگور میں بڑا قحط پڑا اور ساتھ ہی وبا آئی۔ لوگ گھر چھوڑ
چھوڑ کر بھاگے جاتے تھے۔ شیخ خضر کے گھر میں شیخ مبارک اور ان کی والدہ رہ گئیں۔
قاضی رحمان بخش اپنے رسالے افاضاتِ حمید میں ناگور کی روایت کے مطابق لکھتے
ہیں کہ سجادہ نشین حضرت صوفی سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ نے، جو اُس وقت
شیخ عبد الرشید تھے۔ ماں بیٹے کی پرورش کی اور شیخ سلیمان سہروردی کے مدرسے
میں شیخ مبارک کی تمام تر تعلیم مکمل ہوئی ابتدائی۔ وسطانی اور اعلیٰ۔
یہاں پر عرض کر دیا جائے کہ ناگوری روایات میں ایک روایت ایسی درج
ہوئی ہے کہ جس کی بنیاد ایک خط پر بتائی گئی ہے جو شیخ مبارک نے اپنے بڑے
فرزند شیخ فیضی کو اس وقت لکھا تھا جبکہ شیخ مبارک کے فرزندوں کو کچھ اشکال
ہوا بیٹوں کا خط تو نہیں ملا لیکن شیخ مبارک کے ایک خط کا متن درج کر کے علامہ آزاد
اس کے تحت اپنا اشکال درج کرتے ہیں کہ اس خط کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ
لوگ انہیں لونڈی بچہ یا غلام بچہ کہتے ہوں گے کیونکہ "مبارک" اکثر غلاموں کا نام ہوتا

ہے۔ ابوالفضل نے اکبرنامے کے خاتمے پر اپنا نسب نامہ اس طوالت سے لکھا ہے کہ میں حیران تھا کہ اس طول کا سبب کیا ہوگا! جب یہ رقعہ نظر سے گذرا تو سمجھا کہ وہ دل کا بخار بے اس تفصیل کے نہیں نکل سکتا تھا۔" (دربار اکبری صا۱۱۔ ۳۷۰)

لونڈی بچہ کے طعن کو دھونے کے شیخ مبارک نے اپنے رقعہ میں اپنے نسب کو چھپانے کیلئے ہم عصروں کی تہمت طرازی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہماری نجابت پر گفتگو کرتے ہیں۔ دوسری بات جو ناگوری روایات سے میل نہیں کھاتی یہ لکھی ہے کہ "والد جب میری صغر سنی میں وفات پا چکے تو مجھکو ایک سید صاحب کے سایۂ عاطفت میں رکھکر والدہ نے پرورش فرمائی۔ ایک دن سید صاحب کے ہمسائے نے میری ماں کو کچھ سخت سست الفاظ کہہ کر مجھے عدم نجابت کے ساتھ مطعون کیا تو والدہ روتی ہوئی ان سید والا مقام کی بارگاہ میں نالش کرنے گئیں۔ سید نے ہمسائے موصوف کو زجر و توبیخ کی بادشاہ عادل (اکبر) کے لطف و کرم کی وجہ سے از راہ ہم چشمی فضلائے عصر ہم پر اور تم لوگوں پر حسد و رشک رکھتے ہیں،، خط کا ترجمہ درج ذیل ہے ناظرین کرام ناگوری روایات کی روشنی میں خود فیصلہ فرمائیں گے۔ انشاءاللہ۔

خط شیخ مبارک بنام ابوالفیض فیضی

بابائے من! اس عہد کے فضلاء نے جو سب کے سب جو فروش اور گندم نما[1] ہیں اور دین کو دنیا کے عوض فروخت کر کے، ہمارے اوپر تہمت لگائی ہے۔ ان کی الزام ترازی پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے اور اس بنا پر کہ ہماری نجابت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، دل کو پُر تشویش نہیں کرنا چاہئیے۔ جن دنوں میں میرے والد نے

---

[1] گیہوں دکھلا کر جو فروخت کرنے والے۔

زندگی کی ودیعت سپرد کی، میں تمیز کی حد کو نہیں پہونچا تھا۔ میری والدہ نے احترام والے سادات میں سے ایک کے سایۂ عو لطف میں مجھے رکھکر کمال تنگی کی حالت میں میری پرورش کی تھی۔ انھوں نے میری تربیت میں، درسِ علمی اور دیگر تادیب (ادب آموزی) سے متعلق سعی بلیغ فرمائی تھی اس لئے کہ میرے پدر نے ایک بزرگ کے حکم کے متعلق مجھے مبارک، کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اُن سید والانژاد کے حسد پیشہ ہمسائے نے، جو کہ ہم بیکسوں کی غم خواری اور تیمارداری فرماتے تھے؛ میری مادر کو سخت وشست کلمات کے ذریعے رنج پہونچاکر مجھے عدم نجابت کے ساتھ مطعون کیا۔ میری والدہ روتی ہوئی ان سید والامقام کے پاس، جو میرے والد کے نسب و حسب کی اطلاع رکھتے تھے، جاکر اس کی تعدی کی نالش کی اور اُن سید نے اُس کی پوری زجر و توبیخ کی۔

اُس وقت کہ الحمدللہ، حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے، ہمکو اور تمکو اپنے فضل بے پایاں سے، بادشاہ عادل باذل، فخرِ زمن و زماں کے لطف و کرم کے سائے میں رتبے اور پائے کو پہونچا دیا ہے کہ زمانے کے فضلا ازراہِ ہم چشمی حسد و رشک رکھتے ہیں (خط میں تاریخ تحریر درج نہیں ہے)۔

اس رقعے میں شیخ مبارک کسی سید والاتبار کو، بعد وفات شیخ خضر، بیوہ ماں اور یتیم بچے کا ماجرا بتلاتے ہیں۔ اِن سید کی شناخت میرے لئے مشکل ہے مگر سید یحییٰ بخاری اوچی ہوں یا کوئی اور[1]۔ صاحبِ فاضاتِ حمید لکھتے ہیں کہ حضرت

---

[1] گلدستۂ بہشتی چمن میں یہاں پر شیخ عبدالرزاق قادری کا نام درج کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے ساتھ یوسف سندی کا نام لیا گیا ہے۔ یہ فقیر حقیر اس جگہ یہ خلاصہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ عبدالرزاق ثانی اس وقت ناگور میں تھے جب ان کے والد عبدالقادر ثانی نے نزع کے وقت آپکو یاد کیا آپ بوجوہ ناگور میں

سلطان التارکین کے سجادہ نشین اس وقت شیخ عبدالرشید تھے جنھوں نے ماں بیٹے کی پرورش کا بار اٹھایا اور شیخ سلیمان سہروردی کے مدرسے میں شیخ مبارک کی تعلیم عمل میں آئی۔ تذکرہ صوفیائے میوات دہلی ۱۹۸۵ء کے مؤلف محمد حبیب الرحمن میواتی کا بیان ہیکہ آٹھویں صدی میں اس مدرسے نے مفتی داؤد اور مفتی رکن الدین ناگوری جیسے یگانۂ روزگار فاضل پیدا کئے تھے جن کی زندہ جاوید یادگاران کی کتاب فتاویٰ حمادیہ ہے۔ (تاریخ میوات ص ۸۶، ۸۵)

علامہ مفتی رکن الدین ناگوری بن حسام الدین ناگوری کا شمار اُن فقہاء میں ہوتا ہے جو فقہ اور اصول میں پوری مہارت وبصیرت رکھتے تھے۔ یہ علاقہ گجرات کاٹھیاواڑ کے ایک مشہور شہر نہروالا میں ناگور سے آکر مسند افتاء پر متعین و فائز ہوگئے تھے۔ فتاویٰ حمادیہ آپ کی تصنیف ہے جو ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب قاضی حمادالدین بن محمد اکرم گجراتی کی فرمائش پر آپ نے تصنیف فرمائی تھی جو نہروالا کے قاضی القضات اور اپنے زمانے کے نامور فاضل اور مشہور فقیہ تھے۔ اس کی تصنیف و تالیف کے مراحل مفتی رکن الدین ناگوری نے اپنے فرزند مفتی داؤد ناگوری کی اعانت واشتراک سے طے کئے۔

یہ فقہ کی مشہور کتاب ہے۔ ان دو جلیل القدر فقہاء۔ مفتی رکن الدین و مفتی داؤد نے تفسیر حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی دو سو سولہ ۲۱۶ کتابوں سے استفادہ کر کے مرتب و مکمل کی یہ پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں بیان کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔ کہا کہ میرے والد مجھے بلا رہے ہیں یہ کہکر آپ ناگور سے اوچ روانہ ہوگئے مگر والد کے انتقال کے بعد پہونچے والد کی وصیت کے مطابق خرقۂ خلافت زیب تن فرماکر شیخ کی حیثیت سے مسند سجادگی پر متمکن ہو گئے اُچ ملتان میں سوانح ابوالفضل مولانا غلام الثقلین نے عبدالرزاق کی جگہ سید یحییٰ بخاری لکھا ہے ۔ ۲۴

۴۳ ۵ سوانح عمری ابوالفضل ص ۲ ۵ اخبار الاخیار ص ۱۶۱ ۔ ترجمہ اقبال الدین کراچی

گئی ہے۔ مفتی رکن الدین کا اصل وطن ناگور تھا اس بنا پر ناگوری مشہور ہیں "تذکرہ صوفیائے میوات" ص ۵۸ - ۴۵۰)

یہ بھی شہرت شیخ سلیمان سہروردی کے مدرسے واقع ناگور ناہرپول کے متصل تھا جسکو آج مدرسہ حنفیہ صوفیہ کہتے ہیں یہ دراصل قاضی حمیدالدین ناگوری کا مدرسہ تھا جیسا کہ فقیر حقیر شیخ سلیمان سہروردی سے متعلق کتبات میں دیکھ چکا ہے۔

آمدم بر سر مطلب۔ جب کہ شیخ مبارک سادات کو اپنا اور اپنی والدہ کا مربی ظاہر کرتے ہیں قاضی رحمان بخش سہروردی دہلوی نے سلطان التارکین کے سجادہ شیخ عبدالرشید کی تائید کی ہے اس کے علاوہ صاحب مناقب الحبیب حاجی نجم الدین سلیمانی نے بھی مجاور درگاہ صوفی حمیدالدین ہونے کی تصدیق کی ہے مناقب الحبیب ص ۱۴۸ تو جب شیخ زادگان کے نمایندے یعنی شیخ عبدالرشید کے پروردہ شیخ مبارک ہوئے تو شیخ مبارک لامحالہ درگاہ صوفی صاحب کے مجاور ہوئے۔ اس طرح شیخ مبارک کا ناگور میں پیدا ہونا، جیسا کہ تمامی مؤرخین ان کو ناگوری لکھتے ہیں اور لونڈی زادہ ہونا ظاہر و باہر ہے سجادہ نشین کے لونڈی زادے جو یتیم ہو کر اُنکے زیر سرپرستی میں پرورش ہوئی حضرت صوفی صاحب کی درگاہ میں جاروب کشی کیسے نہ کریں گے! مگر سوال یہ ہے کہ گلدستہ بہشتی چمن مطبوعہ دہلی ۱۹۰۰ء کے مؤلف محمد عبداللہ قادری کا بیان اس ضمن میں دراصل اُن لوگوں کی رد میں لکھی گئی ہے جنہوں نے اکبر بادشاہ اور خواجہ حسین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تنازعے میں حصہ لیکر اس بہتان کی تائید کی تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نسل ہی نہیں چلی تو خواجہ حسین اجمیری اُن کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟ اب ہوا یہ کہ اس مسئلے کی جڑ میں تاریخ کے

وہ ناقابل تردیدی واقعات ہیں جن کے مطابق خاندانِ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ
اور خانوادہ صوفی حمیدالدین باہم سلکِ ازدواجی میں منسلک ہو کر حضرت خواجۂ بزرگ
کے اس قول کے شاہد عدل ہوئے میرا خاندان اور سلطان التارکین کا گھرانہ دونوں
ایک ہیں،، ایسی حالت میں جب اپنے والد کی غریبانہ حالت کو دھونے کیلئے وزیر اعظم شیخ
ابوالفضل نے خواجہ حسین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دیوان و متولی درگاہ شریف اجمیر کی والدہ
کا سہارا پکڑنا چاہا کہ حسین اجمیری کی والدہ میری خالہ ہیں،، اور حسین اجمیری نے یہ کہکر
ٹال دیا کہ ”کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوۃٌ“ ،، تو ظاہر ہیکہ اس پر جو خفگی بادشاہِ اعظم کی حسین اجمیری کے
خلاف پڑی اور اسکو ابوالفضل علامّی وقتاً فوقتاً ہوا دیتے رہے اس سے صاف ظاہر ہے
کہ اس خفگی کے لپیٹ میں حضرتِ صوفی صاحب کے شیخ زادگان کا معاصر خاندان بھی
آجائیگا جیسا کہ ہُوا۔

صاحب گلدستۂ چشتی چمن نے ایک خط کا ناقص حصہ یہ کہکر نقل کیا ہے کہ
یہ خط شیخ مبارک کا اپنے (بڑے) فرزند شیخ فیضی کو لکھا گیا تھا جس کا پہلا جملہ
”شنیدہ شد،، (سُنا گیا ہے) کہ کسی ناگوری نے بعضے دشمنوں کی مجلس میں۔
والدۂ فقیر (شیخ مبارک) کی اہانت کی فقیر شیخ منور پدر شیخ نظام ناگوری اولادِ امجادِ
حضرتِ سلطان التارکین کی گود میں پیدا ہوا۔ میں چھوٹا تھا کہ میرے والد میری ماں
کو شیخ منور کے مکان میں چھوڑ کر سندھ چلے گئے۔ والد کے سندھ میں وفات
پا جانے پر میری والدہ بے کس و غریب ہو گئیں۔ چودہ سال کی میں علوم متداول
فقیر کو موہوب ہوئے اور جاہل شیخ زادے حسد کرنے لگے۔ اس اثنا میں عورتوں
کے درمیان کچھ گفت و شنید ہو گئی اور میری ماں کے ساتھ لات مکّی (الت) کی نوبت

گذر گئی۔ روتی ہوئی شیخ عبدالرزاق قادری یا سید یحیٰ بخاری کے دولت خانے پر داد خواہی کے لئے گئیں اسی طرح شیخ یوسف سندھی کے پاس گئیں۔ ان لوگوں نے اس جماعت بے اندام کو طلب کیا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا شیخ خضر کی عورت ہماری خانہ زاد خدمت گار ہے جس کو ہم نے شیخ خضر کو بیوی بنانے کے لئے دیا تھا،، خط کیلئے کوئی حوالہ نہیں ہے لہذا فقیر حقیر کاتب الحروف کو ایسا لگتا ہے خط ماقبل میں اگر تفریط ہے تو اس خط میں مبالغہ ہے یعنی افراط اور میری رائے ہیکہ حقیقت دونوں کے بیچ میں ہے۔

والدۂ شیخ مبارک کی اہانت یا فضیحت کو اگر دربار اکبری کی روشنی میں دیکھا جائے جو ابو الفضل اور ملا عبدالقادر بدایونی کی تصنیف پر مبنی ہے۔ تو معلوم ہوگا شیخ فیضی بڑے فرزند شیخ مبارک کے بعمر بیس سال ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۶ء عیسوی میں باریاب حضور ہوئے اور ۹۸۱ھ مطابق ۱۵۷۳ء عیسوی۔ بائیس ۲۲ برس کی عمر میں ابو الفضل پر بھی خدا کا فضل ہوا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ۱۵۶۶ء کے بعد اور ۱۵۷۳ء عیسوی کے پہلے بادشاہ کے یہاں مخبری ہو چکی ہوگی کہ شیخ فیضی کے والد شیخ مبارک کے حسب و نسب میں ٹھن ہے جس کے ہٹانے کے لئے ابو الفضل نے اپنے کو خواجہ حسین اجمیری کا خالہ زاد بھائی کہا مگر چونکہ پرورش شیخ مبارک اور ماں کی، شیخ زادگان صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوئی تھی لہذا ۱۵۷۹ء کے دورۂ اجمیر شریف کے بعد جب بادشاہ کی آمد ناگور کی ہوئی تو اکبر کا درگاہ سلطان التارکین کی زیارت کو جانا خلاف مصلحت سمجھا گیا۔ خواجہ اور صوفی اجمیر اور ناگور کے نبیرگان میں

قدیمی رشتۂ ازدواج بھی چلا آرہا تھا اس لئے نوجوان اکبر بادشاہ نے درگاہ
حضرت صوفی صاحب میں زیارت کے لیئے جانے سے پرہیز کیا ہوگا اور ناگور
شریف سے اٹھ کر سیدھا اجودھن پاک پٹن کی درگاہ حضرت بابا فریدالدین
گنج شکر کے لئے روانہ ہوگیا۔ خس کم جہاں پاک۔ بادشاہوں کو ان جھگڑوں
کی کیا پروہ اور کیا غرض !! ان کو تو اپنا سیاسی اُلّو سیدھا کرنا ہے "ساری
خدائی ایک طرف فیضی کا بھائی ایک طرف"

شیخ مبارکؒ کی سیاحت

اس قصّے کو یہیں پر چھوڑ کر یہ فقیر حقیر شیخ
مبارک کے حالات کی طرف لوٹتا ہے بقول
محمد حسین آزاد شیخ مبارک کے دل میں (بعنوانِ شباب) تحصیلِ علم اور جہاں
گردی کا شوق جوش مار رہا تھا مگر والدہ اجازت نہ دیتی تھیں (لہٰذا عالمیت
کا کورس ناگور ہی میں سجادہ نشین شیخ عبدالرشید ہوں یا شیخ منور فقیر کے جدِ اعلیٰ
کی سرپرستی میں رہ کر مکمل کیا اور عالم مشہور ہوگئے۔ بقول غلام الثقلین شیخ مبارک
کو شیخ فیاضی بخاری کے ساتھ نہایت عقیدت تھی، شیخ فیاضی نے، بالفعل
نوجوان مبارک کو اس ارادے سے باز رکھا۔ چند روز کے بعد خواجہ عبداللہ احرار
ہندوستان میں آنکلے ان سے شیخ مبارک نے بہت کچھ علمی استفادہ کیا

حاشیہ صفحہ ع۔ اگر میری تاریخ ۱۵۷۳ عیسوی ۹۸۱ ہجری، ابوالفضل کے داخلۂ ملازمت
بادشاہی کی صحیح ہے تو بادشاہ کے دورۂ اجمیر و ناگور ۱۵۷۹ عیسوی میں شاہی میعت میں ابوالفضل
کا وارد ہونا قرین قیاس ہے۔ جبکہ اکبر کا تمام تر رابطہ ابھی تک شیخ فیضی سے رہا تھا۔ فیضی
ہی نے اپنے باپ شیخ مبارک ناگوری کو لکھکر اپنی خاندانی نجابت کا حال دریافت کیا جو پیچھے گذرا
اور فیضی و ابوالفضل ہی کے پاس دونوں لحاظ سے اکبر بادشاہ نے صوفی حمیدالدین ناگوری کے شیخزادوں سے ناگور میں
ہم کنارہ کشی کی۔

اور وہ بھی شیخ مبارک پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ شیخ فیاضی اور خواجہ امرار کی وفات کے بعد جب والدہ بھی انتقال فرما چکی تھیں، شیخ مبارک نے ناگور سے قدم باہر نکالا اور احمد آباد گجرات میں پہنچے۔ ناگور اور گجرات کا پچھلی صدیوں میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اور ڈیڑھ[۱۵] سو برسوں سے ناگور والے اپنی علمی و ثقافتی پیاس بجھانے کے لئے اس طرف کا رُخ کرتے تھے۔ شیخ عطنؔ اور شیخ سالار ناگوری کے بعد قسمت نے احمد آباد میں خطیب ابو الفضل گازرونی کی ملازمت سے دو چار کرا دیا۔ ان بزرگ نے شیخ مبارک ناگوری کے ساتھ بیٹے جیسا برتاؤ کیا۔ خطیب ابو الفضل گازرونی مولانا جلال الدین دوّانی کے شاگرد تھے۔

خطیب گازرونی کے ساتھ ملاقات ہونے سے بیشتر شیخ مبارک ناگوری اپنے قیام احمد آبا میں فرقے فرقے اشخاص سے مل مل کر استفادہ کر رہے تھے چاروں اماموں کی کتابوں پر ایسا انہماک پیدا کیا کہ ہر ایک میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا اگرچہ اپنے بزرگوں کی پیروی کر کے حنفی طریقہ رکھا۔

اسی عرصے میں علم ظاہری سے علم معنوی یعنی تصوف کی طرف رغبت ہوئی تو تصوّف و علم اشراق پر کتب بینی شروع کر دی اور نئے نئے نکتے حل ہوئے تصوف کے کئی سلسلوں کی سند لی۔ شیخ عمر ٹھٹھوی کی خدمت سے بڑا نور حاصل کیا اور سلسلۂ کبرویہ کا چراغ روشن ہوا۔

سکونت آگرہ اور ازدواج

شیخ یوسف مجذوب کے اشارے پر ۶ محرم ۱۵۴۳ء عیسوی یا ۹۵۰ ہجری کو آگرہ اُترنے پر ایک دوسرے مجذوب علاء الدین سے ملاقات ہوئی انہوں نے

نے بھی آگرہ کے قیام کا مشورہ دیا چنانچہ جمنا ندی کے پار کنارے چار باغ کی بستی بسائی ہوئی بابر بادشاہ کی تھی، وہیں پر میر رفیع الدین چشتی انجوی کے ہمسائے میں سکونت اختیار کی۔ ابھی تک تحصیل و تدریس علم اور سفر کی وجہ سے ازدواج کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب بعمر اڑتیس سال چار باغ آگرہ کے دوران قیام ایک قریشی خاندان میں، جو علم و عمل سے آراستہ تھا نکاح کر لیا۔ اس منکوحہ سے چار سال بعد ۱۵۴۷ء عیسوی کا ۹۵۴ھ میں بڑا لڑکا چار باغ میں پیدا ہوا۔ منجھلا لڑکا ۱۵۵۱ء ۹۵۸ھ میں یعنی چار سال بعد یہیں پر پیدا ہوا جسکا نام استاد ابوالفضل گازرونی کے نام پر ابوالفضل رکھا جو بعد میں علامی کے لقب سے مشہور رہا۔

دیگر اولاد و احفاد

فقیر کاتب السطور یہاں تک پہونچ کر اس بات پر فیصلہ کن رائے دینے سے قاصر ہے۔ کہ قاضی رحمان بخش صاحب نے اپنی کتاب میں جو یہ بات درج کی ہے کہ "جب شیخ مبارک علم سے بہرہ یاب ہو گئے تو ناگور ہی میں ان کی شادی ہو گئی" اس اندراج کا ادھار کیا ہے؟۔ آگے یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کو چار فرزند عطا کیے جن کا نام ابوالفیض فیضی فیاضی و شیخ ابوالفضل۔ شیخ ابوالخیر و ابوالبرکات ہے"[1]

بحر حال یہ کتاب کوئی تحقیقی مقالہ تو ہے نہیں اور وکیل صاحب کا موضوع گفتگو بھی "حالات شیخ ابوالفضل اور تنازعہ جبہ شریف" ہے نہ کہ سوانح شیخ مبارک ناگوری۔ علاوہ اس کے شیخ مبارک تو اپنے خط میں خود اقبال کر چکے ہیں کہ ہمارے نسب پر فضلائے عصر کو طعن ہے (لونڈی زادہ ہونے کی وجہ سے) اس طعن کو ابوالفضل

---

[1] افاضات حمید ص ۵۶

عمر بھر دھوتے رہے۔ اور بالآخر اپنے کیفر کردار کو پہونچے جیسا کہ آگے آتا ہے اور کچھ آگرہ کے قریشی خاندان میں رشتۂ ازدواج ہو جانے سے شیخ مبارک کے خلاف لوگوں کا منہ بند ہو گیا ہو گا۔ مختصر یہ کہ شیخ مبارک کی منکوحہ آگرہ کے خلاف کوئی بیان مستفاد نہیں ہوا جس سے ابوالفیض اور ابوالفضل کے خلاف انگشت نمائی ہو سکے۔ تمام تر اعتراض شیخ مبارک ناگوری کی والدہ پر ہے جن کے صوفی خاندان کی لونڈی ہونے کے کارن ماں بیٹے دونوں درگاہ صوفی حمید الدین کے جاروب کش بیان کیے گئے ہیں۔

اب میں دربار اکبری کے اندراج کو سامنے رکھ کر عرض کرتا ہوں کہ شیخ متوفی سنہ ۱۰۰۱ ہجری ۱۵۹۲ء نے آٹھ بیٹے چھوڑے اور لاہور شہر میں تدفین حاصل کی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے شیخ کامل، "تاریخ کہی اور فیضی نے فخر الکمل" بیٹوں نے دین الٰہی، کے تحت باپ کے ماتم میں چاروں ابروؤں کا صفایا کیا جسکی تاریخ "شریعت جدید" ہوئی۔ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ بادشاہ اکبر خود لاہور میں آئے ہوئے تھے۔ باپ کے نعش کو آگرہ روانہ کیا گیا جہاں مبارک ناگوری اور بڑے فرزند فیضی بھی مدفون ہیں۔

شیخ مبارک ناگوری کی اولادِ نرینہ

پیدائش سنہ ۹۱۱ھ ناگور میں وفات، ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء آگرہ۔ [۱]

(۱) شیخ ابوالفیض فیضی فیاضی ملک الشعراء ولادت سنہ ۹۵۴ھ ۱۵۴۷ء = وفات ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۲ء [۲]

(۲) شیخ ابوالفضل علامی وزیر اعظم و خلیفۂ دین توحید الٰہی مقتول۔ ولادت ۶ محرم ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء وفات سنہ ۱۰۱۱ھ ۱۶۰۲ء بروز جمعہ = دربار اکبری ۳۷۶-۴۱۰-۵۲۱-۵۴۴

---

[۱] دربار اکبری ص ۳-۳۷۳-۴۰۱ ماثر الکرام ص ۲۷۴ [۲] دربار اکبری ص ۳۷۶-۴۰۲-۴۱۴ ماثر الکرام ص ۲۷۵

(۳) شیخ ابوالبرکات ولادت ۱۷ر شوال المحرم ۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء معاملہ داں، شمشیر باز کارشناس

(۴) شیخ ابوالخیر پیدائش ۲ر جمادی الاول ۹۶۷ھ ۱۵۵۹ء باخلاق و شریف مزاج کتب خانے کا انچارج

(۵) شیخ ابوالمکارم۔ ولادت پیر کی رات کو ۲۳ر شوال ۹۷۶ھ ۱۵۶۸ء کبھی کبھی جنون میں آجاتا تھا شاگرد میر فتح اللہ شیرازی۔

(۶) شیخ ابوتراب۔ ولادت ۲۳ر ذی الحجہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء دوسری بیوی سے۔

(۷) شیخ ابوحامد ولادت ۲ر ربیع الآخر ۱۰۰۲ھ ۱۵۹۲ء بروز پیر } یہ دونوں لونڈی کے پیٹ سے تھے

(۸) شیخ ابوراشد ولادت پیر غرّہ جمادی الاولیٰ ایضاً ۱۰۰۲ھ ۱۵۹۲ء

چار بیٹیاں

(۱) بقول ملا عبدالقادر بدایونی خداوند خاں دکنی رافضی کے نکاح میں حسب الحکم بادشاہ اکبر آئی، جو گجرات میں کری جاگیر پاکر وہیں دوزخ کے ٹھکانے پہونچا۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ خداوند خاں دکنی نظام شاہی امیروں میں تھا۔ باپ مشہدی تھا ماں حبشیہ تھی۔[۱] خداوند خاں کا منصب ایک ہزار پانصدی تھا[۲]

(۲) دوسری لڑکی کا نکاح میر حسام الدین ابن غازی خاں بدخشی سے ہوا۔ باپ کے بعد یک ہزاری منصب دار تھا۔ سنہ ۱۰۴۳ھ ۱۶۳۳ء میں انتقال ہوا تو پاک دامن بی بی نے شوہر کے اشارے پر تمام زر و زیور فقراء و مساکین کو بانٹ کر تاحیات شاہ باقی باللہ کی خانقاہ کے لئے بارہ ہزار روپیہ سالانہ بھیجتی رہی

(۳) تیسری لڑکی راجا علی خاں فاروقی حاکم خاندیس کے بیٹے صفدر خاں سے بیاہی گئی جو سنہ ۴۵ جلوس ایک ہزاری منصب دار ہوا

---

[۱] دربار اکبری ص ۸۰۳ [۲] طبقات اکبری۔

(۴) چوتھی لاڈلی بیگم کی شادی شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ (فتحپور سیکری) کے پوتے اعتقاد الدولہ اسلام خاں شیخ علاء الدین چشتی سے ہوئی۔ اسلام خان کا خطاب اور منصب پنج ہزاری، جن کو جہانگیر بادشاہ کا دیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ صوبہ بہار کی صوبے داری بھی۔ منصب میں ترقی کر کے شش ہزاری ہوا۔ آگرہ میں اکبر کے روضہ سے کوس بھر مشرق کو ایک مقبرہ ہے۔ جو لاڈلی بیگم کا روضہ کہلاتا ہے۔ بقول بیل صاحب (مفتاح التواریخ) یہاں پر شیخ مبارک فیضی و ابوالفضل کی قبریں ہیں جہاں لاشیں چار باغ سے منتقل ہوئی ہوں گی۔ (دربار اکبری ص ۱۰۱-۴)

جوڑی فیضی و ابوالفضل کا انجام

علمائے تواریخ نے لکھا ہے کہ شیخ مبارک ناگوری، علامۂ شریعت و طریقت ہوتے ہوئے آگرہ اکر فضلائے عصر کی طعن طرازیوں سے متاثر ہو کر جب ہوائے نفسانی کے غلبے کے تحت جذبۂ انتقام کی تسکین کے درپے ہوئے اس وقت دونوں بیٹے آغازِ جوانی میں فائز المرام ہو کر امّی بادشاہ اکبر کے حضور میں، ایک درباری شاعر اور مصاحبت کا منصب سنبھال چکا تھا۔ تو دوسرے نے نثر کے میدان کو اپنا جولان گاہ قرار دے کر اس نے بھی ملک داری کی ذمہ داری سنبھالی تھی (۱۵۷۳ء) میں ان دونوں کو ہندی کے کوی بیربل کی مدد و تائید حاصل ہوئی ہوگی۔ تینوں کے استاد الاساتذہ خود شیخ مبارک ناگوری تھے۔ بیربل (انگریزی) کے مصنف ڈاکٹر سنہا کا خیال ہے کہ دین الٰہی کا موجد بیربل ہے۔ فقیر حقیر کاتب التحریر تارک ناگوری کے خیال کے مطابق امّی اکبر کو اوّل سیاسی معاملات میں خلیفۂ اعظم قرار دے کر شیخ مبارک نے راستہ صاف کیا تھا اور دینی معاملات

میں فیضی اور ابوالفضل کے الحاد و بغض اسلامی نے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان چاروں کے باہمی تعاون نے دینِ الہٰی کی تشکیل کی اور بادشاہ کے خلیفہ شریعتِ جدید میں ابوالفضل قرار پائے یہ فقیر حقیر ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا میرا موضوع سخن اس وقت ابوالفضل اور اکبر کی ریشہ دوانیاں ہیں جو انہوں نے درگاہ اجمیر کے دیوان و متولی خواجہ حسین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف روا رکھکر انتہاء کے درجے کو پہونچا دیا تھا سب سے پہلے یہ فقیر شیخ فیضی کی شخصیت کو لینا چاہتا ہے ۔ کہ اس کا انجام کیا ہوا اور بعد میں ابوالفضل اور اکبر کا نمبر آئیگا کیونکہ انہیں دونوں کا تعلق فقیر حقیر کا موضوعِ خاص ہے ۔ رہا معاملہ شیخ مبارک ناگوری کا تو وہ تو دارالسلطنت فتح پور سیکری میں درباری سازشوں کے ذریعے اکبر کے دربار سے نکالے گئے ۔ پھر دربار میں نہیں گئے البتہ اپنے فرزندوں سے تعلق رکھتے تھے

شیخ ابوالفضل فیضی فیاضی

۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء میں شیخ فیضی باریابِ حضور ہوئے ۔ بقولِ دربارِ اکبری جب ۹۷۷ھ ۱۵۶۹ء میں شیخ مبارک ناگوری اور اس کے خاندان کے دونوں بیٹوں کی ترقی کرنے کا میدان کھل گیا فیضی کو بادشاہ نے درباری شاعر مقرر کر دیا ۔ فیضی نے اکبر کے دربار میں جہاں ایشیا کے تمام فارسی بولنے والے ملکوں کے بڑے بڑے شاعر موجود تھے ۔ ملک الشعراء کا خطاب پایا سلاطین چغتائیہ میں ملک الشعراء کا خطاب سب سے اول غزالی شہید کو ملا ہے ۔ اس کے بعد شیخ فیضی کو ملا ۔ (۹۹۶ھ ۱۵۸۷ء) اور یہ کوئی تھوڑی نعمت نہیں تھی ۔ فیضی نے بقول ملا عبدالقادر بدایونی مال متروکہ میں سے چار ہزار جلدیں کتابوں کی نفیس صحیح

کی ہوئی چھوڑیں جو اکثر بخط مصنف تھیں۔ سب سرکار بادشاہی میں داخل ہوگئیں۔

بادشاہ کی فرمائش ۱۰۰۳ھ ۱۵۹۴ء پر کہ پنج گنج نظامی کے طرز پر پنج لکھو۔ نلدمن نام کی مثنوی (پہلی جلد خمسہ کی) لکھدی۔ اس کے علاوہ حساب کی کتاب لیلاوتی سنسکرت سے فارسی میں ڈھالی غرضیکہ فنونِ جزئیہ میں مثلاً شعر، معمہ، عروض وقافیہ، تاریخ، لغت، طب، خط انشاء میں اپنا عدیل زمانے میں نہ رکھتا تھا۔ یہ ہے تنقید ملّا بدایونی کی۔

اب عیادت اور تعزیت کے الفاظ بھی ملّا صاحب کے طرزِ ادا (زبان) میں سن لیجیئے:۔ ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵ء تھی کہ بقولِ دربار اکبری ملک الشعرا فیضی اس عالم سے گذر گیا۔ چھ مہینے تک ایسے مرضوں کی شدت اٹھائی کہ خدا ایک دوسرے کے تھے۔ ضیق النفس، استسقا اور ہاتھ پاؤں کا ورم اور خونی قے نے طول کھینچا، مسلمانوں کے جلانے کو کتوں سے کھلا ملا رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جاں کندنی کی سختی میں کتّے کی آواز نکلتی تھی۔ ایجاد شرائع اور دینِ اسلام کے انکار میں بڑا تعصب رکھتا تھا۔ اس لئے اسوقت بھی دین کے مقدمے میں ایک متقی، پرہیزگار، صاحب علم سے لایعنی، بے ہودہ کفر کی باتیں کرتا تھا کہ اس کی عادات میں داخل تھیں۔ (شاید اس سے ملا بدایونی کی اپنی ذاتِ بابرکات مراد ہے۔) یہانتک کہ اپنے ٹھکانے پہونچا۔ فلسفی و شیعی و طبعی دہری۔ آدھی رات تھی اور وہ حالتِ نزع میں تھا کہ بادشاہ اکبر خود آئے۔ بے ہوش تھا۔ محبت سے اس کا سر پکڑ کر اٹھایا اور کئی دفعہ پکار پکار کر کہا شیخو جیو! ہم حکیم علی کو ساتھ لائے ہیں۔ تم بولتے

کیوں نہیں؟ بے ہوش تھا صدا ندا کچھ نہ دی۔ دوبارہ پوچھا تو پگڑی زمین پر دے ماری۔ آخر ابوالفضل کو تسلی دے کر چلے گئے۔ ساتھ ہی خبر پہونچی کہ وہ مرگیا۔

اوائل میں تخلص مشہور سے شعر کہے۔ آخر میں منجھلے بھائی (ابوالفضل) کی خطابت کی مناسبت میں کہ اسکو "علامی" کہتے ہیں شان بڑھانے کو "فیاضی" اختیار کیا مگر مبارک نہ ہوا ایک دو مہینے میں رخت زندگی کا سفر باندھا حسرت ہمراہ لے گئے۔

سفاہت (کمینہ پن) اور سفلہ پن کا موجد، غرور، گھمنڈ اور کینہ کا مخترع۔ نفاق، خیانت، ریا حب جاہ، نمود اور شیخی کا مجموعہ تھا۔ اہل اسلام کے عناد و عداوت کی داد دی اور اصل اصول دین کے طعن میں، صحابۂ کرام اور تابعین کی مذمت میں، اور اگلے پچھلے متقدمین و متاخرین مشائخ کے باب میں کہ مرگئے اور زندہ ہیں بے اختیار بے دھڑک بے ادبی کرتا تھا۔ سارے علماء صلحاء و فضلاء کے باب میں خفیہ اور ظاہر رات دن یہی حال تھا۔ کل یہود و نصاریٰ ہنود اور مجوسی اس سے ہزار درجہ بہتر۔ تمام حرام چیزوں کو دین محمدی کی ضد سے مباح جانتا تھا اور فرائض کو حرام جو بد نامی سو دریاؤں کے پانی سے نہ دھوئی جائیگی۔ اس کے دھونے کو تفسیر بے نقطہ عین حالت مستی اور خباثت کی حالت میں لکھا کرتا تھا۔ کتے اِدھر اُدھر پامال کرتے پھرتے۔ لہذا انکار اور گھمنڈ کے ساتھ دنیا سے چلا گیا۔ جسوقت بادشاہ اکبر عیادت کو گیا تو کتے کی آواز سنی (گئی) اس کے سامنے کتے کی طرح بھونکا۔ یہ بات (بادشاہ نے) خود سر دربار بیان فرمائی۔ منہ سوجھ گیا تھا اور ہونٹ سیاہ ہوگئے تھے یہاں تک کہ بادشاہ اکبر نے شیخ ابوالفضل سے پوچھا کہ اتنی

سیاہی ہونٹوں پر کیسے آئی! شیخ نے مسی ملی ہے؟ اس نے کہا کہ خون کا اثر ہے نفے کرتے کرتے سیاہ ہوگئے ہیں۔ (دربار اکبری ص۱۵-۲۱۴)

اب یہ فقیر حقیر کاتب السطور ایک دوسرے ہمعصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس باب میں نقل کر کے اس موضوع کو ختم کرنا چاہتا ہے

"جس شخص نے اس زمانے میں شاعری کیلئے زبان کھولی اور داد سخن وری دی وہ فیضی آگرہ میں ہے جو فصاحت، بلاغت اور رزانت سخن میں ممتاز روز گار تھا۔ لیکن افسوس ہیکہ وقوع و ہبوط سبب سے کفر و ضلالت کے ہادیہ میں رد و انکار وادبار کی رقم اپنے اوپر چلائی اور اہل دین و ملت اور جناب نبوت کے دوستوں اور منتسبوں کی زبان کو اس کہ اور اسکی نامبارک جماعت کا نام لینے میں خوف (حائل) ہے اللہ ان کو معاف کرے اگر وہ مسلمان ہوں" [۱]

ابوالفضل کا کارنامہ

حسین اجمیری کی ماں میری خالہ ہیں! فقیر حقیر کاتب التحریر کا خیال ہیکہ ۱۵۷۹ء عیسوی تک شیخ مبارک ناگوری کے نسب پر طعن کا معاملہ زور پکڑ گیا ہوگا ابوالفضل نے چھ سال (۷۳-۱۵۷۹ء) کے اندر نوجوان حوصلہ مند اُمی بادشاہ اکبر کے مزاج میں کافی رسوخ پیدا کر لیا ہوگا۔ جب عقیدت مند اکبر نے شاہزادہ مراد کی ولادت کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے اجمیر میں حاضری دی ۹۸۷ھ ۱۵۷۹ء تو ابوالفضل کو یہ بات سوجھی کہ درگاہ شریف اجمیر کے دیوان و متولی خواجہ حسین اجمیری کا

[۱] گلدستہ چشتی چمن از محمد عبداللہ قادری مطبوعہ ۱۹۰۷ء عیسوی ص۳۲-۳۱

مادری رشتہ دار بن کر والد شیخ مبارک ناگوری کی عدم نجابت کا دھبا مٹانا چاہیئے کیونکہ برادر محترم شیخ فیضی کے جواب خط میں کھلے الفاظ کے اندر تحریر ہے کہ نسب کے اس نقص کو اٹھا کر (غالباً ناگوری شیخ زادوں نے اکبر بادشاہ کو اس باب میں مطلع کر کے شک میں ڈال ہی دیا تھا جس پر ابوالفضل نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ خواجہ حسین اجمیری کی والدہ محترمہ میری خالہ ہیں۔ لہٰذا اجمیر کی آمد کے موقع پر بادشاہ نے حسین اجمیری سے اس بیان کی تصدیق چاہی۔ حسین اجمیری نے انکار سے بچنے کیلئے ”کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوَۃٌ“ کی حدیث سے سہارا لیا تو بادشاہ اکبر ذہین و فہیم کو شک ہو گیا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ سانپ مرجائے اور لاٹھی نہ ٹوٹے تو کیا برا ہے یہی مصلحت شناس حکمرانوں کی حکمتِ عملی ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا اجمیر شریف سے چل کر ناگور شریف کا پڑاؤ ہوا تو دوران قیام ناگور بادشاہ سلامت درگاہ حضرت صوفی سلطان التارکین کی حاضری میں غائب پائے گئے جسکو لامحالہ اس زمانے کے سجادہ نشین شیخ عبدالرشید ہوں یا کہ شیخ منور فقیر حقیر کے جد اعلیٰ کے پروردہ ابوالفضل کے والد بزرگوار بتائے جاتے ہیں اس زمانے سے، اکبر بادشاہ اور اس کے مصاحب اعلیٰ سے بغض رکھنے لگے۔ حتیٰ کہ ابوالفضل کی تصنیفات اکبر نامہ اور آئینِ اکبری کے اندراجات کی صداقت اور ابوالفضل کی اپنی دیانت داری سے لوگوں کا اعتبار اٹھ گیا۔[1] نہ صرف یہ کہ حسین اجمیری کے جھوٹ سے پرہیز بر ابوالفضل کو جو بادشاہ اکبر کے سامنے ندامت اٹھانی پڑی اس کا تاثر اس پر اس درجہ ہوا کہ تاعمر خواجۂ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد حسین اجمیری کے پیچھے پڑا رہا یہاں تک کہ

---

[1] گلدستۂ چشتی چمن ص ۳۴ - ۲۹ - ۳۵ - ۳۲ و ص ۸۶ -

اکبرنامہ میں اس بات سے انکار کر دیا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد کا کوئی سلسلہ نہیں چلا ہے! اور یہ انکار فقیر حقیر کاتب الحروف کی نظر میں پہلا انکار ہے جو اکبرنامہ کی دین ہے۔

شریعت جدید موسوم بہ توحید الٰہی یا دین الٰہی

ملا عبدالقادر بدایونی کہتے ہیں کہ ۹۸۶ھ سنہ ۱۴۸۲ء میں قیامت آگئی!۔ تجویز ہوئی کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ (محمد رسول اللہ کی جگہ پر) کہا کریں ــــ باہر نہیں صرف محل وغیرہ میں کہا کریں لہٰذا عوام کالانعام کی زبانوں پر اللہ اکبر کے سوا وظیفہ نہ تھا۔ اکثر اشخاص کی زبانوں پر "سلام علیک" کی جگہ "اللہ اکبر" اور جواب میں "جل جلالہ" کہتے تھے اور سکّوں پر بھی یہ سلام نقش کرایا گیا جس میں "جل جلالہ" اکبر بادشاہ کے لقب "جلال الدین" کی نشاندہی کرتا ہے۔ شیخ ابوالفضل مجتہد اور خلیفۂ دین الٰہی کے مقرر ہوئے اور نام اس طریقے کا توحید الٰہی اکبر شاہی رکھا گیا۔ جیسا کہ اوپر شناخت کرائی گئی ہے۔ (ابوالفضل خلیفہ، شیخ فیضی ملک الشعرائے دربار اور شیخ مبارک ناگوری کے ساتھ بیربر کا نام اضافہ کرنے پر ایک چوکڑی بنتی ہے۔ ملا بدایونی نے اٹھارہ کی فہرست درج کی ہے جس میں واحد ہندو یہی بزرگ مؤخر الذکر ہیں۔ دوسرے ہندو جن کو اکبر نے ٹٹولا تھا (راجہ مان سنگھ کچھواہا جے پور) ہیں جنھوں نے جواب میں عرض کیا کہ اگر مریدی سے مراد جاں نثاری ہے تو ہندو ہوں۔ فرمائیے مسلمان ہو جاؤں) اکبر بادشاہ بھی ٹال گئے۔ (دربار اکبری صفحہ ۶۳۶ و صفحہ ۸۰-۸۱-۸۲)

الغرض اکبر بادشاہ کو بے دین کرنے میں دونوں بھائیوں فیضی اور ابوالفضل کا ہاتھ اور مشورہ شیخ مبارک ناگوری کا شامل تھا۔

ابوالفضل میں ایک خوبی اور بھی خداداد تھی۔ بقول محمد حسین آزاد فرامین اور نامے لکھنے میں ابوالفضل کا طریقہ ایسا عالی اور اثر ڈالنے والا تھا کہ خود اس کے پڑھنے سے سلطنتِ ہند کی شوکت، سطوت اور طاقت کا رعب ڈالنے والا اثر بادشاہوں پر پڑتا تھا۔ توران کا بادشاہ جو لڑنے اور مقابلہ کرنے میں اکبر سے کم نہ پڑتا تھا لیکن ابوالفضل کی قلم نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا تھا، لکھتا ہے کہ مجھ کو اکبر کی تلوار سے ایسا خوف نہیں ہے جیسا کہ ابوالفضل کی قلم سے، بہت کم وزیر ایسے ہوئے ہیں جن کی تعریف غیر ممالک کے بادشاہوں نے اس طرح کی ہے۔ یہ بات انگریزی مؤرخوں میں بھی مشہور ہے کہ ایشیا کے بادشاہ اکبر کی تلوار سے اتنا ہم نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ ابوالفضل کی قلم سے ڈرتے تھے۔ (دربار اکبری صہ ۲۹)

ظاہر ہیکہ ایسا انشاء پرداز پاکر قدر داں اکبر اپنے وزیر اعظم پر پورا اعتماد رکھتا تھا اور خاص سنجیدہ معاملات میں ابوالفضل کا مشورہ طلب کرتا رہتا تھا۔

منتخب التواریخ سے معلوم ہوتا ہیکہ علمائے وقت مثل مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری سے ابوالفضل سرِ مجلس بحث و گرفت ان کی تذلیل کے واسطے کیا کرتا تھا۔ اور جب کہ ابوالفضل کے مقابلے میں کسی مجتہد کا قول نقل کیا جاتا تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ فلاں حلوائی، فلاں کفش دوز (موچی) اور فلاں چرم گر (چمار) کا قول ہم پر حجت نہیں ہے۔ تمام علماء و مشائخ کا اسکو انکار تھا۔

زبانی گفتگو میں شیخ عبدالقادر بدایونی سے خود شیخ ابوالفضل نے کہا تھا کہ

طریقۂ الحاد اختیار کرنے کو اسکا جی چاہتا ہے۔ اور ابوالفضل اکبر بادشاہ کے اشارے سے قاضی وصدر وغیرہ سے دلیرانہ گفتگو کیا کرتا تھا۔ اور ان کی رسوائی اور ذلت میں کسی طرح کی کمی نہیں رکھتا تھا۔

چند روز میں اس نے ایک ایک کو ذلیل کر کے دربار سے نکلوادیا تھا۔

ایک شب ماہِ محرم ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء عیسوی میں بادشاہ نے خان اعظم سے فرمایا تھا کہ ہم نے تناسخ (آواگون) کے حق ہونے پر بہت سی دلیلیں قائم کی ہیں ابوالفضل تم کو سمجھادیگا یعنی کہ وہ خازن دلائل بے دینی تھا ——— اور علاوہ اس سرکشی کے جو ابوالفضل نے علماء و قضاۃ کی جناب میں کی بعض اولیاء کرام قطب زمانہ مثل حضرت میراں سید حسین خنگ سوار اور حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہم۔ خواجہ حسین اجمیری مجدد الف ثانی و دیگر کئی حضرات ہیں (جن کے خلاف) کبھی بے باکی اور شوخی سے باز نہ آیا۔ شیخ کمال بیابانی اور بعض قاضی وعالم وغیرہ فقراء و مشائخ عظام کو دینِ جدید (کا) سجدۂ تعظیمی ادا نہ کرنے کی پاداش میں قلعہ بھکر کی جیل میں مقید کر دیا تھا (گلدستۂ چشتی چمن ص ۲۹-۳۲)

یہاں پر فقیر حقیر کا تعلق خواجہ حسین اجمیری سے ہے جن کے خلاف صاحبزادگان فتحپور (اولاد شیخ سلیم چشتی) نے بھی رہنمائی کردی کہ ان کا نسب صحیح نہیں ہے۔ یہ حضرات اپنے رسوخ و فروغ کے واسطے مشائخ زمانہ کی جڑ کاٹنے میں خاطر خواہ کوشش فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ حاضر دربار تھے، دشمنوں کی گواہی گذر گئی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہی باقی نہ رہی تھی اور اس قسم کا محضر صدور و قاضیان زمانہ ساز نے بھی لکھ دیا۔ بوجوہ مذکور تولیت آستانۂ پاک کی خواجہ حسین کی سلب ہوگئی

پس نواب شیخ فرید سید مرتضیٰ خاں بخشی الممالک کے ماموں شیخ محمد بخاری از سادات صحیح النسب، متولی درگاہ حضرت اجمیر مقرر ہو گئے۔

بہر کیف ابوالفضل نے اپنی نظامت کے نتیجے میں عداوت و کینہ پروری کا برتاؤ خواجہ حسین کے ساتھ روا رکھکر پہلا دھکا یہ پہونچایا کہ خواجہ حسین کو درگاہ کے دیوان کے عہدے سے معزول کرا کر حج بیت اللہ کیلئے بھیج کر جلاوطن کرادیا اس بنا پر کہ خواجہ حسین اجمیری کا منصوبہ راجگان راجپوت جے پور۔ جودھپور۔ بیکانیر کی مدد سے بغاوت کرا کر اکبر سے سیاسی اقتدار چھیننا ہے۔ خواجہ حسین مجرّد تو تھے ہی اور اپنے تجرّد کی وجہ سے "بال جتی" کہلاتے تھے۔ اجمیر سے اٹھے اور چند خادموں کے ساتھ مکہ معظمہ پہونچکر سکونت پذیر ہو گئے اور چند سال تک حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ ابوالفضل کا حسب دلخواہ مدّعا حاصل ہو گیا۔ بادشاہ اکبر سے کہہ کر خواجہ حسین کی حویلی کو مسمار کرایا گیا جڑ سے اکھاڑ کر اسکی جگہ مسجد اکبری تعمیر کرادی گئی۔ یہ مسجد تین سو سال تک غیر آباد رہ کر اب یہاں ایک کتب خانہ کے علاوہ فی زمانہ مدرسہ معینیہ عثمانیہ دار العلوم قائم ہے اور نماز باجماعت کا نظم ہے۔

جڑ اس عداوت موروثی کی وہی ہے جو فقیر حقیر کاتب الحروف شیخ مبارک ناگوری (یتیم) اور انکی والدہ (بیوہ) سے متعلق بیان کر چکا ہے یعنی فیضی اور ابوالفضل کا لونڈی بچے کی اولاد ہونا جو ناگور شریف سے تعلق رکھتا ہے مگر چونکہ ابوالفضل نے بادشاہ سے دروغ بیانی کرتے ہوئے خواجہ حسین اجمیری کا خالہ زاد بھائی بننے کا دعویٰ کیا اور اس کا خمیازہ خواجہ حسین کو بھگتنا پڑا۔ بندر کی بلا طویلے کے سر۔

ع ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ؎ لیکن قدرت نے جو انتقام لیا وہ یہ ہے کہ بالآخر ابوالفضل کا سر کاٹا گیا۔ اصحاب الرائے کا کہنا ہے کہ پیرزادوں کی اہانت، بے عزتی اور رسوائی کے ارتکاب کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:۔

خواجہ حسین کی رسوائی اور ابوالفضل کا قتل

دروغ کو مٹانے کیلئے دوسرا دروغ مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کو مٹانے کیلئے دوسرے جھوٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ اس قصے کو مدائن اللعین کے بعد کئی رسالوں میں دہرایا گیا ہے کہ ابوالفضل نے ایک سفید جھوٹ ایجاد کر کے بادشاہ اکبر کو خواجہ حسین اجمیری کے خلاف بدظن کیا جو پیچھے عرض کر چکا ہوں۔ یہ الزام یعنی بغاوت کی سزا اس زمانے میں یہ تھی کہ ملزم کو بیرونِ ملک بھیج دیا جائے یعنی زیارتِ حرمین شریفین۔ وہاں طویل عرصہ گذارنے کے بعد کس طرح خواجہ حسین اجمیری کی واپسی ہوئی یہ واقعہ زبانی روایات پر مبنی ہے جو عقیدتمندوں یا خواجۂ بزرگ کے موروثی اقرباء نے درج کی ہیں مگر ابوالفضل نے اکبر نامہ میں نظر انداز کر دیا ہے۔ جو بھی ہو واپسی پر کہتے ہیں کہ خواجہ حسین کی ملاقات بادشاہ اکبر سے بانس واڑہ میں ہوئی اور وہ فتح پور سیکری میں طلب کئے گئے۔ لیکن دربار میں پہونچکر دین الہٰی کے آئین کے مطابق بادشاہ کو نہ سجدہ کیا اور نہ ہی دوسرے آداب شاہی کی پرواہ کی۔ لہٰذا صوبۂ سندھ کے قلعہ بکھر میں نظر بند کر دیئے گئے جہاں دوسرے کفر و شرک کے باغی علماء قید و بندگی

زندگی گذار رہے تھے ۔ یہ خواجہ حسین کی پہلی نظر بندی ہے ۔

خواجہ حسین کی رہائی کا مطالبہ مخدومہ جہاں حضرت ملکہ مریم مکانی والدۂ بادشاہ اکبر نے مطالبہ کیا کہ خواجہ حسین اولاد خواجۂ بزرگ شیخ معین الدین چشتی کو رہا کیا جائے مگر بادشاہ نے وزیر منشی ابوالفضل کی رائے کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا ۔ بالآخر ۱۰۰۲ھ ؁ ۱۵۹۳ء میں رائے عامہ کے دباؤ سے اکبر نے بھکر سے خواجہ حسین کو فتح پور سیکری بلا لیا مع دیگر معتوبین کے جنھوں نے دربار کے آداب سجدۂ تعظیمی وغیرہ کی شرط کو پورا کر کے قید سے چھٹکارا حاصل کر لیا مگر حضرت خواجہ حسین دربار میں خاموش کھڑے رہے اور درباری آداب کی پرواہ نہ کی ۔ ہندوستانی مثل کے مطابق " راج ہٹھ " مشہور ہے ۔ حکم ہوا کہ قلعہ بھکر میں واپس بھیج دیا جائے ۱۰۰۲ھ مطابق ۱۵۹۳ء اور اس بار تین سو ۳۰۰ بیگھا اراضی اخراجات کے واسطے منظور کر کے خواجہ حسین صاحب کے آنسو پونچھنے کی جسارت کی گئی (مریم مکانی بیگم) نے پھر سفارش کی اور اکبر پر دباؤ ڈالا مگر اکبر ٹس سے مس نہیں ہوا ۔ اس طرح خواجہ حسین صاحب قلعہ بھکر ہی میں بتوکل علی اللہ رہے ۔ چند روز کے بعد تمام جلاوطنوں کے ساتھ طلب ہوئے عمر شریف اٹھتر ۷۸ سال تھی مگر درباری آداب نہ بجالانے کی پاداش میں واپس بھکر کر دیا گیا ۔

ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اعتراف کیا ہے کہ خواجہ حسین اجمیری نے تقریباً تینتیس ۳۳ سال چند ماہ تک جلاوطنی اور نظر بندی کی زندگی گذاری ! جب کہ قدرت نے ایسی زندگی کے بانی مبانی ابوالفضل وزیر اعظم کو بھی جلد ہی اپنی زندگی

سے چھٹکارا عطا فرمادیا جس کا قصہ یہ فقیر دربار اکبری سے اخذ کرکے پیش کریگا۔

بہرکیف ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۵۹۹ء میں اکبر نے کسی سفارش یا شرط کے بغیر خواجہ حسین کو رہا کردیا اور ان کو اجمیر جانے کی اجازت دی جہاں وہ جہانگیر کے ابتدائی دور تک سجادہ نشین رہے۔ بادشاہ جہانگیر نے اپنی تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ خواجہ حسین کو "بامیعاد نیمہ سالہ ہزار روپیہ میں نے عنایت کئے" یعنی ششماہی وظیفہ عطا ہوا۔ (علمائے رسول ص ۸۸-۹۱)

ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التواریخ" میں لکھا ہے کہ خواجہ حسین رحمۃ اللہ علیہ "جب وہ حجاز کے سفر سے واپس آئے تو وہ نور کا تودہ (ڈھیر) لگتے تھے اور فرشتۂ مجسم" بقول دربار اکبری بحوالۂ ملا بدایونی مدت سے درگاہ اجمیر کے متولی دیوان رہے تھے۔ اس سبب سے اعزاز واکرام اور شان وشکوہ۔ بادشاہانہ ہوگئی تھی۔ خواجہ حسین ۱۵۹۹ء کے بعد تین دہائیوں تک زندہ رہے اور ۱۰۲۹ھ مطابق ۱۶۱۹ء میں ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور حضرت خواجہ بزرگ کی درگاہ کے احاطے میں سپرد خاک کئے گئے عقیدت مندوں نے ۱۰۴۷ھ مطابق ۱۶۳۷ء عیسوی میں سنگ مرمر سے اُن کا مقبرہ تعمیر کیا۔ ایسا مقبرہ آجتک کسی سجادہ نشین کے حصے میں نہیں آیا۔

ابوالفضل کا قتل حضرت خواجہ حسین اجمیری کو تو اکبر اور ابوالفضل نے تھک کر چھوڑ دیا اور با عزت واحترام طریقے سے دیوانی تولیت اور سجادہ

نشینی کی مسند پر بیٹھ گئے ملک الموت نے ابوالفضل کی موت کے لیے انتظار کرنا شروع کر دیا ہے واقعے کی مختصر تفصیل میں دربار اکبری کے صفحات سے اخذ کر کے پیش کرتا ہوں ۔

"اکبر بادشاہ نے مہم دکن سے پھر کر سلیم (جہانگیر) کے ساتھ ظاہری صورت حال کو درست کر لیا تھا۔ سنہ ۱۰۱۱ھ سنہ ۱۶۰۲ء میں سلیم نے پھر سلامت روی کا راستہ چھوڑا اور ایسا بگڑا کہ بادشاہ اکبر گھبرا گیا۔ بادشاہ نے ابوالفضل کو لکھا، جو دکن کی مہم پر گیا ہوا تھا، کہ مہم کے کاروبار کو عبدالرحمن اپنے فرزند ارجمند کے سپرد کر کے آپ جریدہ اِدھر روانہ ہو۔ شہزادہ سلیم شیخ ابوالفضل سے بہت خفا تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر یہ حضور میں آپہونچا تو باپ کی آزردگی اور بھی زیادہ بڑھ جائیگی ۔ جب اُس نے سُنا کہ شیخ دکھن سے روانہ ہو گیا تو راجا مدھکر ساہ انڈچہ ۔ (اورچھا) کا بیٹا راجہ بیر سنگھ نرسنگھ دیو بوندیلہ اُن دنوں رہزنی کر کے دن کاٹتا تھا اور اِس بغاوت میں شہزادہ سلیم کے ساتھ تھا اسے سلیم نے خفیہ لکھا کہ کسی طرح شیخ کا کام تمام کر دے ۔ اگر خدا نے تخت نصیب کیا تو خاطر خواہ رتبہ اور انعام سے سرفراز کرونگا ۔

شیخ ابوالفضل جب اُجّین میں پہونچا تو خبر اُڑ رہی تھی کہ راجا اس طرف آیا ہوا ہے ۔ رفیقانِ جاں نثار نے شیخ ابوالفضل سے کہا کہ ہماری جمعیت تھوڑی ہے اگر یہ سچ ہے تو مقابلہ مشکل ہوگا ۔ شیخ نے بے پروائی سے کہا کیا بکتے ہو ۔ چور رہزن کا کیا حوصلہ ہے جو بندگان شاہی کا راستہ روکے ؟ ربیع الاول کی پہلی سنہ ۱۰۱۱ھ سنہ ۱۶۰۲ء جمعہ کا دن صبح کا وقت تھا۔ سرائے برا سے آدھ کوس رہا

تھا اور قصبہ انتری سے تین کوس۔ سوار نے دوڑ کر عرض کیا کہ وہ گردِ غبار اُٹھا ہے۔ اور رُخ اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ گدائی خاں افغان نے کہا کہ میں جاں فشانی کر کے ان کو روکتا ہوں۔ ہمارے ٹکراؤ ہونے تک وقت بہت مِل جائیگا۔ آپ انتری بخوبی پہونچ جاؤ گے جہاں رائے رایاں اور راجا راج سنگھ دو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ اترے ہوئے ہیں۔ شیخ نے کہا جلال الدین اکبر بادشاہ میرا مُربّی ہے۔ میں آج اُن کی شناخت کو خاک میں ملا دوں؛ یہ کہکر نہایت دلاوری اور بے باکی سے گھوڑا اُٹھایا۔ گدائی خاں نے پھر روکا۔ مگر قضا آچکی تھی کسی عنوان راضی نہ ہوا۔ یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ غنیم آن پہونچا اور ہاتھ ہلانے کی فرصت نہ دی شیخ ابوالفضل بڑی بہادری سے تلوار پکڑ کر ڈٹ گیا۔ چند افغان بھی ساتھ تھے۔ جانیں نثار کر کے سرخ رو ہوئے۔ شیخ نے کئی زخم کھائے مگر ایک برچھے کا زخم ایسا لگا کہ شیخ ابوالفضل گھوڑے سے گر پڑا۔ لاش کی تلاش ہوئی تو دیکھا گیا کہ ایک درخت کے نیچے خاک بے کسی پر بے جان پڑا ہے۔ زخموں سے خون بہتا ہے اور اِدھر اُدھر لاشے پڑے ہیں۔ اسی وقت شیخ کا سر کاٹ لیا گیا اور شہزادے سلیم کے پاس بھجوا دیا گیا۔ شہزادے نے پائے خانے میں ڈلوا دیا۔ کئی دنوں تک وہیں پڑا رہا۔ (دربار اکبری ص ۴۵-۵۴۴)

بادشاہ اکبر جان کر حیران ہو گیا۔ وکیل کا بیان سُن کر غمناک اور بے قرار ہوا کہ کئی دن تک دربار نہ کیا کسی امیر سے بات نہیں کی۔ افسوس کرتا تھا اور روتا تھا چھاتی پر ہاتھ مارتا تھا اور کہتا تھا کہ ہائے شیخو جی!

(سلیم)! بادشاہت لینی تھی تو مجھے مارنا تھا۔ شیخ کا بے سر لاشہ آیا تو یہ
یہ شعر پڑھا۔ ع شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ
زاشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ

(ترجمہ) ہمارا شیخ جب بے حد شوق کے ساتھ ہماری طرف آیا: تو پائے بوسی کے
اشتیاق سے بے سر و پا تھا۔)

باون[۵۲] برس چند مہینے کے سن والے کی قبر انتری میں موجود ہے جو گوالیار
سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ اُس پر ایک غریبانہ وضع کی عمارت ہے
ابوالفضل نے اپنے والدین کی ہڈیاں لاہور سے آگرہ پہونچائی تھیں
مگر اس کی لاوارث لاش کا اُٹھانے والا بادشاہ بھی نہ ہوا۔ رائے رایان
اور عبدالرحمٰن ابن ابوالفضل مدت تک نرسنگھ دیو کا پیچھا کرتے رہے مگر
آخر وہ رہزن تھا بھاگتا رہا۔ آخر کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور تھک کر دونوں بیٹھ
رہے۔ (دربار اکبری ص ۷۴۱-۷۴۲)

فیقر حقیر کا خیال ہے کہ پیرزادگان (خواجہ حسین اجمیری اور شیخ زادگان
صوفی ناگور) پر ظلم کرنے والوں کا یہی انجام ہونا چاہئے۔ جو ابوالفضل اور اس کے
قبیل فیضی کا ہوا۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ (ترجمہ) تو عبرت لو اے نگاہ والو
(پ ۲۸ - ع ۳ - آیت ۲)

تاریخ ہندوستان جلد ششم شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ دہلوی ص ۷-۸
توزک جہانگیر جلد اول ص ۱۷-۱۸

حضرت شیخ سالار ناگوری علیہ الرحمۃ

آپ نے بامداد توفیق۔ تحقیق کے واسطے جہاں پیمائی کی۔ اور اس ذریعے سے عبرت اور تجربہ حاصل کیا۔ ایران و توران میں پہونچکر کتابی فنون اور ضروری علوم۔ بزرگانِ وقت سے تحصیل کئے۔ لوگوں کو بہت کچھ فیض پہونچایا۔ بالخصوص مخزن جوہر علوم و اسرار شیخ مبارک ناگوری ابن خضر نے آپ کی خدمت میں رہکر معرفت الٰہی میں اعلیٰ درجہ حاصل کیا تھا۔ شیخ مبارک ناگوری نے اپنی تصنیفات میں آپکے حالات موقع بہ موقع لکھے ہیں۔ اِن تمام حالات کیلئے اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ آپ کا مزار صوفی حمیدالدین ناگوری کے احاطہ کے باہر بلند دروازہ کے نزدیک تھا اوقاف کمیٹی نے احاطے کو وسیع کرنے کے بعد اب احاطے کے اندر لے لیا گیا ہے۔ اس مزار پر کسی مکرانے کے عقیدتمند نے سنگ مرمر کا روضہ بنوا دیا ہے۔ کسی شخص کی آنکھ کی بینائی چلی گئی ہو یا بینائی کمزور ہو گئی ہو وہ آپکے مزار پر آکر اپنی آنکھوں کی بینائی کیلئے دعا کرے تو اسکی بینائی واپس لوٹ آتی ہے۔ اسکے بعد وہ شخص چاندی کی آنکھیں آپ کے مزار پر چڑھاتا ہے۔ درگاہ صوفی صاحب کی ایک مہترانی جو درگاہ کے باہر جاروب کشی کی خدمت انجام دیتی تھی اسکی جوان دوشیزہ تھی جسکو چیچک نکل آئی جسکی وجہ سے اس کی لڑکی کی آنکھ کی بینائی بالکل ختم ہو گئی اس مہترانی نے آپ کے مزار پاک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی لڑکی کے لئے منت مانگی اے بابا میں چالیس روز تک آپ کے مزار پر اُڈنگی اور حاضری دونگی

چالیس روز کے بعد اسکی لڑکی کی آنکھ کی بینائی واپس لوٹ آئی ؎۱

حضرت شیخ عطّن ناگوری علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ ترکی النسل سے ہیں۔ آپ کے رسمی اور لدنّی علوم کمال کے درجہ کو پہونچے ہوئے تھے۔ سلطان سکندر لودھی کا زمانہ تھا۔ جب آپ ترکستان سے ہند کی طرف آئے۔ اور ناگور کو اپنا وطن اور ابدی آرام گاہ قرار دیا ایک سو بیس ۱۲۰ سال تک اپنی زندگی زندہ دلی کے ساتھ ناگور میں گذاری بہت سے لوگوں نے آپکی خدمت میں رہ کر نورِ معرفت حاصل کیا بالخصوص حقائق آگاہ شیخ مبارک ناگوری ابن خضر یعنی فیضی اور ابوالفضل کے والد نے آپ کے مؤثر، اور فیض بخش ذات سے تلقین پائی تھی۔ آپ کا مزار پاک شیخ سالار کے روضے کے پیچھے یعنی درگاہ کے حصار کے باہر بلند دروازہ کے نزدیک ہے۔ ؎۲

مدارس اجمیر، ناگور، اور نارنول

جناب محمد حبیب الرحمٰن خاں میواتی اپنی تصنیف، تاریخ تذکرۂ صوفیہ میوات میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اجمیر شریف میو قوم کا سب سے بڑا مرکز صلاح و فلاح تھا۔ میئوں نے اپنا مرکز کیا بنایا گویا پورے ملک کا دینی سینٹر بنگیا اجمیر میں میئوں نے خواجہ اجمیری سے پہلے حکومت بھی کی اور بعد میں خواجہ معین الدین

؎۱ اذکار ابرار ص ۲۳

؎۲ دربار اکبری ص ۳۷۳ ۔ اذکار ابرار ص ۲۲۵

چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ کی جاروب کشی کو بھی اپنے لئے باعث سعادت سمجھا۔ ایک مدرسہ بھی قائم کیا مگر اس مدرسہ نے مدرسہ سے زیادہ خانقاہی فرائض انجام دیئے۔ درمیانی مدارس ۲ و ۳ ؟

چوتھا مدرسہ ناگور تھا جسے سلطان التارکین صوفی حمید الدین چشتی الفاروقی الناگوری علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے فاضل اخلاف نے جاری فرمایا اور ہر طرح اس کی دیکھ ریکھ کی عرصۂ دراز تک اُسے قائم و باقی رکھا۔ یہ ناگوری مدرسہ (دارالعلوم) اپنے دور میں ہندوستان کا سب سے بڑا مدرسہ تھا۔ اور ساتھ ساتھ خانقاہ بھی۔ یہاں سے عالم و فاضل کی سند کے ساتھ سلوک و تصوف کی اجازت بھی ملتی تھی اس مدرسہ نے آٹھویں صدی میں مفتی داؤد ناگوری ابن مفتی رکن الدین ناگوری ابن حسام الدین ناگوری جیسے یگانۂ روزگار فاضل پیدا کئے جن کی زندۂ وجاوید یادگار، اُن کی کتاب فتاویٰ حمادیہ ہے۔ مفتی داؤد ابن مفتی رکن الدین ابن حسام الدین ناگوری کا اصل وطن ناگور ہی تھا اسی بنا پر ناگوری مشہور رہے ہیں۔ (تذکرۂ صوفیائے میوات ص ۳۵۷ تا ۵۸ م ۲۶۵ م)

مفتی داؤد اور رکن الدین کا ذکر اس سے قبل بھی گذر چکا ہے آگے اسی تاریخ میوات میں تحریر ہے کہ عہد اکبری میں ملّا مبارک ناگوری اور اس کے دو بیٹے ابوالفیض فیضی۔ اور ابوالفضل علامی اسی مدرسۂ ناگوری کے ابتدائی تلمیذ تھے۔ یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے مگر اغلب ہے کہ شیخ سلیمان سہروردی فقیر حقیر کے نانا۔ دور اکبری سے قبل اس مدرسہ کو اولادِ سلطان التارکین چلاتی ہوگی۔ یا پھر ایک بہت قدیم دارالعلوم کی بھی ناگور میں نشاندہی ہوتی ہے

جو شمس تالاب اور جامع مسجد شمسی کے جنوب کی جانب جامع مسجد شمسی کے ملحق دار العلوم کے کمروں کے نشانات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جامع مسجد شمسی کے دونوں مناروں کے درمیان دونوں طرف دو گیلریاں بنی ہوئی ہیں اور گیلریوں کی دیواروں پر چونے کی سفید پالش کی ہوئی ہے۔ جو اکثر پرانی شاہی عمارات میں ہوتی ہے۔ اُن دیواروں پر طالب علموں کے ہاتھ سے کالی سیاہی میں تحریریں لکھی ہوئی آج بھی پڑھی جاسکتی ہیں ان تحریروں کے نیچے ایرانی تورانی اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ فقیر حقیر نے آج کے تقریباً پچاس سال قبل پڑھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی کے وقت یہ طالب العلم ان شمسی جامع مسجد کے مناروں کی گیلریوں میں اپنا وقت گذارتے ہوں گے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیرون ملک ایران و توران کے طالب علم ناگوری دار العلوم میں تعلیم حاصل کرتے تھے یہ مدرسہ یا دار العلوم شاید سلطان التارکین کی اولاد کی سرپرستی میں چلتا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آگے لکھا ہے کہ مدرسہ نارنول احمد مجد شیبانی نارنولی ناگوری مدرسے اور خانقاہ سے کچھ اور خانقاہیں اور مدارس بھی وجود میں آئے تھے۔ منجملہ ان کے مدرسہ نارنول ہے جو اوّلاً شیخ محمد ترک نارنولی اور قاضی شمس الدین شیبانی رحمۃ اللہ علیہ جد امجد علامہ احمد مجد شیبانی وغیرہ نے قائم فرمایا تھا۔ نارنول جو مسجدوں اور مدرسوں کا شہر تھا وہیں بندگی حضرت نظام الدین نارنولی قدس سرہٗ کا مسکن اور قاضی شیخ احمد مجد شیبانی جو امام محمد امام اعظم کی اولاد میں سے ہیں گو نارنول ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی علم و کمال وہیں حاصل کیا مگر اپنی عمر عزیز کے ستر سال آپ نے خواجۂ بزرگ اجمیری سے مدرسہ و خانقاہ اجمیر شریف کی خدمت و جاروب کشی میں بسر کئے اور آخر عمر میں ناگور

میں آپکا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار درگاہ صوفی صاحب باب خدیجہ کے پاس ہے۔
فقیر حقیر کے والد محترم مرحوم پیر عبدالغنی سجادہ نشین کے بالکل قریب ہیں۔

(تذکرۂ صوفیائے میوات ص ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۸۹)

حضرت شیخ کمال الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ عالم و فقیہہ، شیخ کمال الدین بن قوام الدین ناگوری ثم پٹنی، سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ شیخ یعقوب پٹنی سے کسب فیض حاصل کیا فصوص الحکم ان کے یہاں پر پڑھی۔ مدت دراز تک ان کی خدمت میں رہے۔ گجرات میں آپ کو قبول عام حاصل تھا۔ شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری نے آپ سے فیض حاصل کیا اور بھی بہت سے علماء و مشائخ آپ سے سیراب و بہرہ ور ہوئے۔

حضرت شیخ اسمٰعیل بن حسن سالار ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ صالح اسمٰعیل بن حسن سالار ناگوری، چشتیہ سلسلہ کی ایک اہم شخصیت ہوئے ہیں اپنے باپ اور دادا شیخ اختیارالدین عمرالایرجی کی خدمت میں رہکر علم و تصوّف حاصل کیا آپ سے فیض یاب ہونے والوں میں شیخ خانو گوالیری علا تاج سعید ناگوری بھی ہیں جن کا مزار گوالیر میں ہے۔ جیسا کہ گلزار ابرار میں تحریر ہے۔

(تذکرۂ صوفیائے میوات ص ۱۹۶)

نزد اولادِ حضرت قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری جنکی شادیاں خواجہ غریب نواز کے گھرانے میں ہوئیں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی دختران کی شادیاں قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری کے گھرانے ناگور میں بیاہی گئیں ۔

تفصیل

(۱) شیخ عبد اللہ عرف رضی الدین ابن قاضی حمید الدین کی زوجہ بی بی حافظہ جمال بنت خواجہ معین الدین چشتی کی دختر نیک اختر تھی ۔ (معین الاولیاء ص ۱۶۶)

(۲) سید نعمن ابن سید حمید الدین کی شریکِ حیات مسماۃ بی بی زینا اولاد قاضی حمید الدین ناگوری سے تھی ۔

(۳) سید وارث علی بن سید زین العابدین کی دختر اول ثمر النساء از امین الدین نبیرہ قاضی حمید الدین ناگوری سے منکوحہ ہوئی ۔

(۴) سید عظیم الدین کی زوجۂ دوم بی بی رحمت النساء بنت حافظہ شہاب الدین نبیرۂ قاضی حمید الدین ناگوری کی دختر تھی ۔

(۵) سید احمد بن سید حسام الدین کی زوجہ سلطان بی بی دختر شیخ شاہ محمد نبیسۂ قاضی حمید الدین ناگوری کی تھی

(۶) سید مجید الدین کی تیسری دختر بی بی حمیدہ جو شیخ امین الدین سہروردی ابن علم الدین بن شہاب الدین اولاد قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے منکوحہ ہوئی ۔ (مناقب الحبیب ص ۱۷۷ ۔)

مزید تفصیل کیلئے مناقب الحبیب کے ص ۱۹۳ پر ملاحظہ فرمائیں ۔ معین الاولیاء فارسی مطبوعہ ص ۱۲۶ تا ۱۲۷

فہرست کتب حصہ اول نمبر ا

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	سرکاری گزیٹیر ناگور		۱۷	عوارف المعارف ترجمہ	حضرت شہاب الدین سہروردی
۲	انگریزی کتاب کا ترجمہ	از درشرتھ شرما	۱۸	طبقات الصوفیہ	شیخ عبداللہ انصاری
۳	سرور الصدور نور البدور	ملفوظ صوفی حمید الدین رح	۱۹	رسالۂ قشیریہ عربی	شیخ ابو القاسم نیشاپوری
۴	سیرت احمدیہ یعنی مرقاۃ				مطبوعہ مصر
	الوصول الی اللہ والرسول اردو	مولفہ محمد قاسم کھٹوی	۲۰	تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی
۵	ملفوظہ لٹریچر انگریزی	ڈاکٹر ضیاء الدین	۲۱	احیاء العلوم	از امام غزالی رح
	پٹنہ ۱۹۹۱ء کا ترجمہ	دیسائی	۲۲	کیمیائے سعادت	" " "
۶	باخبار اصح کھٹو	قمر الدین ابن محمد واصل	۲۳	اخبار الاخیار ترجمہ	حضرت عبد الحق محدث دہلوی رح
		سلیمانی کھٹوی	۲۴	فتوح الغیب	حضرت عبد القادر جیلانی رح
۷	کتاب الہند	علامہ ابو ریحان البیرونی	۲۵	غنیۃ الطالبین	" " "
۸	کتاب تاریخی حالات	درشرتھ شرما جودھپوری	۲۶	ارلی چوہان ڈائنسٹیز	
۹	افاضات حمید	قاضی رحمن بخش رحلوی		انگریزی	ڈاکٹر درشرتھ شرما۔
۱۰	فارسی کتبہ فہرست	" " "	۲۷	مدھیہ کالین بھارتیہ	از ڈاکٹر گوری شنکر اوجھا
	ناگپور			سنسکرتی	
۱۱	طبقات ناصری جلد دوم	منہاج سراج	۲۸	بھارت ہندی مطبوعہ	
۱۲	سیر العارفین اردو ترجمہ	شیخ جمالی سہروردی		الہ آباد	البیرونی
۱۳	کرانکلس آف دی پٹھانز		۲۹	بیرونیز انڈیا انگریزی	علامہ ابو ریحان البیرونی
	کنگس انگریزی	ٹامس انگریز		ملخص مطبوعہ لندن	
۱۴	راجستھان تھرو دی ایجز	ڈاکٹر درشرتھ شرما	۳۰	قرآن شریف سورۂ	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
۱۵	کشف المحجوب	داتا گنج بخش ہجویری رح		المائدہ آیت ۳۴	علیہ الرحمہ
۱۶	قوت القلوب فی	شیخ ابو طالب مکی رح	۳۱	کتاب سٹڈیز ان لٹریچر	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ پی ایچ
	معاملۃ المحبوب عربی			انگریزی	ڈی فارسی حیدرآباد سندھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۲	فارسی مخطوطہ	جمیل الدین ابن عبدالغفور
۳۳		سہروردی
۳۳	مقالہ	ڈاکٹر کیلاش چندر جین، ڈی۔ لٹ راجستھان
۳۴	آب کوثر اردو ترجمہ	شیخ محمد اکرم
۳۵	بزم صوفیہ اردو ترجمہ	سید صباح الدین عبدالرحمن
۳۶	سیر الاولیاء اردو	امیر خورد کرمانی
۳۷	منتخب التواریخ جلد اول	عبدالقادر بدایونی
۳۸	آئین اکبری جلد سوم	ابوالفضل
۳۹	تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم	مولانا ابوالحسن ندوی
۴۰	مشائخ ہند جلد دوم ترجمہ	اسلام الحق مظاہری
۴۱	مقالہ ناگور سمینار ۱۹۹۱ء	ڈاکٹر کیلاش چندر جین
۴۲	مقالہ سمینار ناگور ۱۹۹۱ء کا انگریزی لیکھ	ڈاکٹر کے۔ سی۔ جین
۴۳	مرآۃ سکندری فارسی مطبوعہ	حسن ثانی سکندر ابن محمد عرف منجھو
۴۴	مارواڑ کا اتہاس حصہ اول	پنڈت وشن وشویشور ناتھ ر۔ او
۴۵	طبقات ناصری جلد اول ترجمہ	منہاج سراج
۴۶	مقالہ ناگور سمینار ۱۹۹۱ء	شری گووند لال

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۴۷	جین سورسیز فار دی ہسٹری آف ناگور سمینار ۱۹۹۱ء	پروفیسر ڈاکٹر کیلاش ناتھ جین او جین
۴۸	مقالہ ناگور سمینار ۱۹۹۱ء	رگھوناتھ سنگھ جی کھیچی
۴۹	شمارہ ماہنامہ منادی	ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
۵۰	فوائد الفواد۔ اردو ترجمہ	حضرت خواجہ امیر حسن علا سجزی
۵۱	ارلی چوہان ڈائی نسٹیز	دشرتھ شرما جودھپوری
۵۲	فتوح السلاطین فارسی منظوم آگرہ ایڈیشن	علامہ فخر الملک عصامی
۵۳	طوالع الشموس فارسی مخطوطہ	قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری رح
۵۴	اسمائے حسنیٰ فارسی مخطوطہ	" " "
۵۵	لوامع فارسی مخطوطہ	" " "
۵۶	لوائح "	" " "
۵۷	حدیث مصباح الدجیٰ	امام صغانی رح
۵۸	لطائف اشرفی ملفوظہ	حضرت اشرف جہانگیر سمنانی
۵۹	جوامع الکلم ملفوظہ	بندہ نواز گیسو دراز رح
۶۰	فتوح السلاطین مدراس ایڈیشن	علامہ فخر الملک عصامی
۶۱	سبع سنابل اردو ترجمہ	میر عبدالواحد بلگرامی رح
۶۲	رسالہ سماع فارسی مخطوطہ	قاضی حمید الدین سہروردی رح

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
٦٣	معارف انڈو ایرانیکا کلکتہ	ڈاکٹر بروس لارنس امریکہ
٦٤	راحت القلوب	حضرت فرید الدین گنج شکرؒ
٦٥	راحت الارواح فارسی	حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ
٦٧	اسرار الاولیاء	فرید الدین گنج شکرؒ
٦٨	خیالات العشاق اردو	قاضی حمید الدین ناگوریؒ
٦٩	رسالہ عشقیہ فارسی مخطوطہ	" " "
٧٠	بحر المرجان " "	" " "
٧١	تفسیر والضحیٰ " "	" " "
٧٢	شرح اربعین " "	" " "
٧٣	سلطان التارکین اردو	احسان الحق فاروقی کراچی
٧٤	گنج مطلوب اردو ترجمہ	داتا گنج بخش ہجویریؒ
٧٥	ہفت احباب " "	قاضی حمید الدین ناگوریؒ
٧٦	روح الارواح فارسی مخطوطہ	" " "
٧٧	بحر المعرفت " "	" " "
٧٨	بحر الاسرار " "	" " "
٧٩	بحر الانوار " "	" " "
٨٠	بحر عشق اردو مطبوعہ	" " "
٨١	مشائخ و اتقیاد	
٨٢	تاریخ مبارک شاہی اردو ترجمہ	یحییٰ احمد سرہندی
٨٣	خیر المجالس اردو ملفوظہ	شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
٨٤	روضۃ الاقطاب	سید محمود بولاق رح
٨٥	عربک اینڈ پرشین انگریزی سپلیمنٹ ۱۹۶۸ء	ڈائرکٹر آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا۔ ناگپور
٨٦	رسالہ عبد النبی	حضرت قاضی عبد النبیؒ
٨٧	قلمی رسالہ اخبار اصبح کھٹو	حاجی قمر الدین سلیمانی کھٹوی
٨٨	حصہ دوم احسن التواریخ کھاٹو	حاجی محمد صدیق ابن قمر الدین کھٹوی
٨٩	احسن السیر اردو	محمد اکبر جہاں شگفتہ
٩٠	تذکرۃ الکرام جلد دوم ترجمہ	محمود احمد بن سید علی محمد عباسی
٩١	مقاصد العارفین ترجمہ	حضرت شاہ عضد الدین چشتی
٩٢	رسالہ سماع فارسی مخطوطہ	قاضی حمید الدین سہروردی
٩٣	ایپی گرافیا انڈیکا عربک فارسی سپلیمنٹ ۱۹۶۸ء	ڈاکٹر زیڈ۔ اے دیسائی
٩٤	طبقات ناصری اردو	قاضی منہاج سراج
٩٥	ایڈورڈ ٹامس کرانیکلس آف دی پٹھان کنگس آف دہلی لندن	انگریز ٹامس
٩٦	مفتاح التواریخ	حضرت امیر خسروؒ
٩٧	نسب ظہیری فارسی مخطوطہ	قاضی جیون بن قاضی حمید الدین سہروردی

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۹۸	قلمی رسالہ فارسی مخطوطہ	حیات اللہ نبیرہ قاضی حمیدالدین رح
۹۹		
۹۹	سٹینڈرڈ ان میڈیول انڈین ہسٹری شولاپور سنہ ۱۹۵۶ء	سری رام شرما
۱۰۰	شیر شاہ اینڈ ہز سکسیسرس آگرہ ایڈیشن سنہ ۱۹۵۰ء	ڈاکٹر اے ایل سری واستو
۱۰۱	گلزار ابرار	حسن مانڈوی
۱۰۲	اسرار المشائخ اردو ترجمہ	بہاء الدین عرف راجہ نبیرہ قاضی حمیدالدین ناگوری
۱۰۳	سوانح عمری ابوالفضل ترجمہ	مولوی غلام الثقلین

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۴	دربار اکبری اردو ترجمہ	علامہ محمد حسین آزاد
۱۰۵	تذکرہ صوفیائے میوات	محمد حبیب الرحمن خاں میواتی
۱۰۶	گلدستۂ چشتی چمن	محمد عبداللہ قادری جہان آبادی
۱۰۷	مفتاح التواریخ	انگریزی بیل صاحب
۱۰۸	تاریخ بیریل انگریزی	ڈاکٹر سنہا "
۱۰۹	مدائن المعین	
	فارسی مخطوطہ	رحمت اللہ دہلوی
۱۱۰	تاریخ ہندوستان جلد ششم	مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی

الٰہی تا بود خورشید و ماہی ٭ چراغِ چشتیاں را روشنائی
اگر گیتی سراسر باد گیرد ٭ چراغِ چشتیاں ہرگز نہ میرد

تاریخ صوفیائے ناگور

مع سلاطین وقت

حصہ دوم

پیر صوفی محمد ایوب تارک چشتی فاروقی
سجادہ نشین درگاہ صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ناگور (راجستھان)
(فون نمبر ۲۲۳۳۴ درگاہ، کوڈ نمبر ۰۱۵۸۲) گھر کا فون نمبر ۴۲۹۱۷)

دارالاشاعت
دربارِ چشتیہ صوفیہ حمیدیہ معینیہ شہر ناگور راجستھان

فہرست مضامین حصہ دوم

نذرانۂ عقیدت

در شانِ حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خواجہ تیری چوکھٹ سے حاصل جسے نسبت ہے — وہ صاحبِ قسمت ہے وہ لائق عظمت ہے
یہ گلشنِ راحت ہے مرکزِ رحمت ہے — دربارِ معین الدیں میرے لئے جنت ہے
تو بحرِ شریعت ہے دریائے طریقت ہے — یوں نورِ الٰہی سے روشن تری تربت ہے
ہر حال پریشاں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا — خواجہ ترے قدموں میں تسکین ہے راحت ہے
بگڑی ہوئی قسمت بھی بنجاتی ہے اک پل میں — آجائے یہاں جسکی بگڑی ہوئی قسمت ہے
پُر کیف نظاروں سے ہوتا ہے گماں ہمکو — یہ آپکا روضہ ہے یا گلشنِ جنت ہے
آئے ہیں ترے در پر فریاد ہم یہ لیکر — ہو نظرِ کرم خواجہ تو شاہِ ولایت ہے
آفات کی زد میں ہے مسلم کا نشیمن اب — ہنگامۂ محشر ہے بس تیری ضرورت ہے
کیا نور برستا ہے روضہ پہ ترے ہر دم — دیکھے تو کوئی آکر گر چشمِ بصیرت ہے
عزت سے گذرتی ہے اس دورِ مصیبت میں — ہر دم مرے خواجہ کی یہ ہم پہ عنایت ہے
کمتر ہوں کمینہ ہوں آخر تو تمہارا ہوں — تم نظرِ کرم کر دو آگے مری قسمت ہے

آزاد کیا تو نے ہر دامِ مصیبت سے
تارکؔ یہ ترا احسان اے پیرِ طریقت ہے۔

منقبت در شانِ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین علیہ الرحمہ

خُلقِ علی ہے خصلتِ سلطان تارکین رح
عکسِ نبی ہے صورتِ سلطان تارکین رح

اللہ اللہ یہ عظمتِ سلطانِ تارکین رح
افلاک پر ہے شہرتِ سلطانِ تارکین رح

ہر دل میں ہے الفت سلطان تارکین رح
عروج پر ہے قسمت سلطان تارکین رح

سر پہ ہے مرے رحمت سلطان تارکین رح
دل میں ہے مرے صورتِ سلطانِ تارکین رح

نقشِ قدم رسول کے چھوئیں نہ مومنو
سب کو ہے یہ ہدایتِ سلطانِ تارکین رح

اے گردشِ زمانہ مرا احترام کر
میں ہوں غلام حضرتِ سلطانِ تارکین رح

دنیا ہو روزِ حشر ہو یا گوشۂ لحد
کرتا رہوں میں مدحتِ سلطان تارکین رح

ہے آرزو کہ وقتِ نزاع ایک دن مرے
پیشِ نظر ہو صورتِ سلطانِ تارکین رح

عزت سے دیکھتا ہے ہمیں اس لئے جہاں
ہم لوگ ہیں امانتِ سلطان تارکین رح

میرا نصیب کیوں نہ ہزاروں میں ایک ہو
حاصل ہے مجھکو نسبتِ سلطانِ تارکین رح

بچ بچ کے ہم سے گردشِ دوراں کیوں چلے
ہم لوگ ہیں امانتِ سلطانِ تارکین رح

اے کاش بعدِ مرگ کفن کیلئے ملے،
مجھکو غلاف تربت سلطان تارکین رح

خواجہ کی بارگاہ میں وہ دل قبول ہے
جس دل میں ہے محبت سلطانِ تارکین رح

جو ہوگیا ہے آپ کا خواجہ کا ہو گیا
جس نے بھی کی ہے بیعت سلطانِ تارکین رح

دیکھے سے جسکو پائے ہے بیمار بھی شفا
یہ وہ ہے تربتِ سلطانِ تارکین رح

یا صوفی المدد جو پکارے کبھی کوئی
آئے مدد کو رحمتِ سلطانِ تارکین رح

تارکؔ ہماری آپ کی آخر بڑا کیا
خواجہ نے کی ہے مدحت سلطانِ تارکین رح

سلسلۂ

چشتیہ حمیدیہ ناگوریہ

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" جلد دوم ۲۴۲ میں ناگور کے صوفیہ سلسلے کو "چشتیہ ناگوریہ حمیدیہ" کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ اب میں حضرت صوفی حمیدالدین سوالی سعیدی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب اس سلسلے پر بات کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں حضراتِ صوفیہ شیخ حمیدالدین ریحانی اور قاضی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد صوفی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو چشتیہ سلسلے کی اشاعت راجستھان کے سلسلے میں خاص مقام حاصل ہے۔ ابھی تک علمائے تواریخ کا دھیان قطبیہ، فریدیہ، نظامیہ یعنی حضرت خواجۂ بزرگ چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد انکے شائع کردہ سلسلے کی شاخ اوّل یعنی جیٹھی شاخ ہی پر مرکوز رہا ہے۔ اجمیر۔ دہلی اور پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت کا بیان پچھلے کئی صدیوں سے ہوتا رہا اور سیر الاولیاء۔ سیر العارفین۔ اخبار الاخیار وغیرہ کے صفحات کی زینت بنتا رہا مگر سوالکھ (مارواڑ) کے حالات پر قابل قدر مآخذ دستیاب ہوتے ہوئے بھی راجستھان کے بیشتر علاقے میں تصوف کی اشاعت کا مضمون اچھوتا ہی رہا۔ میری مراد صوفی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ اور انکے جانشین شیخ فریدالدین چاک پراں کے ملفوظات سرور الصدور نامی سے ہے جس کتاب کا ایڈیشن تاحال نہ تو اشاعت پذیر ہوا اور نہ ہی ترجمہ منظر عام پر آیا۔ اس کے علاوہ سرور الصدور کی اہمیت ایک اور لحاظ سے بھی ہے۔ خواجۂ بزرگ حضرت

معین الدین چشتی پر کوئی معاصر ماخذ آجتک نظر سے نہیں گذرا۔ تمام تر مواد جو حضرات تذکرہ نویسان نے پیش کیا ہے زبانی روایات پر مبنی نظر آتا ہے۔ ابھی تک تواریخی روایات جو کچھ خواجہ اجمیری پر دستیاب ہیں وہ سرور الصدور کے صفحات میں قلم بند ہوئی ہیں۔ پیشتر اس کے کہ میں سرور الصدور کے مخطوطات پر کچھ عرض کروں۔ فقیر اس کتاب کے بعض اندراجات خواجۂ بزرگ سے متعلق ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کرنا چاہتا ہے۔ تبرکاً ہی سہی کیونکہ خواجہ معین الدین کی شخصیت ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ السابقون الاولون:

حال ہی میں پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ایک مضمون اسی خلاء کو پر کرنے کے لئے "حضرت خواجہ معین الدین سجزی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (تاریخ کی روشنی میں)" کے عنوان سے شائع کیا ہے[1] میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انہیں کے الفاظ میں ناظرین سے تخاطب کروں۔ وہو ھذا:-

چشتی سلسلے کے ممتاز بزرگوں میں حضرت بابا فرید اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے کچھ حالات اور واقعات ہمیں مل جاتے ہیں جن سے چشتی خانقاہوں کے نظام اور بزرگوں کی تعلیمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن حضرت خواجۂ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تاریخ اور تذکرے ہمیں بہت ہی کم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اور بعد کے زمانے میں کچھ روایات کے اضافوں نے اس تھوڑے سے تاریخی مواد کو بھی مبہم بنا دیا ہے۔

پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ خواجہ

---

[1] ماہنامہ منادی دہلی جلد ۴۷ شمارہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۶ء اسی مضمون کو رسالہ دارالعلوم دیوبند میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

صاحب کے حالات میں قدیم ترین کتاب سیر الاولیاء ہے جو حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ
کے وصال سے تقریباً سوا سو برس (۱۲۵) کے بعد مرتب ہوئی ہے۔ اسمیں جو معلومات
درج ہیں ان پر کچھ اضافہ شیخ جمالی دہلوی مؤلف سیر العارفین نے کیا ہے جو سہروردی
سلسلے کے بزرگ تھے اور عہد ہمایوں بادشاہ میں سیر و سیاحت کرنے بھی نکلے تھے
...... آپ کا قدیم ترین حوالہ حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات
میں ملتا ہے۔ فوائد الفواد میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی علیہ الرحمۃ کا نام مبارک
صرف تین مقامات پر آیا ہے۔ وہ بھی براہِ راست نہیں بلکہ ضمناً ہے:
(پہلا حوالہ) ۱۵ محرم ۷۱۰ھ کی مجلس میں یہ تذکرہ تھا کہ سلامتیٔ ایمان کی کیا علامت
ہے؟ حضرت نظام الدین اولیاء نے حاضرین سے فرمایا کہ نگاہ داشت ایمان کیلئے
نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ پھر ان کی ترکیب بیان فرما کر یہ واقعہ
سنایا کہ:۔

"میں نے شیخ معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہ العزیز کے پوتے
خواجہ احمد کے زبانی سنا اور یہ خواجہ احمد بہت ہی صالح تھے ..."[۱]

دوسرے موقع پر ۲۱ ذی قعدہ ۷۱۸ھ کی مجلس میں شیخ حمید الدین سوالی
رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں یہ فرمایا:۔

"مرید شیخ معین بود ہم خرقۂ شیخ قطب الدین"[۲]

تیسرا حوالہ ۵ رمضان ۷۲۰ھ کی مجلس میں اس طرح ہے کہ۔

"حضرت شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے خواجہ

---

[۱] ف ف ص ۷۶-۷۷ [۲] ایضاً ص ۳۲۶۔

وحید الدین اجودھن میں حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آئے اور ان سے بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ باباصاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ نعمت آپ ہی کے خاندان سے ملی ہے۔ میرے لئے یہ مناسب نہیں ہیکہ آپکو بیعت کروں مگر انھوں نے اصرار کیا اور الحاح کیا کہ مجھے تو آپ ہی سے مرید ہونا ہے تو باباصاحبؒ نے دست بیعت بڑھایا۔" [۳]

ان تین حوالوں کے سوا خواجۂ بزرگ کا نام فوائد الفواد میں اور کہیں نہیں آیا اور ان میں بھی آپ کے دو پوتوں خواجہ احمد اور خواجہ وحید علیہما الرحمۃ کا تذکرہ ہے خود خواجہ صاحبؒ کا نہیں۔

فوائد الفوائد وہ قدیم ترین کتاب ہے جسمیں خواجہ بزرگ کا اسم مبارک پہلی بار ۷۱۰ھ کی مجلس میں ملتا ہے اور اگر فوائد الفوائد کے ان حوالوں کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ حضرت خواجہ صاحب سے براہ راست متعلق نہیں ہیں بلکہ آپکے پوتوں کے تذکرے میں ضمناً آپ کا نام مبارک آیا ہے تو پھر ہمارے معلوم اور موجود ماخذ میں سیر الاولیاء ہی وہ قدیم ترین کتاب رہ جاتی ہے۔ جس میں حضرت خواجۂ بزرگ کا تذکرہ ملتا ہے۔

سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگؒ بیس[۲] سال تک سفر و حضر میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے تھے اس کتاب سے آپ کا بغداد اور حجاز کا سفر کرنا اور حج بیت اللہ سے مشرف

---

[۳] فوائد الفوائد ص ۲۰۵

ہونا بھی دریافت ہوتا ہے حالانکہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا۔

مؤلف سیر الاولیاء نے حضرت خواجۂ بزرگؒ کی چند کرامتیں بھی لکھی ہیں جن کا دوسرے تذکرہ نگاروں کے یہاں اعادہ ہوا ہے لیکن امیر خورد نے سب سے اہم بات یہ لکھی ہے کہ۔ "

"

سیر الاولیاء نے آپ کے کچھ ملفوظات بھی درج کیے ہیں۔

"وہ عبادت کرنی چاہیئے جس سے بہتر عبادت اللہ کے نزدیک اور کوئی نہ ہو۔" وہ عبادت ہے بیکسوں کی فریاد سننا، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا، اور بھوکے کو کھانا کھلانا۔"

اور فرمایا کہ جسمیں یہ تین خصلتیں ہوں سمجھ لو کہ وہ بے شک اللہ کا دوست ہے۔ ایک دریا کی سی سخاوت، دوسرے آفتاب کی سی شفقت، تیسرے زمین کی سی تواضع

سیر الاولیاء کی تالیف فیروز تغلق کے زمانے میں ہوئی ہے۔ سیر الاولیاء میں جو کچھ ہے وہ بھی ہم عصر بیان نہیں ہے اور خواجہ بزرگؒ کے وصال سے تقریباً سوا سو ۱۲۵ برس کے بعد لکھا گیا ہے۔

سرور الصدور و نور البدور

نثار احمد فاروقی اور اس فقیر کی تحقیق کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے حالات اور ملفوظات میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ اہم مآخذ سرور الصدور و نور البدور ہے جو آجتک نہیں چھپی ہے۔ اور جس کے قلمی نسخے ابھی بھی کافی تعداد میں کئی مقامات پر موجود ہیں۔ مجموعۂ سرور

الصدور کا نسخہ جو حبیب گنج سے آزاد لائبریری علی گڈھ منتقل ہو گیا جسکی زیر کس پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کے پاس موجود ہے۔ دوسرا نسخہ مجموعۂ سرور الصدور فتح پور شیخاوٹی درگاہ حاجی نجم الدین چشتی سلیمانی کے سجادہ نشین مرحوم نور الحسن صاحب کے پاس اس فقیر نے دیکھا تھا جسمیں جد اعلیٰ صوفی علیہ الرحمۃ کی تصنیف کردہ تصانیف مثلاً۔ رسالہ چہار منزل، رسالۃ السلوک۔ رسالۃ السماع۔ رسالۃ العشق ومجموعۂ خطوط مندرج تھے۔ مگر فقیر نے صرف سرور الصدور کی نقل کی اس وقت زیر کس مشین وہاں پر نہیں تھی۔ ایک نسخہ سرور الصدور کا بھوپال نواب صاحب کی ذاتی لائبریری میں بھی ہے۔ جو شاید قدیم ہے۔ جسکی نقل کی اجازت فقیر کو عنایت اللہ خانگر مرحوم کی معرفت کرنے کی مل گئی تھی مگر میں خود ہی نہیں گیا یا نہیں جاسکا۔ اس کے علاوہ میرے ہم جدی برادر منور عالم فاروقی کے پاس سرور الصدور کا نسخہ جسکی میں نے نقل کر لی تھی اسکے علاوہ ناگور میں چند حضرات کے پاس اس کے قلمی نسخہ جات موجود ہیں۔ پاکستان کے حیدرآباد سندھ میں اس فقیر کے خسر کے پاس بھی چند نسخے ہیں۔ فقیر کی نظر سے جتنے بھی نسخے سرور الصدور کے گذرے ہیں ان سب کا سنہ کتابت سو یا سوا سو سال سے زیادہ نہیں تھا مگر میرے پاس جو نسخہ سرور الصدور کا ہے اس کا سنہ ۱۰۶۰ھ ہے۔ اس سے قدیم ترین نقل فقیر کے دیکھنے میں نہیں آئی [1]

حضرت خواجۂ بزرگ رح ـــــــ آپکے خلفاء میں صرف تین نام ہی ملتے ہیں! خلیفۂ اول حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ ہیں جنکا انتقال اپنے پیرو مرشد کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، دوسری خلافت حضرت خواجۂ بزرگ اور قطب رح

---

[1] میلاد سے قبل محمد بن تغلق کے آخری عہد میں سرور الصدور کی تالیف ہو رہی تھی

[2] ایک سے زیادہ قلمی نسخے ناگور میں محفوظ ہیں

دونوں نے ملکر حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کو دی تھی لیکن بابا صاحب کو خلافت اولی حضرت قطب الدین سے پہونچی تھی اسلیئے آپ اُن کے ہی جانشین اور خلیفہ مانے جاتے ہیں۔ تیسری خلافت سلطان التارکین ابو احمد شیخ حمیدالدین سوالی ناگوری علیہ الرحمۃ کو ملی۔ یہ میدان ترک و تجرید کے ایسے یکّہ تاز تھے کہ خود خواجۂ بزرگ نے انھیں سلطان التارکین"، لقب مرحمت فرمایا۔ ــــــــ شیخ فریدالدین چاک پراں (سلطان التارکین کے پوتے) کی زندگی کے آخری ایام میں ۷۲۹ھ اور ۷۳۴ھ کے مابین آپ کی مجلس اور ملفوظات قلم بند کیئے گئے جس میں آپ نے اپنے دادا شیخ حمیدالدین محمد ناگوری کے ملفوظات بھی بیان فرمائے ہیں اور اسی کا نام سرور الصدور و نور البدور" ہے۔ سرور الصدور میں شیخ عزیز الدین کی روایات اور خود شیخ فرید الدین نے بھی اپنے مشاہدات و معلومات درج کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ حمیدالدین سوالیؒ نے حج بھی کیا تھا اور وہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین غریب نواز قدس سرہٗ کی خانقاہ میں امامت سے مشرّف تھے۔ خواجۂ بزرگ ان کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے تھے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص کچھ پوچھنے یا وضاحت طلب کرنے کیلئے آجاتا تھا اور خواجۂ بزرگ اسے شیخ حمیدالدین ناگوری کی طرف بھیج دیتے تھے۔ ایک بار خواجۂ بزرگ اجمیر کے قلعے میں تشریف فرما تھے۔ ایک درویش آئے اور انھوں نے پوچھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو ایک تارک دنیا میں پائی جانی چاہیں۔ حضرت خواجۂ خواجگان نے فرمایا "کہ شریعت میں تو صرف یہ ہیکہ جو کچھ خدا نے کرنے کا حکم دیا ہے اسے کرے اور جن باتوں سے باز رہنے کو کہا ہے اس کے پاس

نہ پھٹکے۔

ایسے شخص کو اگر تارکِ دنیا کہیں تو بے جا نہ ہوگا مگر طریقت میں نو باتیں اور ہیں، جبتک وہ پوری نہ ہوں کسی کو تارکِ دنیا نہیں کہا جا سکتا، پھر آپ نے حضرت شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کی طرف دیکھا اور فرمایا "تم اِن درویش کو "ترک" کے بارے میں تفصیل بتا دو اور لکھکر بھی دیدو تا کہ یہ کسی عالم خدا، کو دکھائیں اور پھر بہت سے مسلمانوں کو نفع پہونچائیں۔"

اب ان درویش کو شیخ ناگوریؒ نے بتایا کہ صوفیائے چشت کے نزدیک "ترک" کیا ہے۔ اوّل یہ کہ کسب نہ کرے دوسرے قرض نہ مانگے تیسرے اگر سات روز کا فاقہ ہو تب بھی کسی کے سامنے اپنا راز فاش نہ کرے اور اس سے مدد طلب نہ کرے، چوتھے یہ کہ اگر بہت سا کھانا یا روپیہ یا غلّہ یا کپڑا اسے ملجائے تو اگلے روز کیلئے کچھ بچا نہ رکھے، پانچویں یہ کہ کسی کے حق میں دعائے بد نہ کرے، اگر کوئی بہت ستائے تو بس اتنا کہے کہ یا اللہ! اپنے اس بندے کو راہِ راست دکھا دے، چھٹے یہ کہ اگر کوئی اچھا کام بن پڑے تو اسے اپنے پیر کی شفقت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور حق تعالیٰ کی رحمت جانے، ساتویں یہ کہ اگر کوئی بُرا فعل سرزد ہو تو اسے اپنے نفس کی رشومی) (نحوست) سمجھے، خود کو برے اعمال سے بچائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ تاکہ آئندہ وہ خطا پھر سرزد نہ ہو، جب اس منزل تک پہنچ جائیگا۔ آٹھواں مرحلہ یہ ہے کہ دن میں روزہ رکھے اور رات میں قیام کرے۔ نویں یہ کہ خاموش رہے اور صرف اُسی وقت کلام کرے جب حاجتِ اصلی ہو چنانچہ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہی ہے کہ بولنا حرام ہے اور خاموش رہنا بھی حرام ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہی بات بولے جس کا مقصد خوشنودیِ حق تعالیٰ کا حصول ہو،،

شیخ فریدالدین نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ (صوفی حمیدالدین) سے سُنا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:۔

ھاں! اے دلِ گرم بادم سرد لبساز ۔۔ با دیدۂ لعل و بارخ زرد لبساز

ترجمہ) خبردار! اے گرم دل ٹھنڈی سانس کے ساتھ موافقت کر ۔۔ سرخ آنکھ اور زرد چہرے کے ساتھ سازگاری کر

فریاد رسے چو نیست، فریاد مکن ۔۔ درماں چو نمی بینی، با درد لبساز

جب کوئی فریاد رس نہ ہو تو فریاد مت کر ۔۔ جب دوا نہیں دیکھتا ہے تو درد کے ساتھ نباہ کر

اور فرمایا کہ "شیخ جیو" (صوفی حمیدالدین) نے یہ اشعار بھی اکثر "خواجہ جیو" (خواجہ معین الدین) کو پڑھتے سُنا ہے۔

اے دل! غم آں مخور کہ فردا چہ شود ۔۔ زیرا کہ ہمہ خوشی وراں پے بشود

اے دل! اس بات کا غم مت کر کہ کل کیا ہوگا ۔۔ اسواسطے کہ اُس کے پیچھے خوشی ہوتی ہے

حکمے کہ بکرد است خداوند جہاں ۔۔ دانم چہ شود و اگر ندانم چہ شود

رب العالمین نے جو حکم کیا ہے ۔۔ اس کو جاننے سے کیا ہوگا اور نہ جاننے سے کیا ہوگا!

۵ رجمادی الثانی، ۷۲۷ھ کی مجلس میں شیخ فرید ناگوری نے فرمایا:۔

"شیخ بزرگ (صوفی حمیدالدین) قدس اللہ روحہ العزیز خواجہ جیو کی امامت بھی کرتے تھے جب خواجہ جیو اجمیر آئے تو اس وقت ایک ملک تھے جو خواجہ جیو کے مرید ہوگئے اور ایک کم عمر لڑکی خواجہ جیو کی خدمت میں بھیجی اور خواجہ جیو اس وقت میں سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُن کی عمر نوّے سال کو پہنچ گئی تھی۔ خواجہ جیو کے اس کم عمر لڑکی سے دو لڑکے ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک وقت (انھوں نے)

شیخ بزرگ صوفی سے پوچھا "حمید! یہ کیا بات ہے کہ جس وقت اُس جوانی میں جب
ہم مجرّد (مردِ بے زن) تھے، کوئی حاجت ہوتی تو دعا کرتے اور جلد ہی وہ دعا
قبول ہو جاتی مگر اِس وقت کہ بوڑھا ہو گیا ہوں اور لڑکے، بچے ہو گئے ہیں جس وقت
کہ کوئی حاجت ہوتی ہے اور بہت ہوتی ہے دعا بھی کی جاتی ہے لیکن بڑی دیر کے بعد
قبولیت ہوتی ہے اور حاجت پوری ہوتی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ شیخ بزرگ
صوفی نے کہا "یا شیخ! قصۂ مریم سے آپ کو بہتر روشن ہے۔ جس وقت کہ مجرّد (از زن
بے مرد) تھیں اس وقت بغیر انکے مانگے جاڑوں کا میوہ گرمیوں میں پہنچ جاتا تھا اور گرمیوں
کا میوہ جاڑوں میں آجاتا تھا کیونکہ ان کا دل یکسو تھا۔ جب عیسٰی علیہ السلام پیدا
ہو گئے اس وقت مریم علیہا السلام منتظر تھیں کہ ویسا ہی پہنچ جائیگا۔ فرمان
آیا کہ "وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ" (اور کھجور کی جڑ پکڑ کر
اپنی طرف ہلا)۔ چوں کہ ان کا دل اس کے ساتھ یکتا تھا ہم نے چاہا کہ روٹی کیلئے تو دو
دِل رہے۔"

شیخ ناگوری سے جب خواجہ جیو نے یہ سُنا پسند کیا۔

سرور الصدور سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں
(۶۰۷ھ - ۶۳۳) چالیس یاروں کا قافلہ ایک ساتھ دہلی میں آیا تھا۔ اُن میں سے
ہر ایک کو سلطان نے جائزہ (انعام) گراں دیا تھا۔ اُن میں شیخ نجیب الدین نخشبی
بھی تھے۔ انھوں نے اپنا حصہ کچھ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ دوستوں کی ضیافت
میں التمش نے انھیں اپنا منھ بولا باپ بنالیا تھا اور دہلی کی شیخ الاسلامی اُن
کو تفویض کی۔ اس لئے یہ دہلی میں رہنے لگے دوسرے احباب مختلف شہروں میں

جا کر بس گئے۔ حضرت شیخ معین الدین رحمۃ اللہ اجمیر میں تشریف لے آئے۔ جب شیخ نجیب الدین دہلی کے شیخ الاسلام تھے خواجہ بزرگ اُن سے ملاقات کیلئے دہلی تشریف لائے تھے اور شیخ حمید الدین بھی دہلی آیا کرتے تھے۔ ایک بار کہیں دعوت میں یہ سب بزرگ موجود تھے۔ شیخ نجیب الدین نخشبی، شیخ معین الدین اجمیری رح شیخ جلال الدین تبریزی رح اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی رح اور حمید الدین صوفی ناگوری اس وقت موضوعِ گفتگو یہ تھا کہ اس زمانے میں "شیخِ وقت" کون ہو سکتا ہے! اور کون ہے! سب اپنی رائے ظاہر کر رہے تھے۔ شیخ حمید الدین ناگوری نے کہا کہ اس زمانے میں "شیخِ وقت" "چیتل (پیسہ) ہے۔ سب حضرات کہنے لگے کہ شیخ! ہم سنجیدگی سے بات کہہ رہے ہیں اور تم مذاق میں جواب دے رہے ہو۔ شیخ ناگوری نے کہا کہ میں بھی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ اس زمانے میں جسکے پاس چیتل زیادہ ہوں وہی "شیخِ وقت" مانا جاتا ہے۔ اُن کا یہ پُر معنیٰ فقرہ سُن کر سب خاموش ہو گئے۔

شیخ حمید الدین صوفی نے ایک بار ۵ رجمادی الاول ۶۶۶ھ کو فرمایا کہ میرے تین[۳] پیر ہیں: ایک پیر ارادت[۱] حضرت شیخ خواجہ معین الدین اجمیری دوسرے[۲] پیر صحبت مولانا شمس الدین حلوائی تیسرے[۳] پیر خرقہ شیخ حمید الدین محمد غوثی رح لیکن اُنھیں حضرت خواجہ معین الدین غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خرقۂ ارادت

لہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۲۳ء یا اس کے بعد کا واقعہ ہے جب کہ ملتان پر مغلوں کی یورش کے بعد ہی بختیار کاکی رح دہلی پہونچے اور اس کے بعد جلال تبریزی رح بھی آ گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی زمانے میں حضرت خواجۂ بزرگ وطن کی طرف جا کے لوٹے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخِ وقت صوفی صاحب اجمیر سے دہلی آتے جاتے تھے۔ ۱۲ منہ

ملا تھا اور وہ تبرکات ان کے پوتے شیخ فریدالدین صوفی کے پاس محفوظ تھے۔
جمال الدین کلانی متصرف (حاکم) ناگور کو انھوں نے ایک کلاہ بھیجی اور اس کے ساتھ خط لکھا تھا " جو کلاہ کہ اس ضعیف کو شیخ (حمیدالدین رح) سے پہونچی ہے اور شیخ کو خدمتِ اجل (حضرت بزرگ) شیخ معین الدین سجزی قدس اللہ روحہما سے پہونچی ہے بھیجی جاتی ہے۔ چاہیے کہ پوری حرمت اور تعظیم کے ساتھ سر پر رکھیں اور دوگانہ (دو رکعت نماز) گذاریں اور جو مراد کہ دل میں آئے مانگیں۔ یقین ہے کہ اللہ کے فضل سے پائیں گے۔"

حضرت خواجۂ بزرگ کا خرقہ بھی شیخ فریدالدین تک پہونچا تھا۔ انھیں بیعت کرتے وقت یہ اقرار لیا تھا کہ: "درویشی کو دوست رکھونگا اور درویشوں کی خدمت کرونگا" پھر اپنا جبہ اُتار کر پہنایا اور کہا: "یہ شیخ معین الدین کا خرقہ ہے جو مجھے پہونچا تھا۔ تجھے پہناتا ہوں" اور اس ضعیف کو پہنایا۔

غرض یہ کتاب (سرور الصدور و نور البدور) حضرت خواجۂ بزرگ اور ان کے ایک جلیل القدر خلیفہ کے حالات و ملفوظات کا سب سے اہم اور قابلِ قدر مآخذ ہے۔ اس میں ایک کتاب شرف الانوار کا حوالہ بھی آیا ہے اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شیخ حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ کے ملفوظات پر مشتمل تھی اور فصل اور نوع کے عنوان سے مختلف فصول و ابواب میں تقسیم کر کے لکھی گئی۔ یہ اب ناپید ہو چکی ہے۔ اگر کہیں اس کا نسخہ دستیاب ہو جائے تو اس میں بھی حضرت خواجہ اجمیری رح

۱۔ پیر صحبت: اگر یہ صحبت غیر پیر ارادت سے ہو اور اس سے فائدہ حاصل ہو اس کو پیر صحبت کہتے ہیں۔ چنانچہ ایسی صحبت مشائخ کبار کو دوسرے مشائخ سے ہوئی اور فیض حاصل ہوا ہے۔ ۱۲۔ منہ (مناقب الحبیب) اردو صفحہ ۴۲)

کے بارے میں بہت قیمتی معلومات ملیں گی۔ اور یہ حضرت (اجمیری) کے حالات میں سرورالصدور سے بھی قدیم تر ماخذ ہوگی (تمام شد اقتباس بابت خواجہ اجمیری) ۱۲

(سرورالصدور ص۱۳)

یہ توصوفی حمیدالدین اور خواجہ معین الدین علیہما الرحمۃ والرضوان کے باہم رابطے کو پیش کرنے کے لئے سرورالصدور کے ماخذی حیثیت کو اجاگر کرنے کی بات تھی اب میں کتاب سرورالصدور کا تعارف پیش کرتا ہوں جس کے ایک ایسے نسخے کی نقل علی گڈھ یونیورسیٹی کی مولانا آزاد لائبریری (حبیب گنج کلکشن) میں محفوظ ہے۔ جو مولانا انوارالحق کاتب کے مقدمے سے مزین ہے۔ اور جسمیں صوفی حمیدالدین رح اور ان کے پوتے و جانشین شیخ فریدالدین چاک پراں رح کے ملفوظات مسمی سرورالصدور (اصل کتاب) کے ساتھ ساتھ چند ضمیموں یا تتموں یا تکملوں کا اضافہ ہے اور کل ملاکر اس سمو چے مواد کو فاضل کاتب نے مجموعہ کہا ہے۔

خان بہادر محمد انوارالحق حقی

محمد انوارالحق حقی صاحب، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح قادری کے پوتے یا نواسے، تھے۔ انھوں نے انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اپنے زمانے کے فاضل ترین استادوں کی شاگردی کا شرف حاصل کیا تھا اور حکومت انگریزی کی جانب سے خطاب خان بہادری سے نوازش یافتہ تھے۔ مقدمے میں صوفی حمیدالدین

۱۔ تین واقعات مندرجہ بالا جو صوفی صاحب ناگوری کو حضرت خواجہ صاحب اجمیری کے ساتھ پیش آئے یہ تینوں حضرت خواجہ حاجی محمد نجم الدین چشتی نظامی فخری سلیمانی (جھن جھنوں) نے اپنی کتاب مناقب الحبیب میں درج کیے ہیں۔

(سوانح عمری خواجہ معین الدین حسن سجزی ۱۳۲۲ھ) ۱۲ منہ

اور اُن کے خان دان کے بارے میں تمام متعلقہ مطالب کو یکجا جمع کر دیا ہے ایسے نسخے کی زیراکس کاپی کی مدد سے جو علامہ خلیق احمد نظامی کی بخشی ہوئی میرے پاس ہے میں کتاب سرور الصدور کا تعارف پیش کرتا ہوں۔ اصل نسخہ کاتب کو حضرت شاہ نجم الدین صوفی چشتی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین شاہ نور محمد متوطن قصبہ جھن جھنون علاقہ شیخاواٹی (راجستھان) سے حاصل ہوا تھا۔ کاتب نے اس مجموعۂ ملفوظات کا مطالعہ کر کے دیکھا کہ کتاب ہدایت واتباعِ شریعت کے وضع پر ہے تو اس نسخے پر مقدمہ ترتیب دیا اور مشائخ کے تاریخ ناموں میں ان بزرگوں کی ولادت یا وفات کی تاریخوں میں اور بعض سوانح کو درج کرنے میں جو سہو واقع ہوا ہے یا راویوں کی تحقیق قلت سے جو واقعیت سے دوری پیدا ہو گئی ہے۔ اس کو بھی دور کرتے گئے ہیں۔

یہ سرور الصدور کا مجموعہ ملفوظات تین سو انچاس ۳۴۹ اوراق پر مشتمل ہے جس میں تصوف کے چند رسالے مثلاً اصول الطریقت وغیرہ اور خطوط و عبارتیں اور ملفوظات متفرقہ مثل غزلیات و رباعیات "خاصہ" یعنی حضرت سلطان التارکین رح کی طبع زاد، شیخ فریدالدین محمود اور شیخ نجیب الدین ابراہیم فرزندان شیخ عزیز الدین سعید ابن حضرت تارکین کے مکتوبات اور ان کے علاوہ مدحیہ قصائد مرثیے اور سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ کے شجرے اور سلطان محمد تغلق کے چند فرامین اور احکام اور حضرت کے روضے کی بنیاد کی تاریخ اور اس کے علاوہ کچھ دعائیں اور عملیات اور مناجات وغیرہ درج ہوئی ہیں۔ آخر میں کتاب سرور الصدور کا متن ہے اس نوع سے کہ کل مجموعے کا ایک تہائی رسائل، مکتوبات وملفوظات پر مشتمل ہے اور

شیخ فریدالدین اور ان کے برادرِ عزیز کے مکتوبات اور دیگر متفرقہ عبارات دو تہائی صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

مجموعہ ملفوظات سرور الصدور کے مؤلف و جامع

مجموعے کے مؤلف نے اپنے نام نامی اسم گرامی کی کتابت تو نہیں کی ہے لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ کتاب کے مؤلف شیخ فریدالدین محمود کے کوئی ایک بیٹے ہیں غالباً شیخ محی الدین و شیخ قطب الدین ان دونوں میں سے ایک فرزند مؤلف ہو سکتے ہیں شیخ فرید کے مکتوبات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت انھیں دو فرزندوں کو لفظ "سیدی" سے مخاطب کرتے تھے۔ شیخ غوثی مانڈوی صاحب گلزار ابرار نے شیخ عزیزالدین ابن شیخ فریدالدین کو جو ان کے تیسرے فرزند تھے، سرورالصدور کا مؤلف لکھ دیا ہے مگر اسکی صحت میں تردد ہے۔ پھر پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی بھی غالباً غوثی کی پیروی میں عزیزالدین کو اپنی بعض تحریروں میں سرورالصدور کا مؤلف لکھ چکے ہیں۔ مولوی انوار الحق صاحب مقدمہ نویس کی اپنی رائے یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلد میں جامع و مدون ان رسالوں او مکتوبات کے شیخ فریدالدین محمود کے کوئی فرزندوں میں سے ہیں اور شاید کہ وہی (فرزند) سرورالصدور کے مؤلف اس مجموعے کے جامع بھی ہونگے۔ اگر بالفرض اس مجموعے کے مؤلف صاحب سرورالصدور نہ بھی ہوں تو بھی اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے کیوں کہ مؤلف بہرحال شیخ فریدالدین محمود کے کسی بیٹوں میں سے ہے۔ مگر وہ بیٹے بڑے بیٹے شیخ فریدالدین کے یعنی شیخ محی الدین نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس مجموعہ کا مؤلف و جامع وہ بیٹا ہے کہ جو سب فرزندوں

سے کم سن ہے یا جو سب فرزندوں سے زیادہ حاضر الوقت ہے۔ لہٰذا آخری کلام یہ ہوا کہ جامع و مؤلف شیخ فریدالدین محمود ناگوری کا کوئی بیٹا ہے۔ بزرگ ہو یا خورد۔ اور دونوں کے جامع ایک ہوں یا دو بھی ہو سکتے ہیں۔

(بالآخر نتیجہ مبہم رہا اور آخری فیصلہ نہ ہو سکا) یہ بھی جاننا چاہیئے کہ مؤلف نے سرور الصدور میں حضرت شیخ فریدالدین محمود کے افادات (تعلیم و تلقین) اور ارشادات کو ۷۲۳ ہجری سے ۷۳۴ (گیارہ سال) تک نقل کیا ہے (۷۲۳ ۱۳ تا ۷۳۳) شیخ فریدالدین بھی ۷۲۴ھ میں فوت ہوئے اور خود عیاں ہے کہ سرور الصدور کی تالیف اور ان ملفوظات اور مکتوبات کی تدوین (جمع کرنا) شیخ فریدؔ کی وفات کے بعد واقع ہوئی ہے۔ پس اس حساب سے اس کتاب کے سالِ تالیف کو اندازاً آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں شمار کرنا چاہیئے۔ البتہ چونکہ کتاب مرأت الاسرار سے رسالۂ عشقیہ کی عبارت اس مجموعے میں نقل کی گئی ہے تو اس کو اس مجموعے کے مؤلف کی طرف سے نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اس کیفیت کے زیرِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب مجموعہ کا اصل نسخہ اس خاندان میں آغاز تالیف میں ایک بیاض کے بطور تھا اور رسالوں اور سرور الصدور کی تالیف کے بعد جب جب کہ اشعار و عبارتِ سلطان التارکین اور مرثیے، قصائد وغیرہ جو کچھ فرزندوں اور پوتوں اور شیخ فریدالدین محمود کے عزیزوں کو ملتا گیا اس بیاض میں درج کرتے گئے اور کتاب سرور الصدور ضخیم ہو گئی یہی وجہ ہے کہ حسن ترتیب نہ رہا۔

آخر میں یہ جاننا ضروری ہیکہ اس مجموعے میں لفظ "خاصہ" سے مراد شیخ بزرگ کی نظم سے ہے اور "شیخ بزرگ" عبارت ہے ذاتِ حضرت سلطان التارکین سے۔

احوالِ تاریخی حضرت سلطان التارکین

اور ان کی اولاد و امجاد

آپ کا نام محمد ابن احمد ابن محمد ہے ۔ اور لقب حمید الدین سلطان التارکین سوالی صوفی سعیدی ناگوری آپ کی شہرت ہے آپ کے والد بزرگوار، جن کا نام احمد تھا جب فترتِ کفرہ (دو زمانوں کے درمیانی دور) یعنی عہد راجہائے راجپوت تو مریں لاہور سے دہلی آئے تو اس وقت ایک شخص، جو "مستعرب[1]" تھے اور بظاہر علم نجوم کے کافی ماہر تھے ۔ ان کی دختر سے عقدِ نکاح ہو گیا ۔ جب شیخ بزرگ ابھی ماں کے شکم ہی میں تھے ۔ لڑکی کے باپ نے اس کو جیسی خبر دی کہ بچہ لڑکا، ہوگا جس کا سینہ ابھرا ہوا ہوگا، اس کا آدھا بدن سبز ہوگا اور میرے مرنے کے بعد پیدا ہوگا ۔ ویسا ہی ہوا ۔ اور شیخ بزرگ پہلے بچے ہیں جو فتح دہلی ۱۱۹۳ء = ۵۸۹ھ دہلی کے بعد میں پیدا ہوئے تھے ۔ اس طرح شیخ بزرگ کی جائے پیدائش دہلی ہے ۔ جذبۂ حب الوطن میں بارہا آرزو کرتے تھے کہ دہلی جاؤں ۔ شیخ کی والدہ ماجدہ بڑی بزرگوار تھیں ۔ فرماتے تھے کہ جس وقت میں پیدا ہوا اگر اُن دنوں میں کوئی عورت میری والدہ سے بہتر ہوتی تو میں اس کے شکم سے پیدا ہوا ہوتا ۔

مولانا شمس الدین حلوائی رح شیخ بزرگ کے استاد تھے انھوں نے علوم شریعت و طریقت سے کمال درجے کا وافر حصہ تعلیم فرمایا جیسا کہ آپ کی تصنیف مثل رسالۂ اصول الطریقت وغیرہ سے ظاہر ہے ۔ حالانکہ حضرت حلوائی کے علاوہ شیخ

---

[1] مستعرب = عجمی جو عربی علوم کا ماہر ہو ۔ ۱۲ ۔

حمید الدین محمد خوئی اور خواجۂ بزرگ شیخ معین الدین حسن چشتی اجمیری ؒ سے بھی استفادہ فرمایا مگر دستِ بیعت خواجۂ بزرگ کو دیا۔

شیخ بزرگ کی حرم محترم اپنے زمانے میں بزرگی میں یکتا اور برگزیدۂ صالحات میں سے تھیں اور صاحبۂ کرامات۔ چنانچہ شیخ بزرگ نے اپنے پوتے سے خود فرمایا تھا کہ جس وقت میں نوشہ بنا تھا اگر کوئی عورت تمہاری دادی سے بہتر ہوتی تو میرا کارِ خیر اسی سے ہوتا امورِ خانہ داری اپنے ہاتھوں سے انجام دیتیں مثلاً دہی سے مکھن بلونا یا روئی سے سوت کات کر اپنے اور شوہر کے لئے لباس کی ضروریات پوری کرنا۔ ان بی بی خدیجہ کا جنھیں خلائق خدیجہ مائی کے نام سے جانتی ہے۔ مائکہ لاڈنوں تھا جہاں کے قاضی خاندان سے آپ تعلق رکھتی تھیں۔ والد فضیل احمد ہمدانی ان کے قوم سادات سے حضرت عین[۲] القضات ہمدانی کی اولاد میں سے تھیں۔ بی بی خدیجہ بڑی صاحب کرامت ہوئی ہیں ریاضت مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ ہفتہ میں ایک بار نیم کے پتوں سے روزہ افطار کرتیں حاجت مندوں کی دست گیری فرمائیں۔ ایک بقال بچہ ان کا منہ بولا بیٹا بنا ہوا تھا جس کے لئے فرمادیا تھا کہ نمک تیرا مال نہیں چھوڑیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شیخ بزرگ نے فرمایا کہ جس کسی کو حاجت ہو تو شیخ حمید خوئی یا چاک پیراں کی دادی کے روضے پر جاکر اپنی حاجت اللہ سے کہے۔ سبحان اللہ!

کرامات

حضرتِ شیخ حج بیت اللہ کے شرف سے بھی مشرف ہوئے ہیں اور اس سفر میں ان سے کرامات بھی ظاہر ہوئی ہے۔ دیگر کرامت

---

[۲] فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ فقیر نے لاڈنوں جاکر آپکی اولاد کا شجرۂ انساب دیکھا جس میں آپکا نام فضیل احمد ہمدانی ہے، پھر مائی صاحبہ کی حجرہ کی زیارت کی اور اس کے بعد قبرستان میں جاکر آپکے مزار کی زیارت کی۔ ایصالِ ثواب کرکے دیکھا آپکے تعویذ پر کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ کتبہ نہیں ہے۔ مزار جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ مرمت طلب ہے اللہ انکی قبر کو نور سے بھر دے۔

جواُن سے ظہور پذیر ہوئی وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی دستار کو باوجودیکہ ان کے فرزند شیخ عزیزالدین خواہش کرتے تھے اور درخواست بھی کی تھی لیکن شیخ نے ان کو نہ دی بلکہ ان کے منجھلے بیٹے یعنی اپنے پوتے شیخ فریدالدین محمود کو بخشدی اس وجہ سے کہ شیخ بزرگ کو خبر تھی کہ فرزند شیخ عزیزالدین ان کے سجادہ نشین نہ ہوسکیں گے۔ اور ایسا ہی وقوع میں آیا جب کہ شیخ عزیزالدین اپنے پدر بزرگوار کی حیات میں ہی وفات پا چکے تو بجائے ان کے بڑے فرزند شیخ وحیدالدین (وفات ۶۷۶ھ جمادی الآخر) کے شیخ بزرگ عزیزالدین کے دوسرے فرزند شیخ فریدالدین کے سر پر باندھ چکے تھے کیونکہ شیخ بزرگ برسبیلِ کرامت فریدالدین کے حسن لیاقت و قابلیت، استعداد اور طولِ عمر اور خداداد سعادت سے باخبر تھے۔ اور بہترین فضائل و کرامات شیخ بزرگ کے یہ ہیں کہ اپنے پیر و مرشد کی امامت کے شرف سے مشرف تھے اور خواجۂ بزرگ نماز ان کی اقتداء میں گزارتے تھے

کرامات کے بارہ میں صوفی صاحب نے اپنے مرید صلح الدین سے جو فرمایا وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کرامت کو حیض الرجال (مردوں کا حیض) اس لئے کہتے ہیں کہ حیض کو عورت پوشیدہ رکھتی ہے اسی طرح مرد اپنی کرامت کو پوشیدہ رکھتے ہیں تاکہ مردوں کے درمیان شرمندہ نہ ہوں۔ [1]

حضرت شیخ بزرگ نے عمر دراز پائی تھی۔ چنانچہ ایک وقت میں اپنی عمر کو اسّی سال شمار کیا تھا۔

آپ کی وفات انتیس ۲۹ ربیع الآخر کے دن واقع ہوئی جیسا کہ انکے

---

[1] مقدمہ در انوارالحق دہلوی سرورالصدور، ص ۳۳۲ –

پوتے اور خلیفہ شیخ فریدالدین محمود نے اس صراحت کے ساتھ بتائی ہے کہ یکشنبہ (اتوار)
۲۹ ماہِ ربیع الآخر عرس کا دن ہے۔ البتہ وفات کے تعین میں اختلاف ہے

حضرت صوفی، صاحب حمیدالدین علیہ الرحمۃ کا سالِ وفات مجموعۂ ملفوظات
میں ۶۷۳ھ چھ سو تہتر ہجری درج ہوا ہے۔ جو بعد کا اضافہ کتاب "مرأۃ الاسرار"
(۱۰۶۵ھ) سے ہے اس کو انوارالحق صاحب مقدمہ نویس سرورالصدور نے صحیح
مان لیا ہے اور سالِ وفات (۶۷۳ھ = ۱۲۷۴ء) کے حساب سے اور سالِ ولادت
۵۹۰ھ ماننے پر آپ کی عمر شریف لگ بھگ چوراسی ۸۴ سال کی بیٹھتی ہے۔ فقیر حقیر
تارک ناگوری کو اس سے اختلاف ہے کیونکہ شیخ بزرگ نے شعبان ۶۷۷ھ یا
اس سے قبل رحلت فرمائی تھی حاجی نجم الدین چشتی سلیمانی فتحپوری رح نے لکھا ہے
کہ کسی جگہ کتاب کے حاشیے میں شیخ فریدالدین چاک پیراں کے دست خط کے ساتھ
میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اَلاِثنَینَ (سوموار) اَلتَّاسِعَ وَالعِشرِینَ (۲۹)
مِن رَبِیعِ الآخِرِ ۶۷۷ھ سَبعٌ وَّسَبعِینَ وَسِتِّمِائَۃِ میں خدائے
بزرگ کے پاس رحلت فرمائی بعد از نماز عصر اور یہی صحیح ہے۔

چنانچہ بموجب اس روایت کے فتح محمد عباسی ناگوری اور ارشد محمد عباسی
ناگوری کی نظم تواریخ آنحضرت میں اشعار و نظم کی روپ میں جو بیاض فارسی
قلمی ارشد محمد عباسی بیاض کا سنہ شہر ربیع الاول ۱۱۱۶ھ ہجری تمام یافت
راقم ارشد عباسی صفحہ ۲۲۲ ملاحظہ فرمائیں۔ نظم اول فتح محمد عباسی ناگوری

ای شاہِ تارکین کہ توئی واصلِ خدا
بر نام پاک تو بکنم جان و دل فدا

یعنی عدد تارکین : چھ سو اکیاسی ہوتے ہیں۔ اس عدد سے چار کا عدد جو حرف دال ہے دور کرنے سے سالِ وفات (آپکی رح) چھ سو ستہتر نکلتی ہے ۔

اے شہسوار معرکہ قرب ایزدی	مسند نشین ملک شرائع محمدی
مقبولِ ہر دو عالم و محبوب ذوالجلال	مطلوب جن وانس باعظمت و کمال
از لطف خویش بر من مسکین نظر کنی	وار لوح سینہ حادثہ و غم بدر کنی
امداد کن کہ از سر لطفت شوم قبول	مشغول ذکر باشم و بے خاطر ملول
فتحی زجانست معتقد خاندانِ تو	باشد قدیم مخلص بارو دمان تو
فتحی زسالِ فوت تو تاریخ تارکین	بنما عدد ز ہجرت تا ایں زماں یقین
پر شد اگر کسے ز تو تاریخ سال را	از تارکین ترکِ دہی حرف دال را

پس اعداد تارکین شش صد و ہشتاد و یک می شود از یں جملہ چہار کہ عدد دال است دور کن۔ تاریخ گوئی کا یہ طریقۂ تخرجہ کہلاتا ہے۔ تارکین کے اعداد ۶۸۱ ہوتے ہیں۔ ان میں سے دال کے چار اعداد نکال دیئے تو ۶۷۷ باقی بچتے ہیں یہی سن وفات حضرت سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ۔

نظم دوم (ارشد محمد عباسی ملاحظہ فرمائیں)

زہی سلطان ملکِ ترک و تجرید	کہ قطب و مرشد راہِ خدا بود
ز دنیا تارک و فارغ ز عقبیٰ	جہاں معتقدی او مقتدی بود
حمید الدین صوفی و سعیدی	سعید انتہا، وابتدا بود
دلش مایل نشد ہرگز بہ دنیا	بحق واصل زغیر حق جدا بود
ملقب زاں بہ سلطان تارکین شد	کہ محفل زعشق وصل حق گدا بود

مقام منتہائی دیگرانش بفضل حق مقام مبتدا بود
دلم را بہر سال نقل ایشاں شد الہام ایں کہ محبوب خدا بود
اگر می گفتم اہل زہد و تجرید بگوش دل ہم از ہاتف ندا بود
شمار می گرفتم از رہ عشق ز غیبم نیز در باطن خدا بود

محبوب خدا ۶۷۵ھ اہل زہد و تجرید ۶۷۵ھ رہ عشق ۶۷۵ھ سن وفات سلطان التارکین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ۔

دوسری قلمی دلیل شجرۃ الابرار۔ قلمی فارسی کے ص ۱۳ھ پر عزیزالدین صاحبزادۂ کلاں کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یوم دوشنبہ بست و دویم رجب المرجب وقت ضحٰی در ۶۷۶ھ ششصد و ہفتاد و شش ہجری وفات یافت۔ مرقد ایشاں برابر قبر پدر خود است۔

مناقب التارکین فارسی قلمی میں سرور الصدور کے حوالے سے ص ۱۰۹ پر بڑے پوتے شیخ وحیدالدین ابن عزیزالدین ابن صوفی حمیدالدین رح کی وفات بتاریخ شب یازدہم ماہ جمادی الآخر در شب جمعہ بعد نماز عشاء در ۶۷۶ھ میں ہوئی صاحب اخبار الاخیار نے ۶۷۳ھ جو لکھا ہے وہ بھی سہو پر مبنی ہے۔

رسالۂ اصول الطریقت، تصنیف صوفی حمیدالدین کی کتاب کے آخری صفحہ ۳۰۲ پر خود اپنی قلم سے تحریر فرما رہے ہیں جس کی عبارت یہ ہے۔

۶۷۳ھ میں صوفی حمیدالدین رح حیات تھے

ترجمہ	فارسی
عرض کرتا ہے بندۂ ضعیف محمود بن سعید	تمّ ھٰذَ الکتبُ المسمّٰی باُصولِ

الطریقۃ بعون اللّٰہ وحُسنِ تو
فیقہ یقول العبد الضّعیفِ محمود
بن سعید بن محمد الصوفی الملقّب
بفرید قران اصول الطریقۃ من
تالیفِ شیخی وجدّی واستاذی
قطب المشائخ استاذ السالکین حمید
الملّۃ والدّین قدوۃ الواقفین فی
بحارِ عظمۃ الفانی من صفات
البشریّۃ الباقی باوصافِ الرُّبُوبیّۃِ
محمد بن احمد بن محمد الصوفی
السعیدی اوصل اللّٰہ برکات
انفاسہٖ الیٰ کافّۃِ المسلمین من
اوّلہٖ الیٰ آخرہٖ بخدمتہٖ واجالی
بجمیع ما فیہِ وذالکَ فی الثّامنِ
من ذی القعدۃ سنہ ثلثَ و
سبعین وستمائۃ حامداً و
مُصلّیاً ہ قرأ علی واستجاز علی
روایتہٖ فاجزتہٗ حین وثقتُ
علی درایتہٖ کتبہٗ محمد بن

ابن محمد صوفی لقب جس کا "فرید" "قران"
(ہمعصروں میں یکتا) ہے یہ کتاب جس کا
نام اصول الطریقت ہے، جو کہ پڑھنے کے
قابل ہے۔ میرے شیخ اور میرے دادا اور میرے
استاذ کی تالیف میں سے ہے۔ جو مشائخ کے
قطب، سالکین کے استاذ، ملت اور دین
کے سراہے ہوئے۔ عظمت کے دریاؤں
میں واقف کاروں کے پیشوا، بشری نقائص
کو دور کرنے والے، ربوبیت کے اوصاف
کے ساتھ باقی رہنے والے یعنی محمد بن احمد
بن محمد صوفی سعیدی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان
کے نفوس کی برکتیں تمام مسلمانوں تک
پہنچائے۔ یہ کتاب اول سے آخر تک
آپکی خدمت میں پڑھی گئی اور آپ نے
مجھے ان تمام چیزوں کی اجازت دی جو کچھ اس
کتاب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔
اور یہ واقعہ ۸ ذی قعدہ ۶۷۳ھ میں پیش
آیا۔ (اجازت نامۂ سلطان التارکین صوفی
حمید الدین) حامداً و مصلیاً ہ یہ کتاب

احمد ابن محمد الصوفی السعیادی الملقب بحمید سنه ثلث وسبعین وستمایة ہ خدمت مخدوم شیخ ادام الله برکات انفاسه روز چهارشنبه هژدهم ماه ذی القعدة سنه ثلث وسبعین وستمایة فرمود که این کتاب از مَن بتو امانت است زنهار نخواهم که کسی را بدهی ویا بنمائی بارها این سخن فرموده اند که نیکو نگاه داری وکسی را ننمائی که این کتاب را پیشوا کنند ودنیا را بگیرند و طمعه سازند ہ

رسالہ اصول الطریقۃ خطی نسخہ

ص ۳۰۲

اس نے میرے سامنے پڑھی اور اس نے مجھ سے اس کی روایت کی اجازت طلب کی پس میں نے اجازت دی جب اس کی درایت (عقل) پر وثوق کرلیا۔ اس کی کتابت محمد ابن احمد ابن محمد صوفی سعیاری نے کی جس کا لقب حمید ہے، ۶۷۳ھ میں۔

میں مخدوم شیخ کی خدمت میں رہا (اللہ تعالیٰ ان کے نفوس کی برکتیں دائم رکھے) بروز چہارشنبہ ماہ ذی قعدہ کی اٹھارہ تاریخ ۶۷۳ھ میں فرمایا کہ یہ کتاب میری جانب سے تجھکو بطور امانت دے رہا ہوں میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہر کسی کو تو دیدے یا دکھادے آپ نے بار بار اس جملہ کو دہرایا ہے کہ اس کتاب کو باحفاظت رکھنا اور کسی کو نہ دینا اور نہ دکھانا کیوں کہ نااہل لوگ اس کتاب کو رہنما بنا کر دنیا کے طلبگار بنیں گے اور لالچ کرنے لگیں گے

(رسالہ اصول الطریقت خطی نسخہ ص ۳۰۲)

آپ کا مزار مقدس ولایت ہے جو آستانہ صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے
قریب درخت انگیرن کے پیڑ کے نیچے ہے۔ جب آپ کے بڑے لڑکے عزیز...
اور آپ کے بڑے پوتے وحید الدین بقول آپ کے زندگی میں ہی انتقال فرما گئے۔
اس کے بعد آپ کا وصال ۶۷۳ھ میں ہوا یہی صحیح ہے۔ آپ کے جنازہ کی نماز آپ
کے پوتے شیخ فرید الدین نے پڑھائی۔ حضرت صوفی حمید الدین ۵۸۳ھ میں پیدا
ہوئے ۶۷۳ ہجری میں انتقال فرمایا اس لحاظ سے آپ کی عمر شریف ۹۰ سال
کی ہوئی اور یہی صحیح ہے۔

کتاب تذکرۂ حضرت سلطان التارکین خواجہ صوفی حمید الدین چشتی فاروقی ناگوری
رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۵ پر صوفی ریاضت علی چشتی نبیرۂ صوفی حمید الدین درگاہ شیخ جی حالی اردو
شریف حیدرآباد۔ اے پی لکھتے ہیں کہ جب صوفی حمید الدین کی میت کو غسل دیا گیا تو
تمام حاضرین نے دیکھا کہ حضرت کی پیشانی مبارک پر بخطِ نور لکھا ہوا تھا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ
عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ ترجمہ :۔ تم میں بزرگ ترین خدائے تعالیٰ کے نزدیک
وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔ اور بخطِ سبز تین سطروں میں سینۂ مبارک

سرور الصدور سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی وفات سے باخبر تھے فرید الدین چاک پراں سرور الصدور میں
تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز شیخ بزرگ ملول بیٹھے ہوئے تھے یارانِ طریقت اور خلفاء آپکے ارد گرد
جمع تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرا قالب بے روح ہو جائے تو تجہیز و تکفین میں تاخیر کرنا یہ سنکر
سب کو تعجب ہوا کیونکہ اتباعِ سنت میں عجلت کرنا آیا ہے۔ بعد توقف کے فرمانے لگے اس وقت
میری روح قالب چھوڑ کر عالم بالا کو چلی جاتی ہے اور دیر میں واپس آتی ہے۔ اس کے کچھ عرصے
بعد جب آپکو مرض الموت لاحق ہوا تو شیخ فرید نے عرض کیا کہ بابا اس وقت آپکے جسم کو بے روح

پر لکھا ہوا تھا۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

ترجمہ:۔ اور اس نے اپنے نفس کو خواہش نفسانی سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور

خدائے تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ ۝

ترجمہ:۔ حبیب کو حبیب (خدائے تعالیٰ) تک پہنچاتا ہے۔

ناگور شریف راجستھان میں آپ کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ اور ہر سال ۲۸ ربیع الثانی تا ۴ جمادی الاول عرس مبارک منایا جاتا ہے۔ جس میں ہزاروں آدمی شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ کی مزار مبارک کا غلاف آپ کی مزار پر چڑھانے کیلئے ہر سال اجمیر سے آتا ہے اور اس چادر شریف کا جلوس شاہجہانی مسجد سے شروع ہو کر درگاہ شریف جاتا ہے۔ [۱]

روضۂ متبرک شیخ بزرگ علیہ الرحمۃ والرضوان

روضۂ متبرک حضرت صوفی حمید الدین کا جو شہر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ ایک وسیع احاطہ پر مشتمل ہے جس کا دروازہ نہایت بلند اور مستحکم ہے جو قابل دید ہے۔ اور عمارت احاطہ کی تکمیل بنیاد کی تاریخ پندرہ ماہ شعبان سنہ سات سو

---

[۱] تذکرہ حضرت سلطان التارکین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۵ مطبوعہ حیدرآباد دکھن۔

دی جنرل آف دی الیشوری پرشاد انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری جنوری ۱۹۸۰ء پارٹ II والیم II الہ آباد ص ۱۲ مطبوعہ

حاشیہ بقیہ ص: پایا جائے تو تاخیر کیجائے یا عجلت؛ فرمایا وہ بات اور تھی اب بات کچھ اور ہے میرے انتقال کے بعد تکفین و تدفین میں عجلت کرنا۔ (سرور الصدور ص ۳۲۶)

تیس ۳۰ ہجری = ۱۳۳۹ء بعہد سلطان محمد بن تغلق مقدمہ میں درج ہے۔ تعمیر دروازہ
جیساکہ سرخ روشنائی سے فرمانِ تغلق کے عنوان میں درج ہے۔ یا تعمیر مقبرہ جیساکہ
فرمان کی عبارت میں ہے یہ بھی بحکم سلطانِ مذکور ناگور کے محصول سے ہوئی ہے۔ اس
کا سنہ ۷۳۲ھ ۱۳۳۱ء ہے۔ فرمان کے عنوان میں دروازہ اور اسی فرمان کی عبارت میں
"مقبرہ" کا لفظ حکومت سلطانی کے دیوان (محکمہ سررشتہ) کا نقص تحریر ہو سکتا ہے
جس سے بعض لوگوں کو اس مبہم طرزِ تحریر سے وہم لاحق ہوا ہے۔ اور دروازہ و مقبرہ
کو دو الگ الگ تعمیرات سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ سرے سے حضرت سلطان التارکین
کی قبر پر کوئی مقبرہ ہے ہی نہیں وہ تو آسمانی سائبان کے نیچے آسودہ خاک ہیں
لہٰذا عنوان کے دروازے اور عبارت کے مقبرے سے ایک ہی عمارت مراد ہوئی۔
اس سے بھی بڑی غلط فہمی اخبار الاخیار کا تصریح یہ اندراج ہے کہ شیخ
حمید الدین کے روضے کے دروازے کی عمارت خواجہ حسین ناگوری رح کی بنوائی ہوئی ہے
حالانکہ سرور الصدور کے مقدمہ نویس حضرت مولوی محمد انوار الحق حقی قادری نے اس بیان
کو صحیح مان لیا ہے اس بناء پر کہ اصل عبارت فرمانِ فارسی میں (جیساکہ اوپر عرض
کیا گیا) حکم عمارت دروازہ مذکور نہیں ہے بلکہ 'مقبرے' کا لفظ آیا ہے۔ لہٰذا
فقیر کی رائے میں عبارت میں 'مقبرے' سے مراد چہار دیواری ہے۔ لہٰذا یہ ہوا کہ
دروازے کی عمارت شیخ حسین ناگوری رح کے ہاتھوں کی ہے۔ چونکہ مخدوم حسین رح
ناگوری سے مقبرے کو بھی منسوب کر دیا گیا ہے۔ حضرت صوفی حمید الدین کے مقبرے
(قبر) کے ارد گرد سنگِ مرمر کے بنے ہوئے کٹہرا یعنی احاطہ سید محمد بخش
ابن سید محمد عاشق محمد ناگوری نے بتاریخ ہشتم جمادی الاول ۱۳۳۷ ہجری (

میں بنوایا نہ کہ خواجہ حسین رح ناگوری نے ۔ خواجہ حسین رح ناگوری کی وفات ۹۰۱ھ ہجری میں ہوئی سنِ پیدائش کہیں نہیں لکھا ہم قیاس سے انکی عمر ایکسنو سال کی مان لیتے ہیں گویا سن ۸۰۰ھ ہجری اور بلند دروازہ ۷۳۳ھ میں مکمل ہوا گویا کہ بلند دروازہ بننے کے ۶۸ اڑسٹھ سال بعد خواجہ مخدوم حسین ناگوری پیدا ہوئے ۔ خواجہ حسین رح ناگوری کی پیدائش سے اڑسٹھ ۶۸ یا سرسٹھ ۶۷ سال قبل ہی بلند دروازہ اور اس سے ملحق چہار دیواری احاطہ بن چکے تھے ۔

رہا سوال دروازے کا تو فرمان سلطانی کی تائید کتبۂ شاہی سے ہورہی ہے جو دروازے کی اوپری منزل پر چند سال قبل دریافت ہوا ہے ۔ لہٰذا اب یکی طور پر تصدیق ہو گئی کہ دروازہ سلطان محمد تغلق کے حکم سے بنوایا ہوا ۔ آٹھویں صدی کی تعمیر ہے ورنہ ابھی تک یورپین ماہرین فن تعمیر بھی مانتے چلے آئے تھے کہ دروازے کی تعمیر سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں

---

۱ مقدمہ از انوار الحق میں ۱۳۲۹ء = ۷۳۰ھ کے سنہ کا ماخذ کیا ہے ۔ پتہ نہیں لگا

۲ پرسی براؤن : اسلامک آرکی ٹکچر ہسٹری ۔ اینڈ آرکی ٹکچر آف ناگور ۔ (فقیر حقیر کی صحیح تحقیق یہ ہے ۔) ۳ اخبار الاخیار جدید ترجمہ ۔ کراچی میں خواجہ حسین ناگوری رح کا سنِ پیدائش ۷۹۰ھ ۱۳۹۰ء اور سن وفات ۹۰۱ھ ۱۴۹۵ء لکھا ہے ۔ عیسوی سن کے حساب سے آپ کی عمر ۱۰۵ سال کی ہوتی ہے اور ہجری سن کے حساب سے ۱۰۸ سال ہوئے بلند دروازہ تغلق بادشاہ نے ۷۳۳ھ میں بنوایا ۷۹۲ھ سے ۷۳۲ نکال دیں تو باقی ۶۰ بچے گویا بلند دروازہ بننے کے ۶۰ سال بعد خواجہ حسین ناگوری پیدا ہوئے ۔ اس سے قبل کبھی فقیر یہ فرق تحریر کر چکا ہے ۱۲۲۲ء - ۷۳۳ھ سے لیکر ۹۰۱ھ تک ۱۶۸ اسال ہوتے ہیں ۔ اتنی عمر آپ کی ہونا بعید از قیاس ہے ۔ اخبار الاخیار مترجم اقبال الدین

۴ کراچی ص ۔ ۳۲۲

شروع ہوئی اور اُس تعمیر میں اضافہ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہوا اور تکمیل مخدوم حسین ناگوری نے فرمائی۔ محراب کتبے اور فرمان سے مکمل تردید ہو گئی کہ دروازہ نہ التمش کی تعمیر ہے نہ شیخ حسین ناگوری کی بلکہ سلطان محمد تغلق کی ہے۔

القاب سلطان التارکین، سوالی، صوفی، سعیدی فاروقی،

نسب شریف حضرت شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ مجموعہ ملفوظات میں سوائے والد اور دادا کے کچھ بھی درج نہیں ہے۔ لقب سلطان التارکین بھی مجموعے میں درج نہیں ہے لیکن اخبار الاخیار، اور سیر العارفین وغیرہ کے بارے میں بقول حضرت حاجی نجم الدین فتحپوری رح (مناقب التارکین سوانح حضرت صوفی علیہ الرحمۃ: ص ا تا ۳) ایک دن حضرت خواجہ بزرگ پیر و مرشد اُن کے، نے خوشی کی حالت میں حاضرین سے پوچھا کہ جو چاہتے ہوں کہیں کہ قبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ کسی نے دنیا اور کسی نے عقبیٰ کی درخواست کی، شیخ حمید الدین نے عرض کیا کہ بندے کی کوئی خواہش نہیں ہے جو کچھ چاہیں مولا تعالیٰ چاہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار نے عرض کیا کہ بندے کو اختیار نہیں ہے جو حکم ہو آپ کو اختیار ہے۔ خواجہ بزرگ نے اس پر فرمایا "التارک من الدنیا والفارغ عن العقبیٰ الواصل بالمولیٰ سلطان التارکین حمید الدین صوفی" اس طرح اُس روز سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہوا مولوی انوار الحق فرماتے ہیں کہ حضرت کے ترک و تجرید و زہد و تفرید کو نظر میں رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر سلطان السلاطین التارکین آپ کی شان میں کہا جائے

تو مستحسن و بجا ہوگا۔

حضرت کے سوالی لقب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سوالی نام کا کوئی موضع ہے ناگور کے قریب میں جہاں ایک دو بیگھا زمین میں اپنے ہاتھوں سے جوت کر کھیتی کرتے تھے۔

(اخبار الاخیار) اور سیر العارفین میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے نقل کیا ہیکہ آپ موضع سوالی میں رہتے تھے جہاں ایک ندیؔ کے کنارے دسؔ جریب (بیگھا) زمین ایکی تھی وہاں بیلچہ (کدال) کے ذریعے زمین کو کھود کر سبزی (ساگ پات) اُگاتے تھے۔ اس فقیر حقیر کا کہنا ہیکہ راقم الحروف کا خاندان ساڑھے سات سَو برس سے ناگور میں آباد ہے سوال یا سوالی نام کا کوئی گاؤں سننے میں نہیں آیا البتہ جس جگہ کاشت کی زمین صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تھی وہ موضع بھاکلی کے نام سے آج موجود ہے جہاں ایک سنگ مرمر کے پتھر پر حضرت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اسی سے ملحق ایک چھپّر پوش کچی دیواروں کا کمرہ چند سال قبل تک بنا ہوا تھا جس کو شہید کر کے گاؤں کے کھیجی چوہان قیام خانی ساکنوں نے اسی جگہ ایکا خوشنما کمرہ بنوا کر اور اس نماز گاہ کے پتھر کو چہار دیواری کی شکل میں بطور زیارت گاہ محفوظ کر لیا ہے۔ زمین میں سبزی اُگاتے ہوں یا غلہ مگر قریب اس کے کسی ندی نالے کا نام و نشان بھی نہیں ہے ہاں ایک تالاب ضرور ہے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تالاب اُس وقت کا ہے یا بعد کا ہے۔ اب وہ زمین بھی صوفی صاحب کے کسی اہل خاندان کے قبضے و تصرف میں نہیں ہے بلکہ دوسرے لوگ اس پر ہل چلاتے ہیں اور کاشتکاری کر رہے ہیں۔

صا ندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں ایک چھوٹی سی تلائی ضرور ہے۔

دوسری وجہ 'سوالی' لقب ہونے کی کاتب الحروف کے سمجھ میں یہ آتی ہے کہ حضرت صوفی صاحب نے اپنے تصنیف کردہ رسالوں میں سوال و جواب کا طرز، مطالب کو ذہن نشین کرانے کیلئے اختیار کیا ہے۔ زبانی گفتگو میں بھی مخاطب سے پے در پے سوال کر کے اُنھیں لاجواب کر دیتے تھے جیسا کہ حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا سہروردی ملتانی کے ساتھ کے مکالمے کی روایت میں آتا ہے جس کا ذکر آگے کسی جگہ آئیگا انشاءاللہ!

حضرت سلطان التارکینؒ کے لقب حمیدالدین سے قبل جو 'صوفی' کا لفظ آتا ہے وہ شجرہ خاندان میں حضرت والا کی اوپر کی پیڑھیوں میں کئی پشت کے نام ہائے نامی و اسمہائے گرامی کے پہلے لگا ہوا چلا آتا ہے۔ اور سرورالصدور کے مجموعے میں حضرت کے نیچے بھی نسلاً بعد نسلٍ چلکر متروک ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے حمیدالدین نام کے سات آٹھ بزرگ ناگور میں گذرے ہیں جنمیں ایک بزرگ حمیدالدین خوئی آپکے پیر خرقہ بھی ہیں۔ البتہ دو نام مشہور و معروف یعنی قاضی حمیدالدین ناگوری اور صوفی حمیدالدین ناگوری میں فرق کرنے کے لئے اول الذکر کے آگے "قاضی" کی پہچان اور مؤخرالذکر کے آگے "صوفی" کی پہچان لگانے سے گوینده (کہنے والے) اور شنوا (سننے والے) دونوں کو سمجھنے میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت کو سعیدی کہنے کی وجہ شیخ نجم الدین چشتی سلیمانی کے مطابق یہ ہے کہ "شیخ سعیدی محمود' نام آپکے بزرگوں اور اجداد سے پانچ پشتوں تک مشہور و معروف رہا ہے جیسا کہ سیرالعارفین میں شیخ جمالیؒ نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ حمیدالدین محمد احمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت شیخ سعید بزرگ حضرت امیرالمومنین عمر ابن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی اولاد میں ہوئے ہیں اس لئے آپکو

سعیدی کہا جاتا ہے ۔ یہ جو اخبار الاخیار وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن زید
کی اولاد میں سے ہیں جو عشرہ مبشرہ (دس جنتیوں) میں سے ہوئے ہیں اس لیے سعیدی
کہلاتے ہیں محض غلط ہے ۔ اور جو لوگ سعید بن زید عشرہ مبشرہ سے ان کو منسوب کرتے
ہیں وہ بات غلط، فاحش، لا اعتبار ہے ۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ دور کیوں جائیے لقب
فاروقی تو سردر الصدور ہی میں موجود ہے ۔ اس سے آگے شیخ نجم الدین رح سیر العارفین ۱۳۰ھ
گلزار ابرار اور مخبر الاولیاء کا حوالہ اپنے حق میں دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اولادِ شیخ کبیر الدین
احمد آبادی نبیرہ حضرت سلطان التارکین اور اولاد شیخ یحیٰ مدنی میں قرابت قدیم زمانے سے
رہی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں کتاب مناقب المحبوبین حاجی نجم الدین فارسی کا اردو ترجمہ
چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد پاکستان) مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی صفحہ ۶۵۲) میں لکھتے
ہیں کہ بی بی راجی مراد بخت نام دختر شیخ فتح محمد بن شیخ احمد بن شیخ جمال الدین المخاطب
بہ شمس خاں بن شیخ اشرف محمد المخاطب بہ ظہیر خاں کہ یہ دونوں باپ بیٹے سلاطین
گجرات میں وزارت کے منصب رکھتے تھے ۔ اور حضرت سلطان التارکین کے فرزندوں
میں تھے ۔ بی بی مذکورہ شیخ رکن الدین احمد بن شیخ عبد الرشید مودود لالہ چشتی فاروقی نبیرہ حضرت
شیخ یحیٰ مدنی علیہ الرحمۃ کے ساتھ منسوب ہوئیں پس تحقیق ہوا کہ حاجی نجم الدین رح، شیخ
فاروقی ہیں اور سعیدی اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے جد شیخ سعید نام کے تھے جو ولی کامل
تھے اور صاحب خانقاہ ۔

فقیر کہتا ہے کہ مخبر الاولیاء ایک قدیم غیر مطبوعہ معتبر کتاب ہے ۔ لہٰذا مخبر الاولیاء کے
مؤلف رشید میاں گجراتی احمد آبادی، یکے از اولادِ شیخ یحیٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو صوفی صاحب
کے نسب کا جو حال معلوم ہوگا دوسروں کو نہیں ہو سکتا ۔ پس شیخ عبد الحق محدث

رحمۃ اللہ علیہ نے جو لفظ سعیدی کو سعید بن زید سے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں منسوب کیا ہے
بے تحقیق ہے (مناقب التارکین ص ۴-۵) (شجرۃ الابرار ص ۴۹۸)

مزید تحقیق فقیر کی ملاحظہ فرمائیں طبقات ناصری جلد دوم ص ۱۷۱ میں
مصنف منہاج سراج رقم طراز ہیں۔

شجرہ عشرہ مبشرہ اولادِ نفیل

خطاب	عمر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشر	زید
زید اصغر بنت ام کلثوم ابن جرول	سعید عشرہ مبشرہ
سعید	شاخ دوم
شاخ اول اولاد صوفی حمید الدین رح	
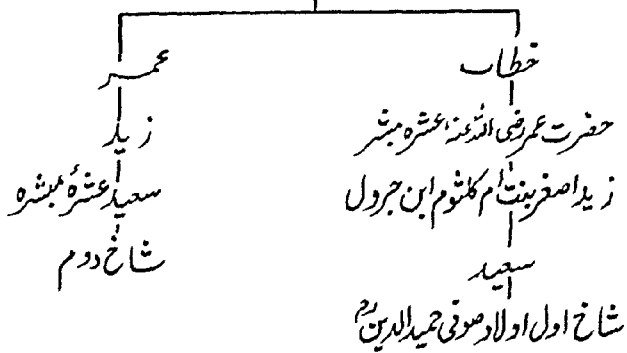
(۱) طبقات ناصری جلد دوم ص ۱۷۱ (۲) بحر الانساب ص ۷۳-۷۵ (۳) اشجار الجمال قلمی فارسی ص ۱۰۵ (۴) از کتاب فارسی نسب نامہ سرور انبیاء علیہ السلام ص ۸ (۵) از رسالہ انساب خواجہ مخدوم حسین ناگوری (۶) از کتاب تذکرۃ الانساب ص ۱۹-۲۰ (۷) کنز الانساب ص ۱۳۴ (۸) رسالہ عبد النبی کی شرح تاریخ مصطفوی ص ۳۲-۹۱ (۹) تاریخ طلوع سے غروب ص ۲۶۸ (۱۰) حیات قاسمی المعروف شیخ جی حالیؒ ص ۷۰ (۱۱) معین الاولیاء ص ۲۷ (۱۲) شجرۃ الابرار ص ۵۰۷ (۱۳) مناقب التارکین ص اول سوم (۱۴) سعد الاخبار حصہ دل ص ۳۲ (۱۵) مرأۃ الانساب ص ۳۷ (۱۶) گلزار وحدت ص ۳۱۳ (۱۷) شجرۃ الابرار ص ۵۰۷-۵۰۸ (۱۸) تاریخ طبری جلد سوم ص ۲۳۷ بیر بھی

زید اصغر ابن ام کلثوم بنتِ جرول خزاعی لکھا ہے۔ (۱۹) تاریخ عمر بن الخطاب: تالیف جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی ص ۲۳۴۔ (۲۰) الفاروق عمر مؤلفہ محمد دین ہیکل ص ۳۵ (۲۱) المعارف الابن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ ص ۷۹۔ مطبع اسلامیہ، مصر الازہر

نسباً فاروقی ہونے میں مزید کتب کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے مگر بوجہ طوالت فقیر اسی پر اکتفاء کرتا ہے۔

ذکرِ شیخ عزیز الدین سعید رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلطان التارکین کے فرزند کبیر ہیں، صاحب معارف و جذبات و خداوند زہد و ریاضت اپنے والد ماجد شیخ بزرگ کے حین حیات میں انتقال فرمایا۔ آپکی وفات کا قضیہ اس طرح ہے۔ کہ لیلۃ الرغائب یعنی ماہ رجب کی پہلی شب جمعہ کو نماز عشاء کے بعد قوال سماع کر رہے تھے اور یہ بیتیں کہہ رہے تھے۔ مناقب التارکین ص ۱۰۴ شجرۃ الابرار ص ۵۱۳ پیر حاجی نجم الدین لکھتے ہیں کہ قوال یہ غزل جو تصنیف سلطان التارکین ہے پڑھ رہے تھے

مست شدی جستن خمار چیست	پست شدی گفتن اسرار چیست،
جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ	فائدہ گفتن بسیار چیست
آنکہ بدل معتکف دیر شد	تراکہ بدی بستن زنار چیست
آنکہ بجان بستۂ جاناں بود	مونس او جز رخ دلدار چیست
بے سبب جاں چو بہ دلبر رسید	دعوتِ نفسی بسوئے دار چیست
صادق عاشق جوز روز شب	نعرۂ بیہودہ بہ گلزار چیست
چوں نکری عشق بجائے حمید	رفتن بیہودہ ببازار چیست،

قوال ہر بار جب اس شعر کو مکرر کہتے تو شیخ فرماتے کہ جان دادم جان دادم جان دادم" اسی حالت میں گھر لے گئے زحمت (بے آرامی) ہوئی دوشنبہ (سوموار) بائیس ۲۲ رجب المرجب وقت ضحیٰ در ۶۷۶ھ میں انتقال ہوا مرقدان کا برابر قبر پدر کے ہے (شجرۃ الابرار ص ۱۲)

شیخ عزیزالدین خدیجہ مائی کو بہت پیارے تھے۔ عالم فاضل ہونے کے ساتھ فرزندوں کی تعلیم اور لکھنے پڑھنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ شیخ فریدالدین سے کتابت کرانے کا کام لینے کا ذکر سرورالصدور میں آتا ہے۔ اشارہ یہ ملتا ہے۔ کہ تعلیم و تعلّم کے کام میں والدِ ماجد کے دستِ راست تھے۔

شیخ عزیزالدین رح کے چھوٹے بھائی نجیب الدین تھے۔ بقول شجرۃ الابرار ولادت آپکی ۶۷۲ ہجری میں ہوئی اور بارہ ۱۲ سال کی عمر میں ۶۸۴ھ میں آپکا انتقال ہوا۔ آپکا مزار صوفی صاحب کے پائینتی ہے۔ شیخ عزیزالدین رح کے تین فرزندوں میں بڑے وحیدالدین احمد سعید صوفی رح جن کی بیعت وارادت اپنے جدّ بزرگوار ہی سے تھی بقول مناقب التارکین وفات شیخ وحید بتاریخ شب یازدھم ماہ جمادی الآخر در شب جمعہ بعد نماز عشاء در ۶۷۶ھ میں ہوئی۔ بدستخط خود شیخ فرید نوشتہ است قبر ایشاں در ناگور نزد قبر جدّ بزرگوار در خانقاہ است۔ وحیدالدین کی اولاد شجروں میں دی ہوئی ہے۔ مخدوم حسین ناگوری اور اس فقیر کے دادا بندگی شیخ نظام اور یہ فقیر تارک ناگوری بھی شیخ وحید کی اولاد میں سے ہیں۔ انھیں کے نسل سے مخدوم حسین ناگوری جن کے پوتے عبدالقادر دہلی میں شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہم صاحب اخبارالاخیار سے ملے ہیں۔ اور اپنے دادا کی پوشاک و تبرکات حضرت محدث رح کو دکھلائی ہے۔ اس شاخ وحیدالدین میں کمال الدین سے

۱۔ شجرۃ الابرار خطی نسخہ ص ۱۲ الف   ۲۔ مناقب التارکین ص ۱۰۹ تا ص ۱۱۱ خطی ن۔ ن

جھن جھنوں کی شاخ چلی ہے ۔ اور ناگور میں عبدالمجید سے۔

شیخ وحیدالدین کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین ابراہیم سعید صوفی ہیں جن کے فضل و استعداد و قابلیت از نظم و نثر کا حال تھوڑا بہت مجموعۂ ملفوظات سے ظاہر ہے ان کو منجھلے بھائی شیخ فریدالدین سے خاص محبت اور زیادہ ربط تھا اپنے وطن سے دہلی جانا ان کا پایا جاتا ہے اور حضرت سلطان الاولیاء شیخ نظام الدین سے مستفید ہوئے تھے ۔ دو سال شیخ فریدالدین سے عمر میں چھوٹے تھے ۔ فرمان جاگیر موضع ڈیہہ میں بھائیوں کے شریک و حصہ دار بتائے گئے ہیں پروفیسر نثار احمد فاروقی کے الفاظ میں "خانقاہ نظام الدین اولیاء میں کچھ وقت گذارا تھا۔ کہتے تھے "ایک دن میں شیخ نظام الدین کی خدمت میں گیا ہوا تھا ایک بوڑھے مولوی صاحب بڑی سی پگڑی باندھے ہوئے آئے اور شیخ کی خدمت میں بیٹھ گئے کہنے لگے : حضرت! آخر قاضی عالم کو یہ قبولیت کہاں سے نصیب ہوئی ہے؟ ہم یہاں پر سرائے میں پڑے رہتے ہیں، کوئی پوچھتا ہی نہیں اور وہ جیسے ہی آتے ہیں، لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اعزاز و اکرام بھی کرتے ہیں ۔ آج ہی ایسا ہوا ۔ کہ فوراً انھیں آگے آگے لے گئے ۔ خوب نذریں ملیں اور اعزاز و اکرام الگ رہا ۔ حضرت نظام الدین اولیاء خاموشی سے مولوی صاحب کی گفتگو سنتے رہے اور کچھ نہیں فرمایا ۔ پھر وہ مولوی صاحب خود ہی کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ ناگور میں کوئی پیر تھے ان کا نام شیخ حمیدالدین تھا یہ قاضی عالم ان کے نظر یافتہ (فیض یافتہ) ہیں جب مولوی صاحب نے یہ جملہ کہا تو حضرت نظام الدین اولیاء رح نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ صاحب انھیں کے پوتے ہیں ۔ مولوی صاحب نے اٹھکر میرے قدموں میں سر رکھدیا "

(ماہنامہ منادی ص۱)

منجھلے پوتے صوفی حمیدالدین رح کے شیخ فریدالدین ہیں جو دستار پوش ہوکر

حضرت کے جانشین ہوئے ان کے حالات یہ فقیر بعد میں تفصیلات سے عرض کرے گا انشاءاللہ! ان کی مشاطگی شیخ بزرگ نے کی۔ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم دیکر آراستہ کیا اور جانشینی کے فرائض انجام دینے کے قابل بنایا۔ اپنے دادا استاد اور پیر و مرشد کے ملفوظات انھیں نے بیان کیے جو مؤلف سرور الصدور نے درج کیے ہیں۔

توبہ صوفی حمید الدین علیہ الرحمۃ والرضوان

اب یہ فقیر حقیر لوٹ کر اپنے مضمون یعنی سوانح صوفی حمید الدین رح پر آتا ہے۔ صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ صاحب مناقب التارکین شیخ نجم الدین چشتی سلیمانی آپ کے نبیرے سے سُنیئے۔ مناقب التارکین صد۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا کہ خواجہ حمید الدین سوالی مرید شیخ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تھے ہم خرقۂ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔ جب وہ تائب ہوئے تو انکے پرانے حریف (ہم کار شریک) لوگ اور قریبی لوگ پھر سے ان کے پاس آئے کہ "دو آیئے پھر اُس ذوق (مزہ) کے پیچھے پڑیں۔ خواجہ حمید نے کہا "جاؤ جاؤ" اور گوشے میں بیٹھو، میں نے اپنے اس ازار بند کو ایسا باندھ رکھا ہے کہ کل کو بہشت کی حوروں پر بھی نہ کھولوں گا"، لیکن توبہ کی وجہ آں حضرت کی، ایسا سنتے میں آئی کہ ایک دن حضرت خواجۂ بزرگ معین الدین الحق والدین بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خواجہ حمید الدین جارہے تھے جیسے ہی خواجۂ بزرگ کی نظر خواجہ حمید الدین کے جمالِ باکمال پر پڑی فرمایا سبحان اللہ! کیسی خوش جمالی ہے۔ اے حمید الدین! اس جہان کے آدمی تیرے جمال پر فریفتہ ہیں۔ اگر تو میرے پاس آجائے اور بجائے اس کے حالت صلاح کی جانب مائل ہوجائے تو حق

تعالیٰ بھی تیرے جمال پر عاشق ہو جائے" اُسی وقت تائب ہو گئے اور ان کے حلقۂ ارادت میں آ گئے یہانتک کہ حضرت خواجہ بزرگ کی برکت سے سلطان التارکین ، ہو گئے اور خواجہ بزرگ کے منظور نظر ہوئے۔ (مناقب التارکین صـ۱۳)

امامتِ خواجہ

توبہ کے بعد کے حالات صوفی حمید الدین کے سرور الصدور میں نہیں ملتے یعنی بیعت وارادت کے بعد تعلیم و تربیت اور مدارج سلوک طے کرنے کے زمانے کے واقعات پر مجموعۂ ملفوظات سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

دو تین واقعات جو مجھے دست یاب ہیں بسلسلۂ خواجہ بزرگ وہ شروع ہی میں پیش کر چکا ہوں۔ البتہ یہاں امامتِ خواجہ بزرگ کی ایک روایت سرور الصدور کی مناقب التارکین سے نقل کرتا ہوں۔ "شیخ نجم الدین علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ سرور الصدور میں لکھا ہے کہ "شیخ بزرگ یعنی حضرت سلطان التارکین خواجہ جیو کی امامت کرتے تھے اور نقل مشہور یہ ہے کہ جس وقت حضرت شیخ خواجہ بزرگ کے پیش امام ہوتے اور تحریمہ باندھتے تو ہر بزرگ جواں کی اقتداء کرتا اس کو عرش اعظم نظر آتا۔ یہانتک کہ ہر بزرگ اس بات کا گمان کرتا کہ یہ کیفیت میری برکت و کرامت سے نظر آ رہی ہے۔ یہانتک کہ ایک دن صوفی علیہ الرحمۃ غیر حاضر تھے تو دیگر کسی شخص نے خواجہ جیو کی امامت کی اُس دن عرش عظیم نظر نہ آیا تو اُس دن سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کی برکت سے نظر آتا تھا۔ (مناقب التارکین صـ۱۴)

سب سے پہلے سلطانِ دہلی کے دربار میں صوفی حمید الدین ناگوری کا موجود رہنے کا ذکر اس وقت سرور الصدور سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ جب شیخ نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام نے شیخ جلال الدین تبریزی پر اتہام لگایا اور التمش کے دربار میں انکے خلاف محضر مقرر ہوا اور انہوں نے شیخ بہاء الدین ملتانی کو اپنا گواہ بنا کر پیش کیا تو اس محفل میں

صوفی حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے" (اخبار منادی ص۱۳)

اغلب ہے کہ صوفی صاحب اجمیر سے چل کر دہلی گئے ہوں یا پہلے ہی سے دہلی میں موجود رہے ہوں یا ناگور سے گئے۔ حضرت سلطان التارکین کی آمد ناگور کے بارے میں کہیں کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ تارک الدنیا تو اجمیر ہی سے ہو کر آئے تھے مگر کب آئے کوئی سند نہیں ہے کہ ملک کریم الدین حمزہ حاکم ناگور کے وقت میں ناگور میں موجودگی آپکی مان لی جائے جو کہ عہد حکومت سلطان شمس الدین التمش کا تھا۔ قیاس یہی ہے کہ تین بزرگوں: حضرت خواجہ اجمیریؒ، قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد ہی حضرت تارکین کی آمد ناگور ہوئی ہوگی۔ کیونکہ خاندانی روایت یہی ہے کہ چالیس سال کی عمر تک مجرد (بے زن) رہکر جنگلوں، بیابانوں میں عمر عزیز گذارتے تھے۔ نکاح کب کیا یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ اتنی روشنی پڑتی ہے۔ جیسا کہ فقیر اوپر عرض کر چکا ہے کہ لاڈنوں کے ہمدانی خاندانوں کے یہاں آپ کی سسرال تھی البتہ شیخ فریدالدین کے بیان سے یہ معلومات ہوتی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نکاح کیا۔ اس کے پہلے تک آپکی زندگی جنگلوں بیابانوں میں گذرتی تھی۔

ترکِ دنیا

سب سے پہلا سراغ اس وقت ملتا ہے کہ جب ناگور میں متاہل (شادی شدہ) زندگی حضرت صوفی صاحب کی گذر رہی تھی، وہ بڑی غریبی اور ناداری کی تھی جس سے متاثر ہو کر حاکم ناگور نے کچھ آراضی اور کچھ نقدی حضرت کی خدمت میں پیش کی جس کو آپنے چشتیہ روایات کے تحت رد کر دیا۔ تب والئ ناگور نے سلطان کو لکھکر ایک گاؤں اور پانچ سو چاندی کے ٹنکے صوفی صاحب کی نذر کے لئے منگوا لئے۔ لیکن آپ نے بی بی خدیجہ سے جب مشورہ کیا تو انہوں نے منع کیا حالانکہ صوفی صاحب کا تہہ بند پھٹ رہا تھا اور بی بی صاحبہ کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا جسکی وجہ سے کرتے کا

دامن پیچھے کی طرف سے اٹھا کر سر کو ڈھک لیا جاتا تھا۔ اسی موقع پر خدیجہ بی بی نے بتلایا تھا کہ اپنے دوپٹے اور تمہاری تہہ بند کے لئے میں نے سوت کات کر رکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی پروفیسر رقم طراز ہیں: طبقۂ علماء ہی میں نہیں اس وقت صوفیاء میں بھی ایسے بزرگ تھے جنھوں نے دنیا جمع کر رکھی تھی اور اسکی بدولت ان پر وہ آفتیں آ رہی تھیں جو دولت کے ساتھ آتی جاتیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ غنا (مال داری) افضل ہے یا فقر (فقیری) شیخ سعدی نے بھی گلستاں میں "جدال سعدی با مدعی" کے عنوان سے پورا معرکہ فقر و غناء کے موضوع پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا اور اس بارے میں وہ (صوفی صاحب) اور دوسرے درویشوں سے مراسلت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ ناگور میں ایک تاجر تھا۔ وہ ہر سال تل لے کر ملتان کی منڈی میں بیچنے جاتا اور وہاں سے روئی لے کر ناگور آتا تھا وہ شیخ حمیدالدین سوالیؒ کے خطوط حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے نام سے لے جاتا اور ان کا جواب لاکر حضرت کو دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کسی تاجر کے ساتھ کہیں بنجارہ بھی لکھا ہوا دیکھنے میں آیا ہے کہ ساتھ ایک ڈبا لد سونے چاندی سے پُر کر کے آپکی خدمت میں بھیجی اور اُسے قبول کرنے کی درخواست بھی کی آپنے اُس سردار سے فرمایا کہ یہ زر و جواہر گیندانی تالاب کے میدان میں ڈال دو تاکہ غرباء اور مساکین کے کام آجائے اور ہماری طرف سے اسی میدان کے سنگریزے بھر کر اور لیجا کر شیخ الاسلام کی خدمت میں تحفتاً پیش کر دو بنجارے نے ایسا ہی کیا! ملتان پہونچنے پر وہ سنگریزے ہیرے جواہرات بن گئے یہ دیکھکر سوداگر حیران رہ گیا۔ کسی ہندو کوی نے اس واقعہ کو اس طرح منظوم کر دیا۔ (مناقب التارکین خطی نسخہ حاجی نجم الدین چشتی سلیمانی ۲

بڑے بیر ملتان کے جہاں دین کا دیش ۔۔۔ بالد بھری بہاء الدین کی تا رکین رےبیش
گیندانی کے چوک پراُوتر بالد آئے ۔۔۔ حکم کیا سلطان جی چین میں دے لٹائے
کنکر بہائے گین بچھ کھولے کیچن مال ۔۔۔ بھیٹر پڑی جب گادمی کوں کیڑے آئے

ایک مرتبہ آپ جنگل میں بیٹھے ایک گائے کے زخم سے کیڑے نکال کر اُس کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ راجستھان کے ایک مشہور کوی آپ کی تعریف سن کر آپ سے ملنے کیلئے آیا دور سے کیا دیکھتا ہے کہ صوفی صاحب گائے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس کو بڑا دکھ ہوا کہ میں نے اس سنت کی بہت تعریف سنی تھی کہ یہ گوشت نہیں کھاتے ہیں اور بڑے دیالو ہیں۔ یہ تو گائے کو ذبح کر رہے اس نے فوراً فی البدیع مصرعہ کہدیا کہ۔ تو سے بل بڑو اَو گنڑ بھیو تار۔ یہ مصرعہ پڑھتا ہوا آ رہا تھا جب نزدیک پہونچا تو دیکھا کہ وہ تو گائے کے گردن سے کیڑے نکال کر اسکی مرہم پٹی کر رہے ہیں۔ فوراً اس کوی نے دوسرا مصرعہ لگایا ۔ دو جو کوئی انکھ تلے آوے نہیں داتار۔

شری بالا جی گاؤں کے ایک پتر کار مہاویر پرشاد کا کہنا ہیکہ وہ کوی جنکا نام بانکے داس آسیاہ تھا اور وہ قوم سے چارن تھے پراچین کال میں جودھپور کی راجدھانی منڈور کے راجہ کے سرکاری کوی تھے۔ انھوں نے اور بھی دو دوہے صوفی صاحب پر لکھے ہیں۔ میں آپکو دونگا مگر اسکے بعد ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ صوفی علیہ الرحمۃ نے عربی فارسی میں تو ہزاروں اشعار کہے ہیں مگر ہندی میں بھی بہت "دوہے" کہے ہیں مگر انکو سمجھنا مشکل ہے، ہندی دوہا، جو سرور الصدور سے تحریر کر رہا ہوں جسمیں دوہرہ صوفی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔ **دوھرہ:۔**

کُنبہ ہوالی بادشہہ رجی کدو تو چل ۔۔۔ بتہنہ بچھو را سو سہی کنہہ جو جیسوی کل
خاندان گھر والے بادشاہ اور بیوی بچے مال واسباب ۔۔۔ سب تجھسے جدا ہو جائینگے صرف خدا جو ترا خالق ہے تیرے ساتھ رہے گا۔

سرورالصدور سے

خاصہ رباعی

در دل دارم کہ باغمت در سازم | در راہِ غمت دیدہ و دل در بازم

میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ تیرے غم سے موافقت کروں | اور تیرے غم کے راستہ میں اپنے دل اور آنکھوں کو لگادوں

جان دارم اگر قبولیت افتد | بر دست نہم بپائی تو اندازم

میں ایک جان رکھتا ہوں اگر تو قبول کرے | تیرے ہاتھ پر رکھدوں یا تیرے پاؤں میں ڈالدوں

رباعی :-

ہر روز کہ آفتاب برمی آید | یک روز عمر ما بسر می آید

ہر روز سورج نکلتا رہتا ہے | ایک دن ایسا ہوگا کہ ہماری عمر پوری ہوجائیگی

این صبح نگہ کہ عمر مامی دزدد | دزدلیست کہ باشعلہ درمی آید

اس صبح کو دیکھو کہ ہماری عمر کو چراتی ہے | یہ ایسی چور ہے کہ شعلۂ غم کو نکال دیگی

اُن بنجاروں کے ساتھ جو خطوط آتے جاتے تھے اُن خطوط میں شیخ ناگوری رح نے حضرت ملتانی کی دولت مندی پر اعتراضات کئے تھے انہوں نے جواب میں لکھا کہ خدا نے متاع دنیا کو قلیل فرمایا ہے۔ " قُلْ مَتَاعُ الدُّنيا قَلِيلٌ " اور میرے پاس اس کا اقل (قلیل ترین) ہے اس پر شیخ صوفی ناگوری نے پھر کچھ لکھا تو حضرت ملتانی نے جواب نہیں دیا "

محفل سلطانی کے موقع پر دہلی میں صوفی حمیدالدین ناگوری رح نے " شیخ ملتانی سے کہا کہ جہاں کہیں مال ہوتا ہے وہاں مار (سانپ) بھی رہتا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے! چنانچہ کہاوت بھی ہے کہ " گنج با مار و گل با خار " مال اور مار میں کچھ صوری (ظاہری) مناسبت بھی ہے مگر معنوی مناسبت کیا ہے، یہ سمجھ میں نہیں آیا!

شیخ ملتانی نے فرمایا کہ اگرچہ دونوں میں کوئی صوری مناسبت نہیں ہے البتہ معنوی مناسبت موجود ہے اور وہ یہ کہ اپنے زہر کی وجہ سے مار (سانپ) مہلک ہے اور مال بھی اکثر لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ شیخ ناگوری نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ مال اور مار ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں تو جو مال جمع کرتا ہے وہ گویا "مار" جمع کرتا ہے۔ شیخ ملتانی سمجھ گئے کہ یہ میری دولت کی طرف اشارہ ہے۔ فرمانے لگے کہ اگر کسی کو سانپ کا منتر یاد ہو تو اُسے سانپ کا زہر کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ شیخ ناگوریؒ نے کہا کہ ایک پلید، زہردار اور پُرخار جانور کو پالنا اور پھر اس کا منتر یاد رکھنے کے جھنجھٹ میں پھنسنا کون سی دانائی ہے؟ جب شیخ ملتانیؒ نے دیکھا کہ ان کی دلیل قوی ہوتی جاتی ہے تو کہنے لگے کہ یہ الزام تو مجھ پر ہی نہیں میرے پیرو مرشد پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اُسی وقت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُرفتوح حاضر ہوئی اور کہا کہ بہاؤالدین! ان سے یہ کہدو کہ تمہاری درویشی میں ایسا حسن وجمال نہیں ہے جس سے نظر لگنے کا اندیشہ ہو اور ہماری درویشی میں اتنا جمال و کمال ہے کہ اسے نظرِ بد سے بچانے کیلئے ٹیکا بھی درکار ہے۔ اسی لئے وسمہ (خضاب) سیاہی دنیا اس کے چہرے پر لگا لیا ہے۔ جب شیخ ملتانی نے حضرت ناگوریؒ سے یہ بات کہی تو انہوں نے فرمایا:

سبحان اللہ! آپ کی درویشی میں رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درویشی سے زیادہ تو حسن وجمال نہیں ہے۔ آں حضرت نے غنا پر فقر کو ترجیح دی اور فرمایا "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ" اس پر شیخ ملتانی نے کچھ جواب نہیں دیا۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملتانی کے ایک صاحبزادے ناگور تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ جمعہ کی نماز میں موجود نہیں تھے۔ اس پر انہوں نے خاصہ ہنگامہ کیا اور شیخ ناگوری نے فرمایا کہ ناگور "مصر" (شہر) کے حکم میں نہیں ہے مگر انہوں

نے علماء کو ساتھ ملا کر خاصی بحث کی۔ شیخ نے فرمایا کہ تم نے جتنا ہمارے اوقات میں خلل ڈالا ہے۔ اتنی دیر کے لئے "ماترا حبس درویشاں دادیم" یعنی ہم نے آپ کو درویشوں کی قید میں دے دیا۔

شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت ملتانی کے یہ فرزند کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک ڈاکو نے انہیں گرفتار کر لیا اور کہا کہ اپنے والد ماجد کی چھوڑی ہوئی جائداد سے جتنا مال ملا ہے وہ سب لا دو! جب رہا کروں گا۔ انہوں نے اپنے بھائی شیخ صدر الدین ملتانی کو قید کا ماجرا اور رہائی کی شرط لکھی۔ وہاں سے مال آیا تب انہیں نجات ملی۔ (سرور الصدور: نثار احمد فاروقی کے لفظوں میں) از اخبار منادی [۱۲-۱۳]

یہاں پر ترک دنیا پر منسوب حضرت صوفی صاحب کے اقوال سرور الصدور کے حوالے سے پیش کر دیئے جائیں تو مناسب ہوگا۔

اقوال و افعال ترک

فخر و مباہات (الشیخی) ہر چیز میں حرام ہے مگر فقر میں نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی چیز دں میں فخر نہ کرتے تھے نہ مباہات، سوائے فقر کے (فرمایا) اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ ٥ اے اللہ! مجھے مسکین کی زندگی دے مجھے وفات کے وقت مسکین رکھ اور میرا حشر مسکینوں کے گروہ میں فرما

سب سے پہلی فضل توبۂ نصوح (یکی توبہ) ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَتُوبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥

ترجمہ:- اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ)

سرور الصدور صفحہ ۲-۳

فرمایا کہ ایک بزرگ نے مولانا شمس الدین حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا جو شیخ صوفی کے اُستاد تھے ۔ فرمارہے تھے کہ ہر پیغامبر کی اُمت جو اُنکے بعد ہوئی البتہ دنیا کے ساتھ جھکاؤ رکھتا ہوائے ہمارے "حمید"، کے لئے فرمایا یٰسین نام کے ایک مرید تھے ۔ شیخ حمید الدین کے خادموں میں سے ۔ مال دار آدمی تھے سفر میں گئے ہوئے تھے ۔ سفر میں ان کو ایک حادثہ پیش آیا کہ ان کا مال چلا گیا اور وہ مفلس حال ہو گئے ۔ بارہا میں نے چاہا کچھ چیز یٰسین کے لئے دنیا میں سے خدا سے مانگوں (مگر) پھر اُس پر شفقت (رحم) آتی تھی کہ کیوں اسکو دنیا میں گرفتار کروں ؎۲

۵ رجمادی الآخر ۷۲۰ھ کی مجلس میں فرمایا (شیخ فرید الدین نے) کہ اوّل سے آخر تک کہ میں شیخ (بزرگ) کی خدمت میں رہتا ہرگز ان کی مجلس میں دنیا کا ذکر نہ ہوتا اور ہرگز دنیا کی حکایت سنی نہیں جاتی تھی ...... کس کی مجال تھی کہ دنیا کا ذکر کرتا ...... ایک بار شیخ عبداللہ ؎۳ کے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے اور یار لوگ (مریدین) خدمت میں حاضر تھے .... فرمایا کہاں ہے وہ جو دعویٰ کرے کہ میں نے سلوک کے تمام مراتب و منازل پیٹھ پیچھے چھوڑ دیئے کہ میں اسکو بتاؤں کہ راہِ خدا میں ابھی پہلا قدم بھی نہیں رکھا ہے .... اے برادرم ! اس راہ میں پہلا قدم ترکِ دنیا ہے .... پس کون ہے جس نے ترکِ دنیا کیا ہے ؟" یہ قدم حق تعالیٰ نے آپکو میسر کیا تھا کہ ہرگز کسی بھی وقت دنیا کا ذکر یا دنیا کا کام کرتے اور نہ کسی کو فرمائش کرتے کہ ایسا کرو ۔ اس قدر یکبارگی دنیا کے کام

؎۱ سرور الصدور ص ۳۲۳ ؎۲ سرور الصدور ص ۳۲۳ - ۳۵۰

؎۳ شیخ عبداللہ صوفی علیہ الرحمۃ کے خاص الخاص مرید تھے

سے فارغ رہے ہیں کہ ہرگز ہم کو یاد نہیں تاکہ ایک دانگ (سکّہ) بھی خرچ کیا ہو دنیا کے کام میں۔ ایک کوزہ (مٹی کا برتن) بھی بازار سے نہ لاتے۔ کبھی بھی نہ کہتے کہ خرید لاؤ۔ اگر کبھی فتوح[1] آتی اس سے بھی بے خبر رہتے اور نہ خرچ کرتے۔ کوئی چیز آتی جو کوئی موجود ہوتا اٹھاتا۔ اور جس کام میں مصلحت ہوتی خرچ کرتا۔ اسے کچھ نہ کہتے۔

فتوح قبول کرنے کے معاملے میں بھی فرماتے کہ اگر میں یہ جانوں کہ لانے والے یا آنے والے کا دل، قبول نہ کرنے سے رنجیدہ نہ ہوگا تو خود ہرگز کوئی چیز کسی سے قبول نہ کروں لیکن جبکہ جانتا ہوں کہ لانے والے کا دل قبول نہ کرنے سے آزردہ اور رنجیدہ ہوگا اس سبب سے قبول کی جاتی ہے۔ (سرور الصدور ص۲۳-۳۲۲)

شیخ وحید کہتے تھے کہ فرید الدین! جانتے ہو یہ کیا حکمت تھی کہ بابا بزرگ نے کہا کہ "اگر کسی کو کوئی حاجت ہو تو ان قبروں پر (شیخ حمید خوئی اور اپنی دادی) پر جاکر کہے تو وہ حاجت اسکی حق تعالیٰ پوری کر دیتا ہے۔" یعنی اس لئے ایسا کہا کہ آپ کے انتقال کے بعد بھی کوئی مجھے دنیا کی غرض سے زحمت نہ دے وہ دنیا سے اس قدر فارغ تھے۔ (سرور الصدور ص۳۱-۳۳۰)

دستار کا قصہ

ایک وقت شیخ بزرگ کے سر پر دستار مبارک نہ تھی تو پوچھا گیا کہ بابا! دستار کس کو دی گئی؟ فرمایا کہ آج کی رات خواب میں ایسا دکھایا گیا اور دیکھا گیا کہ آسمان سے فرشتے اترے ہیں اور ہاتھ میں اوراق لئے ہوئے مجردوں (تارکین دنیا) کے نام لکھ رہے ہیں۔ جب میرے پاس پہنچے تو ایک فرشتے نے کہا کہ حمید کو بھی مجردوں میں لکھ لو، دوسرے فرشتے نے کہا نہیں

---

[1] فتوح:- بلا مانگے جو نذر آئے

وہ ابھی چہار گری (چھوٹی دستار) کی بندش (بندھن) میں گرفتار ہے۔ جب اس نے ایسا کہا، میں نے ہاتھ اونچا کرکے دستار کو سر سے گرا دیا تب انہوں نے (میرا نام) لکھ لیا اور اوپر چلے گئے۔ میں جب جاگا دستار اسی طرح گری پڑی دیکھی، سر پر نہ تھی،" ہم نے سمجھا کہ خدمتِ شیخ اس کے بعد دستار نہ باندھیں گے۔ والد (شیخ عزیز الدین) کو طمع ہوئی کہ شیخ وہ دستار مجھے دے دیں۔ والد نے پوچھا کہ بابا یہ دستار کیا کرو گے؟ شیخ نے فرمایا میرے عزیز! اگر تو کہے تو فرید کو دے دوں۔ والد نے کہا ٹھیک ہے۔ اس میں ایک دوسری کرامت صوفی علیہ الرحمۃ کی ظاہر ہوئی کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے دستار پوتے کو دی چونکہ آپ جانتے تھے کہ بیٹا ان سے پہلے ہی انتقال کر جائیگا۔ اور دستار اس ضعیف (فرید الدین) کو دی۔ (سرور الصدور صفحہ ۳۲۶)

واقعہ ملکِ کریہ

ملک کریہ باوجود بعض بھلائیوں کے جو وہ کرتا تھا، شیخ بزرگ (صوفی صاحب) کی مددِ معاش کے بارے میں جھگڑا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جب تک شیخ حمید الدین میرے پاس نہیں آتے انکی مددِ معاش اُن کو نہیں دوں گا۔ ان کے مریدوں نے عرض کی کہ شیخ کی خدمت میں گزارش کی جائے کہ ایک بار اس ترک سے آپکا مل لینا مصلحتاً ٹھیک رہیگا۔ تب والد (شیخ عزیز الدین) نے یہ عرض پیش کی کہ ملک کریہ جھگڑالو ہے۔ یہ سن کر شیخ بزرگ علیہ الرحمۃ نے داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا عزیز (شیخ عزیز الدین) اس سن میں، میں پہنچ گیا ہوں اگر وظیفہ کسی کے پاس سے لوں تو تجھکو تو کہنا چاہیئے کہ "وظیفہ کی خاطر ترک سے ملتے ہیں، یا اس وظیفہ کو ترک کردیں" اس وقت یہ کیسے کہہ رہا ہے کہ وظیفہ کے لئے ترک سے ملو! ہر چند کہا گیا مگر آپ اس کے پاس نہیں گئے اور اس ملک

کرید سے نہیں ملے۔ ایسی ہمت رکھتے تھے۔ (سرور الصدور صفحہ ۳۵-۳۶)

اقوالِ دیگر شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ

بعض دیگر اقوال بھی شیخ حمید الدینؒ کے اسی موقع پر پیش کیے دیتا ہوں جو کہ میں نے ملفوظات سرور الصدور سے اخذ کیے ہیں۔

فرمایا ——— چاہیئے کہ صحت شریعت کی شرائط پر مواظبت (ہمیشگی) رکھے اور جب عہدۂ طریقت سے باہر آئے چاہیئے کہ درویشی و بے اسبابی و بے خبری اختیار کرے،،[1]

توبہ کے کیا معنی ہیں، پیر سے میں نے پوچھا اور جواب سُنا کہ توبہ سب پر فریضہ ہے۔" ,, آدمی کا مجموع تین چیزیں ہیں: نفسؔ و دلؔ و روحؔ۔ نفس شیطان کی جگہ ہے۔ دل فرشتوں کا مجموع ہے: اور روح 'رحمان' کا محلِ نظر (فکر کی جگہ) ہے۔ نفس کی صفت، اس جہان کے ساتھ رغبت۔ دل کی صفت، بہشت جاویداں (ہمیشہ) کی آرزو اور صفتِ روح، طلبِ حق و اسرار بیان (چھپے بھید)۔ جو شخص نفس کی مطابعت (پیروی) کرتا ہے، نارِ جحیم (دوزخ کی دہکتی آگ)۔ میں گرتا ہے اور جو شخص کہ دل کی مطابعت کرتا ہے، نازِ نعیم میں گرتا ہے۔ اور جو کوئی روح کی مطابعت کرتا ہے، خداوند کریم کی گود میں گرتا ہے۔

خاصہ رُباعی صوفی علیہ الرحمۃ

گر رہِ تن روی مہیا نار است ——— ور در رہِ دل روی بہشت دار است
اگر تن کی راہ پر چلتا ہے تو آگِ دوزخ تیار ہے ——— اور اگر دل کی راہ پر چلتا ہے تو جنت کا گھر ہے
ور در رہِ جاں روی تو اے جان آرائے ——— وصۂ چکنم کہ حاصلت دلدار است۔
اور اگر روح کی پرہیزگاری پر چلتا ہے، تیرا تو اے جان آرا ——— تب تو تیرا حاصل دلدار (خدا) ہے۔

[1] سرور الصدور صفحہ ۳۹

سفرِ حج بیت اللہ

شیخ نظام الدین اولیاء نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے حج نہیں کیا مگر سرور الصدور سے معلوم ہوا کہ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحج کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جو لوگ شیخ کو مسجد نبی[1] تک پہونچانے آئے ان میں قاضی کمال الدین[2] بھی تھے۔ مسجد کے پیچھے بلند کیا تھی۔ صوفی صاحب کو وداع کیا اور بغل گیر ہوئے۔ اس وقت تمام اشخاص کے سامنے شیخ رح نے فرمایا۔ کہ میرے عزیز! (عزیز الدین[3]) کو عزیز جانیں یعنی اس کا خیال رکھنا۔ جیسے ہی شیخ نے یہ کہا سبھی سب لوگ رونے لگے۔ اور سب کا دل بھر آیا۔ وہاں سے شیخ کو وداع کر کے واپس ہوئے۔ اُس زمانے میں ایسے ہی عزیز و اقارب ہوا کرتے تھے۔ (سرور الصدور ص ۳۳)

شیخ بزرگ نے فرمایا کہ حج کے سفر میں جب ہم دریا میں کشتی پر سوار ہوئے تو دیکھا کہ مال داروں اور سوداگروں کو لوگ عزت سے لے جاتے تھے اور کشتی میں بٹھاتے تھے۔ میری طرف کسی کی توجہ نہیں تھی کیونکہ دیکھا کہ یہ تو ایک درویش ہے! بہرحال جب میں کشتی

---

[1] مسجد النبی اس زمانے میں مسجد قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری علیہ الرحمۃ کو کہا جاتا تھا جو آجکل مسجد خرادیان کہلاتی ہے۔ وجہ تسمیہ مسجد نبی کی یہ ہے کہ یہاں جبہ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہ چکا ہے جو بعد میں رحمل شریف منتقل ہو گیا ناگور کی یہ سب سے پہلی مسجد مانی گئی ہے۔ شاید اسی مناسبت سے صوفی حمید الدین علیہ الرحمۃ کو یہاں سے وداع کیا گیا۔

[2] قاضی کمال الدین کو سرور الصدور میں قاضی نظام الدین کے بقول کہا گیا کہ وہ قاضی کمال الدین کے بیٹے (خلف) اور قاضی کمال الدین بیٹے قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری کے تھے۔

[3] عزیز۔ عزیز الدین فرزند کبیر حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین چشتی سعیدی فاروقی علیہ الرحمۃ جن کی وفات ۶۷۶ھ میں ہو گئی ہے اس سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ سفر ۶۷۶ھ کے قبل واقع ہوا۔ ۱۲

میں بیٹھ گیا تو کسی طرح گذارا کیا۔ قضاراً چند روز کے بعد کشتی ٹوٹ گئی اور تمام مال واسباب غرق ہوگیا۔ آخر کار تمام لوگ باہر نکل آئے۔

میری کلاہ (ٹوپی) میں ایک سوئی تھی۔ سوئی کی سب کو ضرورت پڑی تو میرے پاس آئے اور کہنے لگے یاسیدی ھات الابرۃ (ترجمہ: یا شیخ سوئی عنایت فرمائیں) اور سوئی مانگنے لگے تاکہ کپڑا اور خرقہ جو بچا تھا اسکی سلائی کریں یا پیوند لگائیں۔ اُن کے لئے ایک ناؤ لائی گئی جسکا نام سفینۂ دریائی رکھا گیا تھا۔ ایک جگہ پہنچے جو درویش ساتھ تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ اتنے دنوں تک تو ہم نے گدائی کی آج تو پیش قدمی کر کے گدائی کر اور کھانا لا تاکہ ہم کھائیں۔ میں نے بھی زنبیل (جھولی) اٹھائی (مگر) زبان سے کچھ بولتا نہیں تھا۔ ایک عورت کو دیکھا کہ تیز تیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی ہے مگر کہتی کچھ نہیں ہے۔ میں بولا اے عورت! کیا دیکھتی ہے اور کیا سوچتی ہے۔؟ اس نے کہا "اے شیخ! میں یہ دیکھتی ہوں کہ تو گداگر معلوم نہیں ہوتا۔ اور کبھی تو نے یہ کام نہیں کیا ہے۔ لا زنبیل مجھے دے" مجھ سے زنبیل لے گئی اور شیر برنج (دودھ چاول) اور زرِ نقد بھی لے آئی اور کہا کہ لے تاکہ تجھکو دوسری جگہ مانگنے کی حاجت نہ رہے" میں نے وہ کھانا لاکر درویشوں کے سامنے رکھدیا سب کے سب خوش ہوگئے اور کھانے لگے۔ (سرورالصدور ص ۳۷-۲۳۶)

افعال واعمال واقوال

تعلیم و تعلّم | تعلیم صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر ہوتی تھی قرآن وتفسیر قرآن کے حوالے سے سرورالصدور میں مولانا شمس الدین حلوائی اور

اور تفسیر کشاف کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر امام ناصر الدین کا ذکر بھی ہے جو صوفی صاحب کے بیٹے شیخ عزیز الدین لکھا کرتے تھے یعنی کتابت کرتے تھے ان کے بیٹے بھی لکھتے تھے اور بڑھاپے میں خود بھی کتابت کرتے کرتے بیمار پڑے اور انتقال فرما گئے شیخ بزرگ نے فرمایا یہ تفسیر ادیبانہ ہے۔ تفسیر جو مذکروں (تذکیر یا وعظ کہنے والوں) کے کام کی ہے وہ تفسیر زاہد ہے جو سعد الدین ہندال پہلے اوچہ سے ناگور میں لائے تھے" تذکیر حضرت صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کرتے تھے۔ مگر تذکیر کے ماہر آپ کے نبیرے اور شاگرد شیخ فرید الدین تھے جنھوں نے سات برس کی عمر سے وعظ کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ضابطے کی تعلیم تفسیر مدارک سے ہوتی تھی جسکو شیخ بزرگ سے شیخ فرید نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ (سرور الصدور ص ۳۵۶)

سلسلۂ صوفیہ میں تفسیر حقائق کا بھی ذکر ہے لیکن تفسیر مدارک پر تاکید اور زور رہے جسکو صوفی صاحب کی وفات کے بعد شیخ فرید جاگیر کے موضع ڈیہہ میں بھی پڑھا کرتے تھے تفسیر مقاتل کے لئے آتا ہے کہ یہ بہترین تفسیر ہے۔

حدیث

حدیث میں مشارق الانوار[۱] حضرت امام صغانی رحمۃ اللہ علیہ اور انہیں کے رسالے مصباح الدجیٰ کا ذکر ہے جس پورے رسالے کا درس ایک بیٹھک میں محدث بدایونی نے ۱۲۲۰ء میں پہلے پہل ناگور میں دیا تھا جس درس میں قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ ناگوری سہروردی اور ان کے فرزند ارجمند قاضی کمال الدین کا نام سامعین میں آتا ہے اور یہ دونوں رسالے صوفی صاحب کے زمانے سے بعد

---

[۱] مشارق الانوار او مصباح الدجیٰ کے مؤلف بدایون کے رہنے والے تھے اور سر دست گجرات کی طرف جانے کے لئے ناگور کا راستہ اختیار کیا تھا۔ آگے کا راستہ جالور ہو کر چلتا تھا جہاں

بعد تک پڑھے جاتے رہے۔

علم الفرائض یہاں پر علم فرائض یعنی مسائل تقسیم میراث کا ذکر کر دیا جائے کہ شیخ بزرگ نے فرمایا جو علم سب سے پہلے مفقود ہوگا وہ علم فرائض ہوگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تعلّموا الفرائض وعلموہا ایک زمانہ آئیگا کہ لوگ نہ جانیں گے کہ میراث کسطرح تقسیم کی جائے۔ اگر کوئی آدمی مرجائے اور وارث چھوڑ جائے بیٹا اور بیٹی تو کہیں گے کہ بیٹے کو ایک حصہ دو کیونکہ قوی ہے اور بیٹی کو دو حصہ دو کہ وہ ضعیف ہے۔ عرض کیا گیا کہ جو جانتے ہیں اور عمل نہیں کرتے یہ بدتر ہے یا وہ کہ نہیں جانتے اور کرتے ہیں؟ فرمایا! کہ جانتے ہوئے نہیں کرتے یہ ایک وبال ہے اگر نہیں کرتا لیکن کسی کو کہتا ہے کہ ایسا کرنا چاہیئے اور وہ کہ نہیں جانتا اور کرتا ہے۔ دوہرہ وبال ہے۔ ایک وہ کہ نہیں جانتا اور دوسرا یہ کہ نادانستہ کرتا ہے۔ (سرور الصدور ص۳۴۵)

فقہ فقہ میں تمام تر دار ومدار قدوری پر تھا۔ شیخ نے فرمایا قدوری کو اُمّہاتُ المسَائِل (مسئلوں کی ماں) کہتے ہیں کیونکہ کوئی مسئلہ اس کے باہر نہیں ہے۔ قدوری کے علاوہ کتاب فائق مطالعہ میں رہتی تھی جس کے بارے میں فرمایا کہ اس کتاب کو لازم پکڑو کیونکہ بزرگ کتاب ہے (سرور الصدور ص۲۵۵)

تصوف تصوف میں تو ڈھیر ساری کتابیں زیر مطالعہ تھیں۔ قوت

کے چوہان راجہ کی سلطان دہلی سے دشمنی چل رہی تھی۔ لہٰذا امام صغانی نے علماء کا ڈھیلا ڈھالا بھاری بھرکم لباس اتار کر اس کی جگہ صوفیاء کا کوتاہ آستین لباس زیب تن کر کے گدڑی پہن لی تھی۔ سرور الصدور ص۳۹۰ ۔ حاشیہ ۱ امام صغانی کو بعض مؤرخین نے صنعانی بھی لکھا ہے

القُلوبِ (عربی) سے لیکر رسالہ قشیری (عربی) اور عوارف المعارف (عربی) تک۔ عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف ہے لیکن چشتیہ خانقاہوں میں پڑھی جاتی تھی۔ فارسی میں امام غزالی کے کیمیائے سعادت کو حضرت سلطان التارکین نے بہت پسند کیا اور فرمایا شاباش امام غزالی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض کتابیں ناگور میں دستیاب نہیں تھیں جو طالب العلم کے لئے محرومی کا باعث ہوسکتا تھا ورنہ حضرت صوفی صاحب کو کتابوں اور مصنفین کی پرکھ اچھی تھی۔ کتاب کا پایہ بلند ہونا چاہیئے خواہ مصنف کا مسلک مختلف کیوں نہ ہو مثلاً تفسیر کشاف کے مصنف معتزلی ہیں مگر کتاب اچھی ہے " جو کچھ دیگر کتابوں میں ہے سب کا سب اس کتاب سے ماخذ ہے "

(سرور الصدور) شیخ فرید) ص ۳۵۹)

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تصوف پر حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالوں میں سے ایک رسالہ کا اقتباس درج کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو اندازہ ہوسکے کہ حضرت موصوف علمائے تصوف میں کس درجے کا مقام رکھتے تھے کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے رسالوں کی نقل اپنی پسند کے موافق اپنے پاس رکھتے تھے۔

ھو الحق :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ۔ قال الشیخ الامام قدوۃ الاسلام قطب المشائخ والاصفیاء خواجہ حمید الحق والدین الصوفی السعیدی قدس اللہ روحہ العزیز۔ فرماتے ہیں کہ جان لیں کہ راہ کے مراتب سے پہلا مرتبہ شریعت ہے۔ چاہیئے کہ شریعت کی صحت کی

شرطوں پر مواظبت (ہمیشگی) رکھے اور اسکی محافظت پر کوشش کرے۔ جب اس بات میں اپنی طاقت کی وسعت کے اندازے سے کوشش کرے اور اس کا پورا پورا حق گزارے اور ہمت عالی رکھے تو حقوق شریعت ادا کرنے کی برکت اور علمائے ہمت کے شرح میں طریقت اُس پر ظاہر ہوگی کہ وہ دل کی راہ ہے اور جب حق شریعت ادا کرے تو اس میں کسی طرح کی تقصیر نہ کرے اور اس مہم میں ہمت عالی رکھے کیونکہ بے ہمت مرید کسی جگہ کو نہیں پہونچتا ہے۔ اور جب طریقت سے عہدہ برا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اُس کے دل سے جانتا ہے کہ ہمت عالی رکھتا ہے اور سوائے حق کے اس کو کوئی چیز آرام نہیں دیتی ہے۔ تو اس کے دل کی آنکھ سے پردے ہٹا دیتا ہے اور حقیقت کا معنیٰ کہ عالی ہمت سالکوں کا مقصود ہے۔ اس کو دکھا دیتا ہے اور جب سچے مرید کو یہ معنیٰ ظاہر ہو جاتا ہے تو ہر چیز سے منہ پھیر لیتا ہے اور اسکی طلب میں جد و جہد کی کمر جان کے درمیان باندھتا ہے اور ہمیشہ اس کا طالب رہتا ہے اور اگر دنیا و آخرت اسکے دیدۂ دل کے سامنے رکھی جائے تو اسکی طرف دیکھتا بھی نہیں ہے اور جس چیز کو وہ جانتا ہے کہ غیریت رکھتی ہے اپنے سامنے سے ہٹا دیتا ہے اور بے تعلقی و بے خبری و تنہائی سے زیادہ سخت اور دشوار کام نہیں ہیں یہی سب اسکو مطلوب ہوتے ہیں اور اگر آپ کسی کو دیکھیں کہ اسکو یہ سب مطلوب نہیں ہوئے ہیں تو جان لیجئے کہ وہ معنیٰ اس پر ظاہر نہیں ہوا ہے۔ اور اسکی نظر طریقت میں نہیں کھلی ہے اور جمعیت کا جام اسکو نہیں دیا گیا ہے کیونکہ پریشانی میں اس کا آرام اسباب کامرانی کا وجود ہے اور جمعیت اور ترک اسباب میں آرام دل نا توانی ہے اور اگر سچا مرید ہووے اور صدق میں حاذق ہووے تو چاہیئے کہ

درویشی و بے اسبابی و بے خبری اختیار کرے اور اس بات میں مفتخر (فخر کرنے والا) اور مباہی (ناز کرنے والا) ہو کیونکہ فخر و مباہات سب چیزوں میں حرام ہے سوائے فقیری کے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کئی چیزوں میں فخر نہیں کرتے تھے اور اس میں شیخی نہیں مارتے تھے اور جب فقر میں پختہ ہوئے تو اس میں مباہات کیا اور فخر ظاہر کیا اور اس مرتبے کو زاری و ابتہال کے ساتھ حضرت ذوالجلال سے مانگا۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ ؕ اے اللہ مجھے مسکین کی زندگی دے! اور مجھے وفات کے وقت مسکین رکھ اور میرا حشر مسکینوں کے گروہ میں فرما۔"

پہلی فصل توبۂ نصوح کی راہ ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ط (اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ) اور یہ آیت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے نازل ہوئی ہے اور وہ متفقہ طور پر تائب تھے اور کفر سے منہ پھیرے ہوئے تھے اور ایمان کا اقبال کر چکے تھے اور گناہ کی طرف پیٹھ کر لی تھی۔ اور اطاعت کی طرف منہ کر لیا تھا۔ "تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ" کا کیا معنیٰ ہے پیر سے پوچھا اور جواب سنا کہ تو یہ سبھی پر فرض ہے کہ کفر سے توبہ کریں اور ایمان میں آئیں اور گنہگاروں پر فرض ہے کہ گناہ سے توبہ کریں اور طاعت کی طرف رغبت کریں۔ اور محسنوں (نیکوں) پر فرض ہے کہ خوب سے بہت خوب پہنچ جائیں اور اتقیاء (پرہیزگاروں) پر فرض ہے ________ اور آب و خاک کے مقیموں (قیام کرنے والوں) پر فرض ہے کہ پستی سے بلندی پر آئیں۔ ہر وہ

راہ رو (سالک) جو کسی مقام پر مقام کرلیتا ہے وہ گناہ کا مقام ہوتا ہے
آگے سے توبہ کرنی چاہیئے قولہ تعالی "تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیعاً اَیُّھَا الْمُؤمِنُونَ
لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ o اس معنی کا بھید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس مرتبے میں ہو
اس مرتبے سے بہتر دوسرا مرتبہ ہے۔ اس مرتبے سے نکل آنا اور اس مرتبے میں داخل
ہونا فرض ہے ورنہ سلوک، سے باز رہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔
"سیروا سیق المفردین"۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خداوند عزّ
وجلّ وعلیٰ ذکرہٗ کی راہ میں سالکوں کے لئے مختصر صورت میں چار منزلوں کی نشان
دہی کی ہے۔ اور کہا کہ جب تک رہ روندہ (سالک) ان چار منزلوں سے نہیں گذرتا
مقصود کو نہیں پہونچتا۔ منزل اوّل عالم ناسوت ہے۔ منزل دوّم عالم ملکوت
ہے۔ منزل سوّم عالم جبروت ہے۔ منزل چہارم عالم لاہوت ہے۔ جب تک عالم
ناسوت سے نہیں گذرتا عالم ملکوت تک نہیں پہونچتا۔ اور جب عالم ملکوت سے
نہیں گذرتا عالم جبروت کو نہیں پہونچتا اور جب تک عالم جبروت سے نہیں گذرتا
عالم لاہوت کو نہیں پہونچتا اور عالم لاہوت اعلیٰ وبے نشان ہے اور جب سالک
اس جگہ پہونچ جاتا ہے اپنے آپ سے رہائی پاجاتا ہے اور جب اپنے آپ سے
رہائی پاجاتا ہے اپنے مرتبۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے۔

اس جگہ سے چار منزلوں کی نشاندہی کرکے تبلایا ہے کہ ناسوت عالم
حیوانات کو کہتے ہیں اور اس منزل کا فعل حواسِ خمسہ (پانچ) ہے چکھنا۔ سونگھنا
دیکھنا، سننا، اور چھونا ——— اور جب سالک ریاضت اور مجاہدت
کے ذریعے اس عالم سے گذر جاتا ہے اور ان صفات کو چھوڑ دیتا ہے تو عالم ملکوت

کو پہونچتا ہے اور ملکوت فرشتوں کا عالم ہے۔ اس منزل کا فعل تسبیح (سبحان اللہ کہنا) و تہلیل (لاالٰہ الااللہ) و رکوع و سجود و قیام (کھڑا ہونا) و قعود (بیٹھنا) ہے جب اس منزل سے بھی گذر جاتا ہے تو ــــــ عالم جبروت کو پہونچتا ہے۔ یہ عالم روح ہے۔ صفات حمیدہ (قابل تعریف) کے ساتھ جیسے شوق و ذوق و محبت و وجد (بے خودی) و سکر (بے ہوشی) و صحو (ہوشیاری) اور جب روح ان صفتوں کو چھوڑتی ہے اور عالم لاہوت میں پہنچ جاتی ہے وَاِنَّ اِلیٰ رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی اور وہ لامکان ہے۔ وہاں نہ گفتگو (ہو سکتی) اور نہ جستجو جیسا کہ حضرت صوفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

رُباعی

در دیدہ دیدہ، دیدۂ بنہادند   واں راہ بہ رہ دیدہ غذائی دادند
ناگاہ بہ سرحد کمال افتادند   از دیدۂ دُز دیدہ کنوں آز ادند

عبارت (بیان) اس مقام سے منقطع (کٹی ہوئی) ہے اور اشارہ ناتمام (ادھورا) باوجود اس کے پیروں نے از راہ شفقت ہوشیارگی کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

خلاصہ

صبر و دل و دین و ہوش جملہ زمن گم شدند   روح مجرد بماند دامن دل برگرفت

دوسری عبارت میں اس طرح فرمایا ہے تاکہ خاص و عام کے دل میں بیٹھ جائے۔ فرمایا کہ ناسوت نفس کی صفت ہے اور ضمیمہ (زائد) ہے جب یہ صفت محو ہو جاتی ہے تو (نفس) عالم ناسوت سے نکل کر عالم ملکوت میں پہونچتا ہے اور ملکوت قوت عاملہ (عمل کرنے والی) کی صفت ہے اور یہ سب حمیدہ ہے

جب سالک توفیق الٰہی سے اسکو بھی چھوڑ دیتا ہے تو عالم جبروت میں پہونچتا ہے اور روح کی خاص صفت ہے اور ذاتِ مقدس الٰہی جلّ ذکرہ کے قریب ہے اور حجابا ذات کی صفت سے اشتغال (مشغول) ہوتا ہے۔ آدمی کا مجموع تین چیزیں ہیں۔ نفس[۱] و دل[۲] و روح[۳]۔ نفس شیطان کی جگہ ہے۔ دل فرشتوں کا مجموع ہے اور روح رحمان کا محلِ نظر ہے اور ہر ایک کی اس کے لائق ایک صفت ہے نفس کی صفت اس جہاں سے رغبت ہے۔ دل کی صفت بہشت جاویداں ہے اور روح کی صفت حق اور پوشیدہ بھید دل کی طلب ہے۔ جو کوئی نفس کی مطابعت کرتا ہے نارِ جحیم (دہکتی ہوئی آگ) میں گرتا ہے۔ اور جو شخص دل کی مطابعت کرتا ہے نازو نعیم (نعمت) میں گرتا ہے۔ اور جو بھی روح کی مطابعت کرتا ہے خداوند کریم کی گود میں گرتا ہے۔

خاصہ رباعی

گر رہِ تن روی مہیا نار است ور رہِ دل روی بہشت دار است
در درع روی تو اے جان آرائے ترسم نکنم کہ حاصلت دلدار است

محقق کا دل ان بھیدوں کو سکھنے سے آرام پا جاتا ہے اور سلوک میں مدد کرتا ہے جو کہ روندہ (سالک) کو موافق آتا ہے اور دعا کرتا ہے۔

ہم نے کہا کہ شریعت ہے اور طریقت ہے اور حقیقت ہے۔ اور عرض کیا کہ آدمی کا مجموع تینوں چیزیں ہیں ا۔ نفس و دل و روح اور یہ بھی کہا کہ دنیا جائے نفس ہے۔ اور عقبیٰ محل دل اور مولانا (ہمارا خداوند) مقصود جان ہے۔ آج کے دن یہ تینوں ساکن اور دنیا اور اس کے اسباب سے مطمئن ہیں۔ تینوں کو

حکم دیا گیا کہ اس ٹھکانے سے باہر آئیں اور اس مقام سے آگے بڑھیں کو حکم دیا گیا ہے۔ وَسَارِعُوا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ دل کو حکم ہے وَاللّٰہُ یَدْعُوا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ۔ روح کو سنایا گیا کہ یٰاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ اور تینوں کی راہ رکھ دی ہے۔ نفس کو شریعت کی، دل کو طریقت کی اور روح کو حقیقت کی۔ نفس کو شریعت کی راہ سے عالم ملکوت کو دکھ دل کی صفات اختیار کر لیتا ہے اور دل طریقت کے راستے سے

رباعی

تن چو غلام تو شد رہ مرتبۂ دل گرفت　　دل کہ بنام تو شد در برابر جان دہ باشد
تن ز صفا دل شود دل ز وفا جان شود　　نام چہ باید کہ گوید ۱

جبروت کے ساکنوں سے جا ملتا ہے اور روح کی صفت سے لیتا ہے۔ اور روح یزدانی (خدائی) احدیت سے سبحانی جوتی پر آجاتا ہے جو کہ حقیقت ہے تاکہ قربت کی صفت کے ساتھ اخلاق اللہ (اللہ کے اخلاق) سے متخلق ہو جائے نتیجہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ نفس دل ہو جاتا ہے اور دل روح ہو جاتا ہے یہانتک کہ ہر ایک ہر ایک کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔ عاشق و معشوق و عشق معنی کے اعتبار سے تینوں ایک ہیں۔ اس کو توحید مطلق کہتے ہیں مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے۔ التوحید جمع الھمۃ باجماع الامم۔ اس مضمون کا بھید ہے۔ اس نے کہا ہے کہ جہاں بھی ہو جس حال میں ہو روئے دل و جان اس کی درگاہ کی طرف کر جب تک مرد یک ہمت و یک نظر (یکسو) نہیں ہوتا "جمعیت" کے دروازے اس پر نہیں کھلتے ہیں اور نہ اسکی عزت ہے۔ جان لے

کہ دل تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور "طریقت" جو اسکی راہ کسی کو معلوم نہیں ہے اور کوئی بھی روح کو نہیں پہچانتا الا ماشاء اللہ اور "حقیقت" جو اس کی گذر گاہ ہے۔ عبارت میں نہیں آتی ہے اور اشارات میں نہیں سماتی۔ اس جگہ پر جو بھی "شریعت" کو چاہتا ہے اس پر "طریقت" کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور حقیقت کی اصلیت اسکو دکھادی جاتی ہے۔ کہدے کہ شریعت کا حق ادا کرے اور امر و نہی کی حرمت کا خیال رکھے۔

فصل اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے کے لئے تین حالتیں ہیں۔ ایک سلوک دوسرے وقوف تیسری رجوع اور فصل تحقیق ایمان اور صحت توبہ کے بعد مرید کو چاہیئے کہ دائم الوضو رہے۔ اور پنجوقتہ نماز جماعت سے گذارے جب نماز گذارلے۔ جس کے وقت کے اندازے سے پابند ہو مشغول ہو جائے اس کے بعد تلاوت کلام اللہ اور نماز نفل۔ قرآن دوسروں کے لئے مت پڑھو۔ غل وغش (کینہ و کدورت) غضب (غصہ) وحسد وبغض وکینہ وحرص ورغبت وطمع وکبر (بڑائی) منزلت وجاہ (مرتبہ) اور خلق میں قبولیت اور ان کی تعریف اوصاف ضمیمہ (بری ناپاک عادتیں) ہیں اور سلوک تو نماز باطن ہے جس کے لئے طہارتِ باطن ضروری ہے سلوک ظاہری و باطنی بیداری ہے جیسے کہ مرید نیند سے بیدار ہو کر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز تحیت ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد استغفار کرتا ہے ستر بار اور سو بار تسبیح (سبحان اللہ) تحمید (الحمد للہ) تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) و تکبیر (اللہ اکبر) کہتا ہے۔ کتاب قوت القلوب میں اسی طرح آیا ہے۔ پھر صبح کی نماز فرض جماعت سے حضور دل سے پڑھے ہر دم استغفار کرتا رہے اور بار بار توبہ کرے اور گذشتہ عمر کی بخشش مانگے بات

کرے تو امر معروف (اچھی بات کا حکم۔) اور نہی منکر (بری بات سے منع) کرے یا مسلمانوں کی بھلائی کی دعا، یا ایسی بات جس میں مسلمان بھائیوں کا نفع ہو یا کسی عالم سے علم کی بات کرے اگر کسی صاحبِ دل یا صاحب پند (نصیحت والے) یا عالم ربانی کے پاس بیٹھنا میسر ہو تو بہتر ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو اس کو جماعت والی مسجد میں یا مصلے پر بیٹھنا یا تنہائی میں ذکر (یادِ خدا) میں مشغولی بہتر ہے۔ جب آفتاب بلند ہو تو نماز اشراق پڑھی جائے اور جب زیادہ بلندی پر آفتاب آجائے تو نماز چاشت گزارے اس کے بعد مسلمان بھائی کی حاجت کے لئے اٹھے مثلاً عیادت (بیمار پرسی) اور نماز جنازہ یا نیکی اور تقویٰ کے کام میں مدد کرنا۔ اگر ان میں سے کچھ نہ ہو تو پھر تلاوت یا نفل نماز میں مشغول ہو جائے۔ نماز کے بعد دھندے اور کام پر جائے اسکے بعد سو جائے۔ نماز ظہر کے بعد نمازِ عصر کے انتظار میں جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرتا ہوا ذکر میں مشغول رہے۔ فرض نمازیں مسجد میں اور نوافل گھر میں پڑھے نمازِ عصر کے بعد پھر ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ جب آفتاب زرد (پیلا) پڑ جائے تو تسبیح و استغفار میں مشغول ہو جائے اور نفس کے ساتھ محاسبہ (سوال و جواب) کرے جب نماز مغرب گذارے تو بغیر کسی سے بات کیئے چھ رکعت نماز پڑھے پھر بیس رکعت نماز اوابین۔ جب عشاء کی نماز آجائے تو پڑھے۔ یہ سب کرنے سے اس کا شمار غافلوں کی بجائے حاضروں میں ہوگا نماز عشاء کے بعد جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔ کتاب قوت القلوب سے معلوم کرے اور یاد کرے اگر یہ نہ ہو تو سو سو یا پچاس ۵۰ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر سو جائے مگر با وضو ذکر کرتا ہوا سوئے۔ آخر شب میں صبح سے پہلے جاگ کر تہجد کی نماز پڑھے اور قرآن کا پڑھنا اس وقت افضل ہے۔ آخر شب کی نماز مرید کے حق میں، اس کی برکت سے باطن کی راہ جس کو طریقت کی راہ کہتے ہیں اس پر کشادہ ہو جاتی ہے کیونکہ طریقت

طریقت کی راہ شریعت کے ساتھ موافقت کرنے سے ہے۔ جو شخص طریقت میں شریعت کے موافق نہیں رہتا اس کو طریقت سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ شریعت کیا ہے؟ دنیا میں رہنا اور عقبیٰ کو پکڑنا۔ طریقت کیا ہے؟ عقبیٰ میں رہنا اور مولیٰ کے ساتھ ہوجانا اور طریقت وہ راہ ہے جو شریعت سے نکلی ہے اور شریعت توحید اور معاملات کا بیان ہے۔ البتہ طریقت میں ان معاملات کی حقیقت طلب کرتا ہے اور اوصاف باطن کے ساتھ اعمالِ ظاہر کو آراستہ کرتا ہے جیسے کہ ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تہذیب طبیعت کی کدورتوں سے جیسے دنیا سے رغبت، وریا (دکھاوا) ہوا (خواہش) شرک خفی (چھپا ہوا شرک) وغیرہ کیونکہ تارک (طریقت والا) حقیقت کے بھید کی طرف چلتا ہے اور شارع (شریعت والا) احکام پر چلتا ہے مثلاً نجاست سے پوشاک کو بچانا شریعت ہے۔ اور دل کو بچانا بشریت کی کدورت سے طریقت ہے۔ شریعت میں ضعیفوں کے لئے رخصت (چھوٹ) رکھی گئی ہے۔ لیکن طریقت میں رخصت کی حال میں نہیں ہے۔ لہٰذا روز و شب ظاہر میں اور باطن میں، خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر رہے، دنیا کے علاقوں سے آزاد رہے خلائق (عام پبلک) سے بچے۔ باطن دل کے تصفیۂ (صفائی) اور خاطر کے مراقبے (دھیان) میں مشغول رہے کیونکہ طریقت کی شرط یہ ہے کہ دل جمیت (دلجمعی) ہوا سے تقویٰ (اللہ کا ڈر، پاس، لحاظ، ادب) حاصل ہوتا ہے۔ صوفی وہ ہے جس میں قطعِ علائق، حفظِ دقائق، اور ادراکِ حقائق۔ یہ تین خصلتیں ہوں۔ اس راستے کی بنیاد ذکر پر رکھنی چاہیئے۔ مبتدی کے لئے اس سے بہتر بات نہیں ہے کہ ایسا پیر طلب کرے، جو مشفق پختہ کار اور وقت شناس ہو۔ طریقت میں ارادت ایسی ہے جیسی عبادت میں نیت ہوتی ہے۔ چنانچہ عبادت بے نیت کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اسی طرح

طریقت میں حرکت جو ارادت سے خالی ہو کوئی مرتبہ نہیں رکھتی ۔ طریقت کا کام ہمت ہے نہ کہ مشیت جیسا کہ شریعت ہے ۔ جب تک تین باتیں جمع نہ ہوں تصوف کمال کو نہیں پہونچتا ۔ تصوف ۔ اول علم ہے درمیان میں عمل اور آخر میں موہبت (بخشش) علم بے عمل ناقص ہے اور عمل بے علم ناتمام اور عمل بغیر موہبت رسم ہو جاتا ہے ۔ چاہیئے کہ مرید اپنے نفس کو پاس انفاس (اللہ اللہ) میں گذارے (کسی بزرگ) سے پوچھا گیا "کہاں سے آتے ہو؟" کہا اللہ ۔ "کس کے پاس جاؤ گے؟" کہا اللہ! کہا گیا ۔ "کیا کہنا چاہتے ہو؟" کہا اللہ! ، اس کام میں اوّل تجرید و تفرید و ترکِ دنیا ہے دوئم خلوت ظاہر و باطن سوئم ذکر چہارم کم بولنا ، کم سونا ، اختیار کرے اور ہمیشہ باوضو رہے ۔

مجنونِ عام کو حجۃ اللہ فی الارض (دنیا میں اللہ کی حجت) کہا جاتا ہے ۔ یعنی اس کو قیامت کے محشر میں ظاہر کیا جائے گا ۔ اور حضرت کے عاشقوں کو حاضر کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ "ہمارے عشق کا دعویٰ کیا تھا ۔ آج کے دن جب کہ آئے ہو عشق کے آثار سے کیا چیز لائے ہو؟" جواب کہیں گے "حقیر بشر سے کیا ہو سکتا ہے جو کہ حضرت! آپ کے شایانِ شان ہو؟ حکم ہوگا "مجنوں کو لاؤ اور ان کے مقابلے اور معاوضے میں کھڑا کرو کیونکہ یہ مرد بھی بشر تھا اور اپنے جیسے ایک کے عشق میں پھر کیا کیا اور کس حالت کو پہونچا؟" سب کے سب شرمندہ ہوں گے اور سر جھکائیں گے "ناکِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ" اس معنیٰ کا بعید ہے اگر بندے کو سعادت نصیب ہو اور وصل کی دولت کرے اور اس میں سلوک کی ہمت ظاہر ہو تو کوئی پیر پختہ ، راہ یافتہ اور اوقات شناختہ طلب کرے ۔

اور اگر مل جائے تو اس کے قدم پر سر رکھ دینا چاہیئے اور شکرانے میں جان کو کھپانا چاہیئے"

یہاں سے سوال و جواب کا پیرایہ شروع ہو جاتا ہے جو حضرت صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طرز کلام ہے۔ جس سے سوالی کے عرف سے معروف ہوئے۔

سوال:۔ معرفت کیا ہے؟۔ جواب ....

سوال:۔ اوصاف میں محو رہنے والے کا طریقہ کیا ہے؟۔ جواب ....

تصوف کا راستہ چار کلموں کے اندر بتایا گیا ہے اور عالی ہمت مریدوں نے ان چار کلموں کے ۶۰ معنی تلاش کیئے ہیں بلکہ اپنے ظاہر و باطن کا نقش نگیں بنایا ہے اور فوائد و زوائد ...... اور وہ چار کلمے یہ ہیں:۔ گفت[۱] و گو۔ جست[۲] و جو رفت[۳] و رو۔ اور رشت[۴] و شو۔

رسالہ قطب الاولیاء جد اعلیٰ خواجہ حمید الدین محمد احمد الصوفی السعیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب میں نے دیکھا کہ خلق منزل سے بے راہ ہو کر پست ہمت ہوئی اور ہوا و ہوس میں مشغول ہو کر راہ خدا سے بھٹک گئے ہیں۔ گمراہی کو راہ اور راہ کو گمراہی کہہ رہے ہیں تو میں نے چاہا کہ مختصر طور پر چند کلمے عام فہم تحریر کروں لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا تاکہ خوابیدہ لوگوں کو رسالے سے بیداری اور بیداروں کو بخشائش نصیب ہو، انشاءاللہ۔

جاننا چاہیئے کہ راستے تین ہیں۔ تن[۱] کا راستہ۔ دل کا راستہ[۲]۔ اور جان کا راستہ[۳] اور بندے راہ رو برگزیدہ بھی تین بتائے گئے ہیں۔ ایک واقف لوگ[۱]

دوسرے سالک لوگ۔ تیسرے واصل لوگ۔ جو تن کی راہ پر چلتا ہے واقف ہے
اور جو دل کی راہ پر چلتا ہے سالک ہے۔ اور جو جان کی راہ پر چلتا ہے واصل ہے
پہلا گروہ بہشت والے ہیں جن کی ہمت بہشت کے علاوہ نہیں ہے اور جو کچھ
(عمل) کرتے ہیں اس سے مقصود ان کا بہشت اور اسکی نعمت ہے۔ دوسرا گروہ
آمیختگان (ملاوٹ کرنے والے) ہیں کہ ان کا دل کبھی تو نعمت کی طرف میل کرتا
کبھی منعم کی طرف۔ تیسرا گروہ محب لوگ ہیں جو محبت کے سمندر میں ڈوب کر وہاں
سے تمام آلائشوں سے پاک ہو کر نکلتے ہیں اور دو جہاں کی توجہ اپنے دل سے دور کرتے
ہیں اور اپنے اوصاف کو فنا کر کے خوش اور آزاد ہوتے ہیں۔ ہستی کے رنج سے آسودہ
ہو جاتے ہیں

بیان گروہ اول یہ وہ لوگ ہیں جن کی ہمت اپنے سے اور اپنی آسائش سے
تجاوز نہیں کرتی یہاں تک کہ بہشت سے بندھے ہوئے اور اس کی نعمت کے آرزومند ہو گئے
ہیں۔ ان کے نصیب میں اس سے زیادہ نہیں ہے اور یہ لوگ جو مجاہدہ (ریاضت)
بھی کرتے ہیں بہشت کی نعمت وصول کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ ....
نیکی کا لباس پہنتے ہیں اور ہمیشہ خیرات میں کوشش کرتے ہیں، پرہیزگار رہتے ہیں اور
مجاہدہ کثرت سے کرتے ہیں۔ (مگر) سوائے حوروں کے ناز و نعم کے ان کی نظر میں
نہیں آتا کیونکہ صفائے مطلق نہیں رکھتے اسی لئے دنیا اور عقبیٰ ان کے لئے حجاب
بن جاتا ہے۔ اور اگر اُن سے آپ پوچھیں تو کہیں گے، ہمارا دل ان چیزوں سے فارغ
ہے.......... کہتے ہیں کہ بہشت کا اندیشہ نفس کی صفات میں سے
اٹھتا ہے۔ بیشتر سالکان حجاب میں رہے ہیں۔ حجاب میں رہتے ہوئے اپنے

کو بے حجاب جانتے ہیں اور مشغول ہوتے ہوئے اپنے کو فارغ کہتے ہیں۔ ان میں سے جو آمیختگان ہیں اپنے کام کو شانِ عظیم جانتے ہیں اور اپنے حال کو قوی برہان بھجاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر اپنے پیر سے اور اپنے کام پر سے نہیں اٹھی ہے۔ جب یہ بات ہے تو نگاہ کرتے ہیں، خلق کو تباہ شدہ دیکھتے ہیں، راہ سے ہٹے ہوئے پاتے ہیں اور ان کا حال پریشان دیکھتے ہیں اور اپنے آپکو ان کی بہ نسبت ان کے جمع (دل جمعی تسلی و اطمنان میں) دیکھتے ہیں اور اصلاح حال پاتے ہیں۔ ناچار اپنے کو عالی اور اپنے حال کو استعمالی جانتے ہیں اور اپنے حال کو اس قوم کے پہلو میں خالی پاتے ہیں۔ ان میں پندار (تکبّر) ظاہر ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس پندار میں گم کر دیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اُن کی نظر عالَم (دنیا) میں ہے۔ خاص الخاص کے حال سے بے خبر اور فراغت سے ان کا دل بے اثر۔ لاجرم (لا علاج) اس نظر میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

بیان گروہ دویم اور وہ ہے مقتصد (بیچ والا) ایسے لوگ: ان بعض مقامات سے گذر چکے ہوتے ہیں اور گروہ سویم کے بعضے مقامات کے ناظر (دیکھنے والے) ہو جاتے ہیں۔ لیکن سلوک انھیں میسر نہیں ہوتا اگرچہ دیدار کی اجازت کی آرزو کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اُن کی ہمت مجرّد (تارک) نہیں ہوئی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک مجاہدۂ بسیار و ریاضت بے شمار عالم صفات سے ترقی کر لیتا ہے اور ہستی کی آلائش سے ترقی کر لیتا ہے پھر جلد ہی حجاب میں ہو جاتا ہے اور پردے میں چلا جاتا ہے .... جب تک اس کا نفس قائم ہے اس کا حجاب اپنی جگہ پر ہے اور اس کا قوی ترین حجاب اسکی خواہشات ہیں......... گروہ اول کی ہمسائیگی کی وجہ سے ایسا سوچتا ہے کہ دنیا پر نظر مجھے (حاصل) ہے جو کہ مجھ سے زیادہ کسی کو

اور میرے بعد کسی کو نہ ہو گی کیونکہ یہ خاص میری عطا ہے معطی مطلق (آزاد عطا کرنے والے) جلّ ذکرہٗ (جن کا ذکر اعلیٰ ہے) سے یہ اس لئے ہے کہ اس کی نظر ابھی صاف نہیں ہوئی ہے اور ہستی کا حجاب باقی ہے اور جب یہ حال ہے تو بالضرور غرور اس پر رکھتا ہے جب تک یہ امتزاج (ملاوٹ) اس کے دل میں رہیگی اُس کو صفائے مطلق کا دیکھنا میسر نہ ہوگا۔......... یہ آخرت اور نفس کا امتزاج جب تک پورے طور پر محو نہیں ہوتا جس وقت بھی ایسا سالک جو اپنے اوصاف میں آلودہ ہے تفکر کرتا ہے سوائے درجاتِ بہشت و قربت و رویت (دیدار) کے ان کی نظر میں اور کچھ نہیں آتا .... جو چیز بھی حق کے علاوہ ہوتی ہے حجاب پیدا کرتی ہے۔

خاصہ

گفتی کہ حجاب راہ بہ شمر چند است؟ بر خواں و بگو مرا کہ نیکو پند است

آپ نے کہا کہ راہ کے حجاب گنو کتنے ہیں؟ پڑھ دیجیئے اور بتا دیجیئے مجھے کہ اچھی نصیحت ہے

گویم مجمل اگر نہ پذیری از من

مختصر کہتا ہوں میں اگر تو مجھ سے قبول نہیں کرتا جو چیز بھی ہے وہ حجاب و طمع ہے۔

بیان گروہ سوئم | وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ (اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لیگئے۔) یہ لوگ مجرّدان (تارکان) پاک ہیں۔ آب و خاک کی آلائش (آلودگی) سے پاک ہوئے ہوئے لوگ ہیں۔ لہو (کھیل تماشا) سے پرہیز کر لیا ہے اور اپنی صفات کو اپنے میں محو کر لیا ہے۔ ان کا چہرہ دوست کا چہرہ ہے۔ ان کا مقام گاہ دوست کا کوچہ۔ اُن کی ہمت ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ بیخودی کے خرابات (شراب خانے) میں غرق رہیں اور فنا کی شراب سے مست

.... جو اس کے ہاتھ سے پورا پورا اخلاص تلاش کریں اور وصال کی امید پر دوست کے کوچے میں دوڑیں۔ جب یہ قوم تفکر کرتی ہے تو ان کی ہمت سوائے حق کے نہیں دیکھتی اور نہ ان کی صفا میں کدورت (گندلا پن) رہتی ہے اور نہ ان کے کشف میں کوئی حجاب رہتا ہے......... حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے ان کو بشریت (انسانیت) کے غوغا سے خلاص بخش دیا ہے......... سوائے حق کے نہیں جانتے، سوائے حق کے نہیں دیکھتے، سوائے حق کے نہیں سنتے...... جیسا کہ فریدالدین عطارؔ فرماتے ہیں۔

غزل

ترا در رہ خرا باتے خراب است	گر آنجا خانہ گیری ثواب است
تجھے راہ میں ایک ویران شراب خانہ ہے	اگر وہاں رہائش اختیار کرے تو ثواب ہے
بگیر ایں خانہ تا طاھر نہ بینی	کہ خلق عالم و عالم سراب است
اس گھر کی رہائش اختیار کرتا کہ طاہر کو نہ دیکھے	کیونکہ خلق عالم گویا سراب ہے
درآں خانہ ترا یکساں نماید	جہانے گر پر آتش گر پر آب است
اس گھر میں تجھے ایک ہی جیسا لگتا ہے	ایک جہاں خواہ آگ سے بھرا ہوا خواہ پانی سے
اگر پرسی ز سرّ ایں سوائے	چہ گویم من کہ خاموشی جواب است
اگر اس بھید کے بارے میں تو سوال کرے	تو میں بھلا کہوں گا سوائے اس کے کہ اس کا جواب خاموشی ہے
برائے جستجوئے ایں حقیقت	ہزاراں خلق ہر دم در طناب است
اس حقیقت کی جستجو کے واسطے	ہزاروں خلق ہر دم گویا خیمے کی رسی در رسی کر رہی ہے

اس سبب کا حاصل یہ ہے کہ جب تک دل تمام شغلوں سے پاک نہیں ہوتا

اور آویختگی جدا نہیں ہوتی اور تمام متعلقات سے ہاتھ نہیں اٹھاتا تب تک آخرت کے لائق نہیں بنتا اور مراد کا سزاوار نہیں ہوتا۔

یہ رسالہ دوستوں کے واسطے قلم بند کیا گیا تاکہ اپنے مشغل کا آئینہ بنائیں اور فراغت کے وقت میں زیر مطالعہ رکھیں تاکہ ان تین گروہوں میں سے کسی قوم میں پاتے ہیں۔ اسلئے کہ غرور کے ہاتھ سے رہائی پائیں اور خود بینی سے چھٹکارا پائیں کہ کوئی جواب اس سے قوی تر نہیں ہے۔ اور کسی شخص کو اس سے خلاصی نہیں ہے الا ماشاء اللہ۔

قول اول اس کی تنزیہ (پاکی بیان کرنا) کرتی ہے اس تعالیٰ و تقدس کی نازیبا اوصاف سے اور کہتی ہے "سبحان اللہ"، قوم دوئم تنزیہہ کی تحقیق پر شکر کرتی ہے اور کہتی ہے "الحمد للہ"، قوم سیوم جو اوصاف سے باہر آگئے ہیں اور ذات مقدس منظہر کے دیکھنے والے ہو گئے ہیں اور ان کا منہ ہمیشہ یہ رہتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ فقط

اب میں (بقول احسان الحق فاروقی مرتب سلطان التارکین کراچی "رسالہ سوال وجواب" کے لئے سیر الاولیاء (ملفوظات وحالات سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف رجوع ہوتا ہوں پیشتر اس کے کہ میں تبرّکاً سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین کے سوال وجواب ناظرین کے مطالعے کیلئے پیش کر دوں جو سیر الاولیاء کے فاضل مؤلف مولانا سید محمد مبارک العلوی الکرمانی المدعو بہ امیر خورد رحمۃ اللہ علیہ نے مشہورِ زمانہ اپنی کتاب میں حضرت نظام الدین بداؤنی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی دستخطی بیاض سے نقل کیا ہے

امیر خورد کے مندرجہ تین نکتوں میں سے اول دو نکتوں میں سے فردی اقتباسات
پیش کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ سب سے پہلے حضرت امیر خورد نے شیخ حمید الدین سوالی
کو حسب ذیل الفاظ میں یاد کیا ہے:۔ "شاہ اہل تصوف مجرد از آفت تکلف،
عالم با عمل، عابد بے کسل، تہجد گذار، صائم الدہر والی حضرت متعالی شیخ الاسلام
معین الدین حسن سجزی کے ممتاز خلیفہ اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی
قدس اللہ اسرارھم کے ہم خرقہ۔"

سلطان المشائخ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک سوال کے جواب میں شیخ
حمید الدین سوالی نے جواب دیا کہ "جس شخص نے زندگی کی حالت میں اپنے تئیں مستور
و مخفی رکھنے کی کوشش کی، وفات کے بعد حق تعالیٰ اسے مشہور کر دیتا ہے اور جو شخص
حالت زندگی میں اپنی شہرت کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اس کے انتقال کے بعد
کوئی شخص اسکا نام تک نہیں لیتا۔"

اس بزرگ کا ذکر تین نکتوں میں شامل ہے:۔

پہلا نکتہ:۔ شیخ حمید الدین سوالی قدس اللہ سرہ العزیز کے مجاہدے اور
روش کے بیان میں۔ **منقول ہے کہ:** شیخ حمید الدین، ناگور کے خطے
میں ایک بیگھہ زمین رکھتے تھے جو آپکی ملکیت خاص تھی۔ اس ایک بیگھے
زمین میں آپ اپنی زندگی بسر کرتے تھے اور اسی سے اپنے متعلقین کی قوت چلاتے
تھے۔ اول نصف بیگھہ زمین اپنے دست مبارک سے بیلچے (چھوٹا پھاوڑا) سے
درست کرتے اور کچھ کاشت کرتے جب یہ آدھا بیگھا زمین پھلتی پھولتی اور
بارآور ہو جاتی تو پھر دوسرا نصف بیگھا درست کرتے اور اس میں کوئی چیز بوتے

اس سے جو کچھ حاصل ہوتا اسے لابدی قوت اور ضروری سترِ عورت میں صرف کرتے چنانچہ آپ ایک خوطہ (تہبند) چادر کمر مبارک سے باندھتے اور ایک چادر جسم مبارک پر ڈالتے اسی طریق سے دنیائے غدار (بے وفا) میں عمر عزیز بسر کرتے اس سے آگے ناگور کے مقطع[1] کی نذر آراضی اور سلطان[2] وقت کی پانچسو نقرئی سکوں کی تھیلی اور ایک گاؤں کے فرمان کے تھنے کو بی بی خدیجہ کے رد کرنے کی روایت درج کی گئی ہے۔

دوسرا نکتہ:۔ شیخ حمیدالدین سوالی کے بعض کرامتوں کے بیان میں اور اُن مراسلات کے ذکر میں جو شیخ حمیدالدین اور شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہما العزیز کے درمیان واقع ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ناگور میں ایک ہندو رہتا تھا جب وہ شیخ حمیدالدین کی نظر مبارک کے سامنے آتا تو آپ فرماتے کہ یہ خدا کا دوست ہے اور مرنے کے بوقت بایمان ہو کر دنیا سے اُٹھیگا۔ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا۔ انجام کار ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ حقیقت میں شیخ حمیدالدین کی یہ پیشین گوئی آپ کے علوئے درجات اور کرامت کی بہت بڑی دلیل ہے اور اس سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ عواقب امور اور خاتمے پر آپ کی نظر بہت وسیع اور غائر تھی۔

شیخ الاسلام بہاءالدین ذکریا قدس اللہ سرہٗ العزیز کے فرزند کی روایت

---

[1] ڈاکٹر عبدالحلیم۔ دی جنرل آف دی ایشوری پرشاد انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری جنوری، دسمبر ۱۹۸۰ء پارٹ II ص ۱۳۸ پر شہنشاہِ وقت شمس الدین التمش کا ہونا لکھا ہے اور حاکم ناگور کریم الدین حمزہ ہے [2] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے تاریخی مقالات ص ۱۵۴ پر شہنشاہِ وقت شمس الدین التمش لکھا ہے۔ فقیر کو اس سے اتفاق ہے

بیان کرکے کہ صاحبزادے نے نماز جمعہ کے بارے میں شور و غوغہ کرکے خصومت کا دروازہ کھولا تو شیخ حمید الدین اس ایذا رسانی سے پریشان ہوئے لہٰذا اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "صاحبزادے میں نے تمہارے لئے اس جرم کے بمقدار جیس در ولیشانہ کا حکم لگایا ہے جسے تم عنقریب بھگتوگے"، چنانچہ شیخ بہاء الدین اور شیخ حمید الدین دونوں کا جب انتقال ہو چکا تھا تو صاحبزادے کو دورانِ سفر ایک ڈاکو نے گرفتار کرکے قید کردیا اور ان کا سارا مال جو ان کو میراث میں ملا ہوا تھا وصول کرلیا۔ اس واقعے کو درج کرنے کے بعد امیر خورد رقم طراز ہیں کہ اس میں خدا تعالےٰ نے ایک حکمت مضمر رکھی تھی اور وہ یہ تھی کہ شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا قدس سرہٗ العزیز کو خدائے تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی تھی کہ آپ مال کی حفاظت کرسکتے تھے اور انکی معمورہ اوقات، دنیاوی مال و دولت کی وجہ سے متفرق و پریشان نہ ہوئے تھے لیکن جب وہ مال بطریق ارث انکے صاحبزادے کو پہنچا تو انکے حق میں خداوندی ارشاد ہے کہ دنیا کا مال آدمی کے لئے فتنہ ہے صادق ہونے والا تھا کیونکہ ان میں اتنی قوت کہاں تھی جسکے سبب مال و دولت کی حفاظت کرسکتے! پس خدا تعالیٰ نے شیخ بہاء الدین کے فرزندوں کے حق میں بہت بڑا کرم کیا کہ شیخ حمید الدین کی دعا سے سارا دنیاوی مال فرزندانِ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نور اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ سے متفرق و پریشان کرادیا اور انہیں بلا میں نہیں ڈالا۔ یہ نقل بھی شیخ حمید الدین قدس سرہ العزیز کی کرامت اور علوئے درجہ پر دلیل ہے۔

تیسرا نکتہ:۔ ان سوالات کے بیان میں جو اصحابِ سلوک کو راہِ حق میں دشوار و مشکل نظر آتے تھے اور جو شیخ حمید الدین سوالی کی علمی مجلس میں وقتاً فوقتاً پیش ہوتے تھے اور آپ ان کے جوابات دیتے تھے۔ چنانچہ اس کتاب میں ان سوالات و جوابات

کا بطریقِ اختصار ذکر ہوتا ہے کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ ــــــ بعضے سوالات اس ضعیف نے ایک ایسی کتاب میں لکھے دیکھے ہیں جو جناب سلطان المشائخ یعنی نظام الدین اولیاء کی نظر مبارک سے گذری ہے جن میں بعض سوالات وجوابات کو خود سلطان المشائخ نے اپنے قلم مبارک سے (ح) علامت دیکر حاشیے پر نقل کیا ہے میں ان تمام سوالات اور جوابات کو درج کرتا ہوں :۔

سوال ۱:۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ وسوسۂ شیطانی اور اندیشۂ نفسانی اور القاء ملکی اور وحیٔ ربّانی کو کس وجہ سے پہچان سکتے ہیں۔؟

جواب:۔ طالبوں کے تین گروہ ہیں: ایک طالبانِ مولیٰ، دوسرا البنائے عقبیٰ، تیسرا طالبانِ دنیا جو لوگ دنیا کے طالب ہیں ان کو اپنے خواطر کی معرفت سخت دشوار دمحال ہے وجہ یہ ہے کہ انھیں تحصیل مال اور دنیاوی امیدوں میں بہ کثرت مشغولی رہتی ہے اور جو لوگ عقبیٰ کے طالب ہیں وہ دینی اور دنیاوی خواطر میں فرق کر سکتے ہیں ــــــ یعنی طالب عقبیٰ دینی اور دنیاوی خطروں میں اس لئے تمیز کر سکتے ہیں کہ دنیاوی خطرہ حال کے حصے سے آلودہ اور دنیاوی بہرہ کی کدورت سے مکدّر ہوتا ہے اور اخروی خطرہ حال کے حصے سے مجرّد اور دنیاوی بہرہ سے صاف ہوا کرتا ہے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے طالب ہیں وہ عقبیٰ اور مولیٰ کے خطرے میں فرق کر لیتے ہیں۔ اس واسطے کہ عقبیٰ کا اندیشہ دنیاوی بہرہ سے صاف اور مالی حصوں سے خالی ہوا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا اندیشہ دنیاوی بہروں سے پاک صاف اور مالی حصوں سے منزہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ طالبانِ دنیا ہیں ان کا دل پریشان ومتفرق رہتا ہے۔ اور طالبا عقبیٰ کا دل مطمئن رہتا ہے اور طالبان مولیٰ کو کوئی اندیشہ ہی نہیں ہوتا کیونکہ اندیشہ تصور کو چاہتا ہے اور خدا تعالیٰ تصور نیز اس چیز سے منزہ ہے جو خاطر میں آتی

ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ الفقر ، اخیر کے یہی معنیٰ ہیں۔ ۔

اور یہ جو لوگوں نے کہا ہے کہ عبادۃ الفقر اَلْقی الخواطر یعنی فقر کی عبادت خطروں کی نفی کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ فقر کا مرتبہ تصوف سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اگر اصحابِ تصوف ترقی کرنے والے ہوتے اور اہلِ فقر سے بالاتر ہوتے تو انکی عبادت فقراء کی عبادت سے برتر ہوتی اور اگر کوئی یوں کہے کہ صوفی فقیر سے بالاتر ہے کیونکہ فقیر مقامِ عبادت میں ہے۔ اور صوفی مقامِ عبادت سے ترقی کر گیا ہے تو میں کہوں گا " اَیْنَ مَقَامُ الصُّوفِیِ اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ " ، یعنی جب درویشی و فقیری تمام ہو جاتی ہے تو مقام صوفی کہاں ہے۔

سوال :۔ فتوت (جوانمردی) اور مروّت میں کیا فرق ہے ؟

جواب :۔ یعنی ان دونوں میں وہ فرق جو اہلِ معرفت نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ مروّت جوانمردی کی ایک شاخ ہے اور جوانمردی کہتے ہیں دونوں جہاں کی راحت سے چشم پوشی کرنے کو۔ مروّت درخت فتوّت کی ایک شاخ ہے جو دوستوں کے بوستانِ دل میں اگتا ہے جس کا ثمرہ داد و ستد میں مشغول ہوا اور اپنے تئیں اس مرتبے میں نہ رکھے اور فتوّت کا ثمرہ داد و ستد (لینا دینا) کا ترک کرنا اور کونین کے اندیشے سے دل کو دھونا اور اس میں اپنا حصہ نہ ڈھونڈھنا اور محفوظ نہ ہونا ہے۔

سوال :۔ خدا تعالیٰ کا بندۂ خاص کون ہے ؟

جواب :۔ حق تعالیٰ کا بندۂ خاص وہ ہے جسے خدا تعالیٰ عام کی صحبت سے محفوظ رکھے اور خاص و عام کے دام قبول میں نہ چھوڑے اور جس شخص کو تو نے دیکھا کہ اس کے دل کا رخ خلق کی طرف ہے اور اس کا یار اسکی طرف متوجہ ہے ایسے شخص کو خصوصیت کے حلقے سے باہر نکال دینا چاہیئے۔ دنیا شیطان کا جال ہے اور خواہش نفس کا

تو جو شخص اس جال میں پھنسنا نہیں چاہتا اس سے کہدینا چاہیئے کہ دنیا سے ہاتھ اٹھائے اور دانہ کو ترک کردے اور خلق کو جو اس جال میں پھنسنے والی ہے بجائے خود چھوڑ دے۔ درویش! یہ بات نہایت دقیق و باریک ہے، جو عبارت سے ادا ہونے کی گنجائش نہیں رکھتی۔

قطعہ

با خلق نشستۂ خدا می طلبی ۔۔۔ در شیوۂ ناسزا سزا می طلبی

تو خلق کے ساتھ بیٹھا ہوا خدا کو طلب کرتا ہے ۔۔۔ ناسزا شیوہ میں سزا کو طلب کرتا ہے

ایں جا کہ تو ئی ہوا خدا می طلبی ۔۔۔ نیکو بنگر کئی کرامی طلبی

سوال:- اصحاب دل اپنی اصطلاحات میں خرابات اور صومعہ کا بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے معانی ہمارے سمجھ میں نہیں آئے آپ فرمایئے کہ خرابات سے کیا مراد ہے اور صومعہ کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

جواب:- ما را از خرابات خانہ آور رند، یہ اور ان جیسے اور جملے تو نے سنے ہونگے لیکن اب ہوش گوش سے سن کر اس سے زیادہ روشن اور واضح کبھی نہ سنا ہوگا۔ خرابات سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو نہ تھا اور بغیر تیرے، تیرے ساتھ موافقت کرتے تھے بلکہ تیرے بغیر اپنے ساتھ عیش کی شطرنج کھیلتے تھے۔ تجھے خرابات عدم سے صومعۂ وجود میں بھیجا اور وہ چیز عنایت کی جو کسی اور کو عنایت نہیں کی اور جب تو صومعۂ وجود میں آیا خرابات عدم سے باہر آیا یا یہ تبدیل الفاظ یوں کہوں کہ جب تو خرابات عدم سے باہر آیا صومعۂ وجود میں آیا اور صومعۂ وجود میں شراب عہد و دلنوش کی اور جب تو مست ہوا تو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا زمانہ خرابات کو بھول گیا۔ محبوب اوّل جو تجھے فنائے ابد سے وجود میں لایا ہے۔ اس نے چند تقاضا کرنے والوں کو تیرے پاس بھیجا اور

داعیوں کو مقرر کیا تاکہ تجھے صومعۂ وجود سے خرابات عدم کی طرف مدعو کریں اور وفائے عہد کی ندا کر وَاللّٰهُ يَدْعُوا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ پہونچائیں۔ ان ندا دینے والوں میں سے ایک کہتا ہے سَارِعُوا اِلٰى مَغْفِرَةٍ دوسرا کہتا ہے وَاَنِيْبُوا اِلٰى رَبِّكُمْ تیسرا ندا دیتا ہے تُوْبُوا اِلَى اللّٰهِ چوتھا آواز دیتا ہے کہ يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ پانچواں کہتا ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یہ تمام جو تم دیکھ رہے ہو ایک پہاڑ ہے اور دانشمند مرد صومعہ وجود کو گلشن بناتا ہے اب وہ وقت ہے کہ اٹھو اور اپنے دل کا رخ عدم کی طرف لاؤ اور خرابات عدم کو آثار قدم اور انوار دم سے منور کرو اور شراب محبت نوش کرو اور اول روز کے محبوب کو فراموش نہ کرو۔

سوال:۔ دُرد کسے کہتے ہیں اور صافی کون شخص ہے؟۔

جواب:۔ دُرد جگر کو کہتے ہیں اور صافی دل کو خدا تعالیٰ نے جگر اور دل کو برابر برابر ایک دوسرے کو رکھا ہے۔ اے مجھے دُرد میں اس لئے لایا ہے کہ دُرد ہی کھائے جو صافی خور ہے چونکہ مرید طالب ہے ضرور تا جگر میں اور دُرد اس کا حصہ ہے اور چونکہ مراد مطلوب اسلئے ساتھ دل کے ہے اور صافی اس کا حصہ ہے۔

سوال:۔ درد کون ہے اور دوا کیا ہے۔؟

جواب:۔ درد کے ساتھ آ کہ دوا کو پہونچے یعنی نایافت درد کے ساتھ آ کہ یافت کی دوا حاصل کرے۔ درد شوق کے ساتھ آ تاکہ ذوق کی دوا لے جائے درد فراق کے ساتھ آ کہ وصال کی دوا پائے۔ درد نیستی کے ساتھ آ کہ ہستی کی دوا حاصل کرے۔ درد فنا کے ساتھ آ کہ بقا کی دوا پائے اور دنیا کے ساتھ آ کہ بے نیازی کی دوا حاصل کرے۔

سوال :۔ معرفت کسے کہتے ہیں ؟۔ جواب :۔ معرفت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ساتھ حق تعالیٰ کے عقول کے ادراک اور وہم وخیال کے احساس سے خالی اور مجرّد پہچانے کیونکہ اسے کوئی شخص پہچان نہیں سکتا ۔ وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص چاہیئے کہ جب اسے پہچانے تو حاصل کرے۔ وَلَیْسَ فِی الْوُجُوْدِ غَیْرُ اللّٰہِ یعنی وجود میں سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے۔

سوال :۔ پھر معرفت ہے کیا چیز ؟ جواب :۔ اپنے تئیں پہچاننا معرفت ہے ۔نبیوں کے سردار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عبارت میں اسی معنیٰ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔

سوال :۔ اپنے تئیں پہچاننے کے کیا معنی ہیں ؟

جواب :۔ اپنے تئیں پہچاننے کا یہ مطلب ہے کہ تو اپنے مجموع کو پہچانے اور اپنے اجزا کی معرفت حاصل کرے پھر اپنے اجزا کی کلیات کو تمیز کرے اور ہر ایک جزو سے جو مقصود ہے اسے معلوم کرے پھر اسی کے ساتھ ہر کلی کی مراد کا ادراک کرے اور ہر جزو کی خاصیت پہچانے اور اپنے تئیں اپنی حقیقت سے خبردار کرے اور جانے کہ کیا چیز ہے اسی طرح کلیات کی طبیعتیں قبل الترکیب وبعد التعریف پہچانے کہ پہلے کیا تھیں اور آئندہ کیا ہونگی ۔ پھر تو عالم پر گذر کر کے اپنے تئیں پہچانے اور جو تیری اصل ہے اسے حاصل کرے علم کے ساتھ نہیں بلکہ عمل کے ساتھ کیونکہ تیرا عمل ایک دوسری چیز ہے سوائے اس کے کہ جو تو کرتا ہے اور علم دوسری چیز ہے علاوہ اس کے کہ جسے تو جانتا ہے ۔ اور اپنی فرع اور روح کی نسبتیں معلوم کرے علم کے ساتھ نہیں بلکہ عمل کے ساتھ ۔ پھر اگر تو بہشت کے ملنے سے راضی ہے (حالانکہ بہشت کے طالب اور درجات کے ڈھونڈھنے والے

بھی اس زمانے میں بہت تھوڑے ہیں) تو صفات ذمیمہ اور نفسانی نسبتوں کو مٹا دے کیونکہ بہشت کے ملنے کے لئے اسی قدر کفایت کرتا ہے اور یہ بھی اگر تجھے میسر ہو جائے تو معلوم کرے کہ خدا کی محض عنایت سے ہے۔ وہ نہایت ہی صاحب اقبال اور نعیم ور شخص ہے جسے خدائے تعالیٰ بہشت کے ساتھ اختیار کرے اور اگر تیری ہمت عالی ہے تو اس کی طرف گردن نہ جھکائے گا اور تیرا برتر سر اسکی جانب سر نیچا نہ کریگا اور تو اوصاف کو خواہ برے ہوں یا اچھے مع روح کی نسبتوں کے دریائے عدم میں ڈال دے گا۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ اوصاف کی چند قسمیں ہیں :۔ اوصاف حسی، اوصاف نفسانی، اوصاف قلبی، اوصافِ روحی، جو باری تعالیٰ کی ہم نشینی کی وجہ سے معتبر ہوتی ہے۔ اگر بندہ کے ساتھ خداوندی سعادت موافق پڑے تو وہ دولتِ وصلت معلوم کرے اور اسمیں ہمتِ سلوک ظاہر ہو۔ پختہ کار اور جہاں دیدہ پیر حاصل کرے۔ اگر ایسا پیر دستیاب ہو جائے تو اسکے قدموں پر سر رکھنا چاہیے اور جان اسکے شکرانے میں قربان کر ڈالنا مناسب ہے، اور اگر دستیاب نہ ہو تو ان باتوں کو جنھیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اپنا مقتدا بنانا چاہیئے۔ **بیت** :۔

از بختِ بدم گر فروشد خورشید — از نور رخت مہا چراغ گیرم

اپنی بدنصیبی سے اگر آفتاب غروب ہو گیا — تو اے چاند میں تیرے رخ انور سے چراغ روشن کرونگا

ان کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف مشغول نہ ہو کیونکہ اس کا زمانہ ان چیزوں کی مشغولی میں پریشان اور مشوش ہو گا۔ وجہ یہ کہ جو کچھ دل میں آتا ہے اسی راستے سے آتا ہے۔

سوال :۔ یہ تو آپ نے سب کچھ بیان کر دیا لیکن ابھی تک یہ نہیں فرمایا کہ

معرفت کیا ہے؟ جواب:۔ معرفت یہ ہے کہ تو حسوس، نفوس، قلوب، ارواح میں سے ہر ایک مرکب کی صفات کو پہچانے جو باہم ایک دوسرے کے مخالف اور ضد ہیں اور ان صفات کی شناخت علم کے ساتھ بھی ہو اور عمل کے ساتھ بھی کیوں کہ اگر تو انہیں علم کیساتھ پہچانے گا اور عمل کیساتھ دریافت نہ کریگا تو تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اس وقت تجھے عالم کہیں گے لیکن عمل کے ساتھ عارف اسی وقت ہوگا جبکہ ان اوصاف کو محو کردیگا یا یں دوسرے لفظوں میں یوں کہوں کہ جب تو کامل اور پوری صفائی حاصل کریگا تو اس وقت تجھے عارف کہہ سکیں گے۔

سوال:۔ اوصاف کو مٹانے اور محو کرنے کا طریقہ کیا ہے؟۔

جواب:۔ تو اول اوصافِ حسّی کو مٹا ڈال کہ اسکے مٹنے سے اوصافِ نفسانی خود بخود مضمحل اور فنا ہو جائیں گے۔ جب تک اوصاف حسّی قائم ہے اوصاف نفسانی کو اوصافِ حسّی سے مدد پہونچتی رہتی ہے۔ اور جب تک یہ مدد قائم ہے ولایت برپا ہے جب اوصافِ حسّی مٹ جائے اور اوصاف نفسانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو انہیں بھی دستِ فنا میں سپرد کردیتے ہیں کیونکہ اگر باوجود اوصاف نفسانی کے اوصافِ حسّی قلبی اوصاف کو مٹانے اور محو کرنے کی طرف متوجہ ہو نگے تو اس میں انہیں ہرگز کامیابی نہ ہوگی وجہ یہ کہ اوصافِ نفسانی کو حسّی اوصاف سے مدد پہونچ رہی ہے۔ تاوقتیکہ یہ مدد محو نہ ہوگی انہیں صفاتِ قلبی کیطرف رستہ نہیں ملیگا اور وہ یکسو ہوکر اسکی طرف متوجہ نہ ہونگے اور جبتک صفاتِ قلبی موجود رہیں گے نسبتوں کا اسقاط محال ہوگا اور درِ وحدت کے دروازہ تک پہنچنا خیال واہم

بیت

بہ دریائے عصمت فرو رفتہ بہ ٭ کزآنجا بہ دریائے وحدت رسی

عصمت کے دریا میں ڈوب جانا بہتر ہے۔ کہ وہاں سے دریائے وحدت میں پہنچنا ممکن ہے

اس کام کی ابتدا ار خلوت و عزلت اور خدا تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہو کر اپنی فراموشی

قطعہ

بایادِ خودت یادِ خدا شرک بود — تا تو نہ شوی ز خود جدا شرک بود

اپنی یاد کے ہوتے خدا کو یاد کرنا شرک ہے — جب تک اپنی ہستی سے جدا نہ ہوگا شرک میں مبتلا

زانجا کہ فنائے مطلقت می باید — تا ہست وجود تو صدا شرک بود

یہ اس لئے کہ تجھے فنائے مطلق چاہیئے — تا وقتیکہ تیرا وجود ہدایت ہے شرک میں گرفتار ہے

قطعۂ دیگر

آزاد کسے است کہ از خود آزاد است — ہر غم کہ بدو رسد بداں غم شاد است

جو اپنی ہستی سے آزاد ہے حقیقت میں وہی آزاد ہے — ایسا شخص ہر غم میں خوش رہتا ہے

محصول دو کونین کہ در ہمت او — چوں آب نہ گویم کہ ہمہ چوں باد است

جس کی ہمت صرف دین و دنیا کی حصول پر مبنی ہے — میں اسے پانی سے تشبیہ نہیں دیتا بلکہ ہوا ہے

فقط تمام شد اقتباس از سیر الاولیا ص ۶۲ تا ۱۶۴ دہلی ترجمہ از غلام احمد خان بریاں

رسالہ اصول الطریقت

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ اصول الطریقت کو ان کی مشہور تصنیف قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ راہِ سلوک کے جواں مرد جن کا مقصد رسائی بارگاہِ الٰہی ہے تین طرح کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۝ (ترجمہ)

اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے۔ اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گئے۔ یعنی ایک وہ ظالم ہیں جنکو معذور کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ محتاط ہیں جنکو مشکور کا نام دیا گیا ہے۔ اور تیسرے وہ نیکوکار جنکو فانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب تفصیل سے سمجھ لو معذور وہ لوگ ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور توحید کا اقرار کرنے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں حاضری نہیں دیتے اور اگر آتے ہیں تو آہستہ آہستہ بہت دیر میں آتے ہیں اُن نیکیوں کی طرف جلدی کرنے کی مخاطبت سے غافل ہیں۔ مشکور وہ ہیں جو ایمان سے ہم عنان اور اقرار سے ہم رکاب ہیں اور فانی وہ ہیں جنھوں نے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کے خطاب کو یاد رکھتے ہوئے قَالُوا بَلٰی (ہاں آپ رب ہیں) کے اقرار کو طاقِ نسیان نہیں بنایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں دعوتِ اسلام سے پہلے ہی خطابِ ازل اور جوابِ لم یزل کے حکم کو قبول کر چکے ہیں۔ اور ابتداہی میں اسرار الٰہی کی طلب کے لئے میدانِ عمل میں آگئے ہیں۔ ان کے اکثر لوگ ایسے تھے جو پوشیدہ طریقے سے چلے گئے جن کا نام کسی کو معلوم نہ ہو سکا اور ان کا کوئی نشان بھی موجود نہیں۔ البتہ وہ لوگ جن سے شناسائی ہے۔ وہ ایسی شخصیتیں ہیں جن کا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعارف کرایا ہے ورنہ ان کا نام و نشان بھی کوئی نہ جانتا ان شناسا شخصیتوں میں سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو دعوتِ اسلام سے قبل ہی رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طلب میں آگے بڑھے اور اپنے درد کا درمن کیا۔ اور ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے جو جوان ہونے سے قبل ہی قبولِ اسلام کے لئے تیار ہو گئے۔

ایک حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تھے۔ اگر اُن کی تعریف سرورِ عالم نہ فرماتے تو ان کا نام کسی کتابچہ میں نہ آتا اور ان کے حالات کسی کتاب میں درج نہ ہوتے۔ زہے نصیب بارگاہِ رسالت میں آپ عزت دار تھے۔ انھوں نے دنیا میں کچھ رکھا نہ کچھ لے گئے آزاد آئے اور مسرور گئے۔ ایک حضرت سلمان فارسی تھے۔ جو اعلانِ اسلام سے پہلے ہی طلبِ ھدایت کے کوشاں تھے جنھوں نے اول عہد کی پختگی کیلئے صداقت کو تلاش کیا۔ ان حالات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ "فانی" لوگوں کو جب علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کو فنا نہیں ہے تو یہ "فانی" لوگ اس فنا کے طلب گار بن گئے جن کو فنا نہیں ہے۔ اس طرح راہِ عدم میں قدم رکھا اور سرگرداں بن گئے۔ انہوں نے یاس اور ناامیدی کا ورق پڑھا جو پڑھنے کے لائق نہ تھا اور راہِ فنا میں الف کی مانند اس طرح یگانہ اور یکتا ہو گئے کہ اپنا وجود فنا کچھ نہ رہا بلکہ عینِ فنا میں باقی رہے۔ جو کوئی فنا میں باقی رہے اُسے "بقائے ابد" کہتے ہیں۔ اس لئے فقرا کہتے ہیں ہمارے ملکِ درویشی کو زوال نہیں کیونکہ درویشی جو امر سلبی و منفی ہے یہ کوئی ایجابی و اثباتی صورت نہیں رکھتا اثبات کی منفی ہوتی ہے لیکن نفی کی نفی جائز نہیں ہے۔ اور یہ ایک گہرا بھید ہے جو بمشکل سمجھ میں آسکتا ہے۔ اعتقاد رکھو کہ آزاد سینے اور قبروں کے بھید دراصل بھرے ہوئے خزانے تھے اور ہیں۔ اور یہ سب خزانے آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

اور جو خزانہ تباہ ہو جاتا ہے، اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کی دولت برباد ہو جاتی ہے۔

نیز شیخ صوفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ پیٹ کا بچہ یا تو پیدا ہوتا ہے یا گر جاتا ہے۔ اگر گرتا ہے تو دستِ قدرت میں محفوظ اور اگر پیدا ہوتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا زندہ پیدا ہوگا یا مردہ۔ اور اگر مردہ پیدا ہوا ہے تو آیا مرگِ طبعی پر پہونچکر فوت ہوا ہے یا اس سے پہلے۔ اگر مرگِ طبعی پر پہونچکر مردہ پیدا ہوا ہے تو وہ کامل ہوگا یا ناقص۔ اگر ناقص طور پر مردہ پیدا ہوا ہے تو اس کا ٹھکانا، اسکی کمی و نقصان کے لحاظ سے دوزخ ہے۔ اور اگر کامل مردہ ہوا تو وہ موتِ اجتہادِ باطنی کے طور پر مُردہ ہوگا یا موتِ اجتہادِ ظاہری کے طور پر مردہ ہوگا۔ بصورتِ اوّل وہ جنّت کے اعلیٰ مقام میں جائیگا اور بہ صورتِ دوم اپنی بلندی کے مبداء و مرکز تک کسی مقام پر ٹھہرے بغیر پہونچ جائیگا۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طلب کرنا چاہیئے اور بعض محققین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو طلب نہ کرنا چاہیئے۔ سنو! تم ان دونوں اقوال کو باطل اور فرسودہ نہ سمجھو بلکہ دونوں کو حق و سچّا مانو۔ یہ دونوں باتیں تمہاری نظر میں تم کو ایک دوسرے کی مخالفت و ضد دکھائی نہ دینا چاہیئے۔ البتّہ یہ دونوں اس وقت باہم مخالف ہو سکتے ہیں جبکہ ایک ہی زمانے میں ان کا ایک ہی سبب ہو۔ "اللہ کو طلب کرنا چاہیے" کا مطلب یہ ہوا کہ اگر طلب کرو گے تو اس سے تشبیہ لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ ذات یکتا، ان دونوں معانی و صفات سے منزّہ، پاک و برتر ہے۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ تشبیہ اور تنزیہ دینے والوں

کی طرح طلب نہ کرو۔ نیز تعطّل او معطّل رکھنے کی صفت کے ساتھ ترکِ طلب نہ چھوڑو یعنی اللہ کی طلب اور ترکِ طلب سے دست برداری نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کسی خاص سمت میں نہیں ہے کہ اسکی طرف حرکت کرو وہ کسی خاص مقام میں نہیں ہے کہ اس مقام کو جاکر پکڑ لو۔ وہ آنے والا بھی نہیں کہ دعا اور گریہ وزاری کے ذریعے اسے اپنے پاس بلا لو۔ وہ دور بھی نہیں کہ اس کے قریب پہونچنے کی کوشش کرو۔ وہ کھویا ہوا بھی نہیں ہے کہ اسکی تلاش کرو۔ وہ کوئی زمانہ نہیں ہے کہ اس زمانے کے منتظر رہو۔ وہ کسی مکان میں نہیں کہ اس مکان کے چکر لگاؤ۔ یہ تمام صورتیں نفیِ طلب کی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اس کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تم خود اپنی اور اپنے اوصاف کی نفی کرو۔ بشریت کے تمام اوصاف کو ترک کرتے ہوئے ملکوتیت کے صفات سے کنارہ کشی کرکے تمام اشیاء سے علیحدہ و بیگانہ ہو جاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ جس طرح لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ" (اللہ کی مانند کوئی شی نہیں ہے) اسیطرح تمہاری طلب بھی بے مثال و بے نظیر بن جائے۔ یہ صورت "اثباتِ طلب" کی ہے۔ جس کا جی چاہے کر دیکھے۔ لیکن جو کوئی اپنا عکس دیکھنے کے لئے آئینہ صاف نہ کرے تو اس کی طلب کی تکمیل محال و ناممکن ہو گی۔ اسی طرح جو کوئی طلبِ حق میں اپنے دل کے چہرے کو اوصاف بشریت سے صاف نہ کرے وہ ایک امر محال و ناممکن کی تلاش کرتا ہے اور جو کوئی اپنے لوحِ سینہ کو پاک وصاف نہ کرکے یہ کہے کہ وہ راہِ وصال میں گام زن ہے تو در حقیقت وہ بیہودہ بکواس کرتا ہے۔ طلب کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ کا اثبات کرکے اس کا

ثبوت بہم پہونچاؤ بلکہ طلب کے معنی یہ ہیں کہ محو وفنا کردو۔ طلب اسے نہیں کہتے کہ اس کے لئے دوڑتے جاؤ بلکہ طلب یہ ہے کہ اپنے وجود سے ہاتھ دھو لو، طلب اسے نہیں کہتے کہ اسے ڈھونڈ نکالو بلکہ طلب یہ ہے کہ وہ "انا" (خودداریں) چھوڑ دو۔ الغرض تم اپنا آئینہ صاف کرو اور جب تمہارا آئینہ صاف ہو جائیگا تو اسمیں لازمی طور سے "وجود" کا عکس پڑیگا۔

رباعی

رہ رو باید کہ رہِ راست رود ٭ وانکہ دران راہ چوزہ راست رود

طلبگار کو سیدھی راہ چلنا چاہیئے ٭ اور اس راہ میں غلیل کے چلّہ کی طرح سیدھا رہے

کج رو کہ بگوئیمت ہمیں راست بشنو ٭ کج آں باشد کہ برپئے خواست رود

کج رو اپنے راستے کو ٹھیک کہتا ہے اچھی طرح سن لو) ارکج رو وہ ہے جو اپنی خواہشوں پر چلتا ہے

(ختم شد اقتباس اصول الطریقت از اخبار الاخیار صفحہ ۶۶-۶۵ کراچی مترجم اقبال الدین احمد)

نوٹ

صاحب سیرالاولیاء نے حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضرت سلطان التارکین کے پوتے حضرت شیخ فریدالدین چاک پراں اپنے (صاحبزادے نہیں) پوتے فتح اللہ کا عقد سلطان محمد تغلق کی صاحبزادی سے کرنے کی غرض سے دہلی تشریف لائے اور انکی ملاقات حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء سے ہوئی تو حضرت شیخ المشائخ نے اُن سے حضرت سلطان التارکین کی تصنیفات طلب فرمائیں۔ آپنے ناگور شریف پہونچکر اصول الطریقت کا ایک نسخہ شیخ المشائخ کی خدمت میں ارسال کیا تھا حضرت شیخ المشائخ نے جب بطور فال اس کتاب کو کھولا تو یہ شعر نکلا۔

درویش نہ آنست کہ مشہور جہاں است ! درویش ہماں است کہ بے نام و نشاں است

(ترجمہ) وہ درویش نہیں ہے جو دنیا میں مشہور ہو۔ درویش وہ ہے جو کہ بے نام و نشان ہو۔

حضرت شیخ المشائخ نے اس شعر کو اپنے حسب حال سمجھا اور فرمایا کہ ہمارے مشائخ ابھی تک ہماری تعلیم و تربیت فرما رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ رہروان طریقت کے لئے مشعلِ ہدایت کے مصداق نہ ہے۔

(سلطان التارکین اردو ۔ از احسان الحق صاحب فاروقی کراچی ص ۲۲۲)

مکتوباتِ صوفی علیہ الرحمۃ و الرضوان

بعض مکتوبات کے اردو ترجمے کے لئے بھی میں احسان الحق صاحب کی کتاب سوانح صوفی حمید الدین کا مرہونِ منت ہوں۔ وھو ھٰذا :۔

"مشائخ کے خیال کے مطابق اور نصوص و احادیث کی رُو سے دنیا اور اس کا مال حضرتِ تعالیٰ تک پہونچنے سے مانع ہے اور جب ہم سنتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں مشائخ کے پاس اس کا کثیر حصہ ہے۔ اس کے باوجود ان سے خوارق عادات و کرامات ظاہر ہوتی ہیں، تو اس فقیر کو سخت حیرت ہوتی ہے۔ اگر آنجناب برائے لطف و کرم اس عقیدے کی گرہ کشائی کریں تو عین عنایت ہوگی۔ فقط والسلام"

خط دیگر

منجانب حمید الدین صوفی علیہ الرحمۃ بنام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

قطرہ کی طرف سے نہر کو اور نہر کی طرف سے قطرہ کو، اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔ یعنی اللہ کی طرف سے آپ پر رحمت ہو اور برکت بھی

ہو۔ حدیث شریف میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ دنیا شیطان کی شراب ہے ۔ اور دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کل دنیا حرام ہے ۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے دنیا آخرت والوں پر حرام ہے اور آخرت دنیا والوں کے لئے حرام ہے ۔ اور دنیا و آخرت دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہٗ نے عوارف المعارف میں فرمایا ہے دنیا پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جس نے اسکی رسموں کو پکڑا دوزخ میں گیا حدیث شریف میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روایت کرتے ہیں کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ موتی کے پاس مت بیٹھو۔ عرض کیا یا رسول اللہ! موتی کیا ہے ؟ فرمایا اغنیاء اور فرمایا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے :۔ اور یہ معنی دنیا کے تعلق ساتھ حاصل نہیں ہوسکتے ۔

رباعیات فارسی

بے درد کسے بہ دردمنداں نہ رسد ۔ بے سوز کسے بہ مستمنداں نہ رسد

بغیر درد کے کوئی دردمند کے پاس نہیں پہنچتا ۔ جبتک سوز سے ہم نوا نہ ہو کوئی مستمند کیطرف رجوع

دنیا داری و ملکِ عقبیٰ طلبی ۔ قسمتِ تو روزگار چنداں نہ رسد

تو صاحب دنیا ہوتے ہوئے عقبیٰ کی طلب کرتا ہے ۔ تیری قسمت میں اتنا حصہ نہیں ہے

دیگر

بگذار اگر مصدقی دنیا را ۔ ترک آر اگر محققی عقبیٰ را

اگر تو اہل صدق آمیں سے ہے تو دنیا کو چھوڑ دے ۔ اگر حقیقت آشنا ہے تو عقبیٰ کو چھوڑ دے

نفس تو خراست، روح پاک عیسیٰ را ۔ تیرا نفس گدھا ہے ، روح پاک عیسیٰ کا

یہ فقیر اس خیال میں ہے کہ اگر دنیا کے ہوتے ہوئے یعنی دنیا داری میں

مشغول ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے تو ان دونوں راہوں
میں مشغولی سعی لاحاصل ہے اور اگر یہ دونوں راہیں اختیار نہ کی جا سکیں تو بعض سالک
دنیا کے تعلق سے ہی آخرت کی راہ اختیار کر لیتے ہیں اور ان کو غلط راہ نہیں کہہ سکتے
ان کی کرامت کی حکایتیں مشہور ہیں کہ ہمیشہ اچھائی کے کام کی طرف متوجہ ہیں اور
ان کا عمل علم کے مطابق ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ کام مشکل ہے اور اس زمانے میں اس
راز سے واقف آدمی جو کاموں کی حقیقت جانتا ہو بہت عزیز سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ رسالہ قشیری میں درج ہے یعنی دنیا میں عزیز وہ اشیا ہیں جو اپنے عمل کو
علم کے مطابق بناتی ہے۔ اور جو کچھ باتیں کرتے ہیں وہ معرفت اور حقانیت پر
مبنی ہوتی ہیں ازراہِ مرید پروری جواب بالصواب تحریر فرمائیں۔ شیخ الاسلام محمد
غزالی نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ دنیا کی آسائش
میسر ہوتے ہوئے مجھے دنیا کی طرف التفات نہیں ہے اور مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں
ہے تو اس پر اعتبار نہ کر اس لئے کہ وہ اس شخص کے مانند ہوتا ہے کہ جس کے پاس
کنیز ہے اور اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کنیز کی
ضرورت نہیں ہے۔ جب فروخت کر دیتا ہے تو عاشق زار کی شکل میں ظاہر ہوتا
ہے۔ اگر خریدار اسکے ساتھ مہربانی نہ کرے تو وہ ہلاکت تک پہونچ جائے
یہ معنیٰ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ ازراہ عنایت و بخشش ایک رسالہ
لکھکر طالبانِ راہ کے پاس بھیج دیں تاکہ اپنا امام بنائیں۔ اس کا اجر اللہ کی طرف
سے ملیگا اور توفیق باری تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوگی۔ اور ہدایت کے
اتباع کرنے والوں پر سلام ہو!۔

خط دیگر :- بنام بہاءالدین زکریا ملتانی رح

اس حقیر نے ایک اور خط شیخ بہاءالدین کی خدمت میں بھیجا تھا اور جو مشکلیں اس مسکین کو درپیش تھیں آپکی خدمت میں پیش کر کے جواب مانگا تھا۔ آپ نے کسی وجہ سے اس کا جواب نہیں دیا اور اگر دیا بھی تو کافی وشافی نہ تھا پھر اس حقیر نے درگاہِ مجیب الدعوات میں گریہ وزاری کی کہ بندہ کی مشکل آسان کر اور اس عقدہ کی نقاب کشائی فرما۔ حضرت مجیب الدعوات نے بندے کی یہ دعاء قبول فرمائی اور اس طرح فرمایا کہ ارباب شریعت آخرت کے ثواب کے طالب ہیں اور جو نفس وخواہش کے دقائق اور تقویٰ کے حقائق کا انکشاف ارباب طریقت کو ہوتا ہے اس سے محجوب ہوتے ہیں اور اسی طرح اربابِ طریقت کہ قرب کے اسرار اور تجلی ذاتی کے انوار سے کہ طالبانِ مولیٰ کے لئے مخصوص ہیں محجوب ومعذور ہوتے ہیں کیونکہ طالبان مولا کے لئے جو کچھ بھی ذاتِ حق کے سوا ہے اگرچہ کشف ومشاہدہ ہی کیوں نہ ہو حجاب ذات ہے۔ جو چیز کہ حق کے ماسوا ہے، اس میں جو شخص پھنسا ہوا ہے وہ حقیقت میں محجوب ہے۔"

نوٹ :- ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ چونکہ شیخ حمیدالدین صوفیؒ نے غنا اور فقر کی بات شیخ الاسلام شیخ بہاءالدین زکریا کی خدمت میں بہت سے مکتوبات اور رسالے بھیجے اور وہ جواب دینے سے قاصر رہے، اس لئے میں نے اس ماجرا کو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا اور وہاں سے جواب باصواب ملا جس کی عبارت یہ ہے "حق سبحانہٗ تعالیٰ کی راہ کی طلب اور حضرت قدس کے طالبان کے احوال کی بابت عزیز شیخ المشائخ بہاءالدین زکریا رح کی خدمت میں ایک خط لکھا

آپ نے اسباب ثانی میں سے ایک سبب تحریر فرمایا۔ مجھ بیچارے نے اللہ تعالیٰ وتقدس کی درگاہ میں اکثر رجوع کرتے وقت عرض کیا کہ خداوندا شیخ الاسلام نے مجھ ضعیف کو جواب نہیں دیا حالانکہ جواب دینا انکے ذمے فرض تھا۔ بارِ خدایا آپ ہی اس کا جواب عنایت فرمائیں" حق سبحانہٗ تعالیٰ نے دو سال بعد اس کا جواب خزانۂ غیب سے مجھ ضعیف امیدوار کے پاس بھیجا جو اس خط کا عین جواب تھا۔ میں بیچارہ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ سالکوں کے لئے یار اور محبتوں کے لئے یادگار رہے۔

(ایضاً کتاب سلطان التارکین صـ ۲۰۶ تا ۱۹۷)

مکتوب بجانب شیخ فریدالدین گنج شکر اجودھنی رح

یہ کمترین فقیر اولیاء اللہ کی خاکپا ہے اور دل وجان سے اُن کا مرید ہے اُن برادر عزیز کہ اولیاء کے مراتب کے طالب ہیں اور درحقیقت نیکوں کے شمار میں ہیں، آپ کی رفعت کے دوام اور منقبت کے قیام کی دعا کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیگا۔ تحقیق میرا رب کُل باتوں پر قادر ہے۔

جناب کا خط مبارک پہونچا، آنکھوں سے لگایا۔ برکت اور تقرب حاصل کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام کی زبور میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ہمیشہ ذکر کرنا قرب کا حجاب ہوتا ہے اور قرب ہمیشہ اُنس کا حجاب ہوتا ہے اور اُنس کے زمانے میں وصل کی نعمت میں توقف ہوتا ہے۔ فی الجملہ اگر ہوسکے تو گفتگو کے عالم سے جستجو کی طرف متوجہ ہو تاکہ معنیٰ کا جمال نظر آئے اور پوشیدہ عالم سے باخبر ہو اور اپنے کام کا غم کرے۔ برکتیں زیادہ ہوں۔

رباعی صوفی علیہ الرحمۃ

گر او بخودم بقا دہد خوش باشد ور بے خودیم بقا دہد خوش باشد

اگر وہ مجھے بقا دے تو اچھا ہو اور اگر میری بیخودی کو بقا بخشے تو بھی اچھا ہو

من در خود در انتظار وصلش لیکن گر حضرتِ او رضا دہد خوش باشد

میں خود اسکے وصل کے انتظار میں ہوں لیکن اگر اسکی بارگاہ سے رضا ہو جائے تو اچھا ہے

نوٹ:۔ صاحب سلطان التارکین نے دو عدد خطوط حضرت شیخ بزرگ صوفی صاحبؒ کی جانب سے انکے پسر شیخ عزیز الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھی نقل کیئے ہیں جن کا مضمون صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالوں میں آچکا ہے (صـ ۲۰۶ تا ۱۵ و صـ ۲۱۸ تا ۲۱)

مکتوب گرامی:۔ قاضی منہاج الدین ہمدانی ماموں حضرت فرید ناگوریؒ

قاضی منہاج الدین کا مکتوبِ گرامی جو ناگور میں آیا تھا۔ انھوں نے فرید الدین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ارسال کیا تھا جو ہم نے والدہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پڑھا گیا۔ لکھتے ہیں کہ دنیا کو کس نے مسخر کیا ہے اس دنیا نے بھی وہی کیا جو کچھ میرا مقصد ہے تحریر میں نہیں آسکتا۔ ضروری ہیکہ ڈھ اور کھاٹو کی حکایت تحریر میں لے آؤ۔ اوحید الدین کی والدہ اور میری خود کی والدہ عصمتہا اللہ دعاء وسلام پہنچاتے ہیں قبول کرو۔ اس جگہ سراج الدین نظام الدین کے لڑکے ہیں عرض گو ہوں کہ اگر مل جائیں تو سلام پہنچانا۔ ان کو وصیت کرنی ہیکہ اصولِ فقہ۔ صدر شہید (جو مولانا رکن الدین دام فضلہٗ نے لکھی ہے) لکھ لیں اور بھول نہ کریں۔ (مجموعۂ سرور الصدور درگاہ فتحپور صـ ۱۴)

ع ۱ سلطان التارکین صـ ۱۷ — ۲۱۵

حضرت صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

عقائد و اعمال

احیاء سنت مولف سرور الصدور نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کو حضرت شیخ بزرگ صوفی صاحبؒ سے مروی سمجھنا چاہیے۔ نقل ہے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ میرے خلفاء پر خدا کی رحمت ہو" (صحابہ) نے پوچھا آپکے خلفاء کون ہیں؟ یا رسول اللہ؟ اس پر آں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ لوگ کہ جب میری سنتیں مردہ ہو چکی ہونگی تو وہ میرے بعد میری اُن سنتوں کو زندہ کریں گے۔"

عدم تکفیر اہل قبلہ یہ مسئلہ تفسیر کشاف کے مطالعے سے اٹھا جس کو سامنے رکھکر شیخ بزرگ یعنی صوفی علیہ الرحمۃ پڑھ رہے تھے فرمایا یہ کتاب چھوٹی سی ہے مطالعے کے لئے خوب ہے۔ فرمایا جو کچھ دوسری کتابوں میں ہے اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اسی کتاب سے لیکر لوگوں نے اپنے نام سے علیحدہ کتاب تالیف کرلی ہے۔ صاحب کتاب اگرچہ "معتزلی[1]" تھا لیکن سب نے اس کی تفسیر کی تعریف کی ہے۔ اور مولانا زین عینی فرمارہے تھے "زمین بالا[2] سے کوئی

---

[1]: معتزلہ، ایک معقول پسند فرقہ ہے جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے اور انکا عقیدہ ہے کہ توحید الٰہی عقل کے ذریعہ بغیر وحی کے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ اللہ کو منزہ صفات خیال کرتے ہیں یعنی خدا میں متضاد صفات نہیں ہو سکتیں۔ یہ خلیفہ مامون رشید کے دور میں بغداد کا سرکاری مذہب بن گیا تھا

[2]: زمین بالا سے کنایہ از ملک خراسان۔

شخص آیا تھا اس کو کشاف کی چار جلدیں پوری یاد تھیں جو تغلق کے لئے حیرانی کا سبب تھا"۔ پھر فرمایا صوفی علیہ الرحمۃ نے کہ (امام اعظم کے مطابق) اہلِ سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر بدعت ہے۔ اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ (سرور الصدور ص ۳۶)

حفظِ کلام اللہ:۔ حفظ کلام اللہ پر بات چھڑ گئی۔ فرمایا صوفی علیہ الرحمۃ نے کہ "قرآن کا یاد کرنا" ایک اہم مہم ہے۔ قرآن کو تو یاد ہی کرنا چاہیئے۔ ایک مصحف (نسخہ) جو مطالعے میں رکھیں اسی کا التزام رکھیں اور اپنی تلاوت میں رکھیں کہ متخیلہ (دماغی قوت) اس پر قرار پکڑتی ہے اور جب ہر ایک مصحف سے پڑھا جاتا ہے تو متخیلہ سے نکل جاتا ہے اور حفظ کی قوت نہیں رہتی اور یہی متخیلہ لوحِ محفوظ ہے"۔ ان الفاظ سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت شیخ بزرگ صوفی[۱] بذاتِ خود حفظ کلام اللہ سے شرف یافتہ تھے (سرور الصدور ص ۳۶)

رویتِ باری تعالیٰ:۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اللہ کا جلوہ برداشت نہ کرتے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے اور (طور) پہاڑ جل اٹھا تھا لیکن خواب میں رویتِ باری تعالیٰ ممکن ہے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ (مرید شیخ بزرگ) کے گھر میں صوفی حمیدالدین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں مریدین خوش دل اور شاداں بیٹھے ہوئے تھے اور ہم (شیخ فرید) اس وقت چھوٹے تھے

---

[۱] حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اور بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نظام الدین بدایونی کو بھی تلقین فرمائی تھی چنانچہ اول الذکر نے سن رسیدگی میں اور آخر الذکر نے جوانی کی عمر میں حفظِ قرآن کی دولت حاصل کی۔

ایک ساعت کے بعد میں نے دیکھا کہ سب کے سب رو پڑے اور ایک دوسرے کے پیروں پر گرنے لگے۔ چند روز کے بعد میں نے ایک کاغذ والد (عزیز الدین) کا مخطوطہ دیکھا کہ شیخ جیو قدس سرہٗ العزیز نے حضرت رب العزت کو خواب میں دیکھا تھا کہ فرما رہے تھے "اگر یار (ساتھی) نے گناہ کیا اور بعد اس کے معافی کا خواستگار ہوا اور آپ لوگوں نے اس کا عذر قبول کر لیا تو مجرم تم لوگ ہوئے اور اگر گناہ کیا اور معافی نہیں مانگی تو ایسے میں وہی مجرم ہوا۔
آخر میں والد نے لکھا تھا کہ یہ بھی ہماری تعلیم کے لئے ہے۔ نہیں تو حضرت عزت اس سے بے نیاز ہے کہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد فرمایا کہ کچھ روز بعد میں اسی کاغذ سے کہ والد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا معلوم ہوا کہ اسی روز شیخ بزرگ یعنی صوفی حمید الدین قدس سرہٗ العزیز نے یہ خواب یاروں کے سامنے بیان کیا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے کے پیروں پر گر کر عذر خواہی کر رہے تھے۔ (سرور الصدور ص ۲۲۹ تا ۵۰)

مسئلہ ترک گوشت خوری حضرت سلطان التارکین کو گوشت سے پرہیز ہو گیا تھا۔ "تارکین کے بادشاہ" نے جہاد نفس کے سلسلے میں ترک گوشت کو بھی ایک حربہ بنایا۔ وصیت کر گئے کہ میری وفات کے بعد کوئی میری روح کے لئے گوشت کا انتخاب نہ کرے (گوشت بروح من نہ دہند) چنانچہ انکے جانشین شیخ فرید چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق آتا ہے کہ عرس میں گوشت پکانا منع تھا (منع پختن گوشت در عرس) جس پر آج تک درگاہ کمیٹی کے اہل اہتمام کاربند ہیں۔ اس پر بعض اہل علم کو اعتراض ہے بلکہ فتویٰ صادر کرنے کو تیار ہیں۔ لہٰذا اس میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ منتہی سلوک کے اعمال و محظوظ (حظ کی جمع لطف مزہ) کے اخذ و ترک کے سلسلے میں ان کی مشہور زمانہ تصنیف "عوارف المعارف"

سے پیش کرتا ہوں جو تیرھویں صدی سے بعد کے زمانے تک چشتیہ حلقوں میں نصاب کے طور پر پڑھی جاتی رہی ہے۔ فرماتے ہیں "وہ سلوک کا منتہی صوفی کبھی حظوظ و مطالباتِ نفس کو پورا کرتا ہے اور کبھی حسن سیاست سے کام لیتے ہوئے ان خواہشات سے نفس کو روک دیتا ہے۔ پس وہ اس بارے میں کلی اختیار رکھتا ہے۔ پس جو کوئی حظوظ کو کلیتہً ترک کر دے پس وہ پورے طور پر زاہد و تارک کبھی وہ ترک عمل پر عمل پیرا ہوتا ہے اور کبھی اخذ پر کاربند ہوتا ہے ـــــ دونوں حالتوں کے اختیار کرنے میں وہ درست کار اور صحیح ہے۔ اور اسی کا نام "نہایت النہایت" ہے۔ یہ صحیح حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال والا منزلت کے مشابہ ہے ـــ
ـــــ اسی بناء پر جب ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں گوشت نہ کھاؤں تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تو گوشت کھاتا ہوں اور مجھے گوشت پسند ہے اور اگر میں اپنے رب سے خواستگاری کروں وہ مجھے روز (گوشت) کھلائے تو وہ مجھے ضرور کھلائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلیل ہے کہ آپکو اس امر میں کلی اختیار حاصل تھا (یعنی آپ پسند فرمائیں تو گوشت تناول فرمائیں اور پسند نہ فرمائیں تو استعمال ترک فرمادیں) مگر خود آپ نے اپنی مرضی مبارک سے گوشت کھانا ترک فرمادیا تھا۔ کچھ لوگ اس سلسلے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے (گوشت تناول فرمایا ہے اور ترک استعمال بھی کیا ہے) تو وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو خود شارع (صاحب شریعت) تھے اگر ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس

صورت میں آپکے ترک و اختیار کی اتباع ضروری نہیں تو یہ محض جہالت ہو گی اس لئے کہ اس سلسلے میں رخصت آپ کے ارشاد گرامی تک ہے اور اسی طرح عزیمت کا مدعا یہ ہے کہ آپ کے فعل کی اتباع کی جائے۔ پس حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں ارباب ہمت اور راحت طلب حضرات دونوں کے لئے دلیل موجود ہے (دونوں نصب العین رکھنے والے حضرات کیلئے ہے) صفحہ ۱۴-۱۲۷

(ختم شد اقتباس از عوارف المعارف اردو ترجمہ از شمس بریلوی، نئی دہلی ۱۹۸۰ء)

حضرت میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب مآثر الکرام میں سید محمود اکبر قدس سرہٗ کے تذکرے کے تحت رقمطراز ہیں کہ ـــــ کسی جاندار کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ یہ حضرات ابدال کا طریقہ ہے اس لئے کہ ابدال جاندار کو نہیں مارتے یہانتک کہ موذیوں کو بھی تکلیف نہیں پہونچاتے۔ عارف جامی قدس سرہٗ نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ " امیر چہ، سفال فروش دکان سے بچھو اٹھاتے اور قلعہ کے برجوں اور اسکی فصیل پر لے جاکر چھوڑ دیتے تھے اور شیخ الاسلام (پیر ہروی) نے کہا کہ میرے والد کسی جاندار کو نہیں مارتے تھے یہ ابدال کا طریقہ تھا اور موصوف ابدال میں سے تھے۔ یہ پیر ہری وہی ہیں جنکا نام نامی حضرت صوفی نے سرور الصدور میں جگہ جگہ استعمال کیا ہے پیر ہری یوں فرماتے ہیں پیر ہری یوں فرماتے ہیں یہ پیر ہری ملکِ ہرات کے شیخ الاسلام تھے آپکا نام عبداللہ انصاری ہے۔ ایک صاحب دولت کسی جاندار کو تکلیف نہیں پہونچاتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن کوئی چیز ایک چھوٹی سی چیونٹی پر مار دی۔ چیونٹی گر پڑی اور مر گئی۔ اس کے بعد سے اپنے ہم زاد فرشتے کو نہیں دیکھا

(انتہیٰ کلمات نفحات الانس)

خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں تحریر ہے کہ جو شخص دو گائے ذبح کریگا اس نے ایک خون کیا اور جو شخص چار گائے ذبح کرے تو اس نے دو خون کیے اور جو شخص دس بکریاں ذبح کرے تو گویا اس نے ایک خون کیا (انتہیٰ) عبارت

حضرت صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق چیونٹی کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ ان کے لباس میں جب آپ اپنے سسرال لاڈنوں سے واپس لوٹ رہے تھے راستہ میں کہیں بیٹھ گئے تھے وہاں سے کوئی چیونٹی آپکے لباس میں لپٹ کر ناگور چلی آئی تھی۔ آپ واپس گئے اور چیونٹی کو اسی مقام پر چھوڑ دیا۔ گوشت کے بارے میں بھی جب انکے پوتوں نے سوال کیا کہ اگر قصاب کے یہاں سے گوشت لایا جائے تو کیا قباحت ہے فرمایا کہ وہ بھی تو خون ہی ہے فقط (مآثرالکرام کیلئے دیکھئے اردو ترجمہ صـ ۱۱۶)

نماز خشوع و خضوع

حضرت صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ صائم الدہر تو تھے ہی۔ حج کی نعمت سے سرفرازی حاصل تھی۔ تارک الدنیا کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ رہی نماز تو یہ افضل العبادات، معراج المؤمنین ہے۔ صوفی صاحب کی نماز! خاصانِ خدا کی نماز یعنی خشوع و خضوع والی نماز تھی۔ مؤلف سرورالصدور رقم طراز ہیں کہ جس وقت نماز گذارتے تھے، حضوریٔ قلب کے ساتھ ایسے مشغول ہوتے تھے کہ کسی چیز کی خبر نہ رکھتے تھے۔ نقل ہیکہ ایک دفعہ پیر نہروالی کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ

مولانا شمس الدین حلوائی اور دیگر لوگ جو اجمیر سے اُن کے پاس آئے ہوئے تھے، مسجد میں آگئے۔ شیخ اسی طرح نماز کی حالت میں رہے اور اتنی دیر تک نماز میں رہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکے۔ جب شیخ نماز سے فارغ ہوئے وہ لوگ جا چکے تھے۔ اس کے بعد جب ملاقات ہوئی تو ملامت اور عتاب کیا کہ کیا ہوا تھا! ہم تیرے پاس آئے اور تو نے اپنے آپکو نماز میں مشغول رکھا۔ شیخ صوفی حمیدالدین نے قسم کھائی کہ میں ہرگز خبردار نہ ہوا تھا کہ کوئی مسجد میں آیا ہے یا باہر گیا ہے۔ ان کو خدا کے ساتھ ایسی مشغولی ہوئی تھی کہ کسی اور چیز سے فارغ تھے (مولانا حلوائی رح کو یہ بات تسلیم تھی کہ نماز ہو تو ایسی ہو جیسی ہمارے حمید کی (سرورالصدور ص ۳۶۸)

علم الفرائض کی تاکید شیخ بزرگ صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "فرائض (علم تقسیم میراث) پر بحث کیا کریں تو اچھا ہے۔ کیونکہ اوّل علم جو مفقود ہوگا وہ علم فرائض ہے

خاصہ صوفی حمیدالدین علیہ الرحمۃ

در کردہ مکن نگاہ توفیق نگر ٭ تا آں نشود تباہ توفیق نگر

(سرورالصدور ص ۲۴۵)

حُسن خلق حضرت شیخ فریدالدین چاک پرانؒ کی روایت ہے کہ خادمت بشیخ بزرگ صوفی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ جنید بغدادی سرورالصدور ص ۹۷-۲۸۷ کے حوالے سے فرمایا کہ ایک پستان سے دودھ پینے سے رضاعت (دودھ کی شرکت) کا حق واجب ہو جاتا ہے اسی طرح سے ایک برتن میں کھانا کھا لینے سے محبت و صحبت و نگاہ داشت کا حق ایک دوسرے پر واجب ہو جاتا ہے۔ اور حضرت

جنید کا یہ بھی قول ہے کہ جس شخص نے خالق اور خلق کی بلا (مصیبت) جھیل لی وہ صوفی صافی ہے۔ ایک کتاب میں دیکھا گیا کہ انبیاء علیہ السلام بلائے خدا اور بلائے خلق دونوں کو برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن اولیاء خدا کی بلا تو جھیل لیں گے لیکن خلق کی بلا نہیں جھیل سکتے ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ جس شخص کا خُلق (اِخلاق) بہتر ہے وہ اچھا صوفی ہے کیونکہ تصوّف بھی اچھے اخلاق کا نام ہے۔ فرمایا کہ چاہیے کہ موافق رہو اور ایک دوسرے کی جفا و ظلم کو برداشت کرو۔ ایک بخشش تم سے طلب کرتا ہوں۔ دے سکتے ہو دے سکتے ہو چند بار یہ لفظ پلٹ پلٹ کر فرمایا۔ بخشش یہ ہے کہ ایک دوسرے کو گود میں اٹھاؤ اور صلح رکھو۔ جب سر ایک دوسرے کے قدم پر رکھ لیا گیا تو فرمایا یہ اچھا ہوا اب راحت ہوئی۔ قوت رونما ہوئی عمدہ سخن یہ ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اصلِ این است .... دیگر فرمایا کہ جو تمہارے ساتھ اقبال کرے اسے چاہیے کہ تواضع کے ساتھ پیش آئے تواضع تواضع کہ بار بار شیخ بزرگ صوفی حمید الدین کے لفظ مبارک سے سُنا گیا .... جدّہ (دادی خدیجہ مالی علیہا الرحمۃ) نے والد یعنی شیخ عزیز الدین علیہ الرحمۃ کو نصیحت کی تھی کہ وہ عزیز بھلو ہوئیں۔ بُردمت ہوئیں سب کو پیارے ہوئیں۔"

منصور حلاج ولی تھے انہوں نے خلق کی بلا کا تحمل نہ کیا اور موسیٰ نبی تھے انہوں نے دونوں کا تحمل کیا تھا۔ (سرور الصدور صـ ۶۹-۶۸-۳)

کارِ مسلمانی آسان نہیں:

فرمایا کہ حدیث پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ جو کوئی کہے کہ پورا عالم فاسد ہو گیا ہے تو وہی خود فاسد ہو گیا ہے جو ایسا کہتا ہے دوسرا نہیں

جو شخص حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے اس کی زبان گدی سے
نکال لی جائے۔ کسی کی ہمت ہے کہ خلاف کرے۔ فرمایا ہے کہ ہر راوی کہ جو
حدیث بیان کرتا ہے اور اس کے خلاف کام کرتا ہے وہ حدیث اس سے نہ سنی
جائے اور اس سے جرح کرے۔ کار مسلمانی آسان نہیں، جسکو کبھی جو بھاتا ہے
کہتا ہے اور کرتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ نیکی کرنا ایسا ہے جیسے بھاری پتھر بلندی
پر لے جانا اور بدی کرنا ایسا ہے جیسے بھاری پتھر بلندی سے نیچے پھینک دینا۔
بدی کرنا نہایت ہی آسان ہے اور نیکی کرنہایت ہی دشوار (سرور الصدور ص ۳۷)
اردو کا شعر ہے۔ یہ شہادت گہہ الفت پہ قدم رکھنا ہے
لوگ کہتے ہیں کہ آساں ہے مسلماں ہونا

الہام کسی نے کہا ہے کہ الہام متصوفہ کے نزدیک حجت خدا (خدائی
دلیل) ہے اور بعضے سادات بھی انکے ہمنوا ہیں۔ ـــــــ لیکن الہام
دراصل نور دل ہے کہ آدمی کے بغیر خواہش، بے اندیشہ و بے تفکر حق تعالیٰ کوئی
چیز دل میں ظاہر کر دیتا ہے جو کہ سوچ وبچار سے حاصل نہیں ہوتی اور اصل کار مشاہدہ
ہے، دیگر باتیں طفیلی (ثانوی) ہیں۔ معتزلیان دیدار الٰہی کے منکر ہیں۔
عبدالجبار قاضی ہو گئے ہیں لیکن معتزلی تھے ان کے ایک یار تھے درویش۔
ایک بار انہوں نے قاضی کو مہمان کر کے بلایا اور الوان نعمت بنوائیں اور خوان
آراستہ کیے اور وہ مائدہ (دسترخوان۔ کھانا چنا ہوا) باہر بھیج دیا، مگر خود
باہر نہیں آئے۔ کہا کہ کھائیے۔ قاضی صاحب نے کہا میں ان کی نعمت بغیر انکے دیدار کے
نہیں کھاتا۔ بعد اسکے درویش خود باہر آیا اور کہنے لگا کہ اے قاضی! چونکہ

مخلوق کی نعمت مخلوق کے دیدار کے بغیر کام نہیں آتی اور کھائی نہیں جاتی۔ پس خالق کی نعمت جو نعمتوں میں بہترین ہے اور اسکا دیدار جو کہ نعمتوں اور راحتوں کے ماوراء ہے بغیر اسکی نعمت بغیر اس میزبان کے دیدار کے کس کام کی؟

(سیر الصدور صـ ۳۷۳)

کرامات نقل ہے کہ ایک بزرگ ہوئے ہیں صلاح الدین وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے گویا ایک اچھی پاکیزہ جگہ ہے اور وہاں پر ایک منبر درست کیا گیا ہے اور وہاں پر تمام مشائخ سلسلے وزمانہ وار حاضر ہیں جیسے کہ حضرت جنید بغدادی اور دیگر مشائخ بیٹھے ہوئے ہیں۔ بعد اس کے میں نے دیکھا کہ شیخ بزرگ شیخ حمید الدین صوفی علیہ الرحمۃ اس منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں ان مشائخ کی طرف رخ کرکے کہتے ہیں قُوْلُوْا جَمِیْعاً (کہئے سب لوگ) لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ جب دن نکلا تو میں شیخ بزرگ کے حجرے کے دروازے پر آیا تاکہ شیخ حمید الدین کو بتلاؤں کہ رات کو میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ جیسے ہی انہوں نے چاہا کہ میرا اپنا خواب انکی خدمت میں بیان کروں، اس کے پہلے ہی شیخ بزرگ قدس سرہٗ نے فرمادیا کہ "صلاح الدین! جو بھید کہ ظاہر کیا گیا ہے کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے جیسے ہی شیخ نے یہ کہا میں حیران رہ گیا اور خاموش ہو گیا کچھ نہ کہا اور لوٹ گیا۔

نقل ہے کہ نصیر الدین اندخوئی علیہ الرحمۃ شیخ جو یعنی صوفی حمید الدین کے مرید تھے ان کو ملتانیوں کے ساتھ بھی آشنائی (شناسائی) اور نشست و برخاست بہت تھی وہ فرماتے تھے کہ ایک بار حمید ملتانی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ شیخ صوفی کی خدمت میں رہتے ہو اور ان کے مرید بھی ہو، شیخ سے کسی وقت کوئی

کرامت دیکھی جاتی ہے۔ میں نے کہا کونی کرامت کیا معنی؟ میرے شیخ کا احوال سب کا سب کرامات ہی ہے چونکہ مرید صادق تھے۔ ان کو اس طرح کا جواب دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں شیخ کی خدمت میں آیا تاکہ ان کی طرف سے کسی بات کا معائنہ کروں میں آیا تو مجھ سے فرمایا نصیر الدین! کچھ جانتے بھی ہو کہ کرامت کو حیضُ الرجال کیوں کہتے ہیں؟ خود ہی جواب بھی ارشاد فرمایا کہ یہ اس لیے ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے اپنے کو پوشیدہ رکھتی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس حال کو جان جائے اور اگر ناگاہ اس کے حال سے کچھ ظاہر ہو جاتا ہے کس طرح شرمندہ ہوتی ہے؟۔ اسی طرح مرد لوگ اپنی کرامت کو پوشیدہ رکھتے ہیں تاکہ مردوں کے درمیان شرمندہ نہ ہوں جیسے ہی شیخ صوفی نے یہ فرمایا میں حیران رہ گیا اور شرمندہ بھی ہوا۔ میرے پیر صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا حال تو اس طرح تھا۔ شیخ بزرگ صوفی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے

رباعی صوفی علیہ الرحمہ

بادل گفتم کہ اے دلِ شیدائی ※ زنہار مرو تو در رہ پیدائی

ہر چند کہ پنہاں روی از دیدۂ خلق ※ در حلقۂ مردانِ خدا پیدائی

مریدو خلفاء صوفی حمید الدین علیہ الرحمہ

(۱)۔ شیخ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ جو آپکے محبوب ترین خلفاء میں تھے اور انکے گھر میں شیخ اور تمام یارانِ طریقت کی نشست و برخاست رہتی تھی۔

(۲) یٰسین ترک رحمۃ اللہ علیہ (۳) سید حیدر رحمۃ اللہ علیہ

(۴) نصیر الدین خونی رحمۃ اللہ علیہ (۵) ابوبکر کہائی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان تمام مذکورہ حضرات کے مزارات درگاہ ناگورہی میں ہیں

(۶) مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ۔ جو کہ بلند دروازہ کے چھوٹے گیٹ کے سامنے ہے اندرون درگاہ آپکا مزار ہے کتبہ کوئی کتبہ چور چرا کرلے گیا نقل کتبہ رجسٹر میں ہے

(۷) شیخ رمضان رحمۃ اللہ علیہ (۸) محمود قتالؒ جنکا مزار کھاٹو کی پہاڑی پر ہے

(۹) ضیاء الدین نورباف رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کھاٹو اول ناگور میں، تاریخ روایت دوم کھاٹو میں بیان عبدالحمید صاحب سلیمانی رح بزبانی مولانا محمد علی صاحب۔

(۱۰) حضرت رانا دصیر رحمۃ اللہ علیہ جنکا مزار بھوانا ایرواں شریف پنجاب میں ہے

(۱۱) امیر محمد رحمۃ اللہ علیہ فتح آبادی۔ مزار ایرواں شریف میں ہے۔

(۱۲) حضرت داناشیر رحمۃ اللہ علیہ۔ مزار حصار پنجاب میں ہے۔

صوفی حمید الدین علیہ الرحمۃ ناگوری کی تصنیفات

(۱) آپکی ملفوظ اسرار الصدور و نور الیدور فارسی ۴ جلد نسخے فقیر کے پاس ہیں

(۲) رسالہ اصول الطریقت ،، فقیر کے پاس زیراکس ہے

(۳) رسالہ چہار منزل ،، فتحپور

(۴) رسالۃ السماع ،، ،،

(۵) رسالۃ العشق ،,

(۶) —— رسالہ آیات القرآن عربی مرحوم عبدالحمید کے پاس ہے، ناگور میں۔ مولانا محمد علی جھن جھنوی نے دیکھا ہے

(۷) —— رسالہ سوال و جواب فارسی فتحپور

(۸) —— رسالۃ السلوک یہ جملہ تصانیف آج بھی موجود ہیں ،،

(۹) —— فتاوئ حمیدیہ جو، اب ناپید ہے

(۱۰) —— ملفوظ شرف الانوار ، کا حوالہ اخبار الاولیاء، سرور الصدور میں موجود ہے، اہلِ خاندان کے پاس ہے، یا ناپید، واللہ اعلم بالصواب

(۱۱) —— ہفت ملفوظ صوفی حمید الدین، بروایت پیر رونق عثمانی ناگور میں ہے دوسرا نسخہ ہفت ملفوظ فقیر حقیر کے خسر حضرت پیر کریم بخش سنگھانوی کے پاس تھا جو ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد سندھ چلے گئے

ذکر شیخ عزیز الدین سعید علیہ الرحمہ

آپ حضرت سلطان التارکین کے فرزند رشید ہیں۔ چھوٹے بیٹے کا نام شیخ نجیب آتا ہے مگر آپ خوردسالی ہی میں فوت ہو گئے۔ لہٰذا حضرت صوفی علیہ الرحمہ کی نسل عزیز الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہی چلی ہے۔ بقول حضرت انوار الحق دیباچہ نویس صاحب معارف و جذبات و خداوند زھد در یاضت تھے۔ پدر عالی قدر کے حین حیات و سلامتی میں ہی اس سرائے فانی سے رخت اقامت باندھا۔ ان کے وفات کا قضیہ اس طرح ہے کہ لیلۃ الرغائب

یعنی ماہِ رجب کی پہلی شبِ جمعہ کو نمازِ عشاء کے بعد قوال سماع کر رہے تھے اور یہ ابیات کہہ رہے تھے:-

غزل

مست شدی جستنِ خمار چیست | پست شدی گفتنِ اسرار چیست
جاں بدہ وجاں بدہ وجاں بدہ | فائدہ گفتنِ بسیار چیست

قوال ہر بار جب ان اشعار کو دہراتے تھے تو شیخ فرماتے "وجاں دادم بجاں دادم وجاں دادم" ایسی حالت میں گھر آئے۔ زحمت (بے آرامی) ہوگئی خود ہی فرماتے تھے کہ اس زحمت سے صحت پانے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ دوشنبہ (سوموار) بائیس ۲۲ ماہِ رجب کو انتقال فرمایا البتہ احوالِ مشائخ کے تذکروں میں آپکی وفات کو اسی حالتِ وجد میں نقل کیا گیا ہے اور خود ان کے فرزند شیخ فریدالدین محمود بھی اسی طرح فرماتے ہیں کہ والد نے گویا سماع ہی میں جان دی۔

اس مجموعے میں ظاہر نہ ہوا کہ یہ غزل کس کی ہے لیکن سیّدی بسمل سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ غزل سلطان التارکین کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

آپکا سالِ وفات[1] اس کتاب سرور الصدور میں نظر نہیں آیا لیکن چونکہ اس قدر ثابت ہے کہ پانچویں جمادی الاولیٰ ۶۶۶ھ میں آپ زندہ تھے۔

---

[1] تحقیق کاتب الحروف فقیر حقیر تارک ناگوری فارسی حاشیہ مخطوطہ شجرۃ الابرار تصنیف حاجی نجم الدین پروانہ فتحپوری رح ص ۵۱۳۔ یوم دوشنبہ ۲۲ رجب المرجب وقتِ ضحیٰ ۶۷۶ ہجری میں وفات پائی مرقد مبارک اپنے والد بزرگوار کے قریب احاطہ درگاہ ناگور شریف میں ہے۔

اور پدر بزرگوار کی وفات ۶۷۷ھ سے پہلے گذر گئے، پس شیخ عزیز الدینؒ کی
وفات بائیسویں [۲۲] رجب سنہ ۶۶۶ھ یا اس کے بعد انتیسویں [۲۹] رجب ۶۷۷ھ
کے درمیان انہیں گیارہ سالوں کے درمیان یقینی ہے۔
قوالی والی پوری غزل ہمکو دستیاب ہے، جو ہم گذشتہ اوراق میں درج
کر چکے ہیں۔

شیخ عزیز الدینؒ اپنے والدین کے بڑے چہیتے رہے ہیں۔ جس وقت
حضرت شیخ بزرگ صوفی صاحب رحؒ کو حج کے لئے روانگی کے وقت مسجد نبی
میں قاضی کمال الدین وغیرہ رخصت کرنے آئے تھے رخصت کے وقت صوفی
صاحب کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ جامع ملفوظات نے نقل
کئے ہیں "عزیز را عزیز بدانید"، (ہمارے عزیز کو عزیز (پیارا) جانیے گا) جس کو
سن کر سب لوگ رونے لگے تھے۔ دوسرے موقع پر جب صوفی صاحب اپنے گھر
والوں کو حسن خلق، کی تلقین کر رہے تھے حضرت خدیجہ مائی رحمہا اللہ تعالی والدۂ
عزیز الدین کے الفاظ ہیں "عزیز بھلو ہولی۔ عزیز پیارو ہولی" یہ ماتا بھری
ماں کی محبت کے الفاظ ہیں۔ وہی تین فرزندوں کے باپ شیخ عزیز الدین
"جاں بدہ"، کی للکار پر لبیک کہتے ہیں اور بالآخر جان جان آفریں کے
سپرد کر دیتے ہیں۔

شیخ عزیز کا نکاح ایسا لگتا ہے سنعیال کے قاضی گھرانے لاڈنوں
میں ہوا تھا۔ اس نکاح سے تین فرزندوں کا پتہ لگتا ہے۔ شیخ وحید الدین
احمد بڑے، شیخ فرید الدین محمود منجھلے، شیخ نجیب الدین ابراہیم چھوٹے

ہم سب سے پہلے چھوٹے فرزند نجیب الدین پر بات کریں گے جن کے فضل
واستعداد اور نظم ونثر کی خداداد "قابلیت تھوڑی بہت مجموعے، سے ظاہر ہے
اور جن کی صلاحیت اور تقویٰ اور راست کرداری محتاج بیان نہیں ہے۔"
ان کے منجھلے بھائی شیخ فریدالدین سے خاصہ ربط اور محبت تھی۔ ان کے
دہلی کے حالات کے لئے ہم پھر ماہنامہ منادی دہلی سے رجوع کرتے ہیں۔
ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا ترجمہ اس طور پر ہے:۔

شیخ نجیب الدین ابراہیم نے دہلی جاکر حضرت نظام الدین اولیاء
کی خانقاہ میں بھی کچھ وقت گذارا اور اُن سے استفادہ کیا تھا۔ کہتے تھے "
ایک دِن شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ ایک بوڑھے
مولوی صاحب بڑی سی پگڑی باندھے ہوئے آئے اور شیخ نظام الدین اولیاء
کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے "حضرت! آخر قاضی عالم کو یہ قبولیت
کہاں سے نصیب ہوئی ہے؟ ہم یہاں سرائے میں پڑے رہتے ہیں۔ کوئی پوچھتا
بھی نہیں اور وہ جیسے ہی آتے ہیں، لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اعزاز
واکرام بھی کرتے ہیں۔ آج ہی ایسا ہوا کہ فوراً اُنہیں آگے آگے لے گئے۔ خوب
نذریں ملیں اور اعزاز واکرام الگ رہا۔"

حضرت نظام الدین اولیاءؒ خاموشی سے مولوی صاحب کی گفتگو
سنتے رہے اور کچھ نہیں فرمایا۔ پھر وہ مولوی صاحب خود ہی کہنے لگے:
"میں نے سنا ہے کہ ناگور میں کوئی پیر تھے۔ ان کا نام شیخ حمیدالدین رحؒ
تھا، یہ قاضی عالم ان کے نظر یافتہ ہیں" جب مولوی صاحب نے یہ جملہ کہا

تو حضرت نظام الدین اولیاء نے میری طرف اشارہ کیا کہ "یہ صاحب انہیں کے پوتے ہیں"۔ مولوی صاحب نے اُٹھ کر میرے قدموں پر سر رکھ دیا"

ایضاً (اخبار منادی صنا)

نجیب الدین ابراہیم جاگیر میں، جو عطیۂ سلطان محمد تغلق تھی، اپنے بھائیوں کے مساہم (شریک حصہ دار) تھے اور فرید الدین رح سے دو سال چھوٹے تھے جیسا کہ مراسلوں اور مکتوباتِ باہم سے ظاہر ہے۔ اپنے خط میں منجھلے بھائی برادر خورد کو لکھتے ہیں کہ "جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد خواجہ سدید الدین کے خواہر زادے (بھانجے) احمد نے محبوب بھائی کا مکتوب مرغوب پہونچایا۔ جو غزل آخر میں تھی وہ بہار الدین قوال کو دے دی گئی۔ (اس نے) فی الحال یاد کرلی اور حلقۂ سماع میں کہی ــــ یاروں کو ذوق وشوق پیدا ہوا:" (سرور الصدور صلا۲۱)

نجیب الدین ابراہیم کی وفات ۷۳۴ ہجری میں ہوئی اُن کے چار[؟] لڑکے ہوئے جن کے نام دستیاب نہیں ہیں۔ [۱]

بڑے بھائی وحید الدین احمد سعید صوفی کا نام اُن کے بچپن کے زمانے میں آتا ہے جب کہ کوئی صاحب ان کے والد بزرگوار کے لئے نذر لائے

---

[۱] تحقیق فقیر حقیر تارک ناگوری فارسی مخطوطہ شجرۃ الابرار۔ حاجی نجم الدین ص۵۱۵ میں لکھا ہیکہ نجیب الدین پسر خورد بن شیخ عزیز الدین۔ آپکا نام ابراہیم سعید صوفی تھا اور لقب نجیب الدین مزار شریف ناگور میں ہے احاطہ کے اندر نزدیک اپنے جدِ اعلیٰ کے۔ آپکی اولاد شجروں میں بوندیلہ شہر بلرا ور دیگر بلاد میں ہے دہلی میں آپکی اولاد سے شیخ عزت اللہ اور شیخ عبدالرحیم سکونت رکھتے تھے۔

تھے۔ نذر لانے والے صاحب کو کہہ دیا گیا کہ حضرت شیخ بزرگ (صوفی صاحب) نذریں نہیں لیتے ہیں۔ مگر انہوں نے اصرار کیا تو وہ نذر وحیدالدین صاحب کے سپرد کی گئی کہ وحیدالدین وہ نذر صوفی صاحب کو پیش کر دیں گے۔ سلطان محمد تغلق کے جاگیر ڈیہہ والے فرمان میں بھی نجیب الدین صاحب کے ساتھ وحیدالدین کا نام آتا ہے یعنی تینوں بھائیوں کے ساجھے میں وہ گاؤں سلطان دہلی کے فرمان کے مطابق عطا ہوا تھا۔ تیسری بار وحیدالدین صاحب جو بیعت و ارادت اپنے دادا بزرگوار سے رکھتے تھے، حضرت بندگی شیخ نظام کے سلسلے میں شیخ نظام ناگوری کے مورثِ اعلیٰ کے بطور نامزد ہوتے ہیں۔ ان کے حالات پر سرور الصدور میں بہت کم روشنی پڑتی ہے لیکن انکے شجرے میں انکی اولاد کے نام محفوظ ہیں۔

حضرت شیخ فریدالدین محمود بن سعید صوفی

عرف چاکیراںؒ

حضرت صوفی حمیدالدین تارکین رحمۃ اللہ علیہ نے کافی بڑی عمر پائی یعنی اسّی سے تجاوز کر گئے تھے لہٰذا ظاہر ہے کہ ان کی سن رسیدگی میں بیٹے شیخ عزیزالدین صاحب اولاد ہو چکے تھے۔ منجھلے صاحبزادے شیخ فرید کی تعلیم و تربیت میں، والد یعنی شیخ بزرگ کے ساتھ خود بھی حصہ لیتے تھے۔ صوفی صاحب شیخ حمیدالدین کا مدرسہ، قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ، گھر ہی پر لگتا تھا۔ اس زمانے میں استاد اور شاگرد، دونوں ہی کا معمول تھا کہ نصاب کی کتابیں خود ہی کتابت کر کے مہیا کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آتا ہے کہ والد عزیزالدین نے کتاب ...... بیٹے فریدالدین کے لئے نقل کی تھی حتیٰ کہ صوفی تارکین صاحب بھی کوئی کتاب نقل کرتے کرتے اس دنیا سے سدھار گئے۔

مدرسہ کی تعلیم، علوم ظاہری کی کتب متداولہ سے شروع ہوتی تھی
مگر ایک منزل پر آکر عربی ادب کی صرف و نحو کو خانقاہوں میں ثانوی درجہ دیا جاتا تھا
یعنی ابتدائی جماعت کا نصاب پورا کرنے کے بعد منتہی درجے کے طالب علم سے امید کی جاتی
تھی کہ نحو عربی کی کتابیں بر طرف کر کے علم باطن یعنی تصوف و طریقت کے ادب پر
اپنی طبیعت کو مرکوز کرے چنانچہ فریدالدین جاکیتراں طالبعلم کے لئے نحو کا پڑھنا چھڑا[۱]
دینے کیلئے کہا گیا تو حضرت سلطان التارکین نے فرمایا کہ وہ اپنے آپ چھوڑ
دیگا۔ لیکن سرور الصدور اور مکتوبات مجموعہ کی ورق گردانی سے ظاہر ہوتا ہے
شیخ فریدالدین کی استعداد عربی زبان و ادب میں خاصی تھی حتیٰ کہ فارسی کے علاوہ
عربی میں بھی شعر گوئی کرتے تھے۔ من جملہ دوسری کتابوں کے تفسیر مدارک شیخ فرید
نے اپنے شیخ و جدّ (دادا) اور استاد حضرت صوفی صاحب سے شروع کی تھی۔ بعد کے
زمانے میں اس کتاب کو جاگیر کے گاؤں موضع ڈیہہ میں لے جاکر بھی پڑھا کرتے تھے۔

اگر تاریخ ولادت شیخ فرید کی ۶۴۵ ہجری مان لی جائے تو ۶۶۶ ہجری کے
وقت آپکی عمر اکیس[۲۱] سال کی بیٹھتی ہے جب کہ والد شیخ عزیزالدین کی وفات حسرت
آیات ۶۶۶ اور ۶۷۳ھ (وفات حضرت سلطان التارکین) کے درمیان قیاس
کی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ صوفی صاحب کے ستاسی[۸۷] سالہ عمر کے آخری حصہ میں عزیزالدین
کی وفات کے بعد حضرت صوفی کی عمر شریف کے بہترین آخری زمانے میں شیخ فرید نے
جوان العمری کی بہترین منزلیں طے کیں۔ تاہل کے بارے میں سرور الصدور میں براہ راست
کوئی بیان ایسا نہیں ملتا جس سے ظاہر ہو کہ آپکا نکاح لاڈنوں کے قاضی فضیل احمد

کے پوتیوں یا نواسیوں میں سے کسی کے ساتھ ہوا تھا لیکن شیخ فرید کا قاضی بزرگ کے انتقال پر یعنی خاندانِ لاڈنوں کے مورثِ اعلیٰ کے اٹھ جانے پر جب لاڈنو جانا ہوا تو چالیس دن تک فریدالدین صاحب ہی مرحوم و مغفور کے مزار پر صاحب تذکیر رہے اور ایک جگہ اپنے ماموں کا نام قاضی منہاج الدین اور خالہ کا نام فاطمہ دینے کے علاوہ اپنی اہلیہ محترمہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ ان اشارات و کنایات سے ظاہر ہے کہ کم از کم تین پیڑھیوں تک سلطان التارکین سے لے کر چاکڑاں رحمۃ اللہ علیہ تک لاڈنوں کے ساداتِ ہمدانی خاندان کی لڑکیاں ناگور کے فاروقیوں کے نکاح میں آتی رہیں۔ اور شیخ فریدالدین کے اہل خانہ کی مرض الموت پر اُن کے ماموں قاضی منہاج الدین ہمدانی عیادت کیلئے تشریف لائے تھے۔

"شیخ فریدالدین چاکڑاں نے دو ایک بار صفر ۷۲۹ھ (دسمبر ۱۳۲۸ء) کی ایک مجلس میں فرمایا کہ میں ستّتر سال سے تذکیر (وعظ) کہہ رہا ہوں۔ پہلی بار سات سال کی عمر میں منبر پر قدم رکھا تھا۔ اس حساب سے ۷۲۹ھ میں آپکی عمر ۸۴ برس کی ہوئی اور ولادت کا سن ۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) تسلیم کیا جائے گا جیسا کہ اوپر گذرا۔ اُن کے والد کا انتقال ۶۶۶ اور ۶۷۷ھ کے درمیان کسی وقت ہوا۔

"شیخ فریدالدین ناگوری دہلی جاتے رہتے تھے اور آخر عمر میں یہیں آکر بس گئے تھے۔ اُن کا انتقال ۷۳۴ھ میں بہ عمر ۸۹ سال قمری ۱۳۳۳ء میں حضرت نظام الدین اولیاء کے وصال (۱۳۲۴ء) سے نو سال بعد ہوا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام میں ۷۲۹ھ اور ۷۳۴ھ کے مابین (۱۳۲۸ - ۳۳ء) آپ کی مجالس اور ملفوظات قلم بند کیئے گئے جس میں آپ نے اپنے دادا شیخ حمیدالدین ناگوری

کے ملفوظات بھی بیان فرمائے ہیں اور اسی کا نام "سرور الصدور و نور البدور" ہے

سرور الصدور کے مجموعے مکتوبات و رسائل وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فریدالدین صوفی پہلی بار صفر ۶۸۱ ہجری (اپریل ۱۲۸۲ء) میں بعہد سلطان بلبن) دہلی آئے تھے صوفی حمیدالدین ناگوری کی وفات کے چوتھے سال اور دہلی سے اپنے چھوٹے بھائی نجیب الدین ابراہیم کے نام ایک خط بھی لکھا تھا کہ "حضرت نظام الدین "شیخ وقت" ہیں۔ تم مجھے جب بھی خط لکھو اپنی اور تمام اعزا کی جانب سے اُن کی خدمت میں سلام ضرور لکھنا۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہو۔ مرد صاحب درد بجز دہلی میں سوائے ان کے میں نے کوئی نہیں پایا۔ اَدَامَ اللّٰہُ بَرَکَاتِہٖ وَاَنْفَاسِہٖ اِلیٰ کَافَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ ؏"

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے ملاقات کرنے کے لئے دوبار بنفسِ نفیس تشریف لے گئے اور اُن کا وعظ سننے کا اشتیاق بھی ظاہر کیا۔ جس حجرے میں یہ ٹھہرے ہوئے تھے اُسے دیکھکر بہت حیرت کا اظہار فرمایا کہ آپ اس تنگ و تاریک حجرے میں کیسے رہتے ہیں؟ پھر غیاث پور جاکر اپنے خادم (حاجی) محمد صوفی کو بھیجا کہ وہ شیخ فریدالدین کا سامان لے آئے اور ان سے کہے کہ میرے حجرے کے اوپر اتنی جگہ ہے کہ آپ وہاں آرام سے ٹھہر سکتے ہیں۔ شہر میں جہاں کہیں حضرت نظام الدین اولیاء کو بلایا جاتا تھا، آپ کہلا بھیجتے تھے۔ کہ شیخ فرید ناگوری بھی میرے ساتھ آئیں گے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :۔ (ترجمہ)

"شیخ وقت شیخ نظام الدین سلمہ اللہ تعالیٰ تذکیر (وعظ) کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ ضعیف چونکہ ان کا الطاف و کرم سب لوگوں سے بڑھکر دیکھتا ہے، لہذا

اس کو رد نہیں کر سکتا - انشاء اللہ! بأحسن الاحوال (کیسی اچھی طرح سے) میسر ہو جائیگا - شیخ نظام الدین نے فرمایا تھا - اور دو بار اس ضعیف کے پاس آئے تھے نہایت تعجب کرتے تھے کہ اس حجرے میں کس طرح رہتے ہو! اس کے بعد حاجی محمد کے بدست پیغام بھیجا کہ اس جگہ، جگہ ہے میرے حجرے کے اوپر اگر آجائیں تو ان کا کرم ہوگا - اور اس دعا گو نے معذرت کری کہ یہاں مسجد جمعہ نزدیک ہے - اور مولانا شرف الدین ہو صحی سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے پاس بھی جاتا ہوتا ہے عذر کر دیا (کیونکہ) اس مدت میں گھر کی طرف مراجعت (واپس) ہو جائے گی اور زحمت نہیں دینی ہو گی - مع ہذا (اسی کے ساتھ) یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں دعوت میں آپکو بلایا جاتا ہے اس ضعیف کو طلب کرتے ہیں اور جو کچھ از روئے کرم ان کی طبیعت کے مناسب ہوتا ہے، اکرام (بخشش) کرنے میں دریغ نہیں کرتے - حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے الطاف (مہربانی) کی حق گذاری کی توفیق کرامت کرے؛

دوسری بار شیخ فرید صوفی دہلی کب آئے اس کا علم نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بار دہلی سے واپسی محرم ۶۸۷ھ = فروری ۱۲۸۸ء میں ہوئی تھی بعہد سلطان کیقباد (نبیرہ جانشین سلطان غیاث الدین بلبن) یہی وجہ ہے کہ سلطان بلبن اور سلطان کیقباد کے عہد حکومت کی بعض روایتیں سر در الصدور میں درج شدہ ملتی ہیں جو ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروزشاہی میں مفقود ہیں. مثلاً سلطان بلبن کا قول کہ "میری مملکت میں تین قاضی ہیں اور قاضی منہاج سراج کی مثال اس قاضی کی بتائی جو اللہ سے ڈرے نہ سلطان سے ڈرے - علیٰ ہٰذا القیاس کیقباد کے زمانے کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی منہاج نوجوان عیاش

سلطان کیقباد کے درباری ماحول میں اس حد تک رچ بچ گئے تھے کہ سلطان کے اشارے پر جب ہوری نام کی فاحشہ آگے بڑھکر اسکی گردن میں باہیں ڈال کر لٹک گئی تھی قاضی کی طرف سے کوئی ردّ عمل نہیں ہوا۔ (سیر والعدور ص ۳۶۳-۳۶۴)

مکتوب امیر خسرو اسی زمانے کا "مکتوب ملک الشعراء امیر خسرو بر خدمت شیخ فریدالدین رح" جامع ملفوظات نے نقل کیا ہے:

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خدمت گارِ درویشاں خسرو بعد تبلیغ عبودیت عرض کرتا ہے: خدمت گار خطۂ ناگور میں پہونچا۔ بوقت قدمبوسی عزیزان مختصر یادگار رہی جس سے بے حد شرمندگی ہوئی جب مخدوم زادے[۲] شہر (دہلی) میں آئے، غیاث پور میں شیخ (نظام الدین اولیاء) کے مقام پر ملاقات ہوئی تھی۔ خدمت گار نے خیال کیا کہ آپ کو چند روزہ سکون حاصل ہوگا اور رخصت کے وقت اقامت کی شرط پوری ہوجائیگی (لیکن) یہ دولت (خوش نصیبی) محرومی کے پردے میں پوشیدہ رہی اور آپ کی واپسی ہوگئی اور خدمت مولانا نجیب الدین سلمہ اللہ بھی اس کے بعد دکھائی نہیں دیے۔ بہ ضرورت خدام فقراء کے واسطے ازراہ انبساط کچھ بھیجا گیا[۳] ازراہِ کرم قبول فرمالیا جائے اور اس جرأت کے لئے معافی دی جائے۔ ہمیشہ خدائے خالق کی رضا کے لئے ہے۔"

---

[۱] مکتوب کا یہ جملہ حضرت شیخ فریدالدین ناگوری کے زمانے میں انکے ناگور شریف میں قدم رنجہ فرمانے کی شہادت دے رہا ہے۔ [۲] مخدوم زادے سے مراد شیخ فریدالدین مکتوب الیہ کے صاحبزادے ہی ہوسکتے ہیں

[۳] نذر من جانب حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ۔

عہد خلجیہؒ میں ناگور[۲]

سلطان کیقباد کے بعد دو تین واقعات سوالکھہ کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً منڈور (جودھپور) سلطان التمش کا مفتوحہ، جب دہلی سے چھوٹ چکا تھا تو، بالآخر سلطان فیروز (خلجی) نے دوبارہ فتح کر کے دہلی میں شامل کیا مگر کتبہ، جسکا ایک ٹکڑا ہی محفوظ رہ گیا ہے۔ ظاہر نہیں کرتا کہ سلطان فیروز دراصل خلجی ہے یا تغلق، کیونکہ سن سمت بھی محفوظ نہیں ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں اختلاف کیا جاتا ہے لیکن رائج رائے یہی ہے کہ یہ کتبہ جلال الدین فیروز خلجی کا ہونا چاہیے۔ نہ کہ فیروز شاہ تغلق کا[۱]

دوسرا واقعہ کافر مغلوں (منگولوں) کے سردار کپک کے حملے سے متعلق ہے جس کا حوالہ سلطان علاء الدین خلجی کے حالات کے تحت ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے اپنے مضمون میں دیا ہے[۲] میں مولانا ابوالکلام آزاد عربی و فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ٹونک راجستھان) کے اردو ترجمۂ خزائن الفتوح (غیر مطبوعہ) سے اقتباس کر کے پیش کرتا ہوں فرماتے ہیں حضرت امیر خسرو:-

"جب کافروں (منگولوں) کی غبار انگیز فوج (خدا انکو غارت کرے) دسے کے مہینے کے آخر (جاڑے کی شروعات اکتوبر نومبر) میں شیخی بازی کے ساتھ

---

[۱] ابی گرافیا انڈیکا۔ عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۶۷ء صـ ۲۳-۲۲ ڈاکٹر دیسائی فیروز تغلق کا مانتے ہیں۔

[۲] ناگور ایک بھولی بسری حکومت صـ ۱۷۲ انگریزی۔

ہندوستان کے باغ کی طرف، جسکی سب سے نچلی ولایت بہار ہے، بادِ خزاں کے جھونکے کی طرح تندی کے ساتھ آگے بڑھی اور دور کی زمین سندھ سے گرد اٹھا لی تو اس جانب کے باشندوں نے پت جھڑ کے زمانے میں پتوں کے مانند بھاگنا اور اپنا اسباب پھینکنا شروع کیا۔ فتنے کی اس تیز آندھی نے، چونکہ اتنی طاقت ورنہ تھی کہ سامانہ و کہرام کی خاک سے گرد اٹھا سکے، ناگور کے بیابانوں[1] کی جانب جنگل کا رخ کیا اور اس علاقے کے بادیہ نشینوں کو بھگانے لگی۔ جب ان مُردار خوروں اور ان کتوں کے کاٹے ہوئے مُردوں کی لاشوں کی بدبو بڑھنے لگی اور ناگور کی خوشبودار مٹی[2] کو جو پسے ہوئے چندن (صندل) کے مثل ہے، بدبودار بنا دیا۔ ہوا باز قاصدوں نے اس عفونت زبخر (منھ کی بدبو) کی خبر تلوار کے دشمنی سلطان کے مشک جیسی خوشبو والے محل میں پہونچادی۔ بادشاہ ابوالمظفر نے، کہ اس کے اخلاق کی خوشبو ہرن کے نافے کی طرح ہے، ان گندہ دہن (مغلوں) کے خلاف، عنبر میں بسے ہوئے اسلامی شہر (دہلی) سے جنگ جو فوجوں کو حکم دیا کہ عنبر جیسا (خوشبودار) غبار اڑانے والے اشہب (بھورے خاکستری) گھوڑوں کو ایسی طرح روانہ کریں کہ کہیں اس کا آوازہ پھیلنے نہ پائے

---

[1] "ناگور کے بیابان" سے مراد غالباً جودھپور کا منسلکہ ضلع ہے۔

[2] ناگور کی خوشبودار مٹی کی تحقیق تو نہ ہو سکی البتہ حضرت شیخ احمد کھٹو کے ملفوظات میں ناگور کے سفید چمپا پھول کے بارہ میں خبر دی گئی ہے کہ یہ پورے علاقے میں اپنی خوشبو اور خوبصورتی کے لیے اس قدر مشہور تھا کہ دُنیا بھر گل چنبیا شیخ احمد

اور ایسا نہ ہو کہ گندی موچھوں والا تاتائیو ہیبت کے مارے اپنی کرسی کو گندہ کر دے اور خراسان (ایران) کے مشک بید علاقوں کی طرف بھاگ نکلے۔ بھاؤ جیلی خصلت والے مُلک عزالدولۃ والدین کافور سلطانی نے تعطر المجالس الاعلیٰ باخلاقہ (درگاہِ اعلیٰ اسکے اخلاق سے معطر ہو) جو کہ محترم لشکر کار فرمائی پر نامزد ہوا تھا، ہرن سوار شیروں کو اتنی عجلت سے روانہ کر دیا کہ انہوں نے شام کے مشک اور صبح کے کافور میں فرق نہیں کیا یہانتک کہ اپنی مہم پر چیتوں کی طرح شکار کی بو سونگھتے ہوئے پہونچ گئے۔ جیسے ہی کہ مجاہدوں کے گرد کی پھیلتی ہوئی مہک ان بدبویوں (مغلوں) کے آس پاس پہونچی ہوگی کہ سب کے سب اس خوشبو کے پھیلتے ہی مشکین (سیاہ) ہو گئے۔:

شعر ؎ اور سب کے سب اس خوشبو میں ایسے پراگندہ ہوئے جیسے کوئی مہکی آندھی چلنے سے پراگندہ ہوتی ہے (خزائن الفتوح)

آمدم برسر مطلب عہد خلجیہ میں شیخ فریدالدین چاکر[۳] ان کی نقل و حرکت پر سرورالصدور سے کوئی روشنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے میں نے مندرجہ بالا متفرق واقعات ناظرین باتمکین کے ملاحظے میں پیش کیے۔ کتبوں کے مطالعے سے ایک بات اور بھی معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں صدی عیسوی میں کبھی بٹری کھاٹو کے علاقے کا الحاق دارالخیر اجمیر سے (۱۳۲۰ع)

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۲۷ ناگور کے مقطع کو پیش کیا کرتے تھے (مرقاۃ۔ ڈاکٹر دیسائی کا انگریزی تکچر صفحہ ۵۷) ؏ ناگور کا گلاب۔ امیر خسرو کی کتاب خزینۃ الفتوح میں بھی ناگور اپنے گلاب کیلئے مشہور تھا ویسے بھی راجستھان میں مثلاً پشکر، اجمیر گلاب کیلئے مشہور ہیں

[۳] آئی، اے، پی، ایس، ایس ۶۷ صفحہ ۲۰و۱۹ ۷۳ صفحہ ۲۰ -

ہوجاتا تھا اور بعض وقت ناگور اور جالور کو ایک شق کے تحت جوڑ کر گجرات (پٹن) کے ساتھ (۱۳۸۰ء) ملحق کیا ہوا پایا جاتا ہے۔ جس سے ناگور کی اہمیت کو ٹھیس لگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں عہد خلجیہ سے آگے بڑھکر عہد تغلق کے پس منظر میں حضرت شیخ فرید الدین ناگوری اور ناگور کے صدر مقام کا جائزہ پیش کرتا ہوں :-

عہد تغلقیہ اور ناگور

"سلطان محمد بن تغلق (تخت نشینی ۱۳۲۵ـ۵۱ء) اپنے زمانے کا جید عالم تھا۔ شاید ہی علم و ہنر کا کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر اس کو کامل عبور نہ ہو۔ اسکا تابناک تخیل نئی نئی اسکیمیں تیار کرتا تھا۔ ایسی اسکیمیں جنکی افادیت سے انکار کرنا ناانصافی ہوگی لیکن ان کو عملی جامہ پہنانے میں وہ اتنی جلدی کرتا تھا کہ سوسائٹی کے مختلف طبقے ان کو سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ اور اسکی مخالفت پر آمادہ ہوجاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اسکی ہر معقول اسکیم، عوام کی ناراضگی کا باعث بن جاتی تھی۔

محمد بن تغلق نے جب ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالی تو اسے محسوس ہوا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے وہاں سیاسی نظام کی بنیادیں بھی کمزور ہیں۔ دکن کے حالات کا تجزیہ کیا تو یہ ہی بنیادی سبب نظر آیا۔ اُس کے پیش رو باوجود بے پناہ طاقت اور قوت رکھنے کے دکن پر محض اس وجہ سے براہ راست حکومت نہ کر سکتے تھے کہ وہاں

۱؎ ایضاً ۷۲ ص ۳۳۔

مسلمانوں کی کافی آبادی نہ تھی۔ ان حالات میں اس نے فیصلہ کیا کہ دکن میں اسلامی تہذیب و تمدن پھیلا کر مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ جنوبی ہندوستان میں ایک مضبوط سیاسی نظام تیار ہو سکے۔ تبلیغ و اشاعت کے کام کے لئے اسکی نظر مشائخ پر گئی۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے چشتیہ سلسلہ کا نظام دور دور پھیلا دیا تھا لیکن پھر بھی دہلی میں بعض ایسے مشائخ موجود تھے جن کو ملک کے دوسرے علاقوں میں بھیج کر دعوت و اصلاح کا کام لیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے ایک دربار عام کیا جس میں مولانا فخر الدین زرّادی رح مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح وغیرہ کو بلایا اور ان لوگوں کو تلقین کی کہ دکن جاکر تبلیغ اسلام کریں۔

"سلطان محمد بن تغلق کی نیت درست لیکن مطالبہ غلط تھا وہ "وَالدِّین وَالمُلک توامان" کا قائل تھا اور اس بناء پر چاہتا تھا کہ صوفیہ اس کے احکامات کا احترام کرتے ہوئے ملک کے مختلف گوشوں میں چلے جائیں۔ یہ چیز مشائخ کے بنیادی مسلک سے ٹکراتی تھی۔ .... وہ قطعاً اس مقام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جہاں انکے شیخ نے انھیں بٹھا دیا تھا۔ ...... انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس (سلطان) کی اس کوشش کی مخالفت کی۔ .... محمد بن تغلق .... مشائخ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ .... مولانا فخر الدین زرّادی رح شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح شیخ قطب الدین منور ہانسوی سے سلطان کے سخت برتاؤ کی تفصیل کے لئے سیر الاولیاء کا مطالعہ کرنا چاہیئے .... ابھی یہ کشمکش چل رہی تھی کہ سلطان

نے حکم دیا کہ دہلی کی ساری مسلمان آبادی دیوگیر چلی جائے ۔ اس کے حکم کے بعد مشائخ بے بس ہوگئے اور انہیں مجبوراً دہلی کو خیرباد کہنا پڑا۔ دہلی حضرت محبوب الٰہی کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کا قلب وجگر بن چکی تھی۔ اسکی تباہی کیا ہوئی کہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا۔ وہ دہلی .... ایسی تباہ وبرباد ہوئی کہ دور دور خاک اڑنے لگی علمی ومذہبی محفلیں سرد پڑگئیں۔ گھر کے گھر بے نور وچراغ ہوگئے۔

چشتیہ سلسلے کا مرکزی نظام بھی اس تباہی کی نذر ہوگیا۔ کچھ مشائخ سلسلہ جن کا دہلی میں قیام، مرکزی قیام کی مضبوطی کے لئے ضروری تھا، منتشر ہوگئے۔ کچھ نوعمر افراد سلسلہ نے حکومت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شاہی ملازمتیں قبول کرلیں۔ اجودھن میں بابا فرید گنج شکر کے پوتوں نے سب سے پہلے اپنے دادا کے اصولوں کو خیرباد کہا اور شیخ الاسلامی کے چکر میں پڑ گئے۔ دہلی میں بھی کرمانی خاندان کے کچھ نوعمر افراد نے حکومت سے تعلق پیدا کرلیا۔

اگر حالات گردوپیش کا تجزیہ بے تعصبی کے ساتھ کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ محمد بن تغلق بڑی حد تک چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کی تباہی کا ذمہ دار تھا دہلی کی تباہی کے بعد چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں تو بہت جگہ قائم ہوئیں۔ لیکن اس کا کل ہند مرکزی نظام کسی جگہ قائم نہ ہوسکا۔ سلسلہ کے جو مشائخ اس طوفان سے بچ رہے تھے انہوں نے صوبوں میں خانقاہیں قائم کرلیں اور سلسلہ کی نشر واشاعت میں مصروف رہے ۔ صوبائی علاقوں میں کام کرنے والے یہ بزرگ سیاست سے بچ

نہ سکے۔ اس طرح دور اوّل کی دونوں خصوصیات (مرکزی نظام اور سیاست سے علیحدگی) ختم ہوگئیں۔

(تاریخ مشائخ چشت ص ۹۶-۱۹۲)

سلطان محمد بن تغلق کے تعلقات شیخ نصیر الدین محمود کے ساتھ نہایت ہی تلخ اور کشیدہ تھے۔ شیخ الہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ صاحب کشف المحجوب نے شبلی رح کے حوالے سے لکھا ہیکہ درویش اللہ کے سوا ہر چیز سے بے پرواہ ہے۔ سلطانی شغل (ملازمت) کے چشتیہ حضرات نے یک قلم اپنی زندگی کے نقشے سے باہر نکال دیا تھا۔ خاص کر شیخ نصیر الدین کا رویہ اس معاملے میں بہت سخت تھا۔ سلطان محمد بن تغلق کا رابطہ حضرت نظام الدین اولیاء کے ساتھ شروع سے ہی رہا تھا۔ اور بابا فرید کے پوتے شیخ علاء الدین اجودھنی کا وہ مرید بھی ہوگیا تھا لیکن دولت آباد جانے کے بارہ میں یہ ہے کہ چراغ دہلوی رح نے صاف انکار کر دیا تھا غصہ ور سلطان ناراض ہو کر شیخ کو ستانے لگا لیکن شیخ تمام ایذاؤں کو اپنے پیر د مرشد کی وصیت کے مطابق بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے (خیر المجالس انگریزی تمہید از ایڈیٹر خلیق نظامی ص ۵۸-۴۸)

"آخری سفر (دہلی) میں شیخ فرید صوفی ناگوری رح زن و فرزند کے ساتھ دوشنبہ ۱۲ر رمضان ۱۳۳۱ء = ۷۳۰ ہجری کو جب دہلی پہونچے تھے اس وقت دہلی بالکل اُجڑ چکی تھی۔ سلطان محمد بن تغلق نے ساری آبادی کو یہاں سے دولت آباد منتقل کر دیا تھا مگر ۷۲۹ھ میں ملتان میں کچھ شورش ہوئی اسے دفع کرنے کی نیت سے محمد تغلق دہلی آیا ہوا تھا۔ اس نے شیخ فرید الدین صوفی کو بھی دولت آباد جانے کا حکم دیا اور یہ ۷۳۱ھ = ۱۳۳۲ء کے آخر میں وہاں تشریف لیگئے۔ اس وقت

حضرت برہان الدین غریب اور امیر حسن علا سجزی دہلوی رح دونوں دولت آباد میں موجود تھے۔ اس لئے یقین ہے کہ ان بزرگوں سے بھی آپکی ملاقات رہی ہوگی۔

" ملتان میں غیاث الدین تغلق کے متبنّیٰ ملک ابراہیم کی بغاوت کو دبانے کے لئے محمد بن تغلق کو جو پاپڑ بیلنے پڑے اس سے یہ سبق ضرور مل گیا کہ دولت آباد میں بیٹھ کر شمالی ہندوستان پر حکومت کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اس لئے پھر دہلی واپس جانے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فریدالدین ناگوری بھی شعبان ۳۲ ۷ ھ = اپریل ۱۳۳۲ء میں پھر دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں بجے منڈل سے مشرق کی جانب ان کا مکان تھا اور اب اسی جگہ مزار مبارک ہے۔ انتقال ہفتے کے دن جمادی الاولیٰ ۷۳۴ ھ = ۸ جنوری ۱۳۳۴ء کو ہوا تھا۔" (اخبار منادی ص۱۲)

سلطان محمد بن تغلق
اور شیخ فرید بن عزیزالدین بن حمیدالدین صوفی رحمہ اللہ تعالیٰ

ڈاکٹر فاروقی کے مجمل بیان کو مفصل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ جامع ملفوظات سرورالصدور لکھتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے اورنگ نشینی کے آغاز سے ہی شیخ فرید کے لئے مقام ادب میں، فتوح کے دروازے کھول دیئے تھے۔ فتوح کے علاوہ سلطانی فرامین میں سے پہلا فرمان ۱۴۔ ذی الحج ۷۲۴ھ = ۲ دسمبر ۱۳۲۴ء کا ہے۔ تاج پوشی کی تاریخ ایک ماہ بعد ۷۲۵ھ = ۱۳۲۵ء کی مانی جائیگی۔ جس کی رو سے ناگور میں ڈیہہ کا گاؤں شیخ حمیدالدین صوفی کی اولاد کو بخشا گیا۔ علامہ خلیق نظامی کے ہاتھوں ادارت شدہ اس فرمان کو میں درج ذیل کرتا ہوں۔

(۱) فرمانِ ڈیہہ

فرمان دہِ ڈیہہ کہ ابوالمجاہد سلطان محمد بن
تغلق شاہ بادشاہ دہلی بنام ہر سہ
فرزندان حضرت شیخ عزیز الدین بن
حضرت سلطان التارکین رضی اللہ عنہم
انعام کردہ بود۔ تا قلم ارادتِ عالیہ
و مشیت نافذہ ایزدی منور قلوب
اولیائے کرامت شعار بمصابیح
یقین و معطر مشام اتقیائے ستودہ
آثار بہ نسیم صبا بشارت اِنّ للمتقین
جل جلالہ وعم نوالہ رقم ادراک فحوائے
اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم بر صحیفہ
ضمیر و لوح خاطر امین بند برکشیدہ
و بدست عنایت خویش ثبت
گردانیدہ است، ہمت عالیہ
و نہمت سینہ برآں مقصود داشتہ
می آید کہ جانب تعظیم مشائخ کبار
و تکریم اولیائے بزرگوار کہ ہمہ وقت
بقدم فتویٰ جادہ تقویٰ را مسلوک

ترجمہ ڈیہہ گاؤں کا فرمان

جیسے ابوالمجاہد سلطان محمد بن تغلق بادشاہ
دہلی نے شیخ عزیز الدین بن حضرت سلطان
التارکین رضی اللہ عنہم کے تینوں فرزندوں کو نذر کیا تھا
چونکہ حکم الٰہی اور اللہ کی نافذ مشیت نے کرامت والے
اولیاء کے دلوں کو یقین کے چراغوں سے
منور اور پاک خصلت پرہیزگاروں کے دماغ کو
اِنّ للمتقین کی بشارت کی نسیم سے معطر
کر دیا ہے۔ اس جل جلالہ وعم نوالہ نے مضمون
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (تم میں
جو سب سے زیادہ متقی ہے وہ اللہ کے نزدیک
سب سے زیادہ مکرم ہے۔) کی تحریر اس بندے
کے ضمیر کی کتاب میں لکھ کر اپنی عنایت
کے ہاتھ سے ثبت کر دی ہے۔ ہمت اور
بلند ارادہ یہ مقصود رکھتا ہے
کہ مشائخ کبار کی تعظیم اور اولیاء بزرگوار
کی تکریم جو ہر وقت ثابت قدمی
سے تقوے کی راہ
پر چلتے ہیں۔

داشتہ باشند وصورت علم را بہ جمال
آراستہ ودر ظلمت اسحار براہبری مساعدت
تہجد خضروار بسرچشمۂ یقین رسیدہ ودر
ریاض ریاضت از شجرۂ مجاہدۂ ثمرۂ کشف
ومشاہدہ اختیار کردہ مرعی باشند تا از
تحصیل معاش وانتعاش کہ قوام بقائی
نفس مردم برآں منوط ومربوط است
وہیچ کس را در عالم عنصری ازاں استغنائی
تمام حاصل نیامدہ، آں طبقہ گرامی را
تعلق ضمیر وانقسام خاطر نباشد۔ بریں
بنا شیخ، امام ہمام عالم، عابد متقی، متدین
ناسک، مسالک، فرید الملتہ والدین
معین الطریقت، نصیر الشریعت، معدن
الزہاد، منبع العباد، قدوۃ المفسرین
محمود سعید صوفی دامت فضائلہ کہ بصفات
سابقہ متحلی است ودر ہمہ احوال و
جمیع اوقات در تحری مراضی ایزد عزو
علا ایام عمر عزیز گذرانیدہ ودر خانقاہ
ادبنی ربی، بحسن تادیبی توسن نفس

اور علم کے ظاہر کو عمل کے حسن
سے سجاتے ہیں اندھیری راتوں میں تہجد کی
مدد سے خضر کی طرح سرچشمۂ یقین تک
پہنچے ہیں اور ریاضت کے باغ میں مجاہدے
کے درخت سے کشف وشہود کے پھل حاصل
کیئے ہیں ان کا ہمیشہ خیال رکھا جائے تاکہ حصول
معاش میں جس پر زندگی کا دارومدار ہے اور
لوگوں کی بقا اس پر منحصر ومربوط ہے اور اس
مادی دنیا میں کوئی شخص بھی اس سے مکمل بے
نیازی حاصل نہیں کرسکا ہے۔ اس معزز طبقے
کی توجہ نہ بٹے اور تشویش پیدا نہ ہو۔ اس لیئے شیخ
امام عالی مقام، عالم، عابد، متقی، دیندار، ناسک و
مسالک فرید الملتہ والدین، معین الطریقت،
نصیر الشریعت معدن زہاد، منبع عباد، قدوۃ
المفسرین محمود سعید صوفی ان کے فضائل ہمیشہ قائم
رہیں جو اوپر لکھی ہوئی صفات سے آراستہ ہیں اور
ہر حال میں ہر وقت اللہ جل وعلا کی رضا
کی تلاش میں عمر عزیز گذاری ہے۔ انہوں نے
اَدَّبَنِی رَبِّی فَاَحْسَنَ تَادِیبِی (مجھے میرے

اماره را لگام ریاضت "واما من خاف
مقام ربه ووقت" جلوهٔ عروس معرفت
را بعین الیقین دیده اند، بعواطف بادشا
هانه وعوارف خسروانه اختصاص داده آمد
که ده ڈیہہ که پٹی از پٹیان کھاری من
اعمالِ خطّهٔ ناگور است، بحکم فرمان
ہمایوں سیدالمشائخ و برادر وافر
التقوی وافتخار المشائخ نجیب الملت
والدین ابراہیم سعید صوفی وابنائے
شیخ مغفور مرحوم وحیدالدین صوفی
بوجہ انعام در تصرف دارند، ہم بر
وقف آں برایشاں مقرر داشتیم و
ایں فرمان کامگار محلی به طغرائے شہریاری
نفاذ یافت تا ولات ومقطعات
ونوایب وشحنگان ومتصرفان و
کارکنان وگماشتگان حال واستقبال
خطّهٔ ناگور ڈیہہ مذکور چنانچه ذکر
رفته مقرر دانند وبتصرفِ ایشاں
بازگزارند واز قسم عوارض ومؤنات

رب نے ادب سکھائے اور بہترین تربیت کی)
کی خانقاہ میں نفس امارہ کے گھوڑے کو "وَاَمَّا
مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (اور جس نے اپنے رب کے
مرتبے کا خوف دل میں رکھا) کی لگام لگائی، انہوں
نے معرفت کی دلہن کا جلوہ عین الیقین سے دیکھ
لیا ہے، انہیں شاہانہ نوازشوں اور خسروانہ عنایتوں
سے اختصاص دیکر ڈیہہ نامی گاؤں جو پٹیان
کھاری میں ہے ایک پٹی ناگور کے پرگنے میں ہے، فرمانِ
ہمایوں کے مطابق سیّد المشائخ اور انکے نہایت
پرہیزگار بھائی اور افتخار المشائخ نجیب الملّة والدّین
ابراہیم سعید صوفی شیخ مرحوم کے بیٹے وحیدالدین صوفی
وجہ انعام میں اپنے تصرف میں رکھیں، اس کا وقف
بھی ہم نے ان کے نام مقرر کیا اور یہ فرمان کامگار
جو شاہی مہر سے آراستہ ہے نافذ ہوا - تاکہ والیان
مقطع، نوابین، کوتوال، متصرف، کارکن گماشتے جو
خطّۂ ناگور میں اب ہیں یا آئندہ ہونگے وہ مذکورہ
گاؤں کو جس طرح ذکر کیا گیا ہے مقرر سمجھیں اور
اور انکے قبضے میں رہنے دیں - اسے ہر طرح
کے عوارض، حالات حوادث سے محفوظ اور

و محدثاتِ مضمون محروس شمرند، ما
بحکم فرمان روند تا پسندیده افتد
بمشیت اللہ تعالیٰ۔

(بر سر فرمان بخط طغرا این است)
رسالہ تبلیغ بامر الاعلیٰ اعلاہ اللہ و نفذہ
شرقاً و غرباً و رسالۃ المجلس المعالی
الخان الکبیر الکریم العالم العادل المجاہد
الرابط الضابط المقسط الارعی قوام
الحق والدین قامع الکفرۃ المشرکین
قالع الفجرۃ والمتمردین عمدۃ الایام عضد
السلطنت یمین المملکت عین المتعالی
ملک ملوک الشرق والغرب صاحب
دیوان رفیع رسالہ الغ قتلغ خاں دام
علیہا فرمان رسانید فی اربع عشر
من ذی الحجہ سنۃ ۷۲۴ ہجری
اربع وعشرین سبعمائۃ

اور مستثنیٰ سمجھیں، اس فرمان کے مطابق
عمل کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی پسند آئے

اس فرمان پر طغرے کی مہر یہ ہے
رسالہ تبلیغ اس کے حکم عالی سے جسے اللہ
نے بلند کیا ہے۔ اور شرق و غرب میں نافذ کیا ہے،
اور رسالہ دربار عالی سے خان کبیر کریم، عالم
عادل، مجاہد، رابط و ضابط، انصاف پرور، رعایا
نواز، حق اور دین کا بنیاد گزار۔ کفرہ
و مشرکین کا مٹانے والا، مجرموں اور سرکشوں
کا اکھاڑنے والا، زمانے میں سب سے ممتاز
سلطنت کی قوت، مملکت کا دایاں بازو
عین التعالی، شرق و غرب کا
شہنشاہ صاحب دیوان رفیع رسالہ الغ قتلغ
خاں اللہ اسکی سربلندی کو دائم رکھے یہ فرمان
ہوا ۱۴ ذی الحجہ ۷۲۴ھ کو۔

دیگر تشریفات سلطانی

مجموعہ سرور الصدور میں تخت نشینی کے سال کے فرمان موضع ڈیہہ کے بعد دیگر تشریفات سلطانی کا اندراج ہوا ہے جنکو میں ذیل میں پیش کرتا ہوں :-

(۱) بیس۲۰ آدمیوں کی تشریفات (خلعتیں) اور پانچ ہزار ٹنکے پول (فلوس۔ پیسے)، ہزار من[۱] آٹا پانچ سو۵۰۰ گوسفند (بھیڑ بکریاں) پچاس من روغن (گھی) باغ زمین باغ اور دارالعلوم (مدرسہ) کے لئے بارہ۱۲ ہزار مقرر کیا جاتا ہے (سرورالصدور صـ ۲۱۹ - ۲۲۰) اور بارہ ادرار یعنی روزینہ مقرر کیے جاتے ہیں)۔

(۲)۔ دستخطی فرمان بابت دو لاکھ ٹنکہ قافلوں[۲] کے واسطے کہ ان کا چوتھائی (پچاس ہزار صـ ۱۴۲ سرورالصدور)

(۳) بارہ ہزار ٹنکہ انعام۔ (سرورالصدور صـ ۱۴۷)

(۴) بالمشافہ (آمنے سامنے) فرمایا (سلطان نے) کوئی مراد (خواہش) ہو تو کاغذ پر لکھکر بھیجیں،، صـ ۱۲۵

(۵) مرحمت صـ ۱۲۶ سرورالصدور (۶) شیخ اوحیدالدین فرزند (شیخ فرید رح) و پدر شیخ فتح اللہ[۳] صـ ۱۲۵) خطۂ ناگور کی امارت (سے سرفراز ہوئے) سرورالصدور ۱۶۸

مندرجہ بالا تشریفات کا سنہ سمبت درج نہیں ہے۔ میں نے مختلف مقامات سے اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ سابق مسبوق کی ذمہ داری میری نہیں ہے۔

---

[۱] اس زمانے کا من آج کے دس کلوگرام کے برابر ہوتا تھا۔

[۲] میرا قیاس ہیکہ قافلہ سے مراد (برات دولہے کے جلوس) سے ہے۔

[۳] فتح اللہ ابن اوحیدالدین بن فریدالدین بن عزیزالدین بن حضرت سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ، واللہ اعلم

(۲) دوسرا فرمان بابت تعمیر دروازہ قبرستان

فرمان سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی برائے تعمیر دروازۂ خانقاہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی سعیدی الفاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ترجمہ فرمان شاہی)

معمور دارد و کارکنان ناگور بدانند: ایں فرمان اعلیٰ نفاذ یافت تا ایشاں مقبرہ کہ در ناگور نسبت آبائی واجداد شیخ امام ہمام اعلم عابد متقی مہتدی، ناسک سالک فرید الملۃ والدین معین الطریقت نصیر الشریعت معدن الزہاد منبع العباد قدوۃ المفسرین ملک المشائخ محمود سعید صوفی دامت فضائلہٗ دارد۔ آں را عمارت کنانند و خرج آں را از محصول ناگور بدہند بر حکم فرمان روند تا پسندیدہ افتد بمشیت اللہ تعالیٰ وعونہ	حکم دیا جاتا ہے کہ ناگور کے کارکنوں کو معلوم ہو کہ یہ فرمان عالی نافذ ہوا تاکہ وہ ایک مقبرہ جو شیخ امام ہمام عالم عابد متقی مہتدی ناسک سالک فرید الملۃ والدین، معین الطریقت نصیر الشریعت، معدن الزہاد منبع العباد، قدوۃ المفسرین ملک المشائخ محمود سعید صوفی دامت فضائلہٗ کے آباؤ اجداد سے مناسبت رکھتا ہے۔ تعمیر کریں اور اس کا خرچ ناگور کی محصول سے ادا کریں اور حکم کو مدنظر رکھیں تاکہ پسند آجائے۔ بمشیت اللہ تعالیٰ وعونہ

سلطان محمد تغلق نے چاہا کہ روضہ (یعنی گنبد) بر مزار پر انوار حضرت صوفی حمید الدین سلطان التارکین پر بنوایا جائے یہ ارادہ دل میں کر کے ایک شب کو جب وہ سویا اور سو کر جب صبح اٹھا، کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سینہ پر ایک قرطاس (کاغذ کا ٹکڑا) پڑا ہوا ہے اور اس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔ شعر:-

قبہ ام آسمان و فرش زمین ※ روضۂ صوفی حمید الدین

سلطان تغلق از داعیہ قبہ باز ماند اور دروازہ، خانقاہ، واحاطہ طیار کنانید رسالہ

بریں فرمان بخط طغری دستخط بادشاہ کہ بقلم نوشتہ، بایں عبارت بود۔ رسالہ بامر

الاعلیٰ اعلاہ اللہ ونفدہ شرقاً وغرباً وتبلیغ صدر امام عالم باورع متقی متدین نور الملت

والدین معین الشریعت قدوۃ العلماء ابو محمد ادہمی زیدہ فضائلہ فی السادس عشر من

ذالحجہ ۷۳۲ھ اثنا وثلثین وسبعمایۃ۔ (مناقب التارکین ص ۱۲۱ فارسی مخطوطہ حاجی نجم الدین سلیمانی)

یہاں پر دروازہ درگاہ کا جو آجکل بلند دروازہ کے نام سے موسوم ہے۔ کتبہ بھی

درج کر دیا جائے جو ڈاکٹر ضیاء الدین احمد دیسائی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے:۔

اس دروازہ کو التارکین کا دروازہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتبہ دروازے کی اوپری منزل

کی چھت پر دونوں طرف کے زینوں کی بیچ میں دیوار کے پتھر پر کندہ ہے۔

کتبہ کی اصل عبارت

(۱) دارالمکرمۃ دارالکرامات ❊ کانہا روضۃ من روضۃ الجنات

(۲) بنا ایں روضۃ دارالکرامات ❊ مقامی معتبر خیر المقامات

(۳) یا امر بادشاہ عہد ودورات ❊ محمد ابن تغلق شاہ سلطان

(۴) نصاب عدل واحسان بوالمجاہد ❊ مبادا کس ورا باغی وجاہد

(۵) بنصف ماہ شعبان شد باتمام ❊ بناء ایں روضۂ ایں شیخ الاسلام

(۶) ز ہجرت ہفتصد وسی وسہ بُد سال ❊ بنا شد روضۂ ایں شیخ الابدال

:- ترجمہ :-

(۱) متن مصرعہ دارالکرامات ایک عظیم مقبرہ ہے یہ گویا فردوس کے باغوں میں سے ہے

ایک باغ ہے۔

(۲) متن مصرعہ ۲ اس دارالکرامات روضے کی تعمیر ایک معتبر اور سب مقامات میں بہترین ہے

(۳) متن مصرعہ ۳ اس کی تعمیر وقت کے بادشاہ محمد بن تغلق شاہ سلطان کے حکم سے واقع ہوئی

(۴) متن مصرعہ ۴ سلطان جو عدل اور احسان کا سرمایہ ابوالجاہد ہے۔ اس کے خلاف خدا کرے نہ کوئی بغاوت ہو اور نہ کوئی منکر ہو۔

(۵) متن مصرعہ ۵ اس شیخ الاسلام کے روضے کی تعمیر شعبان کے نصف مہینے میں تمام ہوئی

(۶) متن مصرعہ ۶ ہجرت کا سال سات سو تینتیس ۷۳۳ تھا ابدالوں کے اس شیخ کے روضے کی تعمیر ہوئی (۱۵ رشعبان ۷۳۳ھ = یکم مئی ۱۳۳۳ء)

تبصرہ بلند دروازہ

حضرت سلطان التارکین رح کی درگاہ کا دروازہ جسے عرف عام میں بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔ شعبان ۷۳۳ھ = اپریل مئی ۱۳۳۳ء میں محمد بن تغلق شاہ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوا جس کا فرمانِ سلطانی میں پیش کر چکا ہوں ــــ نہ کہ تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں جیسا کہ گیرک صاحب نے لکھا ہے۔ بعد کے مؤرخین گیرک ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے حتیٰ کہ ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی نے کتبے کو شائع کر دیا۔

بلند دروازے سے ہو کر اندر جانے کا جو راستہ ہے اس کے اوپر ایک محراب ہے جس کے پیچھے ایک چھوٹا محراب دار راستہ ہے۔ ان دونوں بڑے اور چھوٹے محرابوں سے ملحق ایک مربع شکل کا گنبدی حجرہ ہے جس کے اغل بغل چھوٹے قد کی گنبد تھی کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ اور تینوں حجروں یا کوٹھریوں

ے گذر کر خانقاہ یا درگاہ کے اندر داخلہ ملتا ہے ۔ یہ داخلہ تو شمال سے جنوب کی طرف ہوا
اب جنوب کی طرف کا سامنا کے ہر دو جانب تین منزلہ سائبان ہے جسکی
ہر منزل پر چار چار یک سنگی کھمبے ہیں اور اوپر کی منزل میں ایک گول گنبد دیا گیا ہے
دو اور بھی چھوٹے گنبد چھت کی دونوں طرف دے کر رونق بڑھائی گئی ہے ۔ داخلے
کی موٹی دیواروں میں سیڑھیاں دیکر (اندر کی طرف) اوپر والی منزل میں چڑھا جا
سکتا ہے ۔ علیٰ ھٰذا القیاس ۔ باہر شمالی اور جنوبی دونوں جانب سے بھی چھت پر
چڑھا جا سکتا ہے ۔

داخلے والا محراب کو نقاشی سے خوب خوب زینت دی گئی ہے اور
خطاطی کا اچھا نمونہ پیش کیا گیا ہے ۔ نقاشی اور خطاطی کے علاوہ اقلیدسی
ڈھانچوں کا بھی استعمال کیا گیا ہے ۔ کنول کا پھول اور سانپ کی شکل کا زنجیرہ
بھی ہے ۔

بلند دروازے کے داخلے کے اوپر یک سطری کتبہ قرآنی آیت کا ہے ۔
جس میں لا یستوی اور آخر میں کلمہ لکھا ہوا ہے ۔ اس کا خطِ نسخ ناگور کی خصوصیت
کا مالک ہے ۔ اس کتبے کے علاوہ تاریخ والا کتبہ سر دست بلندی پر دو چھوٹی چھتریوں
کے درمیان چسپاں ہے ۔ جو محراب کی چھت پر چڑھکر دیکھا جا سکتا ہے ۔ کتبے
کے اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ عمارت ابوالمجاہد محمد بن تغلق کے عہد حکومت میں بنی:
وسط شعبان ۷۳۳ھ ۔ مئی ۱۳۳۳ء ۔

تین حجروں کی نشاندہی جو اوپر کی گئی ان کی بابت ماہرین کا خیال ہے کہ بعد
کا اضافہ ہے ۔ حجروں کی اندرونی دیواروں میں طاق بنے ہوئے ہیں (محراب نما)

اور دیواروں اور گنبدوں کے پتھر پر گلاب کے پھول اور دیگر شکلیں کندہ ہیں اسی طرح حجروں کے شمال کے سامنے کے داخلے کے دروازوں کے کنارے کنارے پھر خطِ نسخ میں آیاتِ دینی کندہ کی گئی ہیں۔ جو پندرھویں صدی عیسوی کی انکی گئی ہے۔ اور بلند دروازے کے اس حصّے کو طرز تعمیر کے ماہر مہرداد شوری نے یعنی حجروں کی تعمیر کو، حضرت مخدوم حسین ناگوری سے منسوب کیا ہے۔ لہٰذا۔ اخبار الاخیار کے صاحب علم مصنف نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ انہوں نے سلطان مالوہ غیاث الدین خلجی کے نذرانے میں سے کچھ اپنے صاحبزادے کو لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس رقم سے اجمیر کے مقبرے مزار کے علاوہ بلند دروازے کے اسی حصّے کی تعمیر پر خرچ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ بلند دروازے ناگور کا نقشہ دراصل مالوہ سلطان محمود شاہ خلجی کی تعمیر بلند دروازہ اجمیر کا نمونہ معلوم ہوتا ہے

مہرداد (شکوہی لندن۔ ناگور صہ ۲۳-۲۶)

اس کے بعد میں ڈاکٹر دیسائی کے تبصرے کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جنہوں نے ۷۳۳ھ = ۱۳۳۲ء۔ کے محمد بن تغلق کے کتبے کو ایڈٹ کیا ہے (عربی فارسی) سپلیمنٹ ۱۹۶۷ء صہ ۱۸-۲۰) صوفی صاحب کی درگاہ، جس کے اونچے پورے خوبصورت نقاشی والے دروازے کا یہ کتبہ ہے، سنگین رعب دار چہار دیواری سے محیط تھی جس کے چاروں گوشوں پر گول برجیاں دی گئی تھی جس کے انہدام پذیر دو نمونے بچ رہے ہیں۔ یہ دروازہ جسکو التارکین کا دروازہ بھی کہا جاتا ہے ایک شاندار عمارت ہے جس کے ہر حصّے پر نقاشی کی بھرمار ہے۔ دو مربع شکل کی دو منزلہ برجیاں جن پر چوکور یا لکنی نما گنبدی کوشک جنوبی سامنے

کے گوشوں پر دیئے گئے ہیں پوری عمارت کی شان کو بڑھا رہے ہیں۔ دروازے کی چوٹی پر دیوار کی اندرونی طرف، اغل بغل کے ڈوزینوں کے درمیان ایک سرخ ریتیلے پتھر کی چوکور پٹیا پر کتبہ کندہ ہے جس کا متن چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ پہلا شعر عربی میں ہے اور باقی پانچ فارسی کے ہیں۔ کتبے کا خلاصہ یہ ہے کہ

دار الکرامات، یعنی شیخ الاسلام صاحب مقبرہ کا شمار ابدالوں میں ہے۔ جنکی آخری آرام گاہ بادشاہِ عہد محمد بن تغلق کے حکم سے تعمیر ہوئی۔

کتبے میں دروازے کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ صوفیہ تذکروں میں چہار دیواری کی تعمیر سلطان سے منسوب کی گئی ہے۔ اور دروازہ مخدوم حسین ناگوری سے۔

البتہ ضیاء الدین دلیسائی کی رائے ہے کہ کتبہ دروازے کی تعمیر کے اندراج کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کتبے کی پٹیا نہ صرف یہ کہ سرخ ریتیلے پتھر کی ہے جبکہ باقی پتھر کا کام کھاٹو کے مقامی زرد ریتیلے پتھر کے ذریعے کیا گیا ہے۔ لہٰذا دروازے کی تعمیر اور کتبے کے نصب ہونے کی تاریخوں میں کم سے کم ایک صدی کی قینچیوں کی ساخت سے ظاہر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتبے میں نہ تو ناگور کے مقطع کا ذکر ہے نہ مقامی کارکن کا۔ نہ یہ ہی پتہ چلتا ہے کہ ناگور اس وقت اجمیر کی ماتحتی میں تھا یا نہیں۔ حتیٰ کہ شیخ حمید الدین صوفی رح کا نام بھی نادارد ہے۔ البتہ شیخ کو شیخ الاسلام اور ابدال کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۶۲ء صـ ۱۸ ـ ۲۰ میں کتبے کا متن خلیق احمد نظامی کے مقالے سے اخذ کرکے دے چکا ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے اخبار الاخیار[1] میں لکھ دیا کہ درگاہ کی چہار دیواری سلطان محمد تغلق نے بنوائی مگر دروازہ شیخ حسین ناگوری رح کا بنوایا ہوا ہے اور یہ غلط فہمی ڈھائی سو برس تک چلتی رہی۔ انیسویں بیسویں صدی میں انگریز ماہرینِ فنِ تعمیر گیرک اور پرسی براؤن جیسے مصنفین نے طرزِ تعمیر کی بناء پر سلطان شمس الدین التمش کا کارنامہ قرار دے کر قیاس کرلیا کہ سلطان محمد بن تغلق کے زمانے میں شمسی دروازے میں اضافہ ہوا۔ کتبے میں صوفی حمیدالدین کا نام نہیں آتا لیکن عمارت کو دارالکرامات اور شیخ الابدال اور شیخ کو شیخ الاسلام کے القاب سے موسوم کرنے والے کا مقصد موصوف ہی سے ہے۔ اس کے علاوہ سرورالصدور دیگر نسخے میں کہیں[2] پر صاف درج ہے کہ سلطان نے یہ دروازہ شیخ فرید صوفی کی فرمائش پر تعمیر کرایا تھا۔ جیساکہ (مناقب التارکین۔ فارسی مخطوطہ حاجی نجم الدین فتحپوری ص ۱۱۶ ـ ۱۱۵) پر صاف درج ہے۔

بہرکیف بیسویں صدی میں وہ غلط فہمیاں جو اخبارالاخیار۔ گیرک صاحب کی رپورٹ اور پرسی براؤن کی کتاب سے پیدا ہوئی تھیں وہ سب کی سب اس کتبے اور اُس کے ایڈیٹر محترم زیڈ۔ اے دیسائی کی بدولت کافور ہوگئیں۔ ملاحظہ ہوا ے پی، سی ۱۹۶۷ء ص ۲ ـ ۱۷ گیرک کی رپورٹ (جلد ۱۱۱ ×× محکمۂ آثارِ قدیمہ

---

[1] قبرستان کو خانقاہ کہا گیا ہے۔ درحقیقت حضرت سلطان التارکین کی کوئی خانقاہ نہیں تھی۔ [2] خانقاہ۔ درویشوں کا وہ عبادت خانہ جس میں وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر رہتے ہیں۔ چونکہ صوفی صاحب اکثر دبیشتر اپنے گھر پر ناگور میں یا گلی میں ڈیہہ میں۔ اور جنگلوں میں عبادت در یاضت فرماتے۔ آپکے پیر و مرشد نے اپنی خانقاہ میں عبادت کی، اسی لئے آپکو اسی خانقاہ میں دفنایا گیا ہے

اور برسی براؤن: اسلامک آرکی ٹیکچر)

(۳) رقعۂ مصاہرت (خسر دامادی)

اس کے کچھ عرصے بعد سلطان محمد بن تغلق نے اپنی شہزادی بی بی راستی کے کار خیر کا پیغام شیخ فریدالدین کے بڑے بیٹے شیخ اوحیدالدین کے صاحبزادے شیخ فتح اللہ کے لیے بھیجا۔ شیخ فتح اللہ کو اس رشتۂ ازدواج کے بارہ میں شیخ فریدالدین رح کو تامل ہوا لیکن سلطان کے اصرار پر حضرت نے قبول فرمالیا۔ ایسا لگتا ہے کہ سلطان نے فتح اللہ کو خانہ دامادی میں اپنے پاس دلی میں رکھ لیا۔ لیکن دربار کا ماحول فتح اللہ صاحب کو موافق نہ لگا اور ان کو اپنا جھونپڑا یاد آیا۔ جب ناگور کی یاد آتی تو کبھی یہ رباعی پڑھتے

دہلی کہ مرا بجائے ناگور نہ شد ٭ غمگین دل من ہرگز مسرور نہ شد

(دہلی میرے لئے ناگور کا بدل نہ ہوئی) (میرا غمگین دل ہرگز خوش نہ ہوا۔)

ہر چند نگار خانہ داد ند مرا ٭ آں چھپرو بوریا ز دل دور نہ شد

(ہر چند کہ مجھے نگار خانہ دیا گیا ہے) (وہ چھپر اور بوریا دل سے دور نہیں ہوا)

اور کبھی یہ دوہا بھی پڑھتے۔

میرا ہیء ڑا دیدھا جی جائے ڈہہ جاؤں ٭ سانگر پھوک کیرل خالق سے نیہ لگاؤں

(من چاہے من خالق جاؤں) (سانگر پھوک کریلا کھاؤں)

جب محمد تغلق کو فتح اللہ کے دل کی آرزو کا پتہ لگا تو اس نے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

رقعۂ مصاہرت سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی بخدمت حضرت شیخ۔

فریدالدین چاک پران رضی اللہ عنہ۔

شعر: لقد البعرت من حسن دلکن ※ علیک من الوریٰ وقع اختیاری

بادشاہان روئے زمین پیش سر پردہ ما مادی کردہ اند وکسے را زہرہ آں نہ کہ نام پرستارک ما بردن تواند۔ پیغام دختر خود می گزارم بکرم قبول فرمایند:

(روئے زمین کے بادشاہ ہماری بارگاہ شاہی کے سامنے جائے پناہ لیتے ہیں اور کسی کو اس کی قوت نہیں کہ ہماری لونڈی کا ذکر کر سکے۔ اپنی دختر کا پیغام خود پیش کرتا ہوں۔ بہ کرم قبول فرمائیں۔

در جوابش حضرت شیخ فریدالدین بیت نوشتہ فرستادند:-

(اس کے جواب میں حضرت شیخ فریدالدین نے بیت لکھ کر بھیج دی۔)

انصاف دہ فریدا باو تراچہ نسبت ※ تو مفلس او تونگر، او شاہ تو فقیری

اے فرید! انصاف کر اسکے ساتھ تجھے کیا نسبت ہے۔ تو مفلس وہ تونگر وہ شاہ تو فقیر ہے۔

باز آنحضرت ایں بیت نوشتند (پھر آنحضرت نے یہ بیت لکھی۔

مائیم نوائے بی نوائی ※ بسم اللہ اگر حریف مائی

(ہم بے نوائی کے دشمن ہیں بسم اللہ اگر آپ ہمارے ساتھی ہیں۔

اس کے بعد، بقول ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، آخری سفر دہلی میں شیخ فرید الدین زن و فرزند کے ساتھ دوشنبہ ۲۱ر رمضان ۷۳۰ھ = ۱۳۲۹ء کو

نوٹ کرامت فریدالدین پوتے فتح اللہ کی نسبت شہزادی بی بی راستی بنت بادشاہ تغلق سے ہوگی خاندانی روایت، آپ کو چشم کور ہونے کی وجہ سے آپ کے ہم جدی ہم عمر یکے طعنہ دیتے تھے کہ تمکو چشم کور ہونے کی وجہ سے کوئی لڑکی نہیں دیتا۔ آپنے دادا فریدالدین سے شکایت کی آپنے فرمایا جاؤ ان سے کہدو کہ مجھے بادشاہِ وقت اپنی لڑکی دیگا اور ایسا ہی ہوا۔

دہلی پہنچے تھے ۔ اس وقت دہلی بالکل اُجڑ چکی تھی ۔ سلطان محمد بن تغلق نے ساری آبادی کو یہاں سے دولت آباد منتقل کر دیا تھا مگر ۷۲۹ھ میں ملتان میں کچھ سورش ہوئی ۔ اُسے دفع کرنے کی نیت سے سلطان دہلی آیا ہوا تھا ۔ اس نے شیخ فریدالدین صوفی کو بھی دولت آباد جانے کا حکم دیا اور یہ ۷۳۱ھ = ۱۳۳۱ء کے آخر میں وہاں تشریف لے گئے اور وہیں شیخ فتح اللہ اور بی بی راستی کا نکاح ہوا ۔ سلطان کے اہل خانہ اور والدہ (مخدومہ جہاں) دیوگیر ہی میں تھیں اور قیاس یہ ہے کہ اس نکاح میں مخدومۂ جہاں نے خاص دلچسپی لی کیونکہ حضرات اہلِ تصوف کے ساتھ مخدومہ کو خاص دلچسپی تھی ۔

دولت آباد سے منتقلین کو پھر دہلی واپس جانے کا سلطانی حکم جاری ہوا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فریدالدین ناگوری دلہن کی رخصتی کرا کر شعبان ۷۳۲ھ اپریل ۱۳۳۱ء میں دہلی واپس تشریف لائے ۔ دولت آباد کے سفر اور واپسی سے متعلق ایک مکتوب قتلغ خاں اور ایک فرمان سرورالصدور سے لیکر خلیق احمد نظامی نے ایڈٹ کیا جو فقیر درج ذیل کرتا ہے :-

(۴) نسخۂ مکتوب قتلغ خاں (کہ) دراثناءِ راہ رفتن دولت آباد رسیدہ بود ۔	ترجمہ :- قتلغ خاں کا خط جو اس کے سفر دولت آباد کے زمانے میں آیا تھا ۔
خداوند ملک المشائخ قطب الاولیاء فریدالحق والدین ذوالمیامن والبرکات ادام اللہ میامنہ القدسیہ خدمت	خداوند ملک المشائخ قطب الاولیاء فریدالحق والدین جو برکات اور سعادتوں والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انکی برکات قدسیہ کو

وعبودیت بندہ درگاہ اعلیٰ قوام برہان
مطالعہ فرمایند۔ احوال بفضل اللہ تعالےٰ
باقبال حضرت خلافت خلدت خلافت
وبرکات عقدہ زکیہ خداوندی مقارن
بخیراست۔ مقصود آنکہ مرحمت مہد علیا
خداوند مخدومۂ جہاں عصمہا اللہ تعالیٰ در
باب خدمت خداوندی ہر زمان چنداں
ارزانی می گردد کہ در تحت تحریر درنیاید
اقتراح آنکہ قدوم مبارک ہرچہ زود تر
رنجہ فرمانید ومکاتبت متضمن صحت
ذات مبارک ارسال فرمود تا موجب
تسلیت باشد، ہمیشہ برسجادہ تقویٰ
وزہادت باقی باد۔ آمین۔

(۵)

انتخاب فرمان ابوالمجاہد سلطان محمد تغلق بادشاہ
دہلی۔

ملک الشرق عمدۃ الملک شرف الدولہ
والدین۔ قامع الکفرۃ والمشرکین قالع
الفجرہ والمتمردین معدن البلاغہ

ہمیشگی علا کرے درگاہ اعلیٰ کے بندے قوام
برہان کی بندگی اور آداب کے بعد مطالعہ فرمائیں
اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت خلافت پناہ
کے اقبال اور پاک رشتے کی برکتوں سے حالات
بخیر ہیں مقصود یہ ہے کہ مہد علیا، خداوند(بی بی)
مخدومۂ جہاں اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے
ہر وقت اپنے خداوند(خاوند) کی ایسی خدمت
ادا کرتی ہیں جو تحریر میں نہیں آسکتی تجویز یہ ہے
کہ جتنی ممکن ہو قدم رنجہ فرمائیں اور اپنی ذات
مبارک کی صحت پر مشتمل خط ارسال فرمائیں
جو موجب تسلیات ہو۔ ہمیشہ زہد
وتقویٰ کے سجادے پر باقی رہیں
آمین۔

(ترجمہ) (۵)

ابوالمجاہد سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی
کے فرمان کا انتخاب۔

مشرق کے بادشاہ عمدۃ الملک شرف الدولہ
والدین جو کفار ومشرکین کو زیر کرنے والے
اور مجرموں اور سرکشوں کو اکھاڑنے والے ہیں

مجمع البراعہ سید الفضلا قدوۃ البلغاء
جامع السیف و قلم سپہدار زماں ملک
الکتاب صاحب دیوان مقطع شہر نور
محمد رشید

بدانند کہ ملک المشائخ فریدالدین
ناگوری دام ورعۃ با جمعیت خیل و تبع
از حضرت دولت آباد بدرگاہ می آیدمی
فرمائیم ملک الشرق و الکتاب عمدۃ
الملک بہ مجرد وصول ایں فرمان با جملگی
سواران شہر نو در کہتی رود کہ اگر شیخ
فریدالدین را آنجا دریابد با جملگی سواران
برابر شدہ تا ہنڈون با حزم تمام
بیاید و رود در راہ شرائط بواجبی بجا
آوردہ رسانیدن شیخ فریدالدین با خیل
و تبع تا ہنڈون[1] عہدہ خود داند۔
بامر الاعلیٰ اعلاہ اللہ و نفذہ شرقاً
وغرباً و بالمشافہۃ فی الثالث من
شعبان ۷۳۲ھ ۱۳۳۱-۳۲ء اثنا
وثلثین وسبعمایۃ۔

بلاغت کی کان، مہارت کے جامع، فاضلوں کے
سردار، فصیح البیان لوگوں میں یکتا۔ قلم اور تلوار کے
دھنی، سپہ دار زماں ملک الکتاب صاحب دیوان
اور شہر نور، کے مقطع محمد رشید کو معلوم ہو
کہ مشائخ کے بادشاہ فریدالدین ناگوری، خدا
انکی بزرگی کو باقی رکھے۔ اپنے کنبے اور مریدوں
کی جمعیت کے ساتھ راجدانی دولت آباد سے درگاہ
کی طرف آرہے ہیں۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ ملک الشرق
والکتاب عمدۃ الملک اس فرمان کے وصول کرتے ہی
شہر نو کے تمام سواروں کے ساتھ کہتی تک جائیں تاکہ اگر
شیخ فریدالدین کو وہاں پائیں تو سب سواروں کے ساتھ
انہیں پورے احترام کے ساتھ ہنڈون تک لائیں اور
راستے میں تمام واجب شرطیں ادا کریں۔ شیخ فریدالدین
کو ان کے خاندان اور مریدوں کے ساتھ ہنڈون تک
پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھیں فرمانِ عالی کے مطابق
جسے اللہ نے بلند کیا ہے۔ اور شرق و غرب میں
نافذ کر دیا ہے۔

۳ر شعبان ۷۳۲ھ ہجری

[1] ہنڈون (راجستھان)

سلطان محمد بن تغلق اور شیخ فریدالدین ناگوری ان دونوں خاندانوں
میں رشتۂ ازدواج کے بعد تقریباً دو سال حضرت شیخ اس دنیا میں رہے اور
شیخ فتح اللہ اور بی بی راستی کا قیام موضع ڈیہہ میں قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ
بار بار شیخ فریدؒ کا ناگور سے ڈیہہ جانے کا اندراج سرور الصدور میں ہوا ہے
اور ڈیہہ سے دہلی کے سفر پر حضرت شیخ کی روانگی کا ذکر بھی آیا ہے جس سے یہ بات
نکلتی ہے کہ ناگور سے جو شیخ فرید کا وطن تھا ڈیہہ جانا شیخ فتح اللہ (بیٹے) اور بی بی
راستی (بہو) کی وجہ سے تھا اور دہلی میں مکان بنوا لینے سے دہلی کی کشش تھی۔
اور دہلی میں حضرت فریدالدین نے انتقال فرمایا جہاں کے مقبرے کی تعمیر کا سلطانی
پروانہ دستیاب ہے۔ جس کو فقیر یہاں پر درج کرنا مناسب سمجھتا ہے۔

(۶) پروانہ:-	(ترجمہ)
ملک الشرق والغرب قوام برہان و	شرق و غرب کے بادشاہ قوام برہان و اعظم
اعظم باربک فیروز سلطان ملکہ اللہ	باربک فیروز سلطان اللہ ان کو برقرار رکھے
بحکم فرمان کامگار ہمایوں اعلیٰ لا زال	کے مبارک، اعلیٰ اور کامگار فرمان کی رو سے
اعلیٰ ایں پروانہ اصدار یافت تا کارکنان	یہ پروانہ جاری کیا گیا، کہ صدر ناگور کے کارکن
صدر ناگور مبلغ دو ہزار تنکہ رائج الوقت	دو ہزار رائج الوقت تنکے شیخ مرحوم فریدالدین
در وجہ عمارت مقبرہ شیخ مرحوم فریدالدین	علیہ الرحمۃ والغفران کے مقبرے کی تعمیر کیلئے
علیہ الرحمۃ والغفران موجب حدسی کہ در	اس عقیدت کے بموجب جو اسکے بطن میں
بطن مشہود است بدہند۔ چوں مبلغ	نظر آ رہی ہے۔ دے دیں اور جب یہ مذکورہ
مذکور خرچ شود مبلغ دو ہزار تنکہ	مبلغ خرچ ہو جائیں تو دو ہزار رائج تنکے

رائج دیگر بدہند۔ دریں باب تاکید
نطلبند و برحکم پروانہ روند فی السلخ
من جمادی الاول سنہ ۷۳۵ ھ ۱۳۳۳-۳۴ء
خمس وثلثین وسبعمایتہ
(یہ پروانے کی تاریخ ہے نہ کہ تاریخ وفات)
میڈیول انڈیا اے مسلینی I VOL
۱۹۶۹- خلیق احمد نظامی۔
شیخ فریدالدینؒ کی وصیت تھی کہ مجھے
شیخ بزرگ (بڑے پیر) کے پیچھے کی
سمت میں اس طرح دفن کیا جائے
کہ میرا سر شیخ بزرگ کی ناف کے برابر ہو
یہ وصیت شیخ فریدؒ کی پوری نہیں ہوئی
آپکا انتقال دہلی میں ہوا اور وہیں آپکی
قبر مبارک ہے۔"

ت کے اور دے دیں اس بارے
میں ادھر سے حکم طلب نہ کریں
اور اس پروانے کے مطابق عمل کریں
سلخ جمادی الاول ۷۳۵ ہجری
سنہ خمس وثلثین وسبعمایۃ ۱۳۳۳-۳۴ء
(سنہ ۱۳۳۴ عیسوی)

سیر شیخ فریدالدین چاک پرّاں علیہ الرحمۃ

تعلیم و تعلّم

شیخ فریدالدینؒ محمود سعید بڑے خوش بخت واقع ہوئے تھے کہ ان کو اپنے دادا حضرت شیخ بزرگ صوفی حمیدالدین تارکینؒ اور اپنے والد محترم شیخ عزیزالدینؒ دونوں کا بیک وقت سایۂ عاطفت

نصیب ہوا۔ اور باپ دادے دونوں بزرگوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ خصوصاً یہ کہ صوفی صاحب کو شیخ فرید کے بارے میں یہ بات بخوبی منکشف تھی کہ بیٹے عزیز الدین اور تین پوتوں میں شیخ فرید ہی ہونہار ہیں اور انہیں کو بعد وفات صوفی صاحب اپنے دادے کا جانشین ہونا ہے۔ ایسی حالت میں جتنی توجہ اُن کی تعلیم و تعلّم میں صرف ہوئی وہ دوسروں پر نہیں ہوئی۔ دادا صاحب معظم و محترم کی دیکھ ریکھ میں علم ظاہر کی تعلیم تو ہو ہی رہی تھی، علم باطن (طریقت) کی تعلیم تو تمام تر عمل کا نام ہے اس کے لئے دادا اور والد کا نمونہ کیا کم تھا۔ تذکیر یعنی وعظ و تبلیغ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرید بچے کو پیدائشی واعظ بنا دیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سات برس کی عمر میں تذکیر کا عمل شروع کر دیا تھا اور میری اس صغیر سنی کی تذکیر جس درجہ میں مؤثر ثابت ہوئی وہ بات کبر سنی میں نہیں پائی گئی لیکن یہ بات کسی سے چھپی نہیں ہے کہ شیخ فرید مذکر کی واعظانہ قابلیت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو حضرت نظام الدین اولیاء عند الملاقات بار بار اصرار کے بطور تذکیر کی فرمائش دہلی میں کیوں کرتے ملفوظات فریدی سے کتنی خوش آئند بات پڑھنے میں آتی ہے کہ شیخ فرید الدین چاکران اور شیخ نظام الدین محبوب الٰہی دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان کر معاملہ کیا۔ حضرت نظام الدین کا اصرار کہ آپ میرے حجرے کے اوپر والی جگہ میں آکر تشریف فرما ہوں اور آرام پائیں اور اُدھر شیخ فرید الدین کو اپنے بھائی کو خط لکھتے وقت شیخ وقت، کے لقب سے شیخ نظام الدین اولیاء رح کو یاد کرنا اور اس بات کی تاکید کرنا کہ جب بھی خط لکھو تو شیخ نظام الدین رح کو سلام لکھنا نہ بھولو۔ شیخ نظام الدین اولیاء رح اپنی عادت اور سیر کے مطابق دو باتوں کا اہتمام فرماتے تھے۔ ایک تو یہ کہ ان کا بخشش و اکرام عام تو تھا ہی مگر شیخ

فرید کو نہیں بھولتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ دہلی میں کہیں سے دعوت آجاتی تو کہلا بھیجتے تھے کہ میرے ہمراہ ایک صاحب اور بھی طعام میں شریک ہو نگے۔ سبحان اللہ!۔

ان بزرگوں کی ایسی تعلقات سے ہم کو سبق سیکھنا چاہیئے۔ شیخ فریدرح کی تعلیم و تعلّم کے بارہ میں کچھ باتیں جستہ جستہ فقیر پچھلے صفحات میں تحریر کرچکا ہے۔ عمر کے آخری دو سالوں کے دوران جب شیخ فرید کی عمر شریف اسّی سے تجاوز کرچکی تھی علم دین کی بلند پایہ کتابیں تفسیر، حدیث موضع ڈیہہ کے دوران قیام لیجایا کرتے تھے اور ڈیہہ میں ان کے پوتے شیخ فتح اللہ اور ان کی بہو بی بی راستی کا قیام رہا ہوگا اُن کتابوں کا مطالعہ ہوتا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اونچی کتابوں سے لگاؤ کا شوق تھا۔ شیخ فرید نے اپنے دادا۔ استاد و پیر و مرشد سے ورثے میں پایا تھا۔

مگر ایک بات شیخ فرید کی عادت دادا محترم سے برعکس ہے یعنی اسّی سال سے زیادہ عمر ہوگئی تھی، ناگور سے گاؤں کا آنا جانا تو تھا ہی، ڈیہہ سے دہلی کے سفر میں انکے فرزند ان کو جایل تک چھوڑنے یعنی رخصت کرنے آئے تھے۔ جب کہ صوفی صاحب دہلی کی یاد میں آہ بھرتے تھے لیکن دہلی کے سفر کا کوئی ذکر سرور الصدور میں نہیں ملتا ہے۔

شیخ فریدالدین رح کے ملفوظات میں یہ بھی ملتا ہے کہ اپنے فرزند کو مسجد میں بھی کتاب پڑھکر سنانے کی تلقین کرتے تھے اور ہدایت کرتے تھے کہ مسجد میں اُس جگہ بیٹھ کر کتاب پڑھی جائے جہاں حضرت بابا بزرگ (صوفی حمیدالدین رح) کی بیٹھک تھی۔

شیخ فرید کے کئی اقوال بابت اہمیت علم حدیث اور علم قرآن سرور الصدور میں نقل ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ محدث ہونے کے لئے بیس ہزار حدیثیں یاد ہونی چاہیں۔

(سرور الصدور ص ۹۱-۹۲-۳)

تلاوت قرآن کے بارے میں فرمایا کہ شیخ ابراہیم ۱؎ فرماتے تھے کہ مولانا فخرالدین
گیلانی ہر روز چوتھائی قرآن پڑھتے تھے۔ اب میں نے بھی جمعہ کے دن شروع کر کے آج
دوشنبہ کو ختم کیا ہے۔ (سرورالصدور ص۳۹۵)

سعیدی بزرگ اپنے فرزند کو جن کا نام شیخ محی الدین عبدالقادر تھا خلافت
دی تھی۔ کئی ایک اذکار (تذکرے، وظائف) جو ان کو تلقین کرتے رہتے تھے ان کا بھی ذکر
ملفوظات میں بڑی تفصیل سے ملتا ہے۔

شیخ فرید کے روابط و قرابت

حضرت شیخ فرید کے روابط سے متعلق
ان کے تعلقات حضرت نظام الدین اولیاء کے ساتھ رہے ان کا ذکر پیچھے آچکا ہے
حضرت امیر خسرو کا ایک خط شیخ فرید کے نام میں درج کرتا ہوں۔ ملفوظات سے معلوم
ہوتا ہے کہ شیخ فرید کی مجلس سماع میں امیر خسرو کی غزل کے اشعار قوال سناتے تھے (سرورالصدور ص۱۵۵)

حضرت قاضی حمیدالدین سہروردی ناگوری رح کے فرزند قاضی کمال الدین کے بیٹے
قاضی نظام الدین کے ساتھ آپ کا محبت، اختصاص اور مکاتبت کا معاملہ تھا سرور ص۱۳۲

لاڈنوں کے قاضیان ہمدانیوں کے یہاں شیخ فرید کا ننھیال تو پہلے سے چلا ہی
آرہا تھا۔ جب شیخ فرید کا زمانہ آیا تو ان کا بھی بیاہ لاڈنوں میں ہوا۔ اور ان کے ماموں
اور خالہ کا حوالہ ملفوظات میں آتا ہے۔ جب نانا صاحب کا انتقال ہوا تو چالیس دن تک
ان کے ایصال ثواب کے لئے شیخ فریدالدین تذکیر کرتے رہے تھے۔ (مکتوب بخدمت قاضی
جمال الدین) (سرورالصدور ص۱۶۹)

لاڈنوں کے علاوہ شیخ فریدالدین کی رشتہ داری گجرات اور اُوچھ میں بھی تھی جیسا
کہ ایک مکتوب کے مضمون سے مترشح ہوتا ہے۔ جو فرزند محی الدین سیدی بزرگ کو

لکھا گیا ہے۔ رہی قرابت سلطان محمد عادل (بن تغلق) سے تو سلطان نے بقول ملفوظات تخت نشینی کے آغاز سے شیخ فرید کے ساتھ رابطہ کرنا شروع کیا تھا۔ جیسا کہ پیچھے کے صفحات میں فقیر دکھا چکا ہے۔ بڑے ادب کے ساتھ پہلا نذرانہ موضع ڈیہہ کی مدد معاش ہے۔ دوسرا اقدام سلطان کا اپنی دختر بی بی راستی کے نکاح کا شیخ فرید کے پوتے شیخ فتح اللہ کے ساتھ تھا۔ جن کے ازدواج سے ایک دختر اور دو پسر زادے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام مودود۔ دوسرے کا محمد الملقب بہ عزیز الملک جو سرکاری ملازمت میں مستوفی ممالک (اکاؤنٹنٹ جنرل) کے عہدے کو پہونچے

(تاریخ فیروز شاہی۔عفیف)

اس کے علاوہ اگر یہ بعد کا اضافہ نہیں ہے تو، شیخ فرید کے فرزند شیخ اوحدالدین یعنی شیخ فتح اللہ کے والد کو خطۂ ناگور کی امارت سے سرفراز کیا تھا۔ شاید اسی لئے فتح اللہ بیٹے کو ملفوظات میں ملک فتح اللہ کا اعزاز دیا گیا ہے۔

شیخ فریدالدین کے سات بیٹوں کا اندراج ملفوظات میں ہے۔

(۱) شیخ محی الدین عبدالقادر خلیفہ (سعیدی بزرگ) (۲) شیخ قطب الدین (سعیدی خورد) (۳) شیخ اوحدالدین (ملک المشائخ) امیر ناگور (۴) ابوالوقت عزیزالدین یحیٰ (۵) ناصح الدین (۶) معین الدین (۷) مظہرالدین۔

شیخ فریدالدین چاکپراں کا رابطۂ اولاد شیخ فریدالدین گنج شکر اجودھنی سے بھی رہا تھا۔ بابا فرید گنج شکر کے پوتے شیخ زادہ بایزید ناگور میں چاکپراں رح کے مہمان رہے تھے جنکو بڑے اکرام کے ساتھ رکھا اور خاطر تواضع فرمائی۔

(سرورالصدور ص ۳۷۹)

تالیفاتِ شیخ فرید چاکراںؒ علیہ الرحمۃ والرضوان

سرورالصدور فقیر حقیر کاتب التحریر کی نظر میں شیخ فرید کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی تالیفات ہیں جن کو دوامی اوّلین حیثیت حاصل ہوئی۔ تالیفات میں اولیت کا درجہ سرورالصدور (نورالبدور) کو ملنا چاہیئے سرورالصدور کو جو اہمیت ملفوظات چشتیہ کے سلسلے میں حاصل ہے اس کا تفصیلی جائزہ میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے الفاظ میں پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ یہاں پر فقیر اس بات پر زور دینا چاہتا ہے کہ سرورالصدور کا بیشتر حصہ شیخ فریدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہی تالیف ہے کاتب البتہ ان کے صاحبزادگان ہیں. اگر سرورالصدور میں درج شدہ حوالے بابت شیخ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ، فقیر کو اگر میسر نہ ہوتے تو خواجہ بزرگ کی بابت میری تواریخی معلومات اتنی بھی نہ ہوتی جتنی ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے چھان کر اردو داں طبقے کے لئے مہیا کر دی ہے یہ دو بزرگوں کے ملفوظات ہیں جو ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ یعنی جدّ امجد صوفی حمیدالدین تارکین اور ان کے خلیفہ و جانشین ان کے پوتے شیخ فریدالدین چاک پرّاں کے جو مؤخر الذکر نے اپنے صاحبزادگان کو لکھوائے یا صاحبزادے سیّدی بزرگ نے اپنے اوالد حضرت چاکپرّاں کے الفاظ میں درج کیے۔

علمی کتب سرورالصدور میں جابجا صوفی علیہ الرحمۃ والرضوان کے طبع زاد رباعیوں یا ابیات عربی، فارسی، ہندی کے ساتھ شیخ فریدالدین کی اپنی غزلیات اور اشعار بھی کافی تعداد میں ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ علاوہ انشائے نثر

فارسی، عربی دونوں زبانوں (فارسی، عربی) کی نظم میں شیخ فرید اچھی خاصی قدرت رکھتے تھے۔

(سرور الصدور ص ۱۷۴ وغیرہ)

واعظ ونصائح ودین پروری کے علاوہ مطالعہ وتصحیح ومقابلہ اور درسی کتب کا اچھا شوق رکھتے تھے۔ صحاح وکشاف شرح منتخب تعرف وشرع اعانت و مدارک العلوم ومنازل السائرین وآداب المریدین وفلک المشحون وبزدوی اور اسکی شرح ومشارق الانوار ومصباح الدّجی وغیرہ سے شغف رکھتے تھے۔

(سرور الصدور ص۔ ۱۴۰-۱۴۱-۱۴۳-۱۴۶-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱)

مکتوبات علاوہ اس کے مکتوبات شریف کی اچھی خاصی تعداد مجموعۂ سرور الصدور میں ہے شیخ نجیب الدین ابراہیم صوفی (برادرخورد) اور شیخ عبداللہ (پسیر بھائی) کے نام کے خطوط کے علاوہ اولاد میں مجدالدین اسمٰعیل وقطب الدین محمد اور بی بی قرۃ العین کے حوالے ہیں۔ قاضی نظام الدین (فرزندارجمند قاضی کمال الدین سہروردیؒ بھی مکتوب الیہ میں شامل ہیں۔ بس ایک مکتوب میں عربی کے گیارہ۱۱ شعر اور فارسی کے سترہ۱۷ اشعار درج ہوئے ہیں۔ جس میں ایک مصرعہ (عربی) بحق حضرت قاضی حمیدالدین سہروردی ناگوری اہمیت رکھتا ہے

(سرور الصدور ص ۱۵-۲۱۳)

اسفار حضرت شیخ فرید جاک پراں لئے اسفار[1] سے نہیں گھبراتے تھے۔ ناگور سے لاڈنو اور ڈیہہ کے علاوہ کم سے کم تین بار کے سفر دہلی کا ذکر تو سرور الصدور میں ملتا ہے۔ (سنہ ۶۸۱ ہجری ص ۲۰۲) مراجعت بار دوم ۶۸۷ھ سرور ص ۱۷۶ بار اخیر بازن وفرزند واعزہ ۷۳۰ھ برائے تمکن وتوطن (اخبار الاخیار ص ۲۶۷)

---

[1] اسفار۔ سفر کی جمع

اس اقامت میں جب کہ دہلی کو وطن بنایا اہل خانہ یعنی زوجہ کی وفات واقع ہوئی اور بیوی صاحبہ دہلی میں ہی مدفون ہیں سرور الصدور ص ۱۳۷) جب پوتے کی شادی عقد نکاح کے لئے دولت آباد کا سفر اختیار کیا (اواخر ۷۳۱ھ سرور الصدور ص ۱۴۱ تو واپسی برائے ظفر آباد (جونپور) ہوئی تھی۔ سرور الصدور ص ۱۶۶) اور مراجعت ۷۳۲ھ میں خیل (گھوڑوں) مع (نوکر، چاکر) اور سلطانی مکتوب اس امر کا لے کر چلے تھے کہ حضرت شیخ فرید کو ہندون (راجستان) تک پہنچایا جائے۔ سرور الصدور ص ۱۲۸ اس کے بعد زحمت (بیماری) کی حالت میں آخری سفر دہلی کا ۷۳۴ھ کا درج ہوا ہے۔ سرور الصدور ص ۱۴۹ اور ص ۲۷۲) جس سے جاں بر نہ ہو سکے انا للہ وانا الیہ راجعون اپنے تعمیر کرائے ہوئے مکان کی دھرتی میں تدفین ہوئی اور مقبرہ سلطان محمد تغلق نے بنوایا جیسا کہ فرمان متعلقہ فقیر درج کر چکا ہے۔ ۷۳۵ھ یہ مقبرہ اور مکان نئے منڈل کی مشرق کی طرف واقع ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۱۴۲ ۔

چاک پراں

حضرت شیخ فرید الدین کے عرف "چاک پراں" کی وجہ تسمیہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح نے یہ لکھی ہے کہ خراس یعنی بڑی چکی کا بھاری پتھر گردن میں لٹکا کر ناگور سے دہلی تک حالت سکر میں بلا تکان چلے آئے تھے (واللہ اعلم ص ۱۲۷ و ۱۴۳) چکی کے پتھر کو چاک کہتے ہیں۔

شیخ فرید کثیر الاولاد تھے۔ اپنے بیٹوں میں بڑے فرزند محی الدین عبد القادر (سیدی بزرگ) کو خلافت عطا فرمائی۔ خلافت نامہ مورخہ ۷۳۱ھ ص ۱۴۴ پر درج ہے۔ سرور الصدور۔ شیخ ضیاء الدین نخشبی رح سلک السلوک شیخ فرید الدین کے خاص مریدوں میں ہیں جنھوں نے شیخ کی وفات کے ماتم میں مرثیہ لکھا۔ سرور الصدور ص ۱۸۹

اور بعض قصائد بھی انکے طبع زاد ہیں۔ شیخ کے خلیفہ سیدی بزرگ کے حالات کے بارے میں کوئی معلومات مجھ تک نہیں پہونچی مگر شیخ ضیاءالدین نخشبی کے حالات پروفیسر خلیق نظامی نے یکجا کرکے رسالہ برہان میں اور تاریخی مقالات میں شائع کردیئے ہیں جو مجھکو دستیاب نہیں ہوا۔ لہذا میں ضیاءالدین نخشبی کے حالات کا ملخص سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی مشہور و معروف تالیف۔ بزم صوفیہ سے پیش کر رہا ہوں

(صفحہ ۵۴-۲۴۷)

شیخ ضیاءالدین نخشبی

بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اصلی وطن نخشب (بخارا) ترکستان کی کسی قدیم بستی کا نام ہے جس کی مناسبت سے نخشبی تخلص کرتے تھے۔ گوشۂ تنہائی کے باوجود بڑی شہرت کے مالک ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں کہ "ایسا سنا گیا ہے کہ آپ شیخ فرید کے مرید ہیں جو کہ سلطان التارکین شیخ حمیدالدین ناگوری رح کے پوتے اور خلیفہ ہیں واللہ اعلم" حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں تین ۳ شخص ضیاء نام کے تھے۔ (۱) ضیاء سنامی جو شیخ کے منکر تھے (۲) ضیاء برنی جو شیخ کے مرید اور معتقد تھے (۳) ضیاء نخشبی جو شیخ کے نہ منکر تھے نہ معتقد

(اخبار الاخیار صفحہ ۹۹)

مولانا ضیاءالدین نخشبی نے خواص و عوام دونوں سے الگ تھلگ رہکر اپنی فقیرانہ زندگی زاویۂ گمنامی میں گذاری اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا۔ اس لئے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی سال وفات ۷۵۱ھ ۔ ۱۳۵۰ء اور مرقد بدایوں ہی میں ہے۔

تصانیف متعدد چھوڑیں (۱) سلک السلوک (۲) عشرۂ مبشرہ

(۳) کلیات و جزئیات۔ (۴) شرح دعا سریانی (۵ طوطی نامہ۔ ان میں سے سلک السلوک اور طوطی نامہ بہت مقبول ہوئیں۔ سلک السلوک فن معرفت و سلوک میں اہم تصنیف ہے۔ اس میں تصوف کا ہر مسئلہ ایک علیحدہ سلک یعنی باب میں۔ شروع میں تصوف کے اصطلاحات کی تشریح ہے۔ صوفیانہ رموز و نکات کی صراحت و وضاحت حکایتوں کے پیرائے میں کی گئی ہے۔ یہ انداز بیان اور بھی دل پذیر اور مؤثر ہو جاتا ہے۔

جب ناصحانہ طریقہ پر ایک ایک حکایت بشنو بشنو (سنو سنو) سے شروع کی جاتی ہے۔ ایک حکایت ملاحظہ ہو۔ "سنو سنو" ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا، دیکھکر کہا یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے" ایسی دلچسپ حکایتوں میں اور بھی زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے جابجا ان کو اپنے طبع زاد قطعات سے بھی مزین کرتے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحق محدث رح سلک السلوک کو بڑی شیریں اور رنگین کتاب بتاتے ہیں ایک عدد قطعہ کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ یہ قطعات ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات پر مبنی ہیں :- قطعہ :-

نخشبی تا نظر بر خود نہ کنی ✕ مثل ایں کار مردہ نہ کند
ہر کرا سوئے خود نگہ باشد ✕ ہیچ کس سوئے او نگہ نہ کند

طوطی نامہ سنسکرت میں قصوں کی ایک مشہور کتاب "کوکا سپتی" ہے نخشبی نے اس کتاب کے سارے قصے فارسی میں بھی لکھے ۱۷۹۲ء میں "ام جرانس" انگریز نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔ اس کے خلاصے بھی لکھے

گئے جن کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوتے رہے ہیں۔ فقیر حقیر کاتب التحریر کے کتب خانے میں بھی سلک السلوک مطبوعہ فارسی اور طوطی نامہ قلمی فارسی کا نسخہ ہے۔

شیخ کبیر الدین ناگوری (احمد آبادی)

شجرۃ الابرار، مناقب التارکین، میں لکھا ہے کہ آپ شیخ سعید ابن عزیز الدین یحییٰ ابوالوقت ابن فریدالدین چاکپڑاں کے صاجزادے تھے۔ آپکو اپنے والد سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ آپ علم ظاہری اور باطنی کے عالم اور صاحب وجد و سماع تھے آپکا شمار بھی اولیاء کاملین میں ہوتا ہے۔ آپکی تصانیف بہت ہیں۔ کتاب دہن جو ضوءمصابح کی شرح ہے۔ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ ناگور سے آپ شاید میواڑ کے راؤ چونڈا کے تاخت و تاراج کے وقت جو ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں ناگور کو ترک وطن کر کے احمد آباد گجرات میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپکے والد ماجد اپنے دادا یعنی حضرت شیخ فریدالدین رح چاکپڑاں کے مرید و خلیفہ تھے۔ مرأۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ بہ سلسلہ اپنے باپ دادا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لہٰذا آپ بھی اپنے والد شیخ سعید کے مرید تھے۔ مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ دنیا کے تعلقات ترک کرنے والے آنکھوں سے جمال مطلق کے دیکھنے والے عشق اور آزادی میں بے نظیر صاحب ارشاد قطب وقت حضرت شیخ کبیر الدین قدس سرہٗ کا ذکر سلسلۂ چشتیہ میں ہوا ہے۔ شیخ عزیز الدین نبیرۂ سلطان التارکین شیخ حمیدالدین ناگوری کی اولاد پاک صفات سے ہیں۔ حضرت صوفی حمیدالدین خواجۂ بزرگ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم میں سے تھے۔ آپکو عشق کی آگ اور سماع کا ذوق اور شوق اور اخفائے کرامات کا خیال نہایت

درجہ تھا۔

تاریخ مرأت سکندری فارسی مطبوعہ جس پر تاریخ ناگور کا دارومدار ہے، میں لکھا ہے کہ مریدوں کی ہدایت اور تربیت کرنے میں شیخ کبیر عدیم المثال تھے۔ لیکن اپنا احوال چھپانے کے لئے مسجد میں بیٹھے ہوئے بچوں کو درس دیا کرتے تھے۔ اور اپنی ولایت کا جمال اولیاء کی نظر سے چھپاتے رہتے تھے۔ لیکن مشک اور عشق چھپانے سے نہیں چھپتا۔ آپکے برادر زادے حضرت مخدوم حسین ناگوری اور ملک بختیار الدین وغیرہ جیسے اولیائے کاملین آپکے خلفاء میں سے ہیں۔ آپکی اولاد احمد آباد گجرات میں ہے۔ شیخ رشید میاں گجراتی جو شیخ یحییٰ مدنی کی اولاد سے ہیں۔ مخبر الاولیاء میں رقم طراز ہیں۔ کہ شیخ فتح محمد عرف شمس خاں اور ان کے لڑکے اشرف محمد عرف ظہیر خاں سلاطین گجرات کی وزارت کے عہدے پر سرفراز تھے وہ سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔

اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت شیخ کبیر الدین کی اولاد میں سے ہونگے۔ واللہ اعلم آپکے مزید حالات دستیاب نہ ہو سکے شیخ کبیر الدین کی وفات ۱۶ رماہ ذیعقدہ ۸۵۸ھ ۱۴۵۴ء میں ہوئی۔ اور آپ کا مزار احمد آباد مہتا پورہ چار توڑہ قبرستان میں ہے۔ مراۃ الاسرار، مخبر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ احمد کھٹو کے زمانے میں شیخ کبیر ناگور سے احمد آباد گئے تھے۔ ثناء الابرار میں فیض الارواح کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپکی وفات ۱۴ اور بقول بعض ۱۶ ذیقعدہ کو ہوئی تھی۔ اور آپکے برادر زادے خواجہ حسین ناگوری اور ملک محمد بختیار آپکے خلیفہ تھے۔ مرات سکندری اور مرأت الاسرار میں لکھا ہے کہ ملک محمد بختیار حضرت شیخ کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم

میں سے تھے۔ آپ اولیاء کاملین میں سے تھے۔ علم ظاہری اور باطنی کے جامع اور صاحب وجد و سماع تھے۔ آپ سلطان محمود بیگڑہ کے امرائے اعظم میں سے تھے اور جس کوچہ میں حضرت شیخ کھٹو رہا کرتے تھے آپ بھی اسی کوچہ میں رہتے تھے۔ جب آپ کی نظر شیخ کبیر کے کمال ولایت پر پڑی تو بے اختیار ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور نماز بھی شیخ کی اقتدا میں ادا کی شیخ نے محمد بختیار کو اپنی روحانیت کے ذریعے جو اس کے اندر جوہر تھے، پاکر خاص طور سے نواز لیا جس کے باعث ملک محمد بختیار کا دل دنیاوی معاملات سے یکسر اچاٹ ہو گیا۔ بہت دیر تک مدہوش اور بے خود رہے جب ہوش آیا تو اپنے گھر گئے۔ تمام مال و اسباب اور ہاتھیوں کی فہرست مرتب کر کے سلطان کے پاس بھیج دی کہ یہ سب سرکاری مال ہے سرکار میں داخل کر لیا جائے اور مجھے اپنے کام سے سبکدوش تصور فرمایا جائے۔ سلطان نہایت متحیّر ہوا کہ یہ کیا بات ہوئی۔ اپنے امراء کو شیخ محمد بختیار کے پاس بھیجا کہ ترک خدمت کا سبب دریافت کریں۔ امراء نے جب ملک محمد بختیار کو دیکھا تو بالکل فقیر پایا چنانچہ واپس جا کر سلطان سے عرض کیا کہ ملک تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ اپنا سارا اسباب دنیاوی فروخت کر دیا ہے۔ اور اپنی بیوی کا مہر بھی ادا کر کے اسکو کہدیا ہے کہ تم جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ۔ مگر بیوی بڑی ہمّت والی ہے اس لئے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ آپکے پیر و مرشد حضرت شیخ کبیر نے آپ کو سقّائی کی خدمت سپرد کر دی۔ مدّت تک آپ دریا سے پانی بھر کر لاتے اور فقراء کو پلاتے رہے لوگ آپ پر ہنسا کرتے تھے کہ آپ نے بادشاہ کی وزارت چھوڑ کر مُلا کبیر کی سقّائی اختیار کی ہے مگر لوگوں کی اس ملامت کی آپ نے مطلق پرواہ

نہ کی آپکے مدارج روز بروز بڑھتے گئے یہاں تک کے شیخ کے حسن تربیت سے آپ پایۂ تکمیل اور ارشاد تک پہونچ گئے۔

تمام ملک گجرات میں آپکے کمالات کا شہرہ ہوگیا اور اطراف واکناف سے لوگ جوق درجوق آپکے پاس آنے لگے مخلوق کے اس اجتماع کو شیخ نے ناپسند فرمایا اس لئے آپ نے گوشۂ تنہائی اختیار کرلی اور مریدانِ صادق کی ہدایت میں مشغول ہو گئے ایک دن حضرت شاہ عالم کا مرید حضرت ملک کی خدمت میں آیا حاسدوں نے حضرت شاہ عالم کو اسکی اطلاع اس انداز میں دی کہ ملک بختیار اتنا گستاخ ہوگیا ہے کہ آپ کے مریدین کو آپ سے روگرداں کرنے لگا ہے۔

حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ مرید کا اصل مقصد تو حصول رشد و ہدایت ہے جہاں سے بھی مل جائے اچھا ہے۔ ایک دن حضرت شاہ عالم کی حضرت ملک سے شہر کے کسی کوچہ میں ملاقات ہوگئی۔ ایک نے دوسرے سے خرقہ کی درخواست کی۔ حضرت ملک نے عرض کیا کہ خلعت شاہوں کی طرف سے عطا ہوا کرتی حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ ملک بھی تو شاہ ہوتے ہیں آخر کار حضرت شاہ عالم نے اپنا پیراہن حضرت ملک بختیار کو عطا فرمایا اور حضرت ملک نے اپنی کلاہ حضرت شاہ عالم کی خدمت میں پیش کی۔

مزار شریف حضرت ملک بختیار کا مزار احمد آباد میں اپنے پیر و مرشد کے مزار کے برابر مہتا پورہ یعنی چار توڑا قبرستان احمد آباد میں ہے۔ فقیر نے بھی حاضری دی ہے۔ نوٹ :۔ حضرت شیخ فریدالدین جاگیر ان کی اکثر اولاد قصبہ روہتک ہانسی، احمد آباد اور پورب میں تھی آپکی اولاد گوالیر میں بھی تھی۔ شیخ احمد اور

ان کے صاحبزادے شیخ حسن وغیرہ آپکی اولاد سے تھے جو دہلی میں ...رہتی حضرت شیخ
شیخ دولہ اور غلام محمد کے لڑکے حیات علی وغیرہ قصبہ روہتک میں رہتے تھے سری
دو تین گھر ناگور میں بھی ہیں جن میں حضرت شیخ مداری عرف بدیع الدین بن
شیخ فریدالدین بن شیخ عبدالمومن بن شیخ نصیر بن شیخ جیو بن شیخ محمد بن
شیخ داؤد بن شیخ محسن بن شیخ اوحدالدین احمد بن شیخ فریدالدین جاگیراں ہیں۔
یہ شیخ مداری اپنے زمانے کے کاملین اور صالحین میں سے تھے آپکو شیخ کلیم اللہ چشتی
جہان آبادی القادری سے خرقہ خلافت ملا تھا۔ آپ قصبہ سنگھانہ میں رہا کرتے تھے
اور مریدوں کو راہِ خدا کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ پہلے آپ شاہ عالمگیر بن شاہجہاں
بادشاہ کی ملازمت میں تھے قصبہ سنگھانہ میں آپ کے بہت مریدین ہیں۔ آپ کی
وفات ۱۹ ماہ ذیقعدہ میں سنگھانہ میں ہوئی۔ وہیں آپکا مزار اقدس ہے۔
شیخ غلام امام نے اپنی عین حیات میں آپکی قبر پر گنبد بنوادیا تھا۔ شیخ مداری کے
لڑکے شیخ عبدالباقی تھے ان کے لڑکے شیخ عبدالواسع اور اُن کے لڑکے شیخ بخش
تھے جو لاولد فوت ہوگئے۔ اس طرح سلسلۂ شیخ مداری منقطع ہوگیا۔

شاہ غلام امام عرف شیخ مانو ناگوری سنگھانوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ غلام امام بن شیخ عبدالہادی بن شیخ ناصح الدین عرف نصیرالدین
بن اوحدالدین بن میمن بن حسین بن نصرالدین بن جیو محمد بن شیخ محمد بن شیخ داؤد
بن شیخ عبدالمہمن بن اوحدالدین بن شیخ فریدالدین جاگیراں۔ اپنے زمانہ کے
کاملین اور عارفین میں سے تھے۔ حضرت شاہ مولانا محمد وارث شمس الدین رسول

نمایناری القادری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رفیع الدین قادری کے مرید اور خلفاؤں
میں سے تھے۔ آپکا جدی وطن اور مسقط الراس قصبہ ناگور شریف راجستھان ہے لیکن
زیادہ تر آپ سنگھانہ شیخاوٹی میں رہا کرتے تھے۔ لکھا ہیکہ شیخ غلام امام شیخ بدیع الدین
عرف شیخ مداری کے حقیقی نواسے اور سجدی تھے۔ شیخ مداری کی وفات کے بعد آپ
قصبہ سنگھانہ کے شاہ ولایت ہوئے۔ قصبہ سنگھانہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں
کو راہ حق بتلاتے تھے۔ قصبہ سنگھانہ کے مسلمانوں میں بہت بے دینی اور شراب نوشی
کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ انھیں نماز روزہ سے کوئی رغبت نہ تھی حضرت شیخ غلام
امام صاحب کی امداد و برکت سے اس قصبہ میں دینداری کا بول بالا ہوا اور اس ضلع
کے قرب و جوار کے ہزاروں آدمی آپکے دست حق پرست پر مرید ہوئے
آپ سے بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات ظاہر ہوئیں۔ آپکے یاروں مریدوں
اور خلفاؤں میں سے بہت سے صاحب کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔ مثلاً
تربیت شاہ اور عبداللہ شاہ رجو کہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور فتاح شاہ باکمال
عارفوں میں گذرے ہیں۔ آپکو وجد و سماع کا بہت شوق تھا۔ مولوی اللہ
نور شاہ ٹونکوی جو فتح شاہ کے مرید اور خلیفہ تھے اور نواب احمد یار خاں جو
امیر خاں والی ٹونک کے صاحبزادے تھے۔ اللہ نور شاہ کے مرید تھے۔ شاہ
غلام امام صاحب کی وفات کی تاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۴ء کو ہوئی۔ آپ کا مزار
اقدس بھی قصبہ سنگھانہ میں شیخ مداری رحمۃ اللہ علیہ کے گنبد کے اندر ہے ایک اور
مزار غلام امام کے والد عبدالہادی کا بھی ہے۔ اس طرح اس گنبد میں تین مزار ہیں
آپ کا عرس ہر سال ہوتا ہے ہزارہا آدمی اطراف کے جمع ہوتے ہیں۔ آپ کے

کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی دو لڑکیاں ہوئیں بڑی لڑکی جس کا نام نورالنساء تھی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نبیرۂ قاضی حمیدالدین ناگوری کو بیاہی گئی تھیں آپکی دوسری صاحبزادی جس کا نام حمیدہ بی بی تھا جو شیخ مدار بخش بن عبدالوسع بن عبدالباقی بن بدیع الدین عرف شیخ مداری مرحوم کو بیاہی گئی تھی۔ شاہ غلام امام کے دو بھائی اور تھے ایک غلام مضطر اور دوسرے مصلح الدین شاہ۔ حضرت غلام امام کے انتقال کے بعد آپکے چھوٹے بھائی مصلح الدین سجادہ نشین اور قائم مقام ہوئے جو عالم متقی اور فقیر مشرب انسان تھے۔ مریدوں اور معتقدوں کو راہِ خدا بتاتے تھے۔ آپکی وفات بتاریخ ۱۲ ر شوال ۱۲۰۰ھ میں ہوئی آپکی قبر مبارک بھی شاہ غلام امام کی خانقاہ سنگھانہ میں ہے۔ آپ کے دو لڑکے تھے۔ ایک محمد اشرف جو لاولد فوت ہوگئے۔ دوسرے محمد یٰسین جو آپکی حیات ہی میں فوت ہوگئے۔ ان کے دو لڑکے تھے بڑا لڑکا شیخ خدا بخش اور چھوٹا لڑکا شیخ میراں بخش۔ حضرت شیخ مصلح الدین کے انتقال کے بعد آپکے پوتے شیخ خدا بخش بن محمد یٰسین سجادہ نشین ہوئے یہ بھی صاحب علم و تقویٰ و شائق وجد و سماع تھے اور طالبانِ راہِ حق کو تعلیم دیتے تھے۔ آپکا کام توکل پر چلتا تھا۔ فقیر دوست اور مسافر نواز تھے اور بہت سے مشائخ کی صحبت پائی تھی۔ ۲۷ ر ربیع الاول ۱۲۷۳ھ میں آپکا انتقال ہوا۔ آپکی قبر شریف شاہ غلام امام صاحب کی خانقاہ میں قصبہ سنگھانہ میں ہے۔ شیخ خدا بخش کے دو لڑکے تھے بڑے لڑکے میاں دیدار بخش جو اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ چھوٹے لڑکے مولا بخش تھے۔ دونوں بھائی صالح اور نیک بخت تھے۔ چھوٹے لڑکے مولا بخش کے تین لڑکے

ہوئے۔ بڑے ہادی بخش۔ علیم بخش، فرید بخش، ہادی بخش کے لڑکے احمد بخش ہوئے
احمد بخش کے لڑکے کریم بخش سجادہ نشین ہوئے جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے گئے
آپکی تین لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے۔ آپکی بڑی لڑکی زمرد بیگم فقیر کاتب السطور
سے بیاہی گئی۔ پاکستان حیدر آباد سندھ پھیلیلی پار آپ نے اپنا رہائشی مکان
اور شاہ غلام امام کے نام سے ایک جدید درگاہ بھی تعمیر کروالی ہے۔ آپکے ساتھ
ہزاروں مرید بھی پاکستان چلے گئے تھے۔ آپ اپنے دادا کا عرس حسب دستور
حیدر آباد میں مناتے ہیں۔ آپکے جانشین آپکے بڑے لڑکے فقیر کے سالے کبیر الدین
پاکستان میں درگاہ شاہ غلام امام کے سجادہ نشین ہیں۔ حضرت کریم بخش صاحب
انتقال فرما گئے آپنے کافی عمر پائی تقریباً سو سال آدبر آپکی عمر ہوئی۔ مولا بخش کے
دوسرے لڑکے علیم بخش تھے جن کے رحیم بخش ہوئے اور رحیم بخش کے لڑکے غیور
الحسن صاحب ہوئے جو اس فقیر کے بہنوئی ہوتے ہیں فقیر کی بڑی ہمشیرہ طاہرہ
بیگم آپ سے منسوب ہوئی جن کا ۱۵ ر شعبان ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳ء میں انتقال ہوگیا
آپکا مزار ناگور کی درگاہ صوفی حمید الدین کے قبرستان میں ہے۔ سن ۷۴ ۱۹ء
کے بعد آپ یعنی کریم بخش صاحب کے حقیقی بھانجے غیور الحسن سنگھانہ شاہ غلام امام
کی درگاہ کے سجادہ نشین ہوئے آپکے کوئی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے آپنے
فقیر کے بڑے لڑکے عبدالباقی کو اپنا جانشین وسجادہ نشین مقرر کر دیا اور بیعت و
خلافت سے بھی نوازا۔ آپ ناگور شریف میں اپنے مکان میں فقیر کے شامل ہی رہتے
ہیں۔ اور سابق دستور غلام امام عرف مانو کے سالانہ عرس کی تقریب جو ۱۲ ر ذی الحجہ
سے ۱۴ ر ذی الحجہ تک منائے جاتے ہیں۔ شاہ غلام امام کی اولاد سے پاکستان میں ایک

گھرادر ناگور میں صرف دو گھر ہی رہ گئے ہیں۔ ایک لڑکا وحیدالدین جسکی شادی نہیں ہوئی۔ اس کا بڑا بھائی محمد رمضان جو حیدرآباد سندھ میں رہتا ہے غیر کفو میں شادی کی ہے۔ شاہ غلام امام اولیاء کرام و فضلائے عظام سے تھے اور بڑے بزرگ ولی کامل ترک و تجرید پر ثابت قدم صاحب کرامات و خوارق عادات تھے آپ مرید حضرت محمد وارث شمس الدین رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جسکا خلاصہ پہلے کرچکا ہوں اور انہیں سے آپ نے خرقۂ خلافتِ قادریہ اخذ کیا اور آپکی خدمت سے فیض ظاہری و باطنی حاصل کیا اور آپ سے صدہا کرامتیں ظاہر ہوئیں جسکی تفصیل کی یہاں پر گنجائش نہیں ہے دنیا کی محبت کو ترک کرکے یادِ الٰہی میں مصروف رہے اور بڑا درجہ حاصل کیا ہمیشہ فقر و فاقہ میں رہتے۔ تمام عمر قناعت گزیں رہے فتوحاتِ غیبی آپکو بہت کچھ آتا تھا سب خانقاہ و مریدین میں صرف کردیتے تھے ابتک ماہِ ذی الحجہ کی ۱۱ر تاریخ سے آپکا عرس ہوتا تھا لیکن آجکل ۱۲ سے شروع ہوکر ۱۵ ارکو ختم ہوتا ہے۔ ایامِ عرس میں محفل سماع کا وہ عالم رہتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ دور دور سے مشائخ عظام آکر شریک ہوتے ہیں آپکے خاندان کے ہزاروں مرید بمبئی گجرات، راجستھان شیخاواٹی جے پور جھنجھنوں سیکر و دیگر کئی مقامات پر بیشمار ہیں اور خرقۂ خلافت چشتیہ کا آپ نے اپنے ہم جدی شیخ بدیع الدین چشتی عرف مداری سے پہنا ہے آپکی اولاد میں اور آپ کے خلفاء میں بڑے بڑے کاملین گذرے ہیں۔ آپ نے ۱۴ر ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۷ھ 1793ء کو نقلِ مکانی کیا اور قصبہ سنگھانہ علاقہ شیخاواٹی ضلع جے پور میں آسودہ ہیں آپکے خلفاء میں فتاح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے باکمال بزرگ گذرے ہیں اور آپکے نبیرہ حضرت زبدۃ المشائخ میاں کریم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو سندھ حیدرآباد میں رہتے تھے اب انتقال

فرما گئے وہاں پر حلبہ ید درگاہ میں آپکا مزار مرجع خلائق ہے۔ اوقات آپکی مدام اوراد وظائف میں بسر ہوئی بڑے بزرگ ذاکر شاغل اس زمانہ میں مشائخ کے درمیان آپکی ذات غنیمت تھی آپکے ہم عصر ہی آپکے چچا میاں رحیم بخش صاحب تھے دونوں بزرگ چھوٹی عمر ہوتے ہوئے بھی دن رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

نقل ہیکہ سنگھانہ کے قریب ایک باوڑی یعنی پانی کا چشمہ ہے وہاں کوئی درویش مہمان آیا اور حضرت غلام امام رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کی اور کہا کہ جبتک آپ خود نہ آئیں گے مجھکو لینے کے واسطے تب تک بندہ ہرگز در دولت پر حاضر نہیں ہوگا آپ نے یہ سنکر اپنے مرید خلیفہ ار سے فرمایا کہ اے فتاح جاؤ اور اس مہمان کو یہاں لے آؤ بموجب حکم پیر آپ گئے اور اس درویش نے آپکو دیکھا تو اپنی کرامت سے باوڑی یعنی چشمہ کے پانی کو زمین کے نیچے پتال میں پہنچا دیا فتاح شاہ نے جب یہ حال دیکھا تو دل میں خیال کیا کہ یہ مہمان ہمارا امتحان کرنا چاہتا ہے آپکو بھی جوش آیا آپ اُس باوڑی کو اپنی کرامت سے زمین کے اوپر اسی جگہ واپس لے آئے اُس درویش نے پھر نیچے پہنچائی آپ پھر اوپر لے آئے غرض کہ ردوبدل میں کافی عرصہ گذر گیا وہاں آپکے پیر کو خیال ہوا کہ فتاح مہمان کو لیکر نہیں آیا شاید وہ درویش سے الجھ گیا ہوگا آپ وہاں پر پہنچے تو حالات ملاحظہ فرمائے آپ نے فتاح کو فرمایا کہ اے فتاح میں نے تجھے واسطے تعظیم سے بلانے بھیجا تھا نہ کہ واسطے کرامت دکھانے خیر آپ دونوں کو ہمراہ لیکر خانقاہ سنگھانہ میں تشریف لائے۔ نقل ہیکہ فتاح شاہ مرید و خلیفہ شاہ غلام امام راجہ کھیتڑی کے یہاں ملازم تھے اور ڈیوڑھی پر پہرہ دیا کرتے تھے ایک مرتبہ شبکو ایک سگڑی یعنی انگیٹھی میں اپنے آگے آپ نے آگ جلا رکھی تھی کیونکہ سردی کا موسم تھا راجہ نیند میں

سو رہا تھا آپ عبادت الٰہی میں مشغول تھے ذکر کی حالت میں آپکا سر آگ میں رکھا ہوا تھا
اتفاقاً راجہ بیدار ہوا تو آپکی یہ حالت دیکھکر متحیر ہوا اور کافی دیر تک یہ کرشمہ دیکھتا رہا لیکن آپکا
ایک بال بھی نہیں جلا راجہ نے فوراً اٹھکر آپکے قدم پکڑ لیے کہ میاں جی آپکی کیا حالت ہے
بے ادبی معاف فرمادیں میں آپکے مرتبے سے آگاہ نہیں تھا آج سے آپکی ڈیوٹی معاف
آپ صرف مالک کا دھیان کرتے رہیں۔ آپکی تنخواہ چالو رہیگی۔ آپ نے اسی وقت نوکری
سے استعفاء دیدیا کہ اب مجھے نوکری نہیں کرنی۔ نقل ھیکہ ۔ ایک مرتبہ آپ نے
نواب امیر خاں ٹونک کی دعوت کردی مختصر کھانا تھا ہزار ہا فوج کے آدمی جب کھا چکے
کھانا بالکل کم نہیں ہوا نواب نے آپکی یہ کرامت دیکھکر دو تھیلی روپیہ آپکو نذر کیے۔
آپ اپنے پیر شاہ غلام امام کے کہنے پر جے پور چلے گئے وہیں پر آپکا انتقال ہوا۔
اول بیری سال سنگھ جی نے چہلم کے کھانا کا انتظام کیا آپکے مزار پر گنبد بنانا شروع کیا
لیکن دو مرتبہ گنبد بنایا گیا دونوں مرتبہ ہی گر گیا پھر آپکی بشارت ہوئی کہ میرے سلسلے کے
پیروں نے اپنے مزار پر گنبد بنانا پسند نہیں کیا میں کیسے بنوا سکتا ہوں۔ لہٰذا گنبد بنانا
ملتوی ہوا اور سکرانے کے پتھر کا مزار بنایا گیا جو آج تک موجود ہے۔ آپ نے ۱۳ر
ذی الحجہ ۱۲۳۹ھ میں انتقال فرمایا اور شہر جے پور سانگانیر دروازہ باہر متصل فتح ٹیبہ آپ
کا مزار پر انوار ہے آپکے مزار کے سبب ہی یہ فتح ٹیبہ مشہور رہا۔ آپ مؤلف شجرۃ الکاملین
کے جد امجد ہیں۔ آپکا عرس یکم ذی الحجہ سے شروع ہوکر تاریخ ۳ر ذی الحجہ کو ختم ہوتا ہے
آپکے مرشد کا فرمان تھا کہ فتاح تیری محفل ہمیشہ گرم رہیگی عرس کے درمیان محفل سماع
کا خوب دور دورہ رہتا ہے۔ آپ نے خرقہ خلافت اور شجرۂ سلسلہ چشتیہ کا
فریدالدین چاکراں کی اولاد شاہ غلام امام عرف مانو سے پایا تھا۔ غلام امام اور فتاح کے

کے حالات زندگی پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر بوجہ طوالت کے اختصار سے کام لیا گیا ہے
کتاب سنگھانہ کا چاند ص ۵ سے نقل ہے کہ غلام امام کے گنبد پر کلس نواب امیر خاںؒ ٹونک
نے نصب کیا تھا حضرت شاہ غلام امام کی تصنیفات ۱؎ کتاب افتخار الامام (تذکرہ اولیا) جس
میں آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حالات اور کشف و کرامات تحریر فرمائے ہیں ۲؎ ثمرۃ الارادت
یہ کتاب بزبان فارسی ہے، جس میں حضرت شاہ غلام امام رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہیں ۳؎
کتبہ اندرون درگاہ غلام امام سنگھانہ ضلع جھن جھنوں راجستھان تعمیر کردہ خود غلام امام۔

کتبہ: بدور شاہ عالم ماہ شوال ※ زہی سجادہ زری جائی تقدس
بروضہ حضرت شیخ مداری ※ تجلی می شود و نور الاقدس
غلام از امام اندر سنگھانہ ※ بنا شد ثانی بیت مقدس

نوٹ:۔ گنبد کے اندر تین مزار ہیں اوّل عبد الہادی والد شاہ غلام امام دوم غلام
امام سوم شیخ مداری گنبد کے اندر کٹھیرا جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ بابو خواج بخش
بیساری نے بنوایا تھا جس پر ۱۳۶۵ھ آغاز اور نام اسطرح لکھا ہوا ہے۔ بابو خواج بخش
ماہ پنجم ۱۳۶۶ھ اختتام۔ ناگور میں بھی فقیر حقیر کے مکان سے متصل ایک مسجد ایکی تعمیر
کردہ ہے جس میں فقیر ہی امامت کرتا ہے جس کا کتبہ اسطرح ہے۔

بدور شاہ عالم ماہ شعبان ※ مکمل شد زہی مسجد تقدس
مکان فیض از فضل الٰہی است ※ طفیل تارکین چشتی قدس
غلام الامام شہر ناگور ※ بنا شد کر ثانی بیت مقدس ۱۱۹۶ھ

۱؎ شجرۃ الابرار فارسی غیر مطبوعہ ص ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - حاجی نجم الدین برادر فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ
۲؎ مناقب التارکین فارسی غیر مطبوعہ ص ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - حاجی نجم الدین ۔
۳؎ شجرۃ الکاملین مطبوعہ ص ۲۳۷ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۴ - ۲۵۰ - ۲۶۱ - ۲۶۳ -

-یہاں پر سے شیخ فرید کی اولاد کا ذکر ختم ہوتا ہے۔ بعد کی پشتوں کے لئے دیکھئے شجرۂ انساب جو فقیر نے حاجی خواجہ نجم الدین پرواز فتحپوری رح کی تصنیف شجرۃ الابرار سے مرتب کیا ہے۔ شیخ فریدالدین چاکیراں کا رابطہ اولادِ شیخ فریدالدین گنج شکر اجودھنی سے بھی رہا تھا۔ بابا فرید کے پوتے شیخ زادہ بایزید ناگور میں چاکیراں کے مہمان رہے تھے جن کو بڑے اکرام کے ساتھ ناگور میں رکھا گیا اور خاطر تواضع فرمائی (سرورالصدور ص ۳۷۹)

هُوَالعَلِيمُ القَوِی

شجرۂ انساب آباؤ اجداد حضرت صوفی حمیدالدین سعیدی چشتی الفاروقی الناگوری رضی اللہ عنہ

ابنائے

الشیخ احمد صوفی

۱ الشیخ فتح اللہ صوفی — ۲ الشیخ محمد صوفی — ۳ الشیخ حسین صوفی

الشیخ ابراہیم صوفی

۱ الشیخ ابوطاہر جو شیخِ خانقاہ تھے — ۲ الشیخ حسین صوفی — ۳ الشیخ خواجگی

۱ الشیخ حسین — ۲ الشیخ عمر — ۳ الشیخ ابوالقاسم — ۴ الشیخ ابوبکر جو بہرام شاہ کے ہم سبق اور اسکی فوج کے اعلیٰ افسر تھے ان سے طریقۂ تصوف کا ظہور نہیں ہوا

الشیخ محمد

الشیخ سعیدی۔ نسبت سعیدی اس نام سے ہے یہ شیخ سعیدی صوفی بخاری اپنے دور میں بڑے عابد وزاہد بزرگ گذرے ہیں ابوالحسن خراس وزیر بہرام شاہ کابل نے آپکی بزرگی سے متاثر ہوکر ایک عالیشان خانقاہ بھی بخارا میں آپکے لئے تعمیر کرائی تھی۔

الشیخ زید اصغر

ابن امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطاب بن نفیل

از رسالۂ انساب خواجہ مخدوم حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ۔

خطۂ ناگور میں سلسلۂ مغربیہ

پچھلے زمانے میں طرابلس، الجزائر، تونس، مراکش (شمالی افریقہ) کے ساتھ اندلس (اسپین) کو شامل کرکے "مغرب" کا اصطلاحی لفظہ بولا جاتا تھا۔ اس بنا پر شیخ ابی مدین مغربی رح کا سلسلہ "مغربیہ" کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ سلسلہ ہندوستان میں نویں دسویں صدی ہجری میں پہنچا مگر سواحلی علاقوں میں محدود رہا۔ البتہ شیخ اسحاق دہلوی جو بابو اسحاق کے نام سے مشہور ہیں اس سلسلے کو راجستھان میں لائے۔ اور انکے خلیفہ وجانشین شیخ احمد جو شیخ احمد کھٹو کے نام سے جانے جاتے ہیں، اس سلسلے کو گجرات میں بھی پھیلاتے رہے اور ترقی دی۔

میں سلسلۂ چشتیہ حمیدیہ کو شیخ فریدالدین جاکبراںؒ کے بعد ناگور میں چھوڑ کر کھاٹو کی طرف رجوع کرتا ہوں جسکو بابو اسحاق نے اپنی تحریک مغربیہ کا مستقر بنایا تھا۔ مغربیہ سلسلے کے ذکر کے بعد میں پھر حمیدیہ سلسلہ کی طرف لوٹوں گا۔ مگر سو برس تک میدان خالی پائیں گے اور شیخ احمد کھٹو کی ہجرت گجرات کے بعد مجھکو موقع ملے گا کہ خواجہ مخدوم حسین ناگوری اور شیخ المشائخ بندگی شیخ نظام کے حالات پر قلم اٹھاتے ہوئے اس سلسلے کا ایک سرا ناگور سے اٹھاکر (جھن جھنوں) فتحپور شیخاواٹی، اجودھیور، حیدرآباد، دکھن سے جوڑ سکوں۔ ناظرین کرام سے درخواست ہیکہ انتظار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

سلسلۂ مغربیہ کے لئے مشہور ملفوظات شیخ محمد قاسم کھٹوی کی قلم سے لکھے گئے ہیں جن کا تالیفی زمانہ حضرت شیخ احمد کھٹو کی وفات کے ۱۲۰ برس بعد کا ہے۔ ملفوظات کا نام "مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول" ہے جسکی قدیم کاپی کی نشاندہی

کلکتہ میں ڈاکٹر ضیاالدین دیسائی مدظلہ نے فرمائی ہے۔ دوسری نقل اس مخطوطے کی پیر محمد شاہ لائبریری درگاہ احمد آباد میں ہے۔ جس کا اردو ترجمہ مولانا ابوظفر ندوی نے شائع کیا تھا مگر اب نایاب ہے۔ چونکہ دونوں مخطوطے میری دسترس کے باہر ہیں میں ابوظفر ندوی کے ترجمہ سیرت احمدیہ، پر قناعت کرکے انہیں کے درج کردہ نوٹ سے استفادہ کرکے بابا اسحاق اور شیخ احمد کھٹو کی سوانحی تذکرہ فقیر اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے

شیخ ابی مدین مغربی کے تیسرے جانشین شیخ محمد کیمی تھے جو کیم کے باشندے تھے ان سے شیخ اسحاق بن محمود نے خلافت حاصل کی جو دہلی کے رہنے والے تھے اور جنکا سلسلۂ نسب حضرت شیخ جنید رح سے ملتا تھا۔ ان کی تاریخ پیدائش ندوی صاحب ۶۵۶ھ مان کر چلے ہیں۔ مروجہ علوم حاصل کرکے شیخ اسحاق بیرون ممالک کی سیر کے لئے نکلے اور کیم نامی مقام پر پہونچے جہاں چالیس حج کرکے حضرت شیخ محمد کیمی رح نے استقرار کیا تھا۔ انکی ایک بڑی سی خانقاہ تھی اور لنگر خانہ جہاں کئی مقامی مریدین خلافت اور سجادے کے حصول کے لئے بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ شیخ اسحاق کی پہلی ہی حاضری میں شیخ کیمی نے، جو اپنی کبر سنی کی آخری منزل میں تھے، فرمایا کہ میں ابھی تک تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ آخر کار تم پوری تیاری اور صلاحیت کے ساتھ آئے ہو یہ کہکر اپنی کلاہ اتاری اور شیخ اسحاق کے سر پر فی الفور رکھدی۔ تھوڑا عرصہ نہ گذرا تھا کہ شیخ کیمی نے شیخ اسحاق کو خلافت کے ساتھ جانشینی کا اعزاز بھی بخش دیا چونکہ پرانے مریدین محروم رہ گئے تو نہ صرف وہ شیخ اسحاق کے خلاف ہو گئے بلکہ ان کو شک و شبہہ بھی ہوا کہ ایک نووارد مسافر خانقاہ کا اور لنگر کا خرچ کہاں سے لائے گا۔ سجادہ نشینی کے بعد تیسرے دن شیخ اسحاق گھبراہٹ کے مارے

پیر کے مزار پر رات کو روحانی مدد کے لئے حاضر ہوئے اور صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تھیلی رکھی ہوئی ہے۔ جس میں روزانہ خرچ کے برابر کی رقم موجود ہے نہ کم نہ زیادہ۔ اس واقعہ کے بعد اہلِ عناد کو حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا۔ یہ کرامت اس کے بعد دو دن اور چلی۔ اس کے بعد یعنی چوتھے دن شیخ اسحاق نے پیر مرحوم کی روحانی اجازت حاصل کر کے وہاں سے کوچ کر دیا۔ آدھی رات کو چل کر سفر کرتے ہوئے اجمیر پہونچے جہاں سلطان محمد تغلق کا کوئی خوف نہ تھا اور نہ ہی سلطان کی طرف سے کوئی گزند ہی انکو پہنچا پھر بھی اجمیر جیسے مرکز میں رہنے سے بہرحال ممکن تھا کہ سلطان کو انکی خبر لگ جائے۔ جب شیخ اسحاق نے اجمیری خواجہ کی روحانی اجازت طلب کی حکم ہوا کہ کھاٹو (خطہ ناگور) جاکر خدمتِ خلق کا کام انجام دو۔ مراد بڑی کھاٹو سے ہے۔ چلتے چلتے کھاٹو کے قریب پہونچے تو ایک مجذوب نے خوش آمدید کے طور پر کہا کہ "آؤ کھاٹو کے نئے حاکم"۔

کھاٹو یا کھٹو دہلی اور گجرات کی شاہ راہ پر واقع ہے۔ یہی اس قصبہ کی اہمیت تھی۔ اس مقام پر سلطان التمش کے زمانے کی قدیم طرز پر بنی ہوئی شاہی مسجد کے کھنڈر بتلاتے ہیں کہ ایک صدی قبل کھاٹو کو اچھا اعزاز حاصل تھا۔ چھوٹی کھاٹو میں افغانوں کا شیرانی قبیلہ آکر رہا۔ کھاٹو کے زرد پتھر، بابو اسحاق کا مزار اور شیخ احمد کھٹو کی شخصیت نے بعد میں کھاٹو کی شہرت میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد بادشاہ محمد شاہ کے زمانے میں کھاٹو ریاست جودھپور کا حصہ بن گیا اور آزادی ہند کے بیشتر کھاٹو چاپاوت ٹھاکر کی جاگیر میں شامل تھا۔ کھاٹو کی قدامت اور ثقافتی اہمیت کے لئے حضرات ناظرین پچھلے اوراق کی طرف رجوع فرمائیں۔

شیخ اسحاق جو کھاٹو میں بابو اسحاق کہلاتے ہیں ناکتخدا تھے۔ تجرد کے عالم

میں کسی بچے کو بیٹا بنانا چاہتے تھے۔ خراسان جانے سے قبل ایک بار میڑتہ (ضلع ناگور) میں تشریف لائے اور ایک شہتوت کے درخت کے نیچے ٹھہرے۔ میڑتے کا چودھری مہیش نام ایک برہمن جو لاولد تھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کرنے لگا کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ شیخ کو الہام ہوا کہ برہمن کے پانچ بیٹے ہونگے بشرطیکہ پہلا بچہ متبنّی کرنے کے لئے بابو اسحاق کے سپرد کیا جائے۔ اس شرط کو چودھری مہیش نے منظور کر لیا۔

بابو اسحاق اسکے بعد خراسان کے لئے روانہ ہو گئے۔ چند سال کے بعد جب واپس ہو کر دلی پہونچے تو انکو اطلاع ملی کہ مہیش برہمن کے کئی بچے ہوئے ہیں یہ سن کر حضرت شیخ میڑتہ آئے اور اسی شہتوت کے پیڑ کے نیچے قیام کیا، مہیش دوڑ کر شیخ کے پاس آئے اور شیخ کو دعوتِ طعام دے کر کھانے کے بعد شیخ کے سوال پر کہ "میرا بیٹا کہاں ہے؟" ایک غلام بچّے کو چار دوسرے بچوں کے شامل کر کے پیش کیا۔ اس پر شیخ نے پھر پوچھا "میرا بیٹا کہاں ہے؟" تو مہیش نے قبول کیا کہ اندر ہے۔ لہٰذا بابو نے "قوام الدین" نام لیکر اس بچے کو پکارا۔ اس بچے نے شیخ کی پکار کا جواب دیا اور باہر آگیا۔ اس بچے کو ساتھ لیکر بابو اسحاق اجمیر کے لئے روانہ ہو گئے اور اجمیر سے کھاٹو آگئے۔

یہ روایت ملفوظ و تحفۃ المجالس، مرتبہ محمود بن سعد ایرجی کی ہے لیکن مولانا قاسم نے اپنے مؤلفہ ملفوظہ "مرقاۃ الوصول" میں یہ روایت دوسری طرح درج کی ہے اور لکھا ہے کہ قوام الدین جوانی کی عمر کو پہونچکر بابو کو داغ جدائی دے گئے اور کھاٹو میں آسودۂ خاک ہیں۔ کچھ عرصہ بعد بابو اسحاق کو الہام ہوا کہ ان کو ایک

بچہ فلاں شکل وصورت کا میسر ہوگا (قیام الدین مرحوم کا نعم البدل) لہٰذا بابو اسحاق من
تکے ایسے بچہ کے ملنے کی تاک میں رہنے لگے یہانتک کہ مولانا صدرالدین ہمدانی
(مولانا شہاب الدین کے نواسے) کو ڈیڈوانہ جاتے وقت پابند کیا کہ کوئی ایسا لڑکا
نظر پڑے تو خیال رکھیں۔ حسنِ اتفاق سے ڈیڈوانہ میں نجیب جولاہے کہ گھر میں
ایک بچہ دیکھا جسکا حلیہ بابو کے بتائے ہوئے حلیے سے ملتا تھا۔ پس کیا تھا نجیب سے
تقاضہ کرکے اُس بچے کو ساتھ لے آئے حالانکہ نجیب لاولد ہونے کی وجہ سے بچے کی
پرورش کرنا چاہتے تھے بابو اسحاق بچے کو پاکر نہایت خوش ہوئے اور اس کا نام
احمد رکھا جو آگے چل کر شیخ احمد کھٹوؒ گنج بخش کے نام سے موسوم ہوئے۔

شیخ احمد کھٹوؒ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ احمد دہلی کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کا پیشہ سپہ گری تھا
لہٰذا احمد، ملک احمد کے نام سے جانے جاتے تھے دہلی میں ۷۳۸ ہجری (
38-1337ء) میں پیدا ہوئے اور انکی پرورش بڑے ناز ونعم سے ہو رہی تھی
کیونکہ خوشحال خاندان تھا۔ خاندانی مکان ان کا فیروزآباد (دہلی کے جوہر باغ کے
اطراف میں واقع تھا اور نصیرالدین کے دو بڑے بھائی تھے۔ نصیرالدین کو انکی چہار
سالہ عمر میں ایک دایہ روزانہ سیر کیلئے لے جاتی تھی۔ ایک شام کو کالی آندھی
چلی اور فضا پر چھا گئی۔ اندھیرے میں دایہ اور بچہ گلیوں کی بھول بھلیاں میں پھنس
کر دلی کے شہر میں پہونچ گئے جہاں ایک قافلے میں انکو پناہ ملی جو راجستھان جانے
والا تھا۔ یہ واقعہ ۷۴۲ ہجری (۱۳۴۲ عیسوی) کا ہے۔

دوسرے دن صبح کو قافلہ دلی سے ڈیڈوانہ ناگور کے لئے روانہ ہوگیا جہاں پہونچکر بچے نصیر الدین کو ایک بے اولاد جولاہے نجیب نامی نے بیٹا بناکر اپنی پرورش میں لے لیا تھا۔ اب نصیر الدین کو مولانا صدر الدین ہمدانی نے نجیب سے لیکر کھاٹو میں بابو اسحاق کی حفاظت میں داخل کردیا۔ بابو اسحٰق نے بچے کی ہر ضروریات مہیا کر کے آرام سے ان کو رکھنا شروع کیا مثلاً شیخ نے ایک بکری پالی جس کے ساتھ کھیلتے اور اس کا دودھ پیتے حتیٰ کہ ۳،۴ سال بعد بابو اسحٰق نے مولانا عبداللہ خراسانی کی ضیافت کیلئے بکری کو ذبح کرنیکی اجازت بچے سے چاہی۔ مولانا عبداللہ ایک عالم فاضل ۶۴۶ھ (۶۴-۱۲۴۷ء) میں اچانک آگئے تھے بچے کا جواب تھا کہ "مہمان کے لئے ایک بکری کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر مہمان کے لئے مجھے اپنی قربانی دینی پڑے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے" ایک دوسرا واقعہ اسی موقع پر جب بچے نے غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیا یہ ہوا کہ مولانا عبداللہ نے بابو اسحٰق پر اعتراض کردیا تھا۔ "انبیاء" سے قبل "اولیاء" کا لفظ انہوں نے بول دیا تھا جب بچے کی رائے مانگی گئی تو انہوں نے بابو کی حمایت میں یہ کہا کہ چھوٹے درجے سے اونچا درجے میں ترقی کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے برعکس کے" گیارہ ۱۱ یا بارہ ۱۲ سال کی عمر میں احمد کا اتفاق چور باغ جانے کا ہوا تو وہاں ایک نوجوان سپاہی نے احمد کو پکار کر کہا "ملک نصیر الدین؟ تم میرے بھائی ہو تمہارے والدین زندہ ہیں اور تمہاری والدہ تمہارے لئے روتے روتے کمزور ہوگئی ہیں۔ تم ماں باپ کی خاطر گھر چلے آؤ" جب بچے پر اس اپیل کا اثر نہ ہوا تو نوجوان بابو اسحٰق سے مخاطب ہوا۔ اس طرح کہ "یہ میرا بھائی تند آندھی کے طوفان میں کھو گیا تھا اس کو لے جانے کی خواہش ہے" بابو نے

بچے کو جانے کی اجازت دیدی اور کھاٹو کے لئے چل پڑے لیکن بچے نے ایک لمحے کے غور وخوض کے بعد بجائے اپنے والدین کے گھر جانے کے اپنے محافظ کی پیروی میں قدم بڑھائے۔

تعلیم

شیخ احمد کی ابتدائی تعلیم کھاٹو میں گھر پر ہی شروع ہوئی۔ رسالہ عقیدۂ حافظیہ، انہوں نے ایک فاضل کی مدد سے زبانی یاد کر لیا تھا ابتدائی کتابیں اب ناگور سے مہیا کی گئیں جب کہ سرپرست بابو اسحٰق اور طالب علم احمد، قاضی حمید الدین اور صوفی حمید الدین ناگوری کے مدرسے میں حاضر ہو کر استادوں اور فاضلوں سے ملے۔ احمد اس وقت کافی عمر کے لڑکے ہو کر تیر اندازی اور کشتی، کے فن میں ماہر ہو چکے تھے۔

کچھ عرصہ تک شیخ احمد نے فقہ کی اعلیٰ کتابیں حصار میں، مولانا شمس الدین سے پڑھیں۔ پھر وہاں سے دلی چلے گئے اور حدیث کی اونچی کتابوں کی تعلیم کوشک ہزار ستون میں محدث اعظم مولانا مجد الدین سے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ بزدوی کا متن زبانی یاد کر لیا اور زبانی یاد شدہ عقیدۂ حافظیہ، کو بھی باقاعدہ پڑھ لیا۔ اور علم کلام کا درک حاصل کر لیا ہے۔ آپ قرآن حکیم کے تین چوتھائی حصے کے حافظ بھی تھے۔

البتہ بابو اسحٰق کی وفات کے بعد ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء، میں جبکہ شیخ احمد کی عمر ۳۰ سال کی ہو چکی تھی آپکو نہایت سنجیدہ علوم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ علم کے حصول میں سفر کرتے رہے۔ ان کو اس کا بھی احساس ہوا کہ اُن میں روحانیت کی کمی ہے۔ لہٰذا انہوں نے ریاضت شروع کر دی کہ نفس پر قابو پایا جائیں اور ننگے سر ننگے پیر بغیر کسی سامانِ سفر کے پھرتے رہے یہانتک کہ روحانیت

کا دروازہ اُن پر کھل گیا اور دُر دلیشانہ افعال و خواص ظاہر ہونے لگے۔

وفات بابو اسحٰق

ایک دن شیخ احمد کھٹو دوستوں کے ساتھ ڈیڈوانہ تشریف لے گئے تھے کہ بابو اسحٰق کی بخار میں حالت خراب ہوئی اور شیخ احمد ضروری طور پر ڈیدوانہ سے طلب کئے گئے۔ اُن کے آنے پر بابو اسحٰق نے اپنی کلاہ اُتاری اور مرید شیخ احمد کے سر پر رکھی اور اُن کو خلافت عطا فرمائی۔ اس وقت بابو اسحٰق کی عمر ایک سو برس کی تھی۔ اپنی قبر کھاٹو میں خود نے تیار کرائی تھی اسی میں دفن ہوئے جہاں اُن کا مقبرہ زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔

شیخ احمد کا چلّہ

جب بابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نہ رہے تو شیخ احمد چلّے پر بیٹھ گئے چلّے کی حالت میں اُن کے پاس چالیس عدد سوکھے چھوہارے (خرما) اور ایک پانی سے بھرا لوٹا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ چالیس دن کے بعد عید کا دن پڑا ۷۷۶ ہجری ء ۱۳۷۴ء جبکہ کھاٹو کے حاکم (غالباً ملک قطب الدین نجم) نے آکر دروازہ توڑ کر نیم زندہ شیخ کو نرم تازہ دھنی ہوئی روئی میں لپیٹ کر عیدگاہ میں نماز پڑھوائی۔ یہاں پر شیخ کی ایسی نازک حالت میں جب لوگ مصافحے کے واسطے ایک کے اوپر ایک بڑھ چڑھ کر جھپٹے تو شیخ کے لئے مشکل ہو گیا کہ جان بچا کر گھر پہنچ جائیں۔ اس کے بعد شیخ احمد کا نظام الاوقات یہ ہو گیا کہ کبھی خانقاہ میں رہتے اور کبھی باہر نکل کر پہاڑوں جنگلوں میں پھرتے اسی درمیان اُن پر سفرِ حج کا داعیہ غالب ہوا اور اس ارادے سے ناگور کو چل دیئے

حج کی کاروائی

ایک وقفے کے بعد شیخ احمد سفرِ حج کے ارادے سے ناگور تشریف لے گئے۔ ناگور میں انکی ملاقات دلی کے چار

سربرآوردہ حاجیوں سے ہوئی جو دلّی سے گجرات کی طرف جاتے ہوئے ناگور پہونچے تھے (۱) مولانا کمال الدین امام مسجد خان جہاں فیروزآبادی (۲) مولانا شیخ سجّادہ نشین خضر حوض خاص (۳) مولانا احمد خادم شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور (۴) شیخ شمس الدین ۷۹۱ھ = 1389ء ملک قطب الدین نجم نے جو اس وقت ناگور کا حاکم تھا، شیخ احمد کو حج کے لئے کھاٹو سے جانے کے لئے روکا لیکن حضرت شیخ صبح کاذب میں اٹھکر بغیر اطلاع پٹن کیلئے روانہ ہوگئے یعنی انہل واڑہ دار السلطنت گجرات۔ پٹن میں گورنر گجرات راستی خاں کے والد ملک فتح الملک سے ملاقات ہوئی کیونکہ راستی خاں اس وقت کعنبہات گیا ہوا تھا۔ محترم مترجم مولانا ابوظفر ندوی کے اندازے کے مطابق یہ سفر حج سنہ 1388ء کے آخر یا ۷۹۱ھ = 1389ء کے اوائل میں ہونا چاہیئے۔ راستی خاں کے آدمیوں کے مشورے پر شیخ احمد نے خواجہ محمد مراد، آخری جہاز کے مالک سے سودا کرنا شروع کیا تو اس نے جہاز کا کرایہ بہت زیادہ بڑھا کر بتایا۔ شیخ نے کہا وہ مراد نہیں، نامراد (بدقسمت) ہے اور مہایم (بمبئی کے اطراف) کو چل دیئے۔ ان کے پاس اسوقت راستی خاں کے نذرانے کے پانچ سو ٹنکے تھے رائے جسرتھ کی میزبانی کی حالت میں انہوں نے ایک جہاز خرید لیا جس کا کرایا سوداگر مسافروں نے پانچ سو ٹنکہ بھرا عدن پہونچکر شیخ کو دلّی کے اُن بزرگوں کا ساتھ ملا جن کو ناگور میں چھوڑ کر چل دیئے تھے۔ جہاز کے کپتان نے شیخ کو خوش آمدید کہا۔ شیخ کا اسباب صرف ایک بقچہ تھا جس میں کپڑے تھے۔ بقچے کو دلّی کے مولانا احمد نے سنبھال لیا۔ اور کوئی چُنگی کا محصول نہیں لگا (مرآۃ) سیرت احمدیہ ص۲۷)

اب شیخ نے اپنا جہاز پانچ سو ٹنکے میں فروخت کرا دیا اور ایک ہزار
ٹنکوں کی رقم ناظر کے پاس بطور امانت رکھ دی اور مسافر بردار جہاز سے جدّہ کے
لئے روانہ ہو گئے۔ راستے میں جہاز سے سمندر کے کنارے غسل کے لئے تشریف
لے گئے تو پیر پھسلا اور سمندر میں جا گرے تیرنا جانتے تھے۔ کپتان نے کشتی بھیجکر
ڈوبنے سے بچا لیا۔ جدّہ پہونچکر جمال کے ہمراہ اونٹ کی سواری سے مکہ پہونچے مکے میں
دو مصری امیرزادی لڑکیاں شیخ سے بہت مانوس ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ ہم میں سے ایک کو
اپنی خدمت کے لئے قبول فرمائیں یعنی نکاح کر لیں مگر شیخ ٹال گئے۔ مکہ میں مصر کے
مشائخ شیخ کی طرف مائل ہوئے حج کے بعد حضرت شیخ مدینہ کیلئے پیدل چل دیئے کیونکہ
ان کے پاس سواری کیلئے رقم نہیں تھی۔ لیکن ایک اونٹ کے ہانکنے والے نے رضا
کارانہ طور پر شیخ کو اپنے جانور پر سوار کر لیا۔ اور آپکو مدینہ میں چھوڑ دیا۔ مدینہ پہونچکر
شیخ نے کسی کا مہمان ہونے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا مہمان ہوں اس پر ایک مجاور نے شیخ کو چھوہارے رومال میں باندھکر پیش کیئے
کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہمانی ہے۔
زیارتِ مدینہ کے بعد شیخ عدن کو واپس آئے اور اپنی امانت ایک ہزار ٹنکہ
ناظر سے واپس لیکر عدن سے ٹھٹھہ (سندھ) پہونچے اور ٹھٹھہ سے چلکر جب کھاٹو
پہونچے تو رات ہو گئی تھی۔ امیر شہاب الدین اور دوسرے ہمسائے امام اور سادات
آپ سے ملنے آئے اور دیگر لوگ کھاٹو کے صبح کو آکر ملے۔

کھاٹو سے ہجرت

کھاٹو میں کچھ دنوں قیام کر کے شیخ احمدؒ
حصولِ تعلیم کے ارادے سے چل کر ڈیڈوانہ آئے۔ ڈیڈوانہ میں مولانا
خرّم، مولانا قاسم کے نانا نے انکا ارادہ جانکر عرض کیا کہ کھاٹو ہمیشہ کسی نہ

نہ کسی بزرگ کے زیرِ سایہ رہا ہے مثلاً شیخ شہاب، محمود قتال مرید و خلیفہ صوفی حمیدالدین، شیخ بیابانی، اور بابو اسحٰق جن کے بعد اب آپ ہیں لیکن انکی تجویز پر دھیان نہ دیکر حضرت دلّی کو چل پڑے اور دلّی میں ملک کمال الدین کے گھر میں آکر رہے۔ خان کمال الدین نے ایک نوجوان لونڈی شاخ زر کو اُنکی خدمت میں دیدیا تھا لیکن شیخ اس کے حاضر ہونے پر بالمشافہ (آمنے سامنے) اُس کی طرف نظر نہیں کرتے تھے۔ ایک دن لونڈی شیخ کو وضو کرانے کے وقت اُن کے سامنے آگئی۔ یہ سمجھ کر کہ کوئی اجنبی ہے اُنہوں نے اُس کو ڈانٹ کر نکال دیا۔

تعلیم مکمل کر کے شیخ نے فیروزآباد کی مسجد خان جہان کو اپنا مستقر بنایا اور آموختہ کتابوں کو پھر سے پڑھنے لگے۔ اُن کے پاس ایک اچھا سا کتب خانہ تھا۔ اور اُنکو اپنی ذہانت، اور قوی یادداشت کی بدولت کتابوں سے معقول استفادہ کیا۔

حملہ تیمور اور شیخ کا سفر سمرقند ۸۰۰ ہجری

۸۰۰ھ ۲۴ ستمبر ۱۳۹۸ء میں تیمور بلائے ناگہانی کے طور پر ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ سلطان محمود تغلق کی راجدھانی دلّی پر نازل ہوا۔ سلطان محمود کے صوبائی امیروں نے خود مختاری اختیار کر رکھی تھی اور دارالسلطنت میں تاتار خاں بن ظفر خاں اور ملّو خاں (اقبال) کے درمیان خانہ جنگی چل رہی تھی۔ اس لئے تیمور کی فوج کو روکنے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکی۔ تاتار خان تو اپنے والد کے پاس گجرات چلا گیا (انہل واڑا پٹن) اور ملّو خاں (اقبال) نے جاٹ کی کسی جھگی میں پناہ لی۔ خود سلطان نے دلّی چھوڑ کر گجرات میں اپنے کو محفوظ سمجھا۔ جب گجرات سے کوئی مدد نہیں ملی تو مالوہ

کے حاکم دلاور خاں کی میزبانی کے تحت کچھ وقت گذاری۔ تیمور کے مغلوں کو دلی کے تاخت و تاراج کی چھوٹ مل گئی اور دل کھول کر قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ مکانوں کو کھود کر چاندی سونے کی تلاش کرتے رہے۔ دلی کے شہریوں کو بڑی تعداد میں اسیر بنایا۔ شیخ احمد کھٹو کی ایک شخصیت ایسی تھی کہ جس کو یہ ہنگامہ برداشت نہ ہوا۔ شیخ تیمور کی فوج میں پہونچے کہ تیمور کے پاس جا کر امر بالمعروف کریں۔ ابتدار میں بہتیرے شناساؤں کو مغلوں کے پنجے سے چھڑایا۔ اسی درمیان حملہ آور تیمور نے فوج کو واپسی کا حکم دیدیا تھا۔ پھر شیخ احمد مغلیہ فوج میں شامل ہو کر سمرقند پہونچے جہاں مختصر وقت کیلئے مغل شہزادوں اور خود تیمور سے ملنے میں کامیاب ہوئے۔ بڑے بڑے جید علماء تیمور کی ملازمت میں لگے ہوئے تھے۔ اُن کے درمیان رہ کر شیخ احمد سمرقند کے شہریوں میں ہر دل عزیز ہو گئے۔ عورتوں اور مردوں نے خواہش ظاہر کی شیخ احمد اُن کے ملک میں قیام فرمائیں کیونکہ شیخ کی علمیت نے اُن لوگوں کو خاص طور پر متاثر کیا تھا۔ لیکن شیخ نے ارادہ فرمایا کہ موسم سرما کے بعد سمرقند سے بلخ کی طرف کوچ کریں گے (۸۰۰ھ ۱۳۹۷ء) بلخ پہونچکر شیخ ہرات میں آئے جہاں مرزا شاہ رخ اور اس کی ملکہ دونوں نے ان کے ساتھ نہایت باعزت برتاؤ کیا ہرات سے اگلی منزل قندھار کی تھی جہاں کے حاکم نے تجویز پیش کی کہ آپ کی سربراہی میں ایک مدرسہ قائم کر دیا جائیگا۔ لیکن شیخ قندھار سے آگے سفر کرتے رہے اور اُوچھ (۸۰۰ھ) پہونچے اُچھ سے جے سلمیر آئے تو وہاں کے مقام رائے کھیر نے انکی ضیافت کی۔

گجرات کی ہجرت:- اب حضرت شیخ انہل واڑا پٹن کی طرف

مڑ گئے کہ وہاں سے دکھن کو چلے جائیں گے پٹن۔ دھولکا اور کھنبھات قیام کر کے وہ نربدا ندی کے کنارے آئے تو ملاحوں نے پار کرانے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ گجرات کے حاکم ظفر خاں نے، جو دلی میں شیخ کا شناسا رہ چکا تھا۔ ملاحوں کو ہدایت کر دی کہ وہ شیخ کو ندی پار نہ کرائیں۔ وہ چاہتا تھا کہ شیخ گجرات میں بس جائیں۔ اُس کی دعوت پر شیخ اس سے راندیر میں ملے جہاں فوج کشی کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ ظفر خان نے شیخ کو یاد دلایا کہ وہ فیروز آباد کی مسجد خان جہان میں ان سے ملا کرتا تھا۔ اس پر شیخ نے ایک سوال کیا کہ آپ کا رویہ تیمور کے حملے کے وقت کیا تھا؟ آپ اہل دہلی کے بچاؤ کے واسطے کیوں نہیں گئے یہاں تک کہ تیموری فوج نے شہر کو تہس نہس کر دیا؟ اس کا جواب ظفر خاں نے یہ دیا کہ کچھ لوگ ملک میں فساد برپا کر رہے تھے۔ اور خطۂ ناگور میں رائے چونڈ (راٹھوڑ) نے بغاوت پر کمر کس رکھی تھی۔ ایسی حالت میں میں دلی کی کمک کے لئے گیا ہوتا تو گجرات کا ملک بھی ہاتھ سے نکل جاتا۔ راندیر کی مہم سے پلٹ کر ظفر خاں نے حکم دیا کہ روزانہ صبح و شام کھانے کے ایک سنو خوان شیخ کو بھیجے جائیں اور تاتار خان نے اپنے بیٹے کے ساتھ دو بقچے قیمتی کپڑوں سے بھرے ہوئے پیش کئے اور موضع اوٹلیا (ضلع دھولکا) کا فرمان بھیجا۔ حکم دیا کہ ایک اچھا سا مکان شیخ کی رہائش کے لئے مہیا کیا جائے۔

سرکھیج کی رہائش

اب شیخ راندیر سے سرکھیج آگئے جہاں ملک بدر علا نے شیخ کی رہائش کیلئے ایک بڑا سا مکان پیش کیا۔ شیخ نے طے کیا کہ مالک مکان، ایک بوہرے کی بیوی کو مکان کا کرایہ غلے کی شکل میں ادا کریں گے لیکن بعد میں ایک چوڑے چکلے دو منزلہ مکان

میں اُس مکان سے مُلحق، منتقل ہو گئے اور پہلے والے مکان میں آپ کے نوکر اور چاکر رہنے لگے۔ ادٹلیا گاؤں کی جمع کے سلسلے میں مقدم نے ایک پائی بھی ادا نہیں کی تھی وہ گاؤں اب حاکم کے سپرد ہوا اور بالآخر شیخ نے وہ گاؤں خود اپنی تحویل میں لے لیا اور خادموں کے ذریعے انتظام کرنے لگے۔ گاؤں کی آمدنی سے مطبخ (باورچی خانے) اور خانقاہ کا خرچ چلنے لگا۔

سرکھیج ایک جانا مانا قصبہ تھا جس کے پڑوس میں بعد کو احمد آباد کی بنیاد پڑی سرکھیج نیل کی تجارتی منڈی تھا اور ایک پرگنے کا صدر مقام۔ وہاں شیخ نے ایک تالاب کھدوایا اور ایک خوبصورت مسجد بنوائی۔ جلد ہی اس جگہ ایک نو آبادی بسائی گئی۔ آج کل یہاں سے احمد آباد کے لئے ٹیکسی، بسیں وغیرہ چلتی ہیں۔ ہر جمعرات کو یہاں پر شیخ کے مقبرے پر فاتحہ پڑھنے کے لئے زائرین جمع ہو جاتے ہیں۔ گجرات کو کرن باگھیلا کے وزیر مادھو ناگر کی دعوت پر دلّی کے سلطان علاء الدین خلجی کی فوج نے ۱۲۹۷ء ۶۹۶ھ میں حملہ کر کے جیتا تھا جبھی سے دارالسلطنت انہل واڑا پٹن میں چلا آرہا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے بیٹے محمد کے عہد میں ملک نظام مفرح (راستی خاں) گجرات کا حاکم باغی ہوا ۷۹۰ھ تو مظفر خاں راستی خاں کی جگہ بھیجا گیا۔ اس زمانے میں ناگور گجرات سے ملحق تھا اور جلال الدین خاں کھوکھر وہاں کا والی تھا۔ ایک ٹانک راجپوت سہارن (وجیہہ الملک) نام تھا نیسر سے دلّی منتقل ہو گیا تھا کیونکہ شاہزادہ فیروز شاہ کو اُس نے اپنی بہن بنکاح میں دیدی تھی۔ مظفر خاں اُسی وجیہہ الملک کا بیٹا تھا جو سلطان فیروز کے بیٹے سلطان محمد کا وفادار نوکر تھا۔ اپنے دلّی کے قیام کے زمانے میں مظفر خاں اور تاتار خاں (باپ بیٹے)

اکثر فیروز آباد کی مسجد خان جہاں میں شیخ احمد کی زیارت کو جاتے رہتے تھے۔ اور شیخ کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے۔ سلطان محمد کے انتقال کے بعد تاتار خاں کو دلی پر قبضہ کرنے کی بڑی حرص تھی۔ اُس نے اپنے والد مظفر خان کو قید کر کے ناصرالدین محمد شاہ کے نام سے اپنی سلطنت کا اعلان کر کے سکہ چلا یا۔ جب شیخ احمد سے ملنے آیا تو شیخ نے پکار کر کہا کہ "غریبوں کے سردار کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا؟" اور اُس کا نذرانہ قبول نہیں کیا تاتار خان نے اپنے چچا شمس خان دندانی کو وزیر بنا لیا تھا۔ ابھی گجرات کی حدود ہی میں تھا کہ شراب نوشی کی کثرت سے دل کی حرکت بند ہو جانے پر موت کا شکار ہو گیا۔

۱۴۰۳ء ۸۰۶ھ اب ظفر خان (مظفر) قید سے باہر آیا اور اسکی لاش کو پٹن میں دفن کر دیا۔ کئی سالوں تک مظفر ماتم زدہ رہا یہاں تک کہ ۱۴۰۷ء ۸۱۰ھ میں شمس الدین مظفر شاہ کے نام سے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی اور سکہ چلایا ۱۴۱۰ء ۸۱۳ھ میں فوت ہو گیا اور پٹن میں اسکی قبر بنی۔ مظفر شاہ کے بعد اُس کا پوتا احمد خان بن تاتار خان تخت نشین ہوا اور ناصرالدین احمد شاہ کے نام سے پینتیس ۳۵ سال تک (۸۱۳-۴۸) ہجری تک حکومت کی احمد شاہ کا عہدِ حکومت ہی شیخ احمد کھٹوی کی شہرت کا زمانہ ہے۔ احمد شاہ، شیخ کا بڑا بھگت تھا۔ لہٰذا حکومت کا امیر طبقہ فوج کے عہدے دار اور عوام شیخ کی طرف بڑی تعداد میں رجوع ہوئے۔ شیخ احمد کے مشورہ پر سلطان نے احمد آباد کی نئی راجدھانی کی بنیاد رکھی۔ اس بنیاد کو چار ہم ناموں کی دعائیں حاصل تھیں یعنی شیخ احمد کھٹوی سلطان احمد، قاضی احمد پٹن والے اور ملک احمد۔ سلطان احمد شاہ کی وفات کے بعد شیخ کی زندگی میں اس کا بیٹا سلطان محمد گجرات کے تخت پر بیٹھا اور بعد میں

شیخ احمد کھٹوی کا مرید ہو گیا۔ اس طرح شیخ احمد نے چھ حکمرانوں کے عہد حکومت کو دیکھا سلطان فیروز شاہ تغلق (سلطانِ دہلی)، سلطان محمد شاہ تغلق ابن سلطان فیروز تغلق اور گجرات کے مظفر شاہ، محمد شاہ (تاتار خاں)، احمد شاہ اور محمد شاہ دوئم۔ ان میں سے ہر حکمراں شیخ احمد کھٹوی کا بھگت تھا اور اپنی بھگتی کا اظہار نذرانوں اور تحفوں سے کرتا تھا۔

خلافت اور سجّادہ نشینی

خلافت کے امیدوار کئی لوگ تھے۔ اُن میں خاص نام محمود بن سعد ایرچی کا ہے جو ملفوظ تحفۃ المجالس، کے جامع ہیں لیکن شیخ احمد کھٹو نے ان کو اور چند دیگر لوگوں کو جو شیخ سے منسلک تھے اور اُن کے ساتھ قربت رکھتے تھے خلافت نہیں دی۔ خلافت کا قرعۂ انتخاب ایک نوجوان مرید صلح الدین پر پڑا جو اُن کے بستر مرگ پر طلب کیے گئے اور شیخ نے اُن کے سر پر خلافت کا عمامہ باندھ دیا اور خلافت کے ساتھ سجادہ نشینی کا اعزاز بھی بخشا جو خلافِ امید تھا مولانا ئے مترجم سید ابوظفر ندوی کی رائے ہیکہ محمود بن سعد ایرجی صاحبِ تحفۃ المجالس بھی خلیفہ تھے۔

شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

۸۴۹ھ ۱۴۴۴-۴۵ء یکم ماہ شوال میں شیخ کو سرخ رنگ کی قے ہوئی جب کہ وہ عیدگاہ سے لوٹ کر آئے تھے۔ سلطان محمد شاہ نے سُنا تو عیادت کے لئے آیا اور روتا ہوا واپس گیا۔ شیخ نے ملنا جلنا، بات چیت کرنا کم کر دیا تھا کہ ۱۴ شوال کی رات سخت بے ہوشی طاری ہوئی۔ جب ہوش آیا تو بہت کمزوری لاحق تھی

ایسی حالت میں چہیتے مرید صلاح الدین کے سر پر عمامہ باندھا گیا اور انکے لئے دعا کی گئی اب دو آدمیوں کو مرید کرنے کے بعد شیخ نے آخری سانس لی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا قاسم اور محمود ایرجی نے غسل دیا اور تدفین کی۔ اس کے بعد سلطان محمد نے قبر پر مقبرہ بنوانا شروع کیا جسکو اسکے جانشین سلطان قطب الدین شاہ نے پورا کیا۔

شیخ کے وصال کی تاریخ ۱۴ شوال جمعرات ۸۴۹ھ ۔ ۴۵-۱۴۴۴ء تھی

جہانگیر بادشاہ کے انجنیر کا تخمینہ تھا کہ روضے کے اخراجات پانچ لاکھ کے برابر تھے (اقبال نامہ جہانگیری کلکتہ) صفحہ ۱۱۵ مختصر یہ کہ شیخ دلّی میں پیدا ہوئے۔ کھاٹو ناگور مارواڑ میں پرورش پائی۔ دلّی میں تعلیم مکمل کی۔ سمرقند کے لوگوں میں ہردل عزیز ہوئے۔ دلّی اور گجرات کے چھ حکمرانوں کا زمانہ دیکھا اور مغربی ہند کی سب سے خوش حال ریاست میں آسودۂ خاک ہو کر ملک کے بے شمار زائرین کی فاتحہ خوانی سے مستفید ہو رہے ہیں۔ کھاٹو (ناگور) مارواڑ (راجستھان) سے اٹھکر سرکھیچ (گجرات) کو اپنا مستقر بنایا جہاں اپنی عمر دراز کا نصف آخری زمانہ تک عوام کی تلقین اور خدمت خلق میں گذارا۔ وفات کے وقت آپکی عمر ایک سو گیارہ برس کی تھی اور آپ نا کتخدا تھے۔

مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول

کھاٹو کے سلسلۂ مغربیہ کے دونوں بزرگوں بابو اسحاق اور شیخ احمد کھٹو پر تمہید پیش کرنے کے بعد اب فقیر سراپا تقصیر شیخ احمد رح کے ملفوظات مندرجہ "مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول" کی طرف رجوع کرتا ہے۔ راجستھان

کے حضراتِ صوفیہ بر سر دالصدور دنور البدور میں تیرھویں صدی کے بزرگ
حضرت صوفی حمید الدین ناگوری المعروف بہ سلطان التارکین کے حالات شروع
کے اُن کے پوتے اور جانشین شیخ فرید الدین جاکبر اُن کے ملفوظات اُن کے صاحبزادے
محی الدین سیّدی بزرگ نے درج کیے ہیں جن کا سلسلہ تیرھویں صدی کو پار کرکے
سلطان محمد تغلق کے عہد میں داخل ہوتا ہے کیونکہ مثل اپنے دادا کے انہوں
نے بھی عمر دراز پائی تھی۔ محمد تغلق کے جانشین سلطان فیروز تغلق کے عہد سے
کھاٹو (خطۂ ناگور) کے مولانا محمد قاسم مرید و پیش امام نماز حضرت شیخ احمد
کھٹو کے جمع کردہ ملفوظات مرقات الوصول الی اللہ والرسول شروع ہو جاتے ہیں جو ۸۶۱ھ
۱۴۵۶ء میں یعنی شیخ احمد کھٹو کی وفات ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء کے بارہ ۱۲ برس بعد مرتب ہوئے۔ سچ
تو یہ ہے کہ شیخ احمد کھٹو کے دو ملفوظات مجھ تک پہونچے ہیں۔ دوسرا ملفوظ تحفۃ المجالس
کے نام سے ہے جو شیخ محمود بن سعید ایرجی کی تالیف ہے۔

تحفۃ المجالس

تحفۃ المجالس ملفوظ زیادہ شہرت کا مالک ہے لیکن اتنی
اہمیت نہیں رکھتا جو مرقاۃ کو حاصل ہے۔ ڈاکٹر ضیاء
الدین دیسائی کا خیال ہے کہ شیخ محمود کی تالیف مرقاۃ کے بعد کی ہے اور گویا مولانا
محمد بن قاسم کے مرقاۃ کا مختصر ترین چربہ ہے جس میں جگہ جگہ پر سنی سنائی باتوں کی
آمیزش کردی ہے۔ دوسری کمی اس تالیف میں یہ ہے کہ تاریخ مہینہ اور سال کا ذکر
نہیں کیا گیا ہے۔ اور شیخ احمد کھٹو کی نوجوانی کے دلچسپ حالات کا اس میں فقدان
ہے۔ مرقاۃ سے شیخ احمد کی کھاٹو کی زندگی کے حالات جتنے صاحب مرقاۃ جمع
کر سکے ہیں اُس کا شائبہ بھی تحفۃ المجالس میں نہیں ہے لہٰذا میرا تمام تر ماخذ
مرقاۃ ہی کا رہین منت ہے۔ کیونکہ مرقاۃ مختلف مضامین پر سیاسی حالات

کے علاوہ راجستھان اور گجرات دونوں علاقوں کے عصری حالات کا خزانہ ہے۔
مرقاۃ ہی ایک واحد ماخذ ہے جو شیخ احمد کھٹوی کی سموچی زندگی۔ بچپن، جوانی، تعلیم زندگی، ریاضت، اسفار، حج، سمرقند کا سفر تیموری حملے کی تاخت و تاراج اور قیدیوں کی تیموری فوج سے رہائی۔ ان سب کے بارے میں تفصیلات جسکی بدولت فراہم ہوتی ہے۔ راجستھان کی ترکِ سکونت کے بعد شیخ کی سرکھیج گجرات کی فعال زندگی بھی کم دلچسپ نہیں ہے۔ (ملفوظ لٹریچر صفحہ ۱۵-۱۶ ضیاء الدین)

پچھلے اوراق میں فقیر نے شیخ احمد کھٹوؒ کے سوانح بطور تعارف سیرتِ احمدیہ کے تمہیدی بیان سے دیئے تھے۔ اب فقیر کاتب الحروف براہِ راست سیرتِ احمدیہ کے متن سے استفادہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی کے انگریزی لکچر "ملفوظات لٹریچر" کی روشنی میں حضرت شیخ کے سوانح پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس سے قبل کہ شیخ کی سوانح پیش کیے جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مرقاۃ کے مؤلف مولانا محمد بن قاسم کا تعارف ناظرین کو کرا دیا جائے کیونکہ شیخ احمد کھٹو کے حالات جمع کر کے یک جائی طور پر پیش کر کے موصوف نے بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔

مولانا محمد ابوالقاسم | مولانا ابوالقاسم کے بارے میں یقینی طور پر نہیں معلوم کہ پوربی ناگور میں کس مقام کے رہنے والے تھے۔ مولوی ابوظفر ندوی اُن کو کھٹوی یعنی بڑی کھاٹو کا باشندہ خیال کرتے ہیں۔ مولانا کا رابطہ حضرت شیخ سے خطۂ ناگور میں بلکہ گجرات میں ہوا۔ شاید میواڑ کے راؤ جونڈا کے تاخت و تاراج کے وقت ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں جب حضرتِ شیخ سرکھیج میں آباد ہو چکے تھے۔

مولانا بھی اپنے نانا مولانا خرم کے ہمراہ گجرات پہونچے اور شیخ احمد کھٹوی کے پیش امام کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۸۱۹ھ = ۱۴۱۶ء میں جب حضرت شیخ کے مرید ہوئے اور ارادت کے بعد شیخ کی وفات ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء) تک ایک قرن[1] زمانہ کے برابر شیخ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس طور پر مولانا محمد کو شیخ کے حالات دیکھنے سمجھنے کا بے مثال موقع نہایت قریب رہتے ہوئے ملا۔ ملفوظات کی تالیف کا زمانہ ۸۶۱ھ = ۱۴۵۷ء یعنی پیر و مرشد کی وفات کے بارہ سال بعد کا ہے۔

(ملفوظ لٹریچر ص ۱۴-۱۵)

اب میں شیخ احمد کھٹو کی زندگی براہِ راست مرقاۃ کے حوالے پیش کرتا ہوں۔

ملک نصیرالدین (احمد کھٹو) کے حالات چار سال کی عمر میں دلّی سے لیکر ڈیڈوانہ (ناگور) اور ڈیڈوانہ سے اُن کی آمد کھاٹو تک تمہید کے تحت پیش کر چکا ہوں۔ احمد جب ذرا بڑے ہوئے تو شہ سواری، تیراندازی اور پہلوانی کے میدان میں اپنے ہم عمروں پر سبقت لے گئے۔ ڈیڈوانہ کے ایک ماہر شیخ علی قیروانی سے تیراندازی سیکھی تو کھاٹو کے تیراندازی کے مقابلے میں اوّل درجہ حاصل کیا۔

صاحب مرقاۃ رقم طراز ہیں کہ بڑھاپے کی عمر میں دوران قیام سرکھیج تیرانداز کے ساز و سامان کے ساتھ اپنی پوشش (لباس) بھی رکھتے تھے۔ پہلوانی کے بارے میں شیخ احمد کا بیان مذکور ہوا ہے کہ جوانی کے عالم میں اس فن کے ایسے مشتاق ہو گئے تھے کہ ایک موچی کے لڑکے، کے للکارنے اور اصرار کرنے پر اُس کو کشتی میں پٹک دیا تھا۔ شیخ کا جثہ نہایت قوی تھا۔ فرماتے تھے کہ ایک مخترہ ایک عورت کو چھیڑ

---

[1] قرن۔ سَو سال

رہا تھا جو کنوئیں پر پانی بھرنے جا رہی تھی، میں اسکو بچانے پر کامیاب ہوگیا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک چاک نما بڑے پتھر کو گلے میں ڈالکر تن تنہا بغیر کسی مدد کے اٹھاکر سیدھے کھڑے ہوگئے تھے اور چند پھیرے لگاکر گردن سے نکال کر الگ کر دیا تھا۔ (ملفوظ لٹریچر صہ ۱۸ ، سیر احمدیہ صہ ۵۵-۵۷)

شعر گوئی و موسیقی | شیخ احمد کھٹو کی تعلیم و تعلّم کا ذکر تمہید میں آچکا ہے۔ یہاں اُن کی شعر گوئی اور موسیقی کی بات کرنی ہے۔ شیخ احمد کھٹوؒ کا رجحان شاعری کی طرف مائل تھا۔ مثل اپنے سرپرست اور پیر و مرشد بابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ احمد کو فارسی کے اشعا اور ہندی کے دوہے زبانی یاد تھے جن کو لوگوں کے سامنے دورانِ گفتگو حوالہ دینے کے لئے پڑھ دیتے تھے۔ کوئی شاعر شیخ احمد کی شان میں ان کے سامنے قصیدہ پڑھتا تو اسے ناپسند فرماتے۔ آپ خود بھی فارسی اور ہندی کے علاوہ عربی میں شعر کہتے تھے۔ مگر شاعر کہلوانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ مرقاۃ میں تینوں زبانوں کے اشعار کے نمونے ملتے ہیں۔ اشعار کی پرکھ شیخ کی بہت اونچے درجے کی تھی۔ ایک بار سلطان محمد بن فیروز تغلق نے کوئی شعر کہا۔ درباری شاعروں نے اس پر تضمین کہی لیکن سلطان کو تضمین پسند نہ آئی۔ یہ بات حضرت شیخ احمد تک پہونچی تو آپ نے اپنی طبع زاد غزل کہہ کر تضمین لگائی تو وہ سلطان کو پسند آئی۔ علیٰ ہٰذا القیاس سیّد محمود نے جو صاحب مرقاۃ کے استاد تھے ایسی رُباعی سنائی جس پر شیخ نے داد دی۔ اس پر سیّد نے بتایا کہ شاعروں اور علماء کی مجلس میں یہی رُباعی سُنائی گئی تھی لیکن کسی نے اس کی خوبی کو نہیں سراہا۔ (سیرت احمدیہ صہ ۱۵-۱۶۴)

شیخ احمد کھٹوؒ لڑکپن سے موسیقی کے دلدادہ اور سُریلے گیت سننے کے

شائق تھے۔ اور ان کی خود کی بھی سریلی آواز خداداد تھی۔ نوجوانی کے دنوں میں موسم گرما کی دوپہر میں ایک باولی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت نے سہیلا کا گیت چھیڑ دیا۔ گیت سن کر شیخ احمد پر حال کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ بے ہوشی کے عالم میں پانی میں جا گرے جہاں سے اسی عورت نے ان کو نکالا۔ جب کبھی کوئی شخص بابو اسحق کے دروازے پر گیت یا کوئی اشعار گاتا شیخ احمد بھی سننے کیلئے برآمد ہو جاتے۔ ڈیڈوانہ میں مسجد برہان کے باہر کوئی گا رہا تھا شیخ احمد کھٹو کا دل بھا لیا اور وہ اس گانے والے کی تعریف کرنے لگے تو بابو نے نرمی سے جھڑک دیا کہ موسیقی سے مبالغہ آمیز دلچسپی اچھی نہیں ہے۔ پیر و مرشد بابو اسحق کے دروازے پر گانا تو ہیں اور شیخ احمد کے دروازے پر سرکھیج گجرات میں اہلِ طرب کے گانے کا مزامیر کے ساتھ ذکر تو ہے لیکن پورے مرقاۃ ملفوظ میں باضابطہ سماع کے لئے نشست کا حوالہ مجھے نہیں ملا۔ (الملفوظ لٹریچر صفحہ ۲۰-۲۱ سیراتِ احمدیہ صفحہ ۲۷، و ۲۰۶)

سیراتِ احمدیہ

شیخ احمد کھٹو کی [illegible] تعلقات میں رحم دلی اور نرمی کا تھا خاص کر غریبوں اور مفلسوں کے ساتھ غیر جانب داری برتنا اور رواداری اختیار کرنا انسانی برتاؤ میں ضروری سمجھے جاتے تھے۔

گاؤں کی آمدنی، فتوح یعنی نذرانہ جو بلا مانگے آئے۔ خاص مقدار میں ہوتا کیونکہ گجرات کے سلطان زادے ملوک اور دیگر لوگ آپکی طرف بہت مائل تھے یہ نذرانہ خانقاہ کے علاوہ خدمتِ خلق اور حاجت مندوں کی پرورش پر خرچ ہوتا تھا۔ آپکی خدمت میں کوئی بھی آتا خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔ حق داروں کو ان کا حق انکے گھروں پر پہونچا دیا جاتا تھا۔ سونا، چاندی، پوشاک اور دوشالے وغیرہ خاصکر

عورتوں کو جو خانقاہ میں نہیں آسکتی تھیں۔ جے سلمیر کے علاقے میں ایک بوڑھے مفلس کو کچھ رقم دینے کیلئے آپکے پاس نہیں تھی تو آپ نے اپنی پگڑی کے دُو ٹکڑے کرکے ایک ٹکڑا اُسکو دے دیا کہ فروخت کرکے کھانا کھا سکے۔ صاحب مرقاۃ نے لکھا ہیکہ شیخ احمد جوگیوں کو اور گجرات کے کولیوں کو بھوا ... دیتے تھے۔ سرکاری عہدے دار ٹلکوں وغیرہ نو دولتیوں کو اُن کے نذرانے کے بقدر جوابی تحفے یا نقدی وغیرہ دیتے تھے۔

(ملفوظ الشریحیر صت ۲۱–۲۲) (سیرت احمدیہ صت ۷۵ – ۷۷)

عدم تشدّد

عدم تشدد کے واقعات بھی صاحب مرقاۃ نے قلم بند کیئے ہیں جو حضرات شیخ احمد پرندوں اور چوپایوں پر روا رکھتے تھے۔ گوریّاں۔ (چڑیا) اُکرانکے سر پر یا گھٹنوں پر بیٹھ جاتی تھیں۔ خادموں کو پابند رکھا تھا کہ گوریّوں کے بچوں کو کوّے گزند نہ پہونچائیں اور خود بھی کوّوں کو اپنے ڈنڈے سے ہانکتے رہتے تھے۔
ایک روز آپ ایک زخمی چیل کو گھر لے آئے اور روزانہ اُس کے کھانے کے لئے گوشت مہیّا کیا کرتے۔ حتّیٰ کہ وہ زخم سے شفایاب ہو کر اُڑ نہ گئی۔ ایک بار ایک شخص ایک بگلہ لیکر آپکے پاس آیا جس کے بازو کے پر نوچ لیئے گئے تھے۔ شیخ احمدؒ نے اسکی قیمت ادا کی اور جب تک اس کے پر نہیں برآمد ہوئے اس کے لئے روزانہ مچھلی کا اہتمام کیا۔ بعد میں جنگل میں چھوڑ وا دیا۔ اسی طرح ایک سپاہی کتّا لیکر آیا۔ وہ کتّا مالک کے ساتھ نہ گیا تو وہ شیخ احمد کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ کتّا روزانہ شیخ کی ڈیوڑی تاکتا رہتا۔ شیخ نے یہ جان کر اس کے لئے روزانہ کا راشن مقرر کر دیا وہ کتّا روزانہ کے آنے والوں کو خانقاہ سے ان کے گھر تک انکو پہونچا کر واپس آجاتا۔ وہ کتّا گاؤں اُڈیلہ میں بھی مویشیوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ ایک اور روایت گائے کی

جو کسی معتقد نے شیخ کو ہدیہ میں دی تھی۔ شیخ نے جس آدمی کو وہ گائے بخش دی۔ اس آدمی نے وہ گائے قصاب کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ کسی طرح وہ گائے قصاب کے گھر سے چھوٹ کر چلاتی ہوئی خانقاہ کو واپس آگئی۔ گائے کے پیچھے پیچھے وہ قصاب بھی بھاگتا ہوا آگیا کہ گائے کو لیجائے۔ مگر شیخ نے اُس گائے کی قیمت قصاب کو دیکر مویشیوں کے گلے میں چھوڑ وا دیا۔ ایک دن شیخ نے ایک فاختہ دیکھی جو جماعت خانے کے صحن میں چُگ رہی تھی۔ شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ روزانہ اسی جگہ غلہ ڈال دیا کریں۔ وہ فاختہ دوسری فاختاؤں کے ہمراہ روزانہ آکر غلہ چُگتی۔

صاحب مرقاۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح نہ کرتے تھے نہ ذبیحہ دیکھنا برداشت کرتے لہذا ادائیگی فرض کیلئے جانور کی قیمت نقد ادا کر دیتے یا مولانا محمد قاسم کے ہاتھوں ذبح کروا دیتے۔

(ڈاکٹر ضیاء الدین (ملفوظ لٹریچر ص ۲۲-۲۳ سیرت احمدیہ ص ۸۹-۹۱)

صبر و انکساری

شیخ احمد کھٹوی بڑے صبر اور انکساری کے مالک تھے۔ کسی مسئلے پر بحث چھڑ جاتی تو بحث پر آمادہ لوگوں کیساتھ بڑے صبر اور برداشت سے پیش آتے تھے اور نرمی اور شرافت کے ساتھ بحث میں حصہ لیتے تھے۔ اور اپنے خیالات کی خود جانچ کر کے مخاطب سے بات کرتے تھے۔ اور اسکی مناسبت میں ہندی کا دوہا پڑھ دیتے تھے حضرت شیخ میں تواضع کا مادّہ غضب کا تھا۔ آپے سے باہر ہوتے آپکو کبھی نہیں دیکھا گیا۔ گجرات کا سلطان مظفر شاہ شیخ کے بہت زیر اثر تھا مگر بعض وقت سلطان شیخ کو کوئی مشورہ دیتا تو بُرا نہیں مانتے تھے۔

(ملفوظ لٹریچر ص ۲۴۔ سیرت احمدیہ ص ۱۴۴)

عملی فراست

عملی زندگی میں لوگوں کے برتاؤ فہم و فراست کے ساتھ سمجھ کر کام کرتے۔ مالوہ کے سلطان ہوشنگ شاہ نے چالیس[۴۰] ٹنکے سونے کے اور چالیس[۴۰] چاندی کے بطور نذر بھیجے لیکن شیخ نے یہ نذرانہ لینے سے انکار کر دیا کہ یہ نذر منظور کرنے سے سلطان احمد گجراتی بُرا مان جائیگا جس کے ملک میں میری سکونت ہے۔ اسی طرح جام ٹھٹھا کی نذر بھی نامنظور کردی۔ البتہ اس کے بیوی بچوں کے لئے دعا کردی اور فرمایا کہ میں سلطان احمد کی مملکت میں سکونت پذیر ہوں لہذا جام ٹھٹھا کی نذر قبول کرنا خلافِ مصلحت ہوگا۔ کیونکہ تین[۳] سلطانی پشتوں سے میں گجرات میں رہ رہا ہوں۔

اسی طرح جب تاتار خاں نے شیخ سے ملنا چاہا تو شیخ نے کہلا بھیجا کہ اپنے والد ظفر خاں سلطان کی اجازت لیکر آسکتے ہو۔ (ملفوظ لٹریچر ص ۲۵ سراحمدیہ ص ۸۶ و ۸۷)

احتیاط و خبرداری

سرکاری ملازموں کے ساتھ حضرت شیخ بڑی احتیاط و خبرداری کا معاملہ برتتے تھے خواہ گاؤں اوٹیلیہ کے ہوں یا سرکھیج کے۔ اُن کا قول تھا کہ اُن کے ساتھ اپنے خادموں کے مقابلے میں سچائی کا برتاؤ کرنا چاہیئے باوجود اس کے کہ سرکاری آدمی ملازم انکے آدمیوں کو ستایا کرتے تھے۔ اس معاملے میں برداشت سے کام لینا اُن کا رویہ تھا حالانکہ سلطان کے امیر اُن کے مرید اور معتقد تھے۔ (ملفوظ لٹریچر ص ۲۵-۲۶) ڈاکٹر ضیاء الدین۔

سیاسی معلومات

ملفوظ مرقاۃ سے اواخر عہد تغلق (دلّی) اور سلطنتِ گجرات کی سیاسی تواریخ پر بہتیری معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مگر فقیر تارکِ ناگوری کا تعلق اس معاملے میں

براہ راست دہلی سے ہے۔ گجرات کے سلسلے میں فقیر اسی قدر مواد مرقاہ سے اخذ کرنا چاہتا ہے
جو راجستھان (ناگور) سے تعلق رکھتا ہے۔ ہاں! شیخ احمد کھٹوی کی سیر کا بیان جو اوپر
گذر گیا، انکی کھاٹو والی زندگی میں ملفوظ میں نہیں ملتا۔ زندگی کے نصف آخر میں
جب آپ مستقل طور پر سرکھیج میں رہے وہ زمانہ ایسا ہے کہ صاحب مرقاۃ، مولانا محمد
ابوالقاسم، کا رابطہ حضرت شیخ سے شروع ہو گیا تھا لہٰذا شیخ کی سیرت کو سمجھنے کیلئے
فقیر کو گجرات کے حالات اور واقعات کو اپنا ماخذ بنانا پڑا کیونکہ شیخ کی شخصیت
راجستھان اور گجرات دونوں کیلئے واحد ہے۔ لہٰذا میں یہاں پر سیاسی واقعات کو
جن کا تعلق خاص گجرات سے ہے نظر انداز کرتا ہوں۔

اوّلین سیاسی معاملہ، جسکی شیخ احمد رح کو براہ راست حاومات تھی راؤ چونڈا کا
محاصرۂ ناگور ۱۳۹۹ء ۸۰۲ھ ہے۔ اس محاصرے کے دوران خطۂ ناگور کے خاندان
ترک سکونت کر کے گجرات میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ سلطان ظفر خان نے شیخ کے سوال
پر بتلایا کہ میرا بیٹا بجلی خان راؤ چونڈا کے مدمقابل جنگ کر رہا تھا۔ جب ناگور کے علاقے
میں حملے ہو رہے تھے۔ راستے پُر خطر تھے ہماری فوج منڈور پر گنیر اڈالے پڑی تھی اور
راجپوتوں پر مناسب روک لگی ہوئی تھی کہ اچانک بجلی خاں بغیر مجھے اطلاع کیے محاصرہ
اٹھا کر چلا آیا جس کے نتیجے میں مجھے خود (ناڈول کی مہم چھوڑ کر) پٹن کو واپس آنا پڑا۔
ایسی حالت میں تیمور کے حملۂ دہلی سے اہل دہلی کو بچانے کیلئے جاتا تو گجرات کا قبضہ
بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔ یہ واقعہ مرقاۃ کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔

راجستھان (ناگور) کی مقامی تواریخ کے سلسلے میں شیخ کے ملفوظات کافی
اہمیت رکھتے ہیں۔ شیخ احمد کھٹوی رح نے ناگور کے چھوٹے بڑے ملازموں اور امیروں

کا ذکر مختلف موقعوں پر کیا ہے۔ جس میں سے اکثر موقعے خود اُن سے متعلق تھے۔
شیخ کی یادداشت سے ایسے لوگوں کے نام ہم کو حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً سلاطینِ تغلق کے ملازمین میں ایسے لوگوں کے نام حاصل ہوئے ہیں جو گاؤں، پرگنہ یا خطّہ کی حکومت کے ذمّہ دار تھے۔ مثلاً ڈیڈوانہ کا حاکم ملک حاجی اور ملک زین والا کھاٹو کے مقطع ملک نصیر بن احمد اور کوئی ناگور کا ملک جسکی کتابت کنان یا گنان کے نام سے کی گئی ہے۔ کھاٹو کے مقدم شہاب الدین دو ملک یادواک اور امیر ناتھو یا نحضو بن معین اور بھوپت دیوراج کسی گاؤں کے مقدم، قاضی فخرالدین قاضی کھاٹو، قاضی ترک قاضی لاڈنوں کے نام بھی مرقاۃ ہی سے حاصل ہوئے ہیں اور کہیں نہیں ملتے۔
بعض عہدے دار ایسے ہیں جن کے نام کی دوسرے ماخذوں سے تصدیق ہوتی ہے مثلاً ملک کمال خرّم (سانبھر)، ملک جوپان (ناگور) ملک قطب انجم (نائب ڈیڈوانہ و حاکم ناگور و جالور) یہ سب حاکم کے درجہ کے تھے۔ لاڈنو کے ملک علاءالدین موہل راجپوت ہیں جن کا سابق نام جے سنگھ تھا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان سب کی تائید و تصدیق کتبات سے ہوتی ہے۔ (ڈاکٹر ضیاءالدین ملفوظ لٹریچر ص ۲۶-۲۹)

ملک کمال ملک کمال الدین سے متعلق ۷۶۵ھ ۱۳۶۳ء کا کتبہ ملا ہے جسکی اشاعت ہو چکی ہے ملک کمال الدین خرّم بابو اسحٰق سے ملنے کھاٹو آئے تھے۔ بابو اسحٰق سے اُن کا تعارف پرانا تھا مگر اُنھوں نے اس بات کی شکایت کی تھی کہ بابو جب کھاٹو تشریف لائے تو ملک سے ملاقات نہیں کی۔
کتبہ ۱۳۶۳ء کا ہے (ملفوظ لٹریچر ص ۲۱) سانبھر سالانہ رپورٹ انڈین ایپی گرافی ۱۹۵۵-۵۶ء

ملک چوپان

ملک الشرق اختیار الدین چوپان ناگور کے مقطع تھے جن سے متعلق کتبہ ۱۳۷۸ء کالاڈنوں سے دریافت ہو کر اشاعت پذیر ہے۔ ملک چوپان کا ذکر شیخ احمد کھٹوی کی یادداشت میں کئی بار ملتا ہے جبکہ مستقل تاریخیں اس حاکم کے بارے میں خاموش ہیں۔ شیخ احمد کھاٹو کے قیام کھاٹو کے زمانہ میں یعنی بابو اسحٰق رح کی وفات ۱۳۷۴ء کے قبل ناگور میں ملک چوپان سے ملے تھے۔ شیخ احمد رح کا بیان ہیکہ کسی تاخت و تاراج میں ملک چوپان کو لوٹ میں بہت سا مال ملا تھا۔ اُس میں سے ملک نے چار چننارہ گائیں شیخ احمد رح کو نذر کیں۔ شیخ احمد رح نے بیس ٹنکہ فی گائے کے حساب سے وہ گائیں ملک کنان یاگنان کے ہاتھ فروخت کردیں تھیں۔ اُس وقت ناگور ملک چوپان کے اقطاع کا صدر مقام تھا جہاں کے بااختیار گورنر ملک چوپان نے ناگور میں ایک سرائے تعمیر کی تھی۔ اسی سرائے ملک چوپان) جہاں شیخ احمد کھٹوی حج کو جاتے ہوئے ۱۳۸۸-۸۹ء = ۷۹۱ھ میں ٹھہرے تھے۔

(ملفوظ الٹریچر ص ۳۰ دیسائی) سیر احمدیہ ص ۶۳، کتبہ خطیرہ والی مسجد لاڈنوں ۱۳۷۸ء = ۷۸۰ھ عہد حکومت ملک الشرق اختیار الدولت والدین چوپان بن عثمان (ملاحظہ ہو ARIE 1969-70 NO. D.161)

ملک علاء الدین

ملک چوپان ہی کے ایک ہم عصر، لاڈنوں کے مقدم ملک علاء الدین تھے جن کا نام تواریخ کی کتابوں میں تو نہیں البتہ کتبے اور کمیات میں مذکور ہے۔ اُنہوں نے ۷۸۰ھ = ۱۳۷۸ء میں لاڈنوں کے اندر ایک مسجد کی تعمیر کی تھی جو ملک چوپان کا زمانہ تھا۔ ملک علاء الدین کا راجپوتی نام جے سنگھ تھا جو بھوجا موہل (راجپوت) کے فرزند تھے جن کے بارے

میں ڈاکٹر دیسائی کا قیاس ہیکہ موہل چوہانوں میں یہ جے سنگھ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ شیخ احمد کھاٹو کا بیان ہیکہ ایک بار بابو اسحٰق رح مغربی کھٹوی کے ساتھ اُن کا لاڈنوں جانے کا اتفاق ہوا۔ ملک علاءالدین نومسلم لاڈنوں کے مقدم تھے اور بابو اسحاق رح کے معتقد و مداح۔ انہوں نے بابو اسحٰق مغربی کھٹوی رح اور احمد کھٹوی رح کا بڑی عزت کے ساتھ سواگت کیا اور نذر دی۔ اس نذر کی رقم سے بابو اسحٰق رح نے ملیدہ تیار کرا کر مقامی مسلمانوں کی دعوت کی تھی۔ شیخ احمد رح یہ بھی معلومات فراہم کرتے ہیں کہ ملک علاءالدین، سید جلال الدین حسین (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) کے مرید تھے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ جے سنگھ موہل نے انہیں سہروردی بزرگ کے ہاتھ میں اسلام قبول کیا ہوگا۔

"ڈاکٹر دیسائی صاحب اپنے لکچر ملفوظ لٹریچر" میں راجستھان کے موہل مسلموں ریاشندگان موہل واٹی پرگنہ لاڈنوں) کے بارے میں مرقاۃ کے حوالے سے اس سچائی کا اظہار کرتے ہیں کہ بابو اسحٰق مغربی کھٹوی رح کی زندگی میں جے سنگھ پہلے موہل راجپوت ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ کھیاتوں میں جے سنگھ موہل کا زمانہ پندرھویں صدی عیسوی کا نصف قیاس کیا گیا ہے۔ جواب کتبے اور شیخ احمد کھٹوی رح کے بیان (مرقاۃ) سے چودھویں صدی عیسوی کے نصف میں بیٹھتا ہے۔ جناب ڈاکٹر ضیاءالدین صاحب دیسائی آگے رقم طراز ہیں کہ چودھویں صدی کا نصف آخر راجستھان کی تواریخ میں اس بات کی خصوصیت رکھتا ہے کہ دو۲ تین۳ حکمراں خاندانوں نے سلطان فیروز تغلق کے عہد میں مذہب تبدیل کیا۔ مثلاً میوات کے کے خانزادے، موہل واٹی کے موہل، گجرات کے سلاطین اور فتحپور و جھنجھنوں

کے قائم خانی کھیچی چوہان۔ مؤرخوں نے ابھی تک اس غیر معمولی واقع پر دھیان دیکر یہ پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی ہے کہ اسکا سماجی سبب کیا ہو سکتا ہے؟۔

(ملفوظ الٹریچر زیڈ۔ اے، دلیسائی صاحب ص ۳۲-۳۰) کتبہ خطیرہ والی مسجد ۷۸۰ھ ۱۳۷۸ء

(سالانہ رپورٹ انڈین اپی گرافی ۷-۱۹۶۹ء نمبر ڈی ۱۶۱)

ملک قطب الدین نجم

ملک قطب الدین نجم بھی حاکم (گورنر) کے درجے کے امیر ہیں۔ ان کی قبر کے اوپر کا کتبہ جو ناگور میں ملا ہے کہ یہ ملک، نہایت، فیاض، صاحب سیف وقلم ملک قطب الدین نجم دشتی ناگور وجالور کے نائب تھے جنھوں ۷۹۱ھ ۱۳۸۹ء میں اسلامی فوج میں (لڑتے ہوئے) شہادت حاصل کی۔ اس سے زیادہ معلومات کتبے میں نہیں ہے۔ یہاں پھر ملفوظ مرقاۃ کا رہین منت ہوں کہ قطب الدین نجم کے خاندانی پس منظر، انکی زندگی اور شخصیت کی دیگر تفصیلات حضرت شیخ احمدؒ کھٹوی کی زبانی حاصل ہوتی ہیں۔ شیخ نے ان کا کئی بار ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قطب الدین نجم، محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے امیر ملک رضی الملک کا داماد اور پہلے ڈیڈوانہ میں رضی الملک کے بیٹے ملک محمد حاجی اپنے سالے کا نائب تھا۔ حضرت شیخ احمدؒ ایک بار بابا اسحقؒ مغربی کی ہمراہی میں ڈیڈوانہ تشریف لیگئے تو معلوم ہوا کہ ملک نے چندیری کے ایک بزرگ درویش کو ستایا تھا۔ درویش نے حضرت بابا اسحق مغربیؒ کے پاس فریاد کی۔ جمعہ کے دن نماز کے بعد بابا اسحقؒ نے ملک نجم سے مصافحہ کرنے سے انکار کردیا اور ملک کو سپاری فروش بچہ کہکر پھٹکارا۔ دوسرے موقع پر، شیخ احمد کھٹوی کے بیان کے مطابق، جب کہ وہ کھاٹو ڈیڈوانہ گئے

ہوئے تھے، بابو اسحٰق کو شیخ احمد کو بلانے کی ضرورت پڑی تو بابو اسحٰق نے کسی کو
ملک کے پاس یہ کہکر بھیجا کہ معلوم کر کے احمد کو فوراً ضروری طور پر بھیجے۔ ایک دفعہ شیخ
احمد ایک بزرگ مولانا ابوالفرح رضی الدین سے ملنے ڈیڈوانہ گئے ہوئے تھے کہ وہاں
اتفاق سے ملک نجم بھی آپہونچے۔ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا جبکہ ملک دس سے بیس[2]
ناپ میں غلہ مسلمانوں کو تقسیم کر رہا تھا جو مولانا کے مکان میں حاضر تھے۔ یہ غلہ شیخ
احمد لینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اپنی باری آنے کے پہلے ہی چل دیئے تھے۔ ملک نے یہ
معلوم کر کے کہ وہ سید ابوطالب کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مالک مکان کو حکم
دیا کہ شیخ احمد کو ملک کے مکان پر لے آئیں ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔[1] اپر شیخ احمد
کھٹوئی نے مناسب سمجھا کہ اُن کے میزبان کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے خود ملک کے گھر
پہنچ گئے۔ ملک نے اُن کا بڑے پرتپاک انداز میں استقبال کیا اور کہا کہ ایک
گاڑی بھر غلہ لیتے جائیں جو اُس نے بابو اسحاق مغربی کے لئے علیحدہ کر رکھا تھا۔
ایک زمانے میں یہی ملک نجم چار سو ٹنکوں کا شیخ احمد کھٹوی کا قرضدار تھا۔ ملک نے
قرض کے بارے میں پہلے تو انکار کیا۔ لیکن جب خواب میں بابو اسحٰق نے قرض ادا
کرنے کو کہا تو قرض بے باق کیا۔ کچھ عرصے بعد جب ۷۹۱ھ ۱۳۸۸-۸۹ء
میں شیخ احمد حج کے ارادے سے ناگور پہونچے تو وہاں ناگور میں ملک بحیثیت مقطع
مقرر تھا۔ دلی کے حاجی جب ملک سے ملنے گئے تو انہوں نے بتایا کہ شیخ احمد بھی ہمارے
ساتھی ہیں تو ملک نے شیخ کو بلایا اور کہا کہ کمزوری کی حالت میں ایسا خطرناک سفر
اختیار نہ کرو۔ شیخ ملک قطب الدین نجم کا تذکرہ ایک فیاض آدمی کے بطور کیا کرتے
تھے (ملفوظ لٹریچر دیسائی ص ۳۲-۳۴ سیرت۱ امادیہ کتاب ص ۱۶۶ اور 75 و 67 و 64 و کتبہ۔

(ARIE ۱۹۶۹-۷۰ نمبر D 167 مورخہ 1389 ۱۷۹۰ء)

انتظامی معاملات

سیاسی شخصیتوں یا سیاسی واقعات کے علاوہ ملفوظ مرقاۃ میں ایسا مواد بھرا پڑا ہے جو حکومت کے انتظامی معاملات پر روشنی ڈالتا ہے۔ ڈیڈوانہ (ناگور) کے سید اپنے مقرر داشت یعنی وظیفہ کا معاملہ دلی لے گئے کہ جلدی ادائیگی ہو جائے۔ اس واقعہ سے ایک بات نکلتی ہے کہ جام دار کا عہدہ صرف اس لئے نہیں تھا کہ سلطانی پوشاک ہر وقت تیار رکھی جاتی بلکہ اسکے اختیار میں یہ بھی تھا کہ جب سلطان کا حکم کسی کو خلعت دینے کا ہوتا تو جام دار کے توسط سے سرکاری حکم کی تعمیل ہوتی۔ اتفاق سے جامدار شیخ احمد رح کا مرید تھا۔ اس نے خلعت جو قاضی نصر اللہ کو ملنے والا تھا اس میں تاخیر کرنی شروع کردی اس سے ڈیڈوانہ کے سیدوں کا کام بن گیا جن کا وظیفہ قاضی نصر اللہ کے اجلاس سے ملنے والا تھا (ملفوظ لٹریچر ص ۳۹)

ایک بات صاحب عرض بندگان یا عارض کی ہے جس کا تعلق نرائینہ (کھاٹو) اور ناگور سے ہے۔ شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عارض کے کار منصبی میں بھرتی شدہ سپاہیوں کے گھوڑوں کی شناخت کرنے کے لئے مختلف مقامات پر کیمپ لگائے جاتے تھے مثلاً نرائینہ۔ کھاٹو اور ناگور کے لئے جو کیمپ لگایا گیا اس کا مقام نرائینہ تھا اور عہدہ عارض کے عہدہ دار ملک عمر تھے۔ شاہی فرمانوں کو عوام کی اطلاع کے لئے مسجد کے منبر سے جمعہ کے دن امام یا خطیب کے ذریعہ پڑھکر سُنایا جاتا تھا۔ (ملفوظ لٹریچر ص ۴۲ (سیرت احمدیہ ص ۱۱۶)

اپنی نوجوانی کے زمانے کا ایک واقع شیخ احمد کھٹو نے یہ بیان کیا کہ میں

جب کھاٹو سے دہلی کو سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے کیلئے گیا ہوا تھا کہ اجمیر کے ایک خادم درگاہ نے ایک فرمان گاؤں کان کالا جو وہ محکمۂ دیوان کو واپس کرنا چاہتے تھے۔ اس بناء پر کرشق اجمیر کے کارکنوں کے مطالبات جو گاؤں کے اوپر ناقابل برداشت تھے۔ سلطان نے خادم درگاہ اجمیر کے اس بیان کو بُرا مانا۔

ڈاکٹر ضیاء الدین (ملفوظ لٹریچر صـ۴۱ ستیر صـ۶۸-۶۹)

سیاسی جغرافیہ و گاؤں کی جائے وقوع شیخ احمد کھٹوی کی یادداشت سے سیاسی جغرافیہ اور گاؤں کی جائے وقوع پر کافی مواد ملتا ہے۔

شیخ سفر بہت کرتے تھے۔ کھاٹو سے ناگور۔ ڈیڈوانہ۔ لاڈنوں۔ حصار فیروزہ۔ دلی اور گجرات کا سفر کرتے رہے ہیں اور مکہ مدینہ کے علاوہ سمرقند وغیرہ بھی گئے ہیں۔ ان کے بیانات سے چھوٹی کھاٹو۔ اجمیر۔ نرائنہ۔ ناگور۔ ڈیڈوانہ لاڈنوں۔ گجرا۔ کھٹوتی کے علاوہ تلواڑہ۔ بودرواترنو۔ متھیلا۔ اہواد روہل یا روحل شریف۔ بانسھڑی کوئیوا۔ دیوری۔ وغیرہ گاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ اور بعض بعض کے درمیان فاصلے بھی مرقاۃ میں دیئے ہوئے اہواد گاؤں ڈیڈوانہ کے سیدوں کو مدد معاش میں ملا ہوا تھا۔ (ملفوظ لٹریچر صـ۴۲ ڈاکٹر ضیاء الدین)

ذرائع آمد و رفت اور راستے ذرائع آمد و رفت میں گھوڑا، اونٹ، ڈولا، بیل گاڑی، بہل یا بہنی۔ راستوں میں دلی سے گجرات کا راستہ ڈیڈوانہ ہو کر چلتا تھا۔ کھاٹو سے حج کو شیخ احمدؒ جب روانہ ہوئے تو ترنو راستے میں پڑا تھا۔ واپسی میں بھی ترنو ہو کر کھاٹو پہنچے۔ (ملفوظ لٹریچر صـ۴۳ ضیاء الدین)

عمارات ناگور ناگور کے خطے کی عمارتوں میں مدرسہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ

جو موجودہ زمانے میں مدرسہ حنفیہ صوفیہ کے نام سے موسوم ہے۔ ملک چوپان کی
سرائے اور ایک تالاب کا ذکر ہے۔ ڈیڈوانہ میں حضرت شیخ دو تالابوں کی بات کرتے
ہیں۔ ڈیڈوانہ کا قلعہ اور مسجد بر باہی کا نام لیتے ہیں جو قصبے کے باہر مسجد ملک
داؤد میں حضرت شیخ احمد کھٹو ی رح نے قیام فرمایا تھا۔ کھاٹو میں حوض خان اور
ملوک تالاب کا ذکر ہے نرائنہ میں بھی ایک تالاب کی نشاندہی ہوتی ہے۔

(ملفوظاتی لٹریچر ص۴۶ ڈاکٹر ضیاء الدین)

سکّے

مرقاۃ میں سکوں کا ذکر آتا ہے۔ سونا۔ چاندی کے سکے۔ جیتل
گانی۔ چہار گانی۔ پنج گانی۔ شش گانی۔ دہ گانی۔ بست گانی۔ فدیہ کے سکے
چودھویں، پندرھویں صدیوں میں راجستھان و گجرات میں چلتے تھے۔

(ملفوظاتی لٹریچر ص۴۷ دیسائی)

کھاٹو کے تالاب کی صفائی

شیخ احمد کھٹو ی رح نے کھاٹو کے تالاب
کی صفائی کا خاص طور سے ذکر فرمایا ہے۔ بابو اسحٰق مغربی رح کی زندگی میں جب
ایک بار سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے گئے تو دو ہزار ٹنکے کا نذرانہ ملابس
کے لئے شیخ احمد کھٹو ی نے ظاہر کیا تھا کہ کھاٹو کے تالاب کی صفائی میں خرچ ہوگا
کھاٹو کی واپسی پر اس سے قبل کہ شیخ احمد کھٹو ی رح تالاب کی صفائی شروع کریں
کھاٹو کے قاضی اپنے لڑکوں کے ساتھ گئے اور صفائی کا کام شروع کر دیا پھر فرمایا
کہ اس کام میں ہم کو نام اور شہرت حاصل ہو گی۔ لہٰذا شیخ احمد کھٹو ی نے اس کام
میں ہاتھ نہیں ڈالا لیکن جب سید اکرم نے قاضی صاحب کو سمجھایا کہ صفائی
کا کام اتنا آسان نہیں ہے کہ چند لوگ مل کر کرلیں تو قاضی صاحب نے اپنا

ارادہ ترک کردیا۔ اب سیاد اکرام نے شیخ کو اس کام کے لئے آمادہ کرلیا۔ جب گاؤں والوں کو پتہ لگا تو شیخ احمد کی مدد کیلئے دوڑ پڑے۔ شیخ احمد نے کباب اور گوشت کیلئے قصاب سے گوشت منگوا کر تیار کروانے کیلئے سوداگر سے بیس[۲۰] من آٹا لیکر روٹی پکوائی۔ لوگ گوشت روٹی کھاتے اور اپنے گھروں سے پھاوڑے اور دوسرے ہتھیار لا لاکر تالاب میں جمع کردیا ریت اور بالو کو کھودنے لگے اور چند ہی دنوں میں کرائے کے مزدوروں کے ذریعہ تالاب صاف ہوگیا۔

جب یہ تالاب صاف ہوگیا تو شیخ احمدؒ نے ایک دوسرا تالاب بھی کھدوایا یہ دیکھکر ایک مقامی بنیے نے بھی ایک دوسرا تالاب کھدوا کر تیار کیا۔ جب برسات آئی اور دونوں تالاب بھرنے شروع ہوئے تو بنیئے کے کپڑے، مٹھائیاں اور ناریل کے تحائف کے ذریعہ لوگوں کو اپنا تالاب دیکھنے کو بلایا۔ شیخ احمدؒ نوجوان تو تھے ہی، ان کو برا لگا کہ میرا تالاب دیکھنے کو کوئی نہ آئیگا۔ بابو اسحاقؒ نے ان کو سمجھایا اور تسلی دی۔ اتفاق سے رات کو موسلا دھار بارش سے دونوں تالاب لبالب بھر گئے۔ لیکن بنیے کا تالاب چھوٹا اور پانی بہنے لگا اب لوگ شیخ احمد کے تالاب کو دیکھنے کیلئے چلے جو پورا بھرا ہوا تھا۔

(ملفوظ لٹریچر ص ۴۸-۴۹ سیر ص ۷۰-۷۱)

کھاٹو میں تیر اندازی | شیخ احمد کی نوجوانی کے زمانے میں تیر اندازی کا مقابلہ کھاٹو کے مقطع نے منعقد کیا جس میں چھوٹی کھاٹو ٹنک کے لوگ (شیرانی افغانی) شریک ہوئے لیکن کسی کا تیر نشانے پر نہیں پڑا۔ اتنے میں شیخ

احمد کھٹوی رح بھی آگئے جو اتنی چھوٹی عمر میں تیراندازی کے فن میں ماہر ہو چکے تھے۔
عوام نے کہا کہ شیخ احمد رح ہمارے گروہ کے ہیں۔ اور سرکاری ملازمین نے کہا کہ ہماری
جماعت کے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی ہی کوشش میں نشانے پر تیر مار لیا۔
(ملفوظ اٹریجر صٓ ۵۰-۴۹) سیر صٓ ۵۴)

فی ٹنکہ روزینہ مرقاۃ میں مولانا فریدالدین ایک معلم کی حکایت درج ہوئی
ہے اُن کو شیخ احمد رح نے ایک مقامی مدرسہ میں استاد مقرر کر دیا تھا۔ ایک بار شیخ
سے ملنے آئے اور اپنی سال بھر کی تنخواہ تین سو ساٹھ ٹنکہ کا تقاضہ کیا۔ شیخ احمد رح
نے کہا کہ جائے نماز اور مصحف (قرآن) ابھی لے لو، رقم بعد میں ادا کر دوں گا۔ اس
پر وہ راضی نہیں ہوئے۔ مجلس میں ایک محرّر صاحب حاضر تھے عرض کیا کہ میں
معاملے کا تصفیہ کر دوں۔ محرّر نے مولانا سے فرمایا آپ کا تعلیمی روزینہ فی دن ایک
ٹنکہ کے حساب سے ہے۔ آپ سال میں اسّی دن چلّے پر بیٹھتے ہیں جس کو تین سو
ساٹھ میں گھٹائیے۔ آپ جمعہ اور منگل وار کو تعطیل رکھتے ہیں جس کے سو ٹنکے بنے وہ
بھی منہا کیجئے۔ اب مجھے نصف یعنی ایک سو اسّی ٹنکے جو آپ کا حق ہوا۔ اب پچھلے
سال میں آپکو تین سو ساٹھ ٹنکے مل چکے ہیں۔ جس میں سے ایک سو اسّی زائد نکلتے
ہیں جو آپ وصول کر چکے ہیں۔ اس طرح گویا آپکو دو سال کا روزینہ دیا جا چکا ہے
آپ جیسا دین دار آدمی ناجائز مطالبہ کیوں کر رہا ہے لاجواب ہو کر مولانا نے کہا،،
مخدوم یعنی شیخ احمد رح مجھے جانماز اور مصحف دے رہے تھے۔ آپ مجھے اس سے بھی
محروم کر رہے ہیں،، شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے مصحف اُن کو بخش دیا۔
(ملفوظ اٹریجر صٓ ۵۱-۵۰) سیر صٓ ۲۴-۱۲۳)

ٹوٹکے اور تفریحی کھیل شیخ کی یادداشت میں ٹوٹکوں اور تفریحی کھیلوں کا ذکر بھی ہے۔ کھاٹو میں ایک بھاری گول پتھر تھا جس کے بیچ میں ایک بڑا سا سوراخ تھا جیسا کہ آٹے کی چکی میں ہوتا ہے۔ پہلوان لوگ اُس پتھر کو اُٹھا کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ شیخ احمدؒ بھی پہلوان سے کم نہ تھے۔ اُن کو جب ساتھیوں نے چنوتی دی تو سوراخ میں سر ڈالکر پتھر کو اُٹھا لیا اور گردن پر پتھر کو اُٹھا کر کئی چکر لگائے۔

علیٰ ہذا القیاس ایک گھور کالی رات میں ایک بنیے کے لڑکے نے شیخ کو چنوتی دی کہ جنگل میں جاکر آدھی رات کے اندھیرے میں ایک درخت پر پگڑی باندھ دیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور پگڑی باندھکر بحفاظت واپس آگیا۔ اس طرح اُس لڑکے کی چنوتی پوری ہوئی۔

شگون لینا گاؤں کے لوگ مسلم غیر مسلم شگون کے قائل ہوتے تھے۔ ایک مسلم پٹیل کی عورت تھی جس نے شیخ احمدؒ کی خاطر تواضع کی جب چلنے لگے تو عورت نے عرض کیا کہ ہمارے کھیت میں چند قدم رنجہ فرمائیں جس سے کہ کھیت میں فصل اچھی ہو۔

اُس عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ ایک پیر کی مرید ہے، پیر کو شیخ سے ملنے کے لیے بُلا لیا۔ پیر صاحب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کا اجازت نامہ لیکر آئے مگر بے پڑھے پیر تھے جلد ہی واپس ہو گئے۔ (ملفوظ لٹریچر ص۱۵ ضیاء الدین)

ہاتھی کا دیکھنا شیخ کے لڑکپن میں ظفر خان گجرات کا گورنر گجرات سے دلّی کو جارہا تھا راستہ کھاٹو کے قریب ہی سے گذرتا تھا شیخ احمد باابواسحٰقؒ

مغربی سے اجازت مانگ کر کئی لوگوں کے ہمراہ ہاتھیوں کو دیکھنے گئے کیونکہ کھاٹو کے گاؤں والوں نے ابھی تک ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ اب گورنر کے نوکر جاکر لوگ ہاتھیوں کو لے جارہے تھے تو ہاتھی دیکھنے کو بل گرے۔

گورنر یا حکمراں کسی گاؤں میں آئے یا وہاں سے گذرے تو طالب علموں کو جمع کر کے گورنر کی خوش آمدید کے لیئے لے جاتے تھے۔ ایسے طلباء کو سفر خرچ بھی دیا جاتا تھا چنانچہ شیخ احمد کو پہچان کر گورنر کے آدمی نے سونا دیا جبکہ دوسرے بچوں کو قاضی کے ذریعہ ٹنکے کی صورت میں معمولی رقم ملی۔ قاضی نے شیخ احمد سے کہا لاؤ ہماری رقم اور تمہاری کو ملا کر تقسیم کرلیں۔ شیخ احمد راضی نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس سے قبل قاضی شیخ کو گورنر کے سامنے پیش نہیں کر رہے تھے۔۔

(ڈاکٹر ضیاالدین ۔ (ملفوظ لٹریچر صـ۵۲)

فاتحہ خوانی اور پیشگی قبر نہ صرف اولیاء وانبیاء علیہم السلام کے ایصالِ ثواب کے لیئے فاتحہ خوانی ہوتی تھی بلکہ سفر شروع کرتے وقت بھی فاتحہ ہوتی تھی بزرگانِ دین اپنی قبر پہلے سے کھدوا کر اس میں غلہ بھر دیتے تھے جو ہر سال خیرات میں دیدیا جاتا تھا۔ بابو اسحٰق رحؒ نے بھی بقول شیخ احمدؒ اپنی قبر تیار کرالی تھی لیکن قاضی کھاٹو کے مشورہ کو کہ قبر میں غلہ بھروا دیا جائے بابوؒ نے رد کر دیا تھا۔

(ڈاکٹر ضیاالدین (ملفوظ لٹریچر صـ۵۲) سیئر صـ۱۰-۱۰۹)

ہندو مسلم برادرانہ تعلقات ہندوستانی صوفی بزرگ آفاقی برادری اور بھائی چارے کے قائل تھے۔ شیخ احمد کھٹوئیؒ کے تعلقات جوگیوں اور ہندو خاندانوں سے نہایت خوشگوار تھے۔ جوگیوں اور برہمنوں سے مذہبی معاملات پر تبادلۂ

خیال بھی کرتے تھے۔ چودھویں پندرھویں صدی کی سوسائیٹی میں ہندو مسلمان بڑے امن سے رہتے تھے اور برادرانہ برتاؤ برتتے تھے۔ شیخ احمد نے ایک چمار کے لڑکے سے کشتی لڑنے سے پرہیز نہیں کیا اور چھوت چھات نہیں برتی۔ بقول پویا بقال ایک ہندو بنیے کو بابو اسحٰقؒ نے قید سے چھڑایا۔ اُس بنیے نے عمر بھر اس بات کا احسان مانا اور بابورؒ کی وفات کے بعد دکان سے سودا بابورؒ کے متعلقین کو بطور قرض دیتا رہا۔ جب اُس کے نابالغ لڑکے نے ایک دن اُدھار دینے سے اُس کی غیر موجوگی میں انکار کردیا تھا تو بھاگا ہوا آیا اور معافی کی خواستگاری کے ساتھ دُو سیر اخروٹ اور ایک قندیل نذر کی بابو اسحٰقؒ نے لینے سے انکار کردیا البتہ بنیے سے اُدھار لینا بحال رہا۔

ہندوؤں کا رویہ مسلم بزرگوں کے ساتھ بڑی عزت اور قدر شناسی کا تھا۔ جب شیخ احمدؒ کھاٹو سے حج کو چلے تو راستے میں چھوٹے بڑے ہندوؤں نے اُن کے ساتھ محبت اور مہمان نوازی کا برتاؤ کیا۔ ایک ہندو عورت نے مردوں کی ناموجودگی میں اُن کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ ایک گاؤں میں رائے مانڈلک نے بہت رقم خرچ کرکے تین دن تک اُن کو کھلایا پلایا۔ اُس سے اگلی منزل میں ایک غریب عورت کے گھر شیخ احمدؒ ٹھہرے رہے حالانکہ اُس عورت کے پڑوسیوں نے اُس کو بُرا بھلا کہا کہ ایک مسلمان کو اپنے گھر میں ٹھہرا رکھا ہے۔ ہندوؤں میں بنیا قوم کے لوگ خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ روز مرہ کے تعلقات رکھتے تھے۔ ایک سرکاری ملازم نے ایک بچھڑا بابو اسحٰقؒ کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ جب وہ بچہ بڑا ہو کر موٹی گائے ہو گیا تو اُس کو

لانے کے لئے بابورح نے ایک ہندو بنیے کو بھیجا تھا۔ ایک دوسری حکایت زیادہ دل چسپ ہیکہ کٹر مسلمان ہندوؤں کے تقویٰ اور صلاح کے قائل تھے۔ یہ واقعہ ڈیڈوانہ کے مولانا ابوالفراج رضی الدین نے ایک خطہ میں شیخ احمد کو لکھکر بھیجا تھا کہ لاڈنوں کی ایک ہندو دلہن نے اپنی پہلی رخصتی میں شوہر کے گھر میں اگر شرم کے مارے کئی دن تک کچھ نہیں کھایا ایک دن کچھ دانے زمین پر پڑے ہوئے تھے بھوک کے مارے منہ میں رکھ لیے فی الفور کیا دیکھتی ہیکہ ایک بڑے قافلے پر لٹیروں کی ایک جماعت گاؤں کو لوٹنے کی غرض سے آرہی ہے گاؤں کے لوگوں کو اس لڑکی سے بروقت تنبیہ مل گئی تو انھوں نے اپنی قیمتی چیزیں منتقل کردیں۔ مولانا نے شیخ احمدرح کو یہ لکھا تھا کہ ایک ہندو عورت کو جسے فریضۂ غسل کی کوئی تمیز نہ ہو اُسے چند دنوں کے فاقے سے ایسی طاقت حاصل ہو جائے تو ایک دین دار متقی مسلم موحد مومن کو اللہ کا وصل کیسے نصیب نہ ہوگا۔

(ملفوظ التر یحہ ص ۵۴-۵۵) سیر ص ۱۲۲)

جوگیوں اور برہمنوں سے شیخ احمدرح کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ جوگی لوگ جب شیخ سے ملتے تو ہمیشہ یہی بات رکھتے کہ ہم کیمیا کے فن کے ماہر ہیں جس سے دھات کو سونا بنا دیتے ہیں۔ آپ ہم سے سیکھ لیں۔ لیکن شیخ احمدرح طرح دیکر یہی جواب دیتے کہ درویش کے لئے اطمینان اور دنیاوی طمع سے پرہیز ہی سونا ہے۔ (ملفوظ التریحہ ص ۵۳-۵۵) سیر ص ۱۱۱-۱-۳-۱۰۳)

آگ پر چلنا حضرت شیخ احمدرح کے زمانے میں دہکتی ہوئی آگ پر قدم رکھنا یا چلنے کا رواج تھا۔ ایک بار شیخ رح ایک ہندو رائے کے گاؤں

میں اکبر رائے کی مہمان نوازی حاصل کر چکے تھے۔ اُن درویشوں نے شیخ احمد کو چنوتی دی کہ آپ حلوائے دود (دھوئیں کا حلوا) کیا ہے؟ جانتے ہیں اور کیا حلوائے دود کھانا چاہیں گے۔ یہ فقرہ آگ پر چلنے کے معنیٰ میں پہیلی کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ درویش جب انگاروں پر چلتے اسمائے اعظم پڑھتے جو انہوں نے اپنے پیر سے سیکھے تھے اور اس طرح اپنے پیروں سے کچل کر آگ کو بجھا دیتے تھے اور اُن کے پیروں کو کوئی نقصان نہ پہونچتا۔ (ڈاکٹر ضیاءالدین الکجہ ص ۵۵-۵۶) سیر ص ۹۵)

ناگوریوں کا ترک وطن کچھ لوگ راجستھان سے ترک وطن کر کے شیخ احمد کھٹوی رح کے قرب میں چلے گئے مگر ایک بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو سیاسی سماجی مذہبی اور اقتصادی وجوہات سے راجستھان کی سکونت چھوڑ کر گجرات میں جا بسے تھے ایک سیاسی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۳۹۹ء میں راؤ چونڈا راٹھوڑ نے ناگور کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے خطۂ ناگور میں بدامنی تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ عرصے بعد جب ناگور کے علاقہ میں راجپوت مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی جو گجرات کے حکمرانوں کے اقربا اور ہم قوم تھے تو ناگور اور گجرات میں قُرب پیدا ہو گیا اور کئی خاندان ناگور سے اُٹھ کر گجرات میں جا بسے۔ ناگور خشک سالی اور آئے دن کے قحط کا شکار رہتا تھا جب کہ گجرات اقتصادی اور زراعتی خوشحالی اور اندرونی اور بیرونی تجارت کا ملک تھا۔ مرقاۃ میں نام لے کر تارکینِ وطن کا اندراج کیا گیا ہے مثلاً سید قاسم ناگوری، سید رحمت اللہ ناگوری، مولانا خطیر الدین، قاضی معین وغیرھم۔ احمد آباد اور دیگر مقامات میں ناگوری ہندوؤں اور ناگوری مسلمانوں کے محلے آباد شدہ اُسی زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ احمد آباد میں ناگوری سرائے کے نام سے بھی ایک محلہ آباد ہے۔ (الکجہ ص ۵۶ ضیاءالدین)

خوراک و پوشاک | کھچڑی اور گنی صوفیوں کا کھانا تھا۔ عوام باجرے کی
کھیچ کھاتے تھے۔ کھیچ کھانے کی وجہ سے چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام کھیچی
پڑا۔ خوشحال لوگ گیہوں کی روٹی گوشت کے سالن سے کھاتے۔ خاص کھانوں میں
مچھلی اور چوزہ مرغ بھی تھا۔ ناشتے میں مکھن، بھینس کا دودھ اور دہی بھی چلتا
تھا۔ سادہ کھانوں میں ملیدہ کا شمار تھا۔ شیخ احمدؒ نے خالی کھلی بھی کھانے میں کھائی
ہے جو عام طور پر مادہ گائے بھینس کو کھلائی جاتی ہے۔ چاول کا ماڑ اور کھیر کا بھی
ذکر آتا ہے۔ سبزیوں میں کریلا اور سرسوں کا ساگ بھی کھایا جاتا تھا۔ درویشوں کی
ایک جماعت ایسی تھی جو گوشت نہیں کھاتی تھی۔ مٹھائیوں میں لڈو۔ قند اور کھجور ہوتی
تھی۔ کھانوادر کھانے میں تلی کے تیل کا استعمال ہوتا تھا۔ پھلوں میں راجستھان کا
خربوزہ تھا جو روحل (ناگور) سے آتا تھا ناگور کے قاضی اور خطیب برہان الدین
نبیرہ قاضی حمید الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ شیخ احمد کھٹوی رحؒ کو اور دوسرے مہمانوں کو
رہول لے جاکر خربوزہ کے ذریعہ ضیافت کرتے تھے۔ بابو اسحٰق رحؒ مغربی کنٹوی روہل
کا خربوزہ لاکر کھانو تک لائے تھے اور گاؤں میں تقسیم کیا تھا۔ قلندر لوگ بھنگ
کا شوق کرتے تھے۔ (سیرت ص ۱۰۶ و ۱۰۸)

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ناگور کے پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ شیخ احمدؒ
کے زمانے میں گل وچمپا ئے ناگور پورے علاقے میں اپنی خوشبو اور خوشنمائی کے لئے مشہور
تھا اور دونا بھر بھر کر شیخ احمدؒ نے ناگور کے مقطع کو تحفے میں دیا تھا۔ (سیرت ص ۲۳)
پوشاک میں لبادہ اور بارانی کا ذکر آتا ہے۔ جس کا ادبر دالا اون کا اور
استر نبات کا ہوتا تھا۔ پگڑی چھوٹی پگڑی۔ کلاہ اور رومال بھی ہوتے تھے۔ خرقہ

اور طاقیہ ٹوپی صوفیہ استعمال کرتے تھے۔ سمرقند میں شیخ کی پوشاک فوتہ۔ پشواز اور ٹوپی ہوتی تھی۔ کمربند میں خنجر گھونسا ہوا ہوتا تھا۔ تیراندازوں کے پہناوے میں ترکس بھی شامل تھا۔ سرکھیج کے قیام میں بڑھاپے کے عالم میں بھی حضرت شیخ رح تیراندازوں کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ کپڑوں کی قسموں میں اونچے درجے کے کپڑے بھیرم۔ سالو۔ شربتی۔ بافتی۔ کنبھل۔ سقرلاط۔ فرنگی کے نام آتے ہیں

(الکچر صہ ۵۵ دیسائی)

غلّہ اور نمک | خشک سالی اور قحط کی وجہ سے راجستھان کے زراعتی پیداوار محدود تھی۔ لوبیا کی پھلی کھاٹو کی خاص فصل تھی اور عوام کی خوراک میں داخل تھی۔ لوبیا پکا ہوا گی کے ساتھ یا بغیر گھی کے مہمانوں کو پیش کیا جاتا تھا مونگ کی دال کی پیداوار اچھی تھی۔ ناگور خطّے کی خاص پیداوار نمک تھی۔ گنگا کے میدانوں سے سوداگروں کے قافلے نمک خریدنے کیلئے ڈیڈوانہ آتے تھے۔ سانبھر سے لیکر ڈیڈوانہ تک کا علاقہ نمک مہیا کرتا تھا۔ لکچر صہ ۵۹-۵۸ دیسائی)

ناگور کے خشک علاقے میں پانی کی کمی تھی۔ دورانِ سفر ایک بار شیخ احمد رح ایک گاؤں کے پٹیل کے گھر آئے اور پانی مانگا۔ پٹیل کی بیوی نے شیخ کے خادم کو کہا کہ ایندھن کی لکڑی کا ایک گٹھا لاؤ تب پانی ملیگا۔ خشک سالی کے دنوں میں سرکاری طور پر غلّہ بطورِ قرض یا بطورِ امداد لوگوں کو تقسیم ہوتا تھا۔ کھاٹو کے ایک بنیے کا ذکر شیخ رح کرتے ہیں جس نے غلّہ بطورِ قرض عوام کو قحط کے دنوں میں بانٹا تھا۔

(الکچر صہ ۵۹ سیر صہ ۱۴-۱۱۳)

تجارت اور کرانہ | نمک کی تجارت اور نمک کے سوداگروں کا ذکر ہو چکا۔

گاؤں میں کرانے کی بیوپاری عام طور پر غیر مسلم ہوتے تھے۔ کھاٹو کا پوپا نامی بنیا کرانہ فروشی کرتا تھا اور بابو اسحٰق رح اور شیخ احمد رح کو بطور قرض دیتا تھا۔ بابو اسحٰق رح کے پاس چاندی کی ایک رکابی تھی جو وہ اکثر ضرورت کے وقت پوپا کے پاس رہن کرکے کرانہ یا ٹنکہ حاصل کرتے تھے۔ بعض وقت کرانہ فراہم کرکے پوپا کی رقم محکمۂ مال کے دفتر سے وصول کرلیا کرتا تھا۔ جہاں سے درویشوں کو مدد معاش ملتی تھی۔ مقامی بنیا یہ بھی کرتا تھا کہ کسی فرد کی جمع کی ہوئی امانت کو اسکی طرف سے تجارت میں لگا دیتا تھا۔ بابو اسحٰق مغربی رح کی زندگی میں ایک بار شیخ احمد رح نے ایک سو ٹنکے ایک بنیے کے پاس رکھے۔ مونگ اُس وقت سستی ہوئی تو بنیے نے شیخ رح کی اجازت سے اُس رقم کو مونگ کی خرید میں لگا دیا۔ جیسے ہی مونگ کا نرخ سو فی صدی ۱۰۰/- بڑھا اُس کا نفع شیخ احمد رح نے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ سفرِ حج میں شیخ احمد رح نے ہندوستانی مسلم سوداگروں کا عدن میں ہونا بتایا ہے جن میں کم سے کم دو سو سوداگر ناگوری تھے۔ حج کے سفر میں شیخ احمد رح بعض تجارتی اجناس ساتھ لے گئے تھے رقم کی بجائے کہ اُن کو فروخت کرکے سفر کے اخراجات پورے کیے جاسکیں۔ (تکملہ ص ۵۹ - ۶۰ سیر ص ۶۳)

پیشہ ور قومیں پیشہ ور برادریوں میں تیلی۔ قصاب، راج (گل کار) سپاری فروش وغیرہ لوگوں کا ذکر مرقاۃ میں آتا ہے مخطوطوں کی کتابت کا بھی پیشہ تھا۔ (تکملہ ص ۶۰) دیباچہ)

ناگور کی منڈی ناگور شیخ احمد رح کے زمانے میں بحیثیتِ شہر اچھی اہمیت رکھتا تھا۔ صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سو برس کے اندر خانزادوں کی راجدھانی بننے کے پہلے پہلے ناگور علاقے کی منڈی بن گیا تھا خطے کے مرکز

میں واقع ہونے کے کارن ناگوز میں ہر طرح کی اجناس اور عجوبہ چیزیں ملتی تھی۔ بابو اسحٰق رح عمدہ جوتے کپڑے، تیر وغیرہ ناگور سے منگاکر شیخ احمد کھٹوی کو دیتے تھے
(تکچر صفحہ ۶۰-۶۱ دیسائی)

علماء زبان وادب

شیخ احمد رح اپنی گفتگو میں علماء اور فضلاء کا ذکر کرتے تھے ناگور کے خطّے کے چند نام جن سے اُن کا رابطہ رہا ہے یہ ہیں:— مولانا بڈھا ابن ملک شیر ناگوری۔ ڈیڈوانہ کے مولانا ابو الفراج رضی الدین۔ ناگور کے مولانا خطیر الدین جو مؤلفِ مرقاۃ کے ماموں تھے۔ سانبھر کے مولانا قاسم جنکو پوری بزدوی زبانی یاد تھی وغیرہ۔

تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان عربی اور فارسی تھی۔ عربی کم فارسی زیادہ مگر ہندی یا ہندوی بھی سمجھتے تھے اور بولتے تھے۔ حضرت شیخ احمد رح کو عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ ہندی یا ہندوی سے مراد راجستھانی یا ماڑواڑی ہے۔ شیخ جوگیوں اور غیر مسلموں سے مقامی زبان میں گفتگو فرماتے[1] تھے

شیخ کے بیانات اکثر دیسی بھاشا کے الفاظ میں صاحبِ مرقاۃ نے دیئے ہیں۔ فارسی کے اشعار کے طبع زاد اور دوسروں کے کہے ہوئے بھی درج کیے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہندوی کے دوہرے (دوہے) جو مرقاۃ میں آئے ہیں وہ خود شیخ کے کہے ہوئے ہیں اور دوسروں کے بھی ہیں۔ اُن میں سے چند کے

---

[1] اصولِ بزدوی۔ فنِ اصولِ فقہ کی لاجواب کتاب ہے جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے، صفحہ ۸۶ (الفر المصلین) نام فخر الاسلام ابو الحسن ابو العسری علی بن محمد بن حسین بن عبد الکریم بن موسیٰ بن مجاہد البزدوی الحنفی متوفی ۴۸۵ھ

نموتے ڈاکٹر ڈلیسائی نے درج کیئے ہیں مگر فارسی رسم الخط میں ہونے کی وجہ سے صحیح طور پر پڑھے نہیں جا سکتے۔ (الملفوظ لٹریچر صلا ۔ ۶۳)

تعمیراتِ کھاٹو

حضرتِ شیخ احمد کھٹو رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول" کے اردو ترجمے سیر احمدیہ کے استفادے کے موقع سے فائدہ اٹھا کر فقیر حقیر چاہتا ہے کہ یہاں پر کھاٹو کی تعمیرات کا ذکر آجائے کیونکہ کھاٹو خطۂ ناگور میں اپنا ایک اہم مقام رکھتا ہے اور قدامت کے لحاظ سے کسی دوسرے قصبے سے کم نہیں ہے۔ نہ صرف قدامت بلکہ سیاسی سماجی اعتبار سے بھی کھاٹو کا نام صف اول پر ہے کھاٹو کے تواریخی قصبے کا تعارف میں دو بار دے چکا ہوں۔ ایک بار کتاب کے حصہ اول میں اور دوسری بار شیوخ کھاٹو بابو اسحاق مغربیؒ اور شیخ احمد کھٹوؒ کے ضمن میں۔ اب یہاں تعمیرات کا مختصر جائزہ لیا جا رہا ہے۔

کھاٹو کا قصبہ ترائن کی جنگ ۱۱۹۳ء کے بعد شہاب الدین غوری کی سلطنت غزنویہ کے تحت آگیا تھا جس کا ثبوت ٹھاکر دھونکل سنگھ کی حویلی والی مسجد کا ۱۲۰۳ء ۵۹۹ھ کا کتبہ ہے۔ کھاٹو کے کتبوں سے التمش کے گورنر مسعود بن عمر الخلج کا نام حاصل ہوا ہے جس نے درگاہ مغربی شاہ کے کتبے مورخہ ۱۲۳۲ء ۶۲۹ھ کے مطابق ایک حوض یعنی تالاب کھدوایا۔ یہ کتبہ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس میسور ۱۹۳۵ء کی کاروائی رپورٹ میں شائع ہو چکا ہے۔

سلطان بلبن کے عہد کے گورنر کا نام سیف الدین احمد سلطانی اسی درگاہ

مغربی شاہ کے ایک پتھر کی پٹیا سے حاصل ہوا ہے جو مورخہ ۱۲۶۸ء = ۶۶۶ھ کا ہے۔ عہد علائی میں کھاٹو کا تعلق اجمیر سے تھا جیسا کہ جالیا باس کی مسجد کے کتبے مورخہ ۱۳۲۰ء = ۷۲۰ھ میں کندہ ہے کہ مسجد ملک تاج الدین مقطع دارالخیر (اجمیر) کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ علیٰ ہذاالقیاس قلعہ کے ملوک تالاب کی میڑ پر پتھر کی ٹوٹی ہوئی پٹیا پر کا کتبہ اعلان کر رہا ہے کہ ملک فیروز شحنہ بک بارگاہ خاص قدیم کے عہد میں فیروز ساغر (ساگر) نام کا تالاب کھدوایا اور تعمیر کروایا گیا۔ ملک فیروز کے بعد خلف الملوک تاج الدین کا نام بھی اس شکستہ پتھر پر درج ہوا ہے۔ یہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے کا کتبہ ہے۔ ایک اور کتبہ اُس کے جانشین محمد بن تغلق کا ۱۳۳۳ء = ۷۳۳ھ کا ہے جو ملک سیف الدین اخوربک میسرۂ اجمیر نانک سلطانی کے نام و لقب کی خبر دیتا ہے (یہ نانک ایک سربرآوردہ ہندو حاکم ہے جو عہد علائی میں اسلام میں داخل ہونے کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں اجمیر کے اقطاع پر تعینات ہوا)۔ ملاحظہ ہو عربی فارسی سپلیمنٹ دیسائی

(۱۹۶۷ء صفحہ ۱۷-۱۱)

ان کتبات کے علاوہ چودھویں صدی عیسوی کے تقریباً ایک درجن کتبے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ پندرھویں صدی میں خان زادہ فیروز خان دوُم کے عہد میں ۱۴۸۲ء = ۸۸۶ھ کے سال مقطع معاملۂ کھلو ملک اختیار الدین لاڈ لااخلاص اخوربک خاص قدیم نے مسجد (خان زادوں کی مسجد قلعہ) کی تعمیر تاج الدین ملک لاڈ لااخلاص کی نگرانی میں کرائی۔ اس کتبے میں فیروز خان

مندرجہ بالا کتبوں کا ماخذ سپلیمنٹ مسلم انسکرپشنز آف راجستھان کتبہ نمبر ۸۵-۸۸-۹۱-۹۲-۹۳

کا شجرہ پورا کا پورا درج ہوا ہے۔ خطہ کی جگہ کھاٹو کے لئے مُحاملہ، اور کھاٹو
کا املا "کھٹو" کندہ ہوا ہے۔

کھاٹو کی بستی، جو کبھی آباد شہر ہوگا جس کے اطراف 'چھوٹی کھاٹو' اور 'کھٹوتی'
کے نام سے محفوظ ہیں. آج ایک کھنڈر دل کا گاؤں رہ گیا ہے. کھاٹو کی گھاٹی سے
ملحق دو پہاڑیاں ہیں. ایک قلعہ کی پہاڑی جس پر عہدِ چوہانان کے آثارِ قدیمہ ہیں
پرتھوی راج دوم ۱۱۶۵-۶۹ء کی پٹ رانی سُہَوُ دے (सुहवदे) کے محل
کے کھنڈر موجود ہیں۔ یہ سُہَوُ دے جو 'روٹھی رانی' کے عُرف سے
معروف ہے، اپنے پِتا کے ساتھ یہاں قیام پذیر تھی جہاں: مُہتا نینسی کی کھیات
کے مطابق، پرتھوی راج کا ایک امیر گوندل راؤ کھیچی کی باضابطہ آمد و رفت تھی گوندل
راؤ بعد میں بھاگ کر مالوہ چلا گیا مگر اپنی جاگیر جایل (ضلع ناگور) کی سکونت ترک
نہیں کی۔

قلعۂ کھاٹو میں فیروز خان، خان زادے کی مسجد البتہ محفوظ ہے جس کے
۸۸۷ھ / ۱۴۸۲ء کے کتبے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

دوسری پہاڑی کھاٹو قصبے کے شمال میں واقع 'کوہِ جنّت' کے نام سے مشہور
ہے۔ روایت ہے کہ مسلمان قافلے کی کھاٹو میں آمد کا تاریخی مادّہ 'کوہِ جنّت' ہی ہے
جہاں پہاڑی کے اوپر مسلم آبادی کے کھنڈر موجود ہیں۔

ابجد کے قاعدے سے 'کوہِ جنّت' کا سال سنہ ۱۰۹۱ء یعنی سنہ ۴۸۴ھ نکلتا
ہے جو پرتھوی راج چوہانِ اوّل سنہ ۱۱۱۵ء ، سنہ ۱۰۹۸ء کا عہدِ حکومت ہے۔
اس کا معاصر مسعود غزنوی ۱۱۱۵ء = ۱۰۹۸ء ہے۔ کوہِ جنّت کے اوپر چودھویں

صدی کی بعض عمارتیں کھڑی ہیں البتہ تیرھویں صدی کی عمارتیں خستہ اور شکستہ ہو چکیں تو اُن کا ملبہ لوگ اُٹھا کرلے گئے۔ محمود قتّال شہیدؒ جن کے مقبرے کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے جن کے ساتھ حضرتؒ نے اپنے خاص مرید ضیاء الدین نور باف کی دخترِ نیک اختر سے نکاح کروا دیا تھا۔ محمود قتّالؒ اپنے زمانے کے مجاہد تھے اور جہاد میں مقتول ہو کر شہید کہلائے۔ مقبرے میں محمود قتّال اور اُن کے لڑکے کی قبریں ہیں

شاہی مسجد کوہ جنّت اور کھاٹو کی بستی کے درمیان شاہی مسجد ہے جو سلطان شہاب الدین غوری کے عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا شمار ہندوستان کی قدیم ترین مسجدوں میں ہے۔ اس کو مسجدِ اقصیٰ بھی کہتے ہیں شاید اس لئے کہ بستی سے دور جا پڑی ہے۔ کھاٹو کی قدیم ترین مسجد جامع اسی کو ماننا ہوگا جو آج غیر آباد اور بے مرمّت ہے۔ اب یہ مسجد گاؤں سے دور ہو گئی ہے۔ اور منہدم حالت میں ہے۔ نہ اُس کا کوئی متولّی ہے نہ پرسانِ حال۔ کہتے ہیں کہ مسجد کا وقوع مقامی ٹھاکر کی جاگیر کی زمین پر ہے۔ ٹھاکر نے مسجد کے اندرونی حصّے کی بہترین کاریگری کے پتھر نکالکر اپنے کام میں لگائیے ہیں۔ مسجد کے دالان کے اُوپر تین گنبد اور گنبدوں پر کلس ہیں محراب صرف ایک ہی ہے۔ شاندار دروازے سے ہو کر مسجد کے صحن میں داخلہ ہے۔ مسجد کا کچھ حصّہ تو پتھروں کی جوڑائی سے بنا ہے مگر ایک حصّہ مسجد کے عقب کے چٹّان سے کاٹ کر سنوارا گیا ہے۔ محراب کے اُوپر کا کتبہ مورخہ 1561ء ۹۶۸ ہجری اکبر بادشاہ کے عہد میں مسجد کی مرمّت اور درستگی کی خبر دیتا ہے۔ (ریپلیشنڈ مسلم انسکرپشنز۔ کتبہ نمبر ۱۰۹ مسجدیں

شمال، جنوب اور مغرب کی طرف دو دو کل چھ جالی دار کھڑکیاں بھی تھیں۔ گنبدوں کے بارے میں ماہرین کی رائے ہے کہ عہد غوریہ کی قوت اسلام مسجد (دہلی) اور اڑھائی دن کا جھونپڑا مسجد (اجمیر) کی گنبدی بناوٹ سے میل کھاتے ہیں۔ علی ھذا القیاس محراب بھی شاہی مسجد کا راجستھان کی دوسری عنصری مسجد (اڑھائی دن کا جھونپڑا ۱۱۹۸ء) کے محراب سے پتا چلتا ہے لہٰذا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کھاٹو والی مسجد اور اجمیر والی مسجد کا زمانۂ تعمیر ایک ہی ہونا چاہیئے۔ اس طرح حویلی ٹھاکر دسونکل سنگھ والی مسجد ۱۲۰۳ء = ۵۹۹ھ کو ملا کر کھاٹو میں سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے کی دو مسجدیں ہو گئیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۱۲۰۳ء والا کتبہ شاہی مسجد کا ہو جو اب دسونکل سنگھ والی مسجد کی زینت بنا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ تفصیل کے لئے شکوہی: ناگور صفحہ ۱۰۷، ملاحظہ ہو۔

کوہِ جنت کی تعمیرات یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ عہد غوریہ سے لیکر خانزادگانِ ناگور تک برابر کتبوں کا سلسلہ کھاٹو میں پایا جاتا ہے: ۱۲۰۳ء مسجد حویلی (ٹھاکر دسونکل سنگھ)، ۶۳۰ھ = ۱۲۳۲ء (درگاہ مغربی شاہ بعہد سلطان التمش)، ۶۶۶ھ = ۱۲۶۸ء (درگاہ مغربی شاہ میں پتیا پیر کا سلطان بلبن کے عہد کا کتبہ)، ۱۳۰۱ء = ۷۰۱ھ (کوہِ جنت پر گنج شہیداں کی تنابی مسجد کا بعہد علاء الدین خلجی) ۱۳۰۲-۳ء (مسجد محلہ سیاران کا بعہد علاء الدین خلجی)، ۷۲۰ھ = ۱۳۲۰ء (مسجد جالیا باس کا بعہد سلطان قطب الدین مبارک خلجی) غیاث الدین تغلق کے عہد کا کتبہ جو پتیا کے ٹکڑے پر قلعہ کھاٹو کے ملوک تالاب کے کنارے پایا گیا جس میں تاریخ ندارد ہے، ۱۳۳۳ء = ۷۳۴ھ (سلطان محمد بن

بن تغلق کے عہد کا کتبہ جو محمود قتّال شہید کے مقبرے میں پائے گئے۔ پٹیے کے تین
ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں پر کندہ ہے۔) ۷۶۲ھ ۱۳۶۰ء یعنی عہد فیروز شاہ
کے کتبے جن میں قبرستان چھ شہید کی ایک قبر پر کندہ ہے۔ اور اُسی سنہ
کا احاطہ قبرستان کی مغربی دیوار پر اُسی سنہ کا چھوٹے کھمبے پر حاجی محمد صدیق
کے مکان پر قبرستان چھ شہید سے لایا گیا ایک اور قبرستان چھ شہید کا جس کا رسم الخط
چودھویں صدی کا بتلایا گیا ہے۔ ایک اور اُسی رسم الخط کا جس میں عادل شاہ سمّو
کا نام کندہ ہے جو تھا اُسی قبرستان کا اُسی رسم الخط میں جسمیں علم الدین سمّو کا نام
آیا ہے۔ ایسے کل چھ کتبے، ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء کا درگاہ تمن شاہ کا کتبہ اور خان
زادہ فیروز خان کے عہد کا ۸۸۷ھ ۱۴۸۲ء کا کتبہ جو قلعہ پر ایک مسجد میں کندہ ہے
(دیکھیے پبلشڈ مسلم انسکرپشنز کتبات نمبرات ۸۵-۸۶-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱
-۹۲-۹۳-۱۰۰-۹۵۔)

مسجد کھیر ۱۲۵۶ء | ان کے علاوہ چودھویں پندرھویں صدی کے تقریباً آدھے
درجن کتبے شائع ہو چکے ہیں مگر میں یہاں پر کوہ جنّت کے نیچے بنی ہوئی دامن کوہ مسجد
کو، جس کو مقامی طور پر مسجد کھیر، کہتے ہیں، ترجیح دیتا ہوں کیونکہ سیّد محمد طاہر مشہدی
کا کوہ جنّت کے مادّہ تاریخی کے مطابق حسب روایت معروفہ، ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء
میں، کھاٹو میں قدم رنجہ فرمانا کہا جاتا ہے۔ (مگر کتبہ نادارد!) ہمکو محمد بن بختیار
ہمدانی کی تعمیر کردہ مسجد عربی کا کتبہ ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء دستیاب ہے جو ڈاکٹر چغتائی
کی وساطت سے سردست انجمن ترقی اردو کراچی کی تولیت میں ہے تو ہمارا یقین
زبانی روایت کے کتبہ فارسی ۱۰۹۱ء ۴۸۴ھ سے اُٹھ جاتا ہے جسمیں مقامی

طور پر پیش کردہ کتبے کی نقل میں "درکوہِ جنّت" کے الفاظ آئے ہیں اور در اصل واقعی یہ مسجد دامنِ کوہِ جنّت میں واقع ہے۔ (ملاحظہ ہو چغتائی کا اردو رسالۂ کھاٹو، ۱۲-۲۵ نمبر ۵۵) اتفاق سے سید محمد طاہر مشہدی کا خاندان اولاد و احفاد جو آج بھی کھاٹو میں شاد و آباد ہے۔ جن سے فقیر حقیر کاتب التحریر کا ازدواجی رشتہ قائم ہوا ہے فقیر کی دختر گلشن بیگم سید ابو فضل علی مشہدی کے، صاحبزادے سید سعید علی سے منسوب ہوئی ہے۔ اُنکے شجرۂ حسب و نسب سے اس اختلاف کو سُلجھانے میں مدد نہیں ملتی سوائے اس زبانی روایت کے کہ دامنِ کوہِ جنّت مسجد اُنکے جدّ امجد سید محمد طاہر مشہدی کی تعمیر کردہ ہے۔ جب تک اس اختلاف کا کما حقہٗ فیصلہ نہیں ہو جاتا ہم چغتائی والے کتبے کو تاریخ ۱۲۵۶ء کو ہی سید محمد بختیار ہماری کا زمانہ ماننے کے لئے مجبور و معذور ہیں۔ اس لحاظ سے اس تعمیرِ مسجد کا زمانہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد قرار پاتا ہے۔

یہ مسجد کبیر قدیم ترین مساجد میں شمار کی جاتی ہے جیسا کہ اس کے پتھروں پر نقاشی سے ظاہر ہو رہا ہے مسجد کی چھت پرانے راجپوتی عہد کے کھمبوں پر قائم ہے۔ محراب واحد ایک عمدہ ہی ہے بہترین نقاشی والا جس کے حاشیے پر قرآنی آیات کندہ ہیں جو تیرھویں صدی کے خطِ نسخ کی انکی گئی ہیں۔ کھمبوں کی کاریگری عجیب و غریب ہے جس کا نمونہ راجستھان میں کہیں اور ملنا مشکل ہے۔ البتہ محراب کا طرزِ تعمیر مقامی رنگ لیئے ہوئے ہے۔

مسجد آج کل ویران ہے اور نماز بڑے وس والی مسجد شاہ حفیظ اللہ میں پڑھی جانے لگی ہے۔ جو کتبے کے مطابق ۱۷۹۰ء، ۱۲۰۵ھ کی تعمیر ہے۔ ایسی حالت میں

مسجد کھیر انہدام پذیر ہو رہی ہے اور اُس کا پرسانِ حال کوئی نہیں ہے۔ اب
فقیر زمانے اور عہد کا اعتبار کرتے ہوئے تیرھویں صدی کے حضرت محمود قتال شہید رح
کا ذکرِ مبارک کرتا ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شکوہی لندن ناگور صہ ۱۳ - ۱۱۱)
مقبرہ محمود قتال شہید رح کوہِ جنت کے اس مقبرے کے دروازے پر
کے کتبے "والملک للہ" کے ساتھ کوئی سنہ تاریخ نہیں ہے لیکن کتبے کا
خطِ نسخ چودھویں صدی عیسوی کا اُنکا گیا ہے۔ ایک دوسرا کتبہ الگ تھلگ
جو ایک پتھر کے پٹیے پر کندہ ہے مقبرے کے اندر ۱۳۳۳ء ۷۳۳ھ کا محفوظ بتایا
گیا ہے جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ لیکن یہ کتبہ مقبرے کا ہو اس بات کا ثبوت نہیں
لہٰذا فقیر حقیر ناظرین کرام کی توجہ اس بات کے حصہ اول کی طرف مبذول کروانا چاہتا
ہے۔ جہاں پر مجاہد محمود قتال کا نکاح حضرت صوفی حمید الدین سلطان التارکین رح
نے اپنے مرید ضیاء الدین نور باف کی دُختر سے کرا دیا تھا۔ اس بیوی سے ایک
لڑکا بھی تھا جو والد کے ساتھ ہی کھاٹو میں شہید ہوا۔ شاید میر قوم کے لوگوں نے
یا راجپوتوں نے کوہِ جنت پر قبضہ کرنے کیلئے چڑھائی کی ہو گی۔ اور جنگ میں
مجاہد محمود قتال لڑتے ہوئے اور قتل کرتے ہوئے کام آئے جس سے اُن کا لقب
قتال شہید مشہور ہوا اور اُن کا مزار کھاٹو میں مرجع خواص و عوام ہوا۔
کہنے کا مطلب یہ ہے کہ محمود قتال تیرھویں صدی عیسوی کی شخصیت ہیں
البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مقبرہ کے تعمیر اُسی صدی کے اندر ہوئی یا کچھ زمانے کے
بعد کیوں کہ ماہرین کے قیاس میں، مقبرے کی بناوٹ اور محرابوں کے طرز کو دیکھتے
ہوئے اس پوری عمارت کو چودھویں صدی کی مانا گیا ہے۔ حضرت محمود قتال

کے حالات دیکھئے کتاب جہادِ رحمٰن جواب نایاب ہے۔

یہ مقبرہ کوہ جنت کی چوٹی کے کنارے پر بہترین تعمیر کا مربع نما حجرہ ہے جسکی دیواروں میں گڑھے ہوئے پتھر کے پٹیے استعمال ہوئے ہیں مگر دیواروں پر گنبد نہیں بن سکا۔ مقبرے کی مشرقی اور مغربی دیواروں میں ایک ایک محرابی دروازہ دیا گیا ہے۔ اور ایک محراب کی کھڑکی جنوب کی طرف قصبے کے رُخ پر کھلتی ہے۔ محرابوں کی بناوٹ نوک دار ہے۔ لیکن ادھوری ہیں یا منہدم حالت کو پہونچ گئی ہے۔ ہر دیوار پر دو دو طاق ہیں جنکو چراغ دان کہا جاسکتا ہے (شکوہی: لندن ناگور ص۱۱۳-۱۴)

قناتی مسجد قبرستان گنج شہیداں کی قناتی مسجد پر زیادہ نہیں کہنا، سوائے اس کے کہ یہی ایک عمارت ہے جسمیں کتبہ دستیاب ہوا ہے مگر وہ بھی تواریخی نہیں ہے۔ سوائے آیات قرآنی کے (۱۳۰۱ھ، ۷ سنہ) پھر بھی سنہ و سال تعمیر کو دیکھتے ہوئے قناتی مسجد کا شمار کناٹو کی قدیم ترین عمارتوں میں ہونا چاہیئے جس کا محراب تین نوکوں والے مقامی طرز پر ہے۔ یہ مسجد کوہ جنت کی چوٹی پر جنوبی مشرقی سمت میں واقع ہے۔ محراب ایک ہی ہے نماز والے دالان کے سامنے ایک مقبرہ اور دوسرا مقبرہ دالان کے اندر محراب کے بالمقابل ہے جن پر چودھویں صدی کے طرز کے خط نسخ میں کلمۂ اسلام کندہ ہے۔ مسجد کے کھمبے سادہ طرز کے ہیں علیٰ ہٰذا القیاس محراب بھی سادہ ہے۔

(شکوہی ناگور۔ لندن ص۱۱۴-۱۵)

گنج شہیداں مقبرہ چھ شہید گنج شہیداں کے چھ شہید کے مقبرے کا کتبہ

مورخہ یکم شوال (غرۂ عید) سنہ سات سو اکسٹھ مطابق ۱۵ راگست ۱۳۶۰ء یہ بتلاتا ہے کہ یہ چھ غازی لڑائی میں ایک ساتھ مل کر لڑے اور مقابل کی سات صفوں کو ایک ساعت میں چیر ڈالا تلوار بازی کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ایک ساتھ ملکر لڑے تھے تو ایک ساتھ ہی آسودۂ خاک بھی ہیں۔ دو سو سواروں کو نو مرتبہ پسپا کیا غرۂ عید میں (ماہِ شوال کے) سات سو اکسٹھ میں شہید ہوئے۔ چونکہ عید کے دن شہید ہوئے لہٰذا اے رب! سبھوں کو شفاعت نصیب فرما۔ عید الفطر کے دن کی اس جنگ کے کتبے کے پانچوں اشعار درج ذیل ہیں۔

(۱) ایں شش غازی کے تا بدیدند یک ساعت ہفت صف دریدند

(۲) درراہ غزا یگانہ فتند یک جائے مقام ازاں گزیدند

(۳) نہ بار دو صد سوار راندند در تیغ زدن عقب نہ دیدند

(۴) در غرۂ عید ماہِ شوال در ہفت صد شصت یک الشہیدند

(۵) یارب! بہ ہمہ شفیع گرداں زیرا کہ شہیدِ روزِ عیدند

کوہ جنت پر حملہ آوروں کے دو سو سواروں نے جو عید کے دن یورش کی وہ لوگ بقول ایڈیٹر کتبہ یا تو پڑوس کے (راجپوت) باغی ہو سکتے ہیں یا کسی جاگیردار کی چڑھائی ہوئی فوج ہو یا قزاقوں کا قافلہ، کہا نہیں جا سکتا۔ دیوار میں جڑے ہوئے کتبے کے علاوہ ایک کھنبے پر بھی یہی کتبہ کندہ کیا ہوا درمیانی قبر کے سرہانے یا اسی کے متصل کھڑا ہوا تھا مگر سنہ تینس کی دہائی میں گرا ہوا پڑا ہوگا جسکو حاجی محمد صدیق چشتی سلیمانی اٹھا کر لیگئے غالباً جس سال کہ ڈاکٹر چغتائی نے حاجی مرحوم کی مدد سے کتبوں کا جائزہ لیا تھا۔

چھ شہیدوں کی قبروں کی شناخت چھوٹی پٹیا پر انکے نام کندہ کرا کر کی گئی تھی جن میں سے تین ایسی پٹیاں محفوظ ہیں۔ تین میں سے دو پر خالی نام شہید کا کندہ ہوا ہے مگر تیسرے پر نام کے ساتھ تاریخ دن ماہ اور سال لفظوں میں دیے گئے ہیں

(۱) عادل شہ تتھو (۲) علم الدین تتھو (۳) محمد عمر باحلیم غرۂ شوال سنہ احدی ستین وسبعمایہ۔

اس اندراج سے ظاہر ہے کہ عادل شہ و علم الدین (تتھو کے بیٹے) آپس میں بھائی ہوئے۔ محمد عمر کو باحلیم کہکر اس کا قبیلہ ظاہر کیا ہے۔

(عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۳ عیسوی ص ۱۰۔۱۲)

مقبرہ بابا اسحٰق مغربی بڑی کھاٹو حضرت بابا اسحٰق کے مقبرے پر نظر پڑتے ہی کئی خصوصیتیں ذہن میں آتی ہیں۔ اول تو یہ کہ پوری عمارت مع احاطے کے پھاٹک کے اچھی محفوظ حالت میں ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس مقام پر یہ مقبرہ تعمیر ہوا ایسا لگتا ہے بابا اسحٰق کے کھاٹو میں قدم رنجہ فرمانے کے وقت سے پہلے خانقاہ یا مدرسہ یا مسجد کی جائے قیام تھی جہاں پر خود بدولت آپ نے قیام فرمایا ہوگا۔ جیسا کہ مقامی طور پر مشہور ہے۔ تیسری یہ کہ مقبرے کی کرسی کافی اونچا دیکر گنبد بنایا گیا ہے۔ چوتھی یہ کہ گنبدی حجرے کی ساخت مربع شکل کی ہے۔ پانچویں یہ کہ گنبد کے چاروں جانب ایک چوڑے قد کا برآمدہ گھومتا ہے۔ برآمدے کے چبوترے کی جنوبی سمت کے درمیان چار کھمبوں پر ایک گنبدی چھتری قائم ہے جو برآمدے سے

کھاٹو کی تعمیرات مندرجہ بالا کے لیے ملاحظہ ہو شکوہی و دیسائی: ناگور ص ۱۱۵—۱۰۷ عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۳ء ص ۱۰—۱۲ پبلشڈ مسلم ان کرپشنز: قبرستان چھ شہید کتبات نمبر ۱۰۰ تا ۱۰۵

ملحق ہے۔ چھتری کی باقی سمتوں میں زینہ دیا گیا ہے جس کے ذریعے برآمدے پر چڑھا جاسکتا ہے۔ برآمدے کی چھت جن کھمبوں پر قائم ہے وہ دوہری قطاروں میں ہیں۔ اس طرح کہ بیرونی جانب چاروں طرف آٹھ آٹھ کھمبے گنے جاسکتے ہیں۔ اندرونی قطاریں جوڑا جوڑا مثلی جلی شکل میں دیئے گئے ہیں۔ ایک خاص بات جو بابا اسحٰق رح کے مقبرے میں ہے وہ یہ کہ اندرونی چھت پر چاروں کونوں میں چھوٹے گنبد دیگر عمارت کی رونق بڑھائی گئی ہے گنبدی حجرے کا دروازہ محرابی شکل کا ہے جس کا جو اب باقی تین سمتوں میں طاقوں کی شکل میں ہے ان طاقوں کے بیچ میں جالی دار کٹہرے کیا ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ قبر کے اوپر پتھر بھی جالی دار کٹھرے سے گھرا ہوا ہے۔

عمارت کا کوئی کتبہ نہیں ہے تاہم دوسرے مقامی کتبوں کے پتھر برآمدے کی دیوار پر کندہ کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً ۱۲۳۲ء ۶۲۹ھ کا کھاٹو کے تالاب والا کتبہ جو سلطان التمش کے عہد میں کھودا گیا۔ دوسرا کتبہ جو بابا اسحٰق مغربی شاہ کے ہی مقبرے کے برآمدے میں پڑا ہوا ہے وہ غیاث الدین بلبن کے عہد کا ہے جو کسی عمارت کی تعمیر کی خبر دیتا ہے ۱۲۶۸ء ۶۶۶ھ یہ دونوں کتبے ڈاکٹر ضیاء الدین دلیسائی نے عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۶۶ء کے صفحات ۷۔ ۱۵۔ ۱۳۔ ۱۲۔ پر ایڈٹ کیئے ہیں۔ اور ان کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

اکبر بادشاہ کے مشہور و معروف سفیر ایران میر محمد معصوم نامی کے بیٹے میر بزرگ کے دو کتبے ۱۵۹۹ء ۱۰۰۸ھ اور ۱۶۰۴ء ۱۰۱۳ھ کے شمالی دیوار کے باہر اور خود محمد معصوم بھکری کا کتبہ مورخہ ۱۶۰۱ء ۱۰۱۰ھ مقبرے کے دروازے پر کندہ کیے گئے ہیں۔

مہر داد شکوہی لندن مغربی شاہ کے مقبرے کو وسط راجستھان کی بہترین عمارتوں میں شمار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مربع شکل کے گنبدی مقبرے جو برآمدے گھرے ہوئے ہوں۔ ایسے مقبروں کا پندرھویں صدی میں گجرات میں دستور عام معمولی رہا ہے اور گجرات کے ایسے نمونوں میں حضرت شیخ احمد کھٹو کے مقبرہ سرکھیج کو پیش کرتے ہوئے تبصرہ کرتے ہیں کہ علاقہ ناگور کی گجراتی فن تعمیر سے متاثر عمارتوں میں بابا اسحٰق رح کے مقبرے پر گجراتی اثر اس کثرت سے نمایاں ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کھاٹو کی اس عمارت کی تعمیر کرنے والے گجراتی ٹھیکیدار ہی ہو سکتے ہیں۔ فقیر حقیر کاتب الحروف تارک ناگوری نے کھاٹو اور سرکھیج کے دونوں مقبروں کی زیارت کی ہے۔ اس کے علاوہ سیرۃ احمدیہ کے صفحات سے یہ بات مترشح ہوئی کہ بابا اسحٰق کی قبر تو اپنی کھودوائی تھی لیکن مقبرہ انکے خلیفہ شیخ احمد کھٹو کے توسط سے بنا جب وہ ظفر خاں بادشاہ کے زمانۂ حکومت میں ترک سکونت کر کے سرکھیج میں اقامت پذیر ہو گئے تھے اور گجرات کے سلاطین سے اُن کی خدمت میں گراں بہا فتوحات پیش ہوتی تھیں سیرت احمدیہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ہر سال درگاہ بابا اسحٰق مغربی رح کے اخراجات کے لئے سرکھیج ہی سے رقم کھاٹو آتی تھی۔ لہٰذا شکوہی کا یہ لکھنا کہ " کھاٹو کے مقبرے کی تعمیر اگر شیخ احمد کے ہاتھوں نہیں ہوئی تو گجراتی سرپرستی میں ضرور ہوئی ہے بعید از قیاس نہیں ہے (شکوہی: ناگور ص ۱۲)

درگاہ ثمن دیوان شاہ حضرت ثمن شاہ کھٹو رحمۃ اللہ علیہ کا سنہ وفات ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء ہے اُن کا مقبرہ خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ سنہ وفات ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء ہجری کے کتبے سے حاصل ہوا ہے لہٰذا مقبرے کی تعمیر کا ۱۳۹۹ء

کو ہی ماننا چاہیئے (ریپلٹڈ انسکرپشنز کتبہ نمبر ۱۰۵)

شاہ ثمن کا مقبرہ بھی مربع شکل کا ہے جس کے اُوپر گنبد ہے۔ مقبرے کے دروازے کا احاطہ کیے ہوئے میر محمد معصوم نامی کا ایک کتبہ ہے جب وہ ایران سے واپس ہو کر سنہ ۵-۱۶۰۴ میں دوبارہ آئے تھے۔ مقبرے کا گنبد ۱۶۵۱ء ۱۰۶۲ ہجری میں دوبارہ تعمیر ہوا ہے اور مسجد کی تجدید ۱۶۳۹ء ۱۰۴۹ھ میں ہوئی۔ ایسے دونوں کتبے محفوظ ہیں۔ (شکوہی: ناگور صـ ۲۲-۱۲۱)

تعمیرات لاڈنوں

لاڈنوں کا قدیم قصبہ ڈیڈوانہ سے ہانسی اور حصار فیروزہ جانے والے راستے پر ڈیڈوانہ سے تینتس[۳۳] کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ لاڈنوں کے ہمدانی سادات کے یہاں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی سسرال اور حضرت چاک پیراںؒ کی ننھیال رہ چکی ہے۔ اسی تیرھویں صدی کے چھ[۶] قبروں کے کتبے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو دی ریسرچر رسالہ صـ ۸۰-۹۸) علیٰ ہذا القیاس چودھویں صدی عیسوی کے تین[۳] کتبے تغلق سلطانوں کے عہد کے مل چکے ہیں اور ایک کتبہ ناگور کے خانزادے کا ہے (عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۲ء صـ ۶۳) مسجد جامع کا ۱۳۷۱ء ۷۷۲ھ کا کتبہ ڈاکٹر چغتائی کے انڈو ماسلیمیکا ۱۹۴۹/۵۰ء میں شائع کیا تھا (صـ ۱۹-۱۸) ۱۳۷۸ء ۷۸۰ھ کا ایک اور کتبہ خطیرہ والی مسجد کا ہے جس کو ڈاکٹر دیسائی نے ایڈٹ کیا ہے (عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۲ء صـ ۲۱-۲۳)

سلطان شہاب الدین غوری کی حکومت (۱۲۰۶ء = ۱۱۹۳ء) سے قبل لاڈنوں جینیوں کا مرکز رہ چکا ہے اور آج بھی ہے۔ لاڈنوں کا قدیم جین مندر شکوہی کے اندازے کے مطابق، لگ بھگ دسویں صدی تعمیر شدہ بقول اُن کے کوہ آبو کے نقشین مندروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ موجودہ وقت میں جینیوں کا ایک موقّر تحقیقی ادارہ لاڈنوں میں مفید کام کر رہا ہے۔

لاڈنوں کے انتظامی معاملات شروع زمانۂ سلطنت سے دہلی کے زیر نگیں رہتے آئے مگر سلطان فیروز شاہ کے عہد میں، جب حصار فیروزہ کا نیا اقطاع قائم ہوا تو لاڈنوں کو اُس سے ملحق کر دیا گیا۔ جس کا تواریخی ثبوت شکوہی نے مہیا کیا ہے۔ (شکوہی: ناگور ص ۲۴-۱۲۳)

لاڈنوں کے چھوٹے سے قلعے میں خان زادے فیروز خاں دوئم کے زمانے میں دستیاب شدہ کتبے کے مطابق پھاٹک اور دیواروں کے تجدید کا پتہ چلتا ہے جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ قلعہ کی عمارت پندرھویں صدی کے قبل کی ہوگی۔ قلعے کے باہر ایک کھلے میدان میں پرانی مسجد جامع کے آثار ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس قصبے کی بستی کے اندر دوسری مسجد خطیرے والی مسجد کے نام سے معروف ہے کیونکہ اسی سے ملحق ایک مقبرہ خطیرہ والی درگاہ کے نام سے واقع ہے قصبے کی جنوبی سمت میں پرانا قبرستان ہے جہاں کے چند کتبوں کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے قبرستان کے پاس ہی بڑی باولی، ہے اور وہاں سے کافی دوری پر عیدگاہ ہے جو عہد مغلیہ کی یادگار کہی جاتی ہے۔

لاڈنوں کے خاندان سادات ہمدانی کی اولاد واحفاد ابھی ماشاءاللہ

شادو آباد ہے۔ اور قاضی فضیل احمد ہمدانی جو صوفی صاحبؒ کے سسر ہوئے ہیں جن کے ساتھ اپنا حسب ونسب جوڑتی ہے۔ فقیر حقیر کاتب التحریر تارک ناگوری سجادہ نشین صوفی حمید الدین رح اس خاندان کے موجودہ اہل خاندان سے رابطہ کر چکا ہے اور حضرتِ دادی صاحبہ خدیجۃ النساء شریک حیات صوفی صاحب رح کے حجرے کی زیارت کر چکا ہے۔ جس میں آپ رہتی تھیں بالکل خستہ حالت میں ہے۔ مگر اُن کے شجرے سے تیرہویں چودھویں صدیوں کے حالات معلوم شدہ کے علاوہ معلوم نہ ہو سکے نہ ہی کوئی شجرۂ انساب کے علاوہ کوئی قلمی کتاب دستیاب ہوئی جو کچھ سرور الصدور میں ملتا ہے وہ فقیر کتاب کے حصہ اول میں پیش کر چکا ہے۔

جامع مسجد لاڈنوں: لاڈنوں کی جامع مسجد کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ منہدم شدہ عمارت کی سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مرمت ہوئی ہے اسکے معنیٰ یہ ہوئے کہ یہ مسجد لاڈنوں کی عمارتوں میں کافی پرانی عمارت مانی جانی چاہیئے مسجد کا کتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے شاید پہلی بار انڈو ماسلیمیکا ۱۹۴۹-۵۰ء میں شائع کیا تھا (ص ۱۸-۱۹) جس میں گورنر کے نام کے ساتھ دیلان سلطان پڑھا جبکہ ڈاکٹر دیسائی اسکو دبلان سلطان پڑھتے ہیں اور دبلان سلطانی کا عہدہ سقہ بک پڑھا گیا ہے۔ یہ کتبہ جامع مسجد میں نہ ہوکر درگاہ اُمراؤ شاہ غازی کی دیوار پر چسپاں ہے۔ کتبے کی عبارت کا ترجمہ پیش ہے۔

(۱) جامع مسجد خراب ہونے کے بعد (بہ تجدید) تعمیر ہوئی سلطان الزماں الواثق بتائید الرحمان (۲) ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان کے عہد میں، ملک ملوک الشرق سقہ بک خاص دبلان سلطانی کے زیر حکومت۔ (۳) ملک الشرک شمس الدولۃ

فیروز دھانسوری ۱۳۷۱ء ۷۷۲ھ (انڈو ماسیلیمیکا ۵۰-۱۹۴۹ صہ ۱۹ والدین الیاس دبلان کی نیابت کے دوران بغرلیش سپہ سالار معظم محمد۔ (۴)
ریسرچر صہ ۱۰۰)

دیسائی صاحب نے الیاس دبلان میں اضافت اِبنی پڑھکر الیاس کو دبلانی سلطانی کا فرزند قرار دیا ہے مگر ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ دبلانی سلطانی نئے قائم شدہ اقطاع حصار فیروزہ کا حاکم تھا۔ اس راز کا انکشاف تب ہوا جب کہ شکوہی صاحب لندن نے حصار فیروزہ پر کتاب لکھی
(فٹ نوٹ صہ ۹ - ۱۲۵ بحوالہ ناگور ہسٹری صہ ۱۴۴)

خطیرہ والی مسجد | خطیرہ والی مسجد، کو خلجی مسجد بھی کہتے ہیں شاید اس لئے کہ مسجد کے تعمیر کرانے والے کا نام علاء الدین کتبے میں درج ہوا ہے لہذا یہ غلط العوام ہے۔ صحیح نام "خطیرہ والی مسجد" ہی ہونا چاہیئے۔

کتبہ جو دستیاب ہوا ہے وہ عہد فیروز شاہ تغلق کا مورخہ ۱۳۷۸ء ۷۸۰ھ کا ہے۔ مسجد کی نقاشی دار کاریگری کے پتھر کا معاینہ کر کے ماہرین نے یہ اظہار فرمایا ہے کہ یہ پتھر لاڈنوں کی پرانی عمارتوں کے ہیں جس کے لئے لاڈنوں قدیم کا فنِ تعمیر مشہور رہے۔

فن سنگ تراشی کے علاوہ یہ مسجد اپنے بنانے والے علاء الدین مبارک عرف جے سنگھ بن بھوجا موہل مقدم لاڈنوں، مرید حضرت جہانیاں جہاں گشت رح کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی مختصر تفصیل میں ڈاکٹر دیسائی کے اداراتی تبصرے سے اخذ کرتا ہوں جو انہوں نے کتبے کے اوپر عالمانہ محققانہ انداز میں لکھا ہے۔ (عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۲ء صہ ۲۴ - ۳۱)

اس مسجد کو خطیرہ والی مسجد اس لئے کہتے ہیں کہ خطیرہ نامی مقبرے سے ملحق ہے۔ علاؤالدین مبارک کی شخصیت کا سُراغ مرقاۃ الوصول (ترجمہ سیرت احمدیہ) سے لگا کیونکہ حضرت شیخ احمد کھٹو اکثر کبھی اپنے سرپرست اور پیر و مرشد بابا اسحٰق مغربی کے ساتھ اور کبھی یکہ و تنہا لاڈنوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ جے سنگھ کو مقامی طور پر راؤ جے سنگھ اور موہل کا تلفظ موئل کیا جاتا ہے۔

چوہان راجپوتوں کی شاخ مُوہل اس لئے کہلاتی ہے کہ ان کے جدّ اعلیٰ کا نام مُوہل تھا۔ گووند اگروال کی کتاب چورو منڈل کا شودھ پورن اتہاس کی روشنی میں دیسائی آگے لکھتے ہیں کہ جودھپور کے راٹھوڑوں نے وکرمی سمبت ۱۵۳۱ = ۱۴۷۴ء میں چھاپر دردن پور موجودہ گور پال پور فتح کر لیا تھا لیکن لاڈنوں کا پرگنہ اچھوتا رہا اور موہل چوہان برسراقتدار رہتے آئے یہ پورا علاقہ کھیاتوں میں موہل واٹی کے نام سے درج ہوا ہے۔ وکرم سمبت ۱۴۴۴ = ۱۳۸۷ء کے ایک تام پتر کے مطابق راؤ جے سنگھ نے کچھ اراضی ایک بادفروش کو عطا کی تھی۔ یہی راؤ جے سنگھ مسجد کا عامر ہے جسکو مرقاۃ کے مخطوطے میں "نومسلم" کہا گیا ہے۔ مولابخش موہل کی غیر مطبوعہ "موہلوں کی کھیات" سے اخذ کر کے گووند اگروال خبر دیتے ہیں کہ راؤ جے سنگھ کی بارہ[۱۲] ہندو بیویاں اور تیرھویں جوہیانی مسلم بیوی تھی (جوھیا راجپوت بھی مثل موہلوں کے اسلام قبول کر چکے تھے۔) اس جوھیانی (مسلم) بیوی سے جو اولاد ہوئی وہ مسلم موہل کہلاتے ہیں اور لاڈنوں میں انکی اچھی خاصی تعداد سکونت پذیر ہے۔ کتبے میں جے سنگھ کی ولدیت بھوجا موہل سے معلوم ہوتا ہے کہ راؤ سنگھ پہلا فرد ہے جو اپنی برادری میں مشرّف باسلام ہوا۔ مولابخش کے بیان کے مطابق دردن پور (ضلع چورو) کے اڑک مل مُوہل نے لادنوں کا پرگنہ گرُدیزی مسلموں سے چھینا تھا۔ اس کا بیٹا بھوج راج (بھوجا) ہوا اور بھوجا کا بیٹا جے سنگھ جس نے لاڈنوں میں راؤ تالاب، راؤ دروازہ

راڈکنواں کے علاوہ لاڈنوں کے شیوا ور ہنومان مناردں کی تعمیر کی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اب، علاءالدین مبارک (سابق جے سنگھ) نے ۱۳۷۸ء = ۸۰ ۷ھ میں مسجد تعمیر کرنے کا شرف حاصل کیا اور مسجد کے بالکل قرب میں چھوٹے سے گنبدی مقبرے کے نیچے آسودۂ خاک ہیں۔ مسجد تو خستہ حالت میں ہے مگر یہی مقبرہ جسکو عرف عام میں خطیرہ کہتے ہیں لگ بھگ اچھوتا اچھی حالت میں ہے جس پر ماہرین فن تعمیر کا تبصرہ اس موضوع کے بعد پیش کرونگا۔ مسجد کے کتبے سے اور بھی ایک اہم بات حاصل ہوتی ہے یعنی فیروز شاہ السلطان کے عہد میں اُس وقت جو حاکم برسر حکومت تھا وہ اختیار الدین چو پان عثمان ہے جس کی ایالت میں " بندہ علاءالدین مبارک عرف جے سنگھ بن بموجا موہل نے سنہ ثمانین سو استی ہجری (۷۸۰ء) دسؔ شعبان کی تاریخ میں مسجد تعمیر کی "۔ ملک اختیار الدین چو پان بن عثمان اور علاءالدین مبارک دونوں ہی کا تذکرہ دہلی کے تواریخی ماخذوں (تاریخ فیروز شاہ برنی و عفیف دونوں کے صفحات سے ایسا غائب ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور عصر حاضر کے مؤرخین نے تو گویا قسم کھالی ہے کہ راجستھان کے فارسی کتبوں سے استفادہ نہیں کریں گے۔

حسن اتفاق سے ان دونوں شخصیتوں کا تعارف مجھکو مرآۃ (۵۷-۱۴۵۶ء / ۸۶۱ھ) سے حاصل ہوتا ہے جس کا تذکرہ میں کھاٹو کے مغربی صوفیوں کے ضمن میں کرچکا ہوں۔ افسوس ہے کہ صوفیائے کرام کے ملفوظات بھی ہمارے مؤرخین کے مطالعے میں نہیں ہے۔ الا ماشاءاللہ۔ جب کہ ثقافتی اور سماجی تواریخ پر ملفوظات کے سوا ضابطے کی تاریخیں اس موضوع سے یکسر خالی ہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر دیسائی کا دوسرا مقالہ " لاڈنوں کے موہلوں پر فرش لائٹ (تازہ روشنی) " کے نام سے ڈاکٹر ستیہ پرکاش فیلی سٹشن و الیوم (مبارکبادی کی کتاب) نئی دلی ۱۹۷۱ء حصہ دوم ص۲۶-۱۲۲

کی زینت بنا ہوا ہے۔ مگر وہ ہماری پہونچ سے باہر رہا۔ لہٰذا فقیر سیرتِ احمدیہ کے مضامین پر اکتفار کرتا ہے:۔

شیخ احمد کھٹوی رہ اپنے ایک سفر کے دوران ملک چوپان سے ناگور میں ملے تھے جس وقت کہ بابا اسحٰق رح حین حیات تھے (وفات سنہ ۱۳۷۴ء سنہ ۷۷۶ھ) اس وقت ملک چوپان کو کسی جنگ یا مہم کے دوران کافی غنیمت کا مال ہاتھ آیا جس میں سے حضرت شیخ احمد کو اُس نے چار چُننده گائیں تحفے میں دی تھیں جنکو انھوں نے ملک گوتان کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ ملک چوپان سنہ ۱۳۷۴ء سے قبل ناگور میں موجود تھا۔ یہ بھی منکشف ہوا کہ اقطاع ناگور تعمیر اجمیر کی ماتحتی کے، علیحدہ طور پر ملک کی زیر حکم رانی تھا جب کہ بڑی کھاٹو کے ۱۳۳۳ء والے کتبے سے ظاہر ہے کہ محمد بن تغلق کے زمانے میں اقطاع اجمیر میں شامل تھا۔ البتہ خانزادگان ناگور کے عہد میں کھاٹو کو علیحدہ اقطاع کی حیثیت حاصل تھی جس وقت سنہ ۸۹-۱۳۸۸ء میں شیخ احمد کھاٹو رح نے حرمین شریفین کے ارادے سے ناگور کا سفر کیا تو اس وقت ملک قطب الدین نجم ناگور کے مقطاع کے عہدے پر فائز تھا۔ اس وقت حضرت احمد ناگور میں جس کارواں سرائے میں ٹھہرے تھے وہ چوپان کے نام سے سرائے ملک چوپان کر کے مشہور تھی۔ (سیرت احمدیہ صہ ۲۰۸)

علاء الدین مبارک سے متعلق شیخ احمد رح کا بیان ہے کہ ایک بار جب اُنہوں نے بابا اسحٰق کی معیشت میں لاڈنوں کا سفر کیا تو ملک علاء الدین نومسلم نے جس کا سابق نام جے سنگھ تھا اور جو قصبے کا مقدّم تھا (سیرت احمدیہ صہ ۲۰۶) بابا کو کچھ نذر پیش کی تو بابا اسحٰق نے اس نذر کے ذریعہ مالیدہ تیار کراکر قصبے کے تمام مسلم آبادی کی ضیافت کی۔ اُس وقت لاڈنوں کا حاکم قاضی ترک تھا جیسا کہ سیرت احمدیہ ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ (سیرت احمدیہ صہ ۲۰۶)

آخر میں ڈاکٹر دیسائی مؤرخین ہند کو اس مسئلے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ چودھویں[14] صدی کے نصف آخر میں مغربی ہند کے حکمران خاندانوں میں اسلام کی اشاعت کی مثالیں کئی ایک ہیں. جنھوں نے آزاد ریاستیں قائم کیں مثلاً میوات اور ناگور کے خانزادے اور سلاطین گجرات۔ اسکی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ فقیر حقیر کاتب الحروف کی رائے میں فتحپور جھنجھنوں کے قیام خانی بھی اس زمرے میں شامل کیے جائیں جو کرم چند، کھیچی چوہان کی اولاد و احفاد میں ہیں جس کا عرف قیام خان تھا۔ یہ سب کے سب خاندان سلطان فیروزشاہ تغلق ہی کے عہد میں اُبھر کر مالک تخت و تاج ہوئے۔

خطیرہ خطیرہ والی مسجد کی جنوبی جانب گلی کے پار ایک چھوٹی سی گنبدی چھتری کو خطیرہ کہا جاتا ہے جو دراصل مسجد کے عامر کا مقبرہ ہے مربع شکل کا جوبارہ کھنبھوں پر قائم ہے گجرات کے عصری طرز تعمیر پر جس کا گنبد اوپر جاکر ہشت پہلو ہو جاتا ہے. کھنبھوں کے اوپر لینٹل (lintel) پر بوٹے کی بیلوں اور اُلیدی ڈھانچے نما نقاشی سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مسجد کا اصلی طرز یہی رہا ہوگا جس کا جوڑ یہ خطیرہ ہے مقامی روایت ہے کہ گنبد کے اندر جو تین قبریں ہیں اُن میں بیچ والی قبر راؤ جے سنگھ کی ہے. مشرقی جانب کی قبر اُس کی اہلیہ جوئی یانی کی۔ اور مغربی جانب کی چھوٹی قبر اُس کے بھانجے کی ہے۔ درمیانی قبر کے پائین بالکل نیچے کی طرف کتبہ ہے جو نہایت دھندلا ہونے کے علاوہ اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے پڑھا نہیں جاسکا۔ اُس کا متن مقامی خط نسخ میں چودھویں[14] صدی کے طرز پر ہے علیٰ ہذا القیاس چھتری بھی چودھویں صدی کے گجراتی طرز پر اٹھائی گئی ہے

(دیسائی عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۲ء ص۲۷، شکوہی صاحب ناگور ص۱۴۵)

قلعہ و قصبہ لاڈنوں کا قلعہ چھوٹا مگر عمدہ تعمیر ہے۔ قصبے کی فصیل اور

دروازے مسمار ہو کر غائب ہیں لیکن قلعہ اپنی جگہ پر قائم ہے بمع حصار د برجوں کے۔ قلعہ کا کتبہ خانزادہ فیروز خاں دوئم کے زمانے کا ہے۔ جو حصار کی مرمت کی خبر دیتا ہے ساتھ ہی قصبے کے دروازے کی تجدید ہوئی۔ یہ کتبہ غالباً سب سے پہلے ڈاکٹر چغتائی انڈو ماسلیمیکا ۵۰-۱۹۴۹ء کے صفحات ۲۱-۲۲ پر شائع کیا گیا۔ مگر نہ تو متن صاف طور پڑھا جا سکتا تھا اور نہ ہی سن کتابت لہذا چغتائی کا اداراتی تبصرہ ناقص ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر دلیسائی صاحب کتبے کی تاریخ آٹھ سو نواسی ۸۸۹ کو جو چغتائی نے درج کی ہے۔ آٹھ سو ستاسی ۸۸۷ پڑھتے ہیں ۱۹۸۶ء میں اس کتبے کا فوٹو شائع ہونے کے بعد ڈاکٹر شکوہی اسی تاریخ کو آٹھ سو چوہتر ۸۷۴ھ چودہ سو انہتر ۱۴۶۹ء فوٹو کو سامنے رکھکر قرار دیتے ہیں۔ (تتمہ III صفحہ ۱۷۷ ناگور کی تاریخ انگریزی اشاعت ۱۹۹۳ء) جو فیروز خاں کی تخت نشینی کا سال اوّل ہے۔ اس کتبے کی خاص بات ہمارے لئے فیروز خاں دوئم (۹۸-۱۴۷۰) کے عہد میں لاڈنوں کے مقطاع و فوج دار کا نام ملک الشرق ابراہیم حسین خاں کشلو خانی ہے۔ (جو آباو اجداد سے اس میں کارفرما ہے۔) یہ مطالعہ ڈاکٹر دلیسائی کا ہے (ری ریسرچر ۱۷-۱۹۷۰ء کتبہ ۳۱۹ صفحہ ۱۰۱)

ناگور کا خانزادہ زندانی خاندان

فقیر حقیر تارک ناگوری ناظرین کو یاد دلانا چاہتا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے سے ناگور الغ خاں بلبن کی جاگیر میں رہا (66-1255) تک سلطان ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد جب ۱۲۶۶ء ۶۶۵ھ میں الغ خاں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت نشین ہوا، اسوقت سے لیکر ۱۲۸۷ء ۶۸۶ھ میں اسکی وفات تک ناگور کا حاکم کون رہا اس مضمون پر مؤرخین خاموش ہیں۔

البتہ سلطان بلبن کے ناگوری سکے کا ذکر فقیر کر چکا ہے جسکی نشاندہی ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کرتے ہیں۔

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں ناگور کی حکومت ملک تلبغہ کی نگرانی میں رہی ۱۳۰۵ء، ۷۰۵ھ میں محمد ترتاق اور علی بیگ مغل ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ انکی فوج کی ایک ٹکڑی نے ناگور پر حملہ کر کے تاخت و تاراج کیا تو سلطان نے ملک کافور اور ملک تغلق کو ایک بڑی لشکر کے ساتھ بھیجا گھمسان کی لڑائی کے بعد شاہی لشکر نے مغلوں کو شکست دی اور محمد ترتاق و علی بیگ کو گرفتار کر کے دہلی لے گئے۔ دوسرے سال ۱۳۰۶ء، ۷۰۶ھ میں کپک اور اقبال مند کے زیر کمان مغل فوج پھر آدھمکی اور اقبال مند ناگور پر حاوی ہو گیا علیٰ ہذا القیاس دلی سے شاہی فوج ملک کافور، ملک تغلق، ملک عین الملک۔ عالم خان کی کمان میں آئی اور گھمسان کی لڑائی کے بعد مغل سردار کپک کو قید کر لیا۔ اس کے بعد دلی کی فوج ناگور کی طرف بڑھی اور جو مغل فوج ناگور پر قابض تھی اس کو بُری طرح شکست دی۔ بھاگتی ہوئی مغل فوج کو غارت کیا۔ بڑی تعداد میں مغل بمع اقبال مند کے گرفتار ہوئے۔ کپک اور اقبال مند دونوں کو دلی لے جا کر ہاتھی کے پیروں تلے کچلوا دیا گیا۔ اس طرح ناگور کے باشندوں کو مغلوں کی آفت سے نجات ملی تلبغہ ہی حسب سابق ناگور کا حاکم رہا اور علاء الدین خلجی کے جانشین قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں بھی اپنے عہدے پر قائم رہا۔ ۱۳۱۸ء، ۷۱۸ھ میں دیوگیر میں ملک یک لکھی کی بغاوت فرو کرنے میں ملک تلبغہ نے اچھا کام کیا۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ اور خسرو خاں پرداری کے بعد جب دلی کا اختیار تغلقوں کے ہاتھ میں آیا تو ناگور میں سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے زمانے کے کتبوں سے ناگور پر تغلق شاہ کے اقتدار

کا ثبوت ملتا ہے تغلق شاہ کے بعد اسکے بیٹے سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ناگور کی حکومت اعظم مُلک کے ہاتھوں میں رہی۔ ۷۴۶ھ ۱۳۴۵ء میں محمد تغلق نے جب گجرات کی طرف کوچ کیا تو ناگور ہی کے راستے سے گیا تھا۔ اُس کو ناگور کی منزل میں اپنی فوج کے ساتھ کسی اُجاڑ مقام پر غلے اور چارے کی کمی کی وجہ سے دو ماہ تک ٹھہرنا پڑا۔ اُس نے حاکم ناگور اعظم مُلک کو بھروچ کے قلعہ دار مُلک عالم کے غلام قمر کے پاس ایک ضروری پیغام لیکر بھیجا تھا جسکا اندراج عصامی نے فتوح السلاطین فارسی منظوم میں کیا ہے۔[۱]

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ڈیڈوانہ، لاڈنوں اور ناگور خاص کے کتبوں کا حوالہ فقیر حقیر، حضرت شیخ احمد کھٹوؒ کے باب میں دے چکا ہے ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ اُن کتبوں کے علاوہ لاڈنوں کے کتبے اور بھی ہیں۔ ایک ۷۷۳ھ ۱۳۷۱ء کا ہے جس سے لاڈنوں کے حاکم کا نام مُلک ملوک الشرق سعد بِک خاص دبلان سلطانی اور نائب کا نام مُلک الشرق شمس الدین الیاس، جو دبالان کا فرزند تھا، یہ دو نام حاصل ہوتے ہیں۔ اب میں پھر ناظرین کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت بابو اسحاقؒ اور اُن کے لے پالک شیخ احمد کھٹوؒ کے تعلقات سلطان فیروز شاہ تغلق اور سلطان کے سالے وجیہہ الملک سدھارن کے بیٹے اعظم ہمایوں ظفر خاں سے کتنے خوشگوار تھے جس کا اندراج مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول نامی ملفوظ کے سوا کہیں اور نہیں ملتا اور جس کی تفصیلات فقیر مرقاۃ کے اردو ترجمے سیرۃ احمدیہ سے پیش کر چکا ہے۔ اب میں اُس زمانے کی طرف رجوع کرتا ہوں جب سلطان فیروز کے جانشیں تغلق شاہ دوئم کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق دوئم دہلی کا حکمراں ہوا۔ اس نے گجرات کے مقطع نظام مُفرح الخاطب

---

[۱] ہسٹری آف ناگور (ہندی) مقالہ از ڈاکٹر محمد حلیم صدیقی الٰہ آباد ۱۹۸۱ء ص ۵۷ — ۶۳

بہ راستی خاں کی بغاوت کے کارن اعظم ہمایوں ظفر خاں بن وجیہہ الملک سدھارن کو دلّی سے بھیجا کہ گجرات جاکر راستی خاں کو سزا دے ۔ ۱۳۹۱ء / ۷۹۴ھ میں فقیر حقیر حضرت شیخ احمد کھٹوؒ کے سفرِ حج ۸۹ - ۱۳۸۸ء کے موقع پر راستی خاں کی شناخت کروایا ہے کہ اُس نے شیخ رح کو نذر دی تھی اور حج سے واپسی پر شیخ نے ظفر خاں کو گجرات کا گورنر پایا تھا ۔ بہرکیف ۔ ظفر خاں گجرات جاتے ہوئے خطۂ ناگور سے گذرا تو وہاں کے پناہ گزینوں سے راستی خاں کے ظلم کی فریاد ظفر خاں سے کی کیونکہ اُس وقت ۱۳۸۹ء / ۷۹۲ھ سے یا اس سے قبل ناگور بمع جالور گجرات کے ساتھ ملحق ہوچکا تھا ۔ ظفر خاں ناگور سے آگے بڑھکر گجرات کی راجدھانی نہروالا پٹن پہونچا ۔ پہلے تو ظفر خاں نے راستی خاں کو فہمائش کی لیکن راستی خاں جنگ کے ارادے سے پٹن کی طرف بڑھا ۔ پٹن کے باہر بارہ میل پر لڑائی کی نوبت آئی جس میں راستی خاں مارا گیا اور ظفر خاں نے پٹن لوٹ کر ناگور سمیت پرگنوں میں اپنے گماشتے مقرر کر دیئے ۱۳۹۲ء / ۷۹۵ھ اس وقت چونکہ دلّی کے سلطانوں کی طاقت کو زوال ہو رہا تھا ظفر خاں کے حوصلے بڑھے ۔ [1]

اور جیسے ہی دو سال بعد ۱۳۹۴ء / ۷۹۶ھ سلطان محمد شاہ تغلق دوم کی وفات ہوئی ظفر خاں کو خود مختاری کا موقع ہاتھ لگ گیا اُس نے ناگور پر اپنی گرفت مضبوط کی اور جلال خاں کھوکھر کو اپنی طرف سے ناگور کا حاکم مقرر کردیا ۔ جلال خاں کا ۸۰۰ھ تک ناگور کی حکومت پر برقرار رہنا پایا جاتا ہے ۔ اس افراتفری کے زمانے میں کہا نہیں جاسکتا کہ خطۂ ناگور کے مشرقی پرگنوں

---

[1] یہ حالات مرأۃ سکندری سے لئے گئے ہیں (حلیم صدیقی : ہسٹری آو ناگور ص ۶۶ - ۶۷ اس وقت کے گجرات اور ناگور کے لئے مرأۃ سکندری ہی میرا ایک وتنہا عصری ماخذ ہے کہیں کہیں تاریخ مبارک شاہی سے بھی مدد بل جاتی ہے ۔

پر جلال خاں کھوکھر کا اقتدار قائم ہوگیا تھا یا نہیں کیونکہ طبقاتِ اکبری حصہ سوم ص۸۶ کے بیان کے مطابق ظفر خاں جب اجمیر کی زیارت سے واپس ہوا تو سانبھر اور ڈیڈوانہ پر فوج کشی کی تھی ۹۶-۱۳۹۵ء میں اس کے بعد دار السلطنت دہلی پر تیمور کے حملے کا حادثہ پیش آتا ہے۔ مگر منڈور کے پریہاروں اور راؤ چونڈا کی بغاوت فرد کرنے کی مشغولی سے ظفر خاں کو کب فرصت مل سکتی تھی کہ اہلِ دہلی کی مدد کو پہونچتا، جیساکہ شیخ احمد کھٹو رح کے سوال پر ظفر خاں نے عرض کیا تھا (سیر احمدیہ ص۳۳) بہرکیف تیمور کے ٹڈی دل فوج نے جی بھر کر دہلی کو لوٹا۔ اور غارت کیا۔ جب کہ ظفر خاں کا بیٹا تاتار خاں اور ملّو اقبال خاں خود آپس میں ایک دوسرے کی رقابت میں گرفتار تھے۔

سیر احمدیہ سے صرف اتنا پتہ لگتا ہے کہ تیمور کے حملے نے راؤ چونڈا کو ناگور کا محاصرہ کرنے کا موقع عطا کیا حالانکہ کھیاتوں میں سب سے قابلِ اعتبار نینسی کی کھیات کا دعویٰ ہے اور دیگر کھیاتیں بھی نینسی کی ہمنوا ہیں کہ سنہ ۱۳۹۹ء / ۸۰۲ھ میں راؤ چونڈا کا قبضہ ہوگیا مگر فارسی کی تواریخوں میں سے کسی نے راؤ چونڈا کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد دیسائی بھی اس سے زیادہ نہیں مانتے کہ چونڈا نے ناگور کے قلعہ پر گھیرا ڈالا۔ ٹاڈ راجستھان میں جے سلمیر کی کھیات سے یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ جے سلمیر کے تین راجکماروں نے اسلام قبول کر کے ملتان کا حاکم خضر خاں کی مدد حاصل کی اور راج کمار کیلن کی بیٹی کو چونڈا کے ساتھ بیاہنا قبول کر کے دغابازی سے چونڈا کو ناگور کے دہلی گیٹ پر مارنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس واقعہ کی تاریخ جے سلمیر کھیات میں سنہ ۱۴۰۶ء / ۸۰۹ھ دی گئی ہے۔ یہ پورا بیان ایک افسانے سے زیادہ کی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جلال خاں کھوکھر بلا شرکت

غیرے ناگور قلعہ پر قابض رہا۔ ڈاکٹر اوجھا بھی کھیاتوں کے بیانات پر یقین نہیں کرتے۔ (راجپوتانہ کا اتہاس ا۔ IV صـ ۱۲۔ ۲۱۰)

راجپوتی بغاوت کے علاوہ اب خود ظفر خاں اور تاتار خاں، باپ بیٹوں میں اَن بَن شروع ہوئی تاتار خاں نے دہلی سے گجرات آکر والد کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دہلی پر فوج کشی کر کے دارالسلطنت ہند پر قبضہ کرنا چاہیئے جب اس تجویز کی تائید ظفر خاں نے نہیں کی تو بیٹے نے باپ کو قید کر کے اپنے چچا شمس خاں ناگوری کو اپنا وزیر بنایا اور فوج لیکر دہلی کے ارادے سے کوچ کیا لیکن راستے ہی میں اسکی موت واقع ہو گئی۔ گجرات کی تواریخوں کا بیان ہیکہ شمس خاں دندانی نے تاتار خاں المخاطب بہ ناصر الدین محمد شاہ کو زہر دے کر مار دیا، مگر حضرت شیخ احمد کھٹو یؒ اس وقت سرکھیج میں موجود تھے۔ اُن کا بیان جو مولانا محمد ابوالقاسم نے مرقاۃ میں نقل کیا ہے اس میں صرف اتنا لکھا ہیکہ تاتار خاں شراب کی زیادتی کی وجہ سے جاں بحق تسلیم ہوا۔ زہر دہانی کا کوئی ذکر شیخ احمد کھٹو کے بیان میں نہیں ہے۔ تاتار خاں کی وفات کی تاریخ سنہ ۱۴۰۴ء مطابق ۸۰۷ھ ہے۔

اب تاتار خاں کے مرجانے کے بعد ظفر خاں قید سے باہر نکل کر دوسری بار تخت نشین ہوا اور مظفر شاہ کا لقب اختیار کیا اُس نے ناگور کی حکومت پر اپنے بھائی شمس خاں دندانی کو بٹھانے کیلئے جلال خاں کھوکھر کو ناگور کی حکومت سے ہٹا دیا۔

شمس خاں دندانی گجراتی ۱۴۰۴-۱۸ء

ناظرین کرام ! خانزادگان ناگور کے حالات لکھنے کے لئے مجھکو دُو تین صفحے سیاہ کرنے پڑے تاکہ دہلی اور گجرات کا پورا پس منظر ہمارے سامنے آجائے عصری حالات ذہن نشین کرنے کے بعد ہی خان زادوں کی سیاسی حیثیت سمجھی جاسکے گی کیونکہ ان کا تعلق دہلی اور گجرات سے تھا۔ دہلی آنے سے قبل یہ تھانیسر نیر کے پاس کسی گاؤں میں سکونت پذیر تھے۔ سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں اسکا چچا زاد بھائی فیروز بن رجب تھانیسر کے پاس شکار کھیل رہا تھا وہاں ایک ٹنک قوم کے راجپوت سدھارن نامی نے فیروز شاہ کی دلجوئی کی اور اپنی بہن اسکو بیاہ دی۔ جب محمد بن تغلق کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے تخت سلطانی کے لئے قرعۂ انتخاب فیروز شاہ پر پڑا، اور فیروز، سلطان فیروز شاہ تغلق کے نام پر سرِ حکومت آیا تو اُس نے راجپوت سدھارن ٹنک کے سلوک کو یاد کرکے اپنا قرب عطا کیا۔ سدھارن کو وجیہہ الملک کا خطاب فرماکر پہلے ہی محمد تغلق نے شراب داری کا عہدہ عطا کر دیا تھا۔ اب وجیہہ الملک کے دُو بیٹے ظفر خاں اور شمس خاں دہلی میں سن بلوغ کو پہونچے تو ان کو بھی فیروز شاہ کے عہد میں شراب داری کی ذمہ داری سے سرفراز کر دیا گیا۔ ٹنک راجپوتوں کی تغلق ترکوں کے ساتھ رشتہ داری نے بھی اپنا کام کیا اور اُن لوگوں کی اپنی کارگذاری کی بدولت دہلی دربار میں ظفر خاں کو صاحب اعتبار کا درجہ حاصل ہوا سلطان محمد تغلق دوئم نے اسے راستی خاں باغی کے خلاف گجرات بھیجا جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ راستی خاں کے ظلم سے گجرات کو چھٹکارا سنہ ۱۳۹۲ء/۱۳۹۵ء

میں دلانے کے وقت سے لیکر ظفرخاں نے گجرات کو نہیں چھوڑا۔ تاتارخاں کے مرنے کے
بعد کہا جاتا ہے کہ ظفرخاں نے اپنے چھوٹے بھائی شمس خاں کو گجرات کی حکومت
پیش کی کہ خود خانہ نشینی اختیار کرے گا لیکن شمس خاں دندانی نے ایسی جسارت نہیں
کی کہ بڑے بھائی کی ریاست پر خود متمکن ہو جائے لہذا ظفرخاں نے جلال خاں کھوکھر
کی جگہ نہ صرف اس لئے تجویز کی بلکہ لگ بھگ خود مختار حکمراں کی حیثیت سے شمس خاں
کو ناگو بھیجا۔ فرق یہ تھا کہ گجرات کے حکمراں، سلطان اور ناگور کے حکمراں، خان
کہلائے۔ اس لئے شمس خاں دندانی ناگوری کے بعد جتنے حکمراں ناگور کے تخت پر بیٹھے
خانزادے کہے جاتے رہے۔ شمس خاں کو دندانی اسلئے کہا جاتا ہے کہ آگے کے کئی دانت
اس کے بڑھے ہوئے تھے۔ ناگور میں شمس خاں دندانی کا عہد حکومت ۱۴۰۰ء
۸۰۰ھ سے شروع ہوتا ہے جس وقت کہ تاتارخاں کی وفات کے بعد ظفرخاں
دوبارہ سلطان مظفرشاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ شروع کے کئی سالوں میں
شمس خاں اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے میں لگا رہا۔ اسی درمیان مظفرخاں
کی وفات کے بعد احمد خاں بن تاتارخاں اس کا پوتا نہر والا پٹن کے تخت پر بیٹھا۔
اور سلطان احمد شاہ کہلایا۔ اسی احمد شاہ نے رتنادل نامی گاؤں میں نئے دارالسلطنت
کی بنیاد رکھکر احمد آباد کا شہر بسایا تھا اور راجدھانی پٹن سے اٹھ کر احمد آباد آگئی تھی

سن ۱۴۱۱ء / ۸۱۴ھ میں گجرات کے شاہزادے سلطان احمد شاہ سے باغی
ہوکر اپنے چچا شمس خاں کے پاس ناگور میں پناہ گزیں ہوئے جس کا تفصیل وار بیان
مرأۃ سکندری فارسی مطبوعہ قدیم میں دیا ہوا ہے۔ ان شاہزادوں میں دو شمس
خاں کے بھتیجے تھے: شیخ ملک عرف مستی خاں اور مودود۔ شیخ ملک سورت کا حاکم
تھا اور مظفرشاہ کا بیٹا اور مودود بن فیروز خاں مظفرشاہ کا پوتا جو بڑودہ کا حاکم تھا
یہ دونوں ایڈر کے راجا سے مل گئے تھے۔ مگر جب ایڈر والے نے دغابازی کی تو

بھاگ کر ناگور چلے آئے جہاں شمس خاں نے اُن کا سواگت کیا اور گجرات کے ان باغیوں کو احمد شاہ کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا یہ واقعہ احمد شاہ کی ناراضگی کا باعث ہوا تو ۱۴۱۶ء ر ۸۱۹ھ میں احمد شاہ نے ناگور پر حملہ کر دیا۔ راستے میں کئی جگہ لوٹ مار مچائی اور ناگور پہونچکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شمس خاں نے اس مشکل کے وقت بڑی حکمتِ عملی سے کام لیا۔ وہ دہلی کے سلطان خضر خاں سید سے مدد کا خواستگار ہوا تو خضر خاں فی الفور فوج لے کر ٹونک ٹوڑا کے راستہ سے کوچ کرتا ہوا ناگور کی طرف بڑھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان احمد شاہ گجراتی ناگور قلعہ کا گھیرا اٹھا کر دھار (مالوہ) کے راستے سے گجرات واپس ہو گیا۔ اس طرح سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔ صرف اتنا ضرور ہوا کہ ایک برس تک شمس خاں دنداں ناگوری دہلی کے خضر خاں کی ماتحتی میں رہا۔

اس مشکل سے نجات پانے پر ایک سال بعد ۱۴۱۷ء ر ۸۲۰ھ میں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا۔ مالوہ کے سلطان ہوشنگ شاہ نے شمس خاں اور اس کے بھتیجے فیروز خاں بن مظفر خاں کے بیٹے معیدالدین (پناہ گزیں) کو لکھا کہ ہمارے منصوبہ بندی گجرات کے حملے میں آپ لوگ تعاون کریں تو نہروالا پٹن کا شہر اور اس کے مضافات آپکو بخش دیے جائیں گے ورنہ سلطان احمد شاہ بانی احمد آباد آپ سے پرانی حسد کا بدلہ لیگا۔ شمس خاں نے فوراً اسی دن سلطانِ مالوہ کی اس تجویز کی اطلاع ایک مراسلہ کے ذریعہ سلطان احمد شاہ گجراتی کو بھیج دی کہ ہم لوگ آپکے خیر خواہ ہیں۔ ہمارے لیئے مناسب نہیں کہ آپکے دشمن کے دوست بن جائیں ضروری جان کر کے عرض کیا گیا ہے۔ یہ خط ناگور کے شتر سوار کے ذریعہ گجرات کے سلطان کی خدمت میں سلطانپور پہونچا دیا گیا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں سلطان ہوشنگ فوج لے کر گجرات

کی سرحد کے اندر بھوراسا تک جا پہونچا۔ سلطان احمد شاہ گجراتی بھی نربدا ندی پار کر کے مہندری ندی کی گھاٹی میں آیا اور بھوراسا پہونچکر ہوشنگ کے قریب ہی پڑاؤ کیا۔ بھری برسات میں (مہینہ اگست کا تھا۔) احمد شاہ کے نربدا پار کر کے ایک ہفتے کے اندر بھوراسا میں ہوشنگ کو آلینے پر ہوشنگ کے چھکے چھوٹ گئے اور شرم کے مارے بغیر لڑے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح شمس خاں خانزادہ کی حکمت عملی کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور سلطان گجرات کی ناراضگی دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ شمس خاں کی پالیسی یہ بھی ظاہر کر رہی ہے کہ سمجھداری اور سیاست دانی سے اُس نے گجرات سے اپنے بگڑے ہوئے تعلقات کو ٹھیک کر لیا۔ اب دونوں ریاستیں بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کی طرح ہو گئیں جیسا کہ پہلے تھا مگر شمس خاں کی زندگی نے وفا نہیں کی۔ اس واقعہ کے بعد اسکو موت کا پیغام جلد ہی آگیا حالانکہ مؤرخین کا اس کی وفات کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ناگور میں ایک کتبہ پایا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۰ مارچ ۱۴۱۹ء/ ۸۲۲ھ کے قبل کسی وقت شمس خاں کی ناگور میں موت واقع ہو چکی تھی۔

یہ کتبہ قلعہ ناگور کی جنوبی فصیل (اسٹیشن روڈ) پر واقع بتلایا گیا ہے۔ یہ کتبہ ۵ رمضان ۸۲۱ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۴۱۸ء کا ہے جس سے ظاہر ہے کہ کسی شخص کی شہادت ہوئی جس نے اپنی قبر پیشگی تیار رکھی تھی (ARIE 1965-66- NO.D.342) اس کتبے کو ایک دوسرے کتبے کی روشنی میں پڑھا جائے جو شمالی پرکوٹے کی دیوار پر واقع ہے۔ اور ۳ ربیع الاول ۸۲۲ھ/ ۳۰ مارچ ۱۴۱۹ء کا ہے جسمیں خان الاعظم فیروز خاں بن شمس خاں نمازی کا نام کندہ ہے۔ (ARIE 1965-66. NO. 336) تو صاف ظاہر ہو گا کہ ۱۴۱۸ء

والا کتبہ شمس خاں کی شہادت کی خبر دیتا ہے جسکو ۱۴۱۹ء/ والے کتبے میں غازی کہا گیا ہے اور فیروز خاں (خانزادہ) کو اسکا بیٹا بتایا گیا ہے۔ لیجئے اس طرح پر شمس خاں کی وفات کی تاریخ ۱۴۱۸ء حاصل ہوئی ڈاکٹر ڈیسائی کی بھی رائے یہی ہے کہ غازی (لڑتا ہوا) شہادت پانے والا کوئی دوسرا نہیں بلکہ شمس خاں دندانی ہی ہو سکتا ہے۔

راجدھانی ناگور

ناگور کا خطّہ دو سو برس سے زیادہ کے عرصے میں (۱۴۰۴ء/ ۱۱۹۳ء) کبھی تو اجمیر سے جڑا رہا اور کبھی اجمیر سے الگ بھی ہو گیا تب بھی اسکی حیثیت ایک چھوٹے اقطاع سے زیادہ نہیں تھی۔ آخر زمانے میں سلطنت دہلی نے ناگور کو جالور کے ساتھ جوڑ کر گجرات کے ساتھ ملحق کر دیا گیا تھا۔ ایسی حالت میں ناگور کے اندر کوئی تعمیری کام اس کے شایانِ شان ہوا ہو اس کے کوئی آثار پائے نہیں جاتے سوائے اس کے کہ سلطان محمد بن تغلق نے چودھویں صدی کے نصف اوّل میں ایک شاندار بلند دروازہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں داخلے کے لئے تعمیر کیا جو الحمدللہ آج بھی صحیح وسالم حالت میں موجود ہے۔ اور جسکی تعمیر کا فرمانِ سلطانی فقیر حقیر کاتب الحروف تارکؔ ناگوری ناظرین کے سامنے پیش کر چکا ہے اس کے علاوہ چوپان کی سرائے کا ذکر سیرۃ احمدیہ میں آیا ہے جہاں شیخ احمد کھٹوی رح ایک بار ٹھہر چکے تھے۔ سرور الصدور و نور البدور میں جمعہ کی نماز جامع مسجد میں بار بار پڑھنے کا جو حوالہ آتا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تیرھویں صدی میں کوئی بڑی مسجد ناگور شہر میں تعمیر ہوئی ہوگی بلکہ کسی بھی مسجد کو جہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی تھی اسی کو حضرت فرید الدین چاکپتراں نے مسجد جامع کہدیا ہے۔

ایسی جامع مسجدیں ناگور میں ایک سے زیادہ ہونگی مثال کے طور پر ناگور کی سب سے قدیم مسجد، مسجد نبوی جو قاضی حمید الدین ناگوری نے تعمیر کروائی تھی۔ دوسری مسجد جو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کروائی ان دونوں مسجدوں کا شمار قدیم مسجدوں میں ہوتا ہے۔ قیاس یہ بتلاتا ہے حضرت فریدالدین چاکرانؒ اپنے دادا کے انتقال کے بعد دہلی سے جب ناگور اپنے جدی مکان میں آکر قیام کرتے جو مکان اسوقت حضرت مخدوم حسین ناگوری رہائش گاہ جس کا نام ہے بالکل اس کے سامنے واقع تھا جو اسوقت شوکت سائکل جیمین کی ملکیت میں ہے فریدالدین صاحبؒ اس مکان میں قیام فرماتے ہونگے جس کے نزدیک ہی ایک مسجد سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے وقت ۷۲۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی نماز ادا کرتے ہوں گے سرورالصدور میں کئی جگہ لکھا ہے کہ چلو نماز ادا کریں وہ مسجد یہی ہے۔ ڈاکٹر دیسائی صاحب اپنا سروے رپورٹ اے، پی گرافیا انڈیکا عربی فارسی سپلیمنٹ 67 و لغایت ۴۸ ص ۲۴،) کتبہ نمبر ۳ مورخہ ۷۲۰ھ ناگور میں ملا۔) خلاصہ ملاحظہ فرمائیں اس کتبے کے ملنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس علاقے میں لگاتار قدیمہ مسلم حکمرانوں کا بنا رہا یہ کتبہ مخدوم حسین ناگوری کی مسجد کے درمیانی محراب کا ہے جو جھول محل محلہ میں واقعہ ہے یہ کتبہ حافظ معین الدین اور رونق عثمانی کو پہلے سے معلوم تھا اور عثمانی صاحب نے ناگور کے کتبوں کی نشان دہی کر کے اُن کو پڑھ رکھا تھا۔ لیکن انکا مطلب اُن کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ کتبہ علاؤالدین کے بیٹے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کا ہے ۷۲۰ھ مطابق ۲۱-1320ء عیسوی میں ایک مسجد بنوائی گئی۔ بنوانے والے کا نام نہیں پایا گیا۔ لیکن اس مسجد کا مخدوم حسین ناگوری سے کوئی

تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ اور اُن کی تاریخ وفات سنہ ۹۰۱ھ ہے جیسا کہ اخبار الاخیار میں درج ہے۔ مہینہ بھی نہیں پڑھا جاسکا اندازاً میں نے محرم کا مہینہ پڑھ لیا ہے۔ اصل کتبہ ملاحظہ فرمائیں۔

فی عہد خلافۃ السلطان الاعظم ظل اللہ فی العالم اعدل الخلافۃ۔ (؟) مولیٰ (؟) ابوالمظفر (؟) مبارک شاہ سلطان (؟)

بنا ہذہ المسجد العبد الراجی .... فی ..... المحرم (؟) سنۃ عشرین وسبعمایۃ

(ترجمہ) ظل اللہ فی العالم ابوالمظفر مبارک شاہ سلطان کے عہد خلافت میں میں اس مسجد کی بنیاد اس غلام نے محرم سنہ ۷۲۰ ہجری میں رکھی۔ فروری مارچ سنہ 1320ء یہ زمانہ فریدالدین چاکپراں کا ہے آپ اُس وقت حیات تھے۔ نہ کہ مخدوم حسین ناگوری رح کا۔

شمسی جامع مسجد

اب جبکہ سنہ ۱۴۰۴ء / سنہ ۸۰۷ھ میں شمس خاں دندانی حکمراں کی حیثیت سے ناگور میں وارد ہوا اور حکومت ناگور کے لیئے گجرات جیسے بارسوخ اقطاع کی پشت پناہی حاصل تھی اور اسکی حیثیت ایک سلطنت کی ہوگئی تھی تو شمس خاں نے بھی ناگور کے خان کے مقام پر متمکن ہوکر اپنی راجدھانی کے لئے ایک بڑے پیمانے پر مسجد جامع تعمیر کروانے کا فرض ادا کیا اور شمس تالاب کے کنارے شہر کے مشرقی کنارے پر اُس مسجد کے لئے جگہ تجویز ہوئی۔ مسجد کے طرز تعمیر سے ظاہر ہے کہ مسجد کے انجنیئر اور کاریگروں نے گجرات کا طرز تعمیر اختیار کیا۔

اس مسجد کی وسعت اور بلندی کے پیش نظر سب سے پہلے

مسٹر گرگ صاحب نے اپنی رپورٹ میں شمس خاں کو شمس الدین التمش سمجھ کر پچھلی صدی میں ایک مفصل نوٹس قلم بند کیا تھا۔ یہ مسجد پتھر کے بڑے بڑے پتھروں کے ذریعہ تعمیر ہوئی ہے۔ اور پانچ محرابوں پر مشتمل ہے جن میں بالو، ریت والا سرخ پتھر استعمال ہوا ہے اور پتھروں پر نقاشی بھی ہے بیچ کے دالان کے اوپر دو مینار کھڑے کیے گئے ہیں۔ یہ مسجد شمسی تالاب کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ایک گنبدی شکل کی چھتری جو چار کھمبوں کے سہارے کھڑی ہے تالاب کے رُخ پر قائم ہے۔ اور اس چھتری کے زینے سے تالاب میں اترا جا سکتا ہے۔ یہ سیڑھیاں نمازیوں کے وضو کی ضروریات کے لئے ہونگی۔ ایسی چھتری تالاب کے چاروں گوشوں میں بنی ہوئی تھیں جن میں سے شمالی کنارے والی چھتری صحیح و سالم موجود ہے۔

نماز والا دالان پانچ حصّوں میں منقسم ہے جن پر پانچ گنبد قائم ہیں اور یہ بھی گجراتی طرز تعمیر کی خصوصیت مانی جاتی ہے یہ گنبد ایک سمو سے پتھر کے گڑھے ہوئے کھمبے پر قائم ہیں درمیانی گنبد، مثل گجراتی تعمیر کے، چھت سے اوپر اٹھا ہوا ہے۔ بیچ کے تین حصّوں میں ایک محراب ہے جن میں سے بیچ والا محراب ذرا شاندار پیمانے پر ہے۔ اور اسکی نقاشی بھی با وسعت ہے۔ ہر ایک محراب سرخ بالو والے پتھر سے بنایا گیا ہے۔ اور درمیانی محراب کے نیچے ایک چھوٹی محراب بھی دکھائی گئی ہے۔ یہ محرابیں شمالی ہند کے طرز تعمیر کی نمائندگی کرتی ہیں اور مقامی طرز تعمیر کی روایتی شکل میں ہیں۔

شمسی مسجد کا منبر، جو درمیانی محراب کے قریب بنا ہوا ہے، صحیح و سالم ہے۔ خطیب کی نشست گاہ پر کی چھتری غائب ہے۔ نماز گاہ کے دالان کے دونوں کناروں پر ایک گیلری ہے۔ جس پر عورتیں نماز پڑھتی

ہوں یا خانزادے لوگوں کی ذاتی نماز گاہ کا کام دیتی ہو۔ گیلری پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ شمسی مسجد کے مشرقی جانب سامنا میں ایک اوٹ والی دیوار ہے جس پر دو گاؤدم چھوٹے مینار بنائے گئے ہیں ایک شمال میں دوسرا جنوب میں۔

ان منارچوں میں گھس کر ایک چکّردار زینے میں پہونچا جا سکتا ہے۔ یہ بھی گجراتی طرز تعمیر کا نمونہ کہا گیا ہے۔ ایک خاص چیز شمسی مسجد کا چکنا چمکدار کھپریل ہے جو اوٹ والی دیوار اور منارچوں کے اوپر دیکھا جا سکتا ہے۔ جو فیروزے جیسے نیلے رنگ کا بطور یادگار بچا کھچا ہوا موجود ہے۔ ایک بات کی کمی شمسی مسجد میں پائی گئی ہے کہ یہاں کوئی کتبہ ایسا نہیں ہے جو مسجد کی تعمیر کی تاریخ بتلائے۔ البتّہ دو جگہ قرآنی آیات ثلث رسم الخط میں پائی گئی ہیں جو ماہرین کے اندازے کے مطابق پندرھویں صدی عیسوی کے طرز تحریر پر ہیں اور یہی زمانہ شمس خاں کی حکومت کا ہے۔ یہ بھی قیاس ہے کہ مسجد اور تالاب دونوں کی منصوبہ بندی ساتھ ساتھ ہوئی ہوگی۔ مسجد اور تالاب کی تعمیر شہر کی تجدید میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس شمسی مسجد کے بڑے گیٹ پر ایک طویل دراز قد کتبہ لگا ہوا تھا جسکو، کوئی چور، چرا کر لیگیا یہ کتبہ اگر ہوتا تو اسکی صحیح تعمیر کا پتہ لگ جاتا۔ (ناگور۔ ہسٹری اینڈ آر کی ٹیچر لندن ۱۹۹۳ء صفحہ ۳۶/۴۰/الم

شمسی تالاب

شہر کے تین تالابوں میں جن پر اہل شہر ناگور کا انحصار تھا، شمسی تالاب ہی سب سے زیادہ متاثر کرنے والا تالاب ہے۔ ابوالفضل کے اکبر نامے میں جس تالاب کے کنارے اکبر بادشاہ کا کیمپ لگا تھا اور جس کو، کوکر تالاب بھی کہا گیا ہے اور جس کا نام کوکر

سے تبدیل کر کے تسو کر کیا گیا تھا وہ یہی تالاب معلوم ہوتا ہے۔ یہ تالاب فصیل شہر ناگور کے جنوبی مشرقی گوشے پر واقع ہے۔ تالاب کے مغربی کنارے پر شمسی مسجد ہے اور تالاب کے شمالی مغربی طرف خانزادوں کا خاندانی قبرستان ہے۔ قبرستان کے چاروں طرف پتھر کی میڑ ہے۔ تالاب کے جنوبی مغربی اور مشرقی سمتوں پر ایک حفاظتی دیوار، پر کوٹا (فصیل یعنی شہر پناہ کے آثار موجود ہیں جس کا جوڑ دونوں سروں پر فصیل سے ملتا ہے۔ اس دیوار کے جنوبی مشرقی سمت پر دو زینے ہیں۔ یہ دیوار گویا فصیل کی توسیع کے مثل تھی۔ شمسی تالاب شہر کے لئے پانی کی سپلائی کا اچھا ذریعہ تھا۔ تالاب کے چاروں جانب کئی چھتریاں بنی ہوئی ہیں جو عوام کی تفریح کے لئے ہو سکتی ہیں۔ ایسا قیاس ہے کہ تالاب کے مقام پر ایک گڈھا یا پوکھری رہی ہو گی جس کو گہرا، اور چوڑا چکلا کر کے شمس خاں دندانی نے تالاب کی شکل دے دی تالاب کی میٹر کا شمالی حصہ قبرستان کی طرف اور شمالی مغربی کنارے کی طرف جہاں جامع مسجد واقع ہے پتھر اب تک جمے ہوئے ہیں۔ تالاب کے بیچ و بیچ کسی شہید بزرگ کی قبر ہے۔ تحقیق نہیں کہتا ہے کہ ان کا سر یہاں ہے اور دھڑ ڈیڈوانہ کی بیریہ پہاڑی پر ہے۔ دونوں جگہ پر آپکے مزارات ہیں۔ آپکے حالات آگے آئیں گے۔ شمسی تالاب کے جنوبی مشرقی کنارے میں ایک باؤلی (بڑا کنواں) بھی ہے جس کو میدان کنواں کہتے ہیں۔ اسی کے نزدیک ایک بڑی گہری باوڑی بھی موجود ہے۔ جو شمس خاں دندانی گجراتی کی تعمیر کردہ ہیں۔ برساتی پانی کا تالاب میں اضافہ دو نہروں (آڈوں) کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ایک مشرق سے اور دوسری جنوب سے آتی ہیں۔ جن کا پانی ایک سرنگی راستے سے جہاں تالاب میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں پر ایک پلیا بنی ہوئی ہے۔ اس پلیا کے اوپر سے

راستہ گذر کر حفاظتی دیوار کے زینے تک پہونچتا ہے۔ یہ پلیا اپنے قسم کی بناوٹ کی قدیم ترین مثال ہے جو ناگور کے خطّے میں پائی گئی ہے۔

کالا گنبد

خانزادوں کے خاندانی قبرستان میں کئی مقبرے اور گنبد بنے ہوئے ہیں جن میں سب سے بڑا گنبد وہ ہے جو کالا گنبد کر کے مشہور ہے۔ اس گنبد میں کتبہ تو کوئی نہیں پایا گیا لیکن عرف عام میں یہ گنبد خانزادوں کے مورثِ اعلیٰ شمس خاں دندانی گجراتی کی قبر کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ گنبد کے اندر چار قبریں ہیں۔ گنبد کی بناوٹ سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ دہلی کے تغلیہ مقبروں سے ملتا جلتا ہے۔ کالے گنبد کی چوٹی پر کلس بھی موجود ہے۔ چار مزار میں ایک مزار شمس خاں دندانی کی بیوی حاتم خاتون کا ہے بقول ڈاکٹر دیسائی صاحب۔

شمسی عیدگاہ

شمسی مسجد تو ہو گئی جامع مسجد۔ راجدھانی کے لئے ایک عیدگاہ ہونا ضروری امر ہے۔ جس میں نماز عید کیلئے پورے شہر ناگور کے مسلم باشندوں کے سما جانے کی گنجائش ہو۔ یہ عیدگاہ بھی شمس خاں گجراتی سے منسوب ہے۔ جو حقیقت ہے۔ دلّی دروازے کے باہر نصف کلومیٹر کے فاصلے پر شہر ناگور کے جنوبی مشرقی سمت پر یہ شمسی عیدگاہ گری پڑی حالت میں موجود ہے اور مرمّت طلب ہے۔ اس منہدم اور شکستہ مسجد کے دو مینار الحمد للہ قائم ہیں۔ قبلے والی دیوار کے علاوہ شمالی اور جنوبی دیوارون کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں مینار ٹھوس بناوٹ کے ہیں۔ شمسی مسجد میناروں کے ہم شکل ہیں جس سے قیاس کیا گیا کہ عیدگاہ مسجد پندرھویں صدی کی تعمیر

لے اس شمسی عیدگاہ مسجد کی فرش کو پختہ اہل شہر نے بنا دیا ہے اور عرصے سے نمازِ عید بھی اس میں ادا کی جا رہی ہے۔

ہونی چاہیئے اور اپنی اچھی حالت میں ناگور کے لئے ایک متاثر کرنے والی تعمیر ہوگی۔ یہاں پر شمس خاں کی بیوی حاتم خاتون کا ذکر کر دیا جائے جس نے ۸۳۱ھ/۱۴۳۵ء یعنی شمس خاں کی وفات کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک پانی کا کنواں بنوایا تھا۔ (ARIE-1965-66.D.345)

خانزادہ فیروز خاںؒ اوّل (۱۴۱۸-۸۵۷ھ-۱۴۵۳)

شمس خاں دندانی گجراتی ناگوری کے دو بیٹے تھے۔ فیروز خاں بڑا اور مجاہد خاں چھوٹا۔ ۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء میں بڑا بیٹا ناگور کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ فیروز خاں نے شاید اپنے چھوٹے بھائی مجاہد خاں کو ڈیڈوانہ جاگیر میں دیا تھا۔ یا وہ خود قابض ہو گیا واللہ اعلم:۔ حاجی الدبیر کے ظفر الوالہ بہ مظفر و آلہ (عربی تالیف) سے معلوم ہوتا ہے کہ چتوڑ کے ہم عصر رانا موکل سے اس کی ٹھنی رہتی تھی کیونکہ اس وقت موکل کے عہد میں رانا کی نقل و حرکت اپنے پڑوسی حکمرانوں کے ساتھ تیز تر ہو گئی تھی۔ ایک لڑائی میں فیروز خاں خانزادہ کی فوج کے ہاتھوں دس ہزار راجپوت مارے گئے حملہ آور اس موقع پر خانزادہ تھا۔ لڑائی کا مقام باناڈن واڑا کے قریب موضع جوتائی تھا۔ لڑائی نہیں بلکہ فیروز خاں ناگوری کی فوج نے رات کو چھاپا مار کر راجپوتوں کا قتل عام کر دیا تھا رانا تو بچ گیا مگر اس کا گھوڑا مارا گیا تو سبل سنگھ کے دیئے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر رانا نے اپنی جان بچائی مگر خود سبل سنگھ کام آیا۔ یہ لڑائی بڑی خوفناک تھی جسمیں فیروز خاں ناگوری کے فوجی بھی کافی تعداد میں مارے گئے ان میں شاہزادہ فیروز خاں، اس کا تایا زاد بھائی اور فیروز خاں کا فرزند۔

معیدالدین (پناہ گزیں) شامل تھے۔

یہ واقعات بیربنود (حصّہ اول صفحہ ۱۵-۳۱۴) سے معلوم ہوئے ہیں۔ جنگ کے بعد فیروز خاں نے مالوہ کی طرف کوچ کیا اور مالوہ ہوتا ہوا واپس ناگور آگیا۔

کنبھل گڑھ کے سنسکرت شلالیکھ کے شلوک نمبر ۲۲۱ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ مہارانا موکل نے سپادلک (سوالکھ) کو غارت کیا اور شاکمبھری (سانبھر) کو چھین لیا اور پیروچ (فیروز) کو شکست دی اور محمد (احمد) کو بھی سمبت ۱۵۱۷ / ۱۴۶۰ عیسوی علیٰ ھٰذا القیاس چتوڑ کے سمبت ۱۴۸۵ / ۱۴۲۸ عیسوی کے شلالیکھ کے شلوک نمبر ۱۴ کے مطابق فیروز خاں کو (میدانِ جنگ سے بھاگ نے والا اور بادشاہ (سلطان) احمد گجراتی کو بھی بھگوڑا بتلایا گیا ہے ان دونوں شلوکوں کو لیکر مورّخین میں انتہا درجے کا اختلاف ہے جس پر ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب صدّیقی نے ذرا تفصیل سے بحث کی ہے۔

مختصر یہ ہیکہ، بقول کوی راجا شیامل داس، مہارانا موکل نے مالوہ کی طرف جاتی ہوئی ناگوری فوج کو راستے میں روک کر دوسری جنگ کی اور پہلی جنگ کا بدلہ لے لیا۔ محمد (احمد شاہ گجراتی) کو ہرانے کی بات ناممکن نہیں ہے کیونکہ احمد شاہ بھی فوج کشی کرنے میں ہم عصروں سے کم نہیں تھا۔ (ڈاکٹر عبدالحلیم صدیقی ہسٹری آو ناگور صا۸۵ غیر مطبوعہ مقالہ) سن ۱۴۳۲ء/۸۳۶ھ میں گجرات کے سلطان احمد شاہ میواڑ کے علاقے میں لوٹ پاٹ کرتا ہوا ناگور پہونچا تھا خانزادہ فیروز خاں ناگوری نے آگے بڑھ کر پیشوائی کی اور کئی لاکھ ٹنکوں کی رقم بدلے میں پیش کی۔ احمد شاہ گجراتی نے بڑی فیاض دلی سے وہ رقم واپس فیروز خاں خانزادہ ناگوری کو ہی دے دی (فرشتہ برگس ص۳۳)

اور واپس احمد آباد چلا گیا۔ فیروز خاں ناگوری کا یہ اقدام اپنے والد شمس خاں دندانی کی روایت کی پیروی میں تھا۔ ۸۳۸ھ/۱۴۳۵ء میں اُس کی بیوہ والدہ حاتم خاتون نے ناگور میں ایک کنواں یا باولی یعنی بڑا کنواں جس کے بارے میں کتبہ ملا ہے کتبے میں لکھا ہیکہ "مسلمان نفع گیرند" پوری تفصیل آگے آئیگی۔

حاکم ڈیڈوانہ

ایک بات لکھنی رہ گئی تھی کہ فیروز خاں نے اگر مجاہد خاں کو ڈیڈوانہ جاگیر میں دیا تو مجاہد خان کی نقل وحرکت ڈیڈوانہ میں کیا رہی. مجاہد خاں کے دو کتبے ملے ہیں جن کی اشاعت ہو چکی ہے پہلا کتبہ ۱۴۳۶ء کا ڈیڈانہ کا ہے جسمیں مجاہد خاں کو "خان اعظم" کہکر بتایا گیا ہے کہ اُس نے ڈیدوانہ قصبے کا دروازہ اور فصیل بنوائی دوسرا کتبہ ایک سال بعد کا ہے جس کے مطابق "مجاہد خان بن شمس خاں بن وجیہہ الملک نے ڈیڈوانہ سانبھر اور نرائنہ پر قبضہ کر کے نئے سرے سے قلعہ جات مسجدیں اور مصطفےٰ اسر تالاب بنوایا یہ کتبہ نرائنہ کا ہے (رسالہ رسیرچر ۷۱-۱۹۷۰ء ص ۱۶۱ و ص ۱۴۷)

اِن کتبوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ۳۷-۱۴۳۶ء میں مجاہد خاں کو خان اعظم کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ناگور کے خان فیروز خاں کی برابری سے مجاہد خاں کو ڈیڈوانہ کا خان بتایا گیا ہے۔ اور یہ بات ملتی ہے کہ ڈیڈوانہ، سانبھر اور نرائنہ پر اُس نے قبضہ کر کے تینوں قصبوں کو حاصل کیا۔ وہ ناگور سے چل کر مشرقی علاقے میں پہونچا اُس وقت جب ڈیڈوانہ میں آیا فیروز خاں اور رانا موکل میں جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں اور پہلی لڑائی ہار کر رانا دوسری جنگ میں فیروز خاں کو شکست دے چکا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ اسی موقع پر رانا کی

کی فوجیں ناگور کے علاقے میں گھس آئیں اور سانبھر و نرائینہ پر قبضہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مشرقی علاقے میں خوانین ناگور کا قبضہ و اقتدار ڈانواں ڈول حالت میں پہلے ہی سے تھا کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی بھی ایک بار شاید اس کا جائزہ لینے کے لئے فوج کشی کر چکا تھا (۳۲-۱۴۳۳ء) میں ان دونوں کتبوں سے صاف ظاہر ہے کہ مجاہد خاں نے نرائینہ اور سانبھر کو رانا کے قبضے سے چھڑا کر ڈیڈوانہ جاگیر کو ایک الگ ریاست کا درجہ دے دیا تھا اور ڈیڈوانہ، اپنی راج دھانی، کو اُس افراتفری کے زمانے میں محفوظ کر لیا تھا اور نرائنہ اُس کی خاص توجہ کی وجہ سے نئے سرے سے تعمرات کا سلسلہ شروع ہوا جسکی تفصیل دوسرے کتبے سے معلوم ہوتی ہے۔ ان دوسرے کتبات کی روشنی میں فقیر حقیر حسب ذیل تحریر پیش کرتا ہے:۔

سب سے پہلے میں ۱۴۳۷ء والا کتبہ پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس سے میری منشاء پوری طور پر ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ یہ کتبہ کسی جاگیردار کا نہیں بلکہ ڈیڈوانہ کے خان مجاہد خاں کا ہے جس نے ایک خودمختار حکمراں کا لقب اختیار کر لیا تھا جو اُس زمانے میں ناگور کے خانزادہ حکمرانوں میں رائج تھا:۔

جب عنایت ربّانی و فضلِ فیضِ سُبحانی سے بندگی مسند عالی خان اعظم خاقان معظّم مجاہد خاں بن شمس خاں غازی رانا موکل کے شور کے بعد ڈیڈوانہ وسانبھر و نرائینہ پر قاہر و غالب ہوا (تو) قلعہ جات، مساجد نئے سرے سے تعمیر فرمائیں اور اکابر و صدور کے التماس پر اس حوض کو اسی جگہ جہاں سلطانی کھیت تھے سرورِ انبیاء کی روحِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تعمیر کیا اور مصطفےٰ سَر نام رکھا۔ الخامس والعشرین من ذی قعدہ سنہ اربعین و

دشا نمایۃ (پچیس[۲۵] ذی قعدہ سنہ آٹھ سو چالیس[۸۴۰] ہجری ۱۴۳۷ عیسوی)
۱۴۳۷ء کا دوسرا کتبہ بھی دستیاب ہوا ہے جو نظم میں ہے۔ اسکا
پانچواں شعر ہمارے مطلب کا ہے:۔ مجاہد خاں ابن شمس خاں بن:۔ وجیہہ الملک
صاحب تاج افسر یعنی مجاہد خاں، شمس خاں کا بیٹا اور وہ وجیہہ الملک کا بیٹا۔
صاحب تاج افسر یعنی تاج والا افسر رئیس ہے جس کا نسب وجیہہ الملک اور
شمس خاں ناگوری سے چلا ہے۔ مجاہد خاں کے کسی کتبے میں ناگور کے فیروز خاں
کے حوالے کا شائبہ بھی نہیں ملتا۔ یہ دونوں کتبے اس بات کے شاہد ہیں کہ مجاہد
خاں نے (رانا موکل کی) لڑائی کے بعد ڈیڈوانہ سانبھر اور نرائینہ پر قبضہ جما
لیا تھا اور قلعہ جات اور مسجدیں (رانا کی غارت گری کے بعد) نئے سرے
سے بنوائیں اور اب نرائینہ کے قصبے میں مصطفیٰ سر کے نام ایک تالاب بھی کھدوا
یا اور اس کی فضیلت کو قائم رکھنے کیلئے مصطفیٰ سر کا نام دیا۔ مجاہد خاں نے
مصطفیٰ سر تالاب پر ایک جامع مسجد سنہ ۱۴۴۴ء/۸۴۸ ہجری میں تعمیر کروائی
جس کا کتبہ شائع شدہ ہے۔ اس میں اُس کے لئے "المخاطب بخطاب مجاہد خاں
بن خان مرحوم و معصوم شمس خاں بن ملک المغفور ماجور وجیہہ الملک" کے
الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس کتبے کی تاریخ بارہ[۱۲] ربیع الاول (یوم سنہ آٹھ
سو اڑتالیس[۸۴۸] ہجری ۱۴۴۴ عیسوی) ہے جس کے بارے میں کتبے کے ایڈیٹر غلام
یزدانی فرماتے ہیں کہ تاریخ تعمیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش ہے۔
یہ کتبہ جے پور ریاست سے دستیاب ہوا اور ایپی گرافیا انڈو ماسلیمیکا
میں شائع ہوا ہے۔ (ص ۲۰-۱۹ سنہ ۲۴-۱۹۲۳ء)

نرائینہ کا قصبہ چودھویں صدی میں بھی خاص اہمیت رکھتا تھا۔
جبکہ ایک سفر میں حضرت بابو اسحٰق رح مغربی کھٹو نرائینہ پہنچے تھے اور

دوسری بار عارض ممالک نے دہلی سے اُکر ترابینہ، ڈیڈوانہ اور ناگور کے سپاہیوں کے گھوڑوں کا جائزہ لیا تو جائزے کا صدر مقام نرابینہ ہی تھا۔ (سیرت احمدیہ صہ ۱۱۶)

اب خانزادہ مجاہد خاں نے نرابینہ کے اکابرین کی درخواست پر نرابینہ کی طرف اپنی توجہ خاص مبذول کی تو اس قصبے کی زینت دوبالا ہو گئی۔

مجاہد خاں اور فیروز خاں کے تعلقات

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کتبات میں مجاہد خاں کو خان اعظم خاقان معظم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور مجاہد خاں کے کسی کتبے میں خانزادہ فیروز (ناگور) کا نام یا حوالہ نہیں آتا۔ دونوں بھائیوں کے تعلقات ناخوشگوار معلوم ہوتے ہیں۔ فیروز خان کے عہد حکومت کے آخری سالوں کا حوالہ گجراتی مؤرخین کے بیانات سے ملتا ہے اس طرح کہ ایک طرف فیروز خاں خانزادہ ناگور گجرات کے سلاطین سے وابستہ رہا تو دوسری طرف مجاہد خاں نے مالوہ کے سلطان محمود شاہ خلجی سے ناطہ جوڑ لیا تھا جو کہ ہمیشہ گجرات والوں سے برسر پیکار رہتا تھا۔ ۸۵۵ھ / ۵۲-۱۴۵۱ء میں اپنے زمانے کے سب سے زیادہ حوصلہ مند سلطان محمود شاہ خلجی نے جب ناگور کا قصد کیا تو مجاہد خاں خانزادہ کی ریاست کی طرف سے اپنی فوج لے جا کر ڈیڈوانہ پہونچا جہاں سے ناگور پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ فیروز خان خانزادہ ناگوری کی درخواست پر سلطان قطب الدین احمد نے فی الفور سید عطاء اللہ قوام الملک کو ایک خاصی بڑی فوج کے ساتھ فیروز شاہ ناگوری کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ قوام الملک جیسے ہی نواح سانبھر میں پہونچا کہ سلطان محمود گجراتی فوج کا مقابلہ نہ کر کے مالوہ کو واپس چلا گیا۔

مجاہد خاں کی تعمیرات:- مجاہد خاں کو تعمیرات کا بہت شوق تھا

ڈیڈوانہ کے ایک کتبے مورخہ ۱۴۳۷ء کے حوالے سے میں اس سے قبل لکھ چکا ہوں کہ مجاہد خاں نے اپنے صدر مقام ڈیڈوانہ قصبے کو ایک فصیل سے گھیر کر محفوظ کر لیا تھا اور قصبے کا ایک دروازہ بھی اُس کا بنوایا ہوا ہے۔ ڈیڈوانہ کی حیثیت خطۂ ناگور میں ناگور شہر کے بعد دوسرے نمبر کی تھی اور غالباً ڈیڈوانہ ہی مجاہد خاں کا دار الحکومت تھا جسکو، چتوڑ کے رانا سے چھڑا کر مجاہد خاں مشرقی پرگنات پر خانِ ناگور فیروز خاں سے الگ آزادانہ اور خود مختارانہ حکومت کرتا تھا مگر افسوس ہیکہ ڈیڈوانہ کے چھ دروازوں میں سے ۱۴۳۶ء میں ایک دروازہ مجاہد خاں کے ہاتھوں بنوائے جانے کے علاوہ اور کوئی ماخذ ایسا دستیاب نہیں ہوا جس سے کوئی دیگر دروازہ مجاہد خاں سے منسوب کیا جا سکے۔ ۱۴۳۶ء والا کتبہ جو سردست سیدوں کی مسجد میں نصب ہے اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دلی دروازے سے لاکر وہاں لگایا گیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ جس دروازے کو مجاہد خاں کے ذریعے بنوایا جانا کتبہ میں کہا گیا ہے وہ شاید دلی دروازہ ہے موجودہ حالت میں دلی دروازہ انہدام پذیر ہے اور اُس کے پتھر لوگ لے جاکر اپنے استعمال میں لاچکے ہیں۔

قلعۂ ڈیڈوانہ کے اندر ایک مسجد صحیح سلامت ہے جسکو قلعہ مسجد کہا جاتا ہے۔ کافی بڑی اور پُر شکوہ۔ اس مسجد میں جو کتبہ لگا ہے وہ تو کہتا ہیکہ قلعہ اور دروازہ اکبر بادشاہ کے وقت میں ۹۲-۱۴۹۱ء میں بنوائے گئے مگر قلعہ مسجد، جو اپنے زمانہ کی نہایت عمدہ مسجد ہے جہاں شاید وہاں کے حاکم نماز پڑھتے ہونگے، اس مسجد میں تاریخی کتبہ تو کوئی نہیں ہے لیکن عمارت کے مذہبی کتبوں کی خطاطی کو دیکھتے ہوئے ماہرین کا اندازہ ہیکہ یہ مسجد پندرھویں صدی عیسوی کی تعمیر ہونی چاہیئے جو ڈیڈوانہ کے مجاہد خاں کے بعد کی شاید نہیں

ہو سکتی۔ مسجد کے متصل شمال کی طرف جو کھنڈر ہیں اُنے قلعہ کی عمارت کے ہیں۔
ہو سکتا ہیکہ مقام ڈیڈوانہ کے گورنر کا محل ہو جہاں سے اُس کو مسجد کی نزدیکی
حاصل تھی۔ شمال کی طرف مسجد کے دالان کی بالکنی اس بات کا پتہ دیتی ہے
کہ یہی مسجد کا مقصورہ تھا جہاں اکثر گورنر نماز پڑھتا تھا۔ ایسے مخصوص کمروں
کو گوشہ نشین، یا ملوک خانہ، کہا جاتا تھا جیسا کہ ذرا بڑے پیمانے پر ناگور کی شمسی
جامع مسجد میں بنا ہوا ہے۔ فقیر حقیر تارک ناگوری کی رائے میں اس قلعہ مسجد کی
تعمیر اُس کے طرز تعمیر کے اعتبار سے ڈیڈوانہ کے خان کے عہد سے منسوب کی جا سکتی
ہے۔ واللہ اعلم!

اس کے علاوہ مسجد کے مختلف حصوں کی تعمیر گجرات کی مسجدوں کے مشابہ
ہے۔ ساتھ ساتھ مقامی طرز تعمیر کو بھی روا رکھا گیا ہے مثلاً مسجد کے دونوں مینار
شمسی مسجد (ناگور) اور ایک مینار کی مسجد (ناگور) کی مشابہت میں ٹھوس
بناوٹ کے ہیں جن کی چوٹی پر گنبد بھی ٹھوس طرز کے ہیں۔
(مہرداد شکوہی لنارن: ناگور ہسٹری اینڈ آرکی ٹکچر ص ۹۵۔ ۹۳۔ ۸۹)

عمارات نراینہ

نراینہ چودھویں صدی میں خاص اہمیت والا قصبہ تھا۔
حضرت بابو اسحٰق مغربی کھٹوی کا نراینہ تشریف
لے جانا سیرت احمدیہ میں درج ہے اور نراینہ۔ ڈیڈوانہ اور ناگور کے سپاہیوں
کی سواریوں کے چارپایوں یعنی گھوڑوں کا جائزہ لینے کے لئے سلطنت کے عارض
ممالک جب آئے تو اپنا صدر مقام نراینہ کو ہی بنایا تھا۔ نراینہ کا قصبہ سانبھر سے
پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے راستہ اجمیر کو جاتا ہے۔ نراینہ میں
چودھویں صدی کے شروع میں قلعہ تھا جس کے آثار اب پائے نہیں جاتے
جب ۷۰۶ھ ۱۳۰۵ء میں مغلوں نے سوالکھ کے علاقے پر حملہ کیا تھا تو سلطان

علاء الدین کی فوجوں نے انکی فوج کو غارت کردیا تھا کچھ ہزار قیدی نرایئنہ کے قلعے میں بھیج دیے گئے تھے۔ بعد میں سلطان نے ملک خاص حاجب کے ذریعے اُن کو مروادیا۔ (ضیاء الدین برنی ص ۳۲۲) مجاہد خاں جب اپنے بھائی سے جدا ہوکر شرقی پرگنات میں آیا تو نرائنہ اور رسانبھر چتوڑ کے رانا سے چھین کر اُنپر قابض ہوگیا تھا، جو کبھی رانا موکل کے قبضے و اقتدار میں آگئے تھے۔ مجاہد خاں کے، نرایئنہ کے بارےمیں کتبات ہی صرف واحد ماخذ ہیں۔ مجاہد خاں کی یادگاریں نرایئنہ میں تمام تر حوض مصطفےٰ اسر کے گرداگرد مرکوز ہیں جسکو فی زمانہ گوری شنکر تالاب بولتے ہیں۔ دو کتبے جو اِپی گرافیا انڈو ماسلیمیکا سن ۲۴-۱۹۲۳ء ص ۱۵-۱۶ میں نمبر ۲ و نمبر ۳ پر شائع ہوئے ہیں یہ پتہ دیتے ہیں کہ مصطفےٰ سر کا تالاب مجاہد خاں خانزادے کے حکم سے اُس جگہ کھدوایا گیا جہاں کشت سلطانی یعنی سرکاری فارم واقع تھا۔ (بیسں ذی تعدہ ۸۴۰ھ / ۳۱ مئی ۱۴۳۷ء) جبکہ (رانا) موکل کا ہنگامہ ختم ہوچکا تھا۔ یہ حوض یعنی تالاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار میں بنا اور نام اسکا مصطفےٰ سر رکھا گیا۔ اس کتبے کا اقتباس کرکے ترجمہ پیچھے پیش ہوچکا ہے۔ یہ تالاب کیا ہے فصیل کی لمبائی چوڑائی والا ہے۔ اس حوض مصطفےٰ اسر میں کئی کنوئیں ہیں جو موسم گرما کے آخری دنوں میں پانی مُہیا کرتے ہیں جبکہ تالاب سوکھ گیا ہوتا ہے۔ یہ تالاب دو نہروں کے ذریعے بھرا جاتا ہے۔ تالاب کی چاروطرف چار کھمبوں والی کئی چھتریاں بنی ہوئی ہیں جب تالاب پانی سے پُر ہوتا ہے تو چھتریوں کے آگے کے چبوترے ڈوب جاتے ہیں ہوسکتا ہے کہ حوض مصطفےٰ سر کے لئے ناگور کے حوض شمسی کو نمونہ بنایا گیا ہوا کیونکہ وہاں بھی ایسی ہی چھتریاں بنی ہیں۔ چھتریوں کے چھوٹے چھوٹے گنبد دمینار کی شکل کے ہیں یہاں پر ناگور والی چھتریوں سے اختلاف ہے

مگر یہ طرز مجاہد خاں خانزادہ کی چھتریوں کا اس مقام کی دوسری یادگاروں میں پایا جاتا ہے۔ جو اُن کا اپنا خاص طرز ہے۔ خان مجاہد خاں کی خاص عمارات تالاب کے گرد تین قسم کی ہیں ایک مسجد دو رسمی دروازے اور ایک سائبان ؛۔

مسجد مجاہد خاں کی مسجد، تالاب بننے کے آٹھ سال بعد ۱۴۴۴ء میں تعمیر ہوئی۔ اُسکی بنیاد کے کتبے میں لکھا ہے کہ تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہجری ۸۴۸ تھی جو کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی یوم پیدائش ہے،، اس کتبے میں صاحب تعمیر مجاہد کو بن شمس خاں بن وجیہہ الملک لکھا گیا ہے۔ یہ مسجد ماہرین کے اندازے سے مجاہد خاں کی عمدہ ترین عمارتوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اور خاصی محفوظ حالت میں ہے، اور نقاشی والی مسجد ہے جسمیں شمال اور جنوب کی جانب ایک ایک محرابی شکل کی کھڑکی دی گئی ہے جہاں سے تالاب کے پانی کا نظارہ ہوتا ہے قبلے والی دیوار میں بھی دو چھوٹی محراب دار کھڑکیاں دی گئی ہیں اور یہاں سے بھی پانی کا نظارہ ہوتا ہے۔

ان کھڑکیوں سے نہ صرف نظارے کا لطف حاصل ہوتا ہے بلکہ ٹھنڈی اور نمی والی ہوا ان کھڑکیوں سے مسجد میں داخل ہوکر گرمی کے موسم میں نماز کے دالان کو بھر دیتی ہے۔ مسجد کے محراب ڈیڈوانہ کی قلعہ مسجد کے محرابوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان محرابوں کا طرز ناگور علاقے کی خصوصیت ہے جو مرکزی راجستھان میں کہیں اور نہیں پایا جاتا ہے۔ ہر محراب کے اوپر ایک کتبہ خط ثلث میں ہے اور یہ خط بھی خوانین ناگور کے عہد حکومت میں ترقی کی منزل پر پہونچا ہے دو کتبے تو مذہبی ہیں لیکن تیسرا جو بیچ والے محراب کے اوپر ہے

اُس میں تواریخی مضمون درج ہے۔ان کتبوں کی خطاطی اپنی قسم کی عمدہ مثال رکھتی ہے، علاقے بھریں اور شمسی مسجد ناگور کے کتبوں کی خطاطی کا مقابلہ کرتی ہے۔ (ناگور ہسٹری اینڈ آرکی ٹیکچر ص۶۳ و ص۱۶۱)

دروازے

حوض مصطفےٰ سرکا "تین دروازہ" نام کا دروازہ ایک رسمی دروازہ ہے جو حوض کے پوربی کنارے کے شمال میں، حوض کے اندر داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تین محرابی راستوں کی وجہ سے اُسکو تین۳ دروازہ کہا جاتا ہے۔پانی کی سمت والے راستے کی بغل میں تین خانوں والے سائبان بنائے گئے ہیں جن کے اوپر دُو۲ چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں جیسے کہ چھتریوں کے اُوپر ہیں۔ دروازے کا درمیانی محراب اغل بغل کے محرابوں سے بڑا ہے۔اس بیچ والے محراب پر ایسی دُو چھتریاں بنائی گئی تھیں جیسی کہ ناگور کے بلند دروازے صوفی پر ہیں مگر یہ چھتریاں منہدم ہو گئی ہیں نرائنہ کا تین دروازہ ناگور کے بلند دروازے سے ملتا جلتا ہے۔

تین دروازے کا کتبہ اپنے مقام سے منتقل ہو کر کے مسجد کے صحن کی جنوبی دیوار پر لگا دیا گیا ہے۔کتبے کا مضمون جو مشکل سے پڑھا جاتا ہے، یہ ہے کہ دروازہ مجاہد خاں خانزادہ کے ہاتھوں ۸۴۴ھ/۱۴۴۱-۱۴۴۰ء میں بنوایا گیا ہے یعنی حوض کی تعمیر کے چار برس بعد۔اس کتبے میں بھی مثل حوض کے دُو کتبوں کے، مصطفےٰ کے نام سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ ہے۔ اور یہ بھی پڑھا جاتا ہے کہ یہ یادگار قصبے کی فصیل کے باہر واقع ہے۔خاص دروازے کے اُوپر ایک دوسرا کتبہ میر محمد معصوم کا ہے جس کی تاریخ 6-1605ء اور ۱۰۱۴ھ ہے۔

تین دروازے کے وقوع سے اُس کے خاص کام یا استعمال کا اندازہ

ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس طرف سے جانور پانی تک پہونچ سکیں اور بیل گاڑی بھی جا سکیں جن کے ذریعہ شہر میں اور زراعتی فارم میں پانی مہیا کیا جاتا تھا یہ فارم حوض کے متصل ہی واقع تھا۔

جنوبی دروازے

تین دروازہ اگر مجاہد خاں خانزادہ کی جائیداد یعنی فارم میں جانے کے لئے تھا تو جنوبی دروازہ اصحاب قصبہ کے استعمال کے لئے ہو سکتا ہے۔ یہ دروازہ حوض کے جنوبی کنارے کی پوربی طرف بنا ہوا ہے جہاں سے زینہ پانی کی طرف اترتا ہے۔ یہ دروازہ چھوٹے قد کا ہے بہ نسبت تین دروازے کے جس کا طرز تعمیر بالکل مختلف ہے لیکن ہے نستعلیق اور سڈول۔ یہ دروازہ اکہرے محراب والا ہے جس کے اغل بغل دو سائبان ہیں۔ دروازے کی محراب کا ڈھانچہ تین دروازے کی محراب کے مشابہ ہے۔ محراب کے اوپر کے گنبدوں اور میناروں کے ہم شکل ہیں جو مصطفےٰ سر کی عمارتوں کی خصوصیت ہے۔ یہ طرز مرکزی راجستھان میں کہیں اور نہیں پایا جاتا جنوبی دروازے میں کوئی کتبہ تو نہیں ہے لیکن تین دروازے کے ساتھ ایک سے زیادہ مشابہتیں یہ بتاتی ہیں کہ جنوبی دروازہ حوض مصطفےٰ سر کا خاص حصہ ہے لہذا تین دروازے کے ساتھ ہی اسکی تعمیر بھی ۱۴۵۱ء اور ۸۵۵ھ میں ہونا یقینی ہے۔ (شکوہی لندن ناگور ص ۶۱-۱۵۷)

خانزادہ شمس خاں دوئم ۱۴۵۳ء/۸۵۷ھ

فیروز خاں خانزادہ کے بعد اسکا بیٹا شمس خاں ناگور کے تخت پر بیٹھا اس پر ڈیڈوانہ کا خان مجاہد خاں نے آکر اس کے ساتھ پرخاش شروع

کردی۔ اور شمس خاں کو ناگور سے بے دخل کر کے اپنا قبضہ جمانے میں کامیاب ہوگیا۔ شمس خاں خانزادہ نے رانا موکل کے جانشین رانا کنبھا کے پاس جاکر پناہ لی۔ رانا کنبھا سے مدد مانگنے پر رانا نے یہ شرط لگائی کہ اگر اُس کا قبضہ ناگور قلعے پر کرا دیا جائے تو وہ ناگور قلعے کے تین برج منہدم کرادیگا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ شمس خاں کو یہ شرط منظور کرنی پڑی۔ تب رانا ایک بڑی فوج کے ساتھ ناگور کی طرف روانہ ہوگیا۔ رانا کی آمد کی خبر پاکر اُس کے مقابلے کی سکت نہ پاکر مجاہد خاں اپنے پُرانے پشت پناہ، مالوہ کے سلطان محمود شاہ خلجی کی پناہ میں چلا گیا۔ یہ دیکھکر رانا کنبھا نے شمس خاں کو پیغام دیا کہ وہ اپنی شرط پوری کرے۔ جب شمس خاں نے قلعے ناگور کے تین برجوں کو گرانے کا ارادہ کیا تو اُس کے امیر اور سردار آڑے آئے اور برجوں کو گرانے نہ دیا۔ تب اُس نے خاص خاص امیروں اور سرداروں سے مشورہ کیا بعض نے طعنہ دیا کہ "وہ کیا اچھا ہوتا کہ فیروز خاں خانزادہ (مرحوم) کے نُطفے سے کوئی لڑکی پیدا ہوئی ہوتی کہ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کی حفاظت کر سکتی"۔ اس پر شمس خاں ناگوری نے رانا کنبھا کو یہ کہلا بھیجا کہ "جب تک بہترے سرکٹ نہ جائیں گے تب تک برجوں کو منہدم کرانا ممکن نہ ہوگا"۔ رانا کنبھا کو یہ بہانہ شمس خاں کا سُن کر غصہ آیا اور وہ ناگور پر چڑھائی کرنے کی تیاری کرنے کے لئے لوٹ گیا۔ اِدھر شمس خاں ناگوری رانا سے اپنی حفاظت کرنے کے لئے قلعۂ ناگور کی مرمت کرانے لگا۔ یہ سن کر رانا کا غضب دوبالا ہوگیا اور ایک زبردست فوج لیکر ناگور میں آدھمکا۔ شمس خاں میں ہمت کہاں کہ رانا کا مقابلہ کرتا لہٰذا قلعۂ ناگور کو اپنے ایک خاص امیر کو سپرد کیا اور اپنی دختر خاتون سلطان کو ساتھ لیکر جلد از جلد ناگور سے

روانہ ہوکر احمد آباد پہونچا جہاں اسوقت سلطان قطب الدین گجراتی حکومت کر رہا تھا۔ ناگور کے حالات سُن کر قطب الدین کو شمس خاں کی خستہ حالت کو دیکھکر اُس پر رحم آگیا اور اُس کی مدد کے لئے رائے ایمن چند نایک اور نایک گدائی کے زیرِ کمان ایک فوج ناگور کو بھیج دی اور شمس خاں کو اپنی خدمت میں رکھکر اُس کی خانزادی خاتون سلطان سے نکاح کر لیا اپنی نئی بیگم سے اُس کو دیگر منکوحہ عورتوں سے زیادہ محبت ہوگئی اور خاتون سلطان اپنی عزت و توقیر میں دوسری بیگمات سے سبقت لے گئی۔

اسی اثناء میں رانا کُمبھا ایک بڑی فوج کے ساتھ ناگور پہونچا اور گجراتی فوج کے ساتھ گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں طرفین کے بہادر مارے گئے یا قید ہوئے۔ رانا کُمبھا[1] نے قلعۂ ناگور کے باہر آبادی کو غارت کیا رانا کو تو صرف فتح نصیب ہوئی بلکہ ظفر الوالہ کا بیان ہے کہ پوری ناگور ریاست پر قبضہ ہوگیا۔ چتوڑ کے کیرتی شنبھ کی پرستی (کتبات) میں لکھا ہے کہ فیروز کی بنوائی ہوئی اونچی مسجد کو جلا دیا، (یہ شاید شمسی مسجد ہو) قلعۂ ناگور کو توڑا کھائی کو بھر دیا، ہاتھی چھین لے گئے، یونیوں (مسلمان عورتوں) کو قید کیا اور بیشمار یونوں (مسلمان مردوں) کو سزا دی۔ یونوں سے گایوں کو چھڑایا ناگپور (ناگور) کو گوچر بنا دیا، شہر کو مسجدوں سمیت جلا دیا اور شمس خاں کے

---

[1] ناگور کے راجہ بخت سنگھ اور میواڑ کے رانا کُمبھا کے حملۂ ناگور کے وقت صوفی حمید الدین ناگوری رح کی درگاہ کے پیچھے جہاں پر بڑے بڑے خوشنما گنبد اور مینارے اور مسجدیں تھیں جنکو مسمار کروا دیا گیا تھا جن کے نشانات آج بھی موجود ہیں اُسی زمانے میں صوفی صاحب رح کے بلند دروازے کو بھی گرانے کی کوشش کی گئی تھی۔ بلند دروازے کے اُوپر سنگِ مرمر کے کنگورے کا ٹوٹا ہوا کنگورہ آج بھی موجود ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ صوفی صاحب رح کے جھالرہ کے بُرج پر ایک توپ نصب

خزانے سے بڑی مقدار میں جواہرات چھینے سن ۱۴۵۵ء / ۸۶۰ھ (شری اد جہا : ادے پور۔ راجپوت کا اتہاس حصہ اول ص ۳۰۲ بحوالہ ڈاکٹر صدیقی: ناگور ص ۱۰۵)۔ مراۃ سکندری کے بیان کے مطابق رانا کنبھا بغیر ناگور پر قبضہ کیے ہوئے لوٹ مار کرکے میواڑ لوٹ گیا تھا۔ (ص ۸۳)

مجاہد خاں خانزادہ کی واپسی (۱۴۵۹/۶۰ء)

فارسی کی تواریخوں میں تو یہ دیا ہوا ہے کہ رانا کنبھا لوٹ مار کرکے ناگور سے واپس چلا گیا لیکن اسکے بعد ناگور سے متعلق کوئی ذکر درمیان میں نہیں لاتے نہ یہ بتلاتے کہ مجاہد خاں ناگوری کا حشر کیا ہوا جو بھاگ کر مالوہ میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ لیکن

بقیہ حاشیہ ص ۲۷۲ تھی جس کے ذریعہ ایک گولا داغا گیا جو دروازے کے کنگورے سے ٹکرا کر واپس لوٹا اور توپ کے منہ میں جا گھسا جسکی وجہ سے توپ پھٹ گئی تو ابامیر خاں ٹونک والوں نے اپنے دور حکومت ناگور میں اس توپ کو درست کروانے کی خاطر ناگور کے ملتانی آہنگران کو بلوا کر اس توپ کو درست کروائی مگر گولا داغنے پر توپ پھٹ گئی۔ نواب کا کہنا ہے کہ یہ توپ اپنی مثال آپ تھی فقیر حقیر نے اپنے بزرگوں سے یہ روایت سنی ہے۔ واللہ اعلم۔ مزارات اور گنبد اور مسجدیں مسمار کی گئی دیکھئے تاریخ راجگان ہند۔ نجم الغنی رامپوری حصہ دوم ص ۳ / تاریخ راجستان اردو ٹیمس ٹاڈ حصہ دوم ص ۱۳۴ / اپی گرافیا انڈیکا عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۰ء میں بھی تحریر ہیکہ 86-1883ء میں مسٹر گیرک انگریز نے اپنے سروے رپورٹ میں لکھا ہیکہ ناگور میں یہ مثل مشہور ہے کہ اورنگزیب نے اتنے مندر نہیں توڑے جتنی مہاراجہ بخت سنگھ جودھپور نے مسجدیں توڑ دائیں ہونگی اس بے رحمانہ غارتگری کیوجہ سے نہایت ہی معتبر مواد مقامی تواریخ ناگور کا مٹ گیا ساتھ ہی فن تعمیر کے نمونے بھی نہیں رہے جبکہ مستقل تواریخ میں ناگور کے حالات مفقود ہیں۔ لہٰذا ایسی محرومی کی حالت میں ان کتبات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ (ذیسائی)

"اورادِ قادریہ" کے بیان سے، جس کا حوالہ ڈاکٹر چغتائی نے دیا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید سلطان محمود خلجی کی مدد سے ناگور دوبارہ متمکن ہوگیا تھا۔ (غالباً ۸۵۹ یا ۸۶۰ھ میں) کیونکہ ناگور قلعہ کے پرکوٹے کی اُتری دیوار سے ایک کتبہ ہجری ۸۶۵ عیسوی ۱۴۶۰ کا حاصل ہوا ہے جس کی رو سے "مجلس عالی" مجاہد خاں نے کوئی مسجد بنوائی۔ اس کتبے سے اورادِ قادریہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ مجاہد خاں ناگور سے بھاگنے کے دس سال بعد ناگور کی حکومت پر فائز تھا۔

سن ۵۶-۱۴۵۵/۸۶۰ ہجری میں سلطان قطب الدین احمد گجراتی رانا کُنبھا کی ناگوری مہم کا بدلہ لینے کے بہانے چتوڑ پر فوج چڑھالے گیا اور اُس علاقے کے قصبوں کو بُری طرح لوٹ کر بڑی تعداد میں لوگوں کو قید کیا۔ رانا کو مجبور ہوکر کے ماننا پڑا کہ میں آئندہ کبھی ناگور کی طرف یا کسی مسلم علاقے پر حملہ نہیں کرونگا۔ اگلے سال ۵۷-۱۴۵۶/۸۶۱ھ میں محمود خلجی اور قطب الدین احمد نے ایک معاہدہ کیا کہ دونوں سلطان کی فوجیں مشترکہ طور پر رانا کُنبھا کے خلاف نقل و حرکت کریں گی اور رانا کا جو علاقہ فتح ہوگا اُسکو آپس میں بانٹ لیا جائیگا۔ ایسے وقت میں رانا کو چتوڑ میں قلعہ بند ہونا پڑا اور دونوں رفیقوں کی بہت سی مانگوں کو مان کر دوبارہ اس بات پر رضامند ہوگیا کہ آئندہ کبھی ناگور کے معاملے میں دخل انداز نہ ہوگا۔ اقرار نامے کی یہ دفعہ مجاہد خاں کی معاون ہی نہیں بلکہ اُس کے لئے بڑی کامیابی کی بات تھی کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ آپسی رقابت والے دونوں سلطانوں کی سرپرستی اُسکو حاصل ہوئی تھی اور اس سے دوسری بات جو نکلتی ہے یہ تھی کہ شمس خاں دوم کا میزبان قطب الدین احمد باضابطہ طور پر محمود خلجی کے اُمیدوار مجاہد خاں کی ناگور واپسی پر مُہرِ اثبات ثبت کر رہا تھا دونوں رفیق سلطانوں کی واپسی کے تین ماہ کے

اندر رانا کُنبھا نے وعدہ خلافی کرنی مصلحت سمجھی اور ناگور کی طرف فوج لیکر شاید اس لئے کہ قطب الدین کی مجاہد خاں کی تائید میں اس کو شک ہوا ہوگا۔ تاہم جیسے ہی رانا کُنبھا کو پتہ لگا کہ اگر اُس نے اپنی ناگور کی مہم کو آگے بڑھایا کہ سلطان گجرات، اس کی راجدھانی پر حملہ کر دیگا (ادلے کا بدلہ) اُس نے مناسب سمجھا کہ وہ ناگور کے حملے کی کاروائی سے ہاتھ کھینچ لے۔ اس وقت سے مجاہد خاں کی ناگور کی حکومت پر کوئی اعتراض کرنے والا نہ رہ گیا۔ اور شمس خاں دوئم جو ابھی تک قطب الدین کے دربار میں بحیثیت مہمان اپنی ناگور واپسی کے دن گِن رہا ہوگا اب اپنی قسمت کو رو رہا ہوگا۔ ۱۴۶۳ء/ ۸۶۷ھ کے سال جب قطب الدین بستر مرگ پر تھا۔ اُس کی ماں نے شمس خاں کی دُختر پر الزام لگایا جو قطب الدین گجراتی کی بیاہی بیوی تھی کہ اُس نے اپنے شوہر کو اپنے باپ کے کہنے پر زہر دے دیا ہے سلطان گجرات کی والدہ کے حکم سے شمس خاں ناگوری کو اور اسکی بیٹی دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے غالباً اورادِ قادریہ[1] کے اندراج سے یہ تحریر کیا ہے کہ مجاہد خاں ناگور میں حکومت کرتے ہوئے ۶۸-۱۴۶۷ء/ ۸۷۲ھ میں فوت ہو گیا۔ اس مجاہد خاں کی موت کا ذکر اور کہیں پایا نہیں گیا ہے مگر ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی کو اس تاریخ وفات کو ماننے میں کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ

---

[1] فقیر حقیر کی تحقیق ہیکہ اورادِ قادریہ ایک فرضی مشکوک کتاب ہے جو غیر معتبر روایت پر مبنی ہے جو فقیر کی نظر سے گذر چکی ہے جس کا مصنف سید خواجہ بخش ابن سید عبدالرشید محمد شاہ بادشاہ ۱۱۳۶ھ۔ ڈاکٹر زیڈ اے، دیسائی اپنے میگزین انگلش اے پی گرافیا انڈیکا عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۳ء میں لکھتے ہیں۔ اورادِ قادریہ کا مضمون ایسا لگتا ہیکہ ناموں کے اعتبار سے تو صحیح ہے لیکن اسمیں دی ہوئی تاریخیں غیر معتبر ہیں لہذا شجرے پر نظر ثانی کرنی پڑیگی میگزین دیسائی ص ۱۶ تا ۷۷۔ اے پی گرافیا انڈیکا سپلیمنٹ ۱۹۷۵ء ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی

اس تاریخ کے محض چار سال قبل کا مجاہد خاں کا کتبہ دستیاب ہے۔ یہ کتبہ ڈیڈوانہ کا ہے اور سنسکرتِ زبان میں ہے اور تاریخ وکرم سمبت ۱۵۲۰ء / ۱۴۶۳ عیسوی درج ہے۔ ہم نے پورا بیان مجاہد خاں کی واپسی کی بابت شکوہی ناگور سے استفادہ کر کے لکھا ہے۔ (صفحہ ۱۵) ۔

ایک تنقید

یہاں پر رانا کُنبھا کی ناگور پر فوج کشی کر کے وعدہ خلافی کرنے کا الزام جو فارسی کے موٴرخین نے لگایا ہے۔ اُسکی تنقید میں ڈاکٹر اوپندر ناتھ ڈے کا ایک مقالہ انڈین ہسٹری کانگریس ۱۹۷۳ء کی کاروائی رپورٹ حصہ اول صفحہ ۲۴۰ میں شائع ہوا ہے جس کی تائید میں حلیم صدیقی نے دوسرے موٴرخین کی رائے پیش کر کے ایک مفصل نوٹ لکھا ہے وہ تنقید یہ ہے کہ بلاشک رانا نے ناگور کی سمت پر فوج کشی کی تھی لیکن دراصل وہ مجاہد خاں کے خلاف نہ تھی بلکہ رانا نے راؤ جودھا راٹھوڑ کے خلاف کوچ کیا تھا (امپارٹینس آو ناگور ان میواڑ۔ گجرات کان فلکٹ از یو۔ این ڈے) اس کا پس منظر یہ ہے کہ چتوڑ میں راؤ رن مل کے قتل کے بعد سے راٹھوڑ لوگ لگاتار گوریلا طرز کے حملے میواڑ پر کرتے تھے۔ راؤ جودھا کا قبضہ مندوڑ پر سن ۱۴۵۳ء میں ہو چکا تھا۔ اُس نے رانا کُنبھا کی پنج سالہ مشکلات کا فائدہ اٹھا کر اپنی ریاست کی توسیع کرنی شروع کر دی تھی۔ لہٰذا رانا کو راٹھوڑوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی فکر ہوئی اور جیسے ہی مالوہ و گجرات سے صلح نامہ ہو گیا ویسے ہی اُس نے راؤ جودھا پر حملہ کرنے کا اقدام کیا جس سے فارسی کے موٴرخین نے وہم کا شکار ہو کر لکھ دیا کہ اُس نے ناگور پر فوج کشی کی تھی۔ حالانکہ رانا کُنبھا کا راٹھوڑوں پر حملہ کرنا بھی مصلحت کے خلاف تھا کیونکہ راؤ جودھا کے راٹھوڑ مرنے مارنے پر تُلے ہوئے تھے رانا کُنبھا اور راؤ جودھا کے درمیان صلح ہو گئی

تھی۔ اس صلحنامے کے بعد منڈور میں راؤ جودھا کی جشن تخت نشینی کی رسم ۱۴۵۸ء میں ادا کی گئی تھی۔

اس تنقید کا نتیجہ یہ نکلا کہ رانا کنبھا سلطانِ گجرات کی فوج کشی کی تیاریاں سُن کر نہیں بلکہ راؤ جودھا کے ساتھ صلحنامہ کرنے کے بعد چتوڑ لوٹا تھا اور پچاس ہزار سواروں کے ساتھ اُس کا کوچ کرنا ناگور کے خلاف نہیں بلکہ منڈور (راؤ جودھا) کے خلاف تھا (ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی: ناگور ص ۱۲۰-۱۱۷)

خانزادہ خان صلاح خان ۱۴۶۷-۷۰ء ۸۷۲-۸۷۵ھ

" اورادِ قادریہ " کے مخطوطے میں صلاح خاں کا نام " صلابت خاں " لکھ دیا گیا ہے مگر صحیح کتابت صلاح خاں ہے، کیونکہ اُس کے بیٹے اور جانشین فیروز خاں دوئم کے سبھی فارسی کتبات میں " صلح خاں " ہی آیا ہے۔

" اورادِ قادریہ " کے بارے میں فقیر حقیر کاتب الحروف پچھلے صفحات میں تحریر کر چکا ہے کہ یہ ایک مشکوک کتاب ہے۔

مُہتا نینسی کی مارواڑ دِگت میں اور پیروج خاں (یعنی فیروز خاں) پرستی (سنسکرت) میں بھی صلح خاں درج ہوا ہے۔

خانزادہ صلاح خاں مجاہد خاں کا بڑا بیٹا ہے۔ اُس کے دوسرے بھائی جلال خاں، مٹھا خاں، فتن خاں اور رکن الدین تھے۔ صلح خاں بڑا تھا اسکو پرستی کے کتاب میں صاحب قابلیت اور بہادر کہا گیا ہے۔ مجاہد خاں کی وفات کے بعد صلح خاں ہی ناگور پر تخت نشیں ہوا۔

ایک بات صلح خاں سے متعلق جو فارسی کے مورخین کے یہاں نہیں ملتی میں مُہتا نینسی کی مارواڑ دِگت سے پیش کرتا ہوں وہ اس طرح پر

ہیں کہ راؤ جودھا راٹھور کے دو بیٹوں کرم سی اور رائے پال نے ناگور جاکر اپنی بہن ناگا بائی کا بیاہ صلح خاں خانزادے کے ساتھ کردیا تھا۔ صلح خاں نے "راج پت) "رسم کے مطابق اپنے سالوں (کرم سی اور رائے پال) کو ایک ایک گاؤں۔ آسوپ اور کھینوسر) "بطور کٹاری" بخش دیا تھا۔ جب آگے چلکر راؤ جودھا کی ریاست کی توسیع ہوئی تو یہ دونوں گاؤں جودھپور ریاست کا حصہ بن گئے۔ مُہتا نینسی کے اس قول کو عصر حاضر کے راجستھانی مورخین بھی نقل کررہے ہیں۔

پیروج (فیروز) خاں پرستی کتاب سے کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر دشرتھ شرما نے اپنے مقالے میں کیا ہے (کارروائی رپورٹ راجستھان ہسٹری کانگریس ۱۹۷۲ء کا مضمون "دی خانزادا از آف ناگور"، "دیرا ریجلن اینڈ ہسٹری" ص ۳۷ ۱۹۷۳ء) اور مرو بھارتی جولائی ۱۹۷۰ء ص ۹۸-۹۹ کا مضمون "راجپوت اور مسلمانوں کے بیچ وواہ سمبندھ" (از لکشمی کماری چونڈاوات جس کا حوالہ حلیم صدیقی نے اپنے تھیسس ناگور میں دیا ہے ص ۱۲۹) وہ یہ کہ صلح خاں کے چھوٹے بھائی جلال خاں نے باگڑ (چورو کا علاقہ) کو جیتا اور (میڑتہ) کے راٹھوڑ دودا کو ہرایا اور اس کے بیٹے نے پالستاہ یعنی سلطان بہلول لودی کی مدد رن تھنبور اور شری درگ (بیانہ) پر قبضہ کرنے میں کی تھی۔ صلح خاں خانزادہ نے ۸۷۵ھ / عیسوی سن ۱۴۷۰ء میں انتقال کیا۔

(چغتائی کا پونا والا مقالہ ص ۱۷۹ و ص ۱۷۶)۔

خانزادہ فیروز خاں دوم ۹۸-۱۴۷۰ء

فیروز خاں دوئم صلاح خاں کا بڑا بیٹا تھا جو بہادری، ہمت وری

اور رواداری کے لئے جانا جاتا ہے۔ فیروز خاں کی ریاست ناگور سے نراینہ اور
سانبھر تک پھیلی ہوئی تھی جس کے بارے میں عصر حاضر کے مورخین کو وہم ہوا ہے۔
کوئی لکھتا ہے ناگور کے خطے کا بہت سا حصہ راؤ جودھا راٹھور کے قبضے میں تھا
کوئی دعوی کرتا ہے کہ راؤ جودھا کے بیٹے راؤ بیکا نے ناگور پر اقتدار جما کر بیکانیر
شہر کی بنیاد ڈالی اور تعجب ہے کہ ڈاکٹر اوجھا ور راجپوتانے کے اتہاس، میں رقمطراز
ہیں کہ بیکا نے ناگور پر چڑھائی کر کے اسے دوبارہ جیتا (صفحہ ۱۰۱-۱۰۰) یہ سب
کھیاتوں کی بناوٹی اڑان کی باتیں ہیں جن پر یہ سب حضرات ابھی تک انحصار
کرنے کے لئے مجبور تھے۔ (حلیم صدیقی ص۱۳۱ فٹ نوٹ) کیونکہ فارسی کے کتبوں
سے ابھی تک استفادہ کرنے سے پہلو تہی کی گئی جس کا رونا ڈاکٹر دیسائی رو چکے
ہیں۔ حتی کہ کالجوں اور یونیورسیٹیوں کے استاد بھی ان فارسی کتبوں سے نابلد
ہیں۔ ناظرین حضرات توجہ فرمائیں کہ فیروز خاں کے کتبے سنہ ۱۴۷۵ء،
۱۴۸۰ء-۱۴۸۲ء-۱۴۸۴ء-۱۴۹۱ء-۱۴۹۵ء-۱۴۹۶ء اور ۱۴۹۸ء، یعنی
فیروز خاں کی حکومت کے آغاز سے لیکر اختتام تک کے شائع شدہ ہیں جن میں
۸۱-۱۴۸۰ء میں کسی خانقاہ کی تعمیر "خان اعظم مجلس عالی" فیروز خاں بن صلح
خاں کے عہد میں ہوئی بتائی گئی ہے۔ (ان کتبوں کا نمبر ۱۰۶-۱۰۷-۱۹۲-۳۱۹
۳۸۱-۳۸۲-۳۸۴- دی ریسرچر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ کتبے ناگور
خاص بڑی کھاٹو۔ ڈیڈوانہ۔ لاڈنوں میں پائے گئے ہیں جو اس بات کے شاہد ہیں
کہ فیروز خاں دوئم کی حکومت پورے خطۂ ناگور پر تھی۔ دو کتبوں میں فیروز
خاں کے مقطع کا بھی نام مع خطاب یا لقب درج ہوا ہے مثلاً لاڈنوں (نمبر ۳۱۹)
کے مطابق سنہ ۱۴۸۲ء/ ۸۸۶ھ میں وہاں کا مقطع اور فوج دار ملک ملوک الشرق
ابراہیم چیمن خاں کیشلو خانی اور بڑی کھاٹو کے بموجب اسی سال ۱۴۸۲ء

میں کھاٹو کے معاملے (ضلع یا پرگنہ) کا مقطع ملک الامراختیار الدولت والدین ملک لاڈلا اخلاص وہ اخور بک خاص قدیم تھا۔ علیٰ ہذا القیاس ڈیڈوانہ کا گماشتہ سن ۱۴۹۱/۸۹۷ھ میں ملک ہزبر تھا جس نے ڈیڈوانہ کی جامع مسجد کی تجدید کی۔ (اکتبہ نمبر ۱۹۲)

میاں محمود فرمولی

فیروز خاں دوئم مسلموں اور غیر مسلموں کے ساتھ بڑی رواداری سے پیش آتا تھا جینی فرقے میں بہت مقبول تھا۔ اُس کے زمانے میں سنسکرت بھاشا میں پے روز (فیروز) پرستی لکھی گئی۔ یہاں پر فقیر حقیر دلّی کے سلطان سکندر لودھی کے ایک امیر میاں محمود فرمولی کا تعارف کرانا چاہتا ہے جو دلّی سے منتقل ہو کر بمع اپنے ہمراہیوں کے ناگور چلے آئے تھے جن کے حالات حلیم صدیقی نے اپنی تواریخِ ناگور میں واقعات مشتاقی اور تاریخِ داؤدی سے اخذ کر کے درج کیے ہیں۔ صہ ۳۴-۱۳۳)

میاں محمود فرمولی عرف لُوڈ رُمل، خواجگی شیخ سعید کا بیٹا، جو بہادری اور فیاضی میں اچھی شہرت کا مالک تھا کسی وجہ سے سلطان اور اپنے والد سے روٹھ کر ساٹھ تلوار بازوں کے ساتھ ملازمت کی تلاش میں ناگور پہونچا۔ خانزادہ فیروز خاں نے ان سب کو اپنے پاس رکھ لیا۔ دلّی والوں نے خانزادے کی اچھی خدمت کی جس سے خوش ہو کر میاں محمود کو پرچم بخشش کی گئی اب فرمولی کی کمان میں چار سو سوار ہو گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد جب سکندر لودھی کو پتہ چلا تو اس نے میاں محمود کو اُس کے والد کے ذریعے ناگور سے دلّی بلوا لیا آتے وقت میاں محمود اور اُس کے تلوار بازدلّی سے ناگور پیدل آئے تھے مگر اب فیروز خاں نے اس کو بمع اُس کے چار سو سواروں کے بڑی عزّت کے ساتھ رخصت کیا۔

(نوٹ) اوپر کے اقتباسات۔ ڈاکٹر عبدالحلیم صدیقی کی کتاب ناگور سے

اخذ کیے گئے (صفحات ۱۴۴ = ۱۵۰)

کتبہ نمبر ۱۰، مورخہ ۹۰۰ھ ۹۵-۱۴۹۴ء ناگور سے ملا۔

یہ کتبہ فیروز خاں دوم کے عہد کا ایک سطری جو شمس خاں دندانی کی درگاہ کے احاطہ موری قبرستان کے شاہی گنبدوں کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد کے بیچ والے محراب پر اول ڈاکٹر چغتائی، بعد میں غنم صاحب، نے اس کا (ربینگ یعنی چربہ لیا تھا۔ سنہ ۱۹۶۶ء میں میں نے ناگور میں پتھر کو دیکھ کر چربہ لیا اور اب شائع کر رہا ہوں لیکن خانزادہ کتبات کے طرزِ تحریر کی وجہ سے اس کتبہ کو پڑھنا مشکل پڑا۔ پھر بھی مطلب حل ہو گیا ہے۔ ایک سطری یہ کتبہ فارسی نثر میں بتلایا گیا ہے کہ مسجد سن ۹۵-۱۴۹۴ء عیسوی میں فیروز خاں کے عہد میں کیلا اصلح خانی کے بیٹے دادا نے بنوائی کتبے کی لکھاوٹ گجراتی کے طرز پر نسخ میں ہے۔

اصلِ کتبہ

بنا شد این مسجد انور در عہدِ دولت خانِ اعظم وخاقانِ معظم دوم بتوفیقِ رحمانی دادا کیلا اصلح خانی (برسہ) الثانی والعشر من شہر الرجب۔ رجب قدرہ سنۃ تسعمایۃ۔

(ترجمہ)

یہ مسجدِ انور خانِ اعظم اور خاقانِ معظم فیروز خاں کے عہدِ حکومت میں توفیقِ رحمانی سے کیلا اصلاح خانی کے بیٹے دادا نے ۹۰۰ھ مطابق ۸ اپریل ۱۴۹۵ء میں بنوائی۔

اس کتبے سے جیسا کہ تمہید میں بتلایا جا چکا ہے فیروز خاں دوم کا عہدِ حکومت ۸۹۹ھ سے ایک سال آگے ۹۰۰ھ تک بڑھ جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر چغتائی کے شجرے میں ہے۔ ایک بات اور اہم ہے وہ یہ کہ اوپر والے ... بڑی کھاٹو کے کتبے کی طرح اس کتبے میں بھی ایک معروف شخصیت کی نشاندہی ہے

یعنی ددا کیلا صلاح خانی جس نے مسجد بنوائی۔ لیکن یہ نام کسی واحد شخص کا ہے یا باپ بیٹے دونوں کا اس کے علاوہ ددا کے معنی دائی یعنی دودھ پلائی کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا۔ کہ مسجد بنوانے والی کیلا تھی جو فیروز خاں کے والد کے ساتھ بحیثیت دائی کے منسلک تھی۔

(محمد خاں) ۹۲۵-۲۶۔ ۹۰۰ھ/20-1519/1495ء

ڈاکٹر چغتائی کے شجرے میں لکھا ہے کہ محمد خاں اپنے والد فیروز خاں دوم کا جانشین ۸۹۹ھ میں ہوا۔ اور ۹۱۵ھ تک حکومت کی اب اوپر والے کتبے کے لحاظ سے فیروز خاں کی جانشینی محمد خاں کو ۹۰۰ھ تک نہیں مل پائی تھی ابھی تک ہمکو محمد خاں کے پانچ کتبے مل چکے ہیں جن میں سب سے پہلا ۹۰۹ھ اور آخری ۹۱۳ھ کا ہے۔ جینیوں کے گرنتھوں میں محمد خاں کو (سمت 1561) یعنی ۹۱۰ھ اور سمت 1576 یعنی ۹۲۵-۲۶ھ میں برسر حکومت بتلایا گیا ہے۔ لیکن شجرے میں ۹۱۵ھ اسکی حکومت کا آخری سال بتلایا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس نے سکندر لودھی کی ماتحتی میں آنا منظور کر لیا تھا (یہ شاید کتاب "اوراد قادریہ" کے بیان کے مطابق ہے جس کی تاریخیں غیر صحیح ہیں یعنی غیر معتبر ہیں لہٰذا جبتک کوئی دوسرا ماخذ دستیاب نہیں ہوتا محمد خاں کے آخری سال حکومت پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

کتبہ نمبر ۱۱ (مورخہ ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء ناگور سے ملا)

یہ ایک اور دلچسپ کتبہ ہاتھ لگا ہے۔ جس میں ایک نیا نام خانزادہ حکمرانوں کا دیا گیا ہے۔ اور اس کے ملنے کا سہرا رونق عثمانی صاحب کو ہے۔ جنھوں نے کچھ کتبے یعنی بٹیا سلیں، دلّی دروازہ کے اندر احمد علی

باب جی کی درگاہ کے قریب کیرے جولاہوں کی مسجد میں رکھوا دیئے تھے جن میں سے ایک کتبہ یہی ہے۔ اس کتبے میں محمد خاں کے دور حکومت میں ایک مسجد جامع خانزادہ میاں علی کی بیوی کے ذریعہ ۴-۳-۱۵۰۳ء میں تعمیر ہونے کا ذکر ہے اس فارسی کتبے کے حروف بڑے سڈول اور دیدہ زیب ہیں۔

اصل کتبہ

بنا این مسجد کلاں منکوحہ خانزادہ میاں علی بتوفیق رحمانی در عہد خان اعظم محمد خاں سنۃ تسعون تسعمایۃ - ۴-۳-۱۵۰۳ / ۹۰۹ھ

ترجمہ:- یہ مسجد خانزادہ، میاں علی کی منکوحہ نے بتوفیق رحمانی خان اعظم محمد خاں کے عہد میں ۹۰۹ھ ۱۵۰۳/۴ عیسوی میں بنوائی۔

یہ ناگور کا دوسرا کتبہ ہے جس میں شاہی خاندان کی ایک خاتون کا ذکر ہے۔ لیکن اس کا نام نہیں بتلایا گیا ہے۔ خوش قسمتی سے خانزادہ میاں علی خاں کا ذکر تواریخ میں موجود ہے۔ کیونکہ وہ محمد خاں خانزادہ کا بھائی تھا۔

اور ۹۱۵ھ کے لگ بھگ دوسرے بھائی ابوبکر سے محمد خاں کے قتل کی سازش کی تھی۔ لیکن ناکام ہوکر سکندر لودھی کے دربار میں پناہ لینے پر یہ دونوں مجبور ہو گئے تھے جو فی الوقت دھول پور میں پڑاؤ کر رہا تھا۔ لہذا محمد خاں نے اپنے بچاؤ کیلئے خطوط اور پیش کش روانہ کی اور اس بات پر راضی ہو گیا کہ اس کا نام خطبہ میں اور سکوں میں داخل کرے۔ علی خاں کو لودھی سلطان نے رسول پور سیر میں تعینات کر دیا جو بعد میں تادیباً اس سے چھین کر اس کے بھائی ابوبکر کو دیا گیا تھا اس سے زیادہ خانزادہ میاں علی خاں کا حال معلوم نہیں یہ واقعہ شاید تقریباً ۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ء کا ہے کتبے کی تاریخ میں ابھی میاں علی خاں ناگور ہی ہوگا۔ اور اسکی بیوی کی مسجد راجہ بخت سنگھ یا اس سے

قبل رانا کُنبھا کے ہاتھوں غارت ہوئی ہوگی۔

کتبہ نمبر ۱۲ (مورخہ سنہ ۹۱۱ھ / ۶-۱۵۰۵ء) ناگور سے ملا۔

۱۹۶۶ء میں فصیل کے نچلے حصّے میں نیاریوں کے محلّے کی طرف صوفی صاحبؒ کی درگاہ کے مقابل مجھے ملا۔ اور رونق عثمانی صاحب نے بھی مجھے دکھلایا بہت ٹوٹا پھوٹا ہوا ہے لیکن تقریباً پورا کا پورا کئی بار کی کوششوں سے پڑھ لیا گیا یہ ایک سطری فارسی کتبہ کسی مقبرہ کا ہے۔ ملک زادہ فتح اللہ خاں بیٹے خانزادہ احمد خاں کے، اُن کا مقبرہ اور مسجد سنہ ۱۵۰۵ء میں محمد خاں کے عہد حکومت میں بنا۔ بنوانے والے کا نام درج نہیں ہے جس کا قبر کا یہ پتھر ہے۔ اب ہلکئی ہے۔ جو کہ فتح اللہ شاہ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اور صوفی صاحب کی درگاہ کے پورب میں ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبر ہے جسکی کرسی صحیح سلامت ہے مگر کبھی طرزِ تعمیر کا اچھا نمونہ رہی ہوگی۔ اٹھ پہلو جیسی کہ کمہاری کی قبر ہے کتابت نسخ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ روایت ہیکہ آپ ساٹھ حافظوں کے استاد تھے۔ قیاس ہیکہ میاں علی خاں کی بیوی کی مسجد جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس مسجد پر مسلک اہلِ حدیث والوں نے اپنی عیدگاہ تعمیر کر لی ہے۔ یہ مسجد ملک زادہ فتح اللہ خاں بن خانزادہ احمد خاں والی ہو سکتی ہے۔

کتبہ

بنا این مسجد و گنبد فتح اللہ ملک زادہ بن خانزادہ احمد خاں در عہدِ خانِ اعظم محمد خاں بتوفیقِ رحمانی سنۃ احدیٰ عشر و تسعمایۃ ۹۱۱ ہجری ۶-۱۵۰۵ عیسوی۔

(ترجمہ)

فتح اللہ ملک زادہ خانزادہ احمد خاں کے بیٹے کی مسجد اور گنبد کی تعمیر خانِ اعظم محمد خاں کے عہد میں رحمان کی توفیق سے سنہ ۹۱۱ھ مطابق سنہ ۶-۱۵۰۵ء میں بنی۔ اس کتبے سے خانزادہ خان دان کے دو دیگر افراد کے ناموں کا پتہ لگا

اور فتح اللہ شاہ کی قبر کے بارے میں یہ بھی طے ہو گیا کہ یہ شخص ملک زادہ ہی ہیں جس پر یہ کتبہ نصب کر دیا گیا ہے۔ یہ کتبہ ۱۹۶۶ء میں نیاریوں کے محلے کے پاس اور تارکین صاحب کی درگاہ مبارک کے سامنے فصیل میں لگا ہوا تھا (اپی گرافیا انڈیکا عربین اینڈ پرسین سپلیمنٹ VII Plate 70 1970 A.D.)

کتبہ نمبر ۱۳ (مورخہ ۹۱۱ھ ناگور سے ملا۔

ایک پرانی مسجد ٹوٹی پھوٹی حالت میں پٹھانوں کے پاس (محلہ) میں جو ایک مینار کی مسجد کہلاتی ہے۔ کیونکہ دوسرا مینار گر پڑا ہے۔ مسجد کا طرز تعمیر ہندوانہ ہے جسکو انگریزی میں (ٹری بی ایٹ) اسٹائل کہتے ہیں۔ خوشنما مینار آٹھ پہلو کا ہے یہ مسجد اپنی اصلی حالت میں اچھی شاندار رہی ہوگی۔ شمسی مسجد اور عیدگاہ کے میناروں کے بعد یہ مسجد ناگور کے طرز تعمیر کا اچھا نمونہ ہے۔ ایک سطری فارسی کا یہ کتبہ بنانے والے کا نام رکھتا ہے جو ٹھیک سے پڑھا نہیں گیا۔ شاید یہ لفظ پھول کلا ہے۔ اس کتبے کا طرزِ کتابت جو نسخ میں ہے نہایت اعلیٰ ہے۔

کتبہ

بنا این مسجد پھول کلا(؟) در عہدِ خانِ اعظم محمد خاں بتوفیقِ رحمانی سنۃ احدیٰ عشر و تسعمایۃ

(ترجمہ)

یہ مسجد خانِ اعظم محمد خاں کے عہد میں رحمان کی توفیق سے پھول کلانے (۹۱۱ھ) میں بنوائی مطابق ۱۵۰۵-۶ء)۔

کتبہ نمبر ۱۴ مورخہ ۹۱۲ھ / ۱۵۰۶-۷ء کمھاری سے ملا

کمھاری چھوٹا سا گاؤں ناگور سے پچیس ۲۵ کلومیٹر کے قریب واقع ہے گاؤں کے اطراف میں چند مقبرے ہیں جن میں سے ایک بالا پیر کا ہے۔ اس میں دو قبریں ہیں۔ اسی کے قریب ایک آٹھ پہلو مقبرہ ہے۔ جسکو مقامی لوگ حسن شہید کا

مقبرہ کہتے ہیں مقبرے کی چھت پر گنبد ہے۔ اور مقبرے کی دیواریں محراب دار ہیں۔ اور جالیوں کے ذریعہ مزین ہیں۔ جگہ جگہ پر نیلا اینمل کا ٹائل ورک ہے۔ اس مقبرے کا شمار خانزادہ عہد چند یادگاروں میں ہونا چاہیئے یہ کتبہ غنم صاحب نے 1959ء میں دریافت کیا تھا۔ لیکن صحیح طور پر پڑھا نہیں جاسکا تھا۔ 1966ء میں غنم صاحب اور رونق عثمانی صاحبان کی ہمراہی میں، میں کمہاری گیا اور غور سے جب یہ کتبہ پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مقبرہ فیروزخاں کا نہیں ہے۔ جیساکہ پہلے پڑھا گیا تھا۔ بلکہ فیروزخاں خانزادہ دوئم کی لڑکے کی بیوی یعنی بہو کا ہے۔ یہ فارسی کا ایک سطری کتبہ بیان کرتا ہے۔ کہ فیروزخاں کے مرحوم بیٹے خانزادہ میاں حسن کی بیوی کے مقبرے اور اس سے ملحق مسجد کی تعمیر محمد خاں کے زمانے میں 1506ء میں ہوئی۔

قناتی مسجد روضہ حسن پیر

کتبہ :- بنا این مسجد و گنبد اتباع خان مرحوم بن فیروزخاں دوئم بنام خانزادہ میاں حسن بتوفیق سبحان در عہد خان اعظم محمد خاں فی [سنتہ] اثنیٰ عشر وتسعمایتہ۔

(ترجمہ)

یہ مسجد اور گنبد کی اتباع خان مرحوم بن فیروزخاں دوئم کے بیٹے خانزادہ میاں حسن کی اہلیہ کا روضہ [خداوند] سبحان کی توفیق سے خان اعظم محمد خاں کے عہد میں ۹۱۲ھ میں تعمیر ہوا مطابق 7-1506ء میں۔

(اپی گرافیا انڈیکا عربین اینڈ پرسین سپلیمنٹ 1975ء جلد VIII Plate 42)

خانزادہ میاں حسن اور اسکی بیوی کا حال مستقل تواریخوں سے جانا نہیں جاتا لہٰذا۔ اس کتبے کی اہمیت ہے اس کتبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میاں حسن فیروزخاں کا بیٹا تھا۔ اور فیروزخاں سے مراد فیروزخاں دوئم

ہے۔ یعنی وہ معاصر خانزادہ محمد خاں کا بھائی تھا۔ جو اپنی بیوی سے پہلے ہی فوت ہو چکا ہے تھا۔

کتبہ نمبر ۱۵ مورخہ ۹۱۳ھ/1507ء ناگور سے مِلا

یہ کتبہ محمد خاں کا آخری کتبہ ہے اور بُری طرح مجروح ہے۔ ناگور قلعے کے پرکوٹے پر اندر کی طرف لگا ہوا ہے۔ جا بجا اسطبل اور برن واس ہے لہٰذا پوری طور پر نہیں پڑھا گیا پھر بھی اُس کا مفہوم اور تاریخ صحیح طور پر معلوم ہو گئی۔ اس یک سطری فارسی کے کتبے میں لکھا ہوا ہے۔ کہ مسجد 1507ء میں محمد خاں کے عہد میں بنوائی گئی۔ نسخ کے طرزِ کتابت میں یہ کتبہ اعلیٰ فن کا حامل ہے۔

کتبہ:۔ بنیاد کرد این مسجد بتوفیق رحمان در عہد دولت بندگی خان اعظم و خاقان معظم محمد خاں فی التاریخ ثلث صفر المظفر (؟) سن سنۃ ثلاث عشر وتسعمایۃ۔

(ترجمہ)

یہ مسجد رحمان کی توفیق سے بندگی خان اعظم و خاقان معظم محمد خاں کے عہدِ حکومت میں تیسری تاریخ صفر المظفر ۹۱۳ھ میں بنی مطابق ۱۶ر جون 1507ء

ایک خاص بات اس کتبے میں یہ ہے کہ محمد خاں کے پانچ کتبوں میں یہی ایک کتبہ ایسا ہے جس میں خان اعظم و خاقان معظم کے دونوں القاب ایک ساتھ درج ہے جیسا کہ فیروز خاں دوم کے کتبوں میں ہر بار یہ دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں کیونکہ کتبے کی تاریخ ۹۱۳ھ صاف صاف پڑھی جا رہی ہے۔ لہٰذا حکمران معاصر کی خالی جگہ کو بھرنے کیلئے ہم نے محمد خاں لکھا دیا ہے۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہ ہونی چاہیئے۔

فیروز خاں سوم

اس حکمراں کا نام شجرے میں سب سے پہلے ڈاکٹر چغتائی نے ظاہر کیا تھا اور اُس کا دورِ حکومت ۹۱۵ھ سے ۹۲۲ھ بتلا کر محمد خاں کو اُس کے بیٹے کو اُس کا جانشین ظاہر کیا تھا۔ اور اس محمد خاں نے ۹۳۳ھ تک حکومت کی یہ معلومات کتاب (اورادِ قادریہ) مشکوک سے لی گئی ہونگی۔ لیکن محمد خاں کے اس واحد کتبے سے ظاہر ہوتا ہے! کہ فیروز خاں ۹۳۳ھ میں با حیات تھا۔ (نوٹ) یہ اقتباسات: ناگور کے خانزادوں کے کتبات اپی گرافیا انڈیکا عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۰ء ضیاء الدین دیسائی سے لیئے گئے۔

خانزادہ محمد خاں اوّل ۱۴۹۸ء / ۱۵۱۰ء

آمدم برسرِ مطلب! فیروز خاں کے پانچ بیٹوں میں سب بڑے محمد خاں ہوئے دوسرے بیٹے احمد خاں، علی خاں، ابو بکر خاں، حسن خاں نامی تھے۔ محمد خاں بڑے ہونے کے علاوہ قابلیّت میں بھی اپنے تمام بھائیوں سے بڑا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے دو بھائیوں علی خاں اور ابو بکر خاں نے اُس کے خلاف سازش کرکے محمد خاں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا (۱۵۰۹ء ۹۱۵ھ)۔ اُن کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ بڑے بھائی حکمراں کو قتل کرکے ریاست ناگور پر قبضہ جمانا چاہتے تھے۔ لیکن جب اس سازش میں کامیاب نہ ہوئے کیونکہ اطلاع پاتے ہی محمد خاں نے اُن پر حملہ کر دیا تو اس حملے کی مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ گے اور سیدھے دلّی کے سلطان سکندر لودھی کے دربار میں جاکر پناہ لی محمد خاں نے ایک عرضداشت کے ساتھ سکندر لودھی کو ایک معقول رقم بطورِ پیش کش

بھیج کر اور سکندر کا نام خطبے میں داخل کر کے سکے میں بھی رکھ دیا۔ سکندر لودھی نے محمد خاں کے اس برتاؤ اور رویہ کو دیکھتے ہوئے اُس کے واسطے گھوڑا اور خلعت بھیجا۔ یہ مضمون عہد مغلیہ کے مورخین کی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے جسکو عصری مورخین نے بھی نقل کیا ہے۔ البتہ علی خاں اور ابوبکر خاں کو اپنے پاس رکھ لیا بلکہ علی خاں کو سُولی سو یر کی جاگیر عطا کی۔ علی خاں نے مثلِ ناگور کے وہاں بھی سلطان کے خلاف برتاؤ کیا۔ تو اُس کی جاگیر ضبط کر کے سلطان نے ابوبکر خاں کے حوالے کر دی۔ اس طرح محمد خاں کو وہ عمل کرنا پڑا جو اس سے قبل بانی ریاستِ ناگور شمس خاں دندانی نے خضر خاں (دلی) کی ماتحتی قبول کر کے کیا تھا۔

یہ واقعہ بھائیوں کی ۱۵۰۹ء / ۹۱۵ھ کی بغاوت کا ہے یعنی محمد خاں کی تخت نشینی کے گیارھویں سال کا۔ اب ۱۵۱۳ء میں محمد خاں کو اپنی طاقت آزمائی کی سوجھی تو اُس نے بیکانیر ریاست کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا جہاں اسوقت راؤ بیکا بانی ریاست کا بیٹا راؤ لون کرن برسرِ حکومت تھا۔ لون کرن نے محمد خاں کی فوج پر رات کو چھاپہ مار کر محمد خاں کو اپنی ریاست ناگور واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

۱۵۱۸ء / ۹۲۴ھ میں جودھپور ریاست کے راؤ گانگا نے ناگور پر فوج کشی کر کے قلعۂ ناگور کو گھیر لیا تو محمد خاں کے سابق دشمن راؤ لون کرن نے اسکا ساتھ دیا اور اپنے خاندان اور ذات کا خیال نہ کر کے ایک راجپوت کی طرح اسکی مدد کی اور محمد خاں کے بچاؤ کیلئے اپنے جات بھائی راؤ گانگا سے لڑائی مول لی۔ راؤ گانگا ناگور اور بیکانیر کی مشترکہ فوج کے ساتھ مقابلے کی تاب نہ لاسکا اور گھیرا ناگور اُٹھا کر اپنی ریاست کی طرف واپس لوٹ گیا۔ آخر کار

راؤ لون کرن نے اچھا کام کیا کہ راؤ گانگا اور خان محمد خاں کے درمیان صلح کرادی
ریاست ناگور سے دستیاب کم ازکم چار کتبے ۴-۱۵۰۳ء، ۶-۱۵۰۵ء
۷-۱۵۰۶ء اور ۱۵۱۸ء/۹۲۴ھ کے دستیاب ہو چکے ہیں۔ مسجدوں کے اور دیگران
سکّوں کے علاوہ جینیوں کے یہاں ۱۵۰۴ء/ ۱۵۱۷ء/ ۱۵۱۱ء عیسوی میں
جو کتابیں لکھی گئیں جن کے مخطوطوں سے محمد خاں کی وفات کی تاریخ ۱۵۲۰ء/۹۲۶ھ
مانی گئی ہے۔ (دی ریسرچر نمبرات کتبہ جات ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱۔ ۳۹۲،
کیلاش چند جین۔ اے بریف ہسٹری آف ناگو (دی اڑیسہ ہسٹاریکل ریسرچ
جرنل حصہ ۷ شمارہ ۵-۳-۴) حلیم صدیقی ناگور ص ۱۳۹)۔

خانزادہ فیروز خاں سوم

۱۵۲۰-۲۷ء
۹۲۷ - ۹۳۴ ہجری

خانزادہ محمد خاں اوّل کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے فیروز خاں سوم نے ناگور کے تخت حکومت پر بیٹھکر کل سات سال حکومت کی مگر اول چھ سال کے حالات کی فی الحال کوئی معلومات ہم تک نہیں پہونچی ہے۔ صرف آخری سال کی ایک بات جو حملہ آور بابر بادشاہ سے تعلق رکھتی ہے وہ بابرنامہ اور افسانۂ شاہان سے حلیم صدیقی نے اپنے مقالے میں درج کی ہے۔ (ص ۴۲-۱۴۱)

ریاستِ ناگور میں صرف ایک فارسی کتبہ ہے جو ۱۵۲۷ء/۹۳۴ھ میں ایک مسجد اور ایک مقبرہ بنوائے جانے کی خبر دیتا ہے (دی ریسرچر کتبہ نمبر ۳۹۳ لعہد حکومت فیروز خاں۔

بابر اور رانا سانگا سے متعلق حکایت اس طرح ہے۔ کہ فیروز خاں کھانوا کی لڑائی میں رانا سانگا کی مدد کے لیئے چالیس ہزار فوجیوں کے ساتھ

جنگ میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا لیکن راجپوتوں کی نظر میں اُس پر شک کرنے کی وجہ تھی اور اُس پر تنقید بھی کی گئی تو لڑائی کے آغاز ہی میں فیروز خاں اپنے فوجیوں کو لیکر میدان جنگ سے نکلکر ناگور کی طرف بھاگ گیا۔ راناسانگا کی فوج میں جب بھگدڑ مچی اور رانا شکست کھاکر رنتھمبھور کی طرف چلا گیا تو سمجھا گیا کہ راناسانگا کی ہار ناگوری فوج کے بھاگنے کے کارن ہوئی۔ ڈاکٹر اوجھا نے اپنے راجپوتانے کے اتہاس میں ایک راجستھانی چھند کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ کھانوا کی جنگ کے بعد راجستھان کی طرف بڑھتے ہوئے بابر بادشاہ نے ناگور کو بھی جیت لیا تھا لیکن بابر نامہ میں اُسکی شہادت نہیں ملتی ہے صرف اتنی خبر بابر نے دی ہے۔ کہ ناگور بھی اُس کے ماتحت ایک ریاست تھی۔ حملے کی بات اُس نے نہیں لکھی ہے۔ ایسا قیاس ہوتا ہے کہ فیروز خاں خانزادہ نے اپنے آپ اس بات کا اقدام کیا بابر کی ماتحتی قبول کرلی ہو۔ مگر بابر کو خراج بھی دیا ہو اس کا ثبوت بابر نامہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

ایک اور واقعہ حلیم صدیقی نے اوجھا کے راجپوتانہ کے اتہاس صفحہ ۱۲۳ سے اخذ کیا ہے۔ اور وہ بھی ۱۵۲۷ء عیسوی کا ہے۔ بیکانیر کے راؤ لون کرن کے بیٹے راؤ جیت سی کو درون پور کے اودے کرن کے بیٹے کلیان مل پر اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے ۱۵۲۷ء ۹۳۴ھ میں اپنی فوج کشی درون پور پر کرنے کا اتفاق ہوا۔ کلیان مل یہ سنتے ہی بھاگ کر فیروز خانزادے کے پاس ناگور میں پناہ گزیں ہوا۔ فیروز خاں نے بڑی رواداری کے ساتھ اُسکو پناہ دی۔

خانزادہ محمد خاں دوم ۲۸-۱۵۲۷ء

محمد خاں دوم کا کوئی فارسی کتبہ ابھی تک دستیاب نہیں ہے کیلاش

چند جین کی اے بریف ہسٹری آف ناگور سے ظاہر ہے کہ ۱۵۲۸ء/۹۳۵ھ (وکرم ۱۵۸۵) میں ناگپور (ناگور) نگر میں شری محمد خاں خانزادہ کے راجیہ میں جین دھرم پر ایک کتاب لکھی گئی۔

خانزادہ سرخیل خاں

۱۵۲۸-۴۰ء ۹۳۵-۹۴۷ھ

محمد خاں دوئم کا بیٹا سرخیل خاں ناگوری جودھپور کے راؤ گانگا راٹھوڑ کا ہم عصر تھا۔ راؤ گانگا کے چچا شیخا اور ہرداس اوہڑ راؤ گانگا سے ناراض ہو کر راؤ گانگا کے خلاف فوجی امداد لینے کے لئے ناگور پہونچے۔ اور کہا کہ اس امداد کے بدلے سرخیل خاں اور اس کے بیٹے دولت خاں خانزادہ کو نہ صرف اپنی بیٹیاں بیاہ دیں گے بلکہ ناگور کی سرحد کے دو سو گاؤں بھی دیں گے۔ سرخیل خاں خانزادے نے دس ہزار کی فوج دولت خاں کی سرکردگی میں بھیج دی اور جودھپور پر اس طرح فوج کشی ہو گئی۔ ادھر راؤ گانگا نے بیکانیر سے فوج منگا کر مقابلہ کیا ساتھ ہی اپنے چچا شیخا کو سمجھایا بجھایا۔ مگر وکرم سمبت ۱۵۸۶ = ۱۵۲۹ عیسوی میں موضع سیوکی میں جنگ ہوئی کیونکہ شیخا ماننے کو تیار نہ تھا۔ اسی اثناء میں دولت خاں خانزادہ کو شک ہوا کہ شیخا کی طرف سے دھوکا بازی کا اندیشہ ہے لہٰذا وہ شیخا کا ساتھ چھوڑ کر اپنی فوج واپس لے گیا اور شیخا بمع ہرداس شکست کھا کر مارا گیا۔ (نینسی کھیات حصہ دوئم ص ۱۵۲/۱۴۸)

راؤ گانگا کے بعد اس کا والد کش بیٹا مال دیو جودھپور میں تخت نشین ہوا۔ راؤ مال دیو اپنے ہم عصروں میں اپنی چالاک حکمت عملی اور بلند حوصلگی کے ساتھ اپنے چھوٹے سے راجیہ کی توسیع کے مشہور تھا لہٰذا اس نے سب سے

پہلے ناگور کے سرخیل خاں خانزادہ کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اپنی بیٹی جسودا بائی کا بیاہ سرخیل خاں ناگوری کے ساتھ کر دیا (بانکی داس ری کھیات: اَیتہا سِک باتیں سنکھیا ۱۹۲ بحوالہ حلیم صدیقی ص ۱۴۶) لیکن جب اُس کا ایک سردار دولت خاں کے ہاتھ سے مارا گیا اور مال دیو کے ایک دوسرے سردار نے دولت خاں کو اور بھی جوش دلایا تو بالآخر جیتا پنچائنوت نے دولت خاں کے ساتھ ایک ٹاک قوم کی لڑکی بیاہ کر بارہ گاؤں دے کر دشمنی کو ختم کیا۔ (مارواڑ پرگنہ ری وِگت حصہ اول ص ۴۶)

اُس وقت سرخیل خانزادہ ناگوری گجرات کے سلطان بہادر شاہ کو اپنا بڑا سمجھتا تھا۔ بہادر شاہ گجراتی اور بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں اُس کے جانشین میں اَن بن تھی لہٰذا بہادر شاہ نے ناگور کو مرکز بنا کر پنجاب تک چھاپہ مارنے کے لئے رنتھمبور کے حاکم برہان الملک ملتانی کی سرداری میں ایک فوج روانہ کی۔ (اکبر نامہ وظفر الوالہ) جب دولت خاں نے سمبت ۱۵۹۷ء ۱۵۴۰ء/۱۰۰۶ھ = ۹۴۷ھ - میڑتہ کو فتح کرنے کے لئے بیرم دیو پر چڑھائی کی ادھر مال دیو نے موقع پا کر ناگور پر اچانک حملہ کر دیا۔ خانزادہ اُس کے حملے کا مقابلہ نہ کر سکا اور لڑائی میں مارا گیا۔ ۱۵۴۰ء/۹۴۷ھ میں اس واقعے کا اندراج مارواڑی اور فارسی دونوں کے مورخوں نے کیا ہے گو سن سمبت میں اختلاف ہے۔ یہ مال دیو کا مارواڑ پر حملہ شاید اُس وقت ہوا جب کہ سلطنتِ ہند کے دو رقیب ہمایوں اور شیر خاں آپس میں اُجین کے میدانِ جنگ میں الجھے ہوئے تھے۔ اس کی اطلاع جب دولت خاں خانزادے کو میڑتہ میں ملی تو وہ میڑتہ سے پلٹ کر آیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ناگور پر مال دیو پوری طرح قابض ہو گیا تھا۔ پھر بھی دولت خاں ناگوری نے مال دیو سے لڑائی

کی مگر بے سود رہی اور وہ اجمیر کی طرف بھاگ گیا۔ (تاریخ داؤدی، واقعات مشتاقی)

اب مال دیو نے بیرم مانگ لیوت کو ناگور کا حاکم مقرر کر دیا لیکن ابھی ایک بار پھر ناگور کو راٹھوڑوں کے ہاتھوں سے چھڑانے کے لئے فوج کشی کر کے قسمت آزمائی کی مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور تقدیر میں یہی تھا کہ ایک سو چھتیس ۱۳۶ سالہ پران خانزادوں کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ خان زادہ خاندان اور برادری کی دن بدن ناگور میں تعداد گھٹتی چلی گئی اور چار سو سال کے عرصے میں صرف ایک خاندان ناگور میں رہ گیا تھا جن کے نام اس طرح سے ہیں ولی خاں، رمضان خاں، عبدالغنی خاں، فیاض خاں، جو ۱۹۴۷-۴۸ء میں یہ بھی ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ اس طرح ناگور کے مسلم ٹاک راجپوتوں کا خانزادہ خاندان کا ناگور سے خاتمہ ہو گیا۔ اوپر کے اقتباسات حلیم صدیقی کی کتاب غیر مطبوعہ سے اخذ کئے گئے۔ (صفحات ۱۴۴ – ۱۵۰)

(نوٹ) عبدالغنی خاں اور فیاض خاں کی اولاد آج بھی پاکستان حیدرآباد سندھ میں شاد و آباد ہے۔ غنی خاں کی صاحبزادی فقیر حقیر کاتب التحریر کے سالے پیر کبیرالدین شاہ سنگھانوی نبیرۂ شیخ فریدالدین چاکرّاں علیہ الرحمۃ کی اولاد سے بیاہی گئی ہے۔ جو حیدرآباد پاکستان پھلیلی پار میں رہتے ہیں اس سے قبل فقیر حقیر کی ہمشیرہ سے ان کا رشتہ ہو یا ہوا تھا مگر ہندوستان پاکستان کی دوری کی وجہ سے یہ رشتہ منقطع ہو گیا۔ اور ان حضرات نے اپنا رشتہ خانزادہ خاندان ناگور سے جوڑ لیا اس ناگوری خانزادہ خاندان کا شجرہ اس طرح ہے۔ جو فقیر کو مرحوم قبلہ والد صاحب نے بتلایا تھا۔

شجرۂ انساب خانزادگانِ ناگور ملاحظہ فرمائیں۔

شجرۂ انساب خانزاگان ناگور۔

جوبجھار خاں
|
شریف خاں
|
فیروز خاں
|
پیرو خاں
|
قالو خاں
|
سمن خاں

- ولی خاں
  - عبدالغنی خاں
    - محمد عمر خاں
    - شیر خاں
    - حال مقیم حیدرآباد پاکستان
- رمضان خاں
  - فیاض خاں
    - محبوب خاں
    - حال مقیم حیدرآباد پاکستان
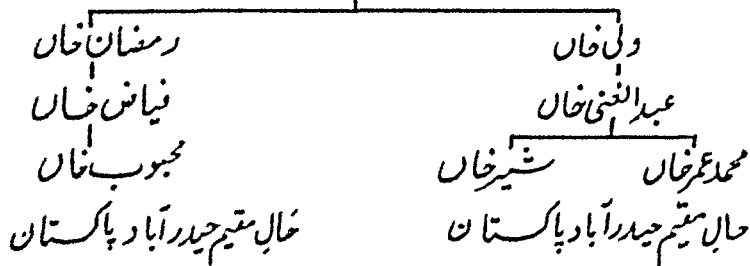
تبصرہ شہاب الدین غوری سے لے کر سلطان محمد بن تغلق اوّل تک دہلی کی مرکزی حکومت کا اختیار واقتدار اور رعب داب معمول پر رہا تاہم ایک سو سال تک دہلی کے ترک پورے ہندوستان پر قابض نہیں ہو سکے تھے۔ یہ کام قبضہ وقدرت نے سلطان علاءالدین خلجی کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ خلجیوں کے جانشین تغلقوں نے حتی المقدور کوشش کی مگر محمد بن تغلق جیسا جابر وقاہر حکمران بھی دکھن کے صوبوں کو آزاد ہونے سے نہ بچا سکا۔ فیروز تغلق نے بھی دکھنی صوبوں کے لئے نقل وحرکت کرنے سے پہلو تہی کی یہاں تک کہ بنگال پر بھی اپنی گرفت مضبوط نہ کر سکا اور اپنی راجدھانی کے عملوں پر بھی قبضہ قائم نہ رکھ سکا تو یکے بعد دیگرے اقطاعات (صوبوں) کے مقطعے بھی من مانی کرنے لگے اور مالوہ

گجرات۔ جونپور۔ ملتان سبھی اقطاعوں میں خود مختار حکومتیں بننے لگیں۔ ہمکو ان بڑی
حکومتوں کے علاوہ تین۳ چھوٹی حکومتوں کا پتہ ہے۔ ایک بوندیل کھنڈ کے علاقے
میں کالپی جہاں چودھویں صدی کے آخر کی سالوں میں ملک زادہ ترکوں نے
آزاد ریاست قائم کر کے اپنی راجدھانی کالپی کا نام محمد آباد رکھا۔ یہ کالپی جمنا ندی
کے کنارے گمنام قسم کی جگہ تھی جو بہت جلد قصبے میں تبدیل ہو گئی۔ محمد آباد کے متوازی
علاقے ہریانہ فتح پور جھنجھنوں، جہاں کے حکمرانوں قیام خانی کیمپی چوہانوں پر "قیام
خاں راسا" نامی کتاب شائع ہو چکی ہے جو اسی قوم کے ایک صاحب علم شاعر
نے ہندی زبان میں تصنیف کی ہے۔ ناگور، ترکی فاتحوں کی آمد سے ایک سو سال
تک دہلی۔ اجمیر۔ حصار کی ماتحتی میں رہ کر پہلے گجرات سے ملحق کیا گیا اور بالآخر
خانزادہ راجپوتوں کی ریاست کا صدر مقام بنا۔ محمد آباد اور ناگور کی تواریخ کے
طالب علموں کو جب ایک طرف محمد آباد کالپی کے حالات برٹش میوزیم میں
محفوظ "تاریخ محمدی"، کے مخطوطے سے مل جاتے ہیں تو دوسری طرف ناگور کے
تواریخی حالات پر ناگور میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس سے استفادہ
کیا جا سکے۔ جینیوں کی پیروج پرستی کوئی اتہاس نہیں ہے وہ تو بھارت
کی روایات کے مطابق رئیسوں کی قصیدہ خوانی ہے۔ مختصر بھی اور خانزادہ حکمرانوں
پر محدود بھی لہٰذا گجرات کی تواریخ مرآت سکندری میں خانزادو پر جتنا لکھ
دیا اُس پر قناعت کر کے فقیر حقیر کاتب الحروف کتبات کی روشنی میں جتنا بن پڑا
لکھتا اور پیش کرتا ہوں۔ دوسری خصوصیت خانزادہ لوگوں کی چودھویں صدی
کے اواخر کا غیر معمولی توجہ انگریز واقعہ ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ضیاءالدین دیسائی
نے توجہ کی دعوت دی ہے کہ سلطان فیروزشاہ تغلق کے عہد میں شمالی ہند
کے راجپوت حکمران قومیں اسلام قبول کرنے لگیں تھی اس سماجی تبدیلی کی

توضیح ہونی چاہئے۔ فقیر حقیر کی رائے میں صوفیوں کا چشتیہ سلسلہ زیادہ اور سہروردیہ سلسلہ کم اس روحانی رجحان کا ذمہ دار ہے یعنی کہ جو اچھوت اور دلت ذاتوں کے بعد، راجپوت حکمراں قوموں میں نمودار ہوا۔

کیمی چوہانوں کے علاوہ راجستھان میں مُوہل چوہانوں میں اسلام کی اشاعت اسی چودھویں صدی کے شروع میں ہوئی ہے جیساکہ (ملک علاءالدین رجے سنگھ) کے سلسلے میں، میں عرض کر چکا ہوں۔ اس غیر معمولی رجحان کا ردِّ عمل رانا سانگا ابراہیم لودھی اور بابر مغل سے ٹکر لینا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

ایک اور بات ہے جو ڈاکٹر دشرتھ شرما نے قیام خانی کیمیوں کے بارے میں لکھی ہے کہ ان لوگوں نے اسلام میں داخلے کے بعد دوسرے راجپوتوں سے بیٹیاں لینا جاری رکھا اور گائے کا گوشت نہیں کھایا۔ ناگور کے مُسلم راجپوت خان زادوں نے بھی راٹھوڑوں کے ساتھ یہی رویہ رکھا ان تینوں مسلم راجپوتوں میں راجپوتی نام رکھنے کا رواج اب تک ہے اور راجپوتوں کی بہت ساری رسمیں انکے سماج میں جاری وساری ہیں۔

پندرھویں صدی عیسوی کا نصف اول ایسا زمانہ گذرا ہے جبکہ صوبجاتی ریاستیں کمزور ہونے لگیں تھیں اور اکبر بادشاہ کی یکجہتی کیلئے کوشش ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ کالپی۔ فتح پور، جھنجھنوں اور ناگور جیسی چھوٹی ریاستوں کے لئے اپنا تشخص قائم و محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ ناگور کے خانزادوں کو بھی وقتاً فوقتاً کبھی دہلی کبھی چتوڑ۔ کبھی گجرات یا مالوہ، یہاں تک کہ اپنے عہد کے آخری سالوں میں جودھپور۔ بیکانیر سبھی سے سانٹھ گانٹھ رکھنی پڑتی تھی اور کبھی خانزادے کسی پڑوسی راجپوت ریاست پر حملہ آور ہونے کی پہل بھی کر بیٹھتے تھے غرض کہ ہم عصر حکمرانوں کی کمزوریاں

ان میں موجود تھیں۔ خوبیوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟۔ کیونکہ کوئی تواریخی ماخذ موجود نہیں ہے سوائے اسکے کہ ڈیڈوانہ۔ نراینہ میں انکے زمانے میں اچھا خاصہ تعمیری کام ہوا ہے۔ قلعۂ ناگور کی خانزادوں کی عمارتیں عہدِ راٹھوڑی میں محفوظ نہیں رہ سکیں اس لئے یہاں زبردست خلا ہے۔

خانزادگان ناگور کا شجرۂ خاندان

وجیہہ الملک سدھارن ٹاک

دریا خاں (ظفر خاں) سلطان مظفر شاہ اوّل گجرات — شمس خاں اوّل دندانی ناگور/ ۱۴۰۴-۱۸ء

شمس خاں اوّل کی اولاد: مجاہد خاں ڈیڈوانہ ۱۴۳۶ عیسوی — فیروز خاں اوّل ناگور/ ۱۴۱۸-۵۳ء

شمس خاں دوم/ ۱۴۵۳ء

خلا (۱۴۵۳-۵۸ء)

مجاہد خاں — /۱۴۵۹-۶۷ء

صلح خاں — /۱۴۶۷-۷۰ء

فیروز خاں دوم/ ۱۴۷۰-۹۸ء

فیروز خاں دوم کی اولاد: ۱ مین خاں، ۲ ابوبکر خاں، ۳ علی خاں، ۴ احمد خاں، ۵ محمد خاں اوّل

محمد خاں اوّل ۱۴۹۸-۱۵۲۰

فیروز خاں سویم — /۱۵۲۰-۲۷ء

محمد خاں دوم /۱۵۲۷-۲۸ء

سرخیل خاں /۱۵۲۸-۴۰ء

دولت خاں

مالدیو اور شیر شاہ سوری

راؤ گانگا کے بعد مالدیو اُس کا بیٹا مارواڑ کا حکمراں ہوا (۱۵۳۱ء ۹۳۸ھ) میں اُس وقت مالدیو کے زیر حکومت جودھپور اور سوجت صرف دو ہی پرگنے تھے۔ باقی پرگنوں پر بقول ڈاکٹر اوجھا مارواڑی سردار قابض تھے۔ اُس کے بعد ناگور کی ریاست کس طرح اُس کے قبضے میں آئی ہم دیکھ چکے ہیں (سنہ ۱۵۴۰ء، ۹۴۷ھ) میں مال دیو سے متعلق راؤ گانگا کے عہدِ حکومت کی ایک حکایت کھیاتوں میں درج کی گئی ہے جس سے مال دیو کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ سیو کی لڑائی کے وقت ناگوری فوج کا دریا جوش، ہاتھی بھاگ کر میڑتہ چلا گیا۔ میڑتہ والوں نے اُس ہاتھی کو اپنے یہاں رکھ لیا۔ کنور مال دیو نے وہاں کے جاگیردار بیرم دیو دوداوت کو ہاتھی واپس بھیجنے کے لئے لکھا تو اُس نے جواب دیا کہ اگر کنور مال دیو ہمارے یہاں مہمان ہو کر آئیں تو مہمانی میں اُنہیں ہاتھی دیدیا جائیگا۔ اس پر مال دیو کنور میڑتہ پہونچا اور کھانا کھانے کے قبل ہی ہاتھی طلب کرنے لگا۔ بلکہ ضد کی اس ضد کا جواب میڑتیوں نے انکار سے دیا۔ وہ ناراض ہو کر مال دیو جودھپور واپس لوٹ گیا۔ راؤ گانگا کے سمجھانے پر بیرم نے دو گھوڑے راؤ کنور کیلئے اور ایک ہاتھی مال دیو کے لئے بھیج دیا لیکن راستے ہی میں ہاتھی اپنے زخموں کی تکلیف سے مرگیا۔ پھر بھی صلح پسند گانگا نے اپنی سرحد کے اندر مرنے والے ہاتھی کے لئے کہا کہ ہمکو مل گیا لیکن شدت پسند مال دیو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا اور کہا کہ میں جب بھی لے سکونگا لے لونگا۔ لہٰذا تخت نشین ہوتے ہی مال دیو نے میڑتہ پر ہاتھ صاف کیا اور بیرم کو نیست نابود کرنے

کرنے کا ارادہ کرلیا۔ میڑتہ کے بعد کس طرح ناگور پر مال دیو کا قبضہ ہوا وہ ہم دیکھ چکے ہیں (سنہ ۱۵۴۰ء) میں ناگور پر مال دیو کا قبضہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، ریاست کی توسیع کے اعتبار سے بھی اور آمدنی کے پیش نظر بھی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ راؤ مال دیو کے مزاج میں ضد بہت تھی۔
میڑتے کا بیرم دیو اُس کو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ میڑتہ میں بیرم دیو کی غیر حاضری میں ناگور کے خان کو "دریا جوش" ہاتھی کے بہانے میڑتہ پر حملہ کرنے کیلئے جوش دلانے والا مال دیو ہی تھا۔ اس کے علاوہ اُسکی فطرت میں چالاک حکمت عملی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور اپنی خود غرضی کے لئے دوسروں کو جوش دلا کر اُس سے فائدہ اُٹھانا خوب جانتا تھا۔ عالی حوصلگی اتنی تھی کہ پورے مارواڑ کو زیرِ حکومت کرنے میں شیر شاہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ اب سنہ ۱۵۴۱ء / ۹۴۸ھ میں شمالی ہند میں شیر خاں سوری کی طاقت بڑھ رہی تھی جس کے لئے مال دیو کو احتیاطی تدبیر کی فکر ہوئی کہ اگر مغل راٹھوڑ گٹھ جوڑ ہو جائے تو نہ صرف شیر خاں کا مقابلہ کرنا آسان ہوگا بلکہ مال دیو اور ہمایوں دونوں مِل کر شیر خاں کو اُس کے فتح کیے ہوئے علاقوں سے بے دخل کرنا آسان ہو جائیگا۔ لہٰذا اُس نے ہمایوں بادشاہ کو تین بار مراسلہ بھیجا کہ آپ مارواڑ آ کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائیے۔ مگر ہمایوں کے مزاج میں سُستی تھی۔ ساتھ ہی مال دیو نے بیس ہزار کی فوج نقل و حرکت کرنے کے لئے تیار اور پا بہ رکاب کر رکھی تھی کہ دونوں مل کر دلّی پر حملہ کریں گے لیکن جب ہمایوں کی طرف سے کوئی اشارہ کنایہ نہیں آیا تو مال دیو نے اِس فوج کو بیکانیر فتح کرنے میں لگا دیا۔
شیر شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مال دیو سمجھ رہا تھا۔ لہٰذا شیر شاہ کو دبانا پہلی ضرورت سمجھ کر اُس نے ہمایوں کو دعوت دی تھی کیونکہ شیر خاں کی پشت

پر پوری افغان قوم تھی جو اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو مغلوں سے چھینا چاہتی تھی جن راجپوتوں کے ساتھ مال دیو نے چھینا جھپٹی کی تھی راٹھور سمیت وہ شیر شاہ کے کیمپ میں پہونچ چکے تھے۔ جب ملّو قادر شاہ جسکو شیر خاں نے مالوے سے بے دخل کیا تھا، گجرات سے آکر مالوہ پر حملہ آور ہوا اور مالوہ کے باغیوں نے سر اُٹھایا تو اس میں مال دیو کی در پردہ امداد شامل بتائی گئی ہے۔

یہ آخری تدبیر مال دیو کی تھی کہ شیر خاں کا دھیان بجائے مارواڑ کے مالوہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ اُدھر ہمایوں کی حالت یہ تھی کہ پے در پے لڑائیاں شیر خاں کے خلاف ہار چکا تھا:- چولسا۔ ادجین۔ بلگرام اب ستارہ ہوتا ہوا جب ۱۵۴۲ء میں پھلودی پہونچا تو مال دیو ۱۵۴۱ء کے مقابلے میں، جب اُس نے ہمایوں کو مدعو کیا تھا، ۱۵۴۲ء اس مال دیو کے لئے ایک سال پرانی دعوت پر قائم رہنا خلاف مصلحت تھا کیونکہ شیر خاں مالوہ کی مہم کو مؤخر کر کے شیخاوائی کی طرف سے ریواڑی پہونچ سکتا تھا لہذا شیر خاں کی حکمت عملی یہ ہوئی کہ ناگور پہونچ کر ناگور کو جو مارواڑ کا آخری پھاٹک تھا، جہاں سے دلّی کی حفاظت کیلئے بھی جایا جا سکتا تھا۔ اور جہاں سے ہیبت خاں نیازی پنجاب کی فوج لے کر ملتان کے بلوچ اور جاٹ باغیوں سے لوہا لے سکتا تھا۔ شیر خاں اور ہیبت خاں نیازی دونوں کی فوجوں کا جائے قیام بنایا جائے شیر خاں کا ناگور پر قبضہ اور ہمایوں کا پھلودی پہونچنا یہ دونوں واقعات بیک وقت ہوئے نظام الدین نے اپنی کتاب طبقات اکبری (ایلٹ صد ۲۱۱-۱۲) میں صاف صاف لکھا ہے کہ ناگور اور اُسکے مضافات پر شیر خاں کا قبضہ اُس وقت ہوا تھا جب ہمایوں کا ایلچی جودھپور پہونچا ہے یعنی ماہ اگست ۱۵۴۲ء کے دوسرے ہفتے میں ڈاکٹر قانون گو، کا قیاس ہے کہ

شیر خاں نے آگرے سے چل کر میوات ہو کر مال دیو کی شیخاواٹی پر قبضہ کیا ہوگا اور ناگور پر قبضہ کر کے اپنا ایلچی جودھپور بھیجا ہوگا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ مال دیو ہمایوں کو زندہ گرفتار کرے یا بھگوڑے کو مارواڑ کی سرحد سے نکال باہر کرے تو اُس کو ناگور اور الور کا ملک انعام میں دیگا۔

مال دیو اب شش و پنج میں پڑ گیا کیونکہ اُس کی فوج میں اُسکے بھائی برادر اور جاگیردار تھے اور اُسکی اپنی ذاتی فوج قلعوں اور تھانے چوکیوں میں دور دور خدمت کر رہی تھی۔ ایسی فوج کو جمع کر کے نقل و حرکت کے لئے تیار کرنا مشکل تھا۔ آتے ہی پھلودی سے جب ہمایوں نے اُسے بلایا تو ہمایوں سے ملاقات کرنے کی اُس نے مصلحت نہیں سمجھی کیونکہ اُس کے اندازے کے مطابق مغلوں کا سہارا حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور ابھاگے ہمایوں کے ساتھ دو[۲] تین[۳] ہزار آدمی سے زیادہ نہ تھے۔ اور وہ بھی قابلِ رحم حالت میں۔ وہ فیصلہ نہ کر سکتا تھا کہ وہ شیر خاں سے لڑائی چھیڑ کر اپنے آپ کو تباہ کرے یا بہادر راجپوتوں کی روایات کے خلاف ایک مدعو مہمان کے ساتھ وعدہ خلافی کر کے اُس کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ کرے۔ لہٰذا اُس نے یہی طے کیا کہ ایک اونٹ کے بوجھ کی اشرفیاں تحفہ میں بھیج کر شیر خاں کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے اِس کی تدبیر کرے کہ ہمایوں جیسے ایک سال دیر سے اپنے آپ جودھپور کی طرف آیا تھا اسی طرح اپنے بچے کھچے ہمراہیوں کو لیکر واپس چلا جائے بلکہ اپنے آدمی بھیج کر اُس نے شکی ہمایوں کو موقع بھی دیا کہ بلا وجہ ڈر کر مارواڑ کی سرحد کے باہر چلا جائے

ہمایوں کے تئیں شک کی وجہ بھی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک تو جودھپور سے اُس کو لڑائی کے لئے مال دیو کی طرف سے کوئی تیاری کی خبر نہیں ملی جس کے لئے مال دیو نہیں بلکہ خود ہمایوں ذمہ دار تھا۔ فارسی کے مورخین

ہمایوں اور اُس کے آدمیوں کو مارواڑ کی طرف بھاگنے کے دِنوں میں جو مصیبت اُٹھانی پڑی اُس سے متاثر ہوکر، مال دیو کے اس نازک وقت کے رویہ کو دیکھ کر بڑی ناانصافی سے پیش آئے ہیں۔ مال دیو پر دغا بازی کا الزام لگانا بالکل ہی نامناسب بلکہ سراسر بہتان ہے۔ اُس وقت ۱۵۴۲ء میں دو مغل قوم کے فرد جودھپور میں موجود تھے۔ ایک اتگہ خاں جسکو ہمایوں نے مال دیو کی خبر لانے کے لئے اور دوسرا مُلّا سرخ ہمایوں کا سابق ناظر کتب خانہ کو بہت پہلے سے مال دیو نے اپنی خدمت میں لے رکھا تھا۔ اِسی مُلّا سرخ کے، شیر خاں کے ایلچی کے آنے پر، کان کھڑے ہوئے تھے۔ ملّا سرخ نے ایک ڈراؤنی خبر ہمایوں کو بھیج دی:۔ ”آپ جہاں بھی ہوں بلا تاخیر کوچ کر جائیں۔ کیونکہ مال دیو آپکو قید کرنا چاہتا ہے۔ اُسکی باتوں پر اعتبار نہ کرنا یہاں پر شیر خاں کا ایلچی آیا اور ایک خط لایا تھا کہ جیسے بھی ہو اس بادشاہ کو گرفتار کرلو تم یہ کام کرلوگے تو تم کو ناگور اور الور دے دونگا اور اس کے علاوہ جو چاہو......“

(ہمایوں نامہ صہ ۱۵۴)

یہ تو ہیبت زدہ اور رشک میں مبتلا ملّا سرخ کی تحریر تھی۔ اب اتگہ خاں کو دیکھیئے۔ اتگہ خاں بغیر اجازت رفوچکر ہوگیا کہ اپنے آقا کو جاکر جودھپور کی کیفیت سے آگاہ کرے۔ شاید مال دیو کی چشم پوشی سے اتگہ خاں بھاگ نکلا۔ اب ہمایوں کا واپسی کوچ اور ایلچی کا جودھپور سے بھاگنا دونوں باتیں مالدیو کے لئے آسانی پیدا کرنے والی تھیں کیونکہ شیر خاں اُسکے علاقے میں ڈٹا بیٹھا تھا۔ اب مالدیو نے مغلوں کا پیچھا کرنے کے لئے فوج ٹکر کی بھی بھیج دی لیکن اُس کی منشا ہرگز یہ نہ تھی کہ بھگوڑے مغلوں کو گرفتار کیا جائے اگر بفرضِ محال فارسی کے مورخین کا یہ الزام کہ شیر خاں نے ناگور اور الور

کا لالچ دے کر مالدیو کو خرید لیا تھا، مان بھی لیا جائے تو بھی شیر خاں نے مالدیو کے ساتھ وعدہ خلافی کی اور اُسے ٹھگ لیا کیونکہ شیخاواٹی اور ناگور کی فتوحات اُس نے اپنے پاس ہی رکھی، صرف اپنی فوج مارواڑ کی سرزمین سے ہٹالی۔ مالدیو کو اسی پر اکتفا کرنا پڑا کہ شیر خاں کے ہاتھوں اسکا اس سے زیادہ نقصان نہ ہو۔ یہ تو شیر خاں کے دشمنوں سے ساز باز کرنے کا تاوان تھا جو اُس کو برداشت کرنا پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ مالدیو نے ایسے نازک حالات کے دوران بڑی جگت سے چھٹکارا حاصل کیا۔ (قانون گو شیر خاں صفحہ ۳۶۶-)

پھلودی سے چل کر نواح جے سلمیر اور وہاں سے اُمرکوٹ۔ یہ ہمایوں کے مختصر قافلے کا راستہ تھا۔ ہمایوں کی واپسی کے تجربات ہمارے مقالے کی وسعت سے باہر ہیں۔ پھر بھی یہ دکھلانے کیلئے کہ مُلّا سُرخ اور رانگہ خاں کے مبالغہ آمیز بیانات سے مغل قافلے کا دماغی توازن برقرار نہ رہا اور آجتک حدودِ مارواڑ سے باہر نکل نہیں گئے مالدیو کا بھوت اُن پر سوار رہا۔ ہم اہلِ قافلہ میں سے جوہر آفتابچی کے روزنامچے (تذکرۃ الواقعات) اور گلبدن بیگم کے ہمایوں نامے سے کچھ واقعات اخذ کر کے ناظرین کے پیشِ نظر کرنا چاہیں گے جس سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے :۔

جوہر لکھتا ہے کہ علی الصباح ہمکو دریافت ہوا کہ تین جماعتیں (راٹھوڑوں کی) ہمارا پیچھا کر رہی تھیں اور ہر پارٹی میں پچاس پچاس سوار تھے (کل ڈیڑھ سو) اور ہمارے خوف میں اضافے کا سبب یہ ہوا کہ ہمارا ہراول دستہ ہماری نظر سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ہم نے تیر چلائے جس سے اُن کے دو آدمی مارے گئے۔ یہ دیکھکر وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے (معلوم ہوتا ہیکہ مالدیو کی ہدایت راٹھوڑ سواروں کو یہ

تھی کہ مغلوں پر ہاتھ نہ چلایا جائے) اب گلبدن بیگم کا تجربہ سنیئے :۔ "ظہر کی نماز کے وقت بادشاہ نے (پھلودی) سے کوچ کیا سوار ہوتے ہی دو جاسوس پکڑے گئے اور گرفتار کر کے اُن کے پاس لائے گئے۔ بادشاہ کچھ سوال اُن سے کر رہے تھے۔ کہ یکایک انہوں نے اپنے ہاتھ کو چھڑا کر ایک نے محمد گرد کے بازو کی کمر بند سے تلوار کھینچ کر اُس پر چلادی اور باقی گوالیاری کو بھی گھائل کر دیا۔ دوسرے نے ایک خنجر میان سے نکالا اور کھڑے ہوئے لوگوں کا مقابلہ کیا۔ کئی یوں کو زخمی کر کے بادشاہ کی سواری کے گھوڑے کو بھی مار ڈالا۔ یہ دونوں مارے گئے مگر بڑی شرارت کے بعد۔ اتنے میں کوئی چلایا :۔ مالدیو یہاں ہے :۔ بادشاہ نے یہاں سے ایک راہ نما کو لیا اور چل دیئے۔ گرمی سخت تھی۔ چار پائے گھٹنوں تک ریت بالو میں دھنسے جا رہے تھے اور مالدیو پیچھے پیچھے تھا :۔ پھر چلے تو آگے چل کر پھر آواز آئی معاذ اللہ (خدانخواستہ) مالدیو! یہی تھا مالدیو کا بھوت۔ جو جیسلمیر پہونچنے تک ان ریگستان کے دُکھیا مصیبت زدہ مسافروں کو ستا رہا تھا۔ اب آگے ہمایوں سفر میرے مضمون سے تعلق نہیں رکھتا لہٰذا فقیر حقیر شیر شاہ کی طرف اعادہ کرتا ہے۔

شیر شاہ سوری ۱۵۴۳ء ۹۴۹ھ

شیر شاہ، ہمایوں کو مارواڑ ریاست سے کھدیڑنے کے بعد، مالوہ کی طرف چلا گیا کیونکہ مالوہ کی مہم کو اُس نے موخر کر رکھا تھا۔ اب ۱۵۴۳ء میں پوری تیاری کے ساتھ ایک زبردست فوج لیکر پلٹا اور مال دیو کی پچاس ہزار کی فوج کے مقابلے میں سمیل گرری کے میدان میں قسمت آزمائی کی چالاکی کے ساتھ راجپوتوں میں پھوٹ ڈال کر لڑائی جیت لی۔

مال دیو کو اپنی شکست کے بعد بھاگ کر گجرات کی سرحد میں

سیوانا کے قلعے میں پناہ لینی پڑی۔ اب شیر شاہ کیلئے میدان خالی تھا۔ مارواڑ پر پوری طرح قابض ہو کر اُس کو سرکاروں میں بانٹ دیا۔ ناگور بھی شیر شاہ کی ایک سرکار بن گیا۔ شیر شاہ کی طرف سے دُو امیر بھیجے گئے۔ عیسیٰ خاں نیازی کو ناگور سرکار کا حاکم، جسکو فوجدار یا امین بھی کہتے تھے، بنایا اور مسند عالی خواص خاں کو پورے مارواڑ راجیہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ خواص خاں نے باغیوں کی سرکوبی کر کے پورے علاقے میں امن و امان قائم کیا۔ ساتھ ہی سرکاروں کے انتظامات کی نگرانی دور رہکر کے کرتا تھا۔ خواص خاں کا دورۂ ناگور ۱۵۴۴ء ۹۱۵ھ کے بعد واقع ہوا۔ خواص خاں اپنی نیک سیرتی کے لئے مشہور تھا۔ اُس کے عہدِ حکومت میں ناگور میں ایک بار قحط پڑا۔ عیسیٰ خاں نیازی کی خبر رسانی پر خواص خاں جو دھپور سے کھانے کا سامان مُہیا کر کے ناگور پہونچا وہاں اطراف کے قحط زدہ لوگ جوق در جوق ناگور کی طرف چلے آ رہے تھے اور انکی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ خواص خاں نے آتے ہی ہر ایسے شخص کے لئے فی کس دُو سیر غلّے کا راشن مقرر کر دیا جو مفت دیا جاتا تھا۔ ایک دن کیا ہوا کہ غلّے کا ذخیرہ گھٹ گیا۔ خواص خاں نے حکم دیا کہ اناج کے بدلے میں ہر شخص کو سوکھے پھل دو سیر کے وزن میں دیئے جائیں۔ بادام، کشمش، چھوہارے (اقتدار حسین صدیقی: ہسٹری آف شیر شاہ سور ص۷۰–۷۵ بحوالہ حلیم صدیقی ناگور ص۵۲–۵۳)

اسلام شاہ

شیر شاہ کی وفات کے بعد اسلام شاہ اُسکے بیٹے کے دور میں مسندِ عالی یوسف دولت حسین خاں سور کا بیٹا ناگور کا فوجدار تھا اور حاجی عمر بن شیخ رکن الدین قریشی الہاشمی وہاں کے قاضی تھے جنھوں نے سن ۱۵۵۳ء ۹۶۱ھ میں

ایک مسجد بنوائی جو قاضیوں کے چوک میں واقع ہے اور جس کے تین کتبے محفوظ ہیں۔ یہ خاندان قاضی کمال محمد بھکری کی اولاد سے ہیں جن کے تقریباً دس بارہ گھر ناگور میں آباد ہیں۔ میڑتہ سیٹی میں بھی چند گھر اس خاندان کے شاد و آباد ہیں۔ (دی ریسرچر کتبہ نمبرات ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱۔ جن میں اسلام شاہ سور کا نام آیا ہے۔)

شیخ سلیمان نبیرہ حضرت قاضی حمید الدین علیہ الرحمۃ سہروردی

سن ۱۵۵۲ء/۹۶۰ھ۔ کا ایک کتبہ پتھر کی پٹیا پر کندہ ہوا سردار میوزیم جودھپور میں رکھا ہوا ہے جس میں اسلام شاہ کا نام تو نہیں ہے بلکہ اپنے زمانے کے شیخ المشائخ شیخ سلیمان سہروردی کا نام نامی اسم گرامی آیا ہے یہ سلیمان سہروردی فقیر حقیر کے نانا ہوتے ہیں۔ جنھوں نے ایک معاملے میں بیچ میں پڑ کر اسکول کی عمارت، جسکو سرکاری عملے نے غصب کر رکھا تھا حق دار کو دلا دی۔ قصہ یہ ہوا کہ ناگور کے جین بھٹارک کیرت چند کے پوسال، (اسکول) کی عمارت مسند عالی یوسف بن دولت خاں بن حسین سور نے اپنے کام میں لگا لی تھی۔ شیخ سلیمان سہروردی نے مسند عالی یوسف سے سفارش کر کے اصلی مالک جین بھٹارک کو واپس دلوادی (دی ریسرچر کتبہ نمبر ۲۹۶)

یہ بزرگ حضرت شیخ سلیمانؒ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں سجادہ نشین تھے۔ جنھوں نے صوفیوں کی رواداری کی روایت کے مطابق حق سے محروم جین بھٹارک کو اپنے حق کی بازیابی کے شرف سے اپنی روحانی شخصیت کی بدولت، نوازا، ایک اور بھی مفید کام شیخ سلیمانؒ نے کیا ہے جس کا ذکر فقیر حقیر اُن کے مورث اعلیٰ قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی علیہ الرحمۃ

کے سلسلۂ سہروردیہ حمیدیہ ناگوریہ حصہ اوّل میں کر چکا ہے یعنی یہ کہ قاضی حمیدالدین ناگوری رح کے مزار (دہلی) پر قاضی صاحب کی وفات کی صحیح تاریخ کندہ کراکر مورخین اور اہلِ علم کو اندھیرے میں تیر چلانے کے خطرے سے بچالیا۔

کچھ اور کتبے اسلام شاہ سور کے عہدِ حکومت کے مطبوعہ ہیں۔ دھوبیوں کی مسجد کا کتبہ مورخہ ۱۵۵۲ء اسلام شاہ سور کے زمانہ میں میاں حسن کے ذریعہ ایک کنواں کھودے جانے کی خبر دیتا ہے (دی ریسرچر کتبہ ۹۶۰ ہجری نمبر ۳۹۷) محلہ پیرزادگان میں اسی سال (۱۵۵۲ء) اسلام شاہ کے عہدِ حکومت میں مدرسہ سلیمانیہ (حنفیہ صوفیہ) سے آیا ہوا پیر بشیرالدین سہروردی فقیر حقیر کے چچا کے مکان میں یہ کتبہ محفوظ ہے جس کے مطابق حضرت شیخ (یعنی قاضی حمیدالدین سہروردی) فقیر کے نانا کی خانقاہ میں میاں خواجہ ابن شکر بتنی یا لطنی نے شیخ المشائخ شیخ سلیمان سہروردی ابن شیخ بھیکھہ سجادہ نشین کے زمانہ میں مسجد بنوائی۔ (دی ریسرچر کتبہ نمبر ۳۹۸)۔

اس طرح اسلام شاہ سور کے عہد تک سوری افغانوں کی حکومتِ ناگور، کا کتبائی ثبوت موجود ہے۔ جسکو کھیاتوں کے اندراج سے جھٹلانا محال ہے

حاجی خاں افغانؔ

اسلام شاہ سور کی وفات پر افغانوں کی سلطنت میں افراتفری کا دور دورہ رہا اور حکومت زوال پذیر ہوئی تو الور (میوات) کے حاکم حاجی خاں نے، جو شیر شاہ کا غلام رہ چکا تھا اور بقول عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ (انگریزی ترجمہ حصہ اول صہ ۵۴۲ بحوالہ حلیم صدیقی صہ ۱۵۵) عمل کے اعتبار سے ایک بادشاہ تھا، ناگور کو بھی اپنے دائرۂ اختیار واقتدار میں لے لیا۔

ہمایوں اپنی ایران کی واپسی کے بعد ایک بار پھر برسرِ بادشاہت

ہوکر وفات پاچکا تھا اور اُس کا جانشین نابالغ لڑکا اکبر بیرام خاں کی اتالیقی میں تھا۔ ایسے موقع سے فائدہ اُٹھاکر راؤ مال دیو نے بگڑی کے ٹھاکر جیتاوت دیوی داس کو فوج لیکر ناگور کی مہم پر بھیج دیا۔ اُدھر حاجی خاں نے میواڑ کے رانا اودے سنگھ اور بیکانیر کے راؤ کلیان مل سے مدد حاصل کر کے راٹھوڑ فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے کو تیار کر لیا۔ یہ دیکھکر مال دیو کا سپہ سالار بغیر جنگ کیئے ہوئے واپس چلا گیا۔ یہی نہیں بلکہ راؤ مال دیو کو اپنی حالت سُدھارنے کی غرض سے یہ محسوس ہوا کہ حاجی خاں سے دشمنی مول لینا مصلحت نہیں ہے لہٰذا اُس نے اپنی بیٹی رتناوتی بائی کا بیاہ حاجی خاں سے کردیا جیسا کہ نعمت اللہ کی تاریخ خاں جہانی سے پتہ لگتا ہے (ننگم: سورونش کا اتہاس حصہ اول صـــ ۲۰۵ - ۲۰۶) بحوالہ حلیم صدیقی صـــ ۱۵۶) رتناوتی دوبار مائیکے آئی اور پھر ناگور ہی میں رہی۔ (نین سی (مارواڑ) اور بانکی داس (کھیات)) دونوں لکھتے ہیں کہ سمبت ۱۶۴۹ء/۱۵۹۲ء میں ناگور ہی میں رتناوتی کی وفات ہوئی اور وہیں ناگور میں اُس کا آخری سنسکار کیا گیا۔ اور اُس پر ایک چھتری بنوائی گئی۔

حاجی خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھکر اکبر کے اتالیق بیرام خاں نے سید محمد قاسم خاں نیشاپوری کو اُس پر فوج کشی کے لیئے بھیجا۔ حاجی خاں مغل فوج کا سامنا کرنے کے بجائے گجرات کی طرف بھاگ گیا مگر رانا اودے سنگھ نے اس کا راستہ روکا اور ایک بڑی بھاری مانگ پیش کی۔

رائے کلا نام کی ایک پاتر[1] جو ناچ اور گانے کی ماہر ہونے کے علاوہ خوب صورتی کے لئے بھی بڑی مشہور جانی جاتی تھی۔ اُس حسینہ کو رانا اودے سنگھ نے اپنے لئے مانگا۔ اُس کے ساتھ بجھوا نام کے ایک مشہور جنگی ہاتھی اور دس لاکھ روپیہ کی پیش کش کا سوال بھی حاجی خاں سے کیا۔ تاریخ خاں جہانی میں

[1] پاتر ـ طوائف

نعمت اللہ لکھتا ہے کہ رانا کی اس ڈھٹائی پر حاجی خاں نے کہا، یہ کافر مجھ سے سونا ہاتھی اور دنیاوی چیزیں مانگتا تو میں ضرور اسکو دیتا لیکن وہ ’’مردک،، ہمارے حرم کی عزت مانگتا ہے۔ ہماری حمیت گوارا نہیں کر سکتی کہ اس مطالبے کو منظور کریں اور تاقیامت یہ بات افغانوں میں مشہور رہے کہ حاجی خاں افغان نے ایسا کام کیا تھا اور افغانوں کی عزت خصوصاً شیر شاہ سوری کے وقار کو برباد کر دیا۔ اس قسم کی شرم میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اس سے جنگ لڑوں گا۔ تاکہ قسمت میں جو لکھا ہے وہ پورا ہو‘‘ حتیٰ کہ دونوں کے درمیان لڑائی میں رانا اودے سنگھ کو بری طرح شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ حاجی خاں نے پھر اپنا گجرات کا سفر جاری کیا دوسرے ہی دن، اور گجرات میں شیر خاں پولادی کے پاس کچھ دن گذار کر اسی ریاست میں فوت ہو گیا۔ حاجی خاں اور راو دے سنگھ کی لڑائی کو کھیاتوں میں ہرماڑا (اجمیر) کی لڑائی کہا گیا ہے اور بقول اوجھا اور دے، او، وش ورناتھ اس لڑائی میں حاجی خاں کی مانگ پر راؤ مال دیو نے راٹھوڑ دیوی داس جیتاوت کو پندرہ سو سواروں کے ساتھ بھیجا تھا۔ (حلیم صدیقی ص ۱۵۷)

حاجی خاں افغان کے بھاگ جانے پر مغل سردار سید محمد قاسم خاں نیشاپوری نے بلا مزاحمت ناگور پر قبضہ کر لیا (تاریخ خان جہانی کے حوالے سے نگم کا سور ونش کا اتہاس ص ۳۷۹) حلیم صدیقی ص ۱۵۸ تاریخ راجگان ہند ص ۱۷

ذکرِ پاک

اولاد حضرت شیخ وحیدالدین احمد سعید صوفی علیہ الرحمۃ

آمدم برسرِ مطلب :- اس سے قبل فقیر حقیر حضرت شیخ فریدالدین چاکرانؒ کی اولاد و احفاد کا ذکر پچھلے صفحات میں کر چکا ہے اب یہاں پر شیخ وحیدالدین احمد سعید صوفی کی اولاد و احفاد کا ذکر کر رہا ہے ۔کیونکہ فقیر حقیر نے صوفی حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ حمیدیہ ناگوریہ کا آغاز کیا تھا۔ اب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

مخدوم حسین احمد آباد میں

خواجہ مخدوم حسین ابن شیخ خالد ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سن پیدائش ۱۲۹۰ء / ۶۹۳ھ سن وفات ۱۴۹۵ء / ۹۰۱ھ

اخبار الاخیار، گلزار ابرار، اذکار ابرار، مناقب التارکین، شجرۃ الابرار، الملفوظ حصہ دوم، سلطان التارکین، مرأت سکندری میں خواجہ مخدوم حسین کے حالات کسی کتاب میں کم کسی میں زیادہ تفصیلات ملتی ہیں لہٰذا فقیر حقیر کاتب التحریر ان مذکورہ بالا ساتھ عدد کتب سے استفادہ کرکے لکھ رہا ہے۔ مخدوم حسین ناگوریؒ تحصیل علوم ظاہری و باطنی کے لئے جب شیخ کبیرالدین کی خدمت میں احمد آباد حاضر ہوئے اس وقت اپنا حسب و نسب ظاہر نہیں کیا۔ آپ کے والد شیخ خالد جب بھی سفارشی خط اُنکے بارےمیں شیخ کبیرالدین کو بھیجتے تو وہ خطوط آپ کبھی اپنے استاد کی خدمت میں پیش نہیں کرتے اور اپنا حال سب سے پوشیدہ رکھتے۔ شیخ کبیرالدینؒ کی خدمت میں بہت مستعد رہتے اور ریاضت کرتے حتّٰی کہ علوم ظاہری و باطنی سے فیض یاب ہوکر جب آپ رتبۂ کمالیت و خلافت پر پہونچے اور شیخ نے وطن جانے

کی اجازت و رخصت عطا کی اُس وقت وہ تمام خطوط پیر و مرشد و استاد کی خدمت میں پیش کیئے تو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ حق حقدار کو پہونچا مگر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ آج تک تم نے یہ کیوں نہیں بتلایا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ مخدوم حسین نے جواب دیا کہ یہ تعلقات معلوم ہونے پر آپ مجھ سے خدمت نہ لیتے اور میری ناز برداری کرتے۔ یہ نعمت جو مجھکو خدمت کر کے ملی ہے اُس سے میں محروم رہ جاتا۔ یہ سُنکر شیخ کبیر الدین بہت خوش ہوئے اور سینے سے لگا کر ناگور کی طرف روانہ کیا۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم کو دنیا کی دولت سونا چاندی بہت ملے گی اُس کو حضرت خواجۂ بزرگ معین الدین چشتی اجمیری اور خواجہ حمید الدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی۔

مخدوم حسینؒ اجمیر میں

خانقاہیں بنانے میں صرف کرنا۔ مخدوم حسین احمد آباد سے آکر سالہا سال حضرت خواجۂ بزرگ کے مزار پُر انوار پر حاضر رہے چنانچہ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ خواجہ اجمیری کے مزار کی خدمت کر کے عبادت مولیٰ میں مشغول رہے۔ اُس وقت اجمیر کے چاروں طرف جنگل تھا۔ حضرت خواجۂ بزرگ کے مزار مبارک پر کوئی عمارت نہ تھی۔ سب سے پہلا شخص جس نے خواجۂ بزرگ کے مزار پر عمارت بنوائی وہ مخدوم حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خواجۂ بزرگؒ کی روحانیت کے اشارے پر ناگور گئے اور وہاں پر علم دین کی تعلیم اور ارباب یقین کی تلقین میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے جسکا نام تفسیر نور النبی ہے جسمیں ہر پارے کی علیحدہ علیحدہ تفسیر کی ہے۔ اور ہر ایک کی ایک جلد بنوائی ہے۔ اس تفسیر میں حل ترکیب اور قرآن کریم کے وہ معنی جو دوسری تفسیروں میں ہیں تفصیل کے ساتھ آسان زبان میں بیان کیئے ہیں۔ قسم ثالث مفتاح کی بھی

شرح لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی آپ نے شرح لکھی ہے۔
اس کے علاوہ اصول انوار در باب تذکرۂ ابرار یہ بھی آپکی ہی تصنیف ہے۔ ایک
رسالۂ انساب بھی لکھا ہے تفسیر نور النبی کا حصہ اول ہی نے خواجہ حسین رح نے اپنے ہاتھ سے
لکھا تھا وہ اصل نسخہ ناگور شریف میں موجود ہے اور اس مسودہ کے اول ورق پر
یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ ابتداء فی تصنیف نور النبی علیہ السلام فی
السائع عشرہ من رجب المرجب ندر ماہ یوم الجمعۃ فی شہر
المبارک المسمی بالناگور فی الروضۃ المبارکۃ المتقدمۃ من ریاض
الجنۃ لقطب المدار العالم سلطان التارکین شیخ حمید الدین محمد بن
احمد ابن محمد الصوفی السعیدی عند الشیخ المعظم المکرم فی جانب الوجہ
والمطر بقطر وقت الشروع فی کتاب بیۃ التسمیہ والحمد والصلوٰۃ
نجاءک ھل وقام علی راس المصنف رحمۃ اللہ فی الکتابہ ابتداءً
والرحمۃ تنزل من السماء والنور یخرج من القلم وکان التاریخ
سنۃ ۸۵۶ ھجری ستۃ وخمسین وثمانیہ مایۃ۔

حضرت خواجہ مخدوم حسین رح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں
بے انتہا سرشار رہتے تھے۔ اپنا گھر بار کنواں باغ سب کچھ سرور انبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

عرس کا کھانا لنگر

حکایت ہیکہ خواجہ مخدوم حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دادا کے ایام عرس میں جو کھانا
بنتا ہے لوگوں میں تقسیم ہونے کے بعد اپنے حصہ کا کھانا اپنے اولاد کے لئے اٹھا رکھا
ناگور والے بھی عرس میں چاول ساگ پکواتے اور دہی کے ساتھ عوام میں تقسیم
کرتے تھے اُنکے پاس کا کھانا بھی آپ نے اپنے حصہ کا لیا۔ اپنے پاس کا اور

یہ سب اکٹھا کر کے ایک برتن میں شام کو افطار کے وقت کھانے کیلئے رکھ دیا۔ اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنھیں چاروں کو کوڑھ کا مرض تھا اتنا سخت کہ اُن کی انگلیوں سے خون و پیپ ٹپک رہا تھا ان چاروں نے مخدوم حسین سے کھانا مانگا۔ مخدوم حسینؒ نے جو کھانا افطار کیلئے رکھا تھا وہ اُن چاروں کو دیدیا چاروں اشخاص نے اُس برتن میں سے کھا کر تھوڑا سا برتن میں چھوڑ دیا۔ اور مخدوم حسینؒ سے کہا کہ تم کھالینا چنانچہ مخدوم حسین ناگوریؒ نے غلبۂ حال، طلب صادق اور کامل طلب کے پیشِ نظر پس خوردہ سب صاف کرلیا۔ اُس دن سے مخدوم حسینؒ کو ایک دوسری ہی چیز حاصل ہوگئی۔

سواری اور لباس

حکایت ہیکہ ناگور والوں کی طرح خواجہ حسینؒ کے پاس ایک چھکڑا تھا جس پر سواری کرتے اور خود ہی بیلوں کو ہنکاتے تھے۔ چھکڑے کے بیلوں کی خود ہی نگہداشت کیا کرتے تھے۔

بڑے پھٹے پرانے کپڑے پہنا کرتے تھے آپکی اولاد میں ایک شخص شیخ عبدالقادر فقیر مسلک دہلی آیا جس کے پاس مخدوم حسین ناگوریؒ کی اکثر چیزیں تھیں۔ آپکی پگڑی، کرتا اور پائجامہ بھی تھا۔ ان کپڑوں میں دو ایک کی قیمت ایک پیسہ فی گز ہو گی۔ مصنف کتاب اخبار الاخیار نے ان چیزوں کو اس شخص کے پاس دیکھا ہے۔

حوض پر چلنا

حکایت ہیکہ ایک دن خواجہ حسین ناگوریؒ پر سماع کی حالت طاری تھی آپ اس حالت میں جنگل کی طرف چل کھڑے ہوئے ایک شخص جھاڑو دینے والا (یعنی مہتر) آپکے ہاتھ پر اسلام لایا تھا وہ اور چند قوال بھی آپکے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ یہ

نومسلم ظاہری و باطنی پاکیزگی حاصل کر چکا تھا۔ ناگور شہر کے باہر ایک بڑا گہرا حوض (یہ گیندانی تالاب بتلایا جاتا ہے۔ خواجہ حسینؒ اُس حوض میں بحالت جذب اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔ یہ نومسلم بھی تھوڑی دور اُس حوض میں چلا پھر کمر ا ہوگیا۔ (یہ مشہور ہے کہ قوال پیچھے رہ گئے) یہ قوال خاندان جنکے دادا، میر گمانی قوال جو صوفی حمیدالدین ناگوریؒ کے ہمراہ ناگور آئے تھے جس کی اولاد آج بھی ناگور میں شاد و آباد ہیں اور آستانۂ عالیہ پر عرس کے ایام میں قوالی کرتے ہیں میر گمانی کی اولاد میں محمد قوال اور اس کے لڑکے شرف الدین، نعیم الدین آجتک قوالی کا کام انجام دیتے ہیں اور ہندوستان میں صوفی حمیدالدینؒ کی آستانہ پارٹی کے نام سے مشہور ہیں۔ میر گمانی قوال کی اولاد کے آج بھی دس پندرہ گھر ناگور میں موجود ہیں۔

زیارت موئے مبارک

حکایت ہے کہ خواجہ حسین ناگوری کو سلطان غیاث الدین خلجی نے جو منڈو (مانڈو) کا حکمراں تھا بہت بلایا لیکن آپ اُس کے پاس نہ گئے۔ ایک مرتبہ سلطان کے پاس موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایا گیا۔ لوگوں نے کہا اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ حسینؒ کو مل جائے تو وہ بے اختیار فوراً یہاں آجائیں گے۔ چنانچہ سلطان نے موئے مبارک کی اطلاع دی تو آپ اُسی وقت منڈو کا احرام باندھکر نہایت ذوق و شوق سے درود شریف پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے اور جب منڈو شہر کے قریب پہونچے تو سلطان اپنے شاہی اعزاز کے ساتھ استقبال کیلئے شہر پناہ تک آیا اُس نے دیکھا کہ ایک شخص غبار آلود پرانے کپڑے پہنے خود ہی چھکڑا ہانکتا ہوا چلا آرہا ہے وہ سمجھا کہ خواجہ حسین ناگوریؒ کوئی اور ہونگے۔ جب لوگوں نے کہا کہ شیخ یہی

ہیں تو اُس نے آپکی مزاج پرسی کرنی چاہی لیکن شیخ کو موئے مبارک کے دیدار کے اشتیاق میں اتنی فرصت کہاں تھی وہ خود بے خود ہو رہے تھے۔ کہتے ہیں موئے مبارک پر نظر پڑتے ہی وہ اُڑ کر خود خواجہ حسینؒ کے ہاتھوں میں آگیا۔ پھر سلطان آپکو اپنے والد (سلطان محمود خلجی) کی قبر پر لے گیا اور اُسکے لئے دعائے خیر کی درخواست کی۔ آپنے دعا فرمائی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کا جو حال تھا بیان کیا۔ سلطان نے آپکو بیش قیمت تحفے دینے چاہے لیکن آپنے کوئی بھی قبول نہیں کیا۔

کہتے ہیں یہ تحفے دیکھکر خواجہ حسین ناگوریؒ کے ایک صاحبزادے کو دل ہی دل میں اُن کی جانب رغبت ہوئی۔ شیخ نے کشف کے ذریعہ معلوم کرکے فرمایا کہ یہ سانپ ہیں اور سانپ کو کوئی شخص اپنے پاس پرورش نہیں کرتا۔ جب لڑکے کو دیکھا کہ وہ بیش قیمت تحائف پر ریجھ گیا ہے. تو فرمایا اس میں سے تھوڑا سا لے لو۔ خواجہ بزرگ اور اپنے دادا (صوفی حمید الدین ناگوریؒ) کے مقبروں کی عمارت بنوادو کیونکہ ہمارے پیرومرشد شیخ کبیر الدین کا حکم یہی تھا کہ تم کو دولت ملے گی اُسکو اپنے بزرگوں کے مقبروں کی عمارت بنوانے پر خرچ کردینا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ حسین کے ان صاحبزادوں کو سوائے اسکے جو منڈو میں دولت ملی تھی پھر کبھی کسی جگہ دولت ہاتھ نہ آئی۔ (اخبار الاخیار)

جھن جھنوں کا قیام

خواجہ حسین رحمۃ اللہ علیہ جب بزرگوں کی زیارت کیلئے دہلی جاتے تو جھنجھنوں کے راستے سے ہو کر جاتے تھے اُس وقت تک موجودہ قصبہ جھن جھنوں آباد نہیں ہوا تھا...... جب جھن جھنوں پہونچتے تو ایک کشادہ پتھر پر مقام فرماتے جو جنگل میں پیلو اور کیر کی جھاڑیوں میں ایک درخت کے نیچے پڑا تھا۔ درویش ہونے کی وجہ سے آپ اُس جگہ

کو پسند کرتے تھے۔ اور اُسی جگہ چند روز قیام کرتے تھے۔ وہاں آج بھی آپکا چلہ بنا ہوا ہے۔ یہیں سے آپ دلّی کی طرف روانہ ہوتے۔

ان دنوں نواب خاں جھاعرف قیام خاں کو جس کی اولاد قائم خانی کہلاتی ہے، بادشاہِ وقت خضر خان نے دریائے جمنا میں غرق کروادیا تھا۔ اُس کا بڑا لڑکا محمد خاں چند سواروں کے ہمراہ آپکی خدمت میں آیا۔ اُس وقت آپ جھن جھنوں کے جنگل میں اُس پتھر پر بیٹھے ہوئے عبادت میں مشغول تھے اور پانی سے بھرا ہوا آفتابہ (لوٹا) پاس رکھا تھا۔ محمد خاں نے دیکھا کہ بڑی عظمت و ہیبت والے ایک بزرگ درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے عبادتِ حق میں مشغول ہیں۔ خواجہ کے پاس آیا اور سلام کیا نہایت ادب سے۔ خواجہ نے ہندی زبان میں کہا کہ آؤ میرے بھومیا (جاگیردار)۔ وہ لوگ بولے کہ ہم لوگ بھومیا کیسے ہو سکتے ہیں ہم تو باغی ہیں اور مارے مارے ملک در ملک پھرتے ہیں۔ بادشاہ نے ہمارے باپ کو مروا ڈالا (خضر خاں سید نے) اور ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ تمکو اس ملک کا جاگیردار کریگا اور اس ملک کے تم مالک ہوگے۔ آخر آپکی دعا کی برکت سے وہ قصبہ جھن جھنوں فتحپور اور ضلع شیخاواٹی کے بہت سے حصّے کا جاگیردار اور نواب ہوگیا۔

خواجہ رحؒ کی اولاد نے اس پتھر پر جہاں آپ رونق افروز ہوا کرتے تھے ایک گنبد بنا دیا ہے آپکی قبر ناگور شریف میں حضرت صوفی حمیدالدین ناگوریؒ کے بائیں جانب واقع ہے۔

خواجہ مخدوم حسین علیہ الرحمۃ اور بھٹیاری

حکایت ہیکہ مخدوم خواجہ حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سفر کرتے ہوئے ایک شہر میں پہنچے ایک سرائے کی بھٹیاری کو روٹی پکانے کے لئے آٹا دیا۔ وہ

روٹی پکانے لگی اور آپ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

خواجہ حسینؒ حافظ اور قاری بھی تھے اور علم قرأت میں کامل تھے۔ بھٹیاری کا لڑکا چھوٹا تھا رونے لگا۔ بھٹیاری کہنے لگی کہ الٰہی کیا کروں دو دو مصیبتیں ہیں ایک تو یہ لڑکا روتا ہے۔ دوسرے یہ مسافر قرآن غلط پڑھتا ہے اور مجھے گنہگار کرتا ہے خواجہ یہ سنکر متحیر ہوئے کیونکہ آپ عالم بے مثل تھے فرمایا کہ اے نیک بخت خاتون میں قرآن شریف پڑھنے میں کیا غلطی کر رہا ہوں۔ بھٹیاری بولی کہ آپ سراسر غلط پڑھ رہے ہو۔ خواجہ نے فرمایا کہ آخر میں کیا غلطی کرتا ہوں اور کونسا حرف یا لفظ غلط پڑھ رہا ہوں۔ بھٹیاری بولی میں تو نہیں جانتی البتہ جب آپ روٹی وغیرہ کھانے سے فارغ ہو جاؤ گے تو میں آپکو اپنے استاد محترم کے پاس لے چلوں گی۔ آپ میرے استاد کے سامنے تلاوت کرنا وہ آپکو غلطی بتا دیں گے۔ خواجہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بھٹیاری اپنے ہمراہ لیکر اپنے استاد کے پاس گئی۔ خواجہ نے دیکھا کہ ایک بزرگ شخص برقعہ پوش بیٹھا ہوا ہے۔ اور جس نے اپنا منہ نقاب سے ڈھانک رکھا ہے بھٹیاری نے کہا یا حضرت! یہ مسافر چاہتا ہے۔ کہ آپ کو اپنا قرآن پڑھکر سنائے وہ بزرگ شخص بولا اچھا پڑھو۔ خواجہ نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا آپ نے ایک دو رکوع ہی پڑھے ہونگے کہ وہ مرد بولا کہ تم قرآن شریف بہت غلط پڑھتے ہو اگر تم چاہتے ہو کہ اپنا قرآن پڑھنا صحیح کر لوں تو آپکو میرے یہاں چند دن قیام کرنا ہوگا اور مجھ سے ازسرنو، الف بے سے پڑھنا پڑے گا۔ خواجہ نے کہا بہتر ہے۔ خواجہ نے پڑھنا شروع کیا چونکہ خواجہ تو خود ہی عالم و فاضل تھے اس شخص کی تعلیم سے چند دنوں میں ہی اس جیسا قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اور قرآن شریف ختم کر لیا جب وہ شخص بولا کہ آؤ اب میرے ساتھ چلو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ جو قرأت تم پڑھتے تھے

اور جو قرأت تم نے مجھ سے سیکھی ہے۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور اس کی کیا تاثیر ہے خواجہ حسین کو بیکر ندی کے کنارے پر گیا اور کہا کہ اول تو وہ قرأت پڑھو جو تم پڑھا کرتے تھے آپ نے وہی قرأت پڑھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوا پھر اس شخص نے کہا کہ اب وہ قرأت پڑھو جو تم نے مجھ سے سیکھی ہے۔ خواجہ حسین نے یہ قرأت پڑھی اس قرأت کے پڑھتے ہی دریا سے زر و جواہر سونا چاندی باہر نکلنے لگا یہاں تک کہ ڈھیر سا لگ گیا وہ شخص بولا کہ تمہیں معلوم ہو گیا کہ جو قرأت تم اس سے قبل پڑھتے تھے اور جو قرأت تم نے مجھ سے سیکھی ہے اس کے پڑھنے میں کیا فرق اب میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں تم جا سکتے ہو مگر مجھکو بھی دعا میں یاد رکھنا۔ خواجہ حسین نے کہا میری ایک عرض ہے اگر آپ قبول فرمائیں استاد بولا کیا ہے کہو۔ آپ نے عرض کیا کہ آپ اپنے رُخ سے برقعہ اُٹھا لیں۔ تاکہ میں دیدارِ مبارک سے سرفراز ہو جاؤں۔ اُستاد بولے کہ میرا منھ تو دنیا میں ہی سور کا سا ہو گیا ہے۔ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا تھا۔ میرا منھ تم نہ دیکھو تو بہتر ہے تمکو بہت رنج ہوگا۔ آپ بولے کہ آخر آپ سے ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا۔ اُستاد نے کہا ایک دن میں نے نماز میں امام سے پہلے سر سجدہ سے اُٹھا لیا تھا۔ خواجہ حسین نے کہا جو کچھ بھی ہوا۔ آپ اپنا چہرہ مجھے دکھا دیجئے۔ استاد نے منھ پر سے برقعہ (نقاب) اُٹھا دیا چودھویں رات کے چاند جیسا روشن تھا خواجہ نے کہا وہ بات تو نہیں ہے جو آپ نے مجھ سے کہی تھی استاد بولے آپ خواجہ حسین ناگوری ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! استاد نے کہا الحمد للہ! آج میری مراد پوری ہو گئی خواجہ حسین نے کہا وہ کیسے! اُستاد نے کہا جب اس گناہ سے میرا منھ سور جیسا ہو گیا تھا میں دن رات روتا تھا اور جنابِ باری تعالیٰ میں دعائیں مانگتا تھا کہ میرا منھ اصلی حالت پر آ جائے۔ ایک دن ہاتفِ غیبی سے آواز آئی کہ تم خواجہ

حسین ناگوری کا روئے مبارک دیکھو گے تمہارا چہرہ اصلی حالت پر آجائے گا۔
وہاں سے رخصت ہو کر خواجہ حسین ایک شہر میں پہنچے وہاں کا حاکم بہت ظالم اور کافر تھا اس نے ہر ایک مسلمان کے گھر میں ایک سور بندھوا رکھا تھا۔ آپ جس گھر میں جاتے سور بندھا ہوا دیکھتے۔ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں جاتے تو سور بندھا ہوا ہوتا۔ جب ایک گھر سے نکل کر آرہے تھے تو مالک مکان نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہر جائیں جہاں جائینگے وہاں سور بندھا دیکھیں گے۔ آخر سور بھی خلقِ خدا ہے ایک طرف بندھا ہے آپ کا کیا لیتا ہے آپ اپنے کام میں مشغول ہوئے آپ اس کے یہاں ٹھہر گئے نماز کا وقت آیا۔ مالک مکان کی لڑکی بولی بابا! بیت اللہ میں اذان ہو گئی ہے جلدی کیجیے وہ شخص آفتابہ لے کر روانہ ہوا اور پھر خواجہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہاں ہی نماز پڑھیں گے یا بیت اللہ میں؟ خواجہ ناگوریؒ نے فرمایا کہ میں بھی خانہ کعبہ میں نماز پڑھونگا وہ مکان مالک اپنی لڑکی سے بولا کہ اے لڑکی جب یہ مسافر کھانا کھا چکے تو اس کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا خواجہ ناگوری کھانا کھا رہے تھے کہ لڑکی نے تاکید کی کہ جلدی کرو خانہ کعبہ میں نماز ہونے والی ہے۔ جب آپ کھانا کھانے سے فارغ ہوئے۔ لڑکی نے کہا اُدُ میرے پاؤں پر پاؤں رکھو آنکھیں بند کر دو اور یا کوی کہو۔ وہ لڑکی جاہل تھی اس لئے کاف کہتی تھی۔ خواجہ ناگوری نے کہا یا قوی۔ لڑکی نے کہا یا کوی کہو خواجہ نے پھر یا قوی کہا۔ لڑکی بولی کہ جلدی کرو اور یا کوی کہو جس طرح میں کہتی ہوں میری نماز بھی قضا کرتے ہو۔ خانہ کعبہ میں تکبیر تحریمہ ہو چکی ہے۔
آخر خواجہ ناگوری نے بھی یا کوی کہا اور خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ شخص بولا کہ آپ یہاں ہی ٹھہریں گے یا میرے ساتھ واپس چلیں گے؟ خواجہ ناگوری نے کہا واپس چلوں گا۔ خواجہ نے اس شخص کے پاؤں پر پاؤں

رکھکر یا گوی کہا اور اپنے شہر میں آگئے۔ اس کے بعد خواجہ ناگوری وہاں سے روانہ ہوکر اپنے وطن آگئے۔

خواجہ مخادم حسین ناگوری رح کے سب سے مشہور خلیفہ اور مرید شیخ احمد مجار شیبانی تھے۔ خواجہ خانوں گوالیاری بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔ (سلطان التارکین اردو مطبوعہ کراچی)

حضرت خواجہ خانون ناگوری رح صاحب ولایت گوالیار

کتاب[۱] گلزار خانون سے نقل ہیکہ حضرت خواجہ خانون رحمۃ اللہ علیہ کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ بدرالدین بن حضرت شیخ اسحٰق صاحب صدیقی جن کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔

آپکا قدیمی وطن علاقۂ عرب ملک شام تھا۔ شہد کی تجارت اور خرمہ و کھجور کے باغات کی آمدنی آپکا ذریعۂ معاش تھا اپنے وطن میں ان کے خاندان کو خصوصی عزت و وقار حاصل تھا۔ حضرت بدرالدین بن اسحاق معہ فرزندان بسلسلۂ سیر و سیاحت ایک قافلہ کے ہمراہ عرب سے خراسان اور کوندوال علاقۂ پنجاب واقع دریائے بیاس آکر قیام پذیر ہوگئے وہیں آپکا مدفن ہے۔ آپکی اولاد میں شیخ حسن نے بعد تحصیل علوم و فنون بسلسلۂ ملازمت علاقۂ مارواڑ شہر ناگور میں سکونت اختیار کرلی ناگور کے بزرگان مشائخ و رؤسا سے تعارف و امتیاز خصوصی حاصل کرلیا عقد نکاح بی بی عفت مآب بنت فرزند[۱] عزیز از اولاد صوفی حمیدالدین سعیدی فاروقی سوالی ناگوری رح سے ہوا تھا خانقاہ حمیدیہ عالیہ ناگور میں قیام گاہ جاودانی ہے۔ آپکی اولاد ناگور

---

[۱] عزیز الدین اولاد فریدالدین چاکر[۲] الخ ہوسکتے ہیں۔

میں جاری رہی آگے چل کر شیخ محمد مبارک اپنے پدر بزرگوار کے قائم مقام ہوئے سلسلۂ چشتیہ کا سلوک طے فرماکر نانا بزرگ سے خلافت یاب ہوئے انکا رشتۂ مناکحت اپنی پھوپھی زادی سے وابستہ ہوا تھا۔ ناگور میں اپنے والد بزرگ کے مرقد کے قریب دوامی آرام گاہ ہے۔

خواجہ خانون کی پیدائش ناگور میں

خواجہ خانون کی پیدائش ۸۵۳ھ ناگور میں ہوئی۔ اور وفات آپکی ۹۴۰ھ ستاسی ۸۷ سال کی عمر میں گوالیار میں ہوئی سلطان دہلی کی اجازت سے بارادۂ کتخدائی فرزندان حضرت علاءالدین صاحب مع دونوں فرزندان واپس ناگور چلے آئے اور رکن الدین اور خواجہ خانون صاحب کو امام عصر مقتداء وقت ولیٔ کامل حضرت مولانا سید جلال الدین شہاب ناگوری کہا جاتا ہے مریدی میں دیا۔ بعدہٗ دختران شیخ احمد مجد شیبانی اولاد شمس الدین شیبانی کی پسر زادیوں سے کتخدائی کر کے دہلی مراجعت فرما گئے رکن الدین فرزند خواجہ خانون نے بمرض تپ دق داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ خواجہ خانون گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ مرید سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اور وہ خواجہ حسین ناگوری رح کے مرید تھے۔ اور خواجہ خانون نے شیخ حسین کے فرزند شیخ اسمٰعیل سے بھی جو چند بری میں تھے خرقہ پایا تھا۔ خواجہ خانون کے فرزند کا نام بندگی شیخ احمد تھا اور ان کے لڑکے شیخ محی الدین تھے۔ خواجہ خانون بڑے ذی علم صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ فارسی زبان میں آپ کے تصنیف کردہ دو رسالے موسومہ بہ کشف الورود للوحدۃ الوجود۔ اور دوسرا مفتاح الوصول میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بندگی شیخ احمد خلف اکبر حضرت خواجہ خانون چچازادی بی بی رحمت بنت رضی الدین سے کتخدا ہوئے۔ رضی الدین کی شادی ناگور میں دختر ابوالفتح بن شیخ معروف

بن مخدوم حسین ناگوری بن شیخ خالد ناگوری سے ہوئی تھی۔ مفتاح الوصول میں خواجہ خانون علی تاج الدین مبارک ناگوری جیسا کہ صاحب گلزار خانون نے رسالۂ شیخ خطیر الدین کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ حضرت خواجہ خانون کے والد کا نام علاء الدین دادا کا نام تاج الدین اور پیردادا کا نام مبارک الدین تھا۔ خواجہ خانون رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف گوالیار میں مرجع دخلائق ہے۔

حضرت خواجہ خانو ثانی سجادہ نشین خواجہ خانو گوالیاری اپنی کتاب معین الولایت میں ارقام فرماتے ہیں حضرت خواجہ خانو علی تاج سیار ناگوری کا نام خواجہ سعید الدین تھا آپکے جدامجد حضرت شیخ تاج الدین رح آپ کو خانون کے لقب سے یاد فرماتے تھے معین الولایت میں آپکو سلطان التارکین کی اولاد دختری میں ہونا لکھا ہے۔ آپ نے سید السادات حضرت سید جلال الدین ناگوری کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت پائی تھی۔ حضرت سید جلال شہاب حضرت خواجہ حسین ناگوری کے اور وہ حضرت خواجہ شیخ کبیر الدین ناگوری گجراتی کے مرید و خلیفہ تھے آپ اکیس ۲۱ سال کی عمر میں اپنے ننھیالی بزرگ حضرت مولانا سید جلال شہاب ناگور، آکر مرشد کے مزار پر انوار پر حاضری دی اور چند روز قیام بھی فرمایا اور اپنے خویش و اقارب سے ملے پھر ناگور سے پا پیادہ اجمیر شریف چلے گئے اجمیر سے رخصت ہو کر پھر دوبارہ ناگور آئے اور اپنے پیر و مرشد حضرت سید جلال شہاب ناگوری کے مزار پر حاضری دی اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کی اس کے بعد بغرض زیارت مزارات دہلی کے لئے ناگور سے روانہ ہو گئے۔

---

۱ گلزار خانون۔ ص ۱۔ ۴۔ ۷۔ ۷۶۔ ۸۱۔ ۱۵۹۔

۲۔ مفتاح الوصول۔ ص اول۔ ۳ گلزار صابری ص ۳۶۵

۴ معین الولایت ص ۵۔ ۶۔ ۲۱۔ ۲۲۔

شیخ احمد مجد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ۸۳۲ھ/ ۹۲۷ھ

شیخ احمد مجد کی سیرت

بزرگ تھے۔ علوم شریعت و طریقت میں کامل۔ پرہیزگاری اور تقویٰ میں یکتا ذوق اور وجد و حال کے مالک تھے۔ اچھے کاموں کے حکم کرنے والے اور بُرے کاموں سے روکنے میں بڑی جانبازی دکھاتے۔ دنیا والوں کی آپکے آگے کوئی عزت نہ تھی آپکی مجلس حضرت سفیان ثوری کی طرح تھی آپ خواجہ حسین ناگوری کے شاگرد اور مرید تھے۔ کہتے ہیں اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم پڑھاتے تھے۔ نارنول (ہریانہ) میں پیدا ہوئے اور اجمیر میں پرورش پائی۔ آپکا مزار ناگور میں ہے۔ آپکے والد قاضی مجد الدین امام محمد شیبانی کی اولاد سے تھے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی تھے۔ قاضی مجد الدین کے سات عالم فاضل بیٹوں میں سب سے بڑے اور علم و عمل میں سب سے برتر تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں عالموں سے بحث کرتے اور عربی فارسی میں تقریر کرتے تھے بادشاہوں اور امیروں کی مجلسوں میں جاتے اور کھل کر گفتگو کرتے۔ جوانی ہی میں خواجہ حسین ناگوریؒ کے مرید ہوئے جس کے بعد مباحثہ اور بادشاہوں کے پاس جانے سے توبہ کی۔ علم طریقت اپنے پیر و مرشد سے حاصل کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں نارنول سے اجمیر آئے اور ستر سال تک یہاں پرہیزگاری، ریاضت اور نیک کاموں میں عمر بسر کی امیر فقیر اپنے اور غیر سب آپ کے نزدیک برابر تھے۔ کبھی کسی کی طرف داری سے کام نہیں لیا۔

حکایت منڈو

حکایت ہے کہ شیخ احمد مجد کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مدد معاش کے لیئے منڈو گیا۔ اُس زمانے میں کم عمر تھا۔ محمود دہلوی وہاں کے شیخ الاسلام

تھے اور تمام عالموں کے صدر تھے نماز میں امام سے پہلے انھوں نے اللہ اکبر
کہہ کر کے ہاتھ باندھ لیئے نماز سے فراغت پاکر اُن کے ساتھ نماز پڑھنے والوں
میں سے کسی نے بھی اُن کی طرفداری کے پیش نظر اُن سے کچھ نہیں کہا تو میں آگے
بڑھا اور شیخ الاسلام سے کہا آپکی نماز نہیں ہوئی کیونکہ امام کی تکبیر سے پہلے
ہی آپنے اللہ اکبر کہکر ہاتھ باندھ لیئے۔ منڈو کی شاہی رسم یہ تھی کہ لوگ اچھی طرح زمین
کیطرف جھک کر اور اپنا انگوٹھا زمین پر رکھکر شیخ الاسلام کو سلام علیک کیا کرتے
تھے۔ لیکن شیخ احمد مجد اور قاضی ادریس دہلوی جو ایک زبردست عالم تھے دونوں
شاہی رسم کے موافق اس لئے سلام نہیں کرتے تھے کہ یہ بدعت ہے بلکہ یہ دونوں
السلام علیکم کہتے اور بادشاہ وقت محمود خلجی کے برابر بیٹھتے تھے۔ بادشاہ
وقت نے انصاف کی خاطر قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی بنایا اور چار گاؤں انعام
میں دیئے اور فتویٰ دینے کا کام شیخ احمد مجد کے بزرگوں میں چلا آتا تھا وہ
آپ کے حوالے کیا یعنی شیخ احمد مجد کو مفتی بنا دیا۔

خاندانِ نبوی سے محبّت

شیخ احمد مجد کو خاندان نبوی سے بے انتہا
الفت و محبّت تھی۔ اپنے پیر و مرشد
کے دستور کے موافق دسویں محرم اور بارہ ربیع الاول کو نئے اور دھلے ہوئے
کپڑے زیب تن نہ کرتے اور ان راتوں میں زمین پر سویا کرتے اور سیّدوں کے
قبرستان میں اعتکاف کرتے۔ اور دن کے وقت زیادہ سے زیادہ سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم و ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام پر لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے۔
دسویں محرم کو، کوزے مٹی کے لوٹے شربت سے بھر کر اپنے سر پر رکھکر سیّدوں
کے گھر جاتے اور یتیموں و فقیروں کو بلایا کرتے تھے۔ دسویں محرم کو اتنا روتے
گویا سانحہ کربلا اُن کی آنکھوں نے دیکھا ہے۔ جب اس شہر کے دستور کے

موافق یہاں کی لڑکیوں اور خواتین کے رونے کی آواز آپ کے کان میں آتی تو بے خود ہو جاتے اور خون کے آنسو روتے تھے۔

سادگی و تواضع

صحابہ اور تمام مشائخین کی فاتحہ خوانی حتی الامکان ترک نہ کرتے۔ قوالی سننے کے عاشق تھے لیکن خود قوالی نہیں کراتے تھے۔ قوالی میں کبھی وجد و حال نہ لاتے۔ مجلس محرم کبھی نہ کرتے عام طور پر کم قیمت کا لباس پہنتے اور ایسے کپڑے نہ پہنتے جو بہت صاف و دھلے ہوئے ہوں۔ اکثر اوقات صرف ٹوپی پہنتے۔ البتہ نماز کے علاوہ طبعی حرارت کے پیش نظر زیادہ تر سر پر عمامہ نہ باندھتے۔ ہاں ایک عمدہ عمامہ اور ایک نفیس پوشاک ہمیشہ تیار رکھتے جو نماز جمعہ اور عیدین میں استعمال فرماتے اور اگر کوئی بڑا دنیا دار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اُس وقت یہ قیمتی لباس پہن نفیس عمامہ باندھ لیا کرتے تھے۔ مجلس میں شیروں کی طرح بیٹھتے تھے اللہ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پوری ہیبت و عظمت کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے کہ بادشاہوں کا پتہ پانی ہو جاتا۔ اپنے مریدوں سے فرماتے دنیا والوں کے لئے دین والوں کو ذلیل نہ کرنا چاہیئے کیونکہ دنیا والے صرف ظاہر دیکھتے ہیں۔ شیخ اپنے زمانے اور شہر بھر کے فقیروں اور مجذوبوں کی بہت عزت کرتے تھے آپ جب کبھی سواری پر کہیں جاتے ہوتے اور راستے میں کوئی مجذوب دکھائی دیتا تو سواری سے اُتر کر اُس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو جاتے وہ مجذوب جو کچھ کہتا آپ ویسا ہی کرتے۔ اگر کوئی آپکے سامنے غیبت کرتا یا ناشائستہ باتیں کرتا تو اس سے فرماتے بابو خاموش ہو جاؤ۔ اگر کوئی آپکا نام آپکے سامنے عزت و احترام سے لیتا جیسا کہ عام طور پر مریدوں کا قاعدہ ہے تو آپ چشم پُرنم ہو کر فرماتے احمد موذی زیاں کار کو یہ القاب سزاوار نہیں۔

حکایت ہے کہ خواجہ حسین کو بھی اپنی تعریف اچھی معلوم نہیں دیتی تھی اگر کوئی اُن کے پاس آکر انکی تعظیم کرتا تو وہ کہا کرتے ملا حسین رانک (ذلیل) و کمینہ ہے اور یہی آپکا (احمد مجدکا) بھی دستور تھا۔ اگر کوئی آکر کہدیتا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ دو زانوں ہو کر ادب سے بیٹھ جاتے اُس کا پورا خواب سنتے اور اُس کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیتے اُس کے دامن و آستین کو اپنے منھ پر ملواتے اور آنے والا جس مقام پر خواب دیکھتا وہاں خود جاتے اور اُس جگہ کو بوسہ دیتے۔ وہاں کی خاک و گرد و غبار کو اپنے چہرے اور بالوں پر ملتے۔ اگر وہ مقام پتھر ہوتا تو اس پتھر کو دُھلواتے اور اُس پانی کو پیتے اور اپنے اوپر گلاب کی طرح چھڑکتے

اگر کسی سید سے کسی کی لڑائی جھگڑائی ہو جاتی تو آپ اُس کے پاس خود جاتے اور اسکی خوشامد درآمد کر کے سید کی بات اونچی رکھتے اور فرماتے کسی سید کو غیر غلط باتیں نہ کہو بلکہ ہمیشہ مروت سے پیش آیا کرو۔

اجمیر سے ہجرت

حکایت ہے۔ کہ اجمیر میں خوب افراتفری ہوئی اور زبردست بُت پرست رانا سانگا نے مسلمانوں کے مقابلے میں قلعۂ اجمیر پر قبضہ کر لیا اور اکثر مسلمانوں کو شہید کر دیا تو اس واقعے سے سات دن پہلے شیخ احمد مجدؒ نے بحکم خواجہ معین الدین چشتی شہر سے باہر نکل کر شہر کے تمام مسلمانوں کو خبردار کیا اور کہا اس شہر پر کچھ جلال و قہر الہٰی کی نظریں دکھائی دے رہی ہیں۔ اور خواجہ معین الدین چشتی سجزی کا حکم ہے کہ مسلمان اس شہر سے باہر چلے جائیں۔ غرض کہ آپ پیر کے دن ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء کو مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ آپ اجمیر سے باہر چلے آئے اور پھر دوسرے پیر کے دن اجمیر

پر کافروں نے حملہ کر دیا اور پورا شہر تلپٹ کر دیا۔

آپ اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر آئے جہاں تقریباً نوّے برس کی عمر تک غریب نواز کی درگاہ میں رہے۔ اس کے بعد تین چار سال نارنول اپنے وطن میں رہے۔ نارنول میں ایک دن ایک مجذوب آپکے پاس آیا اور اُس نے کہا احمد! آپکو آسمان پر بلایا جا رہا ہے۔ اپنے پیر و مرشد کے پاس چلے جاؤ۔ آپ نے خود بھی اُسی رات اسی طرح کی ایک چیز دیکھی چنانچہ آپ فوراً ناگور روانہ ہو گئے اور تھوڑے دنوں بعد اس دنیائے فانی سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ سن وفات (۹۲۷ھ / مطابق ۱۵۲۰ء) درگاہ سلطان التارکین میں اپنے پیر و مرشد کے پائین دفن ہوئے (آپکے انتقال پر حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناگور تشریف لائے)۔

حکایت ہے۔ کہ جس روز آپکا انتقال ہوا۔ گلزارِ ابرار الملفوظ حصہ دوم سے تحریر ہے کہ صاحب گلزار لکھتے ہیں کہ غوث الاولیاء شیخ محمد غوث گوالیاری رحمت اللہ علیہ کی تصنیفات سے کچھ اوراد ہیں اُن میں صاحب ممدوح رقمطراز ہیں کہ جس زمانے میں کوہستان چنار میں رہکر نفس کے ساتھ میں زبردست لڑائی کر رہا تھا اُس زمانے کا ذکر ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ شرف احمد یحیٰ منیری رح بہار و بنگال کے مشائخ کبار کا گروہ ساتھ لئے ہوئے۔ دریائے گنگا کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اس درویش کو بلاتے ہیں جب خواب سے بیدار ہوا تو ملازمت میں حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا ناگور تک تم ہمارے ساتھ چلو میں نے بہانہ کیا۔ تو قبول نہیں ہوا فرمایا آج قطب زماں شیخ احمد مجد خلیفہ شیخ حسین ناگوری رح نے عالم علوی کو کوچ فرمایا ہے اور حضرت خاتم النبوۃ علیہ السلام نماز جنازہ کے واسطے تشریف لائے ہیں مشائخ کا پہونچنے کا انتظار دیکھ

رہے ہیں یہ تقریر سنکر مزید انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ شرف الاولیاء یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور "ھو" کہا، ہم فوراً دہلی پہونچ گئے اس صوبہ کے مشائخ وہاں انتظار کر رہے تھے۔ سب نے فراہم ہوکر ایک ساتھ (ھو کہا) تو اپنے تئیں ناگور کی حدود میں پایا ناگاہ حوض بر تلے کے کنارے پر ایک تابوت نظر آیا۔ جس کے نزدیک سرور انبیاء صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بزرگان مشرق ومغرب گردہ کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ اس درویش کو اولین صف میں بلایا اور شیخ فریدالدین عطار کی طرف ارشاد عالیہ ہوا کہ اپنے فرزند سے کہو۔ کہ امام بنے کمال ادب اور ڈر سے بدن پر لرزہ ساطاری ہوگیا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یہ ڈرتا ہے اور اس کے سوا کوئی اور ذی جسم اس جگہ ہے بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو امامت کرے! میں نے عرض کیا نماز جنازہ کی نیت اور دعا مجھکو اچھی طرح سے یاد نہیں ہے۔ یہ ناواقفیت کا عذر بھی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا۔ فرمایا جنازہ کی نماز میں کسی خاص نیت اور دعا کی شرط نہیں ہے بس توجہ اور تکبیر کافی ہے۔ اس پر درویش نے ترکیب کی تعلیم کے لئے التماس کیا۔ فرمایا کہو الصلوٰۃ للہ والثواب للمیت اللہ اکبر اور ہر بار آنکھ بند کرو اور کھولو اور اللہ اکبر کہو یہانتک کہ چار تکبیریں پوری ہوجائیں میں نے حکم کی تعمیل کی جب آپکو سپرد گور کر دیا تو رسول خدا نے تحفۂ سلام درویشان حاضر وغائب کو پہنچا کر کوچ فرمایا۔ شرف الاولیاء نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے تکیہ میں لے آئے جب آنکھ کھلی تو اپنے تئیں معمولی جگہ پر پایا۔ خلاصۂ کلام یہ ہیکہ آپکی بزرگی میں کسی شخص کو کلام نہیں ہے۔ آپ اپنے پیر کی طرح خاندان نبوی علیہ السلام کی محبت میں گویا رہن تھے ربیع الاول مہینے

کے اوّلین بارہ ۱۲ روز میں۔ اور محرم کے مہینے کے اوّلین دس روز میں ماتمیوں کی طرح نیا اور دُھلا ہوا کپڑا انہیں پہنا کرتے تھے اور سوگواروں کی طرح زانو پر سر اور سر پر ہاتھ رکھے ہوئے نوحہ اور نالہ کرتے رہتے تھے اور کھانا اور شربت جو کچھ ہاتھ سے بن پڑتا تھا درویشوں کو دیا کرتے۔ (اذکار ابرار)

ایسا ہی ایک واقع سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں تشریف لیجانا۔ الملفوظ ۳۳۸ء مولفہ ومرتبہ مولوی محمد مصطفیٰ رضاخانصاحب قادری نوری بریلوی مُفتی اعظم ہند جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ایک روز فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت تشریف لائے اور حضرت کے شاگرد مولوی برکات احمد صاحب مرحوم کہ میرے پیر بھائی اور حضرت پیر ومرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فدائی تھے کم ایسا ہوگا کہ حضرت پیرو مرشد کا نام پاک لیتے اور اُن کے آنسو رواں نہ ہوتے جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت اُنکی قبر میں اُترا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضۂ انور کے قریب پائی تھی۔ اُن کے انتقال کے دن مولوی سیّد امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضرت سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لیئے جاتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ کہاں تشریف لیئے جاتے ہیں فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے الحمد للہ! یہ جنازہ مبارکہ میں نے پڑھایا۔ اور یہ وہی برکات احمد صلی اللہ علیہ وسلم تھیں کہ جو پیر ومرشد کے سبب انھیں حاصل ہوئیں۔ (الملفوظ جلد دوم صفحہ ۳۲-۳۱)

آمدم برسرِ مطلب:۔ حکایت ہے کہ نارنول میں ایک مشہور شاہی رئیس اپنے کمزور بھائیوں سے دشمنی رکھتا تھا جو آپکا مُرید ہوا ایک دن یہ رئیس اپنے سر پر پانی کی بھری ہوئی صراحی رکھکر شیخ احمد

مجد کی خانقاہ کی جانب جا رہا تھا۔ شیخ احمد نے جب اُس رئیس کو اپنی خانقاہ میں اس حالت کے ساتھ دیکھا تو فرمایا بابو تمہارے اس کام سے احمد مجد خوش نہیں۔ جاؤ اپنے بھائیوں کا جھگڑا ختم کر کے پہلے اُن کو خوش کرو تو میں بھی تم سے خوش ہو جاونگا۔ اُس کے بعد اُس رئیس نے شاہی دربار میں آمد و رفت کم کر دی۔

مزارِ خواجہ میں تہجد حکایت ہے کہ شیخ احمد آدھی رات کو خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جاتے جہاں تہجد پڑھتے تھے اور پھر اُس وقت سے چاشت کی نماز تک کسی سے گفتگو نہ کرتے چاشت کی نماز کے بعد مذہبی علوم پڑھاتے اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے ظہر سے عصر تک وظیفے پڑھتے اور نماز عصر کے بعد لوگوں کو تفسیر مدارک پڑھاتے اور اُسے تفصیل سے بیان کرتے۔ تفسیر مدارک میں جہاں جہاں عذاب کا تذکرہ آتا وہاں اس طرح گریہ وزاری کرتے جیسے قوالی میں صوفی آہ و بکا کرتے ہیں کثرت گریہ کے باعث آپکی آنکھیں ہمیشہ سرخ رہا کرتی تھی۔ تفسیر مدارک پڑھانے کا آپ نے وہی طریقہ رکھا تھا جو خواجہ حسین ناگوری اور شیخ حمیدالدین ناگوری صوفی رح کا تھا۔ آپ نے ستر سال تک اجمیر میں اسی طرح زندگی بسر کی۔

حکایت ہے۔ کہ شیخ احمد مجد جب اپنے مکان سے خواجہ چشت کے روضے پر جاتے تو روضے کا دروازہ خود بخود کھل جاتا۔ جب یہ بات لوگوں میں عام ہو گئی تو ایک آدمی اس سربستہ راز کے معلوم کرنے کے لئے ایک رات آپکے پیچھے پیچھے چلا۔ شیخ احمد جب روضے پر پہونچے تو روضے کا دروازہ کھلا اور آپ اندر چلے گئے اُس شخص نے بھی اندر جانا چاہا لیکن دروازے کے دونوں پٹ اس طرح بند ہو گئے کہ یہ شخص اُن میں دب گیا۔ دبنے کی

تکلیف برداشت نہ کر کے اُس شخص نے کہا شیخ احمد مجد میاں جیو میں توبہ کرتا ہوں چنانچہ دروازہ ڈھیلا پڑ گیا۔ مولانا محمد نارنولی (مرید) اپنے اُستاد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بھی شیخ احمد مجد کے لئے شیخ محمد ترک کے قبرستان میں چند لوگوں کے ساتھ روضے کا دروازہ رات کے وقت خود بخود کھلتے دیکھا ہے (اخبار الاخیار صـ ۲۳۱ ؁ ۲۳۳)

شیخ المشائخ بندگی شیخ نظام ابن شیخ منور رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی حضرت شیخ وحید الدین احمد بن شیخ عزیز الدین ابن شیخ صوفی حمید الدین کی آٹھویں پشت میں فقیر حقیر کے جدّ امجد ہوتے ہیں۔ آپکا شمار بھی اپنے وقت کے کاملین و صالحین میں ہوتا ہے۔ اور آپکی اولاد میں بھی بھیکے شاہ اور چاند شاہ اور مہتاب علی شاہ جیسے صاحب کرامات بزرگ گذرے ہیں۔ لیکن آپ کے حالات پر جو قلمی مخطوطات تھے وہ اس زمانے میں دستیاب نہیں ہوئے تمام کتابیں تلف ہو گئیں لہٰذا آپکے حالات پر کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے باوجود تلاش کے۔ حالانکہ بادشاہانِ وقت نے آپکی بزرگی کا احترام کیا ہے اور کئی فرامین بھی آپکی بزرگی سے متاثر ہو کر آپکو عطا فرمائے ہیں جنکی نقلیں فقیر حقیر کے پاس بزرگوں کی تحریر کردہ موجود ہیں۔ مگر اصل فرامین دستیاب نہیں ہوئے ہو سکتا ہے کی آپکی دیگر اولادیں سے کسی کے پاس یہ اصلِ فرامین ہوں۔ ایک اصل فرمان بادشاہِ اکبر

۱؎ اذکار ابرار صـ ۲۹ ـ ۲۲۸ ـ ۳ ـ ۹۳ و ۱۹۴ ۲؎ مناقب التارکین ص ۱۰۹ ـ ۱۸۶ ـ ۱۸۷ ـ ۲۰۵ ـ ۲۰۶ ـ ۲۰۷ ۳؎ شجرۃ الابرار ص ۳۲ ـ ۵۳۱ ـ ۳۲ ـ ۵۳۳ ـ ۳۶ ـ ۵۳۵ ـ ۳۸ ـ ۵۳۷

۴؎ الملفوظ ص ۳۱ و ۳۲ ـ ۵؎ سلطان التارکین ص ۵۶ ـ ۳۵۵ ـ ۵۸ ـ ۳۵۷ ـ ۳۶۳ ـ ۳۶۴

کا فقیر کے پاس تھا وہ بھی وقت پر نہیں ملا شاید آئندہ مل جائے۔ اسوقت
ایک قدیم فرمان کی نقل فقیر کو دستیاب ہوئی ہے جسکی روشنی میں فقیر آپکے
حالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے جس سے اتنا ضرور معلوم ہوا
ہے کہ آپ ۱۵۵۷ء / ۹۶۵ ہجری میں حیات تھے۔ شیر شاہ سوری بادشاہ
کے مرنے کے بعد ۱۵۴۹ء میں راؤ مالدیو راٹھوڑ نے دوبارہ اپنے ملک
کے ساتھ اجمیر اور ناگور پر قابض ہو گیا تھا۔

۱۵۵۷ء / ۹۶۵ھ میں پٹھانوں کے سردار حاجی خاں افغان
جو شیر شاہ کا غلام رہ چکا تھا۔ سمبت ۱۶۴۹ / ۱۵۹۲ عیسوی کا واقعہ ہے
حاجی خاں افغان کے بھاگ جانے پر مغل سردار سید محمد قاسم خاں نیشاپوری
نے بلا مزاحمت ناگور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا یہ تاریخی اقتباسات تاریخ
خانجہانی کے حوالے سے نگم کا سور ونش کا اتہاس ص ۳۷۴-۷۹) حلیم صدیقی
کی کتاب غیر مطبوعہ تاریخ ناگور ص ۱۵۸ تاریخ راجگان ہند ص ۱۷ سے
لئے گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ راجہ مالدیو راٹھوڑ اور حاجی خاں
افغان کی معرکہ آرائی کے وقت حیات تھے وہ تاریخی فرمان آپ آگے ملاحظہ
فرمائینگے۔ بزرگوں سے روایت ہیکہ بندگی شیخ نظام کی اولاد کی دوسری شاخ
میں ایک بزرگ چاند شاہ۔ اور دوسرے بھیکے شاہ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ جیسے
باکمال بزرگ گذرے ہیں۔ جنکے مزارات پالی مارواڑ میں ہیں۔ مہتاب شاہ
جن کا مزار میواڑ دیوگڑھ مداریہ ڈسٹرکٹ ادے پور، راجستھان میں ہے
جہاں پر آپکے سلسلے کے کافی تعداد میں مریدین شاد و آباد ہیں۔ آپکے
سلسلے مریدین کے ایک مرتبہ درگاہ صوفی صاحب علیہ الرحمۃ میں تشریف لائے تھے
فقیر سے ملاقات کی وہ لوگ بتلا رہے تھے کہ حضرت مہتاب علی شاہ جی

کے خاندان اولاد سے کوئی پیر صاحب ناگور سے دیوگڈھ مدار یہ تشریف لاتے تھے ہم لوگ انکی اولاد سے مرید ہیں مگر اب کوئی پیر صاحب ناگور سے نہیں آرہے ہیں دیگر ایک بزرگ بندگی شیخ نظام کی اولاد میں ہوئے ہیں۔ جن کا نام نامی اسم گرامی بھینے شاہ جی اور چاند شاہ جی تھا۔ آپکے مزارات پالی مارواڑ میں خاص راؤن کا چبوترہ کے پاس قبرستان میں زیارت گاہِ خاص وعام ہیں ـــــ شیخ نظام کی اولاد سے برادر منور عالم فاروقی جو شیخ نظام کی اولاد کی دوسری شاخ میں ہوتے ہیں اور دیگر بزرگوں سے سنا ہیکہ چاند شاہ کے ایک جنات تابع تھا۔ ایک مرتبہ آپ کا کسی جنگل سے گذر ہوا راستے میں بھیل قوم کے افراد نے آپکو لوٹنے کی نیت سے جو اُن کا خاندانی پیشہ تھا کسی بھی اکیلے مسافر یا قافلے کو دیکھ لیتے تو اس پر حملہ کر کے لوٹ لیا کرتے تھے مال نقدی چھین لیا کرتے تھے۔ اچانک آپ پر حملہ آور ہو گئے اور چاروں طرف سے آپکو گھیر لیا۔ آپ نے اپنے ہم سفر جن غلام بچہ کو حکم دیا جو ایک بچے کی شکل میں آپکے ساتھ تھا کہ انکو کرشمہ دکھا اُس جن بچے نے فوراً ہی اُن تمام لٹیرے بھیلوں پر حملہ کر دیا اور ایسی پٹائی کی کہ تمام بھیل گھبرا کر آپکے قدموں میں گر گئے اور آپکے ہاتھ پر ایمان لاکر مرید بھی بن گئے ۱۲ ربیع کے چاند میں آپکے عرس ہوتے ہیں۔ آپکے دادا کی طرح آپکا مزار بھی کھلا ہوا ہے۔ مزار پر کوئی چھت یا گنبد نہیں ہے۔ آپ نے ایک مسجد جودھپور میں بنوائی جو سلادٹوں کی مسجد کہلاتی ہے۔ درویش چاند شاہ چشتی فاروقی کی تعمیر کردہ ایک مسجد موتی چوک جودھپور میں ہے۔ جسکی محراب پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے۔ جسکے اندر پانچ عدد اردو کے اشعار نثر میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ جناب محمد حسین صاحب فاروقی ایڈوکیٹ ہائی کورٹ جودھپور جو کہ صوفی صاحب

کی اولاد اور فقیر کے ہم جدی تھے مجھے دکھلایا میں نے اس کی نقل کی ایک تحریر بھی دکھلائی تھی جس میں لکھا تھا، واعلیٰ حضرت شیخ سعیدی فاروقی غلام معین الدین جی عرف شیخ سعیدی چاند شاہ علیہ الرحمۃ بھول محل والے نے ایک کتبہ مکرانے کے پتھر پر مسجد کی محراب کے اُپر اس امر کا واسطہ ثبوت کے لگا دیا تھا۔ جسکی عبارت پانچ سطروں میں ہے۔

کتبہ موتی چوک مسجد جودھپور

(۱) مسجد بزرگ کی تعمیر اُس پاک پروردگار کے فضل سے تمام ہوئی اُس نبی کے فیض سے جو دین کا ہادی ہے۔

(۲) اس کی ظاہر تعمیر چاند شاہ چشتی کے ہاتھ حضرت شاہ جہاں معین الدین کی باطنی مدد سے ہوگئی ہے۔

(۳) ہمیشہ اس ہندوستان کے بادشاہ کے کرم سے ہر ایک شخص اپنے مطلوبہ مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔

(۴) جس شخص نے کہ اس بات کا ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین کے دروازہ پر اپنا سر رکھا اور پیشانی رگڑی تو وہ شخص اُن اولیاؤں کے مرتبوں کو پہنچ جاتا ہے جو دین کے پہنچے ہوئے ہیں۔

(۵) اس بڑی عمارت کی تعمیر ہونے کی تاریخ طلب کی جو کاتب نے کہا رجب کے مہینہ کی دسویں تاریخ ۱۲۳۰ھ کو تعمیر ہوئی سن وصال چاند شاہ مخدومی محرم کی دسں تاریخ بشکریہ ایڈوکیٹ جناب محمد حسین صاحب فاروقی۔

حضرت شیخ مہتاب علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ مہتاب علی شاہ کا مزار شریف دیوگڈھ میواڑ (مداریہ) میں ہے
آپ لاولد تھے وفات بتاریخ سلخ رمضان، مہتاب علی چشتید، وصال کا
مادۂ تاریخ ہے ۱۲۷۶ھ۔ اپنے اہل تعلق اور امالیان دیوگڈھ کے تعاون سے کئی
لاکھ روپئے لگا کر آپکا گنبد تعمیر کرایا ہے۔ حضرت مہتاب علی چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ
کے علاقہ میواڑ میں ہزاروں مرید تھے۔ آپ سے کئی کرامتیں سرزد ہوئی۔ اور اب بھی
مزار پاک سے فیض جاری وساری ہے۔

نقل فرمان مدد معاش بنام شیخ نظام

مدد معاش شیخ نظام بن شیخ منور مرحوم نبیرۂ
سلطان التارکین برہان العارفین حضرت
. . . . . قدس سرہٗ شیخ مشارٌ الیہ
کہ مردی اہل علم بود کثیر از فرزندان واہل
وعیال وتوابع بخود وابستہ دارد کہ بطلب
علم مشغولند واز احوال یتیمان وغریبان
وبیوہا وفقراء ودردمندان خبردار می باشند
واکثر گروہ علماء وفضلا وحفاظ وطلبا علم از
مسافر ومقیم از ایشان مستفید ند ومدد
کلی بایشان می نمایند وبانواع غمخوارگی
گروہ صدر مسطور قیام میدارند وچوں

(ترجمہ) مدد معاش شیخ نظام بن شیخ منور مرحوم
نبیرۂ سلطان التارکین برہان العارفین حضرت
شیخ مذکور جو ایک عالم آدمی تھے، بہت سے بیٹے
اور اہل وعیال ومتعلقین اپنے ذمہ رکھتے ہیں
جو طلب علم میں مشغول ہیں اور یتیموں، مسافروں
بیواؤں، فقیروں، دردمندوں سے بھی باخبر
رہتے ہیں۔ بہت سے علماء وفضلاء، حفاظ
طالبعلم مسافر، مقیم اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں
وہ ان کی پوری مدد کرتے ہیں طرح طرح سے
مذکورہ بالا گروہ کی غمخواری کرتے ہیں۔
چونکہ کئی پشتوں سے حضرت برہان

قایم تعالی حضرت برہان العارفین پشت بہ
پشت از اجداد و آبا ایشاں بشیخ مشارٌ
الیہ رسیدہ بداں جہتہ مردم آیندہ و روندہ
و مسافر و غریب کہ بر روضہ متبرکہ رجوع
میشند و یا از جوانب اطراف ہا میرسند
از جانب شیخ رعایت تمام حسب الوسع
بآنجماعۃ میشود و خرج اعراس چنانکہ عرس
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعی کہ از اجداد
و آبا ایشاں آمدہ است بیکساں کردن
بانواع وجوہ و عرس حضرت مغفرت
دستگاہ قطب الاقطاب دکنہا کہ ہر یوم کہ
بجہتہ قبر حضرت مغفرت دستگاہ بخطۂ اجمیر
تعین آمدہ است و عرس حضرت سلطان
التارکین و غیر ھم از مشائخ کبار و ائمہ
دین و چراغ بعضے مساجد و علی ہذا القیاس
بجہتہ رعایت و رونق اسلام خرچہ کلی می
شود و امداد تمام می نمایند حتیٰ کہ چوں نواب
بندگان حضرت بدولت و اقبال
مرتبہ متوجہ فتح گجرات شدند و بناگور نزول
اجلال فرمودہ و بزیارت حضرت سلطان
التارکین بر روضہ متبرکہ رسیدند دستار رد

العارفین کی جانشینی آباؤ اجداد سے ہوتی
ہوئی شیخ مذکور تک پہونچی ہے، اس لئے آنے
جانے والے لوگ مسافر اور اجنبی جو روضہ
مبارکہ میں حاضر ہوتے ہیں یا آس پاس کے
علاقوں سے آتے ہیں۔
شیخ اُن لوگوں سے حسب حیثیت پوری رعایت
کرتے ہیں۔ پھر عرسوں کا خرچ، چنانچہ
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس اُن کے باپ
دادا سے جس طرح ہوتا آیا ہے اُسی طرح مختلف
مراسم کے ساتھ، اور حضرت مغفرت دستگاہ
قطب الاقطاب کا عرس اور پھول جو روزانہ
حضرت مغفرت دستگاہ کی قبر کے لئے خطۂ اجمیر
میں مقرر ہیں، اور حضرت سلطان التارکین کا
عرس۔ اسی طرح ان کے علاوہ مشائخ کبار اور
ائمۂ دین کے اعراس، بعض مسجدوں کیلئے
چراغ اسلام کی رونق کا خیال کرتے ہوئے
ان سب پر بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ
اس میں پوری مدد فرماتے ہیں حتیٰ کہ جب
بندگان حضرت بدولت و اقبال کے ملازمین
گجرات فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوتے اور ناگور
میں نزول اجلال فرمایا اور حضرت سلطان

وپشواز دتبرک فقیرانہ کہ بنواب بندگان
حضرت وشاہزادہ ہاعالمیان گذرانندانداز
جانب شیخ مومی الیہ بودہ است۔ غرض
ازیں عرض آنست کہ بضمیر انور حضرت
صدارت پناہی کہ مرأت انوار الٰہی وکاشف
اسرار نامتناہی است واضح می سازند کہ
بدیں انواع خرچہ کلی از جانب شیخ مذکور
میشود و دریں ایام آنجملہ کہ بیمن رایت
فتح ونصرت حضرت ظل اللہ تعالیٰ فی
الارض ورب الارض راض عنہ جابجا کفار
ناعاقبت اما درایام پیشین کفار متمرد
ایں نواحی مثل مالدیو وغیرہ کہ ہمیشہ درپے
ایذاء مردم ایں شہر بودہ اندو مالدیو
مذکور چند مرتبہ فیصلہ صریح کردہ بود
دراں زمان ہم ازجانب بزرگان ایشان
درمدد مسلمانان از مالی وجانی آنچہ در
امکان وقدرت می کند تقصیر نشدہ
و در رواج اسلام ایں شہر بمعونت
ونیک اندیشی اہل آں آنچہ لائق وصاحب
اہل اسلام بود و در محافظت ایں مقام
ورونق اسلام باہتمام تمام کوشیدہ اند

التارکین کی زیارت کے لئے روضہ منورہ
میں آئے۔ دستار، پشواز اور فقیرانہ تبرک
جو کہ ملازمین بندگان حضرت اور شاہزادہ ہائے
عالمیان کو پیش کیا گیا وہ بھی شیخ مذکور کی جانب
سے ہی تھا۔ اس عرض سے مقصود یہ ہیکہ حضرت
صدارت پناہی کے ضمیر انور پر، جو انوار الٰہی کا
آئینہ اور بیکراں اسرار کا کھولنے والا ہے۔ یہ
واضح کریں کہ اس طرح کے سب خرچے شیخ
مذکور کی جانب سے ہی ہوتے ہیں اور الحمد
للہ اس زمانے میں جب ظل اللہ فی الارض،
جن سے زمین کا رب راضی ہے کہ فتح ونصرت
کے پھریروں کی برکت سے جگہ جگہ ناعاقبت
اندیش کفار۔۔۔۔ لیکن پچھلے زمانے میں اس
علاقے کے سرکش کفار مثلاً مالدیو وغیرہ
ہمیشہ اس شہر کے باشندوں کو ایذا دینے کیلئے
درپے رہتے تھے۔ اور مالدیو مذکور نے چند مرتبہ
کھلا فیصلہ کر لیا تھا، اس زمانے میں بھی اُن (شیخ)
کے بزرگوں نے مسلمانوں کی مالی وجانی مدد جتنی
امکان اور قدرت میں تھی اُسمیں کمی نہیں
کی اور اس شہر میں یہاں کے باشندوں کی
مدد اور نیک اندیشی سے جو کچھ مسلمانوں کے

خصوصاً درحینی کہ نواب بندگان حضرت
محمد قاسم خان نیشاپوری رامع عساکر فیروزی
ماثر برسر حاجی خان افغان تعین فرمودہ
و حاجی خان مذکور قلعہ ناگور را بمالدیو
راٹھوڑ دادہ از ولایت بدر آمدہ و
گماشتہا آں کافر ملعون بموجب
اشارات او قرار دادند کہ اکثر اہل این
شہر را خصوصاً امیدوار آنرا بقتل
رسانند و بانواع اہانت مبتلا سازند
دران وقت نیز از شیخ مشارٌ الیہ
متردد کہ لائق دولت اسلام است
بظہور آمد چوں دولت بندگان
حضرت قوی بود لشکر حضرت مظفر
و منصور شد و گروہ کفار مسلط و مقہور
گشتہ و بفرار نہادند غرض ہرگاہ شیخ
مذکور در رعایت مسلمانان و دلخواہی
بندگان حضرت خود را دریغ نداشتہ
و ہنوز قدم سعی برآں دارند و غم و شرم
اہل این شہر باین حال متعلق آمدہ است
و دائم الاوقات باین اعمال حسنہ قیام
این مقام می نمایند و چوں اکابری

لئے لائق اور مناسب تھا کیا اور اس جگہ کی
حفاظت اور اسلام کی رونق کے لئے پورے
اہتمام سے کوشش کی خصوصاً جس زمانے میں
حضرت محمد قاسم خاں نیشاپوری کے ملازمین
شاہی فوج کے ساتھ حاجی خاں افغان پر
متعین کئے گئے تھے اور حاجی خاں افغان
مذکور نے ناگور کا قلعہ مالدیو راٹھوڑ کے حوالے
کر دیا تھا اُس نے ولایت (افغانستان) سے
آ کر اُس کافر ملعون کے گماشتوں کو اس کے
اشاروں پر مقرر کر دیا تھا جنھوں نے اس
شہر کے اکثر باشندوں خصوصاً امیدواروں
کو قتل کر دیا تھا اور طرح طرح کی ذلت میں مبتلا
کیا تھا۔ اس وقت بھی شیخ مذکور نے وہ کوشش
کی تھی جو اہلِ اسلام کی حکومت کے شایانِ شان
ہے چونکہ بندگان حضرت کی حکومت طاقتور تھی
حضرت کا لشکر مظفر و منصور رہا اور گروہِ کفار
زچ ہو کر مغلوب ہوئے تھے اور بھاگ
گئے تھے ۔۔۔ غرض کبھی بھی شیخ مذکور نے
مسلمانوں کی رعایت اور بندگان حضرت
کی حکومت کی خیر خواہی سے دریغ نہیں
کیا اور آج بھی اس کے لئے مستعد ہیں

و معتدائی کرسی بکرسی بشیخ مشارٌ
الیہ رسیدہ بنا برآن غم و شرم این
شہر بدیشان متعلق آمدہ است
و مدد معاش ایشان کہ قدیم الایام در
عمل حکام ماضیہ شش موضع بطریق
دروبست و شش منزل جاء از سواد
بلدہ مقرر بودہ از آنجملہ ۔
یک موضع در اوایل طرح افتادہ و دو
موضع دیگر در عمل نواب خانجہان
مطروح شدہ باقی ۳ موضع دروبست
از پرگنات ذیل و شش منزل
جاء قدیم الایام از آباء و اجداد در وجہ
مدد معاش ایشان مقرر بودہ است
و در ایام حوادث و تخللات کہ تا چند
جا کفار نابکار بہ بلدہ ناگور متصرف
گشتہ بودند اینہا نیز اصلا بحال
مدد معاش ایشان تغیر و تبدیل ننمودہ
و بطریق قدیم مسلم داشتہ بودند
و اصل املاک این دیار ملک سایر بلاد ہند
در استمرار و استقرار مثل املاک ایشان
کم بودہ است و چون بفرمان تعالیٰ

اس شہر کے لوگوں کے دکھ اور ننگ و ناموس
ان سے ہی متعلق ہیں اور وہ ہمیشہ ان
نیک کاموں کو ادا کرتے ہیں ۔ چونکہ بزرگی اور
پیشوائی نسلاً بعد نسلٍ شیخ مذکور تک پہونچی
ہے اس لئے اس شہر کے باشندوں کا دکھ درد
اور عزت و آبرو ان سے ہی متعلق رہی ہے ۔ اور
اُن کی مدد معاش میں قدیم زمانے سے پرانے
حاکموں کی عملداری میں چھ گاؤں بطریق دروبست
اور سواد بلدہ میں چھ مکان مقرر رہے ہیں ان میں
سے ایک گاؤں شروع میں ہی نکل گیا تھا ، دوسرے
دو گاؤں نواب خان جہاں کی عملداری کے زمانے
میں نکل گئے باقی تین دروبست کے گاؤں
ذیل کے پرگنات میں اور چھ مکان قدیم
زمانے سے اُن کے آباء و اجداد کی مدد معاش
میں مقرر چلے آتے ہیں ۔ حوادث اور بکھیڑوں
کے زمانے میں جب کئی جگہ کفار نابکار شہر ناگور
پر قابض ہو گئے تھے ، انہوں نے بھی ان کی
مدد معاش کی محال میں کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں
کیا ۔ زمانہ قدیم کی طرح اُسے باقی رکھا تھا اس
جگہ کی جائدادیں سارے ملک ہندوستان
کی طرح ہمیشہ جاری رہنے والی اور ان

دراکثر اوقات دریں ولایت
امساک باراں وسایر آفات سماویہ
چنانکہ ملخ وغیرہ واقع میشود
واخراجات کلیہ درحال واجبۃ الرعایہ
کہ ایشاں برخود بطریق لازم داشتہ
اند۔ باستقراض ادامی نمودند در فصلی
کہ از آفات سالم می ماند وحاصل
می شد بہزار حیلہ از قرض سابق
متخلص می یافتند و بدیں منوال
صورت احوال ایشاں منصور بود
خصوصاً دریں ایام قرض بسیار
بر ذمہ ایشاں ثابت شدہ است
امید دارند کہ چوں بشرف آستاں بوس
مشرف شوند بر قاعدہ قدیم منظور رو
بتشریف قبول ملبوس کردند۔

تفصیل

مواضع دروبست وچاہا مذکورہ کہ بعد از
۳ مواضع مطروحہ بایشاں وآبا واجداد ایشاں
مقرر بودہ است بدیں تفصیل۔

مواضع ۱ ملے موضع دروبست
طرف (۲) دیہ از پرگنہ بہدانہ

الملاک کی طرح مقرر رہی ہیں۔ چونکہ اللہ
کے حکم سے اکثر اوقات اس ولایت میں
سوکھا پڑتا ہے اور کبھی آسمانی آفتیں مثلاً
ٹڈی دل وغیرہ بھی نازل ہو جاتی ہیں۔ تو
سارے اخراجات جن کی رعایت واجب ہے
وہ خود اپنے اوپر لازم سمجھ کر قرض لے کر
پورے کرتے ہیں۔ اور جو فصلیں ان
آفتوں سے بچ جاتی ہیں اور اُن سے کچھ حاصل
ہوتا ہے تو ہزار تدبیر سے وہ باقی ماندہ
قرض چکایا جاتا ہے۔ ان کے حالات کی نوعیت
یہ ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں اُن کے ذمہ
قرض بہت ہو چکا ہے۔ وہ امید کرتے ہیں کہ
جب آستاں بوسی سے مشرف ہوں گے تو
پرانے قاعدے کے مطابق انہیں دیکھا جائیگا
اور خلعت بھی پہنائی جائیگی

تفصیل مواضع دروبست وچاہ ہار
مذکورہ جو تین گاؤں نکلنے کے بعد ان کے آباء
واجداد کے لیے مقرر رہے ہیں۔

بایں تفصیل

مواضع (۱) ملے موضع دروبست
طرف (۲) دیہہ از پرگنہ بہدانہ۔

طرف (۳)

سود ہنی از پرگنہ رون — کے منزل

طرف (۴)

شہد بمافیہ — بیپاسر از پرگنہ بہدانہ

خواجہ خضر حافظ — طرف (۵)

شہد بمافیہ — طاہو سر مسرلان

عبدالقادر بن شیخ — طرف (۶)

ابوالفتح مرحوم — جنہال یا چینا بمع

قدس سرہ العزیز — منزل یا مسرل

شہد بمافیہ — کہ اینکذا کان ایشان

نصیر الدین بن شیخ — العبد حسن بن یونس

جیو محمد ناگوری کتبہ — الملق بالمعنے

بخط ابن قاضی ابوبکر — مہر

فقیر قاضی منعم — سلیمان عبدہ بن خواجہ

مہر — مظہر الحق۔

الیہ الہادی

مہر

الفقیر الحقیر الملق احمد القاضی — طاہر قاضی عبدالکریم

شہید بمافیہ — بن طاہر ابن ناگور

(مہر)

ہجری فی التاریخ ہفتم شہر جمادی الاول

سنہ ۱ جلوس والا

طرف (۳)

سود ہنی از پرگنہ رون — کے منزل

شہد بمافیہ — طرف (۴)

خواجہ خضر — بیپاسر از پرگنہ بہدانہ

حافظ — طرف (۵)

شہد بمافیہ — طاہو سر مسرلان

عبدالقادر بن — طرف (۶)

شیخ ابوالفتح — جنہال یا چینا د

مرحوم قدس سرہ — بمع منزل یا مسرل

العزیز۔

سلسلہ سجادگی سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رضی اللہ عنہ

سرور الصدور۔ مناقب التارکین، شجرۃ الابرار سے نقل ہے کہ حضرت صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین (سجادہ نشین) اپنے منجھلے پوتے شیخ فرید الدین چاکپراں کو بنا دیا تھا۔ چونکہ آپکو اپنی روحانیت کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ میرا بڑا لڑکا اور میرا بڑا پوتا دونوں میری زندگی میں انتقال کر جائیں گے اور ایسا ہی ہوا کہ آپکے بڑے صاحبزادے عزیز الدین آپکی موجودگی میں ۶۷۶ھ میں وفات پا گئے اور اُس کے چند ماہ بعد بڑے پوتے شیخ وحید الدین سعید صوفی کا بھی ۶۷۶ھ میں انتقال ہو گیا۔ تب فرید الدین پر یہ بھید کھلا کہ میرے والد محترم اور میرے برادر کلاں کی موجودگی میں مجھے سجادگی سے نوازنے میں یہ راز مضمر تھا۔ اب اس کے بعد حضرت فرید الدین نے اپنا جانشین (سجادہ نشین) اپنے مرید و خلیفہ اپنے لڑکے شیخ سعیدی بزرگ کو اپنی زندگی میں ہی مقرر کر دیا تھا شیخ سعیدی بزرگ کے بعد ان کے لڑکے شیخ کبیر الدین سجادہ نشین ہوئے میواڑ کے رائے چونڈا کے تاخت و تاراج کے وقت جو ۸۰۲ھ / ۱۳۹۹ء میں آپ ناگور کو ترک وطن فرما کر احمد آباد گجرات میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے آپکی اولاد سلاطین گجرات کے وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر بھی فائز رہ چکے ہیں جس کا ذکر فقیر شیخ کبیر الدین رح کے حالات میں پچھلے صفحات میں کر چکا ہے۔ دیگر فرید الدین صاحب رح کی اولاد دیں جو ناگور میں رہتی تھیں

شیخ مداری عرف بدیع الدین نبیرۂ فریدالدین جو اپنے وقت کے کاملین و صالحین میں تھے۔ آپکو شیخ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی القادری سے خرقۂ خلافت ملا تھا آپ قصبہ سنگھانہ علاقہ شیخاوائی میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپکی اولاد کا بھی آگے چل کر سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے نواسے غلام امام عرف مانو شاہ نبیرۂ فریدالدین چاکرانؒ بھی ناگور کو ترکِ وطن کر کے سنگھانہ شیخاوائی میں جاکر آباد ہو گئے شیخ مداری کی وفات کے بعد آپ ہی قصبہ سنگھانہ کے شاہِ ولایت ہوئے آپکی اولاد سن ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد سندھ جاکر بس گئی اب ناگور میں فریدالدین چاکرانؒ کی اولاد میں صرف ایک لڑکا غیر شادی شدہ وحیدالدین بچا ہے۔ دیگر فقیر حقیر کے بہنوئی پیر غیور الحسن صاحب جن کے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ فقیر کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ دیگر اولاد فریدالدین چاکرانؒ نارنول، حصار، چندیری۔ دہلی گوالیار۔ رہتک کئی مقامات میں منتشر ہو کر رہ گئی جسکی تفصیل کتاب شجرۃ الابرار میں دیکھئے۔

اس کے بعد سجادگی کا عہدہ فریدالدینؒ کے بڑے برادر شیخ وحیدالدین احمد سعید صوفی کی اولاد شیخ المشائخ بندگی شیخ نظام بن شیخ منور کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔ آپکے ہفت پسر ہوئے۔ بندگی شیخ نظام فقیر کے جدّ امجد آپکی اولاد میں پہلا سجادہ نشین شیخ عبداللہ ابن شیخ نظام ابن شیخ منور سجادہ نشین ہوئے ان کے بعد شیخ احمد پسر چہارم بندگی نظام کی اولاد میں سجادہ ہوئے۔ شیخ احمد کے لڑکے ہوئے شیخ محمدؒ

---

۱ سرور الصدور ۳۲۷۔ مناقب التارکین ۱۶۲ تا ۱۰۶ شجرۃ الابرار ۵۲۲ تا ۵۲۷ ۔ ۵۴۵

شجرۃ الابرار ۵۴۲ ۔ افاضات حمید ۵۶ ۔ مناقب الحبیب ۱۴۸ ۔ لمعات الانوار ۴۰۔۴۲

اور شیخ محمد کے لڑکے ہوئے شیخ عبدالرشید جن کا افاضات حمید تاریخ روہیل شریف میں سجادہ نشین درگاہ صوفی حمیدالدین ہونا لکھا ہے۔ یہ عبدالرشید سجادہ بھی فقیر کے بزرگوں کی شاخ میں ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بندگی شیخ نظام ابن شیخ منور یہ شیخ منور وہی ہیں جنھوں نے ابوالفضل فیضی کے والد شیخ مبارک کی پرورش فرمائی جس نے سن بلوغ تک آپ ہی سے علم حاصل کیا اور مخادم کی ڈیوڑھی اور جاروب کشی کی خدمت انجام دیتا تھا۔ دیکھیے مناقب الحبیب لمعات الانوار، ظلمات الانکار۔

شیخ احمد پسر چہارم بندگی شیخ نظام سے فقیر حقیر تک سجادگی کے شاہی فرامین کے ذریعہ اور شاہی ہندی سندات کے ذریعہ ہونا ثابت ہے جسکا دستاویزی ثبوت آگے پیش ہو رہا ہے۔

نقل فرمان فارسی مطابق اصل	ترجمہ فرمان اردو مطابق اصل فارسی
سلطان التارکین قدس سرہٗ	اللہ اکبر
مہر	حکم راجاؤں کے راجہ۔ راجہ رائے سنگھ کا
(مہر) بنام سجادہ نشین شیخ عبداللہ۔	مہر
اللہ اکبر!	(مہر) سلطان التارکین قدس سرہٗ
حکم راجہ راجہای راجہ رائے سنگھ عمدۃ الخواص راوت تیجمال و مہیش سالوکانہ و اعتمادی نرائن ناگھور و جیو راج مہتہ	عمدۃ الخواص راوت تیجمال و مہیش سالوکانہ و اعتمادی نرائن ناگھور و جیو راج مہتہ
بدانند کہ۔	جانیں کہ
چوں مخدوم زادہ برجا و لائق سجادہ شیخ	کیونکہ مخدوم زادہ اپنی جگہ اور سجادگی کے لائق شیخ عبداللہ ولد

عبداللہ ولد شیخ نظام اولاد مرحومی مغفوری
شیخ المشائخ شیخ مردی قابلیت
واستعداد است بنا برآں حکم فرمودیم
کہ منصب صاحب سجادہ بمشارٌالیہ
مفوض مسلّم باشد۔ مردم آنجا
چنانچہ ادب قاعدۂ بزرگان ایشان
نگاہ داشتہ آمدہ اند بہماں دستورِ
خدمات ایشاں برخود لازم دارند و
حصّہ مدد معاش سوائے اعراس
درمیان برادران بدستور
سابق است دریں باب عمل
نمودہ تخلف نورزند۔
فی التاریخ ۷؍ شہر ذی الحجہ
سنہ ۱۰

شیخ نظام اولاد مرحومی و مغفوری شیخ
المشائخ شیخ قابلیت اور علمی طاقت والا
مرد ہے۔ اس وجہ سے ہم حکم فرماتے ہیں
کہ عہدۂ جلیل القدر صاحب سجادگی
کا (مشارٌالیہ) جسکی طرف اشارہ کیاگیا
ہے) کو سونپا اور تسلیم کیاگیا اس جگہ
کے لوگ جیساکہ ادب قاعدہ ان کے بزرگوں
کا نگاہ رکھتے آئے ہیں۔
اُسی دستور انکی خدمتیں اپنے اوپر
لازم رکھیں اور حصّہ مدد معاش سوائے
اعراس درمیان برادران اگلے دستور موافق
ہے۔ اس موجب عمل کریں خلاف نہ کریں
تاریخ ۷؍ مہینہ ذی الحجہ سنہ ۱۰

نقل فرمان مطابق اصل فارسی (بنام شیخ پیربخش سجادہ نشین)

مہر

۱۱۸۹
۱۷ خواجہ معین ولی
امام دین متین شدہ مہر
علی
ز لطفش سراج اصغر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مریدان معتقدان فرقۂ اسلام و قانون گویان چودہریان
بلدۂ ناگور را اعلام آنکہ چوں مشیخت و شرافت پناہ
شیخ محمد پیربخش از آبا و اجداد سجادہ نشین آنجا و
تایں حصّہ مستقبل اینجانب اند لہٰذا قلمے میگردد کہ دیگری راسہم شریک
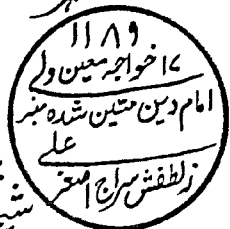
حصہ (موصی الیہ) ندانستہ در امورات جزو کل مرجوعہ کہ اظہار نمایند مابین بھمیں در تقدیم بسعی و پرداخت ایشان مقید و معمور باشند ہیچ تغافل بعمل نیارند مشارٌ الیہ را سجادہ نشین آنجا دانستہ و درین باب قدغن عظیم انگاشتہ حسب المزبور بعمل آرند۔ تحریر بتاریخ پانزدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۴ ہجری قلمی یافت

مہر

سید حیدر علی

مہر

۱۱۸۹ خواجہ معین دلی ۱۷
امام دین متین شدہ منبر علی
ز لطفش سراج اصغر

ترجمہ

اردو مطابق اصل فارسی فرمان
بنام شیخ محمد پیر بخش سجادہ نشین

مریدان معتقدان فرزند اسلام و قانون گویان

چودھریان بلدۂ ناگور کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ مشیخت و شرافت پناہ شیخ محمد پیر بخش اپنے آباء و اجداد کے وقت سے ہی اس جگہ کے سجادہ نشین ہیں لہٰذا تحریر کیا جاتا ہے کہ قصبہ مذکور میں کوئی دوسرا (موصی الیہ) کا شریک نہیں جان کر و تمام امورات جزو کل کے جن کا اظہار کیا گیا ہے، انہیں کے حق میں آئندہ باقی رکھے جائینگے کوئی غفلت نہ برتی جاوے اور (مشارٌ الیہ) جسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کو اس جگہ کا سجادہ نشین تسلیم کیا ہوا ہے اس باب میں تاکید جانیں۔ تحریر کے مطابق عمل میں لادیں۔

بتاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۴ ہجری

مہر

سید حیدر علی

فرمان سند مارواڑی ہندی کا اردو ترجمہ

بنام سجادہ نشین شیخ پیر بخش

شری پرمیشور جی ستیہ ہے !

سوا روپ شری جے پور کوٹا یت موری جی شری دیناناتھ جی جوگیہ

ناگورتھا دھاری وال ہنسراج لکھت جہار واچسی اُٹھارا سماچار بھلا چھ راج را

بھلا چاہی جے سدا اسکو اخلاص رکھاوے تنا تھا وِشیش رکھاوسی ـــــ

اپرنچ شری تارکین جی راپوتا شیخ پیر بخش جی گدّی نشین ہے۔

سو اُوتھے آیا ہے۔ سو آگے اِئ دوئے یار اُٹھارا دربارسوں موتاد ششو ششو

روپیہ پایا ہے۔ سو سارا سماچار راج نے کہہ سہی سو بھیرہی اِناری ریت رہ

ے سو کراوسی اٹھا قلعہ دار ہے سو اُپگار ہودن میں فائدہ ہے۔

اَو دَواکرسی سو کارن کرب آگے رہو جنا موافق رہے سو کراسی ـــــ

کاغذ سماچار دِراو جو کام کاج ہوئے سو لکھاوسی۔

سمت ۱۸۶۲ بیساکھ سُدی ۸

نقل فرمان محمد شاہ بادشاہ بنام

مہاراجہ بخت سنگھ جی فارسی۔

بنام شیخ کمال الدین

شیخ حمید الدین ناگوری رح

تہور پناہ جلادت دستگاہ بخت سنگھ

محفوظ باشند درینوالا شیخ کمال الدین

ترجمہ فرمان محمد شاہ بادشاہ

شیخ حمید الدین ناگوری رح

تہور پناہ جلادت دستگاہ بخت سنگھ

محفوظ رہیں۔ ان دنوں زبدۃ الواصلین

سلطان التارکین کی اولاد سے شیخ کمال الدین

از فرزندان زبدة الواصلین سلطان التارکین
حضرت   التماس نمود کہ سلطان محمد
ابن تغلق بادشاہ پیشین روضہ حضرت مذکور
را در سواد قصبہ ناگور بنا نمودہ و قدری
زمین معہ یکدہنہ چاہ موسوم برلی سراز
سرحد کانہای سنگ تابستہ تالاب
گہندانی و از کنارۂ تالاب مزبور تا کانہای
سنگ کہنہ کہ در آنجا واقعست متعلق روضہ
مزبور گردانید چنانچہ اشجار کہ در آنجا
پیدا می شود بہ قطع آں صرف روضہ
مزبور می شود و احداث نمودن مقابر
و دفن کردن میت باستصواب
اجداد رافع و بند میگردد و از
عہد سلطان مرقومہ تاحال احدی
مزاحم نشدہ الحال بعضے مردم
بہ تکلیف ابواب ممنوعہ
مزاحمت میرسانند امیدوار
است کہ اندریں باب یاں
جہاں پناہ قلمی شود
لہذا نوشتہ می شود کہ در
صورتے کہ زمین مرقومہ مشتمل

نے حضور میں عرض کیا کہ سلطان محمد ابن
تغلق اگلے بادشاہ نے روضہ (مزار) حضرت
مذکور کو قصبہ ناگور کے باہر بنوایا اور کچھ زمین
معہ ایک کنواں موسوم (جسکا نام) برلی سرسے
سرحد پتھر کی کھانوں سے بند مے ہوئے
تالاب گیندانی تک اور تالاب مذکور کے
کنارے سے پورانی پتھر کی کھانوں تک کہ
اُس جگہ واقع ہے روضہ مذکور کے متعلق
کیے گئے ہیں ۔ جیساکہ جو درخت اُس
جگہ پیدا ہوتے ہیں ۔ اُسکی ٹوٹی ہوئی لکڑی
روضہ مذکور پر صرف ہوتی ہے ۔
(اور حدود مذکورہ میں) اور (غیر) لوگوں
کا نئی قبریں بنانا اور میت کو دفن کرنا
بزرگوں (باپ داداؤں) کی اجازت
سے اُٹھادیا اور بند کردیا گیا ہے ۔ اُوپر
لکھے گئے بادشاہ کے زمانے سے آج تک
کسی نے روک ٹوک (دخل) نہیں کیا
اب کچھ آدمی ان منع کیئے گئے کاموں کے
متعلق دخل و تکلیف پہنچا رہے ہیں
امیدوار ہے کہ (شیخ کمال الدین) ان
معاملات کے متعلق جہاں پناہ

معابر و تعلقہ روضہ مسطور باشد
مقرر سازند کہ موافق معمول تعمیل
آورند احدی بہ تکلیف ابواب
ممنوعہ بارگاہ آسمان جاہ
مزاحم و معترض نشود تا مکرر
نالش بمیان نہ آید بتاریخ
غرہ رجب سنہ ۱۰ قلمی شد

۴ رجب سنہ ۱۰ جلوس والا — دہم سنہ ۱۰
نقل کردہ شدہ است — بتاریخ سیوم رجب
بموجب التماس منتم — المرجب بقلمبند
فرح حضور کل
رسیدہ سنہ ۱۰ ۵ رجب
پنجم مہر شدہ

مہر پشت پر
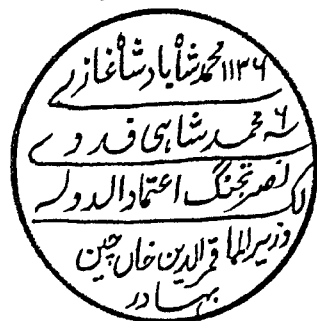
۱۱۳۶ محمد شاہ بادشاہ غازی
سنہ ۶ محمد شاہی فدوی
لک نصر تجنگ اعتماد الدولہ
وزیر الممالک قمر الدین خان چین
بہادر

(راجہ بخت سنگھ) کو لکھا جاوے۔ اس
لئے لکھا جاتا ہے کہ جس صورت میں کہ لکھی ہوئی
زمین قبروں اور روضہ مذکور کے تعلق میں
ہے مقرر رکھیں موافق معمول۔ ہمیشہ کے مطابق
تعمیل کروائیں۔ کوئی شخص بارگاہ آسمان
جاہ (بادشاہ محمد شاہ) کے منع کئے گئے
معاملات میں تکلیف اور دخل اور اعتراض
نہ کرے تاکہ دوبارہ شکایت درمیان میں نہ آئے
بتاریخ غرہ (چاند رات) رجب سنہ ۱۰ کو لکھا
گیا۔

دہم بتاریخ سیوم رجب المرجب بقلمبند فرح
حضور کل رسیدہ ۵ رجب مہر ہوئی۔ ۴ رجب
سنہ ۱۰ جلوس والا کو نقل کر کے دی گئی۔
بموجب میری عرض کے۔

مہر

۱۱۳۶ محمد شاہ بادشاہ غازی
سنہ ۶ محمد شاہی فدوی
لک نصر تجنگ اعتماد الدولہ
وزیر الممالک قمر الدین خان چین
بہادر

نقل پٹہ ہندی مطابق اصل اُردو ترجمہ

پٹہ باپوتی گاؤں خاص ناگور پرگنہ ناگور ریاست جودھپور شری دربار راج
مارواڑ تاریخ ۹ مہینہ اپریل سمت ۱۹۵۲ء را ساون سدی ۱۳ر

[illegible]	نام آسامی و باپ کا نام ذات و سکونت اور حصہ اور نمبر کھاتہ مثل بندوبست فقط	[illegible]	تعداد زمین و قسم	[illegible]	تعداد ڈمیکہ یا لگان ذمہ باپودار: اصل	سوائے	میزان	[illegible]
نمبر	خانقاہ حضرت تارکین	۹۲	۱۰ ۱/۴ تالاب		.	.	-	رقبہ غیر
۶۲۲۴	صاحب باہتمام جمال	۹۳	۲۹۷ ۱/۴ قبرستان					ممکن حصہ
	الدین بیٹا کمال الدین	۹۴	۱۶۵ ۱/۴ ایضاً					خارج
	راذات راشیخ سجادہ	۹۵	۱۰ ۱/۴ خانقاہ					پڑت ہے
	نشین واسی گاؤں	۹۶/x	۱۲۲/۱ قبرستان					فقط
	روبلادار کھیوٹ	۹۶/۱	۲ ۱/۲ قبرستان					
	۱۰۵	۹۶/۲	بیڑہ ۱/۱					
		۶	۶۴۲ ۱/۴ / ۱					
	دستخط احمد حسین							دستخط بستی رام محرار

مطابق اصل انگریزی کا **سرکاری حکم**

اردو ترجمہ

نمبر ۵۹۲۳ / لوازمہ ــــــــ تاریخ جودھپور ۳۰ مارچ ۱۹۴۶ء

ناگور کے تارکین صاحب کی درگاہ کے عرس کے موقع پر پہلے درجے کا لوازمہ ۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو عام اُجرت پر دے دیا جائے

دستخط
ہز ہائی نیس کا کانسیلر

نمبر ۵۹۲۷ ــــــــ تاریخ ۳۰ مارچ ۱۹۴۶ء

نقل ہذا بھیجی جاتی ہے۔

(۱) انسپکٹر جنرل پولس جودھپور تعمیل کے لئے۔

(۲) حاکم ناگور اس ہدایت کے ساتھ کر نقارہ، نشان اور دیگر لوازمہ اشیاء جو دستیاب ہوں دے دی جائے۔

(۳) داروغہ دستری جودھپور، اطلاعاً

(۴) پیرزادہ عبدالغنی پاٹوی سجادہ نشین تارکین صاحب کی درگاہ اطلاعاً

دستخط
کانسیلر ہز ہائی نیس

مطابق اصل انگریزی کا

سرکاری حکم

اردو ترجمہ

نمبر ہوم/لوازمہ ________ تاریخ جودھپور۔ مارچ ۱۹۴۸ء

تارکین صاحب کی درگاہ، ناگور، کے عرس کے موقع پر پہلے درجے کا لوازمہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۸ء کو عام اُجرت کی ادائیگی پر دے دیا جائے۔

دستخط

نمبر ۶۳۵۶ ___ تاریخ ۸ رمارچ ۱۹۴۸ء

کاپی ہٰذا بھیجی جاتی ہے:-

(۱) انسپکٹر جنرل پولیس جودھپور کاروائی کیلئے۔

(۲) حاکم ناگور اس ہدایت کے ساتھ کہ نقارہ، نشان اور دیگر اشیاء جو دستیاب ہوں دے دی جائیں۔

(۳) داروغہ دستری "جودھپور" اطلاعاً

(۴) پیرزادہ عبدالغنی باٹوی سجادہ نشین تارکین صاحب کی درگاہ ناگور اطلاعاً

دستخط

f ہوم سکریٹری

کتاب حمیدیہ کمیٹی

کتاب حمیدیہ کمیٹی میں لکھا ہے کہ انجمن اسلامیہ حمیدیہ کے اراکین کے پریسیڈینٹ قاضی محمد بخش عثمانی اور جنرل سکریٹری پیر سراج الدین نے ایک اشتہار نکالا جس میں لکھا ہے کہ ۲۴ رشوال المکرم ۱۳۳۷ھ کو جناب فیض مآب حضرت پیر قادر بخش صاحب سجادہ نشین حضرت سلطان التارکین

صوفی حمید الدین قدس سرہٗ العزیز نے بخوشی تمام انجمن اسلامیہ حمیدیہ کا عہدۂ
آنریری ٹرسٹی کا منظور فرماکر اور مدرسہ ہذا کی امداد کیلئے اپنی دریادلی سے مبلغ
عہ ۲۵ روپیہ یکمشت انجمن بنائے تعلیم میں دیئے و نیز تیس ۳۰ روپیہ
سالانہ ہمیشہ کیلئے اپنے خزانہ عامرہ سے دینا منظور فرماکر کمیٹی اور رقوم کو مشکور
فرماکر ثواب دارین حاصل فرمایا۔ المشتہر کمیٹی انجمن اسلامیہ حمیدیہ ناگور مارواڑ
کتابِ حمیدیہ کمیٹی ص ۱۱۔ اس کے علاوہ افاضاتِ حمید
۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء تاریخ روحل شریف ص ۵۳ پر فقیر حقیر کے دادا قادر بخش
کو سجادہ نشین درگاہ صوفی حمید الدین ہونا لکھا ہے۔

شجرۂ طریقت چشتیہ

سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ • حضرت خواجہ حسن بصری • حضرت خواجہ
عبد الواحد زید • حضرت فضیل بن عیاض • حضرت ابراہیم ادہم بلخی خواجہ
شفیق بلخی • حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی • حضرت خواجہ امین الدین
ابی ہبیرہ بصری • حضرت خواجہ علوی دینوری • حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی
چشتی • حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی • حضرت ابو محمد چشتی • حضرت
خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی • حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی
• حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی چشتی • حضرت خواجہ عثمان ہرونی چشتی
حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی • حضرت سلطان التارکین خواجہ
حمید الدین صوفی سعیدی الفاروقی چشتی •

شجرۂ بیعت

حضرت سلطان التارکین خواجہ حمیدالدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین حسن سجزی اجمیری رضی اللہ عنہ کے خلفائے عظام میں سے ہیں۔ سولہ واسطوں سے آپکا شجرۂ بیعت امام الاولیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ شجرۂ بیعت حسب ذیل ہے:۔

سلطان التارکین صوفی حمیدالدین ناگوری وہو من حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ وہُوَ من حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ وہُوَ من حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ العزیز وہُوَ من حضرت خواجہ قطب مودود چشتی قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من خواجہ ناصرالدین ابو یوسف چشتی قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من خواجہ ناصرالدین ابو محمد چشتی قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من قدوۃ الحق والدین خواجہ ابواحمد بن سلطان فرستافۃ الچشتی قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من حضرت خواجہ ممشاد دینوری قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ البصری قدس اللہ سرہ وہُوَ من حضرت خواجہ سدیدالدین حذیفۃ المرعشی ادہم بلخی قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد بن زید قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری الانصاری قدس اللہ سرہٗ وہُوَ من حضرت امیرالمؤمنین ابی الحسن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ وَہُوَ من حضرت سیدالمرسلین ابی القاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت نامہ

بسلسلۃ الچشتیۃ الحمیدیۃ المبارکۃ

منجانب پیرزادہ عبد الغنی صاحب سجادہ نشین صوفی حمید الدین سلطان التارکین سوالی ناگوری خلف الرشید محمد ایوب صاحب زیدہ مجدہ را دادہ است :-

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ و السلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد فہذہ سلسلتی من مشائخی فی الطریقۃ الچشتیۃ المعینیۃ الحمیدیۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین اللّٰہم صلّ علی محمد کان علیاً فی درجاتہ حسناً فی صفاتہ واحداً فی تجلیاتہ ابا الشیخ الفضیل فی افاضتہ ابراہیم فی تسلیمہ سدید الدین حذیفہ فی محبتہ امین الدین ابی ہبیرۃ فی شریعتہ ممشاد علو الدین فی معارجہ ابا اسحٰق فی حقیقتہ ابدال احمد قدوۃ الدین فی ولایتہ ابا محمد ناصر الدین فی نصرتہ ابا یوسف فی دجاجتہ مودوداً خلقہ شریفاً نسبتہ عثماناً مقتداء اہل عرفان فی معرفتہ معین الدین فی حد ذاتہ حمید الدین سلطاناً تارکاً فی ترکہ عزیز الدین فی عزہ وحید الدین فی عصرہ محمد سعیدی فی سعدہ شمس الدین فی ضیائہ سدیداً فی اسامہ میران بدا فی بدیہہ شیخاً منوراً فی نورہ شیخاً نظاماً فی نظمہ

احمد شاہ فی حمدہٖ شیخاً محمداً فی معرفتہٖ نصر اللہ فی نصرتہٖ
امام الدین فی امامتہٖ علم الدین فی علمہٖ پیر بخش فی عبادتہٖ
نظاماً ثانیاً فی زبدتہٖ اماماً ثانیاً فی عفتہٖ کمال الدین فی
کمالہٖ قادر بخش فی قدرتہٖ عبد الغنی فی حلمہٖ وعلی
الذین یطلبون شفاعۃ الکبریٰ وسلموا تسلیماً کثیراً
کثیراً
انا الفقیر عبد الغنی الچشتی المعینی
الحمیدی المعتصم بسلسلۃ العالیۃ الچشتیۃ طلب منی
الاجازۃ للبیعۃ والارادۃ من ذریتی محمد ایوب فی
سلسلۃ الچشتیۃ الحمیدیۃ اوذنہٗ داوصیۃ بتقوی اللہ
تعالیٰ وان یلزم بذکر اللہ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم وراد اسلافہٖ من سلسلۃ الچشتیۃ الحمیدیۃ
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد والہٖ و
اصحٰبہٖ واولیاءِ امتہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم
الراحمین

بتاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۷۴ء بروز سہ شنبہ بعد
نماز ظہر

دستخط سجادہ نشین پیرزادہ عبد الغنی
بقلم پیر عبد الغنی سجادہ نشین

حضرت حاجی نجم الدین چشتی سلیمانی جھنجھنوی رح

مناقب المحبوبین، تاریخ مشائخ چشت، فخر التواریخ سے نقل ہے کہ

آپکا اسم گرامی حضرت شیخ محمد نجم الدین ہے۔ آپ اسی نام سے مشہور ہیں۔ آپ بھی
حضرت شیخ وحید الدین احمد سعید صوفی ابن عزیز الدین ابن صوفی حمید الدین
سلطان التارکین الصوفی الناگوری الفاروقی کی اولاد پاک نہاد سے ہیں جو
حضرت خواجہ غریب نواز خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ خاص تھے
آپکا تولد شریف جھن جھنوں ہے جو جے پور کے مضافات سے ہے جھنجھنوں
دہلی سے اسّی ۸۰ کوس کے فاصلے پر مغرب کی طرف اور نارنول سے مغرب کیطرف
تینس ۳۳ کوس کے فاصلے پر ہے۔ آپکی ولادت ۳ رمضان المبارک ۱۲۳۴ھ
بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی ہے۔ آپکی والدہ ماجدہ کا نام حضرت سردار بی بی
ہے جو صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد سے تھیں۔ آپکے والد ماجد صاحب
کا نام حضرت شیخ احمد بخش ہے جو ولی کامل تھے آپکے زہد و اتقاء کی دور
دور بہت شہرت تھی آپ شاہ ارادت اللہ صاحب نقشبندی ابوالعلائی کے
مرید تھے حاجی نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی بیوی سے پانچ بیٹے سب سے
بڑے فرزند محمد نصیر الملت والدین ہیں کہ زبان اُن کی صفت بیان کرنے سے
عاری ہے۔ دوسرے بیٹے میاں عبداللطیف ہیں جو شجاع کے نام سے مشہور ہیں
تیسرے بیٹے نور احمد۔ چوتھے بیٹے محمد بخش اور پانچویں کا نام امین ہے۔
آپکی بسم اللہ ۷ سال کی عمر میں اُس زمانے کے مشہور بزرگ
مولانا محمد رمضان قادری مہمی نے پڑھائی یہ مہمی صاحب حافظ محمد علی
صاحب خیرآبادی سے مستفیض تھے۔ حاجی نجم الدین صاحب ایک دن شیخ

حبیب اللہ قادری کی کتاب انیس العارفین کا مطالعہ کر رہے تھے جب اس جملہ پر نظر پڑی "مَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ فَشَیْخُہُ الشَّیْطَان"، تو مرشد کی تلاش کا جذبہ آپکے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور سمجھنے لگے کہ مرشد کامل کے بغیر سب محنت ریاضت عبادت بے سود ہے بغیر اس کے منزل مقصود تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ حضرت غریب نواز کے عرس قریب آچکے تھے۔ آپ نے اپنے شہر کے قمر الدین شاہ صاحب نقشبندی جھن جھنوی سے اپنا مقصد ظاہر کیا اور اُن کی رفاقت میں اجمیر پہنچ گئے اور شرف آستانہ بوسی خواجہ سے مشرف ہو کر مزار اقدس پر عرض کیا۔ کہ بندہ نواز آپکے درِ اقدس پر ہزاروں کی مرادیں دینی اور دنیاوی پوری ہوتی ہیں میں بھی اپنی مراد آپکی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ کوئی مرشد ایسا بتلائیں کہ جس سے مرید بن جاؤں۔ اُسی شب عالم رویا میں جناب خواجہ سے حکم ہوا کہ تم اپنے دادا صوفی حمید الدین کے پاس چلے جاؤ تمہاری آرزو پوری ہو جائیگی صبح ہوتے ہی آپ نے ناگور شریف کا راستہ لیا تین روز کے بعد ناگور پہنچے اور سیدھے درگاہ شریف اپنے جد اعلیٰ سلطان التارکین ناگوری کے مزار اقدس پر حاضری ہو کر بعد فاتحہ کے عرض کیا کہ میں آپکا پوتا ہوں آپکے مرشد خواجۂ بزرگ رح کا بھیجا ہوا محض مرشد کی تلاش میں آیا ہوں آپ کوئی ایسا مرشد بتلائیں جیسا کہ میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ اُسی شب عالم رویا میں زیارت حضرت دادا صاحب صوفی علیہ الرحمۃ سے مشرف ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک محفل فقراء اور اولیاء اللہ کی قائم ہے۔ مسند لگی ہوئی ہے۔ اُس کے سہارے ایک پیر مرد نہایت متبرک صورت بیٹھے ہوئے ہیں سیکڑوں آدمی آپکی خدمت میں حاضر ہیں۔ آپ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس شان و شوکت کے ساتھ رونق افروز مسند

صدارت ہیں۔ جواب ملا کہ یہ حضرت خواجہ سلطان التارکین ہیں۔ ہنوز جواب دینے والا اس جواب کو تمام نہیں کر چکا تھا کہ جناب سلطان التارکین نے فرمایا کہ وہ لڑکا جو لبِ فرش کھڑا ہے اُس کو بلالاؤ یعنی حضور شاہ ولایت کے بلانے کا حکم دیا آپ قریب تر پہنچکر غلامانہ تسلیم بجالائے ارشاد ہوا کہ اے بیٹے تیرے آنے کا کیا سبب ہے آپ نے عرض کیا کہ بندہ نواز میں صرف تلاش مرشد میں یہاں پہنچا ہوں۔ آپ مجھے کوئی کامل مرشد ولی اللہ بتلائیے جس کا میں مرید بن جاؤں حضرت نے ذرا تامل فرمایا کہ اے بیٹے جس صفات کے ساتھ تو مرشد چاہتا ہے وہ اس زمانے میں معدوم ہے۔ مگر ہاں مالک سنگھڑ میں ایک محمد سلیمان ہے تو اس کے پاس چلا جا تیرے لئے میں اُن سے اچھی طرح سے لڑ کر کہدونگا اور سفارش کردونگا سلطان التارکین کا یہ جواب سنکر آنکھ کھل گئی اتنے میں دو تین حضرات آپکے ہم جلیسوں میں سے پیرزادگان ناگور سے آپ سے ملنے آگئے اُن سے آپ نے حضرت غوث زماں خواجہ محمد سلیمان کا حال اور مسکن پوچھا اُن لوگوں نے وجہ استفسار کی دریافت کی تو آپ نے تمام قصہ خواب شنیدہ کہہ سنایا پیرزادگان صاحبان نے بہ نخوت پیرزادگی آپ سے کہا کہ ہم تم حضرت خواجہ سلطان التارکین بزرگ کی اولاد سے ہوکر محمد سلیمان صاحب جو کہ ایک پیٹھان ہیں بیعت کی تلاش کریں بڑا تعجب ہے حضور شاہ ولایت نے ان لوگوں کی بات پر کچھ توجہ نہ فرمائی اتنے میں ایک شخص پنجابی خانقاہ حضرت صوفی میں آیا آپ نے اُس شخص سے پتہ غوث زماں خواجہ سلیمان صاحب کا دریافت فرمایا اُس شخص پنجابی نے آپکو غوث زماں کا پتہ بتلایا۔ ایک قافلہ بیکانیر جاتا ہوا نظر آیا اُس کے ہمراہ بیکانیر پہنچ گئے وہاں سے بہاولپور اور ملتان ہوتے ہوئے مولوی نور محمد صاحب کے مکان پر کہ جو عاشق زار و شیفتہ جمال غوث

زماں کے تھے قیام کیا اور اُن کے ہمراہ روانہ ہو کر براہِ راج گھاٹ تاریخ ۱۰ر شعبان ۱۲۵۳ھ کو مقام تونسہ شریف پہنچ گئے مولوی علی احمد صاحب جو کہ مرید غوثِ زماں کے تھے دریافت کیا کہ غوثِ زماں اس وقت کسی جگہ تشریف رکھتے ہیں اُنھوں نے آپکے بنگلے شریفا کا پتہ بتلایا آپ فوراً اُن کے مکان پر پہنچ گئے اور دست بستہ سامنے کھڑے ہو گئے کچھ دیر کے بعد حضرتِ غوثِ زماں نے سرِ مبارک اٹھایا اور نظر فیض اثر جب آپ پر پڑی تو شاہ ولایت کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا جسم لرزنے لگا غوثِ زماں نے حکم فرمایا کہ بیٹھ جا آپ قدم بوس ہوئے حضرت نے فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا کہ یہ غلام مسافر ہندوستانی ہے۔ تب حضرت غوثِ زماں نے آپکا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے مردِ ہندی تو وہ شخص ہے جو اپنے دادا کا بھیجا ہوا آیا ہے اور یہ شعر پڑھا۔ ہندو ہے بت پرست مسلماں خدا پرست ہم بندے ہیں اُسی کے جو ہے آشنا پرست۔ میں وہی شخص ہوں نجم الدین میرا نام ہے میرے دادا نے آپکے پاس بھیجا ہے حضرت نے فرمایا اچھا کیا تو مرد ہے کیا چاہتا ہے کیوں آیا ہے؟ عرض کیا آپ سے مرید ہونے آیا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دوپہر کو باہر کچہری کرونگا اسوقت تم کو بیعت کرونگا۔ دوپہر کو آپ نے دربارِ عام میں فرمایا صدہا علماء، فضلاء، فقراء حاضر تھے غوثِ زماں نے فرمایا کہ آج اس ہندی شخص کو ہم عشاء کے وقت بیعت کریں گے جملہ حاضرین آپکے اس فقرہ سے حیران ہو کر آپکی طرف دیکھنے لگے اور عرض کرنے لگے بندہ نواز یہ کون صاحب ہیں کہاں سے آئے ہیں آپنے فرمایا یہ بڑی سفارش لیکر آیا ہے۔ جناب سلطان التارکین کا بھیجا ہوا آیا ہے۔ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۲۵۳ھ کو بعد نمازِ عشاء حضرت شاہِ ولایت کو سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ نظامیہ میں بیعت کیا اور چند وظائف تلقین و تعلیم فرما کر اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اس کے چھ مہینے بعد

آپکو حضرتِ غوثِ زماں نے پاک پٹن شریف خانقاہ حضرت شیخ گنج شکر فریدالدین رضی اللہ عنہٗ میں تاریخ ۶ محرم ۱۲۵۳ھ کو خلعت خلافت ہر چہار سلسلہ یعنی چشتیہ قادریہ نقشبندیہ، سہروردیہ سے مشرف فرماکر خاص لوازمات سے نوازا اور جو کچھ نعمت کہ خواجگان چشت سے سینہ بسینہ چلی آتی ہے آپکو ارزانی فرمائی اور ولایت فتحپور کی عنایت کی اور وطن مالوفہ کے جانے کی رخصت دی اور فرمایا کہ ناگور تمہارے دادا سے ملتے جانا یعنی سلطان التارکین کی قبر پر فاتحہ پڑھتے جانا جسکی تفصیل کتاب نجم الارشاد میں جو آپکی ملفوظ ہے لکھی ہے ۱۲۵۶ھ میں آپ زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لیگئے اسی سبب سے آپ حاجی صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔

آپکی پیدائش سویم رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۲۳۴ھ میں ہوئی اور آپنے ۱۱ رمضان ۱۲۸۰ھ ہجری کو وصال فرمایا۔ آپکے بعد آپکے صاحبزادے مولانا نصیرالدین صاحب حاجی صاحب کے بعد سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ عبداللطیف شاہ صاحب نے جودھپور میں اپنی خانقاہ قائم کی وہیں آپکا مزار ہے۔ شاہ نور احمد صاحب فتحپور میں رہے۔ آپکا مزار پاک فتحپور شیخاواٹی میں زیارتگاہ خلائق اور مرجع اہل علم ہے۔

آپکی تصنیفات سے حسب ذیل کتابیں ہیں۔

گلزار وحدت[۱]، راحت العاشقین[۲]، حیات العاشقین فی لقائے رب العلمین[۳] مقصود العابدین[۴]، رد المنکرین فی سماع السامعین[۵]، مناقب المحبوبین[۶]، تذکرۃ الواصلین[۷]، تذکرۃ السلاطین[۸]، نجم الہدایت[۹]، ہدایت نامہ[۱۰]، شجرۃ العارفین[۱۱] شجرۃ الابرار[۱۲]، مناقب التارکین[۱۳]، مناقب الحبیب[۱۴]، افضل الطاعت[۱۵] فضیلت النکاح[۱۶]، شجرۃ المسالمین[۱۷]، قبالات نجمی[۱۸]، ماحی الخیرت[۱۹]، بیوملانی[۲۰]

نخیر بہلانی، بارہ ماسہ[۲۱]، دیوان نجم فارسی، دیوان نجم اردو، بیان الاولیاء احسن العقائد، نجم القصص یہ فقیر حقیر کاتب التحریر غالباً ۳۰ سال قبل فتح پور گیا تھا اور حضرت قبلہ مرحوم و مغفور نور الحسن صاحب سجادہ نشین درگاہ حاجی نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا آپ نے اپنا کتب خانہ سے کتابیں دیکھنے اور نقل کرنے کی فقیر کو اجازت عطا فرمائی اور اس ناچیز نے ہفتہ عشرہ وہاں رہکر سرور الصدور اور مناقب التارکین شجرۃ الابرار کتب کی نقلیں کی اور دیگر کتب سے بھی اقتباسات کئے میں مرحوم و مغفور حضرت نور الحسن صاحب کا بہت ممنون و مشکور ہوں میں نے اپنے خاندان میں ایسا با اخلاق انسان نہیں دیکھا مجھ ناچیز کی بڑی عزت افزائی فرمائی اور خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں آنے دی اللہ تعالیٰ انکی قبر کو اپنے نور سے بھر دے۔ آمین!

حضرت خواجہ عبداللطیف چشتی سلیمانی

قطب جودھپور رحمۃ اللہ علیہ

فخر التواریخ سے نقل ہیکہ حضرت خواجہ عبداللطیف ابن حاجی نجم الدین چشتی سلیمانی آپ بھی حضرت شیخ وحید الدین احمد سعید صوفی ابن عزیز الدین ابن سلطان التارکین کی اولاد سے ہیں۔ حضرت خواجہ عبداللطیف فرزند دوئمی حضور شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۱۴۱۔ ۳ ۶۔ ۶۵۳۔ ۶۶۴ تا ۶۶۸۔

۲۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۸۶ — ۶۸۵

۳۔ فخر التواریخ ص ۲۹ تا ۳۶ — اور ۳۸ تا ۵۶۔

یہ حضرت تاریخ بست وسیوم محرم ۱۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں طور سپاہیانہ رکھتے تھے بعد سن بلوغ اور حصول علم درسی کے ہمیشہ آپ جودھپور رہکر وہاں کے مہاراج تخت سنگھ جی اور اُن کے کنور جسونت سنگھ جی اور پرتاب سنگھ جی کی ملازمت کی۔ چونکہ آپ بہت بہادر سپاہی اور بڑے زبردست شمشیر زن مرد تھے اس لئے مہاراج جسونت سنگھ رئیس جودھپور اور اُن کے چھوٹے بھائی مہاراج پرتاب سنگھ جو کہ اب رئیس ایڈر ہیں حضرت مخدوم سے نہایت درجہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ اکثر وبیشتر معرکۂ جنگ وجدل میں آپکو شجاعت ودلیری میں یکتا دیکھ چکے تھے اور ہر ایک موقعہ پر جرأت اور عدو سوزی میں پیش رو پایا تو چند مرتبہ باظہار خوشنودی وصلۂ جاں نثاری انعامات زر وجامہ واسلحہ مثل تلوار و بندوق وتفنگچہ سے حضرت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے بزمانہ دیوانی نواب منشی حاجی محمد خان اور نواب مردان علی خاں بھی فوجی افسری پر مامور تھے جہاں کہیں کبھی فوج کشی کا کام پڑا تو انھیں معتبر و معزز افسر ہونے اور بہادر جوانمرد اور عالی ہمت ہونے کے بھیجا گیا اور جس کام پر آپکو مامور کیا گیا تو کامیاب وکامران ہوکر واپس لوٹے جودھپور میں آپ ایک مشہور ومعروف ضرب المثل بلند حوصلہ افسر کے نام سے جانے جاتے تھے۔

اسی عالم روزگار میں بھی باوجود طور سپاہیانہ کے حضرت مخدوم پابند صوم وصلوٰۃ رہے۔ کیونکہ شاہ ولایت (حاجی نجم الدین) کا آپ سے وعدہ تھا کہ بیٹا جہاں تم رہوگے میری سرپرستی تمہارے ساتھ رہیگی۔ چنانچہ ہر ایک معرکہ جنگ وجدل اور فوج کشی کے موقع پر حضرت مخدوم بلاخوف وخطر کہ مخالف ومقابل چاہے تعداد میں کتنے ہی ہوں حملہ کردیتے تھے اور بامداد حضور شاہ

ولایت کامیاب و کامران رہتے تھے۔ ایسا موقعہ کبھی نہیں آیا کہ آپ کسی معرکہ میں پسپا ہوئے ہوں یا مغلوب۔ حالانکہ راجہ مہاراجوں میں آپکا رہنا اور ملازمت تھی۔ مگر اس وقت میں بھی تعلق قلبی اور رنگ صوفیہ سے خالی نہ تھے علاوہ صوم و صلوٰۃ مفروضہ کے نوافل اشراق و ضحیٰ و فی الزوال و صوم ایام بیض و تشریق وغیرہ و ربط ذکر خفی و جلی جاری رکھتے تھے کم کھانا اور کم سونے پر آپکا عمل تھا آپ نے کئی مرتبہ حضرتِ شاہِ ولایت (حاجی نجم الدین) کی خدمت میں بذریعہ خط و کتابت اور زبانی بھی ترک ولایت کے بارے میں اور جودھپور کی سکونت ترک کرنے کیلئے شاہِ ولایت سے عرض کیا مگر شاہِ ولایت نے صاف انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ پھر آپ نے صاف صاف شاہِ ولایت سے عرض کر دیا کہ اب میں بالکل جودھپور میں نہیں رہونگا اور ملازمت چھوڑ کر آپکی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں تب شاہِ ولایت حاجی نجم الدین نے جوش میں آکر لکھا کہ تم کو جودھپور ہی میں رہنا ہوگا۔ یہ ہمارا حکم نہیں ہے بلکہ خدا اور رسول کا تمہارے لئے جودھپور میں رہنے کا حکم ہے اگر اس کے خلاف تم کروگے تو یاد رکھو کہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ اس بارے میں آئندہ لکھنے یا کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد حضور تا زندگی جودھپور چھوڑنے کا ذکر تک زبان پر نہیں لائے اور صوفیت باطنی کو ترقی دیتے رہے۔ جب ۱۲۸۷ھ میں وصال حضور شاہِ ولایت کا ہو گیا تب آپ نے ترک دنیا و مافیہا کر کے خرقہ درویشی کو زیب تن فرمایا وہی جبہ مٹیا اور کلاہِ قادری چہار ترکی سرخ مغزی لگی ہوئی اور سوسی سیاہ کا پائے جامہ جو لباس حضور شاہِ ولایت نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا پہنا۔ سبحان اللہ! جب سپاہی تھے تو اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور جب درویش ہوئے تو ایسے

زبردست فقیر بنے کہ جسکی کوئی مثال نہیں دے سکتا۔ تو آپ درفنافی الشیخ میں ایسا کمال حاصل کیا کہ دیکھنے والے امتیاز نہیں کر سکتے تھے کہ آپ خود حضور شاہ ولایت ہیں یا حضرت خواجہ عبداللطیف ہیں۔

مہاراج جودھپور نے جب سنا کہ آپ نے ملازمت ترک کردی اور لباس درویشی زیب تن کرلیا ہے۔ تو خود رئیس جودھپور آپکے پاس تشریف لائے اور آپکی بہت دلجوئی اور تواضع اور محبت کی باتیں کرکے آپکو مجبور کیا کہ آپ ہماری ملازمت نہ کریں مگر ہمارے دفتر سے نام نہ کٹائیں آپکا جو ماہانہ وظیفہ ہے برقرار رہے گا آپکے مکان پر پہنچا دیا جائیگا۔ آپکے نام کی برکت سے ہماری فوج بنی رہیگی لیکن آپ نے نامنظور کردیا اور صاف کہدیا کہ اب ہم جس کے دروازے پر بیٹھے ہیں وہی متکفل ہمارا ہے۔ پوشاک صوفیانہ پہننے کے بعد آپنے ذکر جہر کا وظیفہ شروع کردیا بعد مغرب تا وقت عشاء اور بعد تہجد تا وقت صبح صادق باآواز بلند ذکر جہر کرتے تھے جو دور دور تک سنائی دیتا تھا۔ ہرچند کہ ذکر خفی اور سلطان الاذکار اور قلبی شغل اقدام وغیرہ کا ربط پہلے ہی سے آپکے معمول میں تھا۔ لیکن لذت جہر کچھ اور ہی تھا جو حاصل کی ۱۲۸۹ھ سے حضرت مخدوم نے عرس شاہ ولایت کے ایک سال تک آپنے اسی جگہ میں گزارا ۱۲۸۹ھ میں حضور شاہ ولایت کے حکم سے عالم رویا میں ہوا تھا۔ مکان شتر خانہ قدیم سرکاری کو جو متصل باڑی بیڑتی دروازہ کے ہے۔ اور مدت دراز سے بند پڑا تھا خود بنفس نفیس جاکر کھول لیا۔ اس مکان میں اسقدر پرانا گولہ بارود اور خیمہ جھولداری بوسیدہ ناکارہ پڑے ہوئے تھے وہ سب صاف کراکر زیر زمین دبوا دیا اور مکانات جو بہت وسیع تھے اپنے تصرف میں لائے اور سکونت اختیار کی اور عبادت گاہ اپنی بنالیا ہر وقت ذکر اللہ کا اس میں ہونے لگا۔ یہ مکان اچھے موقع پر واقعہ تھا

آپکو پسند آگیا کیونکہ اول تو بڑا وسیع اور متعدد مکانات دوسرے شہر کے کنارے پر پہاڑ سے ملتا ہوا گویا بجائے ایک گوشہ کے جگہ تیسرے فصیل شہر کے اندر اہلِ اسلام کے محلہ کے قریب۔

کچھ عرصے بعد بعض حاسد اور منکرین فقراء نے خود مہاراج صاحب بہادر جسونت سنگھ جی سے جاکر شکایت کی کہ یہ فقیر شتر خانہ کا مکان سرکاری آپکی بلا اجازت اور آپکے بغیر حکم حضور کے خود ہی جاکر کھول لیا ہے بالکل غیر مناسب ہے۔ اسپر مہاراج جسونت سنگھ صاحب بہادر نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے میں، میر صاحب کو خوب جانتا ہوں۔ وہ درویش ہیں مکان کو اٹھاکر تو کہیں نہیں لے گئے۔ غیر آباد مکان پڑا ہوا تھا اُسکو آپ نے آباد کر دیا اور اُس میں خدا کا نام لیتے ہیں اس میں کیا بُرا کرتے ہیں۔ اب تک تو انھوں نے بغیر ہمارے حکم کے قبضہ کیا تھا اب ہم خود حکم دیتے ہیں کہ یہ مکان میر صاحب کے ہی قبضے میں ہماری طرف سے رہیگا اُن سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے اُس مکان کی ایسی قسمت کہاں ہے جو اس میں میر صاحب رہیں۔

واضح ہو کہ مہاراج جودھپور اور اس کے خاندان کے لوگ حضرت خواجہ عبداللطیف صاحب کو ملازمت کے زمانہ سے ہی میر صاحب کو جانتے تھے ۱۲۶۹ھ سے حضرت مخدوم خواجہ عبداللطیف صاحب نے اس مکان میں رہنا سہنا کر کے سلیمانی دربار اُس کا نام رکھا تھا۔ صاحب مصنف کہتے ہیں کہ ہم نے کئی بار آپکی زبانِ مبارک سے سنا ہیکہ جودھپور ہمارا ہے اور ہم جودھپور کے آپ دانستہ اظہارِ کرامت کو بُرا جانتے تھے لیکن چونکہ آپکے مزاج میں جلال زیادہ تھا جو کچھ کبھی زبانِ مبارک سے نکل جاتا وہ گویا تیر بہدف ثابت ہوتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مسماۃ نینی طوائف۔۔ باشندہ کھیتری

معہ اپنے بھائی اوجاگرنام کے حضرت مخدوم سے سلام کرنے اور اپنی خستہ حالی اور ناکامی کا حال عرض کرنے کو آپکی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اُس وقت حجرہ میں سر بمراقب بیٹھے ہوئے تھے اُس کے پیروں کی آہٹ سنکر آپ نے سر اونچا کیا اُس نے سلام عرض کیا۔ فرمایا کہ کیوں آئی ہے اور کہاں سے آئی ہے اُس نے روکر دست بستہ آپ سے گذارش کرنے لگی کہ میں کیسٹری کی رہنے والی ہوں بہت دن سے مہاراج کی نوکری کی امید پر بیٹھی ہوں جو کچھ نقد زیور پاس تھا سب کھالیا اب تو نوبت کپڑے فروخت کرنیکی آگئی ہے۔ آپکو اپنے دیس کے رہنے والے درویش سمجھ کر آپ کے پاس آئی ہوں کوئی نقش عنایت فرمائیں تو میں روٹیوں کے قابل ہو جاؤں۔ آپکو اُس کے حال زار پر رحم آگیا فرمایا جا نقش کی ضرورت نہیں سب سے اچھی نوکری مل جائیگی مگر یاد رکھنا پھر بار بار میرے پاس ہرگز مت آنا۔ وہ سلام کر کے چلی گئی۔ ابھی چار روز ہی ہوئے تھے کہ مہاراج کا چوبدار بلانے کو آیا اور وہ رئیس دربار ہو کر دو سَو روپیہ ماہوار کی نوکر ہوگئی اور مہاراج نینی پر اتنے مہربان ہو گئے کہ کوئی کام اسکی مرضی کے بغیر نہیں کرتے تھے ریاستی کاروبار میں بھی اُس کا دخل ہو گیا اراکین دولت اور بھائی بیٹے ریاست کے سب اس کے منہ کی طرف دیکھتے اور تعجب کرتے تھے نینی طوائف نے اپنے بھائی کی زبانی حضرت سے عرض کرایا کہ حضور کی نظر کرم کی بدولت مجھکو یہ عروج حاصل ہوا ہے۔ میری تمنا ہیکہ اگر آپکا حکم ہو تو حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کر جاؤں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس سے کہدو کہ تیرے آنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس عزت اور ثروت پر خدا کا شکر ادا کر اور کسی غریب کو مت ستانا ورنہ پھر وہی دن موجود ہے جو پہلے تھا۔ چنانچہ عرصہ پانچ سال تک اسقدر عروج اور حکمرانی طوائف

مذکور کی ریاست جو دصپور میں رہی کہ جسکے کوئی اسکا ثانی نہیں تھا وہ اس عرصے میں
لاکھوں روپیہ کے زر وجواہر سے مالا مال ہوگئی۔ مہاراج صاحب کو اگر وہ سمجھاتی تو
سمجھتے اور اٹھاتی تو اٹھتے تھے۔ اتفاقاً ایک شخص اللہ بخش سنگتراش ڈیڈوانہ کا
رہنے والا حضرت مخدوم عبداللطیف صاحب کی خدمت میں آکر قدم بوس ہوا اور عرض
کرنے لگا کہ بندہ نواز میں حضور شاہ ولایت (حاجی نجم الدین کا مرید ہوں میرا ایک
مقدمہ ہے سگائی کا اسکو نینی طوائف جو آپکی معتقد ہے حاکم عدالت سے کہکر میرے
خلاف کروانا چاہتی ہے اور میں حق پر ہوں وہ ناحق مجھ پر ظلم کر رہی ہے۔ آپ اسکو
کہلوادیں تو شاید وہ میری ایذارسانی سے باز آجائے حضرت مخدوم نے نینی طوائف
کے بھائی اوجاگر کو کہ جو دوسرے روز قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا تھا فرمایا کہ یہ شخص غریب
ہے اور حق پر ہے میرے حضور شاہ ولایت کا غلام اور مرید ہے نینی سے جاکر کہدے کہ
اس پر کیوں ظلم کراتی ہے تجھکو مناسب نہیں ہے کہ حاکم عدالت سے کہکر ظلم کرائے
اوجاگر اللہ بخش کو ساتھ لیگیا اور جو کچھ حضرت مخدوم خواجہ عبداللطیف صاحب
نے فرمایا تھا وہ لفظ بلفظ نینی سے کہا اس کے جواب میں نینی نے کہا کہ حضرت سے
عرض کرنا کہ آپ فقیر ہیں آپکو ایسے جھگڑوں اور سفارشوں سے کیا مطلب ہے اُس
مقدمہ کا تو جو ہونا تھا ہوگیا۔ ابھی اوجاگر تو پہنچا ہی نہیں تھا۔ اللہ بخش سنگتراش
نے آکر وہی لفظ جو نینی طوائف نے کہے تھے مایوسانہ زبان سے حضرت کی خدمت
میں عرض کردیئے دوپہر کا وقت تھا آپ قیلولہ کے واسطے چارپائی پر بیٹھے ہی تھے
یہ جواب سنکر آپ جلال میں آگئے اور زور بہت زور سے فرمایا کہ ہمکو کیا غرض
ہے اور مقدمہ کا جو ہونا تھا ہوگیا ٹھیک ہے نینی کے واسطے بھی جو ہونا تھا وہ
ہوگیا اور زور سے فرمایا تھا کہ رانڈ نکالی گئی۔ نکالی گئی نکالی گئی اور اسکا مال
ضبط ہوگیا۔ اور ایسے جلال میں آگئے کہ دیکھنے والے تمام حیرت میں پڑ گئے کہ

اللہ بخش یہ حالت دیکھکر مارے خوف کے اُنکے سامنے سے بھاگ گیا۔ حضرت شاہ
نور احمد صاحب قبلہ بھی جو اس زمانے میں مہاراج جودھپور کے ملازم تھے یہ
حال حضور مخدوم کا دیکھکر سامنے سے ہٹ گئے اور کہنے لگے خدا خیر کرے نینی کا
کیا انجام ہوتا ہے۔ ابھی اس معاملہ کو ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں گذرا تھا کہ نینی
طوائف کو صاحب ایجنٹ بہادر نے مہاراج صاحب پر زور ڈالکر نینی کو
نکلوائے جانے کا حکم دلوا دیا اور یہ حکم ہوا کہ نینی طوائف دو گھنٹے کے اندر جو کچھ
سامان اسباب اپنا لیجا سکتی ہے لیجائے ورنہ بعد دو گھنٹے گذر نے کے تمام
مال ضبط اور نینی کو داخل جیل خانہ کردی جائے چنانچہ دو گھنٹے کے اندر جو کچھ
جودھپور سے نینی طوائف لیجا سکی لیکر شہر بدر ہوئی باقی مال ضبط ہوکر سرکار
میں داخل ہوگیا۔ یہ ہوا نتیجہ حضرت مخدوم کے فرمان کا پہلے تو خاص آپکے حکم سے
نینی کا وہ عروج ہوا اور پھر اُسی ارشاد سے یہ تباہی ہوئی۔ یہ علامات حکومت
اور قطبیت کے ہیں۔ حضرت خواجہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت اور خوارق
کے لکھنے کے واسطے ایک بڑا دفتر بھی کافی نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ لکھا گیا ہے صرف
تیمّناً لکھا گیا ہے۔ جس سے آپکی بزرگی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

نقل ہیکہ شہر جودھپور میں دو مجذوب رہتے تھے۔ ایک کا نام فتاح
شاہ دوسرے کا نام علی شاہ۔ یہ دونوں بزرگ بڑے کامل اور واصل مخدوم تھے
اکثر دیکھا گیا ہے یہ دونوں مجذوب شترخانہ کی طرف سے گذرتے تو ہاتھ لگا کر سلام کرتے
اور نہ معلوم کیا کہتے ہوئے جاتے انکی زبان کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی صرف اتنا
سمجھ میں آتا کہ بابا (بڑو جبرو۔ بابا بڑو جبرو) یعنی بابا بڑا زبردست ہے یہ
بھی دیکھا گیا ہے کہ کبھی اتفاق سے یہ مجذوب حضرت کے سامنے آجاتے تو دونوں
ہاتھوں سے سلام کرتے ہوئے سامنے سے ایسے بھاگتے جیسا کہ کوئی خوف زدہ

ہوئے۔ چنانچہ غلام بھیک شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے جاکر بیعت حاصل کی اور خلافت سے سرفراز ہوکر یادِ الٰہی میں شب و روز مستغرق رہنے لگے۔ آپکی ذات بابرکات سے سیکڑوں کراماتوں کا ظہور ہوا۔ آپکی ولادت کی تاریخ۔ الفت خواجہ امام الاولیار ۱۲۲۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

تذکرہ حضرت خواجہ امام الدین احمد شوقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ امام الاولیا، رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور حضرت خواجہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ جن کے نام سے یہ سوانح موسوم ہے۔ اُن کے پدر بزرگوار ہیں ۱۲۴۵ھ میں آپ تولد ہوئے۔ آپکی ولادت کی تاریخ "شیخ زمان حق پیدا ہوا" "شیخ محی الورٰی ہوا پیدا" آپ ممدوح جامع کمالات و منبع جملہ فیوضات تھے۔ اور زہد و تقوٰی ذکر مدام فکر تمام میں مانند برق تجلّی قائم اللیل اور صائم النہار صائل کاملین کم خوردن کم گفتن و کم خفتن نظر بر بر قدم ہوش در دم خلوت در انجمن کیمیا نظر زود اثر اور مشاہدۂ حق کے سدا باقی سب سے بے پرواہ نخوت اور غرور کو دل میں بالکل جگہ نہیں دیتے تھے جب آپکا سن شریف سات سال کا ہوا تو آپ یادِ الٰہی میں اسقدر مستغرق رہنے لگے کہ کئی کئی دنوں تک خورد و نوش کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اور محنت و مشقّت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے اور جب آپکا سن شریف گیارہ سال کا ہوا تب ہر وقت خائف رہتے تھے اور خوف الٰہی سے اسقدر روتے تھے کہ دامن تر ہوجاتا تھا اور کئی راتوں تک نہ سوتے۔ اگر کبھی کسی محفل میلاد شریف میں آپ چلے جاتے تو خلق اللہ آپکا ذوق و جوش و خروش دیکھکر دنگ رہ جاتے تھے۔ حضرت صوفی صدر الدین صاحب آپکے والدین سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تم اس بچے کو محفل میں نہ جانے دیا کرو۔ ورنہ کبھی خوف کے نعروں سے اسکا کلیجہ پھٹ جائیگا۔

ہو کر ڈر کر بھاگتا ہے اور پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے رہتے تھے چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر مجذوب درویش سالک سے جو کہ قطب شہر ہو ایسا ہی ڈرتا ہے جیسا کہ یہ مجذوب خواجہ عبد اللطیف رح جو کہ قطب جودھپور تھے ڈرتے تھے عام لوگوں کو یہ دیکھکر بڑا تعجب ہوتا تھا۔

آپکا انتقال مقام جودھپور میں تاریخ ۲۵ رجادی الثانی ۱۳۲۵ھ یوم دوشنبہ کو ہوا۔ اور اسی شترخانہ یعنی سلیمانی دربار میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین پیر خواجہ اللہ بخش عرف بخشو جی کو بنادیا تھا پیر بخشو بابا نے اپنا جانشین حضرت پیر نظر حسین صاحب کو بنادیا اور حضرت پیر نظر حسین صاحب نے اپنا جانشین حضرت پیر محمد صدیق سہروردی صاحب نبیرۂ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رح جو فقیر حقیر کے نانا ہوتے ہیں اپنی حیات ہی میں بنادیا تھا اور اسی طرح قاضی محمد صدیق صاحب سہروردی نے اپنا جانشین پیر محمد نجم الحسن نواسے حضرت نظر حسین کو اپنا جانشین اپنی زندگی میں بناکر حق حقدار کے سپرد کر دیا۔

حضرت امام الاولیاء خواجہ امام علی شاہ جھنجھنوی رحمۃ اللہ علیہ

سوانح عمری حضرت خواجہ محمد غوث جھنجھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہیکہ ہمارے آباؤ و اجداد کا مختصر تذکرہ امام الاولیاء خواجہ امام علی شاہ حضرت غوث محمد صاحب کے دادا ہوتے ہیں۔ جو حضرت شیخ وحید الدین ابن عزیز الدین ابن شیخ صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہوتے ہیں۔ آپ ۱۲۲۷ھ میں پیدا ہوئے جب آپ بڑے ہوئے تو علم دین حاصل کیا اور بعد حصول علم پیر کی تلاش میں روانہ

مہ فخر التواریخ ص ۱۰۱ تا ۱۰۵۔ فخر التواریخ ص ۱۰۶ تا ۱۱۷۔

الغرض آپ نے اسقدر ریاضت اور عبادت الہٰی کی کہ آپ مرتبۂ ولایت پر فائز ہوئے اور نفس شیطان کو اپنا غلام بنالیا تھا اور حقیقت نور الہٰی زیادہ مشاہدۂ حقیقی دکھلانے لگا جوں جوں استغراق بڑھتا گیا اور کرامتیں سینکڑوں آپ سے ظاہر ہونے لگیں تو گمراہوں کو راہِ راست پہ لائے جب زمانۂ وفات قریب پہنچا عجیب کیفیت تھی دور نزدیک کے اضلاع والوں کو از خود معلوم ہوگیا کہ آپ کے وفات کی شب شہر جھن جھنوں پر تمام جگہ نور ہی نور نظر آرہا تھا خاص کر جائے قیام اور جائے مدفن پر نور کے شعلے ٹوٹ رہے تھے۔

خواجہ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسوقت حیدرآباد میں مقیم تھا اور اوپر بالاخانے کے چہل قدمی کر رہا تھا شب کو یک بیک نظر میری آسمان پر پڑی۔ دیکھا کہ نورانی ستون آسمان سے تا زمین جھن جھنوں کی جانب استادہ ہے مجھے یقین ہوا کہ بھائی شوقی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانۂ وفات اسی شب ہے۔ اور اسی درمیان ایک آواز شور وغل کی اور گریۂ وزاری کی غیب سے سنائی دی۔ الغرض دوسرے ہی روز بذریعہ تار کے سب حالات منکشف ہوئے۔

حضرت پیر و مرشد رہنمائے دو جہاں پیشوائے کون و مکاں غوث زماں قطب دوراں مولانا شاہ محمد عبدالرحمن سلمۃ المنان فرماتے ہیں کہ جب آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت آپکے والد ماجد امام الاولیا شاہ امام علی رحمۃ اللہ اپنی عبادت گاہ میں تھے اور پچھلی شب تھی۔ یکایک حضرت خواجہ امام الاولیا میرے پاس آکر فرمانے لگے کہ اٹھ اے عبدالرحمن بقول سجادہ میرے نور نظر لختِ جگر خلیفۂ اطہر نے وفات پائی یہ کہکر آپ نعش مبارک پر تشریف لے گئے آپ اکثر اپنی حیات میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ جبتک میری قبر پر جلوۂ یار نہ ہوگا مجھے زیر مزار قرار نہ ہوگا سبحان اللہ کیا پیارا کلام ہے۔

آپکے عزیزوں میں مولوی عزیز علم الدین صاحب بہیلوارڈ میں کسی عہدہ پر ممتاز تھے ایک دفعہ انہیں ایسا غصہ آیا کہ مندر سے ایک بت کی آنکھیں جو ایک قسم کے چمک دار پتھر کی تھیں آپنے نکال کر پھینک دیں۔ مگر ساتھ ہی کچھ ایسا خوف آپکے طاری ہوا کہ شب کو بخار ہو گئی۔ آپ نے شوقی رحمۃ اللہ علیہ......

....

آپکی تصنیفات سے بہت سی کتابیں بعض ان میں منعت و حرفت کی گنج بے بہا ہیں بعض غزلیات میں ہیں جن میں دیوان شوقی نہایت دلپسند اور پیارا کلام کا مجموعہ ہے۔ اور بہت سی تصانیف تصوف میں ہیں جو موتیوں میں تلنے کے قابل ہیں۔
الغرض آپ نے اپنے والد ماجد سے دو سال قبل بعمر ۳۵ سال تاریخ ۲ر جمادی الثانی۔ پچھلی شب ۱۳۰۶ھ کو آپ نے وصال فرمایا۔ آپکا مزار جس جھنوں میں آپکے والد کے قریب بنایا گیا۔

تذکرہ حضرت محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شہنشاہ ولایت مقبول بارگاہ صمدیت امام دوراں غوث الوریٰ سالک باہوش حضرت محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ عارف باللہ مقبول بارگاہ حضرت امام الدین شوقی رحمۃ اللہ کے آپ صاحبزادے اور خواجہ امام الاولیاء امام علی شاہ رحمۃ اللہ کے آپ پوتے ہیں۔ پیدائش آپکی ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۸ء اور سمت ۱۹۰۵ بکری کو ہوئی۔ آپکی ولادت کی تاریخ "شیخ باشان" ہے جس سے سن ۱۲۶۰ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ آپ نسباً زید ابن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں چنانچہ آپ بڑے ہوئے اور عالم طفولیت سے عالم ہوش میں پہنچے تو آپکے نورانی چہرے سے وہ پاک شان ہویدا ہوئی کہ جو کوئی ایک نظر دیکھتا ششدر رہ جاتا۔ عبادت الٰہی

میں شب و روز رہنا اور گریہ وزاری کرنا عجز و انکساری غریبوں اور بیکسوں کے غم
خوار دونوں پہ شفقت بڑوں سے الفت بزرگوں کی تعظیم کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے
تحصیل علوم ظاہری آپ نے اوّلین تو اپنے والد ماجد سے کیا اور اس کے بعد ریواڑی
میں سید عبدالعزیز صاحب سے بھی علوم ظاہری حاصل کیا۔ اس کے بعد پھر جھن جھونا
میں آکر سید عنایت حسین صاحب سے باقی علوم کی تکمیل پوری کی اور باطنی علم سینہ بسینہ
اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملا تھا صنعت و حرفت کی بہت سی کتابیں آپنے تصنیف
کیں اور علم تفسیر و فقہ عربی فارسی کے پورے عالم تھے بعد از تکمیل علوم ظاہری کے
آپ باطنی علم کی طرف متوجہ ہوئے اور پیر کامل کی تلاش میں مدتوں جویاں رہے دن
رات کی کوشش کے بعد یہ حصہ آپکے آباؤ اجداد کی وراثت میں مقدر تھا اس لئے
آپنے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں ان سے شرف بیعت حاصل کی اور اسرار سینہ
بسینہ سے اور فیض معنیہ سے مالا مال ہوئے آپکے سلسلۂ بیعت کا اجرا اس طرح
ہوا حضرت محمد غوث رح خلیفہ اپنے والد ماجد امام الدین احمد تخلص شوقی وہ خلیفہ احضرت
امام الاولیاء خواجہ امام علی شاہ کے وہ خلیفہ حضرت غلام بھیک شاہ رح امان اللہ کے وہ خلیفہ
حضرت شاہ باخبر کے وہ خلیفہ حضرت شاہ محمد فاضل کے وہ خلیفہ حضرت شاہ بھیک
امان اللہ کے وہ خلیفہ حضرت پیر داؤد کے وہ خلیفہ حضرت شاہ محمد صادق کے وہ خلیفہ
حضرت ابو سعید کے وہ خلیفہ شاہ نظام کے وہ خلیفہ حضرت جلال الدین کے وہ خلیفہ
حضرت عبدالقدوس کے وہ خلیفہ حضرت شیخ محمد کے وہ خلیفہ شیخ عارف باللہ کے
وہ خلیفہ حضرت شاہ عبدالحق کے وہ خلیفہ حضرت جلال الدین کے وہ خلیفہ حضرت
شمس الدین کے وہ خلیفہ علاء الدین کے وہ خلیفہ حضرت فریدالدین کے وہ خلیفہ حضرت
قطب الدین کے وہ خلیفہ خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ
کے اسی طرح آپکو چاروں سلسلوں سے خلافت کا شرف حاصل تھا آپنے

چھبیس ۲۶ لنٹلیں بطرز نو تحریر فرمائیں ہیں آپکا کلام اکثر ہوا۔ ۱۱ ور تصوف میں ہے۔ اور غزلیات آپکی توحید میں ہیں آپکی تصانیف سے بہت [illegible] ین ہیں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ سراج الفقرا، جلوہ عشق۔ بنام ایک شادی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اور جہیز نامہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا اور سہاگ نامہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا اور سی حرفی غوث وغیرہ وغیرہ صنعت وحرفت کی بڑی منخیم کتابیں آپنے تصنیف فرمائیں اور تصوف میں لاثانی کلام آپکا منظوم ہے منجملہ ان سب کے آپ سے بہت سی کرامتوں کا بھی صدور رہا۔ آپکی تعمیرات سے متعلق بعض بعضوں میں متصل درگاہ [illegible] یک کنواں آپکے اجداد کا کھدوایا ہوا تھا۔ آپنے کئی ہزار روپیہ صرف کر کے [illegible] رمت کروائی چونکہ وہ بہت شکستہ ہوگیا تھا۔ آپکے دست مبارک سے [illegible] ازسر نو تعمیر ہوئی اور آپنے اُس کا تاریخی نام (ثانی کوثر) رکھا حضرت شوقی [illegible] گنبد شریف غسل خانہ کے قریب ہے جو آپکی یادگار ۱۲۸۷ھ رسالہ اعلیٰ نمونہ ہے۔

(از سوانح عمری حضرت خواجہ محمد غوث جھن جھنوی قلمی قدیم دیمک خوردہ صفحہ ۱۰۸)

حضرت علامہ پیر علاء الدین احمد جھجھنوی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت علامہ پیر علاء الدین احمد حضرت امام الاولیا امام علی شاہ قدس سرہٗ کے پوتے، ولی مادر زاد حضرت امام الدین شوقی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے اور قطب وقت حضرت حاجی شاہ محمد غوث علیہ الرحمۃ کے برادر خورد اور مرید و خلیفہ ہیں آپکی ولادت مبارکہ ۲۵ رجمادی الاول ۱۲۷۲ھ میں ہوئی علم ظاہر و باطن دونوں سے آراستہ و پیراستہ تھے مواعظہ علاء الدین، گنجینۂ رحمت، تعمیرات وغیرہ کتابیں آپکی یادگار ہیں۔ فلسفی ہونے کی وجہ سے مختلف مشینیں بھی ایجاد

فرمائیں۔ زبانِ شاذی جو آپ کے متعلقین کی مخصوص زبان ہے۔ وہ بھی آپ ہی کی ایجاد کردہ ہے۔ شاعری میں شاذی تخلص فرماتے تھے۔

دورانِ قیام دہلی یہود و نصاریٰ اور آریا سماجیوں نیز قادیانیوں سے مناظرے فرمائے۔ اور انہیں لاجواب کیا آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئی۔ جن کی تفصیل ”گنجینۂ اولیاء فارسی“ (قلمی) میں موجود ہے۔ ۱۷ صفر ۱۳۴۶ھ میں وصال ہوا۔ نمازِ جنازہ حضرت علامہ نجم الدین چشتی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین درگاہ فتحپور شیخاواٹی نے پڑھائی۔ مزار مبارک درگاہ حضرت امام الاولیاء جھنجھنوں میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ آپکے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت قاسم ولایت پیر محمد قاسم علی رحمۃ اللہ علیہ تاحین حیات آپکا عرس کرتے رہے۔ اس کے بعد آپکے بڑے پوتے مبلغ اسلام حضرت علامہ الحاج پیر محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ اس پر عمل کرتے رہے الحمد للہ آج بھی حضرت مبلغ اسلام کے ہر دو صاحبزادگان اس سلسلہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں

حضرت خواجہ حسام الدین صوفی جھنجھنوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ وحید الدین کی اولاد سے ہیں۔ سالک عزیزی جوہر حسامی ص ۸ ر میں ارقام فرماتے ہیں کہ قصبہ جھن جھنوں راجستھان کے ان مشہور ترین قصبات میں سے ہے جسکی تاریخی حیثیت مسلم ہے منجملہ دیگر اہم امور کے یہ قصبہ اس امر میں بھی شان منفرد رکھتا ہے کہ یہ بڑے بڑے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کا ملجا و ماویٰ رہا ہے۔ جہاں خواجۂ خواجگان سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ خلیفہ شیخ حمید الدین ناگوری رح کی اولاد گرامی آباد ہے۔ اسی سرزمین رشکِ چرخ بریں سے ایک آفتاب فلک ہدایت طلوع ہوا۔ یہ سپہر ولایت کا مہر اور یہ فلک ہدایت کا ماہ صوفی حسام الدین علیہ الرحمۃ

کے نام نامی سے موسوم ہوا۔ عرصۂ دراز سے سلطان التارکین خواجہ حمیدالدین ناگوری کی اولاد قصبہ جھنجھنوں میں سکونت پذیر تھی ۱۱۹۷ھ ہجری میں اپنے وقت کے ایک صوفی منش اور فرشتہ صفت بزرگ حضرت عمادالدین علیہ الرحمۃ اس بزرگ خاندان کی سرپرستی فرمارہے تھے کہ قدرت نے اپنی ودیعت سے انھیں نوازہ یعنی ۱۴ر شوال المکرم ۱۱۹۷ھ بروز چہارشنبہ بوقت چاشت آپکے یہاں ایک نونہال عالم وجود میں آیا جسکا نام حسام الدین رکھا گیا۔ یہی بچہ آگے چلکر خواجہ حسام الدین صوفی علیہ الرحمۃ کے نام نامی سے معروف عالم ہوا۔ خواجہ عمادالدین ایک صوفی اور متوکل بزرگ تھے آپ نے اپنے فرزند ارجمند کو جبکہ کچھ سیانا ہوگیا پڑوس کے ایک عالم باعمل قاضی نوازش علی صاحب کے حلقۂ درس میں داخل کرایا۔ مشفق استاد نے نہایت جانفشانی کے ساتھ پڑھایا چند ہی روز میں کچھ سے کچھ ہوگئے۔ اب حضرت عمادالدین کو اپنے نورنظر کیلئے علوم باطنی کی فکر ہوئی اس زمانے میں دہلی اور نارنول صرف دو مقام ہی ایسے تھے جو اعلیٰ تعلیم کے مرکز گردانے جاتے تھے دور دور سے طالبان علوم حقیقی آتے اور ہر قسم کے علوم سے مستفید ہوتے۔

حضرت عمادالدین کو بھی اپنے بچے کی تعلیم کی فکر ہوئی آخرکار اس مسبب الاسباب کو اپنے نیک اور متقی بندے کی اس کسمپرسی کی حالت پر رحم آیا اور اس مشکل کا حل یوں نکلا کہ حضرت عزت اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری قصبہ جھنجھنوں میں ہوئی حضرت عزت اللہ شاہ صاحب اپنے وقت کے ولی باصفا اور صوفی بے ریا بزرگ تھے آپ قصبہ بگڑھ کے رہنے والے تھے جو شیخاواٹی میں ایک مشہور قصبہ ہے جناب کے فیض ظاہری و باطنی کا دور دور شہرہ تھا اور ہزاروں بندگان خدا آپکے فیض سے مستفیض ہورہے تھے۔ جس جھنجھنوں تشریف لائے اور سیدھے عمادالدین کے گھر پہونچے مزاج پرسی کے بعد آپ نے ظاہر کیا کہ میں حسام الدین کو لینے آیا ہوں

تا کو روحانی تربیت دیکر جو اُسکی امانت میرے پاس ہے اُسے دیدوں اُس وقت ایک عجیب واقعہ رونما ہوا. جس سے عام حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے جس وقت کہ عزت اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ عماد الدین میرے شاگرد حسام الدین کو بلاؤ میں اُسے لینے آیا ہوں اُسی وقت حضرت حسام الدین جو اس وقت محض دس سال کے تھے گھر سے یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ چلئے حضرت میں حاضر ہوں. اسی عالم کم سنی میں یہ شعور کی باتیں؟ غرض کی آپ یکم رجب ۱۲۰۰ھ بروز دوشنبہ حضرت عزت اللہ شاہ صاحب کے ہمراہ قصبہ بگڑھ تشریف لے گئے. حضرت حسام الدین نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت اور علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل میں مسلسل چالیس سال بسر کئے تکمیل فیوض الہی کے بعد جناب کو خرقۂ خلافت عطا ہوا. اور بیعت کی اجازت دی گئی. دوران تعلیم میں حضرت ارادت اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسلام پوری خواجہ حالی رح حیدرآبادی اور مولانا شیر خاں رحمۃ اللہ علیہ پشاوری بھی وہیں ہم درس و ہمنشین تھے اور چاروں میں بے حد خلوص و محبت تھی. جب ۱۲۵۱ھ میں حضرت عزت اللہ شاہ صاحب واصل بحق ہوئے تو خلیفۂ ارشد نے کار خلافت و بیعت کی طرف دلی توجہ مبذول فرمائی. حضرت کے کمالات باطنی کو دیکھکر تمام سلسلوں کے ذمہ دار بزرگوں نے اپنے اپنے سلسلہ کا اجازت نامہ آپکو دیدیا کہ جس سلسلے میں چاہیں بیعت کریں. مگر چونکہ آپکا رجحان طبع ابوالعلائی نقشبندی سلاسل کی جانب زیادہ تھا. لہذا آپ اکثر ان ہی سلسلوں میں بیعت فرمایا کرتے. آپکا سلسلہ دکن مالوہ کاٹھیاواڑ اور گجرات تک پھیل گیا تھا. آپکے بیشمار مریدوں میں سے چار مرید بیحد مشہور و معروف ہیں مولوی محمد واصل صاحب نارنولی، قاضی نثار احمد صاحب سنگھانوی عبدالرحیم شاہ صاحب عرف سلطان اور شاہ امام علی صاحب جھن جھنوی رح ان چاروں میں سے اول الذکر تینوں بزرگ چونکہ پردیسی تھے لہذا اپنے مرشد

کابل سے خرقۂ خلافت واجازت بیعت لیکر اپنے اپنے علاقوں کو رخصت ہو گئے مگر شاہ امام علی صاحب علیہ الرحمۃ جو آپکے خلیفہ ہونے کے علاوہ نواسہ بھی تھے آپ ہی کے پاس رہے اور برابر پیر و مرشد کی خدمت فرماتے رہے۔ یہ سعادت آپ ہی کو حاصل ہے کہ زندگی میں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور مرنے کے بعد قربت مرشد ہاتھ سے نہ جانے دی۔ چنانچہ آپ کا مزار پاک اپنے پیر و مرشد کے روضے سے قدرے فاصلہ پر آج بھی زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

آپنے چار شوال المکرم ۱۲۶۰ھ بروز چہار شنبہ بعد عصر اس جہان فانی سے عالم بقا کی جانب رحلت فرمائی۔ ایک حقیقت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جناب اور جناب کا خاندان فاروقی کیوں کہلاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جناب کا سلسلۂ نسب اسلام کے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھتیس ۳۶ ویں پشت میں ملتا ہے۔ لہٰذا آپ اور آپکے خاندان فاروقی کہلاتے ہیں۔ (جوہر حسامی ص ۱۵ — ۸)

حضرت بابا قدرت اللہ شاہ صاحب چشتی ابوالعلائی رحمۃ اللہ علیہ

آپ درگاہ خواجہ حسام الدین صاحب صوفی علیہ الرحمۃ کے سجادہ نشین تھے جناب کا اسم گرامی قبلہ محمد افضال احمد ہے لیکن آپ بابا قدرت اللہ شاہ صاحب کے نام سے مشہور تھے آپکا سلسلۂ نسب و سلسلۂ بیعت چھٹی پشت میں حضرت خواجہ حسام الدین صوفی تک پہونچتا ہے اسوقت موجودہ سجادہ نشین آپکے بڑے صاحبزادے صوفی عطاء اللہ فاروقی ہیں آپکی ہمشیرہ اکرم دولت نیر حقیر کے صاحبزادے

صوفی اختر سے ناگور میں بیاہی گئی اور آپکے برادر ثناءاللہ فاروقی کی صاحبزادی یعنی بابا قدرت اللہ شاہ صاحبؒ کی پوتی نور کنور فقیر حقیر کاتب التحریر کے سب سے چھوٹے صاحبزادے صوفی سلیمان اختر فاروقی سے ناگور بیاہی گئی ہے۔

(جوہر حسامی ص ۶)

حضرت شاہ محمد قاسم عرف شیخ جی حالی ابوالعلائی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ حیات قاسمی۔ ارغوان ابوالعلاء۔ اور کتاب سلطان التارکین میں لکھا ہے کہ آپکا اسم گرامی محمد قاسم عرف شیخ جی لقب حالی سنہ ولادت ۱۱۷۵ھ ہے۔ آپ شیخ زادہ انصاری ہیں۔ آپکے بزرگ شہر فتحپور قصبہ فتحپور ضلع سیکاواٹی ریاست جے پور راجستھان کے رہنے والے تھے بعد میں قصبہ جھن جھنوں منتقل ہو گئے تھے آپکے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت غلام محمد تھا۔ جو خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی اولاد سے تھے۔ سلسلۂ طریقہ آپکا ابوالعلائی نقشبندیہ قادریہ و چشتیہ نظامیہ ہے۔ چاروں سلسلوں سے آپکو بیعت و خلافت کا شرف حاصل تھا آپکا پیدائشی وطن جھنجھنوں تھا جب حضرت شاہ محمد قاسم رحمۃ اللہ کی عمر شریف چودہ برس کی ہوئی تو ۱۱۸۹ھ میں آپکے والد ماجد نے آپکو اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عزت اللہ ابوالعلائی قدس اللہ سرہ جن کا مزار اقدس قصبہ بگڑ شیکھاواٹی میں ہے۔ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اسکو اپنی غلامی میں قبول فرمائیں اسکے بعد حضرت میاں صاحب عزت اللہ صاحب نے آپکو داخل سلسلہ فرما کر علم ظاہری اور باطنی کی تعلیم سے سرفراز فرمایا۔ اور حکم صادر فرمایا کہ تم حیدرآباد دکھن جاکر ابوالعلائی فیض سے طالبان حق کو سیراب کرنا تعمیل حکم پیر و مرشد آپ سنہ ۱۲۰۹ھ میں حضرت عزت اللہ شاہ صاحب کی فاتحہ سیوم کے بعد حیدرآباد

کی جانب روانہ ہو گئے۔ غفران مآب نواب نظام علی خاں بہادر آصف جاہ ثانی کے دور حکومت میں رونق افروز حیدرآباد دکن ہوئے۔ حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۲۸ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۸۱۳ء ترسٹھ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے پردہ فرمایا۔ حیدرآباد محلہ اردو شریف میں حضرت کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں آپ کے جانشین اول حضرت سید عمر علی شاہ قدس سرہٗ سجادہ نشین متولی درگاہ شریف نے ایک بہت ہی خوبصورت سنگ مرمر کی جالی مکرانہ راجستھان سے تیار کروا کر حیدرآباد لا کر مزار پر نصب کروادی جس کی تاریخ ۱۲۳۸ھ۔ اس کے بعد حضرت سیدنا عمر علی شاہ ابوالعلائی کو ۱۲۳۸ھ میں اپنا جانشین اور قائم مقام و سجادہ نشین اور تمام جائیداد موقوفہ حیدرآباد دکن اور جھنجھنوں ضلع شیخاواٹی کا وارث بنادیا اس کے بعد حضرت عمر علی شاہ نے ۱ر صفر المظفر ۱۲۹۲ھ میں اپنے ہمشیرہ زادہ داماد کا ان حضرت سید فرزند علی شاہ قدس سرہ کو اپنا جانشین اور درگاہ حضرت شیخ جی حالی قدس سرہ کا سجادہ نشین و متولی بنادیا۔ اس کے بعد حضرت سیدنا شاہ محمد کریم الدین حسین جو حضرت سیدنا فرزند علی شاہ ابوالعلائی کے حقیقی نواسے ہوتے ہیں ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ میں آپ کی جانشینی و سجادگی کی رسم ادا کی گئی۔

(حیات قاسمی ص ۹، ارغوان ابوالعلائی ص ۶۲ تا ۷۰، ۸ ص ۹۰ تا ۱۳۳)

حضرت صوفی شاہ محمد صابر علی ابوالعلائی مدظلہ العالی

کتاب صاحب ارغوان ابوالعلاء رقمطراز ہیں کہ حضرت پیر و مرشد مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت بتاریخ ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۲۸ء بروز پنجشنبہ شب جمعہ نیک ساعت میں ہوئی۔ آپ نے سات سال کی عمر میں

قرآن شریف ختم کرکے دار العلوم اور جامعہ نظامیہ میں عرصے تک زیر تعلیم رہے اور اسی دوران امتحانات منشی فاضل اور علی گڈھ یونیورسٹی سے میٹرک کے امتحان میں پاس ہوئے شوال ۱۳۵۴ھ میں سفر حج کے وقت حضرت کریم الدین حسین صاحب سجادہ نشین و متولی درگاہ شیخ جی حالیؒ نے آپکو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ آپکو اپنے تایا حضرت سیدنا کریم الدین حسین صاحب سے بیعت و خلافت کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت موصوف کے وصال شریف کے بعد بروز فاتحہ سوم حسب وصیت و رواج خاندانی ۱۶ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۲ ارجون ۱۹۴۱ء بروز پنجشنبہ آپکی رسم جانشینی انجام پائی اسوقت حسب رواج خاندانی حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ اور کلاہ مبارک پہنائی گئی اور عمامہ باندھا گیا۔ یہ رسم جانشینی آپکے جد محترم حضرت صوفی شاہ محمد عزیز الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس وقت آپکے خاندان میں بزرگ اور عالم باعمل شخص تھے۔ اپنے ہاتھوں سے انجام دی اس موقع پر بھی سابق دستور حیدرآباد کے ممتاز مشائخین کرام اور وابستگان سلسلہ و معتقدین آستانہ عالیہ موجود تھے۔ ہر خاص و عام جوش مسرت میں مبارک باد پیش کر رہا تھا۔

آپ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور صبر و شکر تخلص فرماتے ہیں۔ اسم بامسمّیٰ آپکی خصوصیات ہیں ذاکر، شاغل، پابند صوم و صلوٰۃ ہیں بڑے ہی مہمان نواز اور خلوص و محبت کے پیکر ہیں کاتب الحروف فقیر حقیر صوفی محمد ایوب تارک اکثر و بیشتر حیدرآباد دکن کے اجلاسوں میں شرکت کرتا رہتا ہے فقیر کا قیام ہمجدی ہونے کے ناطے آپکے ہی دولت خانہ پر رہتا ہے۔ مجھ فقیر سے بہت محبت رکھتے ہیں آپکے اخلاق کریمانہ کی جتنی تعریف کیجائے کم ہے۔ اپنے مریدین و معتقدین کی تعلیم و تربیت میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ آپ نے اپنے خلف اکبر صوفی محمد مظفر علی ماجد عرف قادر شاہ سلمہٗ کو یکم جمادی الاول ۱۳۹۶ھ مطابق یکم مئی ۱۹۷۶ء

دوران عرس حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ علیہ علما اکرام اور مشائخین عظام اور وابستگان سلسلہ کی موجودگی میں اپنا جانشین نامزد فرما دیا ہے۔

(کتاب ارغوان ابوالعلاء ص ۱۵۲ — ۱۵۳) شیخ جی حالی کی سجادگی و تولیت

شیخ جی حالیؒ کی سجادگی و تولیت پر نبیرگان صوفی کیسے فائز ہوئے؟

حضرت شاہ محمد قاسم عرف شیخ جی حالی ابوالعلائی رحمۃ اللہ علیہ کی سجادہ نشینی و تولیت پر نبیرگانِ حضرت سلطان التارکین کیسے فائز ہوئے۔

تذکرۂ سلطان التارکین سے نقل ہے مخفی نہ رہے۔ کہ حضرت شاہ محمد قاسم العروف شیخ جی حالی ابوالعلائی سلسلہ کے ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں حضرت موصوف کا وطن بھی جھن جھنوں شیخاواٹی راجستھان ہے۔ آپ اپنے پیر و مرشد حضرت میاں عزت اللہ شاہ بگر شریف کے حکم کی تعمیل میں بزمانہ نواب نظام علی خاں بہادر آصف جاہ ثانی حیدرآباد تشریف لائے (۲۹) سال تک رشد و ہدایت فرماتے رہے اور ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۳۸ھ کو بزمانہ نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث وصال فرمایا آپکے جانشین حضرت عمر علی شاہ مسند فقر پر جلوہ افروز رہ کر ۶ رجمادی الثانی ۱۲۱۵ھ بمقام جھن جھنوں واصل بحق ہوئے۔ حضرت سید عمر علی صاحب نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت فہیم النساء کو حضرت صوفی عبدالرحمٰن صاحب کے عقد نکاح میں دیا اور حضرت سید عمر علی شاہ صاحب کی ماموں زاد بہن (یعنی) حضرت شیخ جی حالی صاحب کے برادر کلاں حضرت بدرالدین صاحب کی دختر) حضرت منیرالنساء بیگم نے اپنی صاحبزادی علیم النساء کو حضرت صوفی خلیل الرحمٰن صاحب (برادر خورد حضرت صوفی عبدالرحمٰن صاحب) کے عقد نکاح میں دیا اس رشتہ کے

بعد ہی خاندان حضرت شیخ جی حالی صاحب سے پیرزادگان ناگوری اولاد صوفی حمیدالدین ناگوریؒ کا تعلق پیدا ہوا۔ حضرت سید عمر علی شاہ نے اپنا جانشین حضرت سید فرزند علی شاہ کو بنایا حضرت شیخ جی حالی کے برادر کلاں بسیرالدین کے حقیقی نواسے تھے۔ حضرت سید فرزند علی شاہ نے اپنی صاحبزادی حضرت صدر النساء کو حضرت محمد شریف صاحب کے عقد نکاح میں دیا جو حضرت عبدالرحمٰن صاحب کے دوسرے صاحبزادے تھے جن سے حضرت محمد کریم صاحب تولد ہوئے۔ حضرت موصوف کی علمی قابلیت اور خاندانی عظمت و وقار بہرحال ان جملہ خوبیوں کے پیش نظر آپ کے نانا حضرت سید فرزند علی شاہ صاحب نے اپنا جانشین اور حضرت شیخ جی حالی صاحب کا سجادہ نشین و متولی بنایا۔ حضرت شیخ جی حالی صاحبؒ کے برادر کلاں حضرت بسیرالدین صاحب کی نواسی حضرت علیم النساء (زوجہ حضرت خلیل الرحمٰن) کے نواسے حضرت صوفی یسین علی صاحب کے خلف الرشید حضرت صوفی شاہ محمد صابر علی صاحب مدظلہ العالی اب درگاہ حضرت شیخ جی حالی رحمۃ اللہ کے موجودہ سجادہ نشین و متولی ہیں۔ حضرت سجادہ صاحب کی شادی دختر مولانا سید مولانا سید موسیٰ قادری صاحب سے ہوئی جو سلطان الاولیاء حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے (۲۷) ستائیسویں واسطے میں پوتے ہوتے ہیں۔
الحمد للہ! حضرت سجادہ نشین صوفی محمد صابر علی شاہ کو تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہے۔ جنکے تاریخی نام یہ ہیں:۔ (۱) منظور علی ماجد (۲) احتشام علی شاکر۔ (۳) درافشان حشمت (۴) ذاکر علی دانش۔ حضرت شیخ جی حالی رح محلہ اردو شریف حیدرآباد۔ دکھن آندھرا پردیش میں آپکا مزار پاک مرجع خلائق ہے۔ (کتاب تذکرہ حضرت سلطان التارکین خواجہ صوفی حمیدالدین چشتی فاروقی ناگوری قدس سرہ ص ۲۵، ۲۶، مطبوعہ دکن حیدرآباد۔)

یادِ حضرت محمود بغدادی قادری علیہ الرحمۃ

حضرت محمود بغدادی قادری نام کے ایک بزرگ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان میں چلے آئے اور یہاں کے مخصوص مزارات پر حاضری دیتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے اور وہاں سے آپکے خلیفہ حضرت سلطان التارکین ناگوری کا نام نامی اسم گرامی سنکر ناگور تشریف لے آئے محلہ قصابان کی بڑی مسجد میں آکر آپ نے قیام فرمایا۔ اس کے بعد صوفی حمید الدین ناگوریؒ کے مزار اقدس پر چالیس روز تک معتکف رہ کر فیضِ روحانی سے مستفیض ہوتے رہے۔ اسی درمیان قیام ناگور میں قوم قصابان سے چند حضرات آپ سے مرید بھی ہوگئے آپ نے حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے موئے مبارک اپنے ان مریدین حضرات کو عنایت فرمائے اور وصیت فرمائی کہ ان موئے مبارک کو حفاظت سے رکھنا اور گیارھویں شریف کے مہینے کی گیارہ تاریخ کو حضور غوث پاک کی فاتحہ لگاتے رہنا انشاءاللہ تم لوگ ہمیشہ خوشحال رہو گے۔

وہ موئے مبارک غوث الاعظم عرصہ دراز تک اُس بڑی مسجد قصابان میں محفوظ رہے۔ مگر اب نہیں ہیں اسی دورانِ قیام ناگور میں ایک بزرگ نیک سیرت شیخ شیر محمد سہروردی نبیرۂ حضرت قاضی حمید الدین صدیقی ناگوری کو مرید بنایا۔ اور خلافت سے نواز کر آپ نے جو تبرکات اپنے پیر و مرشد سے آپکو حاصل ہوئے تھے وہ اُنکے پاس تھے۔ ایک جبہ شریف یعنی پیرہن مبارک غوث الاعظم اور ایک اُن کا ٹوپہ اور ایک شاہی فرمان جس پر کئی بادشاہوں کی مہریں ثبت تھیں یہ فرمان جبۂ غوث پاک کی سند میں تھا، اور خلافت نامہ تحریر فرما کر آپنے شیخ شیر محمد سہروردیؒ کو عنایت فرمایا۔ یہ تبرکات جو

شیر محمد سہروردی کے اولاد کے پاس تھے۔

فقیر حقیر کے والد مرحوم پیر عبد الغنی سجادہ نشین درگاہ صوفی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پیر بشیر الدین سہروردی مرحوم سجادہ نشین شیخ احمد ظہیر الدین خلف الرشید حضرت قاضی حمید الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھے تھے۔ اب بھی انکی اولاد کے پاس موجود ہیں۔ جبہ شریف پیراہن پیران پیر دستگیر اور ٹوپہ اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں اور ہر سال ربیع الثانی کی گیارھویں شریف کے مہینے کی گیارہ تاریخ کو اپنے اہل خاندان کو زیارت کروائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا کلیم اشرف صاحب مدظلہ العالی چند علمائے باسنی کے ہمراہ فقیر حقیر کے غریب خانہ پر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں نے عمر رسیدہ ملتانی آہنگران ناگور سے سنا ہیکہ آپ کے پاس پیران پیر غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا جبہ شریف ہے مجھے زیارت کروائیے میں نے اپنے چچا پیر بشیر الدین مرحوم کے گھر اطلاع کی وہاں سے اجازت ملنے پر اس فقیر نے ان تمام حضرات کو لیجاکر پیراہن شریف غوث الاعظم کی زیارت کروائی۔ حضرت کلیم اشرف صاحب نے جبہ مبارک کو سر پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھا اس کے بعد اُس پیراہن مبارک کو چوما اور آنکھوں سے لگایا اپنی جیب سے عطر کی شیشی نکالکر عطر پیراہن مبارک کو اپنے ہاتھوں سے لگایا باسنی کے کسی عالم نے آپکو ایک طرف لیجاکر دریافت کیا کہ یہ اصلی ہے یا نقلی حضرت کلیم اشرف صاحب نے ان کے جواب میں باواز بلند فرمایا کہ اصلی اور نقلی میں ہم خوب سمجھتے ہیں یہ جبہ شریف اصلی ہے اور آپ حضرات اپنی واعظ تقریر میں اسکے بارے میں عوام الناس کو بتلایا کرو۔

حضرت محمود بغدادیؒ جب ناگور شریف سے رخصت ہونے لگے تو آپکے مرید و خلیفہ حضرت شیخ شیر محمد سہروردی صدیقی نے آپکو بتلایا کہ ناگور ضلع میں

ایک قصبہ رودحل شریف کے نام سے مشہور ہے جہاں ہمارے بزرگ قاضی حمیدالدین
سہروردی صدیقی مرید و خلیفہ حضرت شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ
کالایا ہوا پیراہن مبارک یعنی جبہ شریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے
آپ وہاں جاکر زیارت کیجیے۔ جبۂ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام
سنتے ہی آپ انا گور سے روانہ ہوکر رودحل شریف پہنچ گئے۔ اور اولاد
قاضی حمیدالا اگوری سہروردی سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے بعد آپ
نے اُن حضرات سے ایا کہ مجھے جبہ شریف کی زیارت کروائیے اولاد قاضی صاحب نے فرمایا
کہ اگر آپ کل جمعرات کو آجاتے تو ہم آپکو جبہ شریف کی زیارت کروا دیتے اب تو آپکو
آئندہ جمعرات تک یہاں پر قیام فرمانا پڑیگا۔ آپ نے فرمایا میں اتنے روز یہاں پر نہیں
رُک سکتا قاضی صاحب کی اولاد نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں سے یہی اصول چلا آرہا
ہے۔ کہ ہم جمعرات جمعہ کو زیارت کرواتے ہیں یا مخصوص متبرک مہینوں میں کرواتے ہیں
آپ ہمارے یہاں مہمان ہیں ہم آپکے طعام و قیام کا انتظام کر دیتے ہیں۔

حضرت محمود بغدادی رح نے اُن حضرات سے بہت اصرار کیا کہ آپ مجھے اسی
وقت زیارت کروا دیں مگر قاضی صاحبان نے صاف انکار کر دیا کہ ہم اپنے
بزرگوں کے اصول کو نہیں توڑ سکتے۔ تب حضرت محمود بغدادی رح جس حجرہ میں
جبہ مبارک رکھا ہوا تھا۔ اُس کے سامنے بیٹھکر کچھ پڑھنا شروع کیا اور آنکھیں
بند کر کے جب کھولیں تو پیراہن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ صندوق
کو آپکے سامنے رکھا ہوا پایا۔ آپنے اطمینان سے زیارت کی اور اس کے بعد جبہ
شریف کے صندوق کو اپنے سر پر اُٹھا کر چلنے لگے تو قاضی صاحبان نے آپکو گھیر
لیا اور کہنے لگے کہاں لیجاتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس جبہ رسول مقبول
صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی جگہ لیجاکر رکھونگا کہ کوئی بھی شخص کسی بھی وقت آجائے

چاہے بارش گرمی ہو یا طوفان ہو دن ہو یا رات اُس آنیوالے عقیدتمند شخص کو وہ لوگ فوراً زیارت کروائینگے اولادِ قاضی حمیدالدین نے کہا ٹھہریئے ہم اپنا جبہ مبارک کا صندوق حجرہ شریفا میں دیکھتے ہیں کہ حجرہ کے اندر ہے۔ یا نہیں یہ کہکر ان لوگوں نے حجرہ کا قفل کھولا اور حجرہ مبارک میں دیکھا تو جبہؔ شریف کا صندوق اندر نہیں تھا وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ شخص توکوئی ولی کامل معلوم ہوتا ہے یہ تمام لوگ آپ سے عاجزی وانکساری کرنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوگئی آپ ہمیں معاف فرمائیں۔ آپ نے عرض کیا کہ خیر تم لوگ قاضی حمیدالدین ناگوری رح کی اولاد ہو اس لیئے میں آپ حضرات کا احترام کرتا ہوں مگر یہ جبہؔ مبارک اس شرط پر آپ لوگوں کو واپس کرتا ہوں کہ تم لوگ آئندہ کسی پردیسی زائرین کو چاہے وہ آدھی رات کو آئے سردی کا موسم ہو یا موسم گرما آپ اسی وقت آنیوالے شخص کو زیارت کروا دوگے کسی آنیوالے شخص کو انکار نہیں کروگے۔ اس کے بعد سے آج تک یہی دستور چلا آرہا ہے کہ کوئی بھی پردیسی زائرین زیارت کیلئے آجاتا ہے تو چار آدمی آکر اُسی وقت اُس شخص کو زیارت کروا دیتے ہیں۔

پیر عبدالجبار سہروردی مرحوم کے پاس ان محمود بغدادی کا عطا کردہ وہ خلافت نامہ اور شاہی فرمان فقیر حقیر نے ان کی زندگی میں دیکھنا چاہا تھا مگر مرحوم نے دکھلانے سے انکار کر دیا میرا مقصد صرف اتنا سا تھا کہ اُس فرمان کی نقل اپنی اس کتاب میں تحریر کر دوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے (آمین)

(قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص ۲ شرح رسالہ عبدالنبی المسمیٰ بہ طریق مصطفوی صفحہ ۵۵ ـ ۵۶ ـ ۵۷ ـ ۵۸ ـ)

یاد حضرت شہاب الدین طبیّ علیہ الرحمۃ

بزرگوں سے روایت ہے کہ ایک بزرگ حضرت شہاب الدین طبیّ نام کے جو بڑے جید عالم و فاضل اور عامل و کامل حافظِ قرآن اور اپنے وقت کے بڑے زبردست حاذق بھی تھے۔ آپکا تصنیف کردہ ایک رسالہ منظوم فارسی قلمی فقیر حقیر کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ جس کا نام فرہنگ طب ہے۔ اس رسالے کے سرورق پر لکھا ہوا ہے۔ "فرہنگ طب شہابی از تصنیف مولانا شہاب الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ۔ فقیر کے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ اس کتاب کا ہر ایک نسخہ مجرب المجرب ہے۔ میں نے کئی مریضوں پر آزمایا ہے۔ یہی بات ایک ناگور کے بزرگ جن کا نام ابراہیم شاہ جی نقشبندی تھا اور نا چیز تخلص فرماتے تھے۔ جنکو اس فقیر نے دیکھا ہے مجھ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ آج کے تقریباً ۴ سال قبل میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ صاحبزادے صاحب آپکے پاس رسالہ فرہنگ طب شہابی حضرت شہاب الدین طبی کا ہے وہ مجھے دکھلائیے اور کہنے لگے کہ میں نے ایک نسخہ آنکھ کے موتیا بند اور جالے پھولے کا اس رسالے سے تمہارے دادا قادر بخش سجادہ نشین صاحب مرحوم کے زمانہ میں نوٹ کیا تھا وہ پرچہ کہیں گم ہوگیا۔ میں نے وہ رسالہ آپکو دکھلا دیا انہوں نے وہ نسخہ نوٹ کر لیا اور فرمانے لگے۔ کہ یہ نسخہ تیر بہدف ہے۔ اس کے بعد اس فقیر نے بھی کئی نسخوں کو مریضوں پر آزمایا اُن کو شفائے کلی حاصل ہوئی۔

انہی مولانا شہاب الدین طبی کا ایک واقعہ جو فقیر کے والد محترم نے اپنے والد بزرگوار سے سُن رکھا تھا۔ مجھکو سُنایا کرتے تھے کہ ناگور کا رہنے والا ایک لڑکا آپکے پاس قرآن شریف حفظ کرنے آیا کرتا تھا۔ آپ نے اُس طالب علم لڑکے

کو پچیس ۲۵، یا چھبیس ۲۶ پارے حفظ کروا دیئے تھے۔ ایک روز اچانک آپکی طبیعت علیل ہوئی اور آپ اللہ کے پیارے ہو گئے اللہ تعالیٰ انکی قبر انور کو نور سے معمور فرمائے۔ آمین

اس طالب علم کو آپکی موت سے بڑا صدمہ پہنچا اور وہ دن بھر روتا رہا اور رات کو بھی روتے روتے اسکی آنکھ لگ گئی کیا دیکھتا ہے کہ وہ بزرگ استاذ فرما رہے ہیں کہ تم بالکل مت گھبراؤ اور رات کو عشاء کی نماز کے بعد میرے مزار پر آجانا وہ طالب علم دوسرے روز رات کو بعد نماز عشاء آپکے مزار شریف پر چلا گیا کیا دیکھتا ہے کہ وہ بزرگ استاذ تشریف فرما ہیں اور اس طالبعلم کا انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ اس طالب علم کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ تمہارے گھر والوں کو اور دیگر کسی بھی شخص سے یہ راز فاش مت کرنا اور روزانہ رات کو میرے پاس آتے رہنا بقایا پارے تجھکو حفظ کروا دونگا

آپ نے تین ۳ چار روز میں بقایا پارے اسکو حفظ کروا دیئے اس کے بعد اس طالبعلم کو کبھی نظر نہیں آئے۔ آپکا مزار اقدس صوفی حمید الدین چشتی کے بلند دروازہ کے سامنے نقار خانہ کے پیچھے جو ایک پانی کی آڈ بارش کے دنوں میں بہتی ہے جسکا پانی گینداانی تالاب میں جاتا ہے اس آڈ کے اوپر ایک پلیہ بنا ہوا ہے۔ جس کے کنارے پر آپکا مزار شریف بنا ہوا ہے۔ ہمارے والد کبھی کبھی اس مزار پر جاکر فاتحہ پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ بزرگ بڑے صاحب کرامت بزرگ ہیں تم بھی کبھی کبھی جاکر فاتحہ پڑھا کرو ناگور کے کئی عقیدتمند لوگ آپ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور چراغ بتی وغیرہ بھی کرتے رہتے ہیں لوگوں کو فیض ہوتا ہے۔ (قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور صد ۲)

(ناگور کی مشہور و معروف خانقاہیں اور مقابر و مزارات)

یادِ حضرت احمد علی شاہ بابا

مجذوب چشتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانہ کے بڑے پائے کے مجذوب گذرے ہیں۔ تیرھویں صدی میں آپ حیات تھے آج کے تقریباً نوے سال قبل آپنے وصال فرمایا چونکہ آج تک کسی کتاب میں آپکے حالاتِ زندگی درج نہیں ہوئے جیسا کہ فقیر نے اپنے بزرگوں سے اور دیگر معتبر لوگوں سے آپکے متعلق سُنا گیا تحریر کر رہا ہوں۔ بڑے صاحب کرامات مجذوب گذرے ہیں۔ آج بھی ناگور و بیکانیر کی عوام کی زبانوں پر انکی کرامتوں کے چرچے ہوتے رہتے ہیں۔ ناگور اور بیکانیر کے سو۱۰۰ سال کے عمر یافتہ لوگوں نے آپکو دیکھا ہے۔ فقیر حقیر نے ناگور کے عمر رسیدہ حضرات سے آپکی کرامتوں کے سینکڑوں واقعات سُنے ہیں۔ آپ جو زبان سے فرما دیتے وہ ہی ہوجاتا جب ناگور کے کسی محلہ سے آپکا گذر ہوتا عورتیں کھانا لیکر آپکے سامنے حاضر ہوجایا کرتیں تھیں اگر ارادہ ہوتا تو نوش فرمالیا کرتے۔ ورنہ فرما دیتے تھے کیڑے کیڑے اس کھانے میں کیڑے پیدا ہوجاتے۔ راجستھان کے شہر بیکانیر کے اندر ایک مرزا خاندان رہتا ہے۔ جو حضرت احمد علی بابا مجذوب کا بڑا معتقد تھا۔ اور آپ بھی اس اہل خاندان کے افراد سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہیں مرزا خاندان والوں کے یہاں جاتے تو قیام بھی فرمالیتے تھے۔ گویا بیکانیر کے دیگر خاندان بھی آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ اس مرزا خاندان کے ایک فرد جن کا نام مرزا معین الدین تھا اس فقیر سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ میں جب بھی بیکانیر جاتا تو مرزا معین الدین مرحوم کے گھر ضرور جاتا اور گھنٹوں اُن سے گفت و شنید ہوتی رہتی تھی آپکو اور آپکی شریک حیات کو حضرت احمد علی بابا کے سینکڑوں کرامتوں کے واقعات زبانی یاد

تھے جو میں نے کئی بار اُنکی زبانِ مبارک سے سنتے میں آئے۔ کیونکہ مرزا معین الدین بڑے قابل شخص تھے اور اُنکی یادداشت کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپکو سینکڑوں اشعار فارسی اور اردو کے بھی حفظ یاد تھے جو دورانِ گفتگو وہ پیش کرتے رہتے تھے۔ مرزا معین صاحب کو وہ اشعار بھی یاد تھے جو اکثر و بیشتر احمد علی بابا پڑھتے تھے وہ چند اشعار فارسی اور اردو کے جو اس فقیر کو مرزا صاحب نے لکھوائے تھے آخیر میں پیش کرونگا۔ مرزا صاحب کی زبانی جو سینکڑوں واقعات ایسی کرامتوں کے فقیر نے سنے تھے وہ تمام یہ فقیر یہاں پر تحریر نہیں کرسکتا کیونکہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ چکی ہے۔ اس لئے مجذوب بابا احمد علی کی کرامت کا ایک واقعہ جو ناگور راجستھان سے تعلق رکھتا ہے۔ جسکو ناگور کے کئی بزرگوں سے سنا ہے۔ بڑا دلچسپ اور تعجب خیز ہے پیش کردیتا ہوں جو حرف بحرف مجھے یاد ہے۔

ناگور کا ایک شخص جنکا نام موسیٰ جی تھا قوم سے چھنیپے تھے دنیا سے پیارے ہوگئے ان کے والد مرحوم جنکا نام اسمٰعیل جی تھا۔ جن کا واقعہ ہے کہ صوفی حمید الدین ناگوری رحؒ کی درگاہ کے محفل خانے کی دیوار کے پیچھے آج کے قریب نوّے سال قبل ایک تالاب تھا جسکو ہاپا ناڈی کہتے تھے بارش کے موسم میں اُس تالاب کے اندر پانی بھر جاتا تھا آج بھی یہ تالاب اُسی نام سے مشہور ہے۔ مجذوب احمد علی بابا ناف تک پانی کے اندر کھڑے ہوئے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر پانی گرا رہے تھے۔ دوسرے کنارے پر سامنے سے اسمٰعیل جی چھنیپے جنگل کی طرف سے آئے اور دیکھا کہ مجذوب احمد علی بابا سامنے والے کنارے پر پانی میں کھڑے پانی سے مستی کر رہے ہیں۔ تو اسمٰعیل صاحب نے اپنے دل میں سوچا کہ آج احمد علی بابا سے مذاق کے طور اس کنارے سے پانی میں غوطہ لگا کر احمد علی بابا کے نزدیک

جاکر نکلنا ہے۔ یہ سوچ کر اسمٰعیل جی چھینپے نے اپنے کپڑے اُتار کر بالکل برہنہ ہوکر
جس کنارے پر یہ کھڑے تھے پانی میں غوطہ لگا دیا اور جس دوسرے کنارے پر
سامنے بابا کھڑے تھے آپکے پاس جاکر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ بابا وہاں پر موجود
نہیں غائب ہیں۔ اِدھر اُدھر بابا کو دیکھنے لگے کہ اتنی سی دیر میں بابا کدھر چلے
گئے دور تک جب آپ نظر نہیں آئے تو اسمٰعیل جی نے جہاں کپڑے اُتارے
تھے دیکھنے لگے لیکن کپڑے بھی نظر نہیں آئے اسمٰعیل جی نے اِدھر اُدھر دیکھا تو
معلوم ہوا کہ میں تو میٹرتہ سیٹھ کے تالاب کے کنارے پر کھڑا ہوں اور یہ تو میٹرتہ سیٹھ
کا تالاب ہے۔ اب تو یہ بہت گھبرائے اور دل ہی دل میں اپنی غلطی پر نادم
بھی ہوئے حیرانی و پریشانی کی حالت میں ایک شخص آتا ہوا نظر آیا اُس راہ
گیر کا انتظار کرنے لگے۔ چونکہ برہنہ بدن تھے شہر میں کیسے جاتے اتنے میں
ایک شخص آتا ہوا نظر آیا اُس راہ گیر کو آواز دی کہ بھائی صاحب اِدھر آؤ اِدھر
آؤ اُس آدمی نے کہا کہ بڑے شرم کی بات ہے تم اتنے بڑے ہوکر برہنہ بدن
تالاب میں نہاتے ہو یہ کہتا ہوا وہ شخص گذر گیا اس طرح دو تین آدمیوں کا
اُدھر گذر ہوا مگر کسی نے اسمٰعیل صاحب کی طرف توجہ نہیں کی آخر میں ایک
شخص کا پھر اُدھر سے گذر ہوا جسکے کندھے پر ایک بڑی چادر پڑی ہوئی تھی
اسمٰعیل جی دوڑ کر اُس کے پاس پہونچے اور بڑی عاجزی و انکساری سے
عرض کرنے لگے کہ تمہاری یہ چادر مجھے دیدو آپکی بڑی مہربانی ہوگی وہ شخص
کہنے لگا کہ تمہارے خود کے کپڑے کہاں گئے۔ اس کے بعد اسمٰعیل صاحب نے اس شخص
کو تمام قصہ سُنایا وہ شخص بھی تعجب کرنے لگا اور اُس نے کہا کہ ایسے بزرگ
سے مذاق نہیں کرنی چاہیئے خیر اُس راہ گیر نے اپنی چادر اسمٰعیل جی کو دیدی
وہ چادر اسمٰعیل جی نے تہبند کی طرح باندھکر ننگ سر اور ننگ پیر وہاں سے

چل کر میڑتہ سیٹی شہر میں چھیپیوں کے محلے میں اپنے رشتہ داروں کے پاس پہنچے تمام رشتہ داران کو اس حالت میں دیکھکر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ کیا حالت بنائی ہے اور کہاں سے آرہے ہو اسمٰعیل جی نے تمام قصہ ان کو سُنایا ان کے ایک رشتہ دار نے گھر میں لیجاکر پہننے کے کپڑے اور ٹوپی جوتے وغیرہ دیئے اور کھانا بھی پیش کیا اور ناگور کا کرایہ ٹرین کا دیکر ناگور روانہ کیا اور ہدایت بھی کی کہ آئندہ ایسی غلطی مت کرنا ایسے مجذوب فقیر سے کبھی مذاق نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ میڑتہ سیٹی کے تالاب میں آکر تم نکلے اگر کہیں ہندوستان سے دور پہنچ جاتے تو واپس ہندوستان پہنچنا مشکل ہو جاتا خیر اسمٰعیل جی ٹرین میں بیٹھکر ناگور پہنچ گئے اور اسٹیشن سے پیدل اپنے گھر شہر میں جارہے تھے جب سہ باوڑی میں پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ احمد علی بابا برگدھ کے پیڑ کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں ادھر احمد علی بابا کی نظر اسمٰعیل جی پر پڑی تو احمد علی بابا نے آواز دی ارے اسمٰعیل اودر کا آ، اسمٰعیل جی گھبرائے اور فوراً اپنے جوتے ہاتھ میں لیکر وہاں سے بھاگ کر اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے اور گھر والوں کو تمام قصہ سُنایا سب اہل خانہ تعجب کرنے لگا۔

احمد علی بابا کے بعد اُن کے جانشین یعقوب علی شاہ ہوئے اُن کے بعد محبوب علی شاہ ہوئے اور اُن کے بعد ایک احمد نام کے مُلتانی آہنگر ہوئے اُن کے پاس حضرت احمد علی بابا چشتی کا شجرۂ بیعت میرے دیکھنے میں آیا میں نے اُن سے لیکر اُس کی نقل کرکے واپس دوسرے روز ہی احمد صاحب کو واپس لوٹا دیا جس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ آپ چشتیہ سلسلہ سے بیعت تھے جو خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ سے جاکر ملتا تھا مگر وہ نقل میرے پاس کہیں گم ہوگئی حالانکہ میں نے کتب خانے میں بہت تلاش کی مگر نہیں ملی اور احمد جی آہنگر اب

انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد یہ فقیر اُن کے لڑکے کے پاس گیا اور دوبارہ وہ تحریر طلب کی مگر اُن احمد جی آہنگر کے صاحبزادے نے جواب دیا کہ ہمارے پاس تو شجرۂ بیعت نہیں ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا اگر میرے یہاں ملجاتا یا احمد جی کے لڑکے دکھلا دیتے تو اُس شجرے کو میں یہاں پر تحریر کر دیتا۔ اُس شجرے کے گم ہو جانے کا افسوس ہے۔ آپکا مزار قلعے کی ڈھال سہ باوڑی (تین باوڑی) کے نزدیک ناگور میں ہے ہر سال آپکا عرس مبارک ہوتا ہے۔ زیر اد قاف کمیٹی صفر المظفر کی ۱۷ تاریخ کو۔ (قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور صـ۲)

یاد حضرت سید محمد کبیر اور انکی ہمشیرہ بی بی بائی قدس اللہ سرہ و رحمۃ اللہ علیہا

قلمی کتاب میں بحوالہ حکایات الصالحین لکھا ہے کہ حضرت سید کبیر الدین حسن اور انکی ہمشیرہ بی بی بائی۔ بڑے عارف باللہ تھے۔ سیر و تفریح کرتے ہوئے ناگور آ پہونچے اور یہیں پر سکونت اختیار کرلی۔ کہتے ہیں کہ آپکی عمر شریف ایکسو اسّی ۱۸۰ سال کی تھی۔ اس بزرگ شہر ناگور میں آپکے اخلاق و عادات کی وجہ سے یہاں کے کفار آپکے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہونے لگے۔ اور دین اسلام قبول کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ جماعت کفار آتی جاتی تھی اور مسلمان ہوتی تھی۔ آپکی اولاد اغوائے نفس کے سبب دنیا داری اور شرک میں مبتلا ہو گئی۔ اس سبب کو بیان کرنا موجب طعن اور بدنامی ہوگی۔ ان کا سلسلہ اُن سے جاری نہیں ہوا۔ آپکی وفات ۶۹۶ھ ماہ رجب المرجب کی بارہ ۱۲ تاریخ یوم چہارشنبہ کے روز ہوئی قبر آپکی ناگور شریف میں مقبرہ شمس خاں گورنر خانزادہ کے نزدیک مغرب کی جانب موجود ہے۔ جو بی بی بائی اور سید کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ آپکی ہمشیرہ بی بی بائی اپنے زمانہ کی کاملہ اور عارفہ تھی۔ (قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور صـ۲) لـ

یادِ راسو مائی

قلمی شجرۂ عباسیان ۔ افاضات[۱] حمید سے رقمطراز ہوں کہ ناگور شریف میں تین خاندان بہت بڑے جلیل القدر آباد تھے، سہروردی[۱] اولاد حضرت قاضی حمیدالدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، دوئم[۲] عباسیہ خاندان کے شجرۂ نسب میں لکھا ہیکہ یہ خاندان حضرت علی ابن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی اولاد سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس عباسیہ خاندان کے ایک بزرگ شیخ یوسفا عباسی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ مصر اپنی سلطنت ترک فرماکر ناگور مارواڑ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے ۔ اس خاندان میں بڑے بڑے عالم، فاضل اور عامل وکامل حضرات گذرے ہیں ۔ ان حضرات کی لڑکیاں قاضی حمیدالدین سہروردی اور سلطان التارکین صوفی حمیدالدین کی اولاد میں بیاہ شادیاں ہوتی رہی ہیں ۔ اور صوفی حمیدالدین ناگوری اور قاضی حمیدالدین ناگوری کی لڑکیاں خاندانِ عباسیہ سے منسلک ہوتی رہیں ۔ یہ سلسلہ عرصہ دراز تک چلا ۔ ۲۲ء سے قبل چند عباسی خاندان کے بزرگ ناگور میں موجود تھے ۔ آہستہ آہستہ یہ خاندان کم ہوتا چلا گیا اور کچھ ناگور سے بیرون ملک جاکر بھی آباد ہو گئے ۔ اس وقت عباسیہ خاندان کا کوئی فرد ناگور میں نہیں ہے ۔ ایک وقت تھا کہ ان تینوں خاندان کی اولاد کو راجہ مہاراجوں نے کئی زمینیں اور جاگیریں عنایت فرمائیں تھیں جن کی سندات ہندی فارسی کی فقیر حقیر کے پاس آج بھی موجود ہیں ۔ راسو مائی کے اہل خاندان جو کپڑے جولاہے کہلاتے ہیں یہ جولاہے (انصاری نورباف) کپڑ گڈھ سے آکر ناگور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے ۔ کپڑ گڈھ ملتان کے کسی قصبہ کا نام ہے ۔ اسلئے کپڑے نورباف کہلانے لگے ۔ ان کپڑے نساجوں

نے اس عباسیہ خاندان کے لوگوں کی خدمت میں رہ کر ان حضرات کی بڑی مدت کی اور عباسیہ خاندان کے بزرگوں سے علم حاصل کر کے یہ لوگ بھی عالم فاضل، اور عامل و کامل بن گئے۔ زمانۂ قدیم میں یہ خاندان محلہ قصابان جامع مسجد اکبری کے پاس آباد تھا۔ کسی وجہ سے اس محلہ کو ناپسند کر کے اجمیری دروازہ کی طرف جا کر آباد ہو گئے کیونکہ نوربافبھی یہاں پر آباد تھے۔ سوئم خاندان چشتیہ اولاد حضرت سلطان التارکین جو پہلے ہی سے ناگور میں شاد و آباد تھے مذکورہ بالا اس عباسیہ خاندان کا شہرہ بھی تمام ہندوستان میں تھا۔

انکی بڑی حویلی متصل ناگور بازار میں ابتک موجود ہے۔ ان ناگور کے سفید باف کپڑے جو جھیوری دروازہ اور اجمیری دروازہ کے درمیان رہنے والوں کا ربط و ضبط عباسیہ خاندان والوں سے زیادہ تھا۔ اسلئے ان کی صحبت میں دن رات رہ کر عملیات وغیرہ بھی ان عباسیوں سے سیکھ لئے تھے جسکی بدولت بڑی شہرت پائی انہیں سفید بافوں میں سے راسو مائی ہیں جو کہ باجڑ واڑہ کے نوربافوں میں بیاہی گئی تھیں ان دونوں نور باف قوموں میں کسی بات کو لیکر آپس میں کچھ ناچاکی پیدا ہو گئی جسکی وجہ سے ایک دوسرے سے رشتہ ہونا منقطع ہو گیا

ان راسو مائی کی نسبت قدیم سے مشہور ہے کہ مہاراجہ بخت سنگھ جی کے ہاتھی کی سواری کے وقت راسو مائی کے مکان میں ایک نیم کا درخت کھڑا تھا وہ راجہ کے لوازمہ کے گذرنے میں حارج ہوا۔ اس لئے مہاراجہ نے حکم صادر فرمایا کہ ہماری سواری واپس آئے جب تک اس نیم کو کٹوا دیا جائے۔ راسو مائی کو یہ خبر ہونے پر انہوں نے نیم کے درخت کو ایک کونڈہ کے نیچے چھپا دیا۔ جس وقت مہاراجہ بخت سنگھ کے آدمی نیم کے پیڑ کو کاٹنے آئے نیم کا درخت نہیں ملا۔ دریافت کرنے پر یہ

واقعہ مندرجہ بالا ظاہر ہوا۔ راسو مائی کی اس کرامت کے ظاہر ہونے پر مہاراجہ بخت سنگھ جی راسو مائی کے خاندان کے لوگوں کا خیال بہت رکھنے لگے تھے۔

ان راسو مائی کا مزار نجابندوں کی پول سے سامنے (شفاخانہ) موجودہ گرلس اسکول سے ملحق سرراہ ہے۔ اسی عباسیہ خاندان کے دو عمر رسیدہ بزرگ جنکی عمریں تقریباً اسّی نوّے برس کی ہو گئی ۱۹۴۷ء سے قبل حیدرآباد سندھ میں فقیر حقیر سے ملاقات ہوئی تھی یہ بزرگ روزانہ میری ہوٹل "سندھ سکندر" پر آتے اور گھنٹوں مجھ سے گفتگو کرتے رہتے تھے۔ ناگور کے ہمارے بزرگوں کے نام اور ناگور سے متعلق کئی حالات و واقعات ہمکو سناتے۔ اُن کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا وہ لوگ بڑے اہل علم معلوم ہوتے تھے جو کبھی ناگور کو ترکِ وطن کر کے سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اُن حضرات کے نام تو اب یاد نہیں رہے۔ ان عباسی بزرگوں کے زبانی بھی یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ وہ حضرات کہتے تھے کہ کینرے نوربافت جو ہمارے محلے میں رہتے تھے اُن کے بزرگوں نے ہمارے بزرگوں سے کافی علم حاصل کر لیا تھا۔ اور ان کینرے جولاہوں کے بارے میں بتلایا تھا کہ اُن کے ایک بزرگ ضیاءالدین نورباف ہوئے ہیں جو تمہارے دادا صوفی حمیدالدین ناگوریؒ کے مرید و خلیفہ بھی ہوئے ہیں ہمارے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر اس وقت فقیر کی عمر ۱۵ یا ۱۶ برس کے قریب ہو گی۔ صحیح کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ضیاءالدین نورباف باجر واڑے کے جولاہے تھے یا کینر گدّی جولاہے ثبوت کسی کے پاس نہیں ہے۔

حالانکہ یہ فقیر حقیر حقیقت جاننے کیلئے ناگور کے نور بافوں
سے کئی بار ملا کہ شاید کوئی ضیاء الدین نور باف رح کے بارے میں کوئی تحریری ثبوت
بتلا دے مگر کسی کے پاس نہیں ملا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے پاس ثبوت نہیں
ہے ایسے ہی ہوا میں تیر چلا رہے ہیں۔ جن حضرات نے کتابیں دکھلائیں اُن میں
محمد احسان صاحب انصاری اور اُن کے برادر امان انصاری صاحب ہیں جنکا
میں مرہون منت ہوں۔

جو انصاری حضرات غلط فہمی کے شکار ہیں کہ ہمارے دادا ضیاء الدین
نور باف کا مزار صوفی حمید الدین کے پائینتی کے بالکل ملحق ہے صحیح نہیں
وہ مزار تو صوفی صاحب کے چھوٹے لڑکے نجیب الدین کا ہے جو برادر کلاں
عزیز الدین کے بھائی ہیں جنکا بارہ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا آپکا ذکر
اس سے قبل فقیر تحریر کر چکا ہے۔ (شجرۂ نسب عباسیان، افاضات حمید ص ۲۷)

یاد شیخ عثمان بلخی علیہ الرحمۃ

قلمی کتاب (احسن تواریخ بڑی کمالو میں بحوالہ رسالہ مجا بد الکنار مشہدی
ع ۱/ ایک کتاب دیگر قلمی میں بحوالہ حکایات الکاملین تحریر ہے۔ کہ یہ بزرگ
گروہِ کاملین سے تھے۔ بغرض سیر و سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان میں تشریف
لے آئے حضرت خواجہ غریب نواز کے مزار اقدس پر حاضری دی وہاں پر صوفی حمید الدین
ناگوری والیٔ ولایت کا نام نامی اسم گرامی سنکر ناگور چلے آئے محلہ پیر بلخ ناگور میں
آپ نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو مسجد پیر بلخ کے نام سے مشہور ہے۔
حضرت ضیاء الدین نور باف مرید و خلیفہ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رح کے مزار
کے قریب ایک زمین دوز تہہ خانے میں یاد الٰہی کرتے تھے۔ بعد انتقال اسی

جگہ آپکو دفن کیا گیا آپ اپنی زندگی میں لوگوں کو دین الٰہی کا درس دیتے تھے ہزاروں
اشخاص آپکے ظاہری اور باطنی علم سے سیراب ہوئے ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں آپکا وصال ہوا
شوال المکرم کی اسی مذکورہ تاریخ کو آپکی فاتحہ ہوتی ہے بہت لوگ جمع ہوتے ہیں
ناگور میں پیر بلخی کے نام سے آپ زیادہ مشہور ہیں۔ آپکی تعمیر کردہ مسجد کی محراب
پر کوئی کتبہ نصب کیا ہوا نہیں ہے اسی مسجد کے صحن میں ایک پرانا کتبہ محفوظ
کیا ہوا رکھا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسی مسجد کا ہے یا کسی دوسری جگہ کا
حروف قطعی مٹ چکے ہیں کوئی پڑھ نہیں سکتا۔

آپکے نام میں اور وصال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ ایک کتاب قلمی میں آپکا
اسم مبارک شیخ ابراہیم ابن حضرت شیخ آدم بلخی لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ شہر بلخ
بخارا سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان اجمیر آئے اور اجمیر سے ناگور شہر میں
آکر یہیں پر قیام پذیر ہو گئے۔ ناگور کے خدا رسیدہ بزرگوں سے فیض حاصل کر کے
درجۂ کمالیت پر پہنچ گئے تھے۔ صوفی صاحب کے آستانہ عالیہ سے آپکو بہت
فیض ہوا۔ اپنی زندگی میں آپ نے لوگوں کو بہت فیض پہنچایا۔ اور بعد وفات
بھی آج تک آپکا فیض و کرامات جاری و ساری ہے جو اظہر من الشمس ہے۔
آپنے صوفی حمیدالدین ناگوری چشتی کے اس شعر

درویش نہ آنست کہ مشہور جہاں است ॥ درویش ہماں است کہ بے نام و نشاں است

پر زندگی بھر عمل کیا۔ کتاب قلمی بحوالہ رسالہ حکایات الصالحین میں لکھا ہے کہ ماہِ
رجب کی ۷ تاریخ بروز جمعرات ۷۷۷ھ میں اس دنیائے فانی سے رحلت
فرمائی۔ ایضاً احسن التواریخ بڑی کھاٹو قلمی میں بحوالہ رسالہ مجاہد الکفار میں
لکھا ہیکہ ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء شوال کی تین تاریخ وصال ہونا لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب
مزار مبارک آپکا متصل مقبرہ شمس خاں گورنر خانزادہ زندانی۔

محلہ پیر بلخ میں جانب مغرب زمین دوز تہہ خانے میں واقع ہے۔ ہندو مسلمان آج تک آپکے مزار اقدس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ناگور آسام اور مدراس کی ایک ہندو فیملی جسکی منت پوری ہونے پر لڈو کا ایک بڑا ٹوکرا لیکر آپکے مزار پر حاضری ہوئی میں نے خود اس پر فاتحہ لگائی۔ صحیح نام اور صحیح تاریخ وفات کیا ہے!۔ واللہ اعلم۔

احسن التواریخ بڑی کھاٹو ص۳۲ ۔ قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص۳

یاد حضرت شیخ بابا بدر قدس سرہٗ

قلمی کتاب اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ بابا بدر قدس اللہ سرہٗ العزیز۔ نام آپکا شیخ محمد عثمان بن حضرت شیخ حاجی محمد عبداللطیف القریشی بدری[1] سے کہتے ہیں کہ یہ شہر بدر سے سیر و تفریح کرتے ہوئے ناگور چلے آئے اور دیکھا کہ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کی ولایت میں کیسے کیسے محبوبان الٰہی آرام فرما ہیں اور کتنے ہی عبادت الٰہی میں مصروف ہیں۔ ملاقات کا شرف حاصل کیا اور ناگور ہی میں سکونت پذیر ہو گئے بھٹکے ہوئے لوگوں کو حق کے راستہ پر چلنے کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ لکھا ہے کہ آپ محفل سماع کے بڑے دلدادہ تھے۔ قصبہ روڈٹر ضلع ناگور میں کسی جنگ میں شہید ہو گئے آپکا سر مبارک روڈٹر میں ہے اور دھڑ ناگور میں ہے۔ ماہ ربیع الاول تاریخ ۲۱، بروز دو شنبہ ۷۸۹ھ میں آپکی وفات ہوئی آپکا مزار اقدس زیر فصیل قلعۂ ناگور جانب مشرق واقع ہے۔ یعنی قلعے کی ڈھال کے

---

[1] قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص۳ (بدر) شہر مدینہ منورہ کے ایک موضع کا نام ہے جہاں اسلام کی پہلی جنگ واقع ہوئی تھی۔ فیروز اللغات ص ۱۸۸۔

پیچھے ہے مسلمانان ناگور صبح و شام مزار پر حاضری دیتے ہیں اور زیارت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

یاد حضرت امام سید محمد نور قدس اللہ سرہٗ

کتاب اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ آپ ناگور میں سید امام نور قدس سرہٗ العزیز کے نام سے مشہور رہیں صحیح نام آپکا سید محمد نور بن حضرت امام سید محمد کبیر الدین حسین سلسلۂ نسب آپکا بحضرت امام سید محمد جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کافروں کے ساتھ جنگ و جدال کرتے ہوئے ناگور پہنچے بہت سے کفاروں کی گردنیں اُڑا دیں اس کے بعد انہی کافروں کے ہاتھوں خود بھی شہید ہو گئے وفات آپکی اوّل محرم الحرام یوم جمعہ ۶۰۷ھ متصل فصیل شہر ناگور جانب مشرق بیرون شہر دلی گیٹ ناگور واقع ہوئی مزار مبارک پر چھوٹا سا روضہ بنا ہوا ہے۔ اور آپکے مزار کے قریب ایک چشمۂ چاہ بھی ہے۔ شہر ناگور کی عوام صبح و شام آپکے مزار مبارک پر حاضری دیتے رہتے ہیں۔ کسی شخص کو کوئی مشکل پیش آجائے تو وہ چالیس روز تک آپکے مزار پر حاضر ہوتا رہے اور اپنا حال بیان کرتا رہے کہ اے خداوند کریم میرا دل پژمردہ ہو گیا ہے بحق وسیلۂ حضرت امام سید محمد نور سے میری مشکل آسان کر اور میری حفاظت فرما اور میرے دل کو شاد و مسرور کردے اور میری دلی تمنا بر لا۔ انشاءاللہ! چالیس روز پورے نہ ہونگے جس کے پہلے اُس کی مراد پوری ہو جائیگی۔ بارہا لوگوں سے سنا ہے کہ اس فقیر کے بزرگ بھی یہی کہتے آئے ہیں۔ سینکڑوں لوگ جا جا کر اپنا مدعا حاصل کرتے ہیں۔ ناگور کے چوڑی گر جو چوڑی بنانے کا پیشہ اختیار کرنے کی وجہ سے چوڑیگر کہلانے لگے۔ صحیح معنوں میں یہ حضرات

سید امام نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح النسب اولاد سے ہیں۔ آج بھی اس خاندان کے پانچ چھ گھر محلہ چوڑی گران میں شاد و آباد ہیں۔ اس کے علاوہ اس خاندان کے لوگ جودھپور، پالی مارواڑ، جالور، اجمیر شریف میں بھی اس خاندان کے لوگ آباد ہیں۔ (قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص ۳)

یاد حضرت نوگز شہید قدس اللہ سرہ العزیز

قلمی کتاب اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہیکہ حضرت نوگز شہید، نام آپکا شیخ محمد بایزید بن حضرت شیخ محمد مکی ہے اور آپ شیخ ابی مدین مغربی کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں بابا اسحٰق مغربی کھاٹو والے بھی اسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ شہر کیم کی جانب سے ناگور میں آئے۔ کہتے ہیں کہ یہ بھی حضرت سید امام محمد نور قدس سرہٗ کے ہمراہ ناگور آئے تھے۔ کفاران ناگور کی جنگ میں حضرت امام محمد نور قدس سرہٗ کے شامل تھے۔ کافروں کے ساتھ اسطرح جنگ کی کہ کافروں کے دونوں پاؤں پکڑ کر چیر دیا کرتے تھے یعنی دو ٹکڑے کر دیتے تھے اسیطرح ایک سو ستر کفار کو جہنم رسید کیا۔ ایک روز یادِ الٰہی میں مشغول تھے کہ اچانک کافروں کا ایک گروہ آپکے سر پر چڑھ آیا اور پتھر زنی کے ذریعہ آپکو شہید کر دیا۔ ان سے کرامات اور فیض اب تک جاری ہے۔ اپنے مزار اقدس پر آنے والے زائرین کو آپ برابر فیض پہنچاتے ہیں جو اظہر من الشمس ہے، آپکی وفات ۷ محرم الحرام بروز دوشنبہ ۶۰۷ھ ہجری کو ہوئی۔ قبر انور آپکی متصل مزار شریف حضرت سید امام نور قدس سرہٗ جانب مشرق لب سڑک دہلی گیٹ کے باہر واقع ہے۔ آپکے مزار کے چاروں طرف چار دیواری بنی ہوئی ہے۔
(قلمی کتاب یاد۔ داشت مزارات ناگور ص ۳)

یادِ حضرتِ ہفت حافظان قدس اللہ اسرارھم

کتاب قلمی اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ محبوبان کبریائی قدس اللہ اسرارہم۔ نام ان حضرات کے حافظ شیخ عبدالمجیدؒ اور حافظ شیخ عبدالرشیدؒ اور حافظ شیخ عبدالسعیدؒ اور حافظ شیخ عبدالحمیدؒ اور حافظ شیخ عبدالکریمؒ اور حافظ شیخ عبدالرحیمؒ اور حافظ شیخ العظیمؒ ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ خاص خداوند کریم کے بندوں میں سے تھے۔ تمام دن روزہ اور تمام رات شب بیداری میں گذارتے اور یہ حضرات ہر شب دو ختم قرآن شریف کرتے تھے۔ آج تک ان حضرات کی کرامات زندہ و جاوید ہے کہ اگر کوئی مرد یا بچہ کند ذہن۔ چہل روز تک ان کے مزار پر جاکر دعا کرے اور سات عدد سنگریزے ان حضرات کے مزارات سے اٹھاکر اور پانی سے دھوکر اس پانی کو نوش کرے تو آپکی دعا سے اس آدمی بالغ یا نابالغ کا ذہن کامل ہو جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی یادداشت واپس لوٹ آتی ہے۔ روایت ہے کہ یہ تمام برادر حقیقی تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ برادرانِ یک جدّی اور اہل قریش سے تھے۔ صوفی حمیدالدین حضرت سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ وفات ان تمام حضرات کی ایک ہی سال میں واقع ہوئی۔ لیکن مہینہ جدا جدا بتلاتے ہیں۔ اس طرح لکھا ہیکہ وفات شیخ عبدالمجید دوم ماہ رجب سنہ ۸۴۰ھ میں ہوئی اور وفات شیخ عبدالرشید تاریخ ۱۷ ماہِ رمضان المبارک سنہ ھٰذا اور وفات شیخ عبدالسعید اول ماہ محرم سنہ ھٰذا اور وفات شیخ عبدالحمید تاریخ ۳ ربیع الاول سنہ ھٰذا اور وفات شیخ عبدالکریم وزی قعدہ

سنہ ھذا اور وفات شیخ عبدالرحیم ۲۷ ماہ صفر المظفر سنہ ھذا اور وفات شیخ عبدالعظیم ۵ جمادی الآخر سنہ ھذا۔ مزارات ان تمام حضرات ہفت خانان کے متصل خانقاہ شریف حضرت سلطان التارکین صوفی حمیدالدین علیہ الرحمۃ جانب مشرق واقع ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان چھ مزارات کے نزدیک ہی ان کے استاذ فتح اللہ ملکزادہ بن خانزادہ احمد خان کا مزار ہے۔

کتبہ

بنا این مسجد و گنبد فتح اللہ ملکزادہ بن خانزادہ احمد خان در عہد خان اعظم محمد خان بتوفیق رحمان سنہ احدی عشر و تسعمایۃ۔ ترجمہ:۔ یہ مسجد اور ملکزادہ فتح اللہ بن خانزادہ احمد خان کا روضہ خان اعظم محمد خان کے عہد میں (خداوند) رحمن کی توفیق سے (سنہ ۹۱۱ھ میں) بنا۔

یہ کتبہ ۱۹۶۶ء میں نیاریوں کے محلے کے پاس اور تارکین صاحب کی درگاہ مبارک کے سامنے فصیل میں لگا ہوا تھا۔

15/35 A اے فی گرافیا انڈیکا عربین اینڈ پرسین سپلی مینٹ ۱۹۷۰ء ایچ چالیس پلیٹ VII بی ڈاکٹر زیڈ، اے، ڈیسائی۔

اس کتبہ کو مرحوم پیر رحمۃ اللہ صاحب رونق سلیمانی نے فتح اللہ ملکزادہ کے مزار پر نصب کروا دیا تھا۔ لہٰذا یہ کتبہ آج تک محفوظ ہے۔

(قلمی فارسی عین القلوب العارفین ۱۳۲۳ھ) (قلمی کتاب یادداشت مزاراتِ ناگور ص ۳ر۴۔)

یادِ حضرتِ بانکے پہلوان علیہ الرحمۃ

کتاب قلمی اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپکو بانکے شہید اور راجا قتال بھی کہتے ہیں نام آپکا حضرت شیخ محمد ابراہیم

ابن حضرت شیخ محمد عثمان ہے۔ خاندان عباسیہ ناگور سے تعلق رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ زراعت اور کاشت کاری کرتے تھے۔ اور یاد الٰہی میں دن رات بڑے ذوق و شوق سے مشغول رہتے۔ ایک روز اپنے کھیت میں بیٹھے یاد الٰہی میں مصروف تھے اچانک قزاقان نے چند مسافروں پر حملہ کر دیا۔ مسافر آہ و فغاں کرنے لگے اور آپکی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ للّٰہ ہمیں قزاقوں کے ہاتھ سے بچائیے ان مسافروں کی آواز آپکے کانوں تک پہونچی آپ اسی وقت اپنی شمشیر ہاتھ میں لیکر لٹیروں کے سر پر جا پہونچے اور ان لٹیروں سے کہا کہ ان کا مال ان کے سپرد کر کے اپنی راہ لو یہ الفاظ سنکر ان رہزنوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ چند قزاق آپکے ہاتھ سے قتل ہوئے پھر تو تمام قزاق ملکر آپ پر ٹوٹ پڑے چاروں طرف سے تلواروں کے ہاتھ مار کر آپکو شہید کر دیا۔ آپکی کرامتیں بہت سنی ہیں لیکن اس جگہ، ایک تحریر کرتا ہوں۔ کہ ایک حاکم جودھپور، حکومت ناگور حاصل کرنے کی غرض سے حضرت شیخ محمد ابراہیم عرف حضرت بانکے پہلوان کے مزار اقدس پر جا کر عرض کرنے لگا کہ یا حضرت میرے دشمن بہت طاقتور ہیں اور تعداد میں بھی بہت ہیں اگر میں اپنے دشمنوں پر غالب آجاؤں اور میرا دلی مقصد پورا ہو گیا تو میں آپکی مزار پختہ اور آئینہ کی مثال بنا دونگا۔ آپکی دعاء سے اُسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد میں کامیاب کر دیا اور اُس نے اپنے دشمنوں پر غالب آکر فتح حاصل کر لی۔ اُس کا دلی مقصد پورا ہونے پر اس حاکم جودھپور نے اپنے معماران کو بھیجکر آپکی خانقاہ تیار کروادی۔ کہتے ہیں کہ۔ آپکی قبر انور قطب کی جانب سے پھری ہوئی تھی معماران نے پرانی قبر شریف کو قطب کی جانب گھما کر صحیح کر کے چلے گئے جب صبح واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ مزار مذکور بطور سابق گوشۂ مشرق اور شمال کی جانب پھری ہوئی ہے۔ پھر دوبارہ مرقد مبارک شکستہ کو جانب

قطب کے گھمایا لیکن صبح پھر اُسی صورت میں پائی۔ الغرض لاچار ہوکر اسکو اپنی اصلی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں جب سے لیکر آج تک آپکی مزار مبارک رُخ قطب سے پھری ہوئی ہے۔ یہ کرامت ابھی تک موجود ہے۔ لہذا اسی سبب سے آپکو بانکے شہید کہتے ہیں صاحب کتاب کہتے ہیں۔ کہ بزبان ہندی منحرف کو بانکے ہی کہتے ہیں۔

بوقت شہادت آپکی عمر شریف چالیس کو پہونچ چکی تھی وفات آپکی بارہ تاریخ رجب المرجب ۱۰۳۲ھ تھا۔ خانقاہ آپکی شہر ناگور کے باہر جانب گوشہ مغرب اور جنوب برسر راہ لب سڑک جودھپور جانے والے راستے پر واقع ہے۔ (قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص ۴-۵) لہ

یاد حضرت حاجی ششتری علیہ الرحمۃ

قلمی کتاب اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہیکہ آپکا نام حضرت شیخ محمد اسحاق ابن حضرت شیخ محمد عبدالکریم الفاروقی عرف حاجی ششتری ہے آپ کراماتِ ظاہرہ اور مقامات عالیہ رکھتے تھے۔ اور پیشہ تجارت کرتے تھے۔ صاحبِ کتاب لکھتے ہیں کہ آپ روضۂ مبارک آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جاروب کشی کرتے تھے اور عمر مدید دراز تک روضۂ مقدسہ کی خدمت میں گذارے خداوند کریم نے بالعوض اس خدمت کے آپکا دل روشن کردیا۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض اثر سے ولی کامل ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ بزرگانِ دین سے فیض حاصل کرتے ہوئے ناگور آگئے بہت اولیاء اللہ ناگور سے ملاقات کر کے بڑے خوش ہوئے اور ناگور ہی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ لکھا ہیکہ حضرت شیخ فریدالدین نبیرہ صوفی حمیدالدین سلطان التارکین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی صحبت میں رہکر فیض باطنی

حاصل کیا۔ آپکی کرامت اور فیض ابتک جاری ہے۔

اس فقیر حقیر کاتب السطور نے بھی سنا ہے اور دیکھا بھی ہے۔ کہ جس کسی آدمی کے چہرے پر یا کسی بھی جگہ پر اگر مستے نکل آئے ہوں تو وہ شخص آپکے مزار پر جاکر عرض کرے اور چند روز آپکے مزار اقدس پر حاضری دیتا رہے انشاءاللہ چند دنوں میں ہی وہ مسّے کی بیماری سے شفایاب ہوجاتا ہے۔ اور تمام مستے خود بخود سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں بلکہ مستے کے نشانات تک بھی باقی نہیں رہتے اس کے بعد وہ شخص ایک بیگن اور ایک کھجور کی جھاڑو لیجاکر آپکے مزار شریف پر چڑھاتا ہے۔ آپکا مزار مبارک شہر ناگور میں چند ریگروں کے محلے میں آزاد چوک۔ نکاس میں مغرب کی جانب ہے اور مزار شریف کے اوپر ایک چھوٹا سا بڑا ہی خوبصورت سا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ آپ نے ۸۵ رسال کی عمر میں اس عالم فانی سے بلار جاویدانی رحلت فرمائی۔ آپکی وفات ۲۱ ر جمادی الاول بروز شنبہ ۷۳۳ھ میں ہوئی۔ (قلمی کتاب یاد داشت مزارات ناگور ص ۵-۶)

یادِ حضرت شیخ ناصرلول عرف قتّہ لول علیہ الرحمہ

نام آپکا حضرت شیخ محمد سعید الدین ابن حضرت شیخ نجم الدین القریشی الیمنی ہے کہتے ہیں کہ یہ ولایت یمن سے ناگور شریف میں تشریف لائے۔ تمام ہندوستان کی سیر کی لیکن اپنے رہنے کے لئے کوئی جگہ آپکو پسند نہیں آئی جب اجمیر شریف سے ناگور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوکر آپکے فیض روحانی سے مشرف ہوئے اور اسی جگہ کو پسند فرماکر ناگور ہی میں بود و باس اختیار کی۔ کہتے ہیں کہ یہ اپنے وطن یمن کے بہت بڑے امیر اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنا وطن یمن ترک کرکے فقیری اختیا

اور جتنی بھی دولت آپکے پاس تھی تمام فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کردی۔

مسلمانان ناگور نو عروس نکاح سے قبل سلام کرنے آپکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ اس کے حق میں دعاء فرمادیا کرتے تھے۔ وہی رسم آج تک چلی آرہی ہے۔ کہ ہر دولہا نکاح سے قبل آپکے مزار اقدس پر سلامی کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ آپکی خانقاہ صدر بازار کے درمیان واقع ہے۔ اور مرقد انور پر چھوٹا سا روضہ بنا ہوا ہے۔ آپ قادریہ سلسلہ سے نسبت رکھتے تھے۔ دن رات حالت وجد ذوق وشوق اور عشق الٰہی میں مشغول رہتے اور بحالت سُکر عشق (عشق کی مستی) میں ہمیشہ حق سے شاغل اور دنیا سے غافل رہتے۔ لہذا کسی کو بات کرنے کا موقع نہیں دیتے اسی وجہ سے آپ سے خلافت کسی کو نہیں پہونچی آپکی ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر شریف ہوئی۔ آپکی وفات ۱۱ محرم الحرام بروز چہار شنبہ ۹۶۷ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (قلمی یادداشت مزاراتِ ناگور ص ۶)

پادشاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

نام آپکا حضرت شیخ محمد عابد ابن حضرت شیخ محمد قاسم القریشی الشہیدی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہے۔ عرف شاہ شہید ایک شہدائے کبار سے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ ناگور پہنچے کفاروں کا زور شور تھا۔ آپکو نماز کیلئے اذان دینے سے منع کیا گیا جب حضرت نے وقت نماز اذان کا باآواز بلند آغاز کیا تو اذان کی آواز سنکر بڑی تعداد میں کفار سر پر چڑھ آئے اور اذان دینے سے منع کیا لیکن حضرت نے قبول نہیں کیا جسکی وجہ سے آپس میں تلوار چلنے لگی کہتے ہیں کہ چند کفار آپکے ہاتھ سے واصل جہنم رسید ہوئے اور حضرت

بھی جام شہادت پیکر ابدی نیند سو گئے۔ کسی شخص کو کوئی مشکل پیش آجائے
چالیس روز تک علی الصباح آپکے مزار اقدس پر جا کر اپنا حال بیان کرنے سے
اُسکا دلی مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اور کسی شخص کی مجال نہیں کہ آپکے مزار
انور پر ایک رات گذار دے۔ کہتے ہیں کہ چند لوگوں نے شب کو آپکے مزار پر رہنے
کی کوشش کی نہ معلوم کیا نظر آتا ہے کہ اپنی ٹوپی اور جوتے وہیں پر چھوڑ کر بھاگ
گئے۔ اس کے بعد زندگی میں کبھی رات میں آپکے مزار پر جانے کی کوشش نہیں کی
اس فقیر حقیر نے بھی سُنا ہے کہ شیر نظر آتا ہے۔ جب آپ شہید ہوئے اسوقت
شام کا وقت تھا۔ لہٰذا اس لئے آپکو شام شہید کہتے ہیں اور بعض یہ روایت
بیان کرتے ہیں کہ آپکا آبائی وطن ملک شام تھا۔ اور ملک شام سے ناگور آئے۔
لہٰذا وطن کی نسبت سے شام شہید کہلائے۔

سلسلہ آپکا نقشبندیہ ہے شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا
ملتانی القریشی قدس اللہ سرہٗ سے آپکا سلسلہ ملتا ہے۔ چونکہ آپ مرید شیخ
رکن الدین ابوالفتح ابن حضرت شیخ صدرالدین ابن حضرت شیخ بہاءالدین زکریا
ملتانی کے ہیں۔ آپکا مزار شریف گیندانی تالاب پر گوشہ شمال کی جانب ہے وفات
آپکی ستائیس ۲۷ جمادی الثانی بروز پنجشنبہ ۷۶۳ھ میں ہوئی۔ افاضات حمید
کتاب میں قاضی حمیدالدین سہروردی صدیقی ناگوری کے صاحبزادے لکھا ہے۔
پیر رحمت اللہ صاحب رونق چشتی عثمانی کہتے تھے کہ یہ ہمارے بزرگ ہیں واللہ اعلم
قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور۔ ص ۶-۷)

یادِ شیخ احمد عرف سلیم چشتی علیہ الرحمۃ

قلمی کتاب اول الذکر میں حکایات الصالحین کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت

شیخ احمد عرف سلیم چشتی ابن حضرت سید محمد عزیز الدین چشتی البخاری ثم ناگوری ہے
کہتے ہیں کہ یہ حسینی سید ہیں اور مشائخ کبار سے ہیں۔ اور نسب آپکا حضرت
سید الشہداء جگر پارۂ زہرہ قرۃ العین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرتضیٰ
رضی اللہ عنہ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے سولہ ۱۶ واسطوں میں جاکر
مل جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ ولایت بخارا سے سیر و تفریح کرتے ہوئے ہندوستان
میں پہنچے کراماتِ ظاہرہ اور احوالاتِ باہرہ رکھتے تھے۔ واسطے زیارت حضرت
خواجہ معین الحق والدین حسن سجزی قدس اللہ سرہٗ العزیز اجمیر شریف پہونچے
اور اجمیر شریف سے واسطے زیارت والی ولایت خلیفہ خاص حضرت شیخ صوفی
حمید الدین سلطان التارکین چشتی فاروقی ناگوری رح کے مزار انور پر حاضری دی
اور آپکی مزار اقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے آپکی متبرک اولاد سے بھی ملاقات
کی ناگور کی آب و ہوا پسند فرماکر اسی جگہ سکونت پذیر ہوکر یاد الٰہی میں
مصروف ہو گئے۔ کہتے ہیں آپ خلفاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس
سرہٗ سے ہیں۔ پانچ واسطوں سے آپکا سلسلہ آپتک پہونچتا ہے آپکا مزار انور ناگور
میں متصل گینانی تالاب غازی کھائدہ پر چار دیواری کے اندر ہے،
اس چار دیواری میں آپکے علاوہ تین قبریں اور بھی موجود ہیں۔ جو مزار مغرب
کی جانب ہے وہ حضرت شیخ احمد عرف سلیم چشتی کا ہے۔ اور جو اُن کے قریب
مزار ہے وہ آپکے خالہ زاد بھائی حضرت سید نجیب الدین قدس سرہٗ کا ہے۔ اور
دو مزار دوسرے جو آپکے برابر مشرق کی جانب موجود ہیں۔ ایک سید امین
الدین کبریٰ اور دوم سید علم الدین صغریٰ کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حقیقی بھائی تھے
اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بھائی بخاریٰ سے حضرت شیخ احمد عرف سلیم چشتی
کی زندگی میں آپ سے ملاقات کرنے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

اور یہیں پر آپکے پاس سکونت اختیار کرلی۔ وفات حضرت سلیم الدین چشتی ۱۱ نو شعبان بروز جمعہ ۸۷۷ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپکی عمر شریف ۱۱۲ سال کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب (بحوالہ قلمی کتاب یاد داشت مزارات ناگور ص ۸۷)

یاد شیخ محمد ابراہیم خاں غازی قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد ابراہیم خاں غازی ابن حضرت شیخ محمد عاقل قدس اللہ سرہٗ۔ کہتے ہیں کہ ناگور میں۔ آپکے اور کفاروں کے درمیان جنگ ہوئی جسمیں آپ شہید ہوئے۔ آپکا "سر" مبارک کٹ کر زمین پر گرا اسی سرزمین پر آپ کے سر مبارک پر شمس تالاب کے بیچ و بیچ ایک اونچے پشتہ پر آپکا مزار انور پختہ بنا ہوا ہے۔ کرامت "سر" مبارک کی شان بہت بڑی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ شمس تالاب پانی سے بھرجاتا ہے آپکے مزار شریف کی فصیل تک پہنچکر رک جاتا ہے۔ مگر یہ آپکی کرامت ہے کہ کبھی آپکا مزار پانی میں غرق نہیں ہوتا مزار کی فصیل تک ہی رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی رات کے وقت مزار "سر" مذکور سے مشعل کی طرح سے ایک نور ظاہر ہوتا ہے جو مزار شریف سے نکل کر شہر کے باہر جاتا ہے اور کچھ دیر ہونے کے بعد چند مشعلوں کے ہمراہ واپس لوٹ کر اپنے مزار شریف میں پوشیدہ ہوجاتا ہے۔

لکھا ہیکہ آپکا "سر" مبارک یہاں گرا یعنی ناگور میں بغیر سر کے آپکا تن مبارک گھوڑے پر سوار کفاروں کی فوج کے ساتھ جنگ و جدل کرتا ہوا اور کفاروں کی فوج کو قتل کرتے ہوئے اُن کے تعاقب میں پیچھے پیچھے چلتا ہوا متصل شہر ڈیڈوانہ تک پہونچ گیا وہاں کے لوگ بغیر سر کی نعش مبارک کو دیکھکر تعجب کرنے لگے اور دیکھا دیکھی کہنے لگے کہ بغیر سر کا مردہ انسان زندہ انسانوں

کا کام تمام کر رہا ہے۔ آپکے ہاتھ سے تلوار برابر چل رہی تھی اور کفار مرتے جا رہے تھے۔ آخر کار کفاروں نے تنگ آکر آپکے گھوڑے پر تیر چلانے شروع کر دیئے گھوڑا زخمی ہو کر گر گیا۔ اس گھوڑے اور مزار جسد بے سر" آپکا شہر ڈیڈوانہ سے دو میل دور پہاڑی کے اوپر بنا ہوا ہے۔ جسکو پیر پہاڑی کہتے ہیں۔

وفات آپکی ۱۶ یا دوم ربیع النور بروز سہ شنبہ ۸۰۳ھ میں ہوئی اس وقت آپکی عمر انچاس ۴۹ سال کی تھی۔ اور "سر" مبارک کا مزار ناگور میں شمسی تالاب کے نیچ و بیچ میں ایک اونچے پشتہ پر ہے۔

(قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص ۸-۹)

یاد ماموں اور خواہر زادہ قدس اللہ سرہٗ

نام آپکا ماموں صاحب کے حضرت شیخ محمد عنایت اللہ قریشی اور لقب ان کا حضرت وجیہہ الدین لکھتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ سید ہیں۔ اور ہمشیر زادہ حضرت شیخ محمد عظیم قریشی قندھاری کے ہیں۔ یہ قندھار سے اس شہر ناگور میں تشریف لائے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا پسند آنے کی وجہ اور ناگور کے بزرگوں کی محبت میں گرفتار ہو کر ناگور ہی میں سکونت پذیر ہو گئے بزرگانِ ناگور کے فیض سے درجہ کمالیت پر پہونچ گئے۔ کہتے ہیں کہ جو عورت درد زہ میں گرفتار ہو آپ کے آستانہ عالیہ کو پانی سے دھو کر وہ پانی پلا نے سے اسی وقت درد زہ سے چھٹکارا مل جاتا ہے آجتک بہت سی مستورات بچہ تولد ہونے کے موقع پر مزار شریف کے پانی کو لیجا کر استعمال کرتی ہیں شفا ملتی ہے۔ آپکا مزار شریف شمس خان دندانی کے مقبرے کے نزدیک شمس تالاب پر غروب کی جانب زیر شمسی جامع مسجد کے منارے کے نیچے موجود ہے۔ آپ ۶۹۹ھ ہجری تک حیات تھے لہ

یاد حضرت شیخ محمد عظیم اور شیخ عبدالکریم علیہما الرحمۃ

آپ محبوبانِ الٰہی سے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ ہندو تھے۔ زمانۂ حضرت قاضی حمیدالدین سہروردی صدیقی ناگوری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور مرید بھی ہو گئے۔ آپکے فیضِ روحانی سے درجۂ کمالیت تک پہونچ گئے تھے۔ کبھی کبھی شب کو آپکے مقبرے سے ایک شعلۂ نور نکلتا ہوا نظر آتا ہے جس سے پورا شمس تالاب روشن ہو جاتا ہے۔ آپکا مقبرہ فصیل کے اوپر شمس تالاب مذکور پر مشرق کی جانب ہے۔ جسکو ہندی میں ٹیٹہہ تالاب کہتے ہیں۔ جہاں پر توپیں پڑی ہوئی تھیں۔ وفات آپکی ۵۷۵ھ میں ہوئی حضرت محمد عظیم الدین اور عبدالکریم قدس اللہ سرّھما ہر دونوں کے مزارات ٹیٹہہ شمس تالاب قلندری فقیروں کے گھاٹ کے نزدیک ہیں۔ قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص ۹ تا ۱۰)

یاد حضرت میر سید محمود شہید رحمۃ اللہ علیہ

قلمی کتاب اول الذکر میں لکھا ہے کہ آپکا نام حضرت میر سید محمد نصیرالدین احمد ابن حضرت سید محمد عبدالرزاق بخاری رح اور لقب آپکا سید محمود شہید تھا۔ قلمی کتاب اول الذکر میں جہادِ روحانی کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ آپ اولیاء متقدمین سے تھے۔ بزرگی میں اعلیٰ مقام آپکو حاصل تھا۔ رفیع الشان صاحبِ تصرّف کرامت و عظمت و جلالت و ہمت عالی رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ خاص اولادِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ سوّلہ واسطوں سے آپکا نسب سرورِ شہدائے کربلا تک پہنچتا ہے۔ آپکا قدیم وطن بخارا ہے۔ آپکی شہادت کے بارے میں اس طرح لکھا ہے کہ جب آپ ملک ہند کی سرحد کی سیر کرتے کرتے بزیارت حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی

اجمیری قدس اللہ سرہٗ العزیز سے مشرف ہوکر واسطے زیارت صوفی حمید الدین ناگوری چشتی فاروقی قدس سرہٗ ناگور میں نزول فرمایا اور آپکی زیارت سے مشرف اور ممتاز ہوکر اپنے وطن بخارا واپس جانے کا ارادہ ترک فرماکر ناگور ہی میں سکونت پذیر ہو گئے کہتے ہیں کہ دن رات روزہ نماز میں گزارتے۔ ایک روز یاد الٰہی میں مشغول تھے کہ اچانک آہ و فغاں کے شور و غل کی آواز اس آل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہونچی اس آواز کے سنتے ہی آپ فوراً اپنے حجرہ شریف سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ سرکاری نوکر ایک مسلمان کو گرفتار کر کے مار پیٹ کرتے ہوئے اپنے حاکم ناگور کے پاس لیجا رہے ہیں۔ حضرت سید محمود شہید اُن سپاہیوں کے قریب پہونچے یہ سپاہی لوگ قوم راجپوت سے تھے۔ کہا کہ یہ غریب آدمی ہے اسکی غربت پر رحم کریں اور اسکو رہا کردیں اس بات پر حضرت کے اور راجپوتوں کے درمیان چوں چرا ہونے لگی ادھر وہ مسلمان زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ مجھ غریب کو اس بلا سے بچائیے حضرت مجھ پر مہربانی فرمائیے آپنے فوراً ان ظالموں کے ہاتھ سے اس مسلمان کو آزاد کروا دیا۔ ان سرکاری نوکروں نے ماجرہ اپنے حاکم سے جاکر کہہ سنایا اور آپکی شکایت کی کہ اس درویش آدمی نے زبردستی اُس مسلمان کو ہمارے سے آزاد کروا دیا حاکم بدشعار نے غصے میں آکر کہا کہ اُس درویش کی یہ جرأت! جاؤ اُس درویش کو قتل کردو سرکاری کام میں دخل اندازی کرتا ہے۔ اس کے بعد اُس حاکم ناگور کے حکم سے ایک مجمع کثیر آپکے سر پر آن پڑا۔ حضرت سید محمود نے بھی اپنی شمشیر میان سے نکالی اور کفاروں سے مقابلہ پر ڈٹ گئے بہت کفاروں کو جہنم میں پہونچا کر آپنے بھی شہادت کا جام نوش فرماکر ابدی نیند سو گئے۔ آپکا مزار شریف ناگور میں زیر قلعہ شمال کی جانب بازار کے بیچ قریب خندق قلعہ کی کھائی کے اوپر واقع ہے۔ چھوٹی سی چار دیواری

بھی بنی ہوئی اور پرسے کھلا ہوا ہے - آپکی وفات ماہ رمضان المبارک بروز دوشنبہ ۸۳۰ھ میں ہوئی واللہ اعلم۔ آپکی ایک کرامت بہت مشہور ہے۔

روایت ہیکہ ایک شخص قوم سے ہندو تھا جسکو رام لال مہیسری بھی کہتے تھے۔ سید السادات منبع الفیض والبرکات امیر الفضلائے وسید الشہدائے حضرت سید محمد نصیر الدین احمد بخاری الملقب بہ سید محمود شہید قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بہت عقیدت رکھتا تھا اور ہر وقت آپکی خدمت اقدس میں حاضر رہتا۔ کہتے ہیں اُس مہیسری کے اولاد نہیں ہوتی تھی جسکی وجہ سے یہ ہندو مہیسری حیران و پریشان اور مایوسی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں پہونچا اور دن رات آپکی خدمت بجالاتا اور کبھی کبھی آپکی خدمت میں عرض کرتا اے غریبوں کے دستگیر اور بے کسوں کے چارا ساز میرے دل کا سفینہ تباہی کے سمندر میں گر چکا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہیکہ میرے اس مطلب کے سفینہ کو ساحل تک پہنچا دیجئے۔ مگر حضرت نے اُسکی طرف کبھی توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت بعد نماز ظہر واعظ فرما رہے تھے وہاں یہ شخص ہندو مہیسری بھی حاضر خدمت تھا۔ اس مہیسری پر اچانک حالت (وجد) غمگینی بیخودی) سی ظاہر ہوئی اس نے اپنی نظر کو آسمان کیطرف کی اور اپنی آنکھوں کو بند کر کے جب کھولا تو کہنے لگا کہ میں اللہ کا بندہ ابھی لوح محفوظ کا مطالعہ کر کے آیا ہوں لوح محفوظ کے درمیان میرے لئے نو طفل لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد عرض کرنے لگا کہ اے دردمندوں کے دستگیر اور اے بیکسوں کے چارہ ساز اب کیا ڈر ہیکہ بندہ کا ہاتھ آپکے دامن تک پہونچ گیا ہے حضرت کے پاؤں کی خاک کو لیکر اپنی آنکھوں میں ڈالی اُسی وقت فیض وکرم کے دروازے اُس پر کھل گئے حضرت نے کہا کہ لوح محفوظ میں نو ۹ لکھے ہیں اب کیا ڈر ہے۔ یہ سب میری

زبان فیض اثر سے لکھے گئے ہیں جلدی جا اور ساتٌ خرما اور تین سیاہ مرچ
کے دانے لیکر آ۔ وہ میسری ہندو فوراً لیکر حاضر ہوا۔ اُن خرما اور مرچ کے دانوں
کو آپ نے اپنے ہاتھوں میں لیکر کچھ پڑھکر دم کیا اور واپس اُس میسری۔ کو عنایت
فرماکر کہنے لگے کہ اس خرما اور سیاہ مرچ کو لیجا کر اپنی زوجہ کو کھلا اللہ تعالے
کے فضل و کرم سے تیری زوجہ کے سات لڑکے اور تین ۳ دختر پیدا ہونگی۔ اس خبر
فرحت اثر کو سُنکر وہ حضرت کے قدموں میں گر گیا اور خوش ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت
نے مسجد کے صحن کی پاک مٹی لیکر اسکو عنایت کی اور فرمایا کہ اپنی زوجہ کو دیکر
کہنا کہ اس خاک کو مثلِ تعویذ بنا کر اپنی ؟ میں باندھ لے اس کے بعد اُس
قادر مطلق کا تماشہ دیکھ کہ وہ کیا کرتا ہے انشاءاللہ حسب الحکم اُس رہبر دوجہان
کے تیرے ہفت فرزند اور تین لڑکیاں پیدا ہوں گی۔ ویسا ہی ہوا۔ جیسا کہ حضرت
نے فرمایا تھا۔ یہ کرشمۂ قدرت دیکھکر وہ "میسری" معہ اپنی زوجہ اور اُس کے
تمام خاندان کے لوگوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا۔ کہتے ہیں کہ اسی
روز تیتیس ۳۳ اشخاص اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اُس ہندو میسری
کا ہندی نام بدل کر اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ کہتے ہیں کہ اس عبداللہ کی اولاد
ابتک ناگور میں جاری وساری ہے اور اسکی اولاد حضرت سلطان التارکین صوفی
حمیدالدین چشتی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدّام کہلاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
(قلمی کتاب یادداشت مزارات ناگور ص ۱۰-۱۲)

یاد حضرت غیب نا غازی علیہ الرحمۃ

قلمی کتاب اولالذکر میں جہادِ روحانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ۔ نام آپکا حضرت
محمد کبیرالدین ابن حضرت شیخ محمد عثمان مغزلی الملقب بہ غیب نا غازی کے اس

لقب سے آج بھی ناگور میں آپ مشہور و معروف ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت کفاروں کا ناگور میں عروج تھا۔ اسوقت آپ ناگور میں وارد ہوئے تھے اور یہاں کے والیٔ ولایت صوفی حمید الدین کے آستانۂ عالیہ سے اور دیگر اولیاء عظام سے ملاقات ہوئی ناگور کے بزرگوں کے خلوص و محبّت کی وجہ سے آپ ناگور ہی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یادِ الٰہی میں مشغول رہتے اور شب و روز محفل سماع سُنتے اور اُسی میں مست رہتے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے وجد کے اثر کا یہ عالم تھا کہ حالتِ وجد میں اگر کسی کافر پر آپکی نظر فیضِ اثر پڑتی تو اُسی وقت وہ شخص ایمان لے آتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس طرح بہت سے مُشرک اسلام کی دولت سے فیض یاب ہوئے۔ جب یہ خبر حاکم ناگور کے کان میں پہونچی تو حاکم ناگور نے کہا کہ اس دُرویش کو جلد سے جلد ہمارے شہر سے شہر بدر کر دیا جائے۔ اور کہا کہ آپ فوراً اس شہر ناگور کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ آپ نے ان مشرکوں سے فرمایا کہ یہ شہر تمہارا نہیں ہے بلکہ یہ شہر میرے خدا کا ہے جاؤ اور اپنے حاکم سے کہدو کہ یہ فقیر ہرگز یہاں سے نہیں جائیگا۔ جب یہ جواب حاکم نابکار کو ملا تو وہ غصّہ میں آ کر کہنے لگا کہ یا تو وہ فقیر چلا جائے اور اگر نہ جائے تو جلد اُسکی گردن اُڑا دی جائے۔ اس کے بعد بہت سے کفّار آپکے سر پر چڑھ آئے اور دور سے سنگ باری کرنے لگے آپ اس ظلم و زیادتی کے باوجود بھی صابر و شاکر رہے اور پتھر کھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتے رہے۔ اُسی وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے الہام ہوا کہ ان کفّاروں کو ڈھیل کیوں دے رہے ہو۔ آپ نے فوراً میان سے اپنی شمشیر کھینچ کر دین کے دشمنوں سے جنگ کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اسی جنگ کی ستّر آدمیوں کو جہنم میں پہونچا دیا۔ اس کے بعد آپ نے بھی جام شہادت نوش فرمالیا۔ وفات آپکی ۱۰۲۵ھ میں ہوئی صفر المظفر کا مہینہ

تھا۔ مزار آپکا ناگور میں گینانی تالاب کے اندر دروازۂ اسلام[1] کے سامنے زیر جامع مسجد اکبری کے نیچے منارۂ شمالی واقع ہے۔ آجتک آپکا فیض جاری ہے کسی شخص کی کوئی مراد پوری ہوتی ہے تو وہ شخص باجرے کے آٹے کا روٹ پکاکر لاتا ہے اور آپکی فاتحہ لگواکر تقسیم کرتا ہے اس فقیر نے بھی یہ رسم ہوتی اپنی آنکھوں سے کئی بار دیکھی ہے۔ بلکہ ہمارے اہل خاندان کے لوگ بھی اپنی منت بولتے ہیں اور مراد بر آنے پر باجرہ کے آٹے کے روٹ بناکر لیجاتے ہیں اور آپکی فاتحہ لگواکر لوگوں کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

قلمی کتاب اول الذکر یادداشت مزارات ناگور ص۱۱-۱۲) دیکھو حاشیہ بر ص۲۲۳

یادِ حضرت خواجہ عبدالسلام چشتی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالسلام چشتی سلیمانی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کا شمار بھی اپنے وقت کے کاملین میں ہوتا ہے آپ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ

---

[1]: دروازۂ اسلام:۔ اورنگزیب بادشاہ کی دور حکومت میں ایک دروازہ عقب مسجد حسین قلیخاں اکبری جامع مسجد کنارہ حوض گینانی پر شنشاہ میں باہتمام ڈونگر سی کوتوال کے "بنا گیا"۔ چنانچہ یہ کتبہ دروازہ پر کندہ تھا جسکو اب مزار غیب شاہ غازی کے سال کے دروازے پر لگوا دیا گیا ہے۔ "نقل کتبہ"۔ "ہو اللہ۔ بنا شد ایں دروازۂ اسلام درعہد ابو المظفر محی الدین محمد شاہ اورنگزیب عالمگیر بادشاہ غازی درعمل اقبال واجلال پناہ شہامت وتہور دستگاہ راجہ رائسنگھ ولد راؤ امرسنگھ دراہتمام حکومت پناہ ڈونگرسی کوتوال راجپوت گہلوت تاریخ ۲۹ شہر محرم الحرام سنہ ۱۰۷۶ھ

(احسن السیر مطبوعہ ۱۲۹۴ھ صفحہ ۳۱)

حضرت خواجہ شرف الدین چشتی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جنکا مزار مبارک ایروان شریف پنجاب میں ہے آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ کے تھے۔ خواجہ عبد السلام کے حالات پر کوئی مطبوعہ کتاب نظر سے نہیں گذری آپکے حالات قلمی کتابوں میں محفوظ ہیں جس کے لیئے یہ فقیر آپکی اولاد اور جانشین جناب پیر غلام حسین صاحب کی خدمت میں ۲ دو مرتبہ گیا اور عرض کی کہ اگر آپکے بزرگوں کے حالات میں کوئی قلمی کتاب آپ مجھے دکھلادیں تو میں اپنی کتاب میں آپکے بزرگوں کا ذکر خیر کردوں۔ مگر آپنے کوئی توجہ نہیں فرمائی اسلیئے یہ فقیر آپکے تفصیلی حالات نہیں لکھ سکا مجبور تھا جسکا افسوس مجھے بھی ہے۔ آپکا مزار شریف غازی کھاڈا ناگور میں مرجع خلائق ہے۔

	فرد اولاد خواجہ بزرگ جنکی شادیاں سلطان التارکین کے گھرانے میں ہوئی تھیں۔ خواجہ بزرگ نے اپنی زبان اقدس سے حضرت جدی الاعلیٰ خواجہ سلطان التارکین صوفی سے فرمایا کہ اے حمید الدین تمہاری اولاد اور ہماری اولاد ایک ہی ہے۔ کذافی مونس الارواح اردو مطبوعہ ۴۲۔ (مونس الارواح فارسی مخطوطہ ۲۶۲۔ مناقب الحبیب صہ ۱۹۲)
۱	سید نور الدین محمد طاہر بن بایزید بزرگ کی زوجہ محترمہ دختر پاک حضرت خواجہ مخدوم حسین ناگوری سے تھیں۔
۲	سید علم الدین بن خواجہ ابو الخیرؒ ایکی زوجہ کا نام رخیت النساء تھا جو اولاد حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھیں۔
۳	دیوان سید محمد کی زوجہ محترمہ وجیہہ النساء بنت شیخ نظام ناگوری نبیرۂ سلطان التارکین کی دختر نیک اختر تھیں۔

۴	سید تاج الدین ثانی بن سید وارث علی کی زوجہ زلف النساء بنت شیخ رضا محمد نبیرۂ صوفی حمید الدین رح کی دختر تھیں۔
۵	سید ناصر علی بن وارث علی ایضاً کی اہلیہ جمیعت النساء بنت شیخ نور الدین نبیرۂ سلطان التارکین کی دختر تھی۔
۶	سید عزیز الدین بن ایضاً کی بیوی رفیع النساء سلطان التارکین کی اولاد تھی
۷	سید لطف علی بن ایضاً کی شریک حیات امیر النساء بنت شیخ غلام علی نبیرۂ صوفی حمید الدین ناگوری رح کی اولاد سے
۸	سید صدر الدین بن سید زین العابدین کی زوجہ گلاب بی بی بنت شیخ جمال الدین بن کمال الدین نبیرۂ صوفی حمید الدین کی دختر تھی۔
۹	سید نجم الدین بن سید لطف علی (۷) کی بی بی بنت شیخ شہاب الدین نبیرۂ سلطان التارکین رح کی دختر تھی۔
۱۰	سید رستم علی بن ایضاً کی زوجہ فہیم النساء بنت شیخ الٰہی بخش نبیرۂ سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کی دختر تھی۔
۱۱	سید غلام حسین بن ایضاً " " " " "
۱۲	سید احمد حسام الدین بن سید علم الدین " " " " "
۱۳	سید رزق اللہ بن سید المعو اللہ کی شریک حیات لطیفہ بانو بنت شیخ نظام الدین نبیرۂ خواجہ سلطان التارکین رح کی دختر تھی۔
۱۴	سید اسد اللہ بن سید ابو الفتح کی دختر بی بی مہر النساء بنت شیخ جمال الدین بن شیخ نظام الدین نبیرۂ خواجہ سلطان التارکین رح سے بیاہی گئی تھی۔ معین الاولیاء ۱۲۸
۱۵	سید فیض الدین بن سید دیوان میز الدین کی زوجہ سعیدۃ النساء بنت شیخ جمال الدین بن شیخ نظام الدین ناگوری اولاد حضرت سلطان التارکین کی دختر تھی۔

فرداولادسلطان التارکینؒ جنکی شادیاں سجادہ نشینان اولادخواجہ اجمیریؒ کے خانوادہ میں ہوئی ہیں۔

۱	شیخ عبدالرزاق سکنہ جھن جھنوں کی زوجہ فخرالنسارجو سید محمدؒ دیوان کی دختر تھی
۲	شیخ محمدرضا ایضا زوجہ زیب النسا بنتِ سید مجیدالدین اجمیری کی دختر نیک اختر کی شادی شیخ محمد رضا ابن شیخ تقی محمد سے ہوئی تھی۔
۳	شیخ فقیراللہ کی زوجہ بی بی نورالنساء بنت سید جلال الدین نبیرہ خواجہ معین الدین چشتی کی دختر تھی۔
۴	شیخ عبدالقوی کی زوجہ سعادت بانو بنتِ سید حسام الدین اجمیری کی دختر تھی۔
۵	شیخ اصغرعلی کی زوجہ محترمہ ایمنہ بی بی بنتِ سید نظام الدین بن دیوان شاہ کی دختر تھی
۶	شیخ امان اللہ سکنہ ناگورشریف۔
۷	شیخ نوراللہ ایضاً کی زوجہ محترمہ فاطمہ بی بی بنت سید نظام اجمیری کی دختر تھیں

نوٹ :۔ حضرت شیخ امان اللہ اور حضرت شیخ نوراللہ فقیر حقیر کاتب التحریر صوفی محمدایوب تارک سجادہ نشین کے بزرگوں میں ہوئے ہیں۔ شجرۃ الابرار قلمی فارسی ص۵۴۸ سید نظام بن دیوان شاہ کی بڑی دختر نیک اختر ایمنہ بی بی جو شیخ امان اللہ بن شیخ محمد بن شیخ احمد بن شیخ المشائخ بندگی شیخ نظام بن شیخ منور بن شیخ میراں بڈھ بن شیخ سدید بن شیخ شمس الدین بن شیخ محمد بن شیخ وحید بن شیخ عبدالعزیز بن سلطان التارکین حمیدالدین صوفی الناگوری سعیدی فاروقی سے بیاہی گئی۔ (مناقب الحبیب ص ۱۵۳)

۸	شیخ امیرعلی (دونکاح) قمرالنساء، نجم النساء بنت سید لطف علی نبیرہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی دختران تھیں۔
۹	شیخ غلام محمد بن شیخ عزیز محمد بن شیخ عبدالرحمٰن ناگوری کی زوجہ محترمہ عزت بی بی بنت سید مجیدالدین بن سید مفرح الدین کی دختر تھیں۔ ۔ ۔ ۔

لمعات الانوار ظلمات الافکار ص اول۔ معین الاولیار فارسی مطبوعہ ص ۱۲۸۔ مناقب الحبیب ص ۱۵۳۔ ۱۵۴

فہرست کتب حصہ دوم ۲

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد دوم	سید مناظر حسین گیلانی
۲	سیر الاولیاء اردو ترجمہ	میر خورد کرمانی
۳	سیر العارفین " "	حضرت شیخ جمالی سہروردی
۴	اخبار الاخیار اردو ترجمہ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح
۵	سرور الصدور / نور البدور	ملفوظات صوفی حمید الدین ناگوری رح
۶	ماہنامہ منادی جشن نمبر ۶۷ ۱۹۹۲ء	خواجہ حسن ثانی نظامی
۷	شرف الانوار ملفوظہ	صوفی حمید الدین ناگوری
۸	مناقب الحبیب ترجمہ	حضرت نجم الدین چشتی سلیمانی
۹	رسالہ اصول الطریقت فارسی مخطوطہ	صوفی حمید الدین ناگوری رح
۱۰	گلزار ابرار	شیخ غوثی مانڈوی
۱۱	مرآت الاسرار اردو ترجمہ	شیخ عبد الرحمن چشتی
۱۲	رسالہ عشقیہ فارسی مخطوطہ	صوفی حمید الدین ناگوری رح

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۳	فارسی بیاض قلمی	ارشاد محمد عباسی ناگوری
۱۴	قلمی کتاب فارسی منظوم	فتح محمد عباسی ناگوری
۱۵	فوائد الفواد ترجمہ نظامی	امیر حسن علا سجزی صاحب
۱۶	شجرۃ الابرار قلمی فارسی مخطوطہ	نجم الدین چشتی سلیمانی فتحپوری
۱۷	مناقب التارکین فارسی مخطوطہ	حاجی نجم الدین پرواز فتحپوری
۱۸	تذکرۂ سلطان التارکین اردو	ریاضت علی حیدرآباد دکھن
۱۹	مقدمہ سرور الصدور	محمد انوار الحق حقی قادری
۲۰	اسلامک آرکیٹیکچر ہسٹری اینڈ آرکیٹیکچر آف ناگور	پرسی براؤن
۲۱	مجمع الاولیاء قلمی مخطوطہ	شیخ عبد الرشید مودود لاری چشتی قادری
۲۲	مناقب المحبوبین ترجمہ	نجم الدین چشتی سلیمانی
۲۳	طبقات ناصری جلد دوم	منہاج سراج
۲۴	بحر الانساب فارسی مخطوطہ	جعفر مکی رح

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۵	اشجار الجمال فارسی مخطوطہ	راجی محمد بن راجی یار محمد	۴۱	قلمی رسالہ فارسی مخطوطہ	صوفی حمید الدین رح
۲۶	نسب نامہ فارسی مطبوعہ سرور الانبیاء	〃 〃	۴۲	قلمی رسالہ فارسی مخطوطہ	صوفی حمید الدین رح
۲۷	رسالہ انساب قلمی شجرہ	خواجہ مخدوم حسین ناگوری	۴۳	دی جنرل آف دی ایشوری پرشاد انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری ۱۹۸۰ء	ڈاکٹر عبد الحلیم الٰہ آبادی
۲۸	تذکرۃ الانساب مطبوعہ	سید امام الدین گلشن آبادی	۴۴	تاریخی مقالات	پروفیسر خلیق احمد نظامی
۲۹	کنز الانساب	سید عطاء حسین ابو العلائی	۴۵	سلطان التارکین اردو ترجمہ کراچی	احسان الحق فاروقی
۳۰	رسالہ شرح عبد النبی	قاضی عبد النبی قاضی غلام محمد صاحب	۴۶	رسالہ سوال و جواب	احسان الحق فاروقی
۳۱	تاریخ طلوع بے غروب	حضرت محی الدین چشتی قادری	۴۷	تفسیر کشاف	
۳۲	حیات قاسمی المعروف شیخ جی بالی	قدرۃ اللہ خاں قاسمی ابو العلائی	۴۸	ماثر الکرام اردو	میر غلام علی آزاد بلگرامی
۳۳	معین الاولیاء فارسی مطبوعہ	سید امام الدین اجمیری	۴۹	نفحات الانس	عبد الرحمٰن جامی رح
۳۴	سعد الاخبار حصہ اول	〃 〃 〃	۵۰	رسالہ چہار منزل فارسی قلمی	صوفی حمید الدین
۳۵	مرأۃ الانساب	مولانا ضیاء الدین احمد دہلوی	۵۱	رسالۃ السماع فارسی قلمی	〃 〃
			〃	رسالۃ العشق فارسی قلمی	〃 〃
۳۶	گلزار وحدت اردو ترجمہ	حاجی نجم الدین چشتی سلیمانی	۵۳	رسالہ آیات القرآن	〃 〃
۳۷	تاریخ طبری جلد سوم ترجمہ	علامہ ابی جعفر جریر الطبری	۵۴	رسالۃ السلوک فارسی	〃 〃
			۵۵	فتاوائے حمیدیہ	〃 〃
۳۸	قوت القلوب	امام قشیری رح	۵۶	شرف الانوار ملفوظہ	〃 〃
۳۹	عوارف المعارف ترجمہ	شہاب الدین سہروردی	۵۷	ہفت ملفوظہ فارسی مخطوطہ	〃 〃
۴۰	کیمیائے سعادت ترجمہ	امام غزالی رح	۵۸	مجموعہ مکتوبات سرور الصدور	〃 〃

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۵۹	خزائن الفتوح	حضرت امیر خسرو رح
۶۰	ایپی گرافیا انڈیکا عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۶۷ء	ڈاکٹر ڈیسائی
۶۱	مرآۃ انگریزی لکچر	〃 〃 〃
۶۲	تاریخ مشایخ چشت	خلیق احمد نظامی علیگڑھ
۶۳	خیر المجالس انگریزی تمہید ایڈیٹر	خلیق احمد نظامی
۶۴	میڈیول انڈیا۔ اے مسلینی۔ Vol I ۱۹۶۹ء	〃 〃 〃
۶۵	تاریخ فیروز شاہی ترجمہ	سراج عفیف
۶۶	خزینۃ الفتوح غیر مطبوعہ	امیر خسرو رح
۶۷	سلک السلوک فارسی قلمی	ضیاء الدین نخشبی رح
۶۸	رسالہ برہان	خلیق احمد نظامی
۶۹	بزم صوفیاء	سید صباح الدین عبدالرحمٰن
۷۰	عشرہ مبشرہ	ضیاء الدین نخشبی
۷۱	کلیات وجزئیات	〃 〃 〃
۷۲	شرح دعائے سریانی	〃 〃 〃
۷۳	طوطی نامہ	〃 〃 〃
۷۴	شرح ضوء مصباح	کبیر الدین گجراتی
۷۵	مرآۃ سکندری فارسی مطبوعہ	حسن مآب سکندر ابن محمد منجھو

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۷۶	نثار الابرار	
۷۷	فیض الارواح	
۷۸	شجرۃ الکاملین	محی الدین
۷۹	الفاروق	شبلی نعمانی
۸۰	مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول	شیخ محمد قاسم کھٹوی
۸۱	تشیر احمدیہ	مولف قاسم کھٹوی
۸۲	تحفۃ المجالس	محمود بن سعد ایرجی
۸۳	اقبال نامہ جہانگیری	مرزا محمد عرف معتمد خاں
۸۴	ملفوظ لٹریچر	ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی
۸۵	سالانہ رپورٹ ایپی گرافیات ۱۹۵۵-۵۶ء	ڈاکٹر ڈیسائی
۸۶	ملفوظ لٹریچر سالانہ رپورٹ انڈین ایپی گرافیات ۱۹۶۹ء نمبر D ۱۶۱	ڈاکٹر ڈیسائی
۸۷	اصول بزدوی	فخر الاسلام ابوالحسن
۸۸	عربی فارسی سپلیمنٹ ۱۹۷۳ء	زیڈ۔ اے۔ ڈیسائی
۸۹	دی ریسرچ کتبات ۱۹۷۰-۷۱ء	ڈاکٹر ڈیسائی
۹۰	ہسٹری آف ناگور ہناریک مقالہ	ڈاکٹر محمد حلیم الہ آبادی ۱۹۸۱ء
۹۱	کیفیات	نیتی

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۹۲	ٹاڈ راجستھان	انگریز جیمس ٹاڈ
۹۳	راجپوتانہ کا اتہاس	ڈاکٹر گوری شنکر اوجھا
۹۴	ناگور ہسٹری اینڈ آرکی ٹیکچر ۱۹۹۳ء	لندن شکوہی
۹۵	تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین برنی
۹۶	تاریخ راجگان ہند دوم	نجم الغنی رامپوری
۹۷	سروے رپورٹ	مسٹر گرک انگریز
۹۸	اوراد قادریہ سنہ ۱۲۷۰ھ	سید خواجہ بخش
		ابن عبد الرشید
۹۹	ناگور اے غور گوئن کینگ ڈم پونہ سنہ ۱۹۴۱ء	ڈاکٹر عبد اللہ د چغتائی
۱۰۰	اپی گرافیا سپلیمنٹ عربی فارسی سنہ ۱۹۷	p 40 Plate VII & p 42 Plate VIII ڈیسائی
۱۰۱	دی ریسرچر نمبر ا کتبات اے ۳۸۹-۳۹۰ تا ۳۹۲ بریف ہسٹری آف ناگور دی	کیلاش چند جین
۱۰۲	اڑیسہ ہسٹاریکل ریسرچ جنرل حصہ ۲ شمارہ ۳	ڈاکٹر حلیم صدیقی
۱۰۳	نینسی کی کہیات حصہ دوم	نینسی

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۴	طبقات اکبری	نظام الدین
۱۰۵	ہسٹری آف شیر شاہ سوری	اقتدار حسین صدیقی
۱۰۶	اگم کا سوروپ اتہاس حصہ اول	ڈاکٹر حلیم صدیقی
۱۰۷	منتخب التواریخ	عبد القادر بدایونی
۱۰۸	الملفوظ حصہ دوم	اعلیحضرت فاضل بریلوی
۱۰۹	گلزار خانون اردو	سید عزیز احمد
۱۱۰	مفتاح الوصول 〃	حضرت خواجہ 〃
۱۱۱	معین الولایت 〃	سید راشد 〃
۱۱۲	مناقب الحبیب 〃	حاجی نجم الدین چشتی
۱۱۳	لمحات الانوار فی ذوالمسات الافکار	محمد عبد اللہ قادری
۱۱۴	فخر التواریخ	محمد رمضان علی جھنجھنوی
۱۱۵	سوانح عمری حضرت خواجہ محمد غوث	〃
۱۱۶	جوہر حامی	〃 مولانا سالک عزیزی
۱۱۷	ارغوان ابوالعلائی	غلام محبوب شاہ ابوالعلائی
۱۱۸	قلمی کتاب یاد دلشاد مزارات ناگور	ارشد محمد عباسی
۱۱۹	شجرہ نسب عباسیان قلمی	
۱۲۰	احسن التواریخ حصہ دوم	محمد صادق ابن قمر الدین
۱۲۱	فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین
۱۲۲	احسن السیر	محمد اکبر جہان

پیر صوفی محمد ایوب تارک چشتی فاروقی
سجادہ نشین درگاہ صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ، ناگور (راج)

دار الاشاعت
دربارِ چشتیہ صوفیہ حمیدیہ معینیہ شہر ناگور راجستھان

فہرست مضامین حصہ سوم

عہد اکبری میں ناگور ۷

ہمایوں بادشاہ کی جلا وطنی، جو شیر شاہ کے ہاتھوں عمل میں آئی، ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہمایوں کی قسمت میں شاہ ایران طہماسپ کی مہمانی لکھی ہوئی تھی حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے اکبر کی پیدائش امرکوٹ میں ہوئی جب سے لیکر اس کی عمر تیرہ[۱۳] برس سال تک ہمایوں بادشاہ اپنی عمر کے دن گنتے رہے۔ بالآخر ۱۵۵۵ء/۹۶۳ھ کے سال موقع پاکر دلی پر قابض ہو گئے اور اپنے وفادار دوست بیرام خان کو، جس نے ماچھی وارا کی لڑائی جیتی تھی شاہزادہ اکبر کا اتالیق مقرر کیا۔ بیرام اکبر کو لیکر سکندر خاں افغان کے خلاف پنجاب بھیجا۔ مگر ہمایوں کی عمر نے وفا نہ کی اور بیرام خاں نے کلانور میں اکبر کو تخت نشین کر کے وکیل مطلق کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے۔

(۱۵۵۵ء/۹۶۳ھ) اور (۱۵۵۶ء/۹۶۴ھ) میں پانی پت کی لڑائی میں ہیمو کی شکست اور قتل کے بعد افغانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ناگور پر بیرام خاں نے محمد قاسم خاں کو بھیجکر ناگور پر قبضہ حاصل کر لیا تھا لیکن ناگور سرکار کی حکومت کے لئے بقول ابوالفضل، محمد قلی خاں برلاس کو ۱۵۵۷ء/۹۶۵ھ میں بھیجا گیا۔ ۱۵۵۹-۶۰ء/۹۶۷-۶۸ھ میں ناگور میں ایک مسجد کی تعمیر کا پتہ لگتا ہے مگر اس زمانے کے انتظام مملکت کی کوئی تفصیل کا اندراج اکبرنامہ یا آئین اکبری میں نہیں ہے۔

۱۵۶۰ء/۹۶۸ھ میں اکبر بادشاہ نے ہوش سنبھالا تو اس سال میں دو واقعات پیش آئے۔ ایک تو یہ کہ اجمیر اور ناگور دونوں سرکاروں کو ملا کر ایک حاکم کے سپرد کیا گیا جن کا نام مرزا شرف الدین حسین درج کیا گیا ہے۔ اسی سال نوجوان بادشاہ اور بزرگ وکیل میں اَن بَن ہو گئی تو بیرام خاں آگرہ سے چل کر ناگور ہوتا ہوا، جو اُس وقت

مغل بادشاہت کی جنوبی مغربی سرحد تھی، بیکانیر کے راستے سے گجرات کیطرف جانا چاہتا تھا۔

ناگور میں آکر اُس نے مُہر سلطانی واپس بھیج دی، بادشاہ نے مُہر کو بیرام کے اور دے پیر محمد خاں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ خان بابا کو مکے کیلئے روانہ کر دیا جائے بیرام خان کو بہت بُرا لگا لیکن گجرات کے راستے میں راجا مال دیو راٹھور کا علاقہ پڑتا تھا لہٰذا بیرام خاں اپنے دوست کلیان مل بیکانیری کے پاس چلا گیا۔ بعد میں بیرام خاں کا قصور معاف ہوا اور ناگور تک بادشاہی فرستادے اُسکو پہنچانے آئے (حاجی محمد خاں اور ترسون خاں محمد قلی خاں برلاس ناگور کا پہلا گورنر تھا مگر ۱۵۶۰ء/۹۶۸ھ میں اکبر نے مرزا شرف الدین کو ناگور کی حکومت کے لئے چُنا اور اپنی بہن بخشی بانو بیگم کے ساتھ اُسکا نکاح کر دیا۔ اس انتظام میں اجمیر اور ناگور دونوں سرکاروں پر شرف الدین حسین کی حکومت تھی۔ اسی سال ۱۵۶۰ء/۹۶۸ھ میں بیرام خاں کا قصور معاف ہوا تھا۔ دوسرے سال ۱۵۶۱ء/۹۶۹ھ میں شرف الدین حسین نے بادشاہی حکم کی تعمیل میں راجپوتوں کو میڑتہ سے بے دخل کر کے میڑتہ کو شاہی حکومت میں شامل کر لیا۔ مگر اس سے زیادہ کوئی خدمت انجام نہ دے سکا۔ اُس کے مزاج میں پاگل پن اور سنک کو دخل تھا۔ لہٰذا ۱۵۶۲ء/۹ھ میں بادشاہ اکبر سے آگرہ میں ملاقات کرنے کے بعد ہی چُپ چاپ بلا اجازت اجمیر و ناگور کی طرف چل پڑا۔ شرف الدین کے دماغی خلل کی بات کو معلوم کر کے اکبر نے قابل اعتبار پنج ہزاری منصب دار حسین قلی بیگ کو خان کا خطاب دیکر اجمیر و ناگور کی حکومت سپرد کی۔ علامہ ابوالفضل لکھتا ہے کہ یہی خان کا خطاب بعد میں خان جہاں کے اعلیٰ خطاب میں تبدیل ہوا۔

حسین قلیخان ۱۵۶۲-۶۹ء / ۹۷۰-۷۷ھ

بادشاہی حکم تھا کہ شرف الدین حسین بھگوڑے کا پیچھا کیا جائے۔ اس کیلئے اکبر بادشاہ نے خاص خاص منصب داروں کو چن کر حسین قلیخان کی مدد کیلئے بھیجا شرف الدین جالور کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں سے بھی نکال بھگایا گیا۔

حسین قلیخان نے شرف الدین حسین سے نپٹنے کے بعد میڑتہ، تو شاہی حکم سے اُس کے سابق جاگیردار جگ مل کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر ۱۵۶۳ء / ۹۷۱ھ میں راؤ مالدیو راٹھوڑ کے جانشین چندر سین والی جودھپور پر چڑھائی کرکے بادشاہی فرستادوں معین الدین احمد خان فراز خودی اور مظفر مغل اور دوسرے لوگوں کی مدد سے بلا وقت ۱۵۶۴ء / ۹۷۲ھ میں جودھپور پر قابض ہو گیا کیونکہ چندر سین شاہی فوج کا مقابلہ کرنا مشکل جانکر جودھپور چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

اسکے اگلے سال ۱۵۶۵ء / ۹۷۳ھ کے ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہیکہ حاجی بداغ کے زیر حکومت فقیر حقیر کاتب السطور کے نانا حضرت شیخ سلیمان (سہروردی) نے مسجد کے منبر کی تعمیر کرائی جسکا مطلب یہ نکلا کہ ناگور کی سرکار کو اجمیر سرکار سے علیحدہ حیثیت دیکر ناگور کا گورنر حاجی بداغ کو، جن کا ذکر خیر ابوالفضل نے شاہ بداغ کے نام سے کیا ہے، مقرر کیا جا چکا تھا۔ اور جودھپور سرکار کا بادشاہ کے ہاتھ میں آجانے سے یہ ضروری ہو گیا تھا۔ (دیکھا ریسرچ سنہ ۱۹ صفحہ ۱۲۸ کتبہ نمبر ۲.۵)

راجستھان کے اتہاس میں ۱۵۶۲ء / ۹۷۰ھ کی اہمیت

۱۵۶۲ء / ۹۷۰ھ کے مندرجہ ذیل واقعات راجستھان کا سلسلہ اُس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ بہ عمر اٹھارہ ۱۸ سال بیرام خان کی اتالیقی سے ۱۵۶۰ء / ۹۶۸ھ میں آزادی حاصل کرکے

بادشاہ اکبر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیکر راجستھان کے نظم و نسق پر متوجہ ہوا۔ خان بابا کو ادہم خاں کے ہمراہ حرمین شریفین کے لئے رخصت کرنے ناگور تک جانے کیلئے بھیجا گیا۔ تو ادہم خان ناگور کے اطراف میں سارے علاقے پر متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد جب شرف الدین حسین کو ناگور اور اطراف کی جاگیر سپرد کی گئی تو اس کو اجمیر کی حکومت پر بھی فائز کر دیا گیا تھا۔ شرف الدین حسین نے آنبیر کے راجہ بھار مل پر چڑھائی شروع کر دی ۱۵۶۱ء ۹۶۹ھ تو اگلے سال ۱۵۶۲ء ۹۷۰ھ میں نوجوان، حوصلہ مند اور ہونہار بادشاہ اکبر کی درگاہ اجمیر کی حاضری زیارت کے موقع پر بھار مل نے اجمیر حاضر ہو کر بادشاہ کی ماتحتی قبول کر لی۔ یہ واقعہ کچھواہوں اور مغلوں کی تواریخ میں بڑا دور رس ثابت ہوا۔ ازیں وجہ کہ بھار مل کے ورثا، نہ صرف راجستھان بلکہ پورے ہندوستان میں بھی چھا گئے اور مغل بادشاہت کے سپہ سالار اور قابل اعتماد، منصب دار کی حیثیت سے اورنگزیب کے زمانے تک بادشاہوں کے ساتھ تعاون کرتے رہے (کتاب رگھوبیر سنگھ صفحہ ۴۰-۴۱)

مختصر یہ کہ اکبر کی زیارتِ اجمیر بابت ۱۵۶۲ء بڑی ہی فیصلہ کن رہی۔ اجمیر سے لوٹ کر سانبھر میں ۶ فروری ۱۵۶۲ء ۹۷۰ھ کے لگ بھگ بھار مل کی راج کماری کو اپنی ملکہ بنا کر گویا بادشاہ اکبر نے راجستھان کے راجپوت راج گھرانوں کے ساتھ نہایت قریبی رشتہ قائم کرنے کی ایک نئی داغ بیل ڈالی جو تقریباً ڈیڑھ سو ۱۵۰ سال تک بنی رہی۔ امیر کے ساتھ جودھپور بیکانیر جیسلمیر وغیرہ بھی کئی راجپوت خاندان اس عمل کے سہیوگی بنے رہے۔

اس کے بعد فتح میڑتہ واقع ہوئی اور یہ نیا علاقہ بھی شرف الدین حسین کو سپرد کر دیا گیا۔ اور اسطرح میڑتہ کا سابق رئیس جے مل اپنی جاگیر پر بحال ہو گیا سال بھر کے اندر اندر جب شرف الدین کی بغاوت پر اسکی ساری جاگیر حسین قلیخان کے ہاتھ آئی تو اس کا قلعہ میڑتہ بھی چھن گیا۔ اور وہ میواڑ جا کر رانا ادے سنگھ کا ملازم ہو گیا۔

ادھر، نومبر ۱۵۶۲ء (۹۷۰ھ) کو راؤ مال دیو کی وفات ہو گئی تو اُس کے لڑکوں رام (سوجت) اودے سنگھ (پھلودی) اور چندر سین (جودھپور) کی آپسی پھوٹ نے حسین قلیخان کا کام آسان کر دیا۔ اور اُس نے دسمبر ۱۵۶۳ء (۹۷۱ھ) کے آس پاس جودھپور پر چڑھائی کر کے قلعہ بآسانی فتح کر لیا اور اگلی دو دہائیوں تک قلعہ (مع) پرگنہ جودھپور مغلوں کے قبضے میں رہا۔ چندر سین جنوبی مارواڑ میں بھادراجون بیٹھے حکومت کرتے رہے۔

اس طرح ۱۵۶۲ء (۹۷۰ھ) تک مالوہ بھی اکبر کے ہاتھ آچکا تھا۔ پر راجستھان میں ۱۵۶۲ء کے بعد ناگور، جودھپور، جیتارن، اجمیر اور آمیر کے آس پاس کے سارے علاقے پر مغلوں کا ہی اقتدار تھا۔ جودھپور چھوٹنے کے بعد اب رہا سہا آزاد طاقت ور رئیس صرف میواڑ کا رانا اودے سنگھ ہی رہ گیا تھا۔ اور بس

حسین قلیخان پر جودھپور سرکار کی مزید ذمہ داری آچکی تھی البتہ تعمیرات کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسین قلیخاں کی دلچسپی سرکار ناگور سے متعلق کاموں میں بنی رہی اور جودھپور کی نئی سرکار کی نزدیکی ناگور ہی کی سکونت سے حاصل ہو سکتی تھی۔

چنانچہ اس وقت کے دریافت شدہ دو کتبے ایسے ہیں مثلاً ۱۵۶۴-۶۵ء (۹۷۲ھ) کا کتبہ اکبری مسجد جامع کا ہے مگر تعمیر کا کام اُس سے پہلے شروع ہو گیا علیٰ ہٰذا القیاس۔ اگلے سال ۱۵۶۵-۶۶ء (۹۷۳ھ) میں حسین قلیخان نے ایک باولی کی تعمیر قلعہ ناگور کے اندر کرائی جس میں ایک جھرنا اور اُس میں سترہ فوارے ہیں اور آج بھی وہ موجود ہے۔ اُسی سال کا ایک اور کتبہ خبر دیتا ہے کہ ۱۵۶۵-۶۶ء (۹۷۳ھ) میں حسین قلیخان کے فرزند خانزادہ جہانگیر قلی نے اسکو داغ مفارقت دیا جسکی قبر درگاہ صوفی حمید الدین رح میں جدید محفل خانہ کے نزدیک سنگ مرمر کی بنی ہوئی موجود ہے

اور اُسی پر کا یہ کتبہ۔ غرضیکہ اپنے سات سال کے دورِ حکومت میں حسین قلیخان نے بادشاہ اکبر کو چتوڑ کے گھیرے میں اور رن تھنبھور کی فتح میں کمک پہونچائی حتیٰ کہ بادشاہ نے اُس کے کارہائے نمایاں سے متاثر ہوکر ۱۵۶۹ء ۹۷۷ھ میں اُسے پنجاب کی گورنری پر فائز کر دیا اور ناگور کی حکومت کیلئے پنج ہزاری منصب دار خان کلاں میر محمد کو تعینات کر دیا۔

بادشاہ اکبر اعظم کا اوّل دورہ ناگور ۱۵۷۰ء ۹۷۸ھ میں

بادشاہِ اکبر کے کئی دورے پے در پے اجمیر شریف کی زیارت سے متعلق ہو چکے تھے ۱۵۷۰ء کے دورۂ اجمیر کے بعد جب شاہی پڑاؤ ناگور میں ہوا تو طبقاتِ اکبری کی تحریر کے مطابق شہر ناگور کے شمال میں شہر کے باہر اُسکی فوج کا قیام بتلایا گیا ہے۔ خان کلاں ناگور کے حاکم نے بادشاہ کی ضیافت کی۔ بادشاہ نے اس کے گھر میں قدم رنجہ فرمایا اور دعوتِ عظیم منعقد ہوئی۔

اہلِ ناگور نے ناگور میں پانی کی قلّت کے سلسلے میں معروض پیش کی کہ ہمارے شہر میں تین تالابوں کے پانی سے گذارہ ہے جسمیں سے کوکر تالاب میں مٹی بھر جانے کیوجہ سے لوگ اپنے اپنے گھر چھوڑ چھوڑ کے دوسری جگہ جا بسے ہیں۔ بادشاہ اکبر نے حکم فرمایا کہ فوج کے لوگ اور عہدہ دار ملکر اپنے اپنے حصّے کا کام بانٹ لیں اور کھودنے کا کام شروع کر دیں۔ دو تھوڑی سی توجہ سے وہ لمبا چوڑا تالاب سراب[۲] سے بڑھکر

---

[۱] ابوالفضل نے اکبرنامے میں گیندانی اور شمس تالابوں کے علاوہ تیسرے تالاب کو کر تلاؤ کی خبر دی ہے جسکے بارے میں اہلِ ناگور آج کے زمانے میں واقف نہیں ہیں۔ اقبال نامہ میں صرف دو تالابوں کا ذکر ہے۔ ناگور کا کوکر تالاب کا نام ناگور کی کسی تاریخی کتاب میں فقیر حقیر کے دیکھنے اور پڑھنے میں نہیں آیا۔

[۲] سراب۔ ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی۔ جمع سرابستان۔

بادشاہ اکبر کے حرم کے واسطے بھیجدیا تھا۔ حد تو یہ ہیکہ راؤ مال دیو کی ایک رنڈی زادی کا بھی اندراج بانکی داس کی کھیات میں کیا گیا ہے جو بادشاہی حرم میں داخل ہوئی۔ واللہ اعلم۔

راؤ چندر سین کو یہ اُمید بندھی ہوگی کہ اُس کی حاضری کے نتیجے میں جودھپور کا پرگنہ اُسکو بخشدیا جائیگا لیکن جب اُسکی یہ اُمید بر نہیں آئی تو اپنے بیٹے رائے سنگھ (جودھپوری) کو بادشاہ کی خدمت میں چھوڑ کر بہادر اجون کی طرف چلا گیا۔ بہر حال چندر سین کا شمار مستثنیٰ راجپوتوں میں ہوگا جنکے ساتھ ابھی تک مغل حکمراں کی دوستی یا قرابت داری نہیں ہوئی تھی۔ باقی خاص الخواص رؤساء کا اکبر بادشاہ کی ماتحتی میں آجانے سے بادشاہ کا مقصد پورا ہوتا تھا کیونکہ شاہ طہماسپ نے بادشاہ ہمایوں کو نصیحت آمیز رائے بھی دی تھی کہ اگر تمکو ہندوستان میں بعافیت تمام حکومت کرنی منظور ہے تو وہاں کے راجپوت رئیسوں کو دوست، ہمدرد اور ماتحت بناکر رکھنا۔ ہمایوں کو دی گئی اس نصیحت پر عمل اُس کے ہونہار بیٹے کے حصہ میں آیا اور اسطرح لمبے عرصے تک اکبر اور اکبر کے بعد آنے والے بادشاہوں نے اُس وقت تک راجپوتوں کے تعاون سے حکومت کی جبتک ان کی سیرت اور چال چلن نے اُن کا ساتھ دیا۔

اکبر بادشاہ کی گجرات مہم ۹۸۰ھ ۱۵۷۲ء میں

ہم دیکھ چکے ہیں کہ انتہائی حوصلہ مند بادشاہ اکبر نے خان بابا بیرام خاں سے چھٹکارا حاصل کرکے ایک دہائی کے اندر راجستھان کے علاقے کو اجمیر سے لیکر ناگور تک اور ناگور سے لیکر جیسلمیر تک اپنے زیر نگین کرلیا۔ گجرات کی سرحد ناگور سے ملی ہوئی ہے جو آب و ہوا، تجارت اور ثقافت کے علاوہ اس اعتبار سے بھی کشش

---

(۱) ہسٹری آف ناگور حصہ اول ص ۱۶۷–۶۹)

رکھتا تھا کہ کھمبات کے بندرگاہ سے حرمین شریفین کیلئے حاجیوں کی آمدورفت تھی شاید اسی مصلحت سے اکبر مغل نے اور اس سے قبل خلجی فاتح علاءالدین نے بھی اپنی فتوحات کا آغاز گجرات سے کیا تھا۔

اب جیسا کہ حسین قلیخان اور خان کلاں جیسے گورنروں کے ذریعے بادشاہی استقرار مارواڑ اور رجے سلیمیں جم چکا تھا بادشاہ نے گجرات فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا کیونکہ گجرات سے متصل مالوہ پہلے ہی فتح ہو چکا تھا اس مہم کی سرداری اور رہبری کیلئے قرعۂ انتخاب مارواڑ کے گورنر خان کلاں پر پڑا۔ خان کلاں کی سربراہی میں تقریباً دو درجن چنندہ جنگ جو اور نبرد آزما لوگوں کے ساتھ دس ہزار گھوڑوں کی فوج کر دی گئی کہ ایڈوانس گارڈ کے طور روانہ ہو جائیں۔ خود بادشاہ اکبر بہ نفس نفیس اجمیر شریف ہوتے ہوئے ناگور پہنچ گیا۔ (ستمبر ۱۵۷۲ء ۹۸۰ھ) پھلودی پہنچ کر اجمیر میں شاہزادہ دانیال کی ولادت کی خبر بادشاہ کو ملی۔ ناگور میں سترہ دن قیام کر کے فوج کو گجرات کیلئے تیار کرتا رہا۔

اس کے بعد دسمبر ۱۵۷۲ء میں باغی ابراہیم حسین مرزا بھگوڑا سرنال کی لڑائی میں شکست کھا کر ناگور پہنچا جبکہ ناگور کی حکومت کی ذمہ داری خان کلاں کی غیر حاضری میں اس کے فرزند فرخ خاں پر تھی۔ ابراہیم حسین مرزا نے ناگور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ فرخ خاں کی مدد کیلئے اسی وقت رائے سنگھ بیکانیری اور اسکے وہ ساتھی جنہیں بادشاہ گجرات روانہ ہوتے وقت جودھپور میں چھوڑ گیا تھا، ناگور آپہونچے اسکے علاوہ جیتسو کے جاگیردار رائے رام راٹھوڑ (فرزند رائے مال دیو) اور اسکے ساتھیوں نے بھی ملکر باغی ابراہیم کا پیچھا کیا جو ناگور کا گھیرا اٹھا کر بھاگ نکلا تھا۔ رائے سنگھ کے آپہونچنے پر فرخ خاں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا (جنوری ۱۵۷۳ء ۹۸۱ھ) رائے رائے سنگھ کے کہنے پر سبھی ساتھیوں نے ابراہیم مرزا کو کٹھوتی گاؤں میں گھیر لیا اور رائے رائے سنگھ

(قلب) کی طرف، رائے رام (داہنے) طرف اور میرک خاں کولابی وغیرہ (بائیں) طرف اپنا اپنا مورچہ سنبھال چکے تھے۔ آس پاس کے تالابوں پر باغیوں کا قبضہ تھا لیکن پیاس کی شدت کی وجہ سے ایک تالاب پر مغلوں کو بھی قبضہ کرنا پڑا۔ پہلا حملہ ابراہیم مرزا نے کیا تو رائے رام کو نشانہ بنایا اور میرک خاں کولابی اور رائے رائے سنگھ بھی یکے بعد دیگرے آگے بڑھے۔ ابراہیم مرزا اب مغلوں کی مقابل فوج کے آگے تاب نہ لا کر دلّی کی طرف بھاگ گیا۔[۱]

فتح گجرات کے بعد بادشاہ اکبر نے خانِ کلاں میر محمد کو گجرات ہی میں سرکاریں کی ذمہ داری سونپ دی تو ناگور میں فرّخ خاں کو، جو ابھی تک اپنے والد خانِ کلاں کی قائم مقامی کر رہا تھا، ناگور کا حاکم مقرر کیا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ فرّخ خاں لمبی مدت تک ناگور کی سرکار پر فائز رہا لیکن اُسکے زمانۂ اقتدار کے حالات کا علم نہیں ہے۔ آئینِ اکبری میں ابوالفضل خبر دیتا ہے کہ ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء میں فرّخ خاں کا ناگور سے تبادلہ ہو کر بنگال کی روانگی ہو گئی تو ناگور کی جاگیر راجہ بھگوان داس کچھواہا کے بیٹے مادھو سنگھ کے سپرد ہوئی (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء - ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء) مادھو سنگھ سے ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء میں تبدیل ہو کر ناگور سرکار رائے رائے سنگھ بیکانیری کے ہاتھ لگی۔ ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء - ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں[۲]

اکبری عہد کے بادشاہی سکّے

مندرجہ بالا واقعات کے علاوہ آئینِ اکبری سے اکبر بادشاہ کے ۳ نیسے کے سکّوں کا پتہ

---

[۱] فارسی مورخین کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحلیم صدیقی نے اپنی تاریخ ناگور میں مارواڑی ماخذوں کا بھی حوالہ دیا ہے (ص ۱۷۲) [۲] فرّخ خاں کے تبادلے کے بعد مادھو سنگھ اور رائے سنگھ کا ذکر فارسی کے ماخذوں کے علاوہ شری اوجھا کے راجپوتانے کے اتہاس میں بھی آگیا ہے۔ (ڈاکٹر حلیم صدیقی ص ۱۷۲)

لگتا ہے جو ناگور کی ٹکسال میں ڈھالے گئے۔ سلطان التمش اور سلطان بلبن کے ناگوری سکوں کے ذکر میں یہ فقیر حقیر کاتب السطور سلسلۂ سہروردیہ تیاّر ناگور المسمّٰی بہ تاریخ صوفیائے ناگور حصّہ اوّل میں کر چکا ہے۔ کہ شاید ناگور کی ٹکسال عہدِ چوہان سے چلی آرہی تھی مگر۔ خانزادوں کے زمانے میں ناگور سے سکے ڈھالے گئے ہوں اس کا پتہ نہیں لگتا۔ اب بادشاہ اکبر کے زمانے میں مارواڑ کو اہمیت دی گئی تو مارواڑ کی اسی پرانی ٹکسال (ناگور) سے اکبر بادشاہ کے تانبے کے سکے ڈھالے گئے جن کی تفصیل آئین اکبری میں اس طرح ہے کہ دام کے نام کا سکہ اکبری روپیہ کا چالیسواں حصّہ ہے۔ (یعنی ایک روپے کے چالیس دام آتے تھے) یہی سکہ اس سے قبل 'پیسہ' اور کبھی 'بہلولی' کہلاتا تھا۔ مگر اب دام کہلاتا ہے اس سکے کی ایک جانب ٹکسال کا نام اور دوسری جانب تاریخ درج ہے۔ محاسب (اکاؤنٹنٹ) لوگ دام کو پچیس[۲۵] حصّوں میں بانٹتے ہیں۔ ان پچیس[۲۵] حصّوں کے لئے جیتل کی اصطلاح ہے۔ ۲۔ دام کا نصف حصّہ دھیلا ۳۔ دام کا چوتھائی پاؤلا۔ ۴۔ دام کا آٹھواں حصّہ دمڑی کہلاتا ہے۔

تانبے کے سکّے ناگور کے علاوہ اجمیر میں بھی ڈھالے جاتے تھے (آئین اکبری) سکوں کے علاوہ ناگور کی خصوصیات میں آئین اکبری میں ناگور سرکار کے تیئس[۲۳] پرگنوں کا ذکر ہے جنمیں ایک پرگنہ اطراف ناگور یعنی ناگور خاص کے علاوہ بھدانا گاؤں۔ جائل۔ کھاٹو۔ ڈیڈوانہ۔ کمھاری۔ لاڈنوں۔ میڑتہ۔ چھ[۶] پرگنے تو اب بھی (کمھاری کو چھوڑ کر) تحصیلوں کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ صرف ایک پرگنہ فتحپور جھنجھنوں جو سرکار ناگور میں شامل تھا۔ اب علیحدہ ایک ضلع کی شکل میں ہے۔ باقی ماندہ پرگنوں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔

پیداوار سے متعلق علامہ ابوالفضل نے یکجائی طور پر صوبۂ اجمیر کے انگڑے

دیئے ہیں جس میں سرکار اجمیر کے علاوہ سرکار جودھپور، چتوڑ، رنتھمبھور کے علاوہ سروہی اور بیکانیر بھی شامل تھے۔

اونی کپڑوں کی قسموں میں ناگور بھی شامل کیا گیا ہے اور ابوالفضل لکھتا ہے کہ اونٹ (شتر) جانور دیگر مقامات کے علاوہ ناگور میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اس طرح آئین اکبری میں ناگور کا ذکر ختم ہوتا ہے۔ اب یہ فقیر حقیر کاتب الحروف ناگور قلعہ اور اکبری جامع مسجد کا مختصراً ذکر کر کے اس موضوع کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

اکبری عہد کی تعمیرات سب سے قدیم جگہ تو ناگور میں قلعہ ہی ہے اور یہی قلعہ ناگور بستی کی آبادی کا سبب بنا بادشاہ اکبر کے زمانے سے لے کر عہد افغانی تک کی کی تعمیرات اندرون قلعہ باقی نہیں رہی۔ عہد اکبری کے قبل کے ساڑھے چار سو برس پرانی تعمیرات کے اینٹ پتھر، بعد کے زمانے میں یعنی امر شاہی اور بخت شاہی زمانوں میں ایسا لگتا ہے کہ اس راٹھوڑی دور میں راؤں اور راجا دھراج کی عمارتوں میں استعمال ہو گئے۔ اکبری عہد کا جھرنا اور فوارے اس لئے بچ گئے کیونکہ مغلیہ دور سے راٹھوڑوں کا گہرا تعلق رہا ہے۔

اندرون قلعۂ ناگور کے جھرنے اور فواروں کے علاوہ اکبری جامع مسجد کا ذکر ضروری ہے کیونکہ اس کا ذکر نیو کیمرج ہسٹری آو انڈیا میں آ جانے سے اُس کے طرز تعمیر کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ یہ اُس زمانے کے شہر ناگور کے بیچ و بیچ واقع ہے اُس وقت شاہجہانی نام کی دو مسجدیں اندرون قلعہ اور بیرون قلعہ موجود نہیں تھیں۔ اور شمسی جامع مسجد، جامع مسجد ہوتے ہوئے شہر کے ایک گوشے میں الگ پڑتی ہے شاید اسی وجہ سے اکبری جامع کی تعمیر حسین قلیخان حاکم ناگور کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ لہٰذا فقیر حقیر مغل انڈیا کے طرز تعمیر کے تحت مسمات کیتھرین اے شرما،

کی تحریر کا خلاصہ اکبری جامع مسجد کے بارے میں پیش کرتا ہے:۔ کتاب کے حصۂ اول کے چوتھے شعبے میں موصوفہ عہد شیر شاہی کی قلعۂ ناگور کی مسجد کہنہ کا حوالہ دیتی ہوئی ناگور کی مسجد چوک تانسیان کا ذکر کرتی ہے۔ (۱۵۵۳ء / ۹۶۱ھ) فرماتی ہیں کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں راجہ مان سنگھ اور حسین قلیخان جیسے حاکموں نے تعمیری کام میں حصہ لیا۔ حسین قلیخان نے اپنی تعیناتی کے دو سال کے اندر اکبری جامع مسجد ناگور کی تعمیر کی جسکا کتبہ ۱۵۶۴-۶۵ء / ۹۷۲-۷۳ھ کے سال کا ہے۔ اس اکبری جامع مسجد کا معائنہ کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اکبر کے شروعاتی زمانے میں اکبر کے امیروں نے جو تعمیراتی کام کیا اس میں مرکزی روایات کی رعایت تو ہے لیکن مجموعی حیثیت سے اس کام میں مقامی کاریگروں کے ہاتھوں مقامی طرزِ تعمیر کی نمائش ہے۔ یہ اکبری جامع مسجد لاتعداد مذہبی یادگاروں پر چھائی ہوئی بین النسوف ایک راستے والی اور تین کمانچوں والی عمارت ہے جسمیں گنبد صرف ایک ہے۔ مشرق کی طرف کا سامنا اونچے پورے دو میناروں سے مزین کیا گیا ہے۔ جو دور کے فاصلے سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مسجد کے طرز تعمیر میں مسجد کا نقشہ اور محراب کے خانے اندر کو گھسے ہوئے۔ اتنا تو دلی کا حصہ ہے لیکن مسجد کا سامنا ناگور ہی کی پندرھویں صدی کی شمسی مسجد کا نمونہ ہے اور مسجد کے اندر جو منبر ہے چھتری دار وہ مانڈو اور چندیری کی مساجد جامع کی یاد دلاتا ہے۔ ایسا منبر مغلوں کی شاہی مسجدوں میں نایاب ہے۔

قبلے کی دیوار والا کتبہ بولتا ہے کہ مسجد والی عہد (یعنی اکبر کے زمانے میں تعمیر ہوئی) اور مسجد کیسی بنی کہ گویا فروع و اصول کا قبلہ ہے۔

فقیر حقیر کاتب الحروف تارک ناگوری یہاں پر ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے کتبے کے اشعار کی نقل پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے:۔

(۱-۲) در زمان ولی والی عہد ※ شاہ اکبر شہ بحق موصول

(۳-۴) خان مقبول دل حسین قلی ⁂ کہ نباشد چو او بحسن قبول
(۵-۶) مسجدے ہم چو کعبہ کرد بنا ⁂ کہ بود قبلۂ فروع و اصول
(۷-۸) منزل جملہ پاک دینانست ⁂ ہمہ پاکاں دراں کنند نزول
(۹-۱۰) جست تاریخ او وصالی گفت ⁂ "بیت" کل تقی حدیث رسول
(۱۱) مشقہ العبد المذنب الراجی درویش محمد الحاجی المشتہر بالرمزی۔

ترجمہ

(۱-۲) زمانے کے حکمراں کے دور حکومت میں، شاہ اکبر جو واصل بحق ہے۔
(۳-۴) خان حسین قلی ہر دلعزیز نے کہ جس کی مانند کوئی حسن قبولیت نہیں رکھتا۔
(۵-۶) کعبے کی مانند ایک مسجد بنوائی جو کہ فروع اور اصول کا قبلہ ہے۔
(۷-۸) تمام پاک دینوں کا گھر ہے جسمیں سبھی پاک لوگ (فرشتے) نزول کرتے ہیں۔
(۹-۱۰) وصال نے اُس کی تاریخ (تعمیر) تلاش کر کے کہی، کہ سبھی متقی لوگوں کا گھر ہے مطابق حدیث رسول کے۔
(۱۱) گنہگار بندے (رحمت کا) اُمیدوار درویش محمد حاجی رمزی نام سے شہرت یافتہ نے لکھا۔

اکبر بادشاہ کے اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے شیخ مبارک ناگوری کے ادھورے مضمون کو پورا کرنا ضروری ہے۔ فقیر حقیر شیخ مبارک کے خط بنام شیخ ابو الفضل فیضی مندرجہ دربار اکبری کا ترجمہ اس سے قبل جلد اول تاریخ صوفیائے ناگور میں پیش کر چکا ہے۔ یہ زمانہ شیخ مبارک کی زندگی میں آگرہ شہر کا زمانہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ مبارک اکثر اپنا دینی مسلک بدلتا رہتا تھا۔ اسلام

۱۔ پانچویں شعر کے دوسرے مصرعے کے مادۂ تاریخ در بیت کل تقی" سے ۹۷۲ھ مطابق ۱۵۶۴-۶۵ عیسوی۔ کا سال برآمد ہوتا ہے۔

شیر شاہ سور کے زمانہ میں مہدوی مسلک اختیار کیا اور اکبری عہد کے شروع زمانے میں ظلم سہے اس کے بعد نقشبندی پھر ہمدانی اور آخری عمر پر جب دربار اکبری میں ایرانیوں کی بھرمار ہوگئی تو شیعیت اختیار کرلی۔ اُس کی دو کتابوں تفسیر منبع العیون (چہار جلد) اور جوامع الکلام سے ظاہر ہے کہ شیخ مبارک غیر معمولی ذہانت کا جامع تھا۔ باپ کے خیالات اور تخیلات کا اثر بیٹوں پر بھی پڑا۔ بڑے فرزند شیخ ابوالفیض فیضی کی شیعیت کی وجہ سے شیخ عبدالنبی صدر نے فیضی کو اپنے دفتر سے بُری طرح نکال دیا تھا لیکن فیضی کی ادبی شہرت اکبر کے کانوں میں پڑی تو ۱۵۶۶-۶۷ء ۹۷۴-۷۵ھ میں فیضی کو دربار میں طلب کیا گیا تھا۔ فیضی اور مبارک دونوں کے مخالفین، معاندین آگرے میں بہت تھے۔ عبدالنبی صدر کا برتاؤ دونوں کے ساتھ نہایت بُرا تھا۔ لیکن اکبر بادشاہ نے فیضی کے ساتھ رواداری کا معاملہ کیا اور تھوڑے ہی زمانے میں فیضی کو شاہی مصاحب کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اُس وقت فیضی نے عبدالنبی کے ساتھ اپنا بدلہ نکالا اور دربار میں ذلیل کرا کر چھوڑا۔ یہی زمانہ فیضی کے حسب و نسب میں طعن کا ہے۔ جس سے متاثر ہو کر فیضی نے اپنے باپ کو خط لکھا ہوگا۔ فیضی کا خط مبارک کے نام کا آج نایاب ہے البتہ خط کا جواب جو شیخ مبارک نے دیا اُس کا متن کہیں سے مولوی محمد حسین آزاد کو حاصل ہوا تو انہوں نے اپنی کتاب دربار اکبری میں درج کر کے اُس پر رائے زنی بھی فرما دی کہ فیضی کے دشمنوں نے اُسے لونڈی بچے کی اولاد کہا ہوگا۔ جس کی بابت فیضی نے والد سے رجوع کر کے جاننا چاہا۔ کہ اصلیت کیا ہے؟ شیخ مبارک نے اپنے جواب نامے میں اس طعن سے انکار نہیں کر سکے اور اُن کی تحریر سے یہ بات مترشح ہے کہ در پردہ دشمنوں کی مخالفت کی جڑ اُن کی والدہ تھیں۔ ظاہر ہے کہ رفتہ رفتہ یہ بات بادشاہ اکبر کے کانوں تک پہونچی ہوگی۔ اسی درمیان میں ۱۵۷۳ء ۹۸۱ھ میں

ابو الفضل برادر خورد کی قسمت نے بھی یاوری کی اور برادر محترم یعنی شاعر کے متوازی ابو الفضل کی شہرت منشی اور نثّار (اچھی نثر لکھنے والا) کی حیثیت سے بڑھی تو بقول روایت بادشاہ نے اس کا راز دریافت کیا۔ ابو الفضل نے جواب میں یہ دعویٰ کیا کہ میری والدہ خواجہ حسین اجمیری (دیوان وسجادہ نشین) کی والدہ کی بہن تھیں۔ دوسرے لفظوں میں خواجہ حسین کی والدہ ابو الفضل کی خالہ قرار پائیں۔

لہٰذا بادشاہ اکبر درگاہ اجمیر ۱۵۷۹ء ۹۸۷ھ کی اپنی حاضری کے دوران خواجہ حسین سے سوال کر بیٹھا کہ کیا تمہاری والدہ ابو الفضل کی خالہ ہیں؟۔ اگر ہیں تو دونوں حضرات آپس میں خالہ زاد بھائی ٹھہرے۔ اس پر خواجہ حسین اجمیری کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "کل مؤمن اخوۃ" (کل مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔) بادشاہ اکبر تو خاموش ہو گیا لیکن ابو الفضل کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ خواجہ حسین کو درگاہ اجمیر کی ذمّہ داری سے بے دخل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ پہلا الزام جو خواجہ پر لگا یہ تھا کہ یہ درگاہ شریف کا حساب کتاب رکھنے میں احتیاط نہیں برتتے ہیں۔ دوسرا الزام یہ تراشا گیا کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے اولاد کا کوئی سلسلہ نہیں چلا جیسا کہ اکبر نامہ میں درج ہے۔ بادشاہی حکم جیسکا رواج ایسے موقعوں کے لئے بن گیا تھا۔ یہ صادر ہوا کہ خواجہ حسین حج کو روانہ ہو جائیں چنانچہ "اطیعوا اولوالامر منکم" کی نصّ قرآنی کے تحت خواجہ صاحب ہندوستان سے روانہ ہو کر حرمین شریفین پہونچے اور وہاں عمر مستعار کے دن گذارنے لگے حتیٰ کہ سالہا سال کے بعد بادشاہ کو انکی یاد نے ستایا۔ ۱۵۷۹ء ۹۸۷ھ میں اجمیر شریف کی حاضری کے بعد جب بادشاہ کی آمد ناگور کی ہوئی تھی تو بادشاہ پر ابو الفضل کا دباؤ اس قدر تھا کہ بادشاہ نے درگاہ صوفی حمید الدین جدّ اعلیٰ کی حاضری اور زیارت سے اپنے آپ کو محروم رکھا

جسکی وجہ صاف ظاہر ہے اوّل تو یہ کہ ناگور کے شیخ زادوں کی رشتہ داری خاندان معینی اجمیر سے قریبی تھی۔ دوسرے یہ کہ شیخ مبارک اور انکی والدہ کی پرورش میں شیخ خضر کی وفات کے بعد فقیر حقیر کے بزرگ صوفی خاندان والوں کا ہاتھ تھا اس فقیر کے بزرگوں نے اپنی لونڈی کے ساتھ شیخ خضر کے ساتھ نکاح کرا دیا تھا جس سے شیخ مبارک کی ولادت ناگور میں ہوئی۔

بہرکیف جس وقت خواجہ حسین اجمیری واپس ہندوستان تشریف لائے تو دربار اکبری کا کایا کلپ ہو چکا تھا۔ اکبر کو مسلمانوں کی کوئی طرفداری نہیں رہ گئی تھی روپیہ کی تنگی ہونے پر مساجد پر بھی ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور مسجد کے اثاثے سے فوجی رسالے کی تیاری کی جاتی تھی۔ سورج کی پوجا دن میں چار وقت ہوتی تھی اور خود بھی اکبر اپنی پرستش کرواتا تھا۔ دینِ الٰہی کا خاکہ تیار ہو کر نافذ ہو چکا تھا دینِ الٰہی کا سلام اللہ اکبر (اکبر اللہ ہے) اور جواب جلّ جلالہٗ (جلال الدین اکبر کا لقب) تھا اکبر کو یہ فقرے اتنے پسند تھے کہ سکّوں پر کھودے گئے اور اسکی شاہی مہریں بنوائی گئیں اور کتابوں اور فرمانوں کی سرخیاں ان سے مزین کی گئیں سالِ ہجری کی جگہ سالِ الٰہی اور مذہب کا نام دینِ الٰہی دیا گیا تھا۔ شروعات تو ہوئی تھی بادشاہوں کے الٰہی اختیار" سے پھر آگے بڑھکر بادشاہ کو زمانے کا مجتہد بنایا گیا تھا پھر خدا کا نبی اور خلیفہ اور بالآخر بادشاہ کو معبودیت والوہیت کی مسند پر بٹھا دیا گیا۔ (بدایونی) اتنا تو ۱۵۷۵-۷۶ء / ۹۸۳-۸۴ھ میں ہی ہو چکا تھا بادشاہ اکبر کو سجدہ کرنا اُس وقت ضروری ہو گیا تھا جس وقت کہ خواجہ حسین اجمیری دربار میں پیش ہوئے، لیکن اُنہوں نے سجدے کی بجائے سلام کیا اور خاموش کھڑے رہے۔ یک نہ شد دو شد۔ اس دوسرے قصور پر بھکر (سندھ) میں نظر بند کر دیئے گئے جہاں اس مسلک کے دوسرے علماء اور دیندار اتقیاء اکھٹے تھے۔ مخدوم جہاں

مریم زمانی بیگم والدہ بادشاہ اکبر نے سفارش بھی کی لیکن خواجہ حسین کو کیسے رہا کیا جا سکتا تھا کیونکہ بیچ میں "توحید الٰہی" کے خلیفہ ابوالفضل علامی تھے جو اپنی خفت مٹانے کیلئے خواجہ حسین کے خلاف اس دور تک کاروائی کر بیٹھے تھے کہ درگاہ اجمیر شریف میں خواجہ حسین کی حویلی کو مسمار کرا کر مسجد تعمیر کروا دی تھی جو اکبری مسجد کے نام سے آج بھی موجود ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو لوگ ناپسند کرتے تھے مگر آج اس مسجد میں دارالعلوم قائم کر کے نماز بھی پڑھی جانے لگی ہے۔ بادشاہ اکبر کو بے دین کرنے میں دونوں بھائیوں فیضی اور ابوالفضل کا ہاتھ تھا اور مشورہ شیخ مبارک کا ہوتا تھا ابوالفضل کی انشاء پردازی کا ایسا دور دورہ تھا کہ بادشاہ اکبر کو اپنے وزیر پر پورا اعتماد رہتا تھا اور خاص سنجیدہ حالات میں ابوالفضل ہی سے مشورہ طلب کرتا تھا۔ علماء وقت کے ساتھ جنکو فیضی و ابوالفضل کے حسب و نسب پر طعن تھا، اُن سے یہ باپ بیٹے برسرِ پیکار رہتے تھے حتیٰ کہ ابوالفضل نے نہ صرف مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطانپوری کی دربار میں تذلیل کی بلکہ تمام علماء و مشائخ کا اس کو انکار تھا جس کے گواہ ملا عبدالقادر بدایونی ہیں چند روز میں اس نے ایک ایک کو ذلیل کر کے دربار سے نکلوا دیا تھا۔ اولیاءِ کرام کے خلاف بھی بے باکی اور شوخی سے باز نہیں آتا تھا۔ اس لئے خواجہ حسین اجمیری کو بھی خاطر میں نہیں لایا۔ آستانہ اجمیر کی تولیت اس الزام پر سلب ہو چکی تھی کہ ان کا نسب صحیح نہیں ہے کیونکہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہی باقی نہیں رہی تھی جسکے متعلق صاحب زادگان فتحپور (اولاد شیخ سلیم چشتی) نے بھی رہنمائی کردی تھی صدر و قاضیان زمانہ نے بھی محضر لکھکر دیا تھا شیخ محمد بخاری از سادات صحیح النسب متولی درگاہ حضرت اجمیر مقرر ہو گئے تھے اب خواجہ حسین پر الزام لگا کہ جے پور، جودھپور، بیکانیر کے راجگان کی مدد سے خواجہ حسین بادشاہ کے خلاف بغاوت کر کے اکبر سے حکومت چھیننا چاہتے ہیں جسکی وجہ سے جلا وطنی انکی ضروری ہو گئی تھی۔ خواجہ حسین عرف "بال چتی" مجرد تو تھے ہی اجمیر سے اُٹھے

اور چند خادموں کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچ کر سکونت پذیر ہو گئے۔ خواجہ حسین کی واپسی بالآخر حرمین شریفین سے کسی طرح ہوئی اس واقع کو اکبرنامے میں ابوالفضل نے نظرانداز کر دیا ہے۔
مختصر یہ کہ خواجہ حسین واپسی ہندوستان پر فتح پور سیکری میں طلب کیے گئے جہاں دین الٰہی کے آئین کے مطابق بادشاہ اکبر کو نہ تو سجدہ کیا اور نہ ہی دوسرے آداب شاہی کی پرواہ کی۔
نتیجتاً صوبۂ سندھ کے قلعۂ بکھر میں نظر بند کر دیئے گئے جہاں دین جدید کا سجدۂ تعظیمی ادا نہ کرنے کی پاداش میں فقراء و مشائخ دیگر مقید تھے۔ یہ خواجہ حسین کی پہلی نظربندی ہے۔
خواجہ حسین کی رہائی کیلئے مخدومۂ جہاں کی سفارش تو نہیں مانی گئی لیکن ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۲ء میں رائے عامہ کے دباؤ سے بادشاہ اکبر نے خواجہ حسین اجمیری کو بکھر سے فتحپور سیکری بلا لیا مع دیگر معتوبین علمائے دنیاساز کے جنہوں نے سجدۂ تعظیمی ادا کر کے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا مگر خواجہ حسین دربار میں خاموش کھڑے رہے۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن"
لہٰذا خواجہ حسین کو واپس بکھر کی نظربندی میں بھیجدیا گیا اس رعایت کے ساتھ کہ تین سو بیگھا زمین اخراجات کیلئے مہیا کی جائے۔ ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء مریم زمانی بیگم نے پھر سفارش کر کے رہائی دلانی چاہی مگر بے سود اس وقت عمر شریف حضرت خواجہ حسین کی اٹھہتر ۷۸ سال تھی اس دوسری نظربندی میں چھ ۶ سال مزید خواجہ حسین کو بکھر میں رہنا پڑا ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء میں اکبر نے کسی سفارش یا شرط کے بغیر خواجہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کر دیا۔ بقول ابوالفضل خواجہ حسین نے تقریباً تینتیس ۳۳ سال چند ماہ جلاوطنی اور قید مغل کی زندگی گذاری اب اجمیر جاکر جہانگیر کے ابتدائی دور تک سجادہ نشین رہے جہانگیر نے اپنی تزک جہانگیری میں درج کیا ہے کہ خواجہ حسین کو "با میعاد نیمہ سالہ ہزار روپے میں نے عنایت کیے" یعنی ششماہی وظیفہ عطا ہوا۔
ملا بدایونی اپنی تصنیف منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ خواجہ حسین جب وہ حجاز کے سفر سے واپس آئے تو نور کا تودہ (ڈھیر) لگتے تھے اور فرشتہ جسم

بقول دربار اکبری بحوالہ ملا بدایونی مدت سے درگاہ اجمیر کے متولی دیوان رہے تھے۔ اس سبب سے اعزاز و اکرام اور شان و شکوہ بادشاہانہ ہوگئی تھی۔ خواجہ حسین ۱۰۰۸ھ ۱۵۹۹ء کے بعد تین دہائیوں تک زندہ رہے۔ اور ۱۰۳۹ھ ۱۶۲۹ء میں ایکسو بیس ۱۲۰ سال کی عمر میں آپ نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۱۔

خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے احاطے میں سپردِ خاک کیئے گئے۔ عقیدتمندوں نے ۱۰۴۷ھ ۱۶۳۷ء میں سنگِ مرمر سے اُن کا مقبرہ تعمیر کیا۔ ایسا اونچا پورا گنبد نما مقبرہ کسی سجادہ نشین کے حصّہ میں نہیں آیا۔ ۱ دربارِ اکبری ص ۷۰-۳۷۱-۳-۳۹۹-۸۶۳-۸۶۴۔

اجمیر صوبے کے نام سے راجستھان ریاست کی تعمیر

ڈاکٹر رگھو بیر سنگھ مزید فرماتے ہیں کہ راجستھان پر اکبر کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے ساتھ دھیرے دھیرے آپ ہی آپ راجستھان صوبے کی تعمیر و ترقی ہونے لگی تھی۔ جو آگے چلکر اجمیر صوبے کے روپ میں پوری طرح منظم کیا گیا، ریاستوں کے رئیسوں کے اندرونی معاملات میں بادشاہی عملہ کسی طرح کا دخل نہیں کرتا تھا۔ ان ریاستوں کو چھوڑنے کے بعد صرف اجمیر اور ناگور اور رنؔ تھنبھور کی سرکار میں ہی بچ جاتی تھیں جنکو خالصہ میں شمار کرنا چاہیئے اور جہاں مغل بادشاہت کے براہ راست اثر و اقتدار کے تحت محکمہ مال سے متعلق قسم قسم کے نئے آزمائشی تجربے کیے جانے لگے ۱۵۷۵ء میں خالصہ پرگنوں کا مالی نظم و نسق براہ راست کرنے کی غرض سے اُن کا نیا تقاسم کیا گیا اور وہاں کی ساری زمین کی پیمائش کر کے زمین کی قسموں اور اُن کی پیداوار کے مطابق اسکا مقررِ کردہ لگان نقد داموں میں وصول کیے جانے کا قانون بنایا گیا اور لگان کی

لہ رن پہاڑ کو کہتے ہیں تھنبھور جوشن پوشن۔ یعنی جوشن پوشن پہاڑ۔ دربار اکبری ص ۸۱۳

وصولی کے لیے عامل مقرر کیے گئے جن کو کروڑی، کہا جاتا تھا۔ یہ ۱۵۷۵ عیسوی کا انتظام ہے جو اجمیر کے ساتھ ناگور کے کچھ خاص حصّوں میں نافذ کیا گیا تھا لیکن یہ تجربہ کامیاب نہ ہوا تو ۱۵۸۰ء میں کروڑی سسٹم کو ختم کر دیا۔

منصبداری نظام ۷۵-۱۵۷۳ء ۱۵۶۲ء میں راجہ بھگوان داس کچھواہا اور کنور مان سنگھ وغیرہ کی اکبر بادشاہ کی خدمت قبول کر لینے کے وقت سے ہی منصب داری کی جو روایات قائم ہوئی تھیں وہ چلتی رہیں اور راجستھانی رئیسوں کی قابلیت اُن کی عزت واکرام اور بادشاہت سے متعلق اُن کے میلانِ طبع اور خدمات کے لحاظ سے منصب بخشے جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا لیکن منصبداری سسٹم کا باضابطہ انتظام ۱۵۷۳ء سے لیکر ۱۵۷۵ء کے درمیان عملی شکل اختیار کر گیا۔ اب منصبداروں کو مختلف درجات میں بانٹ کر اُن کے سپاہیوں کی تعداد مقرر کی گئی تفصیل وار قانون قاعدے مرتب کیے گئے بادشاہی خدمت کیلئے رکھے جانے والے گھوڑوں کی شناخت کیلئے جانوروں کو داغ دینے کا قانون نافذ کیا گیا۔ اس تیاری کے بعد ۱۵۷۶ء میں میواڑ کے رانا پرتاپ کے خلاف اور دوبارہ ۷۹-۱۵۷۸ء میں بادشاہی فوجیں بھیجی گئیں۔ ۱۵۸۰ء میں عبدالرحیم خان خاناں کی صوبے داری کے دوران کروڑی انتظام کو بدل کر نیا مالی بندوبست کیا گیا اور لگان کے نئے نرخ لاگو کیے گئے۔ یہ نرخ ناگور سمیت خالصہ پرگنوں میں پیداوار کے ⅓ حصّے سے کسی حالت میں زیادہ نہ تھا جہاں تک وصول کا سوال ہے اس ⅓ کے نرخ سے کم ہی نقد وصول ہو پاتی تھی۔ اسی سال ۱۵۸۰ء میں اکبری بادشاہت کے بارہ صوبوں میں راجستھان کا صوبہ اجمیر صوبہ کے نام سے جانا گیا۔ اجمیر صوبے میں سات سرکاریں اور ناگور سرکار میں ۳۱ پرگنے تھے۔ ناگور سرکار میں اُس وقت شیخاوائی کا کچھ حصّہ بھی شامل تھا۔

جسکو آئین اکبری کتاب میں فتحپور جھنجھانوں کہا گیا ہے

یہ صوبہ جاتی نظام اجمیر صوبے کا اٹھارویں صدی کے آغاز تک بادشاہ فرخ سیر کے دور بادشاہت تک چلتا رہا اس تبدیلی کے ساتھ کہ جے سلمیر کو بیکانیر سرکار سے الگ مان لیا گیا تھا۔ علیٰ ھٰذالقیاس پرگنوں کی تعداد بھی گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔

(باب ۱)

ناگور امر سنگھ راٹھور کی جاگیر میں ۱۶۰۰ء ۱۰۰۹ھ سے ۱۶۰۵ء ۱۰۱۴ھ

ناگور کے راٹھور جاگیردار رائے رائے سنگھ بیکانیری نے بادشاہ اکبر کے آخری پانچ سالوں میں شاہی خدمات بڑے اچھے طور پر وفادارانہ انجام دی تھیں مگر جہانگیر کی تخت نشینی پر جو انبیر کے کچھواہا ہے مان سنگھ نے اپنے بھانجے خسرو کو بادشاہ بنائے جانے کے لئے بادشاہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی تھی تو اُس کا اثر ناگور پر پڑے بغیر نہ رہا۔ ۱۶۰۶ء ۱۰۱۵ھ میں رائے رائے سنگھ اور دلیپ سنگھ باپ بیٹوں نے ملکر ناگور میں بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا تو جہانگیر نے راجہ بھارمل کچھواہا کے دوسرے فرزند جگناتھ کچھواہا کی مدد میں کئی منصبداروں کو بھیجکر رائے سنگھ اور دلیپ سنگھ باپ بیٹے کو شکست دی۔

رائے رائے سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا لیکن چار ماہ بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ جنوری ۱۶۰۷ء ۱۰۱۶ھ میں امیرالامراء شریف خاں کی معرفت بادشاہ کے سامنے حاضر ہونے پر نہ صرف اُسکا قصور معاف ہوا بلکہ امیرالامراء کی سفارش پر اُس کا منصب بحال رہا۔ ناگور اور ناگور کے علاوہ دوسری جاگیریں اُس کو پھر سے بخش دی گئیں (تزک جہانگیری، مآثرالامراء)

اس طرح ناگور سرکار کی جاگیرداری بیکانیر والوں کے قبضہ و اقتدار میں

رہتی آئی لیکن مارواڑی ماخذوں میں سے حلیم صدیقی نے یہ نئی جان کاری نکالی ہے کہ سنہ ۱۶۲۶-۲۷ء / ۱۰۳۶-۳۷ھ میں جودھپور کے وکیل بھگوان ساہ اسکرن نے بادشاہ جہانگیر کی حکومت کے آخری سال میں بادشاہ سے کہکر ناگور کی جاگیر اور منصب راجہ گج سنگھ کے جیٹھے کنور امر سنگھ کے نام لکھوائی۔ اس پر امر سنگھ راٹھوڑ راج سنگھ کو نیابت اور پندرہ سو سواروں کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت میں چلا گیا۔ لیکن دوسرے ہی سال سنہ ۱۶۲۷ء / ۱۰۳۷ھ میں بادشاہ نے ناگور جاگیر بیکانیر کے راجہ سور سنگھ کے نام کردی اور جہانگیر کے مرنے پر (سنہ ۱۶۲۷ء / ۱۰۳۷ھ) شاہ جہاں نے یہی جاگیر اپنے حاکم اجمیر خان خاناں مہابت خاں کے نامزد کردی جس کے عہد کی ایک مسجد کا کتبہ سردار میوزیم جودھپور میں محفوظ ہے۔ مورخہ سنہ ۱۶۳۰ء / ۱۰۴۰ھ اور دوسری مسجد جو اندرون قلعۂ ناگور میں نواب خانِ خاناں مہابت خان نے بنوائی وہ سنہ ۱۶۳۱-۳۲ء / ۱۰۴۱-۴۲ھ کی ہے۔

یہ قلعۂ ناگور موجودہ وقت میں مہاراجہ صاحب گج سنگھ دوئم (جودھپور) کی تحویل میں ہے مسجد اندرون قلعۂ ناگور کی محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے۔ عربی کی عبارت کے بعد۔

بنا کرد این مسجد بتوفیق اللہ تعالیٰ در عہد شاہنشاہِ عادل وخاقان معظم ومکرم ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قرانِ ثانی شاہ جہاں بادشاہ غازی اللہ تعالیٰ ملکہٗ وسلطانہٗ نواب مستطاب سپہ سالار خانخان مہابت خان بہادر اللّٰھم ابد الدولت والرفعت آمین رب العالمین سنہ احدیٰ واربعین والف ۲۰ رجولائی سنہ ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء - حررہ قاضی محمد طاہر۔

اس مسجد کی تعمیر کے چودہ (۱۴) برسوں کے بعد طاہر خاں حاکم ناگور نے ایک مسجد رفیع الشان وسط شہر میں قریب قلعۂ ناگور سنہ ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں بنا کر دارین میں نیکنامی لی اور نیز اس نے آبادی ناگور کو ترقی دی۔ یہ کتبہ سنہ ۱۶۴۶ء طاہر خاں کی مسجد کی

کی محراب کے اوپر کندہ ہے۔

بعہد حضرت شاہجہاں آنکہ ٭ شہہ صاحب قرآں بادین و یاداد
بطاہر خاں دراں وقتیکہ ناگور ٭ زالطاف و نوازش در وطن داد
بتوفیق حق آں خان جوان بخت بریں تعمیر مسجد یافت ارشاد:
بدل گفتم پئ سال بنایش ٭ بگو بنیاد طاہر خان قوی باد۔

(احسن السیر ص ۳۰)

موجودہ دور میں آج یہ شاہجہانی مسجد تحصیل چوک ناگور کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہیکہ اس کتبہ مسجد کے کاتب عبدالحفیظ تھے جو اندرون مسجد مہابت خان قلعۂ ناگور کے مؤذن مقرّر تھے۔

ناگور کی مستقل جاگیر ۱۶۳۸ء ۱۱۵۱ھ

ایک سال بعد جب خان خاناں مہابت خاں کا اجمیر سے خاندیس کا تبادلہ ہوا تو اُسکی ناگور کی جاگیر اُسکو بحال رہی (بادشاہ نامہ ـ عمل صالح) ۱۶۳۴ء ۱۰۴۴ھ میں خان خاناں کی موت ہو جانے پر ناگور کی جاگیر بادشاہی حکم سے امر سنگھ راٹھوڑ کی تحویل میں آئی ۱۶۳۴ء ۱۰۴۴ھ اور اُس کے منصب میں اضافہ ہوا۔ (بادشاہ نامہ) اس طرح چار سال تک ۱۶۳۴-۳۸ء ۱۰۴۴-۴۸ھ ناگور کا جاگیر دار ہوتے ہوئے منصب کی شاہی خدمات بھی امر سنگھ بجالاتا رہا اور منصب میں ترقی پاتا رہا یہانتک کہ اپنے پتا راجہ گج سنگھ کی وفات ۱۶۳۸ء ۱۰۴۸ھ کے بعد جب چھوٹے بھائی جسونت سنگھ کو جودھپور کی گدّی بادشاہی اجازت سے حاصل ہوئی تو بڑے بھائی کی تسلّی اور دلاسا کے لئے شاہجہاں نے امر سنگھ کو ناگور کا با اختیار راؤ مقرّر کر کے اسکی عزّت رکھ لی۔ اور بحیثیت راؤ

یہ اختیار و اقتدار والا زمانہ امر سنگھ کے قتل ۱۶۴۴ء / ۱۰۵۴ھ تک چلتا رہا۔
اس چار سال کے زمانے کا حال امر سنگھ سے متعلق اس فقیر حقیر کو لاہور کے بادشاہ نامے کے سوا اور کہیں سے نہیں ملا ستمبر ۱۶۴۵ء / ۱۰۴۵ھ میں عبداللہ خاں فیروز جنگ سید خان جہان اور خان دوراں کو شاہزادہ اورنگزیب کی سرکردگی میں ۲۰ بیس ہزاری فوج کے ساتھ ریاست اورچھا کے جوجھار سنگھ بوندیلہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بھیجا تو دھامونی کے گھیرے میں امر سنگھ سید خان جہان کی ماتحتی میں تھا۔ بیشتر اس کے کہ دھاموتی کی گڑھی میں داخل ہو جائے شاہی فوج نے قلعہ کے باہر پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ اس سے کچھ درہ زنوں نے موقع پاکر قلعے کے اندر گھس کر لوٹ مار شروع کر دی تو لامحالہ خان دوراں کو اندر جانا پڑا۔ اسی وقت اچانک ایک حادثہ یوں پیش آیا کہ لٹیروں کی مشعل کا ایک گل برج میں آکر گرا اور اس برج میں جو بارود تھی اس نے آگ پکڑ لی جس سے لمبی چوڑی دیوار کو مع برج بارود کی بھبھک نے اڑا پھینکا۔ اسکی دھمک اور پتھروں کی چوٹ سے تقریباً تنو شاہی فوجی مارے گئے جن میں اکثر و بیشتر امر سنگھ کے راجپوت تھے۔ مگر ویر امر سنگھ نے دماغی توازن برقرار رکھا اور کسی طرح کی گڑبڑی نہ ہونے دی۔ بادشاہ نے اس مہم کے بعد امر سنگھ کے منصب میں پانچسو ذات کا اضافہ کر کے اس کا منصب تین ہزاری ذات ایک ہزار پانچسو سواروں کا کر دیا۔

اگلے سال ۱۶۳۶ء / ۱۰۴۶ھ میں دکھن کی مہم پیش آئی تو امر سنگھ کو خان دوراں کے ساتھ شاہ جی کے خلاف بھیجا گیا۔ اس مہم میں ۲۰ بیس ہزار شاہی فوج کے ایڈوانس گارڈ میں امر سنگھ کی سینا کو رکھا گیا۔ فتحمندی کے ساتھ واپسی پر اس بار امر سنگھ کے منصب میں پانچ سو سواروں کا اضافہ ہوا۔ اب امر سنگھ کے پاس تین ہزاری ذات دو ہزار سوار کا منصب ہو گیا اور بادشاہ نے خلعت کے ساتھ چاندی

کے ساز کا گھوڑا عنایت فرمایا ۱۶۳۷ء / ۱۰۴۷ھ۔

اگلے برس ۱۶۳۸ء / ۱۰۴۸ھ میں شاہزادہ شجاع کے ساتھ جو بیس[۲۰] ہزار کی فوج قندھار کیطرف ایران کے شاہ صفی کی یورش کے خلاف بھیجی گئی تو امر سنگھ کو پھر خلعت کے ساتھ چاندی کی زین کا گھوڑا مرحمت ہوا۔ ۱۶۳۸ء / ۱۰۴۸ھ کا یہ سال امر سنگھ کے پتا راجا گج سنگھ کی موت کا سال واقع ہوا مئی کے مہینے میں وفات ہوئی۔ جبکہ بڑا بیٹا امر سنگھ کابل میں تھا۔ بادشاہ نے گج سنگھ کی خواہش کا پاس کرتے ہوئے اُس کے چھوٹے بیٹے جسونت سنگھ کو راجا کا خطاب راجگی کے لوازمات منصب کے علاوہ دیکر جودھپور کا تخت نشین مان لیا اور امر سنگھ اُس کے بڑے بھائی کو ایک ہزار سواروں کے اضافے سے تین ہزاری ذات تین ہزار سوار کا منصب عطا کرنے کیساتھ ساتھ راؤ کا خطاب دے کر ناگور کا مستقل بااختیار رئیس بنا دیا۔

سکّہ دارالبرکات ضربِ ناگور

اسی سال سنہ جلوس گیارہ (۱۶۳۸ء / ۱۰۴۸ھ) کے نقش کے ساتھ ناگور کی ٹکسال کا ڈھلا ہوا پیسہ جس پر دارالبرکات ضرب ناگور کی شناخت کندہ ہے ناگور اور اطراف میں پایا گیا ہے جس کو زبانی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے پنڈت وشیشور ناتھ ریو درباری مورّخِ جودھپور فرماتے ہیں۔ کہ بادشاہ کی اجازت لے کر وہاں پر امر سنگھ نے اپنا امر شاہی پیسہ چلایا تھا۔ پیسے کے فوٹو سے جورے او صاحب اپنی کتاب کوائنس آو مارواڑ میں دے رکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پیسہ بادشاہی ہے اور بادشاہ کے سنہ جلوس گیارہ میں ڈھالا گیا ہے۔ ناگور کو اجمیر کے برابر کا درجہ دیکر اُس کا روحانی لقب دارالبرکات (برکتوں کا گھر) مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اجمیر کو پچھلے چار سَو برس سے دارالخیر (بھلائی کا گھر) کے لقب سے موسوم کیا جاتا رہا ہے۔ مانا کہ بادشاہ کی اجازت سے یہ پیسہ ڈھالا گیا ہو

مگر اس پیسے پر امر سنگھ کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ شاہجہاں کے جلوس کے گیارہ ویں سال جب بادشاہ کی خاص مہربانی سے امر سنگھ ناگور کے راؤ بنے تو اس سال کو اپنے لئے مبارک جانکر یہ سکہ ڈھلایا مگر فقیر حقیر کاتب التحریر تارک ناگوری کی رائے میں اس پیسے کو امر شاہی کا نام دیا ہوا پنڈت جی مورخ جودھپور کا ہی ہے۔

راؤ امر سنگھ کے آخری چار سال

امر سنگھ کے راؤ بننے کے بعد بادشاہی عنایتیں اُس کے حق میں بنی رہیں۔ اگلے سال ۱۶۳۹ء ۱۰۴۹ھ میں ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی امر سنگھ کو تحفہ میں ملا۔ اور ۱۶۴۱ء ۱۰۵۱ھ میں شاہزادہ مراد کے ساتھ راؤ امر سنگھ کو بادشاہ نے خلعت کے ساتھ چاندی کی زین کا گھوڑا اور ہاتھی عنایت کرکے شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ کابل کے انتظام کیلئے جوڑ دیا اور چار ماہ گذرنے کے بعد ہی مراد بخش کے ساتھ امر سنگھ کو بھی کابل سے دوسرے امیروں کی طرح پٹھان کوٹ جانے کا فرمان ملا۔ کیونکہ وہاں کا راجہ جگت سنگھ (راجا باسو کا فرزند) باغی ہو گیا تھا۔ یہ لشکر راجا جگت سنگھ کو سزایاب کرنے کے بعد راجا اور اُس کے فرزندوں کو اس حالت میں کہ اُن کے گلوں میں معافی خواہی کا رومال پڑا ہوا تھا بادشاہ کے پاس پیش کرنے کے لئے لایا گیا اُسی درمیان میں شاہِ ایران شاہ صفی نے قندھار پر قبضہ کرنے کا اپنا منصوبہ پورا کرنے کے لئے اپنے سپہ سالار رستم گرزی کو فوج کے ساتھ بھیج دیا جس کی خبر ملتے ہی بادشاہ نے امر سنگھ کو شاہزادہ داراشکوہ کے ساتھ شامل ہو کر ایرانی فوج کے مقابلے کیلئے بھیجدیا ساتھ ہی منصب میں ایک ہزار ذات کا اضافہ کرکے چار ہزاری ذات تین ہزار سوار کا منصب دا دیا کر خاصہ خلعت اور سنہری زین کا گھوڑا بھی عنایت کیا لیکن شاہ صفی کے اچانک فوت ہو جانے پر امر سنگھ اکتوبر ۱۶۴۲ء ۱۰۵۲ھ میں خان دوراں بہادر نصرت جنگ کے ساتھ بلکر قندھار سے واپس ہو گیا۔

راؤ امر سنگھ کا قتل ۱۶۴۴ء ۱۰۵۴ھ

اب میں امر سنگھ کی سوانح عمری کی کڑی ۲ دو برس بعد پھر پاتا ہوں جبکہ جولائی ۱۶۴۴ء ۱۰۵۴ھ میں بیماری سے صحت یاب ہو کر دربار آگرہ میں حاضر ہوا جہاں شاہزادہ دارا شکوہ کے محل میں بادشاہ بوجہ علالت جہاں آرا بیگم ٹھہرا ہوا تھا۔ بادشاہ کے حضور میں جب صلابت خاں میر بخشی اُس کو لے گیا تو امر سنگھ بائیں قطار میں اور صلابت خاں داہنی قطار میں دونوں اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد بادشاہ اپنے ہاتھ سے عبداللہ خاں فیروز جنگ کے نام فرمان لکھ رہا تھا تو صلابت اپنے مقام سے نیچے اُتر آیا اور چار شاخے شمعدان کے پاس منصبدار مکرمت خان سے باتیں کر رہا تھا کہ یکایک راؤ امر سنگھ اپنا خنجر نکالکر میر بخشی پر حملہ آور ہوا۔ اُس کی بائیں پسلی میں قبضے تک خنجر گھسیڑ دیا۔ یہ ضرب جان لیوا ثابت ہوئی خلیل اللہ خاں اور مہتھل داس کے فرزند ارجن گوڑ نے دوڑ کر دھر دبوچا اور اُسی وقت جلد ہی سید سالار اور سات آٹھ دوسرے گرز برداروں اور منصب داروں نے بھی آگے بڑھ کر امر سنگھ کو گھیر کر اُس کا کام تمام کر دیا۔ ؎

؎ سابق ریاست جودھپور کے درباری مورّخ پنڈت وشیشور ناتھ رے او نے اپنی کتاب گلوریز آو مارواڑ اینڈ گلوریس راٹھورس میں راؤ امر سنگھ کی پوری سوانح عمری عبدالحمید لاہوری کے بادشاہ نامے کی بنیاد پر پیش کیا ہے (ص ۸۱-۸۵) کیونکہ بادشاہ نامہ ہی عہدِ شاہجہانی کا مستند ماخذ ہے۔ لہٰذا فقیر حقیر اس حادثے پر بادشاہ نامے کا پورا بیان نقل کرتا ہے جس کے ترجمے کیلئے میں نٹ ناگر شودھ سنستھان کے سابق پرشین منشی مولوی محمد یوسف خاں سرونجی کا مرہونِ منّت ہوں۔

آزاد ترجمہ پیش ہے۔ صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

پادشاہ نامہ کا متن ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۴ء

اس سال کے آخری دور میں جو واقعات ہفتم سال پیش آئے ان میں سے ایک واقعہ راجا گج سنگھ کے بیٹے راؤ امر سنگھ کا صلابت خاں میر بخشی کو مار ڈالنا اور اور خود اس بدچلن کا مار ڈالا جانا ہے۔

اس عجب ماجرے کی تفصیل یہ ہے کہ امر سنگھ جو کہ بیماری کی وجہ سے کچھ دن بادشاہی چوکھنڈا کو چومنے کی دولت سے محروم رہا تھا۔ آخر روز جمعرات ۱ سلخ جمادی الاول آسمان جیسی درگاہ میں پہونچا۔ صلابت خان اسکو بڑے بادشاہزادے کے مکان کے خلوت خانے میں کہ اعلیحضرت اس سبب سے کہ جو لکھا گیا وہاں تشریف رکھتے تھے زمین بوس کے شرف تک پہونچایا۔ راؤ امر سنگھ الٹے ہاتھ کی صف میں اپنی جگہ پر جا کھڑا ہوا۔ صلابت خاں تخت اعلیٰ کے سیدھی طرف کھڑا تھا۔ اس اثنا میں کہ نماز شام (مغرب) ادا کرنے کے بعد بادشاہ دین پناہ نامدار سرداروں میں سے کسی کو فرمان لکھنے میں مشغول تھا کسی مہم کیلئے محل کے اوپر سے نیچے اگر چہ بارشاخہ شمعدان کے پاس کسی سے بات چیت میں سرگرم تھا ناگاہ امر سنگھ جمدھر کھینچ کر دوڑا اور اسکی غفلت کی حالت میں اس کے سینے کی بائیں طرف ایسا مارا کہ قبضہ تک اندر گھس گیا۔ اور چونکہ دل تک پہنچ گیا تھا، مارتے ہی کام تمام ہوا۔ اور اس وجہ سے کہ ایسی بے ادبی بادشاہ حضور میں اس نے کی کہ کوئی شخص اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا، اول خلیل اللہ خاں اور ارجن ولد بیٹھلداس نے آگاہ ہو کر اس پر حملہ کیا۔ اس کے بعد کہ آوازیں بلند ہوئیں تو بادشاہ عرش مکان تحریر کے دوران توجہ فرما کر کیا دیکھتے ہیں کہ امر سنگھ ارجن کے ساتھ بھڑ گیا ہے۔ اگر چہ امر سنگھ نے دو تین ۲-۳ بار اس پر جمدھر چلایا لیکن اس نے ڈھال سے رد کر دیا ایک بار جمدھر پھسلا اور ارجن کی گردن میں معمولی زخم پہنچا۔ اس اثناء میں اول خلیل اللہ خان نے امر سنگھ

پر تلوار چلائی، اُس کے بعد ارجن نے دلیری دکھا کر دو بار اُس پر تلوار ماری اور ارجن کے چوٹ کرتے ہی سادات بارہ میں سے سید سالار اور گرز بردار منصبداروں میں سے چھ سات اشخاص نے دائیں اور بائیں سے دوڑ کر یکبارگی آب دار شمشیر سے اس نکمے کا کام تمام کر دیا۔

موت کی شعبدہ بازی کہ اس کے حکم اور مصلحتوں کو بھیدوں کے دانا اور باطن کے بینا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ صلابت خان جیسا شائستہ جوان کہ بندہ پرور بادشاہ کی تربیت سے بڑی خدمات کی انجام دہی کیلئے مستعد رہتا تھا۔ اور امر سنگھ جیسا جوان کہ راجپوتیہ گروہ میں خاندانی بہادری کیساتھ امتیازی خصوصیت رکھتا تھا اور مربیّ بادشاہ کو اُسکے حق میں یہ گمان تھا کہ کسی بڑی جنگ میں اپنی قوم اور قریبی رشتہ داروں کے کسی گروہ کے ساتھ جاں سپار بن کر اپنی بلند نامی کا باعث بنے گا۔ ایک آن میں بلاوجہ گذر گئے۔ قدردان بادشاہ نے صلابت خاں کی حسن خدمت، رسوخ عقیدت اور نوجوانی سن پر افسوس فرمایا اور اس کارِ ناشائستہ کے وقوع کے واسطے کتنا ہی سبب دریافت کیا مگر سوائے سودا پیدا کرنے والے نشّوں کے ارتکاب دوام اور چند روزہ بیماری ہو جانے کے علاوہ کوئی دوسری بات ظاہر نہیں ہوئی اور ہو سکتا تھا کہ اس سرگذشت کا سبب وہ ہو کہ امر سنگھ کے تیول ناگور (ناگور کی جاگیر) کی حدود اور بیکانیر، وطن و جاگیر راؤ کرن ولد راؤ سور آپس میں ملی ہوئی تھیں، امر سنگھ کے نوکروں میں جو درگاہ فلک جاہ میں تھا راؤ کرن کے متعلقان میں، جو کہ صوبہ دکھن میں تھا گاؤں کی حدوں اور جاگیر کی زمین کو لیکر معاملہ گفتار سے پیکار تک کھینچ گیا تھا اور اس وجہ سے راؤ کرن کے آدمیوں کے پاس بندوقیں بہت تھیں، امر سنگھ کے کچھ کار آمد راجپوتوں کی جماعت کو قتل کر دیا۔ اور امر سنگھ نے آگاہی کے بعد اپنے آدمیوں کو لکھا کہ پھر سے جمعیت بنا کر راؤ کرن کے نوکروں سے لڑنے کے لئے جائیں۔ اور اُس (راؤ کرن) نے یہ بات سن کر صلابت خاں کو لکھا تھا کہ امر سنگھ کے تابعیوں نے جدال و قتال کی ابتدا کی

ہے۔ گذشت آنچہ گذشت اُس نے اب پھر اپنے آدمیوں سے کہا ہے کہ جمع ہو کر شورش بڑھائیں۔ اس مخاصمت کو ختم کرنے کیلئے بجائے اس کے کہ معاملہ شاہی ڈیوڑھی میں عرض پہونچایا جائے۔ کوئی امین حدود کی تشخیص کے لئے چُن لیں، کوئی اور صورت نہیں ہے۔ اور صلابت خاں نے اُس کا مطلب عرض کر کے امین بھیج دیا تھا۔

دور نہیں ہے کہ امر سنگھ اُس وقت کہ اسکا شوریدہ (پریشان) سر سودا زدہ (خبط) اور اُس کا نا قابو دل بے جا کینے کو جگہ دیئے ہوئے تھا۔ اس معاملے کو صلابت خاں کی طرف داری سے محمول کر کے اس بے جا کام میں جرأت کی ہو۔

اس سانحۂ ناشائستہ کے وقوع کے بعد بادشاہی حکم سے میر خان میر تزک اور ملوک چند مشرف دولت خانۂ خاص نے امر سنگھ کی لاش کو دھلیز کے سامنے خلوت خانے کے باہر چھوڑ کر اُس کے آدمیوں کو بُلایا تاکہ اُس کو مکان میں لے جا کر ناگزیر مراسم انجام دیں۔ جب اس کے پندرہ خدمت گار پہنچکر اُس کے حال سے واقف ہوئے تو جمدھر اور تلوار پکڑی ملوک چند مارا گیا اور میر خان زخمی ہوا اور دوسری رات گذر گئی اسی اثناء میں گرز بردار احدیوں، نے جو دروازے کے باہر کیشک میں قیام کرتے تھے تیغ آشام سے اُن محاذیل (کمینوں) کو جہنم رسید کر دیا۔ اور گرز برداران میں سے چھ آدمی مقتول اور چھ لوگ زخمی ہوئے

اور چونکہ یہ گھاٹے والی ڈھٹائی بادشاہ کی گرانی خاطر کا بڑا سبب ہوئی امر سنگھ کے آدمیوں میں سے جو بھی عقل رکھتا تھا راتوں رات وطن کی راہ اختیار کی۔ اور اُس کے شورش کار شوریدہ روزگار نوکروں کی ایک جماعت نے طے کیا کہ ارجن کے گھر پر، جو امر سنگھ کے حادثہ کے قریب تھا، جاکر اُسکو مار ڈالیں۔ اور چونکہ یہ گروہ اجل کا خواہش مند، پرخاش کے بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا، بلو راٹھور نے، جو امر سنگھ کا معتبر نوکر تھا۔ اور بھار (پہاڑ) سنگھ راٹھور کہ اُس کے باپ کا نوکر تھا۔

اور پھر دونوں درگاہ کے بنادوں میں شامل ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کے مکان اُس جماعت کے نزدیک تھے۔ اس اندیشۂ ناپسندیدہ میں اُن بے رحموں کے ساتھی ہوکر مرنے کو آمادہ ہوگئے۔ اس کے بعد کہ جب یہ بات بادشاہ کی خدمت میں معروض ہوئی تو بیدالشی مہربانی اور فطری رحم کے تحت جس موقع پر کہ بادشاہی قہر کارفرما ہوتا۔ اس ضلالت پیشہ گروہ کی نادانی اور گمراہی کو معاف کرتے ہوئے حضور کے نوکروں میں سے ایک سے فرمایا کہ وہ ان سفیہوں سے نصیحت کے طور پر کہے کہ امرسنگھ اور جو کوئی اس بڑے جرم میں اُس کا شریک تھا اُس کو اس کا پھل مل گیا۔ تم لوگ جو کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے ہو کیوں بلاوجہ اپنے گھر بار کو اُجاڑ رہے ہو۔ انصاف کے مقتضا سے ہم حکم فرماتے ہیں کہ کوئی تمہارا مزاحم نہیں ہوگا۔ اور تمہارا چھٹکارا اس میں ہے کہ اہل وعیال واسباب واموال کے ساتھ اپنے اپنے ٹھکانوں اور گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ اور جب ظاہر ہوا کہ جہالت اور گمراہی کے تحت من مانی کرنا چاہتے ہیں تو حکم ہوا کہ سید خان جہاں جلّو (بل بھدر) کے آدمیوں کے ساتھ اور رشید خاں انصاری، جوان لوگوں کی کیفیت کا نویت ہے، اُن غضب زدہ لوگوں کو بے ہنجار سردار کی مانند نیست ونابود کردیں۔ جب اسلام کے غازی اُس جگہ پہنچے جہاں فاجر کافر جمع ہوئے تھے تو وہ لڑاکو گروہ تلوار کے ناگوار پانی کو آبِ حیات جان کر برچھیوں اور تلواروں کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور جب تک طاقت کا کچھ اثر اور تھوڑی سی بھی جان رہی کوشش اور لڑائی کرتے رہے۔ انجام کار سب کے سب بلّو اور بھاؤ سنگھ سمیت دھار دار تلوار کے شعلے سے راکھ ہوگئے۔ جلّو کے آدمیوں میں سے سید عبدالرسول بارہ جو کہ جوان مردانہ تھا اور اُس نے اپنے پورے ساتھیوں سے پہلے حملہ کیا تھا، سید غلام محمد ولد سید محی الدین اپنے بھائی اور پانچ افراد دیگر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کیساتھ پیادہ ہوگیا اُس نے لڑائی کا ہنگامہ گرم کیا تھا رفیقوں کے ساتھ شہید ہوگیا مہربان

بادشاہ نے جان پر کھیلنے والوں کے پس ماندگان پر واجبی خصوصیت کا برتاؤ کیا اور صلابت خاں کے چار سالہ بیٹے کو پانصدی ذات وصد سوار اور امیر خاں کے بیٹے کو جو نہایت چھوٹا تھا اُس کے لائق منصب پر سرفراز کیا اور چار صدی ذات وصد سوار منصب سید عبدالرسول کا اس کے چار چھوٹے لڑکوں پر اور منصب غلام محمد حسن کا کوئی لڑکا نہیں تھا اُس کے چھوٹے بھائی علی اکبر پر مقرر فرمایا۔

تنقید

دو درباری مورخوں کی تصنیفات فقیر حقیر کے سامنے ہیں:۔ ایک مغل (فارسی) دوسری راٹھوڑ (ہندی) عبدالحمید لاہوری نے جو کچھ لکھا ہے وہ بادشاہ شاہجہاں کی جانچ پڑتال کا نتیجہ ہے یہ مثل میرے تو دونوں میٹھے" میر بخشی صلابت خاں ہوں یا راؤ ناگور امر سنگھ، بادشاہ کو دونوں پیارے تھے اور بادشاہ کے الفاظ میں لاہوری نے دونوں نوجوانوں کو سراہا ہے۔ بادشاہ نے امر سنگھ کے ساتھ شروع سے آخر تک نیک معاملہ کیا اور ایک چھوٹے منصب دار کے عہدے سے اوپر اُٹھاتے اُٹھاتے درجۂ اول کا منصب دار بنا کر آخری مرتبہ خاص خلعت کے ساتھ سونے کی زین کا گھوڑا عنایت فرمایا جو چار ہزاری منصبدار کے شایانِ شان ہی تھا اور وہ منصب دار ایسے (راٹھوڑ) خاندان کا جو کچھوا ہوں کے چھیتے دور کے بعد شاہ جہاں کی ایک پیڑھی پہلے ہی سے یعنی جہانگیر کے زمانے سے بادشاہی مشورے میں اوّل درجے کا مصاحب اور میدانِ جنگ میں سب راجپوتوں سے آگے آگے مقدمے میں جاگزیں حیثیت کا مالک تھا۔ دوسرے یہ کہ باپ نے امر سنگھ میں دماغی توازن کی کمی اور اُجاڑ پن کا بہانہ لیکر امر سنگھ کو میراث راجگی سے محروم کرا دیا تھا لیکن اُس دور میں ایسی ہی خصلت کا آدمی اچھا سپاہی ثابت ہوتا تھا۔ اور شاہجہاں بھی اس بات کی تشخیص کر کے امر سنگھ کو نازک نازک موقعوں پر دور دراز کی مہموں پر روانہ کیا کرتا تھا۔ باپ کے جیسے بیٹے کی مان مریادا کو قائم رکھنے

ہوئے بادشاہ نے جب امر سنگھ کو منصبداروں کی صف اوّل پر پہنچا دیا تو انسانی خصوصیت ہے کہ امر سنگھ کو بھی ہوا دہوس کی سوجھی ہو گی۔ راجپوت اپنی ناموری کے لیئے لڑتا ہے یا اپنے سوامی (آقا) سے وفاداری کیلئے۔ اور زمین کی ملکیت تو گویا اُسکا پیدائشی حق ہے۔ رہی بیکانیر والوں سے رقابت تو یہ انوکھی فطرت راٹھوڑوں میں پہلے سے چلی آرہی تھی اور بعد تک چلتی رہی۔ ایسے ہی شخص سے میر بخشی بادشاہ کا پالا پڑا تھا۔ صلابت خاں بقول محمد صادق خاں[1] مکرمت خاں سے بات کرنے لگے اور بادشاہ سلامت عبداللہ خان فیروزجنگ سے متعلق فرمان لکھ رہے تھے یا لکھوا رہے تھے تو ایک شکّی المزاج امر سنگھ، جو بیس دن کے بستر علالت سے اُٹھ کر آیا ہے اگر یہ یقین کرلے کہ فوج بخشی میری شکایت کر رہا ہے، تب تو وہ اپنے کو اس لئے بے قابو پائیگا۔ "برتی ہنسی اور برتی رودھ۔" سے محروم کر دیا گیا ایسے دشمن کے خلاف جس نے اُس کے کئی آدمیوں کو مار کر اپنا پلّا مضبوط کیا تھا۔ بقول ڈاکٹر دشرتھ شرما راجپوت میں بہادری کی زیادتی مگر ڈسپلن (انضباط) کی کمی تھی۔ لہٰذا امر سنگھ اپنے جذبہ کی ضرب کو نہ روک سکا اور پڑی بے چارے میر بخشی پر اس بے جا ہنسا کو کھیات کاروں نے معیوب سمجھا جبھی تو طرح طرح کی بنادٹی باتوں سے اپنی پوتھیوں کو بھر دیا۔ اس سلسلے میں راٹھوڑ امر سنگھ گج سنگھوت ری بات، کا مطالعہ کرنا چاہئیے اور موند یاڑری کھیات، نے کہانی اختراع کرنے میں حد ہی کر دی ہے یہ بات اور ہے کہ امر سنگھ کا ایکشن لینے والوں کی کمی نہیں تھی اور ایسے آدمی امر سنگھ کے نام سے جان دینے والوں کی تعداد ایک سو بیس[2] بتائی گئی ہے۔ جو راجپوتوں کے لئے معمولی بات تھی۔ ایک ہمعصر کوی اور ہے جس کے، راؤجی امر سنگھ را

---

[1] محمد صادق خاں کوئی مولف ہونگے جن کا حوالہ ڈاکٹر بنارسی پرساد سکسینا نے اپنی تھیسس (شاہجہاں) میں دیا ہے۔

بھولناتھ" کو ڈاکٹر شیو ورت دان بارھٹ نے ایڈٹ کیا ہے۔ کوی کِسنا اودھا کے اپنے
مرثیے میں راؤ امر سنگھ کے ساتھ اور بعد میں دیر گتی (شہادت) حاصل کرنے والے
خاص سرداروں کے ناموں کا اندراج ہے۔ "میر تزک اور مشرف کے مارنے والے پندرہ
آدمیوں کو بھرنے والے گرز برداروں نے گھیر لیا اور موت کے گھاٹ اُتار دیا ساتھ ہی
ساتھ چھ گرز بردار بھی مارے گئے اور چھ گھائل ہوئے۔ علیٰ ہٰذا القیاس امر سنگھ کے
بچے ہوئے دوستوں اور ہمدردوں نے جب ارجن گوڑ کو مارنے کا منصوبہ بنایا تو وہ
بھی مارے گئے جن کی تعداد زیادہ ہی تھی۔ اِن کے نام بھی امر سنگھ رکا بات میں درج
کئے گئے ہیں جن میں کم سے کم دو نام عزیز خاں اور نایک ابراہیم پنجابی کے ہیں۔

راؤ امر سنگھ کا کریا کرم جمنا ندی کے کنارے کیا گیا۔ دو رانیاں اُن کے ساتھ
آگرے میں ستی ہوئیں اور تین بعد میں ناگور میں اور ایک اودے پور میں۔ جب راؤ امر
سنگھ کے پھول راکھ ناگور لے جائی گئی اور وہاں اُن کی چھتری بنائی گئی تو اس چھتری
کے قریب آٹھ چھتریاں اور بھی بنی ہوئی ہیں جو اُن کی اولاد اور رانیوں کی بتائی جاتی
ہیں۔ راؤ امر سنگھ کے دو بیٹے رائے سنگھ کا جنم ۱۶۳۳ء / ۱۰۴۳ھ اور ایشوری سنگھ کا جنم
۱۶۴۱ء / ۱۰۵۱ھ کا تھا

کرنل ٹاڈ اپنی کتاب ٹاڈ راجستھان میں لکھتے ہیں کہ بخارا دروازہ جس سے
آخری حملہ آور لوگ ارجن گوڑ کو مارنے کے لئے داخل ہوئے تھے وہ بند کروا دیا گیا
تھا۔ عرفِ عام میں یہ دروازہ امر سنگھ دروازہ کہا جانے لگا تھا۔ ۱۸۰۹ء / ۱۲۲۴ھ میں کپتان
سٹیل نے جب اُسے کھولا اور منہدم کرنے لگا تو وہاں سے ایک کالا ناگ نکلا گویا
اس لعنت کی تکمیل میں ایسا ہوا۔ (اینلس، جلد دوم صفحہ ۹۷۸)

ناگور قائم خانیوں کی جاگیر میں

اب یہ فقیر حقیر تارکؔ ناگوری پھر بادشاہ نامہ کی طرف رجوع ہوتا ہے
قائم خانی یا قیام خانی کھیچیوں کا تعلق کھیچی چوہانوں کی دوسری شاخ بمد انیا کھیچی
سے ہے جسکا جدِّ اعلیٰ کنور کرم چند، قیام خان راسا کے بیان کے مطابق دُردریوا جاگر کی
شیر خواری کے زمانے میں حصار کے فوجدار سید ناصر کے ہاتھ لگا اور بڑا ہو کر قیام خان
کہلایا اور اُس کو حصار کی فوجداری پر فائز کیا گیا۔ حصار سے جھنجھنوں کو آباد کر کے
وہاں آکر رہنے لگا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کی ملازمت میں رہ کر ترقی کی۔ اور خاں
کا خطاب پایا۔ فیروز شاہ تغلق کے بعد ملّو اقبال خاں سے اُسکی نہیں بٹی تو خضر خاں
سید کے عہد میں حصار چلا آیا اور اُس کے مرنے کے بعد اُسکی اولاد اور بھائی بند حصار
اور ہانسی کے گورنر کی حیثیت سے دلّی سے آزاد رہتے آئے۔ راسا کے مطابق قیام
خاں کے بیٹے تاج خاں کا لقب "دیوان" تھا جس نے اپنے زمانے میں کافی طاقت
حاصل کر کے نہ صرف سیکر (شیخاواٹی) میں رسوخ حاصل کیا بلکہ خانزادہ فیروز خاں
(ناگور) کی طرف سے رانا موکل سے لڑا۔ اس کے بیٹے فتح خاں نے اپنے نام سے جھنجھنوں
کے پاس فتحپور کے قلعے کی بنیاد ڈالی ۸۵۳ھ/۱۴۴۹ء اور بہلول لودھی کے عہد میں ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء
میں دلّی پر قبضہ کر لینے پر فتحپور سے آزادنہ حکومت کرنے لگا اور اُس کا چچا جھنجھنوں
میں آکر قابض ہو گیا۔ فتح خاں اس طرح فتحپور کا پہلا آزاد حکمراں ہوا۔ "دیوان"
کے لقب کے ساتھ قیام خانی کھیچی ایک صدی تک حکومت کرتے رہے حتیٰ کہ
دیوان تاج خان ۹۶۰-۷۸ھ/۱۵۵۲-۷۰ء نے اپنے ہونہار پوتے الفت خاں کو اکبر بادشاہ
کے حضور میں پیش کیا جو بڑا ہو کر فتحپور کا پہلا نواب کہلایا۔ اور اپنے خاندان میں تمام
حکمرانوں سے زیادہ ممتاز رہا اور اکبر و جہانگیر کی بڑی خدمات بجا لایا۔ الفت خاں
کا بیٹا فتحپور کا نواب دولت خاں (۱۰۳۶-۶۴ھ/۱۶۲۶-۵۳ء) میں امر سنگھ راٹھوڑ کے قتل
کے بعد ناگور کا جاگیردار نامزد ہوا جس وقت وہ کابل میں شاہی فرمان کے

مطابق کام کر رہا تھا لہٰذا اُس کا بیٹا طاہر خاں کو ناگور بھیج دیا گیا۔ جہاں سنہ ۱۶۴۶ء میں قلعۂ ناگور کے باہر والی مسجد شاہجہانی کی تعمیر کی جو ابھی تک صحیح سالم موجود ہے مگر مرمت طلب ہے۔ اسی سال دونوں باپ بیٹے بلخ کی مہم پر شاہزادہ مراد کے زیر کمان بھیج دیئے گئے جہاں طاہر خاں قائم خانی کی موت واقع ہو گئی۔ بلخ کے بعد قندھار کی مہم پر سنہ ۱۶۴۹ء / ۱۰۵۹ھ میں نواب دولت خاں ولد طاہر خاں کو بھیجا گیا قندھار جا کر بخار میں مبتلا ہو کر اُس کی بھی موت واقع ہو گئی ۶۴-۶۳ سنہ ۱۶۵۲-۵۳ء / ۱۰۶۳ھ میں تو اسی سال ناگور کی جاگیر رائے سنگھ فرزند امر سنگھ کے حق میں بحال ہو گئی اور فتح پور کی نوابی دولت خاں کے پوتے سردار خاں کو ملی۔ ۸۰-سنہ ۱۶۵۳ء / ۹۱-۱۰۶۴ھ۔

رائے سنگھ ناگوری ۷

رائے سنگھ کا جنم سنہ ۱۶۳۳ء / ۱۰۴۳ھ میں ہوا تھا۔ باپ کے قتل ہونے سنہ ۱۶۴۴ء / ۱۰۵۵ھ میں اگلے سال ہی سنہ ۱۶۴۵ء / ۱۰۵۵ھ میں شاہجہاں کے دربار میں حاضر ہو کر اُس نے چار ہاتھی نذر کیے لیکن ناگور کی جاگیر آٹھ سال بعد نواب دولت خاں کی وفات کے بعد ہی مل سکی۔ (سنہ ۱۶۵۳ء / ۱۰۶۴ھ یا اسکے بعد) اسکی خلعت کے ساتھ ہزاری ذات سات سو سوار کا منصب پہلا منصب ہے جو بادشاہ نامے میں درج ہوا ہے لیکن سن سمبت نہیں دیا گیا ہے۔ سنہ ۱۶۴۶ء / ۱۰۵۶ھ میں سلطان مراد شاہزادے کے ساتھ بلخ بھیجا گیا جہاں باپ بیٹے دولت خاں ولد طاہر خاں کا بھی بھیجا جانا لکھا ہے۔ سنہ ۱۶۵۲ء / ۱۰۶۳ھ منصب میں اضافے کے ساتھ رائے سنگھ کو شہزادے اورنگزیب کے ساتھ قندھار کی دوسری یورش میں نامزد کیا گیا اور سنہ ۱۶۵۳ء / ۱۰۶۴ھ میں ولی عہد داراشکوہ کے ساتھ دوبارہ قندھار بھیجا گیا اور سنہ ۱۶۵۵ء / ۱۰۶۶ھ میں نواب سعد اللہ خاں وزیر کے ساتھ رانا جگت سنگھ کے خلاف چتوڑ سنہ ۱۶۵۷ء / ۱۰۶۸ھ میں

رائے سنگھ کے منصب میں پھر اضافہ ہوا۔

رائے سنگھ عہد عالمگیری میں ۱۶۵۸-۷۶ء / ۱۰۶۹-۸۷ھ

مہاراجہ جسونت سنگھ دارا شکوہ کا وفادار سہیوگی تھا اس لئے دھرمت کی جنگ کی شکست اسکو کھل گئی لہٰذا کھجوانا کے میدان جنگ میں (جنوری ۱۶۵۹ء مطابق ۱۰۷۰ھ) اُس کے شجاع کے ساتھ پوشیدہ سمجھوتے کے مطابق جب جسونت سنگھ شاہزادہ محمد کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کر کے مال اسباب لوٹتا ہوا جودھپور کی طرف چل پڑا اور صبر سے کام لیتے ہوئے دوسرے دن اورنگزیب شجاع کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تو اُس نے جسونت سنگھ کے خلاف اُس کے بڑے بھائی راؤ امر سنگھ کے بیٹے رائے سنگھ کو، جو ناگور کا رئیس تھا۔ چار ہزاری ذات کا منصب اور راجہ کا خطاب دیکر اُسے جودھپور کا حکمراں مقرر کر دیا اور محمد امین خان کو ایک بڑی فوج دیکر اسکے ساتھ کر دیا۔ جسونت سنگھ نے اب دارا شکوہ سے رابطہ کیا اور گجرات سے اجمیر اُسکو بلایا۔ تب تو اورنگزیب نے آناً فاناً میں پینترا بدلکر الہ آباد سے اجمیر کی طرف کوچ کیا اور مرزا راجہ جے سنگھ کی معرفت ایک معافی نامہ جسونت سنگھ کو لکھوایا۔ جے سنگھ کی تجویز کو مان کر جسونت سنگھ نے اورنگزیب ہی سے سمجھوتا کرنا فائدہ مند سمجھا۔ دورائی کی لڑائی (مارچ ۱۶۵۹ء / ۱۰۷۰ھ) میں دارا کی شکست کے بعد جسونت سنگھ کے تمام قصور معاف ہو گئے۔ منصب پھر سے دیدیا گیا۔ اور مزید یہ کہ گجرات کا صوبہ دار بھی مقرر کر دیا گیا۔ آٹھ ماہ بعد مہاراجگی کا خطاب بھی واپس مل گیا۔

مختصر یہ کہ رائے امر سنگھ ناگوری کی مدت حکومت جودھپور کے راجہ کی حیثیت سے صرف دو ماہ سے زیادہ نہیں چلی اور، اورنگزیب کا فرمان منسوخ ہو گیا

رائے سنگھ کھجوانا اور دورالی کی دونوں لڑائیوں میں شامل ہوا تھا۔ اب وہ راجہ جے سنگھ کے ساتھ دکہن بھیج دیا گیا جہاں بادشاہی خدمت میں کام کرتے ہوئے پیڑ شولاپور کے مقام پر اسکی موت واقع ہوگئی (۱۰۸۷ھ ۱۶۷۶ء میں) مگر اسکے راجپوت البلندی کی لڑائی میں برابر بہادری سے لڑتے رہے۔ مآثرالامراء کا اندراج ہیکہ اورنگ آباد شہر کے باہر راؤ رائے پورا شہر اسی کے نام پر بسا ہے۔

(ہندی ترجمہ ص ۷۶)

کتاب مآثرالامراء ہی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مرنے سے قبل ہی راؤ رائے سنگھ دکہن کی لڑائیوں میں کافی مشغول رہا۔ پہلے مرزا راجہ جے سنگھ شیواجی بھونسلا کی ریاست پر حملہ کرنے اور عادل خانی ریاست کو لوٹنے میں اچھا کام کیا پھر اس کے بعد ۱۶۷۲ء-۷۳ مطابق ۱۰۸۳-۸۴ھ میں جب جہاں بہادر کوکل تاش دکہن کا صوبے دار ہوا تو راؤ رائے سنگھ خان کے ہراول میں تعینات ہوا۔

ناگور میں راؤ رائے سنگھ کے عہد کے فارسی کتبے

راؤ رائے سنگھ کی عمر کا بیشتر زمانہ مثلِ دیگر منصبداروں کے ناگور سے باہر بادشاہی مہموں میں گذرا۔ اپنی مشغولیت کی بنا پر ایسے منصبدار اپنے دیس یعنی وطن میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے چلے جاتے تھے جو ریاست کا کام روزمرہ بحیثیت گماشتہ رئیس کرتا تھا۔

راؤ رائے سنگھ کے زمانے کے جو فارسی کتبے دریافت ہو کر ایڈٹ ہوئے ہیں اُن سے گہلوٹ راجپوت خاندان کے نمائندے [1] ڈونگر سیہ کوتوال، نرائن داس کے بیٹے کی نقل و حرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے تین کتبوں کا حوالہ دی ریسرچر

---

[1] کوٹ وال کو فارسی میں ڈونگرسی اور ہندی میں ڈونگر سیہ کے املے سے لکھا گیا ہے۔

۱۹۷۱ء میں درج ہوا ہے۔ ان میں پہلا کتبہ ۱۶۶۵ء کا ہے جو انڈو ماسلیمیکا ۵۰-۱۹۴۹ء میں ایڈٹ ہوچکا ہے ص ۴) یہ کتبہ دو زبانوں یعنی فارسی اور ہندی میں ہے۔ جسمیں رائے سنگھ کو "مہاراجہ دھراج" راجہ کہا گیا ہے۔ کتبہ ایک دروازے کی تعمیر کی خبر دیتا ہے جسکو دروازہ اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ جو راجا کے عمل میں اور کوتوال کے اہتمام سے ناگور میں بنوایا گیا۔ مقام اس کتبے کا گینانی تالاب کے کنارے ایک اکبری جامع مسجد کے پیچھے محراب ہے۔ دروازہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں بنوایا گیا۔ گیارہ اگست ۱۶۶۵ء ۱۰۷۶ھ میں اس کتبے کے کاتب قاضی محمد عنایت کے بیٹے قاضی دوست محمد ہیں۔ ایسا قیاس ہوتا ہے دکھن کی مہم پر روانہ ہوکر راؤ رائے سنگھ جو گئے تو پھر ۱۶۷۶ء ۱۰۸۶ھ تک واپس نہیں آئے یہانتک کہ موت آگئی لہذا ناگور شہر پرگنے کی جاگیر کی ذمہ داری ڈونگر سنگھ کوتوال ہی پر تھی۔ دوسرا کتبہ ڈونگر سنگھ کا ناگور شہر کے پنچایت بھون کے قریب نرمل بال کشن شرما کے مکان کے دروازے کے پاس دیوار پر پایا گیا ہے جو اوپر والے کتبے کے پانچ برس بعد یعنی نومبر ۱۶۷۰ء ۱۰۸۱ھ کا ہے۔ کتبے کا اندراج ہے کہ اس پھاٹک اور حویلی کی بنیاد رائے سنگھ راٹھوڑ کے عمل میں اس کے قانونی مالک ڈونگر سی کے بیٹے نراین داس گہلوت راجپوت نے رکھی۔ جسکے کاتب شیخ جعفر محمد عباسی ہیں۔ اگر یہ کتبہ اپنے اصلی مکان پر چسپاں ہے تب تو یہ رائے سنگھ کے کوتوال کا ذاتی مکان ہے گویا تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ شرماجی کی ملکیت میں کیسے آیا یہ تلاش کا موضوع ہے۔

گینانی تالاب کے کنارے ایک کیرتی شنبھ (ترجم) پر کندہ کیا ہوا ہے۔ ایک اور کتبہ رائے سنگھ راٹھوڑ کا کٹی پھٹی حالت میں درج شدہ دستیاب ہوا ہے جس میں رائے سنگھ راٹھوڑ کا راجا...... کا بیٹا کہا

گیا ہے یعنی والد کا نام مٹ گیا ہے۔ مگر ڈونگرسی گہلوت صاف پڑھا گیا ہے (دی ریسرچر صفحہ ۱۴۴ کتبہ نمبر ۲۵۵) کتبے کے ایڈیٹر نے تحریر فرمایا ہے کہ بُری طرح نقصان زدہ ہونے کی وجہ سے کتبے کا منشا مترشح نہیں ہوتا لیکن ڈاکٹر محمد حلیم صدیقی اپنی تھیسس میں گیرک کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ یہ کتبہ گینانی تالاب کی مرمت کا کتبہ ہے۔ اگر صدیقی صاحب کو کتبے کا صحیح مفہوم پہونچا ہے تو گویا ڈونگرسی گہلوت کی کوتوال میں گینانی تالاب کی زینت (دروازۂ اسلام) کے ساتھ ساتھ رفاہ عام کا کام بھی ہوا کیونکہ اکبر بادشاہ کی آمد ناگور پر یہو کوکر تالاب کو گہرا کر کے شوکر تالاب نام رکھے جانے کا ذکر خیر ابوالفضل نے اپنی تصنیف اکبرنامہ میں کیا ہے۔ وہاں پر گینانی تالاب کا کوئی ذکر نہیں ملا ہے۔ لہٰذا ایک صدی گذرنے کے بعد اب گویا گینانی تالاب کی مرمت کا خیال ناگور کے جاگیردار راؤ رائے سنگھ کے کوتوال (کوتوال) ڈونگرسنگھ گہلوٹ کو ہوا۔

ایک اور کتبہ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۶۷۹ء / ۱۰۹۰ھ میں بھی بعمل راؤ اندر سنگھ ڈونگرسنگھ گہلوت کا ذکر آیا جس سے ظاہر ہیکہ ڈونگرسنگھ گہلوت کی نقل و حرکت راؤ رائے سنگھ کی وفات کے بعد بھی جاری تھی۔ اور یہ کہ ڈونگرسنگھ گہلوت اپنے پرانے کار منصبی پر بدستور فائز تھے۔ ڈونگرسنگھ گہلوت کا ذکر جودھپور راجیہ کی کھیات میں بھی آیا ہے

باب ۲ ناگور کے راؤ اندر سنگھ 1676ء م ۱۰۸۷ھ

وقائع سرکار رنتھنبھور و اجمیر

ہم دیکھ چکے ہیں کہ سنہ ۱۵۸۰ء / ۹۸۸ھ میں صوبۂ اجمیر کی سرکار بنا تو ناگور جو پہلے ہی سے سرکار کے نام سے موسوم تھا اب مستقل اجمیر صوبہ جو بنا صوبۂ اجمیر کی سرکار بن گیا جس میں کل تیس ۳۰ پرگنے تھے۔ اب دو سرکاریں، ایک اجمیر کی سرکار اور

دوسری ناگور کی سرکار، یہ دونوں سرکاریں مل کر خالصہ یا ٹوٹھار ہوئیں۔ اس خالصے یعنی دونوں سرکاروں کا نظم و نسق بادشاہی عملے کی ذمہ داری میں تھا۔ ساتھ ہی ناگور کا اندرونی نظام راؤ اندر سنگھ کے زیر حکومت تھا۔ دوسرے لفظوں میں اجمیر و ناگور، یہ دونوں علاقے آگرہ یا فتح پور سیکری یا شاہجہان آباد دہلی سے ملحق تھے اور جو بھی انتظامی صیغوں کے تجربات ہوتے تھے۔ اُن کا اثر راجستھان کی ان دونوں سرکاروں پر پڑتا تھا۔ مثلاً کروڑیوں کے نظام کے اصول و قواعد ناگور پر بھی نافذ ہوئے (۱۵۷۵ء / ۹۸۳ھ) اور اسی سال منصبداری نظام کا ضابطہ قائم ہوا۔ پانچ سال بعد ۱۵۸۰ء / ۹۸۸ھ میں مالی بندوبست کی کاروائی شروع ہوئی اور یہ سمو چا علاقہ جسکا کوئی ایک نام نہیں تھا اجمیر صوبہ کہلایا۔ انیسویں (۱۹) صدی میں اُسکا نام عرف عام میں راجپوتانہ مشہور رہا۔ اور اب دستورِ ہند کے مطابق راجستھان کہلاتا ہے۔

بہر حال اکائی کی شکل میں اجمیر صوبے کے ضبط کے لیے ہم اکبر بادشاہ کے عہد حکومت کے مرہونِ منت ہیں۔

جس وقت ۱۶۷۶ء / ۱۰۸۷ھ میں راؤ اندر سنگھ نے راؤ ناگور کی حیثیت سے انتظامی ذمہ داری سنبھالی، اس وقت اجمیر میں بادشاہی فوجدار برسرِ حکومت تھا۔ اور جودھپور کے مہاراجہ جسونت سنگھ صوبہ سرحد شمالی و مغربی میں شاہی منصب دار کی حیثیت سے دیش یعنی وطن سے دور بادشاہی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ اجمیر، ناگور اور جودھپور ان تینوں کے درمیان پرگنہ میڑتہ تھا جو ایک راٹھوڑ خاندان کے زیرِ حکومت جودھپور اور ناگور دونوں سے علیحدہ اپنی پہچان رکھتا تھا یہ تفصیلات لکھنے کی ضرورت اُس وقت کے واقعات کا تقاضا ہے کیونکہ جودھپور کے مہاراجہ جسونت سنگھ کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی کہ اچانک ۱۶۷۸ء / ۱۰۸۹ھ میں

خبر آئی کہ مہاراجہ کی وفات دس دسمبر کو ہو گئی۔ اور نگزیب عالمگیر جسونت سنگھ کے
قصور معاف کر کے اُن کا منصب اور خطاب غیر بحال رکھکر اُن کو دور دراز کے علاقے
میں رکھکر کسی مصلحت کا تقاضا پورا کر رہے تھے۔ جودھپور کی ریاست تولیت یا نگرانی
میں نہیں لی جا سکتی تھی لہٰذا فی الفور بادشاہی انتظام کا فرمان جاری ہو گیا۔ طاہر خان فوج
دار اور خدمت گذار خاں جودھپور کے قلعدار بنے۔ شیخ انوار امین اور عبدالرحیم جودھپور کے
کوتوال ہوئے (۱۶۷۹ء) علیٰ ہذالقیاس خانِ جہاں بہادر مع حسن علی خاں و دیگر
امرائے اعلیٰ کو اس غرض سے بھیجا گیا کہ مہاراجہ کے ملک پر قبضہ جمالیں۔ اور ۱۹ فروری
۱۶۷۹ء کو بادشاہ خود بہ نفس نفیس اجمیر پہونچ گئے اور مہاراجا متوفی کے وکیل
نے رپورٹ پیش کی مہاراجہ کی دو حاملہ رانیوں نے لاہور پہنچ کر چند گھنٹوں کے وقفے
سے دو بیٹوں کو جنم دیا ہے۔ اسکے بعد سید عبداللہ سیوانا کے لئے روانہ کیا گیا
کہ جا کر متوفی جسونت سنگھ کی جائیداد ضبط کرلے۔

ابھی تک اجمیر کے فوجدار افتخار خاں تھے اب افتخار خاں کی جگہ پر تہور
خاں کو اجمیر کی فوجداری دی گئی اور یکم اپریل کو راؤ رائے سنگھ کا بیٹا اندر سنگھ
رانا راج سنگھ کے بیٹے کنور جے سنگھ کو بادشاہ سے ملانے کیلئے لایا۔ کتاب مآثر عالمگیری
کے بیان کے مطابق بادشاہ دوم اپریل ۱۶۷۹ء کو اجمیر سے دہلی پہونچ گئے۔ مئی
۱۶۷۹ء کے مہینے میں اندر سنگھ کو راجا کے خطاب کے ساتھ مہاراجہ جسونت
سنگھ کا جانشین مقرر کر کے، خلعت خاصہ، تلوار سونے کے ساز کی ایک گھوڑا
سنہلی زین کا اور ایک ہاتھی۔ نشان، طوغ (فوج کا جھنڈا) اور نقارہ عطا ہوا
اندر سنگھ نے چھتیس ۳۶ لاکھ روپے بطور پیش کش حاضر کئے اس موقع پر ٹیکے کی
رسم بند ہو چکی تھی تسلیم کا عمل کافی تھا۔ اب سونگ رگھوناتھ داس بھاٹی۔
رنچھوڑ۔ درگا داس وغیرہ نے مہاراجہ متوفی کی موت کے ساتھ دو رانیوں کے

بیٹے کو لاہور میں جنم دینے کی خبر پیش کی اور عرض کیا کہ بیٹوں کو منصب اور ریاست عطا ہونی چاہیئے۔ بادشاہ کی طرف سے حکم ہوا کہ بیٹوں کو دربار میں بھیجدیا جائے بالغ ہونے پر منصب اور راج عطا ہوگا۔ ان سرداروں نے دہلی پہنچکر زور دار طریقے سے اپنی عرض پر اصرار کیا۔ اسی درمیان میں ایک بچہ فوت ہو گیا۔ جب بادشاہ کو پتہ چلا کہ یہ لوگ دوسرے بچے کو اُن دونوں ماؤں کے ساتھ جودھپور لیجانا چاہتے ہیں۔ تو بادشاہ نے ۱۵ر جولائی کو حکم دیا کہ دونوں رانیوں اور بچے کو پکڑ کر، جو روپ سنگھ کی حویلی میں رہ رہے تھے۔ نور باغ میں رکھ دیا جائے۔ سمجھانے بجھانے پر یہ لوگ نہیں مانے اور کئی بادشاہی آدمیوں کو قتل کر دینے پر خود بھی کئی لوگ مارے گئے۔

اب راجپوتوں نے دونوں رانیوں کو قتل کر دیا جو مردانہ لباس میں باہر نکالی گئی تھیں۔ دوسرے بچے کو ایک اہیر کے مکان میں چھوڑ کر تتر بتر ہو کر بھگدڑ کا راستہ اختیار کیا۔ فولاد خاں نے بچے کو دودھ والے کے گھر سے لیکر دربار میں پیش کیا اور مہاراجہ کی خادماؤں نے جو قید میں لے لی گئی تھیں شناخت کی کہ ہاں یہ مہاراجہ کا بچہ ہے۔ بچے کو بادشاہی حرم میں زیب النساء بیگم کے نوکروں کی نگرانی میں رکھدیا گیا اور اُسکا نام محمدی راج رکھا گیا۔ فولاد خاں نے دوسرے دن بچے کیلئے زیورات اور دوسری چیزیں مہیا کیں۔ اس ہنگامے میں مہاراجہ کی دونوں رانیوں اور دیگر راجپوتوں کا اثاثہ لوٹ لیا گیا تھا۔ جو مال بادشاہی عملہ نے حکومت کے لئے ضبط کر لیا تھا۔ وہ بیت المال کے کوٹھے میں داخل کروادیا گیا۔ دونوں رانیوں اور رنچھوڑ سنگھ کی لاشیں اور اُن لوگوں کے تیس ۳۰ سرداروں کے سر شمار کیے گئے۔ باقی لوگ بادشاہی افسروں سے بچکر جودھپور پہنچ گئے۔ (۲۳ر جولائی ۱۶۷۹ء ۱۰۹۰ھ) میں اُن لوگوں نے دُرگا داس اور دیگر لوگوں کے بہکاؤ پر دو نقلی لڑکوں کو مہاراجہ جسونت سنگھ کی اولاد کہکر

ایک کورن متعنبہ (جو فوت ہوگیا تھا) دوسرے کو اجیت سنگھ، فساد برپا کیا۔ طاہر خاں فوج دار جودھپور اجس نے بھگوڑوں کو روکنے کیلئے کوئی چستی نہیں دکھلائی تھی، معزول کردیا گیا۔ اور خان کے خطاب سے محروم۔ اندر سنگھ بھی جو ملک پر حکومت کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اور شورش کو نہیں دبا سکا دربار میں حاضر کرلیا گیا۔ ماہ اگست ۱۶۷۹ء میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ مہاراجا کے ایک سردار راج سنگھ (راٹھور) نے ایک ان گنت گرد اکٹھا کرکے اجمیر کے فوجدار تہوّر خان کا مقابلہ کیا ہے۔ اور تین دن تک گھمسان کی لڑائی ہوئی ہے۔ اور تیر و تفنگ کی نشانہ بازی کے بعد تلوار بازی کی نوبت آئی ہے جس سے فریقین میں مقتولوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ بالآخر تہوّر خان کو فتح نصیب ہوئی اور راج سنگھ بے شمار آدمیوں کے ساتھ مارا گیا ہے۔ بلاشبہ بادشاہی فوجوں نے ایسی بہادری کی نمائش کی کہ راجپوتوں نے پھر کبھی لڑائی کی پیش قدمی نہیں کی بلکہ ریگستانوں اور بیابانوں میں سر چھپاتے رہے۔ بادشاہ ماہ ستمبر کے آخر میں اجمیر آپہونچے کہ باغیوں کو سزا دی جائے۔ یہ مآثر عالمگیری کتاب کا سرکاری بیان ہے۔ (مآثر عالمگیری ص ۱۱۰-۱۱۱)

یہ بیان سرکاری مورخ ساقی مستعد خاں کا بیان ہے جو اس نے مآثر عالمگیری میں درج کیا ہے۔ اس سے نقیر حقیر کاتب السطور دو نتیجے نکالنا چاہتا ہے ایک تو یہ کہ راجپوتوں کی بغاوت کا آغاز دلی میں ہی ہو چکا تھا۔ (بقول ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ اجیت سنگھ کو بناوٹی اعلان کرکے اورنگزیب اجیت کے حمایتیوں کو منقسم نہ کرسکا۔ جودھپور کو جیتنے کے لئے طاقت ور فوج وہاں بھیجی گئی اور خود بھی اورنگزیب فوج لیکر اجمیر پہونچا۔ پشکر کے پاس تین دن گھمسان کی لڑائی کے بعد راجپوتوں کی ہار ہوئی۔ بادشاہی فوج نے جودھپور اور میدان کے دوسرے تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کرلیا۔ مارواڑ میں ہر جگہ افراتفری اور مار کاٹ مچ

گئی۔ باغی راجپوتوں نے ڈٹ کر سامنے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور وہ پہاڑوں اور
مرو بھومی میں جا پہونچے اور وہیں سے مغلوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ جلد ہی اس کٹھن
وقت میں اودے پور کا مہاراجا رانا راج سنگھ بھی باغی راٹھوڑوں کا ساتھ دینے
کی تیاری کرنے لگا۔ اس کی اطلاع پاتے ہی اورنگ زیب ہی نے راج سنگھ پر حملہ
کرنے کی پہل کردی۔ مہارانا اور اس کے ساتھی پہاڑوں میں جا چھپے۔ اودے پور
چتوڑ کے شہروں اور میواڑ کے میدانوں پر قبضہ کر کے مغل فوج نے اِدھر اُدھر اپنی
چوکیاں بٹھادیں۔ چتوڑ کو اپنا مرکز بنا کر اس فوجی حکومت کی سربراہی شاہزادہ اکبر
کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت میواڑ میں ہر جگہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔
اور مارچ ۱۶۸۰ء / ۱۰۹۱ھ کے بعد تو راجپوت باغیوں نے اتنی زیادہ شورش پھیلائی اور
راجپوتی فوج نے ایسی تیزی اور مضبوطی کے ساتھ حملے کیے کہ ان کے "ڈر کے مارے
شاہی فوج پورے طور پر غیر متحرک ہوگئی"۔ (پورو آدھنک راجستھان ص ۱۴۲-۱۴۳)

دوسری بات یہ ہے کہ اس بغاوت کے شروع کے سالوں کے لئے ایک نیا ماخذ
مجھکو ہاتھ آیا ہے جس کا مخطوطہ حیدرآباد (دکھن) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اور
اُسکی ایک خوشخط نقل سیتامئو کی رگھوبیر لائبریری میں ہے۔ مگر چونکہ یہ مخطوطہ
نہ شائع ہوا اور نہ ہی اُسکا ترجمہ ابھی تک ایڈٹ ہوا لہٰذا بغاوت کی تفصیلات
اور روز بروز کے واقعات سے جن کا ذکر اس جلد میں آگیا ہے۔ باریک باریک
باتوں پر اس کے اندراجات سے روشنی پڑتی ہے۔ اس جلد کا نام ہے۔ "وقائع
سرکار رن تھنبھور واجمیر"۔ ایک سرکاری واقعہ نویس نے ۱۶۷۹ء / ۱۰۹۰ھ کے
پیشتر ہی راجستھان کی خبریں مرکزی حکومت میں بھیجنی شروع کردی تھیں۔
جیسے ہی جودھپور میں بغاوت کی آگ بھڑکی واقعہ نویس کی تعیناتی اجمیر
کی ہوگئی۔ اجمیر کو اپنا مرکز بنا کر واقعہ نویس نے اجمیر اور میڑتہ اور ناگور، اجمیر

اور جودھپور اور درمیان میں میڑتہ کی خبریں دینی شروع کیں جسکا وہ معاصر اور چشم دید اخبار نویس ہے۔ ان خبروں کا گویا یہ مجموعہ ہے جس کا ایک نسخہ کسی طرح سے پہونچا اور بغاوت جودھپور کے لئے میرا اچھا خاصہ ماخذ بن گیا۔ (ملاحظہ ہو کیٹلاگ پرشین میوسکرپٹس اینڈ ریکارڈس سیتامئو لائبریری)

پیشتر اسکے فقیر حقیر وقائع سے بغاوتِ راجپوتان کی تفصیلات پیش کرے مناسب ہوگا کہ ۱۶۷۶ء/۱۰۸۷ھ سے ۱۶۷۹ء/۱۰۹۰ھ کے حالات ناگور پر اس مخطوطے سے کیا روشنی پڑتی ہے۔ اُس کا ذکر کر دیا جائے۔ فی الحال وقائع کا مخطوطہ فقیر حقیر کی پہونچ سے باہر ہے لہٰذا میں اپنے کرم فرما دوست ڈاکٹر محمد صدیقی الہ آبادی کی تھیسس میں دیئے اقتباسات سے استفادہ کر رہا ہوں۔

۱۶۷۶ء/۱۰۸۷ھ سے ۱۶۷۹ء/۱۰۹۰ھ میں ناگور کی کیفیت

راؤ رائے سنگھ کی وفات کے بعد بادشاہ اورنگزیب نے رائے سنگھ کے اکلوتے بیٹے اندر سنگھ کو ناگور کے پرگنے کی جاگیر اپنے باپ کے جانشین کی حیثیت سے عطا کر دی تھی مگر ان تین سالوں میں اندر سنگھ کی نقل و حرکت کیا رہی مجھکو کسی ماخذ میں نہیں ملی سوائے اس کے کہ ۱۶۷۹ء/۱۰۹۰ھ میں اندر سنگھ دکھن کی لڑائیوں میں کام کر رہا تھا جہاں سے بلا کر اورنگزیب نے اُس کو جودھپور کا راجا نامزد کر دیا۔ البتہ ناگور کے اندرونی حالات جو واقعہ نویس نے دربار دلی کو بھیجے اُن سے ناگور کی جو تصویر سامنے آتی ہے۔ وہ اچھی نہیں ہے۔ اجمیر کے فوجدار اس وقت افتخار خاں تھے۔ ناگور کے متنازعہ فیہ معاملات کا استغاثہ اجمیر کے فوجدار کے یہاں پیش ہوا تھا۔ ایک ایسے ہی مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ جودھپور کے وطن میں ملازموں کے اندر فاسقوں فاجروں کی کمی نہیں تھی۔ علیٰ ہذا القیاس

ناگور کے قاضی محمد صادق کے خلاف دیگر شکایتوں کے ساتھ رشوت ستانی کی رپورٹ پر راؤ اندر سنگھ نے اسکو معطل کر کے جلاوطن کر دیا تھا۔ اس کی اپیل پر اجمیر کے فوجدار افتخار خاں نے اس معاملے میں کوئی دخل نہیں دیا۔

ناگور کے مسلمانوں کو یہ شکایت بنی رہی کہ ناگور کے محتسب کی جگہ پانچ سال سے خالی پڑی ہے لہٰذا ناگور کے لئے ایک محتسب اور ایک ایمان دار قاضی کے تقرر کی ضرورت ہے کیونکہ غیر مسلم جاگیردار راؤ اندر سنگھ کی حکومت میں اسلامی شریعت کی نفاذ میں تساہلی برتی جا رہی ہے۔

یہ دونوں واقعات ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۸ء کے ہیں اسی سال ناگور میں زمین کے اندر سے دو سنگ مرمر کی مورتیاں برآمد ہوئیں جو فن سنگ تراشی کا بہترین نمونہ تھیں اور جنکو دیکھکر عوام حیرت زدہ رہ گئی۔ مسلمانوں نے ان دونوں مورتیوں کو پھر سے سپرد زمین کر دیا۔

اسی سال ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۸ء میں ناگور کے شاہی گماشتے نے بادشاہ کو رپورٹ بھیجی کہ راؤ اندر سنگھ جاگیردار ناگور کے ملازمین سے جرمانہ وصول کرنے اور غریب رعایا کو تکلیف پہونچانے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ لوگ کسی بھی شخص پر کوئی الزام لگاکر جرمانہ وصولی کا معاملہ بنا لیتے ہیں۔ اُن کی بے ضابطگی اور تشدد پسندی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے ایک مالی پر فرضی جھوٹا الزام لگاکر ایک ماہ تک قید میں رکھا۔ جب مالی کے رشتہ داروں نے جرمانے کے پچاس روپئے جمع کیے تب اُس مالی کو قید سے رہائی ملی۔

یہ واقعہ نہ صرف اس بات کا گواہ ہے کہ اس وقت ناگور میں ایک ایمان دار قاضی کی ضرورت تھی بلکہ ایسے واقعات اُن جاگیروں میں واقع ہو سکتے ہیں جہاں کے جاگیردار وطن یا دیس سے دور بادشاہی منصبداری کے تحت شاہی خدمات

خدمات میں مصروف رہتے تھے خواہ وہ جاگیر ناگور کی ہو یا ریاست رئیس جودھپور کی ہو۔ اُن کی عدم موجودگی اور غیر حاضری اور دور درازی کی رہائش خواہ دکھن ہو یا کابل ہو مقامی طور پر اُن کے ملازموں کو من مانی بدعنوانیاں کرنے کا موقع فراہم کرتی تھی۔

ایک واقعہ ناگور پرگنے کا ہے جو ۴ رجنوری ۱۶۷۹ء / ۱۰۹۰ھ کے ایک فارسی کے کتبے سے جانا جاتا ہے۔ راؤ رائے سنگھ کے عہد کے کوتوال ڈونگر سنگھ گہلوت سے تو ہم متعارف ہو چکے ہیں۔ یہی ڈونگر سنگھ گہلوت اب راؤ اندر سنگھ کی جاگیرداری میں کافی متحرک نظر آتے ہیں۔ موضع جنجالا پرگنہ ناگور کے تالاب کی میٹر پر کا یہ کتبہ خبر دیتا ہے۔ کہ راؤ رائے سنگھ کے بیٹے راؤ اندر سنگھ کے عہد میں ڈونگر سی گہلوت کے زیر اہتمام یہ فیصلہ کیا گیا کہ کوئی شخص بھی خواہ ہندو ہو یا مسلمان جنجالا تالاب کی کی آمدنی میں سے خرچ نہ کرے سوائے اس کے کہ وہ خرچ تالاب کی مرمت کے لئے کیا جائے۔ (دی ریسرچر کتبہ نمبر ۳۰۲) اس کتبے کے کاتب قاضی محمد کے بیٹے شاہ محمد ہیں۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ قاضی محمد صادق ناگوری معزول شدہ کی جگہ پر شاید قاضی محمد کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

مارواڑ میں ارجکتا ۱۶۷۹ء / ۱۰۹۰ھ

ہم اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ مہاراجا جسونت سنگھ کی موت کی خبر دلی پہونچتے ہی بادشاہ عالم گیر کی حاضر دماغی نے یہ فرمان نافذ کر دیا تھا کہ ریاست جودھپور کی ملک داری کا انتظام بادشاہی عملہ اپنے ہاتھ میں لے لیئے چنانچہ تاریخ وفات مہاراجا ۱۰ دسمبر ۱۶۷۸ء / ۱۰۸۹ھ سے ایک ماہ کے اندر طاہر خاں فوجدار جودھپور، خدمت گذار خاں قلعدار جودھپور، شیخ انور امین اور عبدالرحیم کوتوال

جودھپور مقرر ہو گئے۔ یہ تقرریاں ماہ جنوری ۱۶۷۹ء ۱۰۹۰ھ میں عمل میں آئیں (عید الاضحیٰ کے بعد) اس سے قبل ہی بادشاہ نے ۹ر جنوری ۱۶۷۹ء ۱۰۹۰ھ میں یعنی عید سے ایک ماہ پیشتر ہی دہلی کا انتظام کر کے اجمیر کا سفر اختیار کر لیا تھا اور ۸ر فروری کو خان جہاں بہادر کو حسن علی خاں اور دیگر امیروں کے ساتھ بھیجدیا گیا تھا کہ ملک مہاراجہ پر قبضہ جمالیں۔ ۱۹ر فروری کو بادشاہ کا اجمیر پہونچ جانا عالمگیری میں لکھا ہے۔ مختصر یہ کہ مہاراجا کی وفات کے دو ماہ کے اندر ریاست مارواڑ کا ملکی انتظام بادشاہ کے عملہ کے ہاتھوں میں آگیا اور دونوں حاملہ رانیوں کے یہاں ولادت ہو جانے کا کوئی اثر بادشاہ کے مزاج نے نہیں لیا۔ ولادت کی یہ رپوٹ بادشاہ کو جب مہاراجہ کے وکیل نے پیش کی تو وہ تاریخ ۲۶ر فروری کی تھی۔ اگلے ماہ مارچ میں سید عبداللہ کو سیوانہ کے قلعہ میں بھیجا گیا کہ متوفی مہاراجہ کی جائیداد کو ضبط کرلے۔ میری منشاء یہ دکھلانے کی ہے کہ بقول واقعہ نویس جنوری ۱۶۷۹ء میں جودھپور میں بدنظمی پھیل چکی تھی۔ اجمیر اور جودھپور۔ ناگور کے درمیان میڑتہ کے وقوع کو ان ایام میں اہمیت حاصل تھی۔ میڑتہ کے لوگوں نے اطراف میں لوٹ مار شروع کردی تھی اور اجمیر سے چلنے والے راہ گیر کو خواہ جودھپور جانا ہو یا ناگور، اُس کا راستہ میڑتا ہو کر ہی گذرتا تھا جہاں لوٹ مار کے ساتھ خونریزی بھی ہو رہی تھی۔ بلوائیوں کے ہاتھوں مظلوم مہاجنوں نے مالِ تجارت اب ناگور لے جانا شروع کر دیا تھا جس سے بیل گاڑی اور اونٹوں کی سواری کا کرایہ پندرہ ۱۵ روپیہ تک پہونچ گیا تھا۔

بادشاہی انتظام کے کارن جودھپور کے ٹیکے کے امیدوار بھی پیدا ہو رہے تھے۔ اُن میں ایک صاحب انوپ سنگھ نامی تھے جو ۵۰۰ سواروں کے ساتھ اجمیر پہونچے اور اجمیر کے فوجدار افتخار خاں کے سامنے اُس کے ہتھیار بند سپاہی

افتخار خاں کی مجلس میں جا بیٹھے۔ انوپ سنگھ نے بات چھیڑی کہ ناگور کے راؤ اندر سنگھ دکھن سے بلائے گئے ہیں۔ میں انوپ سنگھ جودھپور کے لیے پیش کش پچاس لاکھ روپیہ نقد پیش کرنا چاہتا ہوں اور بیس لاکھ کی رقم اسکے علاوہ مہاراجہ جسونت سنگھ کے مال جائیداد میں سے بادشاہ کو نذر کروں گا۔ اگر یہ تجویز منظور ہوئی اور جودھپور راؤ اندر سنگھ ناگوری کو دیا گیا تو پھر ناگور ہی مجھے بخش دیا جائے جس کے لیے پانچ لاکھ روپیہ پیش کش حاضر ہے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو پرگنہ جالور کی بخشش کے لیے پچاس لاکھ روپیہ مجھے منظور ہے۔ (وقائع ص ۱۰۶ - ۱۰۷)

افتخار خاں انوپ سنگھ کی گفتگو سے حیرت میں پڑ گیا اور حکمت عملی سے اُسے ٹال کر راؤ اندر سنگھ متعینہ دکھن کے بیٹے لڑکے کنور مکھم سنگھ کو لکھا کہ بادشاہ کی طرف سے مجھے یہ ہدایت ملی ہے کہ جودھپور کا ٹیکا راؤ اندر سنگھ کو دیدیا جائے۔ لہٰذا آپ جلد از جلد بلا تاخیر میرٹھ جاکر شاہی ملازموں میں شامل ہوجائیں۔ (۱۲/۱۱ اپریل ۱۶۷۹ء / ۱۰۹۰ھ) کے وقائع میں درج ہے کہ مکھم سنگھ جو اپنی فوج ناگور سے لیکر چلے تھے اسکو اجمیر میں شاہی حکم کے مطابق ٹھہرا لیا گیا جہاں اس وقت افتخار خاں کی جگہ پر تہور خاں کا عمل تھا۔

ماثر عالمگیری کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ مارچ کے اندر راؤ اندر سنگھ دکھن سے آچکے تھے کیونکہ یکم اپریل کی تاریخ میں اندر سنگھ مہاراجہ راج سنگھ کے کنور بجے سنگھ کو بادشاہ سے ملانے کو لے گیا تھا۔ اس اندراج کی تائید وقائع سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے دو ماہ بعد ۲۶ مئی ۱۶۷۹ء / ۱۰۹۰ھ کو جودھپور کا ٹیکا راؤ اندر سنگھ کے حق میں ہوا (ماثر عالمگیری ص ۱۰۹)

اسی وقت کے اندراج سے قیاس ہوتا ہے کہ ناگور کی مسلمان رعایا کی مانگ کہ پانچ سال سے خالی محتسب کی جگہ پُر کردی جائے منظور ہوئی اور

اب اس وقت ناگور کے نئے محتسب نے ہندوؤں کے مندر اور مسلمانوں کی مساجد کی مرمت اور مسجدوں میں مؤذن اور امام و وظیفہ خوار نہیں ہیں بلکہ مندروں کی ضروریات راجپوتوں اور مہاجنوں کے ذریعے پوری ہوتی رہتی ہیں پوری کیفیت لکھکر حکومت کو بھیجدی۔ اوپر سے جواب موصول ہوا کہ مانگ پوری کی جائے گی۔ اسی مہینے میں ناگور کے تاجروں نے شاہی دربار میں استغاثہ دائر کیا کہ ایک فرمان کے ذریعے جو ہمکو راحت دی گئی تھی اب پھر ناگور کے راؤ کے متصدی اس پر پورے طور سے عمل درآمد نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ پہلے کی طرح رشوت کا بازار گرم ہے۔ اس مکروہ فعل میں شاہی ملازمین بھی اُن کی تائید کر رہے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ ایک شکایت مسلمان سنگ تراشوں کو اس بات کی تھی کہ مندروں کی تعمیر میں اُن سے جبراً کام کرایا جا رہا تھا۔ مثلاً دلپت رائے دیوان کا مندر، بھتی برہم چاری کا مندر، ان دونوں مندروں کیلئے مورتیاں بنانے کا کام ان سنگ تراش کاروں کو سونپا گیا۔ خاص شکایت بخت مل قانون گو کے خلاف تھی جو چھوت چھات کی بنا پر جہاں مسلمانوں کے قدم پڑ جائیں اُس جگہ کو دھلواتا تھا۔ غنیمت یہ ہوئی کہ راؤ اندر سنگھ نے حالات کو سنبھال لیا۔ بادشاہ کی طرف سے نئے مندروں کی تعمیر اور پرانے مندروں کی یاترا میں کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔

۲۳ر جون ۱۶۷۹ء ۱۰۹۰ھ کو رام بھائی اور سونگ راٹھوڑ نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ مہاراجا جسونت کے بیٹے کو اُن کا حق مارواڑ دیس اور وہاں کی زمینداری دے دی جائے تو ہم عہد کرتے ہیں کہ پورے مارواڑ میں کسی بھی مندر کو نہیں چھوڑیں گے اور اپنے ہاتھوں سے وہاں کے تمام مندروں کو مسمار کر کے اُس جگہ پر مسجدوں کی تعمیر کروائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اسلام دھرم کے تمام دھارمک کاموں کو رواج دیں گے اس منشاء کی تحریریں نے قاضی القضات اور شیخ الاسلام

کے پاس بھی بھیجی ہے۔

یکم جولائی ۱۶۷۹ء کی خبر ہے کہ مونگ راٹھوڑ کے بھتیجے اگھے راج نے تیس۳۰ چالیس۴۰ آدمیوں کو ساتھ لیکر جودھپور کے قلعہ دار بھگوان داس کے چچیرے بھائی کشن داس کے گھر پر حملہ کر کے اُس کا اور اُس کے چار خادموں کا قتل اس لئے کر دیا کہ اُس نے مہاراجا جسونت سنگھ کے خاندان کی ملازمت چھوڑ کر راؤ اندر سنگھ کی خدمت میں رہنا، اُس سے بے دھڑک ملنا جلنا اور ہر طرح سے اُس کی تائید کرنا شروع کر دیا تھا۔ مقتول کے اونٹ گھوڑے اور ہتھیار بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے دو دن قبل ۲۹ جون ۱۶۷۹ء (۱۰۹۰ھ) کو ماجھا (ناگور) کا خاص باغی راج سنگھ نامی بیپاریوں کو لوٹ کر اپنے گاؤں ماجھا سے لاڈنوں ہوتا ہوا بیکانیر کی سرحد میں چلا گیا۔ اس پر میڑتہ کے فوجدار سعد اللہ خان اور پرتھوی سنگھ نے ۲ جولائی کو ماجھا پہونچ کر بہت سا لوٹ کا مال برآمد کیا۔ فوجدار سعد اللہ نے اس واقعہ کی اطلاع راؤ اندر سنگھ کے وکیلوں کو ناگور میں بھیجدی۔

جولائی۔ اگست ۱۶۷۹ء میں راؤ اندر سنگھ کے متصدی جواہر مل نے اپنے جودھپور پہنچنے اور وہاں کے انتظام سنبھالنے کی اطلاع وہاں کے صاحب اختیار لوگوں کو دی۔ ناگور سے جودھپور کے لئے روانہ ہونے سے پیشتر وہ اس کی اطلاع طاہر خاں فوجدار جودھپور اور دین دار خاں قیام خاں کو دے چکا تھا۔ جودھپور کے راجپوت جوہر مل کے داخلے کو روکنا چاہتے تھے جسکا کارن یہی تھا کہ وہ لوگ راؤ اندر سنگھ سے ناراض تھے اندر سنگھ کی حکومت کے مقابلے میں خالصہ حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔ جوہر مل کے خلاف اُن کی بدسلوکی اتنی بڑھ گئی کہ اسکا جودھپور میں داخلہ دشوار ہو گیا۔ اور وہ منہ لٹکا کر ناگور واپس چلا گیا حقیقت یہ ہوئی کہ راستے میں آسوپا گاؤں ہی میں اُس کو روک لیا گیا تھا۔ جہاں وہ

اندر سنگھ کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ البتہ بیکانیر کے حکمراں راؤ انوپ سنگھ کے متصدیوں نے جو مراسلہ اندر سنگھ کے وکیل ناہر سنگھ کو بھیجا اُسکا مقصد دونوں ریاستوں کے درمیان دوستی قائم کرنا تھا۔

اسی درمیان میں اورنگزیب کا فرمان، تہوّر خاں فوجدار اجمیر کی معرفت اندر سنگھ کو موصول ہوا کہ وہ میڑتا اور اطراف کے نظم ونسق کے بارے میں خبردار رہے اور مسافروں کو ہتھیار بند دستہ ہائے محافظین کا انتظام کرتے۔ اس کام کیلئے خواہ میڑتہ خواہ پوکرن کو اپنا صدر مقام بنائے ادھر چار ہزار سوار اور پیدل باغیوں نے جودھپور میں جمع ہوکر فوجدار طاہر خاں پر دباؤ ڈالا کہ آپ جودھپور چھوڑ دیں تاکہ ہم اندر سنگھ سے نپٹ لیں۔ طاہر خاں بھی سپٹپٹا گئے۔ اسی اثناء میں جودھپور کے باغیوں نے موضع آسوپ میں جمع ہوکر جوہر مل کے ساتھ اندر سنگھ کو بھی گھیر لیا اور راستہ بند کر دیا اکثر وبیشتر راجپوت اندر سنگھ کی خدمت کرنے سے کترانے لگے اور اُس کے بلانے پر بھی اسکی پرواہ نہ کی۔ اندر سنگھ کے ایک ہزار پانچ سو سواروں کو ناگور میں پکڑ لیا۔ اور شاہی دربار کے ملازموں کو بھی ناگور میں رہنے نہیں دیا۔

ماہِ جولائی۔ اگست ۱۶۷۹ء میں تہوّر خاں فوجدار اجمیر کا خط اندر سنگھ کے نام آیا کہ بادشاہی فرمان کے مطابق باغی راج سنگھ کو ختم کرنا ہے جس نے مسافروں کو لوٹا کھسوٹا ہے کیونکہ باغی راج سنگھ نے میرتا کو چار کوس تک اپنی غارت گری سے خوف زدہ کر دیا ہے لہٰذا آپ خود پھرتی سے میڑتہ پہونچ جائیے اور میں بھی اجمیر سے میڑتہ کے لئے روانہ ہو جاؤں۔ ہم دونوں ملکر باغیوں کے خلاف عملی کاروائی کر سکیں گے۔ ادھر جودھپور میں کیا ہوا کہ باغی راجپوتوں نے جمع ہوکر طاہر خاں فوجدار کو گھیر لیا اور لڑائی

کرنے لگے کہ جودھپور کے باہر چلے جاؤ۔ مجبور ہو کر طاہر خاں جودھپور کے کوتوال محمد رحیم اور قاضی حامد کے ساتھ باغیوں سے لڑتا بھڑتا کسی طرح پسپا ہو کر ناگور جا پہونچا اور راندر سنگھ کے وکیل جوہر مل کی فوج کے ساتھ دس کوس پر جا کر مل گیا ۔ ۔ اگست کو اندر سنگھ بھی ناگور کے قریب پہونچا۔ ناگور کے شہریوں نے اس کے مقام پر پہونچکر اُس کا سواگت کیا۔ اس کے بعد ہی تہوّر خاں فوجدار اجمیر کو منصبدار حاجی عباس قلی کی معرفت، طاہر خاں کے جودھپور سے نکالے جانے، راٹھوڑوں کے بلوے، راج سنگھ کے ذریعے طاہر خاں کے راستہ روکے جانے طاہر خاں کی ناگور کی طرف روانگی، سورج مل کے ذریعے موضع آسوپ کی ناکے بندی اور میڑتہ کے اطراف میں ماموره نام کے گاؤں میں راج سنگھ کے پڑاؤ وغیرہ کی اطلاع پہونچ گئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سعد اللہ فوجدار میڑتہ اور پرتھوی سنگھ متصدی راج سنگھ سے لڑنے کیلئے پا بہ رکاب ہیں۔ یہ سب سنکر تہوّر خاں نے اندر سنگھ کو دوسرا خط لکھا کہ سعد اللہ اور پرتھوی سنگھ کو باغی راج سنگھ نے پانچ دنوں سے گھیر رکھا ہے۔ اور پرگنہ میڑتہ کو اجاڑ رہا ہے لہٰذا آپ بغیر مزید سوچ وبچار کے اُن دونوں کی مدد کے لئے جائیے۔

اِن دنوں میں اجمیر سے ناگور تک کا راستہ غیر محفوظ ہو چکا تھا۔ ۱۵/ اگست ۱۶۷۹ء/ ۱۰۹۰ھ کو طاہر خاں نے ناگور سے بادشاہ کے دربار میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ ناگور سے مکرانہ پہونچا جہاں دین دار خاں قیام خاں بھی پہونچ گیا اور دونوں شاہی فرمان کا انتظار کرنے لگے۔ فرمان آیا کہ میڑتہ پہونچیں۔ اس وقت اندر سنگھ اپنے ایک ہزار سواروں کے ساتھ ناگور ہی میں موجود تھا اور متصدی جوہر مل سات کوس کی دوری پر چھ سو اور چار سو سواروں کی دو ٹکریوں کے ساتھ موجود تھا۔

اسی درمیان تہوّر خاں کو اطلاع ملی کہ طاہر خاں کے ایک قریبی رشتہ دار میر نصیر اور دین دار قیام خاں کے ستر سواروں اور پیادوں کو بلوائیوں نے پوکرن کی گڑھی میں گھیر رکھا ہے۔ اس کی اطلاع شاہی دربار میں کر کے تہوّر خاں نے اندر سنگھ کی ایک شائستہ اور تجربہ کار منتظم کی حیثیت سے توصیف بھی کردی۔

دراصل اس وقت سورج مل مع ایک ہزار باغی راجپوتوں کے موضع آسوپ میں اندر سنگھ کا راستہ ابھی تک روکے ہوئے تھے۔ اندر سنگھ کے خط کے جواب میں سورج مل نے جو کچھ بھی لکھا اس سے بے فکر ہو کر اندر سنگھ ناگور سے جودھپور کی طرف روانہ ہوا اور آسوپ کے گاؤں کے پاس ہی اس نے اپنا پڑاؤ ڈال دیا (۲۱ ر اگست ۱۶۷۹ء) اس پڑاؤ سے اندر سنگھ کے آدمیوں نے سورج مل کے پاس آمد و رفت شروع کی۔ سورج مل صحت یاب ہونے پر ہی اندر سنگھ سے مل سکا۔ اس کے بعد اندر سنگھ نے اپنا سفر جودھپور کی جانب شروع کیا۔

راستہ میں بمقام جیتارن باغی راجپوت مجتمع تھے۔ مگر اندر سنگھ کے آگے بڑھنے کی اطلاع پا کر میڑتہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور اندر سنگھ اب بلا مزاحمت جودھپور کی طرف بڑھا تو راستہ میں دین دار قیام خانی اپنی فوجی ٹکری کے ساتھ اس کے شامل ہو گیا۔ اب دونوں اندر سنگھ و دین دار خاں جودھپور کے نزدیک نو کوس پر تھے۔ اسی درمیان میں، اداوت کے شورش پسند راجپوتوں کا ایک دل جیتارن سے آکر باغی راج سنگھ سے مل گیا۔ راج سنگھ نے دو دنوں تک میڑتہ کو گھیرے رکھا اور پرتھوی سنگھ میڑتیا کو پیغام بھیجا کہ آپ میڑتہ سے کہیں اور چلے جائیں مگر پرتھوی سنگھ وہیں ڈٹا رہا۔ اسی وقت راج سنگھ کو اطلاع ملی کہ اندر سنگھ جودھپور کے بہت قریب میں پہونچ گیا ہے۔ نتیجتاً اس نے فی الفور میڑتہ شہر سے اپنا گھیرا اٹھا لیا

اور کچھ دور جودھپور کی سمت میں چل کر اجمیر کی طرف چلا گیا۔ مگر انوہ یہ پھیلادی کہ ناگور کو لوٹ نے جارہا ہے۔ اس طرح میڑتہ کے صاحب اختیار عملہ کو وہم میں ڈال دیا لیکن اس کے اس عمل سے اندر سنگھ کو جودھپور پہونچنے میں سہولت حاصل ہوگئی اور اب جودھپور کا فاصلہ صرف پانچ کوس رہ گیا تھا جودھپور کے پاس پہونچنے تک سونگ راٹھوڑ اور بھگوان داس قلعہ دار کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر راجپوت اس کے حمایتی ہو گئے۔

اسی درمیان میں باغی راج سنگھ کی سرداری میں تین ہزار ہنگامہ خیز راجپوتوں نے اجمیر پہونچکر فوجدار تہور خاں کے ساتھ لڑائی کی لیکن اس لڑائی میں راج سنگھ اور بہتیرے راجپوت مارے گئے۔ یہ گھمسان کی جنگ تھی جو پشکر کے قریب واقع ہوئی۔

اب اندر سنگھ جودھپور سے تین کوس کی دوری پر موضع شیو پور پہونچ چکے تھے۔ وہاں پر مخالف راجپوتوں نے اپنے اپنے نمائندے بھیج کر اندر سنگھ کے ساتھ دوستی کا اظہار کیا لیکن بذات خود آکر کوئی بھی سردار اندر سنگھ سے نہیں ملا کیونکہ سونگ راٹھوڑ رام بھائی اور بھگوان داس کسی بھی حالت میں اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بلکہ جنگ کے لئے آمادہ ہونیکی وجہ سے رانی ہاڑی کو قلعہ سے نیچے لے آئے کہ رانی صاحبہ کو بھی لڑائی میں شریک کر سکیں۔ اس سے قبل کہ جنگ کی نوبت آئے بادشاہ اورنگزیب نے اندر سنگھ کو اپنے پاس بلالیا اندر سنگھ ۲۷ اگست کو خضر آباد کے باغ میں اورنگزیب کے سامنے حاضر ہوا۔ بادشاہ سے ملاقات کر کے اندر سنگھ پھر جودھپور واپس لوٹ گیا۔

اگلے مہینے ستمبر، اکتوبر ۱۶۷۹ء ۱۰۹۰ھ حاجی بیگ احدی گرزبردار حسب الحکم اندر سنگھ اور دین دار قیام خانی کے نام کے دو خط لیکر فوجدار تہور خان کے پاس اجمیر پہونچا۔ تاکہ وہ کسی صورت سے اُسے اندر سنگھ کے پاس جودھپور پہونچا دے۔ (کیونکہ جودھپور کا راستہ غیر محفوظ تھا) تہور خاں نے منصبدار سادل راٹھوڑ کی مدد

سے گرز بردار کے لئے جو راستہ جودھپور پہونچنے کا تجویز کیا وہ یہ تھا کہ حاجی بیگ احدی کو ہرسور پہونچا دیا جائے۔ وہاں سے ہرسور کے جاگیردار کے آدمی بادشاہی ایلچی کو ہرسور سے ناگور لے جائیں اور ناگور سے اندر سنگھ کے آدمی اُسے جودھپور تک لے جائیں۔ یہی حالت میڑتہ کی شاہراہ کی جس سے کہ دلی کے قاصد کو ٹیڑھا میڑھا راستہ اختیار کرنا پڑا ہوگا۔

بادشاہی ڈاک تھی اس لئے تہور خاں کو غیر معمولی احتیاط برتنی پڑی تھی ورنہ پشکر کی جنگ میں آشادی پسند راٹھوڑوں کے سردار راج سنگھ کا مع اپنے اقربا اور دوسرے سہیوگیوں کے مارے جانے راٹھوڑوں کی کمر توڑ دی تھی۔ لہٰذا جو جمعیت باغی راجپوتوں کی (چار ہزاری سواروں کی) جالور کو لوٹنے اور سجان سنگھ سے جنگ سنگھ سے جنگ کرنے جارہی تھی اُسے سونگ راٹھوڑ نے راستے کے مقام دوناڑہ سے لوٹا دیا کیونکہ اندر سنگھ جودھپور کے بالکل قریب پہونچ گیا تھا سونگ راٹھوڑ اور اُس کی ٹکڑی نے اس وقت اندر سنگھ سے مقابلہ کرنے میں پہلو تہی کی باغی راٹھوڑوں نے یکے بعد دیگرے اپنے زعم کو ترک کر کے اندر سنگھ سے دوستی کا ہاتھ ملانے کا مشورہ کیا حسن اتفاق سے اسی وقت تاج خاں کے پانچ ہزار تیرانداز (تورانی مغل) اجمیر پہونچ گئے تھے۔ اور خط کے ذریعے تاج خاں اندر سنگھ سے جودھپور پہونچنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ اس خط کو سونگ راٹھوڑ اور اُس کے ساتھیوں کو جیسے ہی پڑھوایا گیا۔ ویسے ہی وہ لوگ جاکر اندر سنگھ سے ملے اور دوستی کرلی۔ وہ ناگور کے کوتوال (ڈونگر سنگھ گہلوت ؟) اور اندر سنگھ کے بیٹے (مُحکم سنگھ) کو بھی جودھپور لے آئے۔ اندر سنگھ اب جودھپور کے قلعے میں داخل ہونے کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اندر سنگھ کا قلعۂ جودھپور کا داخلہ منگل وار پانچویں ۵ شعبان ہجری سنہ ۱۰۹۰ء گیارہ ستمبر سنہ ۱۶۷۹ء کو بھادوں کے مہینے میں طلوع آفتاب کے بعد وقوع میں

آیا ل

جودھپور قلعے میں داخلے پر اندر سنگھ کا رویّہ

حالات کا تقاضا ایسا ہوا کہ اندر سنگھ کے داخلے قلعہ میں کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور سونگ راٹھوڑا اور رام بھائی کو بُلا وا بھیجا مگر اُن کے آنے پر اُن دونوں سے بڑی لاپرواہی سے ملا۔ دوسرے دن یک نشہ دو شار یعنی دربانوں اور چوب داروں نے ان دونوں سرداروں کو دیوان خانے تک جانے نہیں دیا۔ اور کہا کہ آج وقت نہیں ہے کل آنا۔ شرمندہ ہوکر دونوں واپس تو چلے گئے مگر دو دن بعد جودھپور چھوڑ کر کہیں باہر کے لئے روانہ ہو گئے۔ ساتھ ہی دوسرے راجپوت سرداروں نے اندر سنگھ کے برتاؤ سے ناراض ہوکر اُس سے ملنا جلنا بھی بند کر دیا۔ وقائع نویس کی رائے یہ ہے کہ اُس وقت رانی ہاڑی آہوکا کے گاؤں میں ٹھہری ہوئی تھی۔ جو پچیس ۲۵ میل کی دوری پر سنگرام سنگھ کا وطن تھا۔ موضع آہوکا سے رانا راج سنگھ کی جاگیر کی سرحد ملی ہوئی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ رانی ہاڑی اور سرداران راٹھور مل کر رانا راج سنگھ کی فوجیں چڑھا لائیں۔ یہی وجہ تھی کہ اندر سنگھ سابق مہاراجہ جسونت سنگھ کے ملازموں سے خبردار رہنے لگا اور اُن پر اعتماد نہیں کیا۔ علیٰ ہذا القیاس جودھپور والے راٹھوڑ بھی اندر سنگھ سے مکمل مل نہیں سکے۔ یہ ایسی عدم اعتماد کوئی مستقل سمجھوتے کے لئے مانع ہوا۔ اسکے علاوہ اندر سنگھ کے ناگوری ملازمین ناگور کے اندرونی معاملات میں بادشاہ کے علاوہ کسی اور کے دخل در معقولات کے روادار نہیں تھے اس کے بعد راستوں کو محفوظ کرنے کے لئے جگہ جگہ پر تھانے بٹھانے کا اقدام شروع

ل جودھپور کی کھیات کے انگریزی ملخص میں ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ نے صاف لکھا ہے کہ اورنگزیب نے راؤ اندر سنگھ کو پرگنہ جودھپور کا راجہ بنایا تھا نہ کہ جودھپور ریاست کا۔ اسی لئے اب اندر سنگھ پوری ریاست کے پرگنوں کی مانگ کر رہے ہیں۔

کیا گیا۔ خصوصاً میڑتہ سے جودھپور اور میڑتہ سے ناگور کے لئے کیونکہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔ (ماہ ستمبر ۱۶۷۹ء ۱۰۹۰ھ)

البتہ ناگور خاص میں بظاہر کسی خطرے نے سر نہیں اٹھایا اور ۱۶۷۹ء کا دسہرہ کا تیوہار ۲۴ ستمبر کو ناگور والوں نے دھوم دھام سے منایا۔ میڑتہ سے جودھپور کا راستہ تو محفوظ ہو گیا لیکن میڑتہ سے جالور کا راستہ اب بھی غیر محفوظ تھا۔ اسی درمیان میں اندر سنگھ نے سوجت کے دیورت برہمن پر فوج بھیج دی۔ دیورت اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ لڑائی میں کام آیا (ستمبر، اکتوبر) اس مہینے میں کئی ایک ایسے واقعات پیش آئے کہ ناگور کے جغرافیائی وقوع کا فائدہ اٹھا کر اطراف کا سازشی بلوائی، لٹیرا، ڈاکو چور اور شورش پسند طبقہ واردات کرنے کے بعد ناگور میں پناہ لینے لگا کیونکہ ناگور میں اکہتر ۷۱ گاؤں ایسے تھے جو ویران اور اُجاڑ پڑے تھے۔

نومبر ۱۶۷۹ء میں بادشاہ اورنگ زیب نے اندر سنگھ کو ریاست میواڑ کی حدود میں ایک مقام کی تھانیداری پر مقرر کیا تھا مخطوطے میں صاف پڑھا نہیں گیا یا نسخ۔ اُس مہینے ۲۰ نومبر میں اورنگزیب نے میواڑ کے رانا راج سنگھ کے خلاف مہم شروع کر دی تھی کیونکہ رانا باغی راٹھوڑوں کا حمایتی بن چکا تھا کھیڑ کی لڑائی میں یکم جون ۱۶۸۰ء ۱۰۹۱ھ کو دُرگا داس راٹھوڑ اور اس کے سہیوگیوں نے اندر سنگھ کی فوج کو شکست بھی دی۔ اس وقت پرگنہ جیتارن اندر سنگھ کی جاگیر میں تھا۔ مگر راٹھوڑوں اور سوننگ راٹھوڑ، دُرگاہ داس وغیرہ جالور سے آگے بڑھ کر سوجت کے اطراف کے گاؤں کو اجاڑنے لگے۔ لہٰذا اندر سنگھ نے فوراً بادشاہ سے اجازت طلب کی تو بادشاہ کی ہدایت موصول ہوئی کہ وہ اپنی فوج کے ایک دل کو بادھنور کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود باغیوں کے خلاف کوچ کرے۔ اندر سنگھ نے

۳۰ مئی ۱۶۸۰ء سنہ ۱۰۹۱ھ کو بدھ نور سے اپنے بیٹے عجب سنگھ کو اپنی مدد میں جودھپور سے بلا لیا۔ اس طرح گویا اندر سنگھ کے پاس میواڑ کے پاس کئی پرگنوں اور تھانوں کی حفاظت کی بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی۔ اندر سنگھ نے مارواڑ اور میواڑ کے مشترکہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے جودھپور کے قریب ایک میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ پہلے تو ساونل داس راٹھوڑ کے بیٹوں وغیرہ نے بھی اُسی میدان میں پناہ لی اور وہیں پر تہور خاں جو اب بادشاہ قلی خاں کے خطاب سے مخاطب تھا، اپنے دو ہزار فوجیوں کے ساتھ اجمیر سے پہونچ گیا۔ اسی اثنا میں اورنگزیب کا فرمان پہونچا کہ حامد علی خاں سے دو توپیں لیکر اپنی پوری فوج کے ساتھ اندر سنگھ کی مدد کیلئے جودھپور اور اطراف میں جانے کیلئے روانہ ہو کیونکہ تن تنہا اندر سنگھ راٹھوڑ فسادیوں کو پوری طرح ختم کرنے میں ناقابل ہے۔

راٹھوڑ فسادی جودھپور کے پڑوس ہی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو اندر سنگھ کے اکثر و بیشتر آدمی کام آئے اور بہتیرے گھائل ہوئے۔ اس کی اطلاع دی کہ وہ اپنی بڑی فوج کو لیکر ۷ جولائی کو روانہ ہوگا۔ اسی درمیان میں بادشاہ کا دوسرا فرمان موصول ہوا اندر سنگھ کی شکست اور شورش پسندوں کی فتح کی خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچ چکی ہے۔ لہذا اب بادشاہ قلی خاں شہزادہ سلطان محمد اکبر کے ساتھ سوجت کی طرف سے ناڈول تھانے میں پہونچے۔ باوجود اس کے بادشاہ قلی خاں نے اندر سنگھ کی مدد کیلئے جودھپور کی طرف کوچ کر دیا۔ لیکن ایک عجیب بات ہوئی کہ قزاق خاں کے آدمیوں نے جو گھاس چارا کی تلاش میں نکلے تھے، اپنا کارِ منصبی چھوڑ کر تھنلا گاؤں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جو اتفاق سے اندر سنگھ کی جاگیر میں تھا۔ مویشی اور غلہ کی لوٹ کھسوٹ کر کے گاؤں کو ویران کر دیا بادشاہ قلی خاں ان لیٹروں کے خلاف سخت قدم اٹھا کر بڑے

مویشی اونٹ اور گائیں، اس سے چھڑا کر باقی اور اثاثہ گاؤں والوں کی اشک شوئی کے لئے ان کے حوالے کیا۔

ماہ اگست، ستمبر ۱۶۸۹ء میں ناڈول کے لئے بادشاہ قلی خاں اور اندر سنگھ دونوں کی تیاری اور خط و کتابت ہوتی رہی۔ اور سجان سنگھ کو مناتے رہے کہ وہ رانا راج سنگھ کا ساتھ چھوڑ دے۔ ساتھ ہی بادشاہ قلی خاں نے ایک خط اندر سنگھ کو اس مضمون کا لکھا کہ حسب الحکم دیوان اعلیٰ کی طرف سے موصول ہوا ہے کہ بھیم وغیرہ بھائی لوگ سونگ اور درگاہ داس سے علیحدہ ہو کر جالور کی طرف گئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ پرگنہ پھلودی کی سرحد پر مہیوا گاؤں میں ریگستان کے بیچ پڑاؤ ڈالیں لہٰذا تم وہاں پر پہونچ کر ان باغیوں اور شورش پسندوں کو اُس علاقے سے باہر نکال دو لہٰذا میں اندر سنگھ اُس طرف کوچ کرنیکا فیصلہ کر چکا ہوں۔ خاص بات جو اندر سنگھ نے اس مراسلے میں بادشاہ قلی خاں کو لکھی ہے وہ یہ ہے کہ آپ میرے اُمور کو درست بنانے کیلئے بادشاہ کو لکھیں اس کے علاوہ اگر جودھپور کے اطراف میں سبھی پرگنے جو مہاراجہ جسونت سنگھ کے ماتحت تھے مجھے بخش دیئے جائیں لہ۔ تو میں عہد کرتا ہوں کہ پورے مارواڑ راج میں کوئی بلوہ اور ہنگامہ نہیں پیدا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شاہراہوں سے خوف کا نام و نشان مٹ جائیگا اور راستے محفوظ اور امن والے ہو جائیں گے باغی اور فسادی لوگ بغاوت اور فساد کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ اس سے متعلق اندر سنگھ نے ایک عہدنامہ

لہ یہاں تک وقائع سرکار رنتھنبور و اجمیر نے ہماری رہبری کی یعنی ۱۶۸۰ء ۱۰۹۱ھ تک ۱۶۸۱ء ۱۰۹۲ھ میں اندر سنگھ جو جودھپور کی راجگی سے معزول ہوئے۔ اس کے بعد کے اندر سنگھ یا ناگور کے چھٹ پٹ حالات دستیاب ہیں یہ فقیر حقیر کاتب الحروف درج کر رہا ہے۔

بھی بادشاہ قلی خاں کو بھیجا جسے بادشاہ قلی خاں نے بادشاہ کے دربار میں بھیجدیا۔

راجا اندر سنگھ نیا عہد کر رہے ہیں لیکن ابھی ابھی جو عہد کر چکے تھے کہ بادشاہ قلی خاں کی جائے قیام پر اپنی فوج بھیجیں گے اور بذاتِ خود تھانہ کھیروا میں ٹھہریں گے اُس عہد کو پورا نہیں کیا۔ اُن کی اس وعدہ خلافی کو وقائع نگار نے نوٹ کر کے تنقید بھی کر دی ہے خود بادشاہ قلیخان نے اندر سنگھ کے بھیجے ہوئے آدمی شیتل داس و ویاس سے فرمایا تھا کہ اندر سنگھ ابھی تک نہ تو تھانہ کھیروا پہونچا ہے اور نہ ہی اُس نے اپنی مسلح فوج کے ایک دل کو وہاں بھیجا ہے جیسا کہ بادشاہ کے فرمان کا تقاضہ تھا۔

کچھ عرصے کے بعد جب شاہزادہ سلطان محمد اکبر نے راٹھوڑ باغیوں سے ساز باز کر کے خود بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو بادشاہ نے اندر سنگھ کو اُسکا پیچھا کرنے کے لئے سلطان محمد معظم (شاہ عالم بہادر) کے ساتھ مقرر کیا اندر سنگھ نے سمجھا بجھا کر اور عہدے کا لالچ دے کر جودھپور کے کچھ راٹھوڑ سرداروں کو اپنی طرف ملا لیا اور اسی طرح سے جودھپور پر اُسکا پورا اقتدار جم گیا لیکن پھر بھی یہ کیفیت مستقل نہ ہو سکی لہٰذا جب اندر سنگھ مارواڑ میں خوشں انتظامی قائم نہیں کر سکا تو بادشاہ نے ۷ ربیع الاول ۱۰۹۲ھ ۳۱ مارچ ۱۶۸۱ء ۱۰۹۲/۱۶۸۱ کو اُس سے جودھپور کے اختیارات واپس لے لئے اور اندر سنگھ واپس اپنی ریاست ناگور چلا گیا۔

آگے چل کر وہ فیروز جنگ کے ساتھ کام کرنے کے لئے دکھن بھیج دیا گیا۔ ۲۵ دسمبر ۱۶۹۴ء ۱۱۰۶ھ کا ایک واقعہ حلیم صدیقی نے اخبارات دربار معلٰی کے حوالے سے اپنی تھیسس میں نقل کیا ہے۔ (صـ ۲۶۳) کہ

ڈیڈوانہ کے فوجدار روایین نے جسکا نام محمد امین تھا بادشاہ کو رپورٹ کی کہ ڈیڈوانہ راؤ اندر سنگھ کی جاگیر کے تحت ہے۔

ڈیڈوانہ اور سانبھر کے دیوانوں کو ہدایت کی جائے کہ دونوں مقامات کے وکیلوں سے مچلکہ لے لیں کہ وہ لوگ اپنی اپنی جاگیروں میں تمک نہ بنائیں گے۔ پرگنہ ڈیڈوانہ ناگور ریاست کے اندر تھا۔ جہاں راؤ اندر سنگھ کا وکیل اور شاہی گاشتہ دونوں رہتے تھے۔

دو بھاشی ایک کتبہ بیرون قلعہ[1] مسجد شاہ جہانی کے داخلہ دروازہ کے جنوبی دیوار پر لگا ہوا اعلان کرتا ہے کہ آئندہ کوئی سرکاری افسر مسجد کو قید خانہ نہ بنائیں کتبے میں سنہ سمبت نہیں ہے مگر طرز تحریر سے سترھویں صدی کا قیاس کیا گیا۔

(دی ریسرچر کتبہ نمبر ۴۹)

دو کتبے اور بھی عہد عالمگیری کے پائے گئے ہیں جنمیں ڈونگرسی گہلوت کے بیٹے جیون داس کا نام آیا ہے۔ پہلا کتبہ عیسوی سن ۱۷۰۰ کا ہے جس کے مطابق جیون داس گہلوت نے ایک کنواں کھدوایا اور ایک باغ ناگور میں لگوایا۔

(ایضاً کتبہ نمبر ۵۲ بعہد راؤ اندر سنگھ)

دوسرا کتبہ ۱۷۰۵ء کا ہے جب جیون داس گہلوت ولد ڈونگرسی گہلوت نے ناگور شہر میں اپنے لئے ایک حویلی کی تعمیر کرائی یہ فارسی کتبہ چند کا ہال نامی ایک مکان میں لگا ہوا ملا ہے۔

اس تعمیر کے ایک سال پیشتر یعنی ۱۷۰۴ء ۱۱۱۶ھ میں بادشاہ نے راؤ اندر

---

[1] قلعۂ ناگور کے باہر والی مسجد شاہجہانی جو تحصیل چوک ناگور میں واقع ہے اس کے مین گیٹ سے اندر جاتے وقت بائیں جانب کی دیوار پر ایک فارسی اور ہندی کا کتبہ نصب کیا ہوا ہے جس کا ملخص یہ پیش کیا گیا ہے۔

سنگھ کے منصب میں اضافہ کر کے اُس کا منصب تین ہزار ذات دو ہزار سوار کا کر دیا سنہ ۱۷۰۵ء / ۱۱۱۷ھ کے اواخر میں چانپاوت اور جیتاوت دو بڑے سرداروں نے راجا اجیت سنگھ سے ناراض ہو کر اندر سنگھ کے بیٹے موکم سنگھ کو دعوت دی تو اس نے ۶ جنوری سنہ ۱۷۰۶ء کو بادشاہ کے اشارے پر دو ہزار سواروں سے جالور پر حملہ کر دیا اس ارادے سے کہ اجیت سنگھ کو قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیگا۔ اجیت سنگھ کو قید تو نہ کر سکا لیکن پورے جالور پر گنے پر مع قلعہ جالور پر قابض ہو گیا۔ اُس وقت یہ بادشاہ کی طرف سے میڑتہ کا فوجدار تھا۔

مہاراجہ اجیت سنگھ اور ناگور

سنہ ۱۶۸۱ء / ۱۰۹۲ھ میں اجیت سنگھ سروہی کی پناہ گاہ میں تھا جبکہ باغی شاہزادہ اکبر کو لیکر دُرگا داس راٹھوڑ دکھن میں سنبھاجی کی ریاست میں پہونچے۔ اُدھر اورنگزیب نے یہ دیکھکر میواڑ کے مہارانا سے سمجھوتہ کر کے کام اسد اللہ خان وزیر کو سپرد کیا کہ وہ راٹھوڑوں سے سمجھوتہ کرے یہ کر کے دکھن کا سفر اختیار کیا سونگ راٹھوڑ کی اچانک موت ہو جانے سے کئی برس تک غیر مسلسل جنگ چلتی رہی حتی کہ دُرگا داس راٹھوڑ سنہ ۱۶۸۷ء / ۱۰۹۹ھ میں شاہزادہ اکبر کو ایران کے لئے رخصت کر کے مارواڑ واپس چلے جہاں اجیت سنگھ کے لئے دُرگا داس کی خفیہ تاکید تھی کہ میرے واپس آنے کے پہلے اجیت سنگھ کو باہر نہ نکالا جائے وہاں سے جہاں سروہی کے علاقے میں اسکی پرورش ہو رہی تھی۔ دُرگا داس واپس پہنچکر کیا دیکھتا ہے کہ راٹھوڑوں نے کھیچی مکند داس کو مجبور کر کے اجیت سنگھ کو باہر نکال رکھا ہے۔ بہر کیف جودھپور کے نئے فوجدار عنایت خان نے سنہ ۱۶۸۷ء / ۱۰۹۹ھ میں مواضعات کی چوتھ کا فیصلہ اجیت سنگھ کے حق میں کر کے، بیٹھنے کے لئے سیوانا کا قلعہ بحال کر دیا۔ دُرگا داس اجیت سنگھ سے ملنے

نہیں گیا تو اجیت سنگھ خود درگا داس سے ملنے آیا اور اُس کا سر دیا کے ساتھ اکرام کیا۔ اب عنایت خاں کے مرنے پر کارطلب خاں جو دھپور کا فوجدار ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ راٹھوڑوں کی فوج پر قابو نہ پانے کی وجہ سے خفیہ طور پر اُن کو چوتھ جمع کرنے دی۔

سترھویں صدی کی آخری دہائی میں مہارانا جے سنگھ اور اُس کے ولی عہد امر سنگھ کے درمیان اَن بن ہو جانے سے رانا کی دعوت پر دو بار اجیت سنگھ کو میواڑ جانا پڑا (سنہ ۱۶۹۲ء/۱۱۰۴ھ اور سنہ ۱۶۹۶ء/۱۱۰۸ھ)۔ میواڑ کے دوسرے سفر میں رانا کے چھوٹے فرزند کنور گج سنگھ کی دختر سے اس کا بیاہ ہو گیا۔ اُدھر اورنگ زیب کو شاہزادہ اکبر کے بچوں کی فکر تھی جو درگا داس کی ولایت میں تھے لہٰذا سنہ ۱۶۹۴ء/۱۱۰۶ھ میں درگا داس سے رابطہ کیا گیا کہ منصب بھی بخشا جائیگا۔ مگر درگا داس کا اصرار تھا کہ پہلے اجیت سنگھ کو منصب ملنا چاہیئے لہٰذا کارطلب خاں کے ذریعے، جس کا خطاب اب شجاعت خاں تھا، درگا داس شاہزادہ بلند اکبر کو اورنگزیب کے پاس لے آیا۔

اب درگا داس راٹھوڑ کے علاوہ اجیت سنگھ کو پانچ ہزاری ذات پانچ سو سواروں کا منصب اور جالور پرگنے کی فوجداری عطا ہوئی اور اجیت سنگھ جالور پہنچ کر سنہ ۱۶۹۸ء/۱۱۱۰ھ میں وہاں رہنے لگا۔ سنہ ۱۷۰۵ء/۱۱۱۷ھ میں شاہزادہ اعظم کے دور صوبے داری میں جب درگا داس راٹھوڑ کو گجرات میں پٹن کی فوجداری دیکر بلایا گیا مگر احمد آباد کے قریب پہنچ کر درگا داس کو شک ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے لہٰذا درگا داس وہاں سے بچ کر بھاگ نکلا بس پھر سے مارواڑ مغل جنگ بھڑک اٹھی اور اب درگا داس کے بعد اجیت سنگھ کا نمبر آیا کہ جالور کے ساتھ خود اجیت سنگھ کو گرفتار کر لیا جائے۔ بات یہ ہوئی کہ پٹن سے قبل درگا داس میڑتہ کا فوجدار تھا۔ میڑتے کی فوجداری اس

سے لیکر ناگور کے راؤ اندر سنگھ کے ولی عہد کنور مکم سنگھ کو دیدی گئی تھی محکم سنگھ نے اجیت سنگھ کے معتمد راٹھوڑ نے اودے سنگھ چانپاوت کے ساتھ ساز باز کرکے جالور پر حملہ کر دیا لیکن اجیت سنگھ جالور سے بچ نکلا اور بعد میں اُس نے جالور پھر سے حاصل کر لیا اور اطراف میں مغلیہ علاقے میں فساد پھیلاتا رہا۔ ۱۷۰۷ء / ۱۱۱۹ھ میں اُس نے سُنا کہ اورنگزیب کا انتقال ہو گیا تو بلا تاخیر جھپٹ کر جودھپور گیا اور وہاں پر جاگزیں ہو گیا۔ درگاداس بھی پٹن سے جودھپور پہونچا مگر اجیت سنگھ کا پردھان بن کر رہنا پسند نہیں کیا۔

اب اجیت سنگھ نے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینا شروع کیا اور نئے بادشاہ بہادر شاہ سے رابطہ کرنا چاہا لیکن بہادر شاہ اجیت سنگھ کو جودھپور اور میرٹھ دینے کی مزاجی کیفیت نہیں رکھتا تھا لہٰذا خان خاناں کے توسط سے اجیت سنگھ کو سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ اجمیر لے گیا (فروری ۱۷۰۸ء / ۱۱۲۰ھ) اجمیر سے بہادر شاہ کو کام بخش باغی شہزادے کے خلاف دکھن جانا تھا۔ راستے میں اجیت سنگھ کو تین ہزار پانچسو ذات چار ہزار سوار کا منصب عطا ہوا مگر جودھپور پرگنہ اجیت سنگھ کو نہیں ملا بلکہ محراب خاں کو جودھپور کا فوجدار بنا کر بھیج دیا گیا۔ لہٰذا مندسور کی منزل سے اجیت سنگھ، جے سنگھ اور درگاداس راجستھان کے لئے واپس ہو گئے میواڑ سے فوجی امداد حاصل کرکے اب تین ریاستوں کی مشترکہ فوج نے جودھپور کا محاصرہ شروع کیا اور ۲۴ جولائی ۱۷۰۸ء / ۱۱۲۰ھ کے دن جودھپور کے مغلیہ ذمہ داروں نے جودھپور پر اجیت سنگھ کو قبضہ دیدیا۔ اجیت سنگھ جودھپور میں داخل ہو کر تخت نشین ہو گیا۔

علیٰ ہٰذالقیاس اب اجیت سنگھ، جے سنگھ اور درگاداس جودھپور سے آنبیر کی طرف بڑھتے ہوئے سانبھر پر آئے اور گھیرا ڈال دیا۔ سانبھر کی لڑائی

میں اکتوبر ۱۷۰۸ء ۱۱۲۰ھ کے مہینے میں اُسی علاقے کے سید امیروں نے مقابلہ کیا لیکن بڑے بڑے امیر کام آئے اور راجپوتوں کو فتح حاصل ہوئی۔ سانبھر پرگنہ اور سانبھر جھیل کی آمدنی جودھپور اور آنبیر (جے پور) کے درمیان برابر بانٹ لی گئی اس طرح مارواڑ کی تینتس۳ سالہ جنگ (۱۷۰۸ء ۱۱۲۰ھ - ۱۶۷۹ء ۱۰۸۹ھ) ختم ہو گئی اور ڈیڈوانہ پر بھی اجیت سنگھ نے حملہ کر کے اپنا اقتدار جما لیا۔

ناگور پر حملہ اور محکم سنگھ کا قتل

اس طرح جودھپور پر متمکن ہو کر اجیت سنگھ نے ماہ نومبر دسمبر ۱۷۰۸ء ۱۱۲۰ھ میں ناگور پر حملہ کر دیا۔ کیونکہ راؤ اندر سنگھ اور اُس کا یوراج کنور محکم سنگھ ابھی تک اُس کے خلاف ہی رہے تھے راستے میں اُس کو خبر ملی کہ محکم سنگھ ناگور چھوڑ کر بھاگ گیا ہے موںڈوا قصبے میں جب اجیت سنگھ پہونچا تو اندر سنگھ کی ماں اپنے پوتے عجب سنگھ کو لیکر آئی اور بڑی الحاح وزاری کے ساتھ اجیت سنگھ کو ناگور پر حملہ کرنے سے منع کیا۔ اجیت سنگھ سے ملنے کے لئے اندر سنگھ بھی حاضر ہوا اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ نذر کئے۔ اجیت سنگھ بھی اُسے اور اُس کے بیٹوں کو گھوڑے اور سروپا کو دیکر واپس لوٹ گیا۔

اس کے پانچ سال بعد کا واقعہ ہے کہ کنور محکم سنگھ کی ریشہ دوانیاں اجیت سنگھ کے خلاف اُس وقت شروع ہوئی جب بہادر شاہ کے بعد فرّخ سیر دلّی کے تخت پر بیٹھا۔ محکم سنگھ چاہتا تھا کہ اجیت سنگھ کے خلاف فرّخ سیر کو بھڑکا کر جودھپور حاصل کر لیا جائے۔ لہذا اجیت سنگھ نے آدھے درجن سرداروں کو کچھ سپاہیوں کے ساتھ دلّی بھیجا کہ محکم سنگھ کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ کئی دن تک موقع کی تلاش کرتے رہے۔ ایک دن جب محکم سنگھ عمدۃ الملک کے گھر سے لوٹ رہا تھا تو ان لوگوں نے اُس کا پیچھا کیا۔ انہیں دیکھ کر وہ بھاگ کر کنارے کے کھیتوں میں

چھپ گیا لیکن دھوپ میں اُس کی پگڑی کا طُرّہ چمک اُٹھا جس سے راٹھوڑوں نے اسے دیکھ لیا اور بھائی امر سنگھ نے کھیت میں گھس کر اُس کا کام تمام کر دیا جب یہ لوگ اپنے مشن میں کامیاب ہو کر جودھپور لوٹے تو اجیت سنگھ نے ان لوگوں کو اچھا انعام دیا اور خاص کر امر سنگھ بھائی کو تینتیس ۳۳ ہزار کا پٹا بھی دیا لحکم سنگھ کے مارے جانے پر بادشاہ فرخ سیر کی ناراضگی اجیت سنگھ پر بڑھ گئی۔

۱۷۱۶ء/۱۱۲۹ھ میں فرخ سیر اور اجیت سنگھ ایک دوسرے کے قریب آئے اور اُن کے آپسی تعلقات بہتر بنے رہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ناگور کی فوجداری بھی اجیت سنگھ کو بخشدی اجیت سنگھ نے بھنڈاری پوم سی اور بھنڈاری انوپ سنگھ نے اپنے میڑتہ و جودھپور کے حاکموں کو حکم دیا کہ فوج لیکر جائیں اور ناگور پر قبضہ کر لیں۔ راؤ اندر سنگھ نے چاردھنو نامی گاؤں میں چھ ۶ جون ۱۷۱۶ء/۱۱۲۹ھ کو بھنڈاری پوم سی کا مقابلہ کیا لیکن ناگور کی فوج کو ہار کر بھاگنا پڑا اور بھنڈاری پوم سی نے ۲۳ر جون کو ناگور کے قلعے کو گھیر لیا۔ اندر سنگھ نے سمجھوتے کی بات چھیڑی مگر کوئی امید نہ دیکھکر بالآخر ناگور چھوڑ کر دلی چلا گیا۔ ۳۰ر جون کو جودھپور کی فوج کا ناگور پر پورا قبضہ ہو گیا۔ مہاراجہ اجیت سنگھ اس وقت احمد آباد (گجرات) میں براجتے تھے۔ وہاں سے اپنے سرداروں کے لئے سرو پا اور سونے کے موٹھ کی تلواریں بھیجیں اور پوم سی کو ناگور کا حاکم اور بھنڈاری گردھر داس کو میڑتہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ ۱۰ر جولائی کو ناگور فتح کی خوشی میں اجیت سنگھ کی طرف سے ایک سو اشرفیاں بادشاہ کو نذر کی گئی۔ فروری ۱۷۱۷ء/۱۱۳۰ھ کو اجیت سنگھ کے نام سے ناگور کی زمین داری کا فرمان بھی جاری ہو گیا۔

ناگور سے نکل کر اندر سنگھ اپنے بیٹے موہن سنگھ کے ساتھ دلّی کی طرف چلا اجیت سنگھ کے حسب الحکم آدھے درجن راجپوت سرداروں نے ایک بڑی

فوج لیکر اُن کا پیچھا کیا۔ شیخاوالی کے موضع کاسلی میں موقع پاکر اُن کے ڈیرے
میں گھس کر راٹھوڑ درجن سنگھ نے موہن سنگھ کو سوتے میں مار ڈالا۔ جس کے
انعام میں اجیت سنگھ نے درجن سنگھ کی بڑی عزت کی اور اپنے ساتھ بھوجن کرایا
١٧١٤ء / ١١٢٦ھ میں بادشاہ کے ساتھ سمجھوتہ ہو جانے پر اجیت سنگھ کی بیٹی اندر کنور
فرخ سیر سے بیاہ دی گئی۔ اور کنور ابھے سنگھ دربار میں رکھ لئے گئے اور اجیت
سنگھ کو پہلے ٹھٹھا، بعد میں گجرات صوبہ دیا گیا جہاں تین سال ١٧١٤-١٧ء / ١١٢٦-٣٠ھ تک
اجیت سنگھ صوبے دار رہا۔

جے پور اخبارات کے اندراجات سے پتہ چلتا ہے کہ ١٧١٦ء / ١١٢٩ھ کے نومبر کے مہینے
میں فرخ سیر نے اپنے اعزازات وانعامات سے اجیت سنگھ کو لاد دیا۔ سات
ہزاری ذات سات ہزار سوار ڈیڑھ ہزار دو اسپہ کا منصب، جودھپور و ناگور کی فوج
داری، احمد آبادی کی صوبے داری کے ساتھ پچاس لاکھ دام نقد کے علاوہ احمد آباد
کے نام سے ایک کروڑ دام اور ناگور کے نام سے ایک ہزار سوار مزید۔ اجیت سنگھ نے
اپنی طرف سے جڑاؤ چوغہ بادشاہ کو نذر کیا۔

یہ سب ہوتے ہوئے ١٧١٩ء / ١١٣٢ھ میں سید برادران سے مل کر اجیت سنگھ نے
اپنے داماد بادشاہ فرخ سیر کو تخت شاہی سے معزول کرادیا تو سات مہینے کے اندر
دو کٹھ پتلی بادشاہوں کے بعد محمد شاہ کا نمبر آیا۔ ان دنوں میں اجیت سنگھ کے
تعلقات آمیر کے جے سنگھ کے ساتھ اچھے نہیں تھے کیونکہ جے سنگھ سید برادران
سے الگ بادشاہ کے ساتھ مل کر رہتا تھا۔ اجیت سنگھ نے اپنی دختر سورج کنور
سے ١٧٢٠ء / ١١٣٣ھ میں جے سنگھ کا بیاہ کرادیا تھا۔ تاہم دونوں دل ہی دل میں ایک
دوسرے کے سیاسی مخالف بنے رہے۔

١٧١٨ء / ١١٣١ھ میں سید حسین علی کے دکھن چلے جانے پر فرخ سیر اور سید عبداللہ

کے تعلقات میں تلخی پیدا ہوئی لہٰذا فرخ سیر نے اجیت سنگھ اپنے خسر کو بلا کر بڑا اعزاز و اکرام کیا اور راج راجیشور کا خطاب عطا فرمایا ایک ایک ہزار کے دو اضافے تھوڑے ہی وقفے سے بخشے مگر اجیت سنگھ اُس سے مَس نہیں ہوا اور نہ سید عبداللہؒ کا ساتھ چھوڑا ۱۷۱۹ء ۱۱۳۲ھ میں سید حسین علی کی دکھن سے واپسی فرخ سیر کی قید اور معزولی کے بعد اس کا قتل عمل میں آیا اُس کی بیوہ اندر کنور جودھپور لے جائی گئی جہاں اُس نے خودکشی کرلی۔ اسی درمیان میں محمد شاہ نے سازش کرکے سید حسین علی کا قتل کروادیا اور سید عبداللہ گرفتار ہوا اجیت سنگھ یہ سنکر بہت غضبناک ہوا اسی سال سکو اجمیر کا صوبہ بھی مِلگیا تھا لہٰذا سنہ ۱۷۲۰ء ۱۱۳۳ھ میں جاکر اجمیر میں جاگزیں ہوگیا۔ اور بادشاہی علاقے میں فساد برپا کرتا رہا محمد شاہ کے بلانے پر دلی نہیں گیا اور بادشاہ پر دباؤ ڈالکر جزیہ معاف کروالیا ۱۷۲۱ء ۱۱۳۴ھ میں اجیت سنگھ کی معزولی گجرات کے بعد جہاں اُس کو صوبے دار مقرر کردیا گیا تھا۔ اجیت سنگھ کا سرکشانہ رویّہ بڑھ گیا تو اس سے اجمیر صوبہ بھی لے لیا گیا۔ بالآخر ۱۷۲۳ء کے سمجھوتے کے مطابق اُس سے اجمیر پرگنے واپس لیکر ناگور پرگنہ اندر سنگھ کو دیدیا گیا۔ (۱۷۲۳ء ۱۱۳۶ھ) نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی نئے بادشاہ محمد شاہ نے سید برادران کے روڑے کو اپنے شاہی طاقت سے صاف کیا ویسے ہی جے سنگھ جودھپور سے چپ چاپ بغیر اطلاع دلّی جا پہونچا۔ اب بادشاہ نے ۱۷۲۱ء ۱۱۳۴ھ میں اجیت سنگھ کو اجمیر کی صوبے داری سے ہٹایا تو اجیت سنگھ کے تاب و مقاومت دکھلانے پر جے سنگھ نے اُس کی بادشاہ کے خلاف کوئی مدد نہیں کی جبکہ بہادر شاہ کے زمانے میں دونوں کا باہمی تعاون رہ چکا تھا۔ اُس وقت بادشاہی خدمات کی بدولت جے سنگھ کی اہمیت شاہی دربار میں بڑھ گئی یہاں تک کہ ۱۷۲۳ء ۱۱۳۶ھ میں اجیت سنگھ کے خلاف بھیجی گئی فوج میں جے سنگھ بھی شامل تھا۔ جے سنگھ نے اجیت سنگھ کو سمجھا بجھا کر بادشاہ کی فرمانبرداری و اطاعت کے لئے راضی کرلیا۔ سید برادران

کے بعد اجیت سنگھ کی اہمیت کافی گھٹ گئی تھی لہٰذا جب محمد شاہ نے فرمائش کی تو جے سنگھ نے اجیت سنگھ کے یوراج ابھے سنگھ کو اکسا کر اجیت سنگھ کا قتل کروا دیا۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

بادشاہ محمد شاہ کی تخت نشینی سے قبل بادشاہت کی باگ ڈور[3] ایک ثلاثہ یا دو تری مورتی“ کے ہاتھوں میں رہ چکی تھی۔ ۱۔۲ سید برادران (سید حسین علی اور سید عبداللہ) جو دلّی بیٹھے شمالی ہند اور دکھن کے معاملات سلجھانے کی ذمہ داری نبھاتے تھے۔ بادشاہ اُن کے کہنے پر نہ چلے یا اُن کو پسند نہ ہو تو اُسکی ہستی کو مٹا کر دوسرا کٹھ پتلی بادشاہ شاہی حرم سے نکال کر تختِ مغلیہ پر بٹھا دیں۔ راجپوت رئیسوں میں جودھپور کے اجیت سنگھ راٹھور سادات بارہہ کے ہم نوا اور حمایتی تھے جبکہ اٰمبیر کے جے سنگھ کچھواہا بادشاہ کے حامی اور مددگار تھے۔ ان دونوں میں اجیت سنگھ کھلم کھلا اپنے داماد فرّخ سیر کی مخالفت میں رہتے ہوئے بھی بادشاہ سے مالی و علاقائی منافع حاصل کرتے تھے۔ کیونکہ بادشاہ کو ان سے ازدواجی رشتے کی وجہ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ فرّخ سیر کے قتل کے بعد سے پے در پے تین بادشاہ بدلے گئے اور اب چوتھے محمد شاہ کو اختیار و اقتدار کی مسند پر بیٹھایا (۱۷۱۹ء / ۱۱۳۲ھ)۔ محمد شاہ میں حکومت کی صلاحیت تو تھی نہیں تخت نشین ہوتے ہی سازش کر کے اوّل سید حسین علی کا قتل کرا کر سید عبداللہ کو محمد شاہ گرفتار کرانے میں کامیاب ہو گیا تو بادشاہ کی ہمت بڑھ گئی اور اجیت سنگھ کی ہمت پست ہوئی۔ کون اجیت سنگھ؟ جو اپنی دختر عزیزہ کے نوجوان شوہر کے قتل میں ملوّث ہو کر اپنے کو بدنام کر چکا تھا۔

ایسے جودھپور کے حکمراں سے، جو راجپوتی روایات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے سوامی (آقا) کے ساتھ بھگتی کا برتاؤ کرنے کے بجائے اُس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئے۔ اب ایک بیچ کے آدمی کی ضرورت ہوئی تو وہ تھے بھنڈاری رائے رگھوناتھ

جودھپور والے۔ ایک طرف سے بادشاہ کی دھمکی آمیز ترغیب و تحریص دوسری طرف بھنڈاری رگھوناتھ کی صلاح یوراج ابھے سنگھ کو کہ تم چھوٹے بھائی بخت سنگھ کو لکھدو کہ مہاراجہ دھراج کا کام تمام کردے، اس تشدد آمیز واقعہ کی جڑ ہے جسکے نتیجے میں سوتی ہوئی رات میں اُٹھ کر بخت سنگھ نے مہاراجہ کے کمرے میں گھس کر مہاراجہ ہی کی تلوار اُس پر چلا کر اُس کا خون کر دیا۔

اب آیا زمانہ مورخین حال کا تو ولیم اِروائن کو فارسی کی تواریخ تذکرۃ السلاطین چغتائی از محمد ہادی کے مورخین میں ایک جملہ یہ ملا۔

AS AJIT SINGH FELL IN LOVE WITH THE WIFE OF HIS MIDDLE

SON BAKHT SINGH THE LATTUST ABBED HIM TO DEATH

ترجمہ انگریزی۔ جیسے اجیت سنگھ اپنے جیٹھے بیٹے بخت سنگھ کی پتنی کے پیار میں مبتلا ہو گیا جسکی وجہ سے بخت سنگھ نے اپنے پتا کو مار دیا۔

بس اس جملہ اور تحریر کو ولیم اِروائن نے اپنی کتاب "لیٹر مغلس" جلد دوم صفحہ ۱۱۴-۱۷ میں درج کر دیا حالانکہ اس بیان کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی نہ فارسی کے ماخذوں سے نہ کھیاتوں سے لہٰذا جودھپور ریاست کے درباری مورخ پنڈت بشیشور ناتھ رے اونے دو تردیدی مقالے ایک ہندی میں دوسرا انگریزی میں چھپوا کر اُنکا خلاصہ جرنل آف انڈین ہسٹری مدراس ۱۹۳۶ء کی جلد XII صفحہ ۸۵-۸۹) میں شائع کر کے سر جدو ناتھ سرکار کا دھیان اس طرف کھینچا جنھوں نے ولیم اِروائن کی کتاب کو ایڈٹ کر کے اسکی اشاعت کی تھی۔ رے اُو صاحب کا دعویٰ ہے کہ بخت سنگھ کو ایک بڑے علاقے ناگور کی جاگیر اور غیر معمولی خطاب "راجا دھراج" ملنے کی واحد وجہ یہ ہی واقع ہوئی۔

اجیت سنگھ کی جانشینی میں جب سرداروں کی رائے عامہ کا دباؤ ابھے سنگھ مہاراجا پر پڑا تو رائے رگھوناتھ کو نظر بند کرنا پڑا اور رجب ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء میں بھنڈاری رگھوناتھ کو رہا کیا

تو پھر سرداروں نے اس کو دوبارہ قید میں ڈالنے کیلئے مہاراجہ کو مجبور کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں سوائی راجا جے سنگھ کے ساتھ جودھپور کے بھنڈاری رگھوناتھ کا برابر کا ہاتھ تھا۔ اس ہلچل اور شورش کے بعد سردار لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور مہاراجہ سے اجازت نہیں لی۔ ۱۷۲۵ء کا ایک خط بھی ریو صاحب نے پیش کیا ہے جو سوائی راجہ جے سنگھ نے مہاراجہ ابھے سنگھ کو لکھا تھا۔ کہ آپ احمد آباد کے لئے روانہ ہو جائیے اخراجات کے لئے جو آپ نے لکھا ہے۔ اور جاگیر کے لئے تو یہ عرض بادشاہ کے حضور میں پیش کر دی گئی ہے۔ یہ خط سروجادوناتھ سرکار کو پٹنہ میں دکھایا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ گرو گھنٹال بادشاہ محمد شاہ کو بدنامی سے بچانے کے لئے اور بادشاہ کے حریف اعظم اجیت سنگھ کو بدچلنی کے غار میں ڈھکیلنے کے لئے یہ نظریہ ایجاد کیا گیا ہو کہ اجیت سنگھ نے اپنی چھوٹی بہو کو نظر بد سے دیکھا اور اُسکا پھل پایا۔ واللہ اعلم۔ بہرکیف بادشاہ سوائی راجہ، بھنڈاری جی۔ یوراج، ابھے سنگھ اور بخت سنگھ ان پنچوں کی پنچایت سے اتنا بڑ کام ہوا۔ اور پنچایت کے سرپنچ بادشاہ سلامت تھے اور اگر اس پنچوں کی کمیٹی کو چنڈال چوکڑی کہیں تب بھی اس کے صدر اعظم ہونے کا فخر بادشاہی کو حاصل ہوگا۔ یہ کیسی ناانصافی ہے کہ راؤ مال دیو کے والد کشی کو تو لوگوں نے بھلا دیا مگر بخت سنگھ کی اس حرکت کو قابل یادداشت قرار دیا۔ اور تواورنخت سنگھ راجکمار تھے جو راجادھراج کے دور کے بعد مہاراجہ بھی بنے اور قتل کے عامل وہی تھے۔ مگر پکڑے گئے جودھپور راج کے متصدی بھنڈاری رگھوناتھ۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔

اس فقیر حقیر راقم الحروف نے مہاراجہ اجیت سنگھ کے زوال کے بعد اپنی اولاد کے ہاتھوں اُسکے بے دردانہ قتل پر اتنی سطریں سیاہ کیں اُسکی وجہ ظاہر ہے کہ بخت سنگھ کو آمادہ قتل کرنے کے لئے ناگور کا علاقہ بطور چارا یا ذریعہ تحریص یا شرط معاہدتا

طے پایا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ راجا دھراج کی با اختیار حیثیت جس سے کہ بخت سنگھ کو صاحب قلعہ ہونے کا امتیاز حاصل ہوگا۔ جیسا کہ امر سنگھ راٹھوڑ کے حق میں بادشاہی حکم سے عمل میں آچکا تھا۔ بہر حال ہونہار بخت سنگھ کو ایک آزاد مطلق العنان ریاست کا مالک بنانا دلی کی سازش مجرمانہ میں طے ہوا تھا۔ تو یہ وقت کی ضرورت تھی جرم کبیرہ کا ارتکاب کر کر اسکی پاداش میں ایک سموچہ علاقہ ماروا ڑراج سے نکال کر دیا گیا جو دونوں فریقوں کے لئے مفید ثابت ہوا۔ بخت سنگھ کو چارنوں نے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تو بخت سنگھ کو اُن کا منہ بند کرنے کیلئے اُن کی جاگیریں ضبط کرنی پڑیں اور یوراج ابھے سنگھ جودھپور کے مہاراجا بنے تو اُن کو ریاست (جودھپور) کے اندر ریاست (ناگور) کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرنا پڑا۔ بار بار دونوں بھائیوں ایسی کا من مناؤ ہی نہیں بلکہ بعض وقت دونوں کا ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزمائی کی حالت میں بھی دیکھا گیا۔ بلکہ بخت سنگھ نے بھائی کے جیتے جی جودھپور پر قبضہ کرنیکی نیت بنالی تھی جو ابھے سنگھ کے مرنے کے بعد اُسکے جانشین رام سنگھ کے وقت میں پوری ہوئی

ناگور بعہد مہاراجہ ابھے سنگھ

۵۱-۱۷۲۵ء = ۶۵-۱۱۳۸ھ

ناگور اور راجہ دھراج بخت سنگھ

تنزل پذیر بادشاہت مغلیہ کی یہ حالت تھی کہ فریادی کی فریاد رس کرنے کے بعد اپنی ذاتی بہبودی کیلئے اُسی فریادی کا اپنا جائز حق چھوڑانے کیلئے ایسا انتظامی فرمان جاری کیا جاتا تھا کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے جائے قیام سے نکال دیا جائے۔ یہی حال ناگور کے اندر سنگھ کا ہوا جبکہ بادشاہ محمد شاہ کے زمانے میں دوبار ناگور کی جاگیر اُس سے چھینی گئی مگر اب کہ ۱۷۲۵ء ۱۱۳۸ھ کے بادشاہی فرمان سے طاقت پاکر مہاراجہ

ابھے سنگھ اور چھوٹے بھائی دونوں سے ملکر ناگور پر چڑھائی کی۔ اندر سنگھ کے بیٹے محکم سنگھ نے اپنی فوج مقابلے کے لئے بڑھائی مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ جودھپور کی فوج زبردست ہے تو وہ ناگور لوٹ گیا۔ اب ناگور کو گھیر لیا گیا۔ مگر شہر پر جودھپور کا قبضہ ہوجانے پر اندر سنگھ قلعہ خالی کر کے اُن کی پناہ میں آگیا اب ناگور پر بخت سنگھ کا قبضہ کرا کر "راجادھراج" کا خطاب چھوٹے بھائی کے لئے طے کیا گیا۔ یہ دیکھ کر اندر سنگھ ناگور سے دلی کی طرف چلا گیا۔ دلی میں بادشاہ کی طرف سے اسکو چند مواضعات جاگیر میں عطا ہوئے جو اُس کی وفات ۱۷۳۲ء ۱۱۴۵ھ تک اسکے قبضے میں رہے یعنی پرگنات سرسا بھٹنیر پونیا۔ بے ہنی وال دیگرا سکی اشک شوئی کردی گئی۔

اس طرح راؤ امر سنگھ کی با اختیار جاگیر کا زمانہ بادشاہی کمزوری کے صدمہ میں ختم ہو کر ناگور کا راجہ دھراج کا زمانہ شروع ہوا جس کے حالات پیش کرتا ہوں۔
بقول ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ اس طرح علیحدہ ایک نیم آزاد ریاست کا قیام عمل میں آیا جو آگے چل کر مارواڑ کے لئے غیر فائدہ مند ثابت ہوا۔ ناگور میں رہکر بخت سنگھ موقع بموقع اپنے پڑوسی بیکانیر راجہ سے ملکر یا اُس کے خلاف برابر خفیہ سازش کرتا رہتا تھا جس سے اُتری راجستھان میں بھی بدامنی کا ایک نیا کارن پیدا ہو گیا (اپور وا دھنک راجستھان صہ ۵۹-۱۵۸) بخت سنگھ نے ناگور کی نیم آزاد ریاست پانے پر ہی بس نہیں کیا۔ حوصلہ مند نوجوان راجپوت تھا۔ ۱۷۲۸ء ۱۱۴۱ھ میں پوکرن وہاں کے راٹھور جاگیر دار سے چھین کر اُسے بھین مال (بھیل مال) کے جاگیر دار کو دیکر اس کے بدلے میں بھین مال یا بھیل مال لے لیا۔ دوسرا گاؤں کنٹالیا نام کا جودھپور ریاست کا اُس پر ہاتھ صاف کیا۔ اُس کے بعد چھوٹے بھائیوں آنند سنگھ و رائسنگھ نے مہاراجہ جودھپور کے خلاف بغاوت کی تو دونوں کو سمجھا بجھا کر ایڈر (گجرات) کا

پٹا دلوا دیا۔ یہ بھی بخت سنگھ کی سیاسی نقل و حرکت مارواڑ میں جس سے انہوں نے اپنی حکمرانی کا آغاز کیا۔[۱]

برادر بزرگ مہاراجہ ابھے سنگھ اس وقت بادشاہ اور اُن کے شاہی حلقے میں ہر دل عزیز تھے۔ بادشاہ کی منشا ابھے سنگھ کے ذریعے پوری ہوئی تھی لہذا اجیت سنگھ کے مقتول ہوتے ہی بادشاہ نے ابھے سنگھ کو دلّی بیٹھے ہوئے جولائی ۱۷۲۴ء/۱۱۳۶ھ میں جودھپور ریاست کا ٹیکا دیکر اُسے راج راجیشور سرمد راجہائے ہند اور مہاراجہ دھراج کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ان اعزازات کے بعد ۱۷۳۰ء/۱۱۴۲ھ میں ذمہ داری جو سپرد کی گئی وہ بھی کچھ کم نہ تھی۔ گجرات کا صوبہ مالی اعتبار سے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ لیکن گجرات کی صوبے داری اس وقت مرہٹوں کی جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے صوبے دار کے حق میں ٹیڑھی کھیر تھی۔ اس کے ساتھ گجرات کا صوبے دار مبارز الملک سربلند خان، جس کی جگہ پر ابھے سنگھ کو جانے کا فرمان جاری ہوا، آسانی سے ابھے سنگھ کو اپنے عہدے کا چارج دینے والا نہیں تھا۔ تاہم ابھے سنگھ، جس کی فوج کی تعداد بیس[۲] ہزار درج کی گئی ہے۔ چھوٹے بھائی بخت سنگھ کو ساتھ لیکر احمد آباد کی جانب روانہ ہوا۔ اکتوبر ۱۷۳۰ء/۱۱۴۳ھ میں خان پور کے مقام پر جب مبارز الملک کے ساتھ لڑائی کی نوبت آئی تو اس لڑائی میں جودھپور اور ناگور کے سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں بخت سنگھ بھی زخمی ہوا جسکی وجہ سے جب ابھے سنگھ اور مبارز الملک میں صلح کی گفتگو شروع ہوئی تو بخت سنگھ موجود نہ ہو سکا۔ بعد میں نومبر ۱۷۳۰ء کا مہینہ تھا کہ جب ابھے سنگھ احمد آباد راجدھانی میں داخل ہوا تو بخت سنگھ ابھے

---

[۱] مہاراجہ ابھے سنگھ اور راجہ دھراج بخت سنگھ کے عہد حکومت سے فارسی ماخذوں میں یکدم کمی آجاتی ہے۔ تو مارواڑی ماخذوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ البتہ گجرات کے لئے مرأت احمدی اچھی کتاب ہے جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے موجود ہے۔

سنگھ کے ساتھ تھا۔ کوئی فوج ساتھ نہیں گئی تھی۔ اب ایسے پُشت پناہی بھائی بخت سنگھ کو ابھے سنگھ نے پٹن (نہروالا) کی سرکار کا سربراہ مقرر کر دیا۔ خود بخت سنگھ تو احمد آباد میں رہا۔ اُس کے نائب کو پٹن بھیج دیا گیا۔ جب ابھے سنگھ کا اقتدار گجرات صوبے پر اور اُس کا عمل دخل پوری طور پر قائم ہو گیا تو بخت سنگھ کو ناگور واپس جانے کے لئے چھٹی مل گئی۔ (۱۷۳۱ء ۱۱۴۴ھ یعنی لگ بھگ ایک سال بعد)

تقریباً دو سال بعد گجرات میں مرہٹوں کے مقابلے میں صوبے کا نظم و نسق قائم رکھنے کیلئے پھر بخت سنگھ کی ضرورت پیش آئی۔ یہ مرہٹوں کا آپسی جھگڑا تھا۔ جب راجہ شاہو جی کے سینا پتی کی بیوہ اُومابائی نے ناراض ہو کر پیلاجی کی موت کا بدلہ لینے کیلئے احمد آباد پر چڑھائی کر دی تو جلد سے جلد بخت سنگھ اپنی مسلّح فوج لیکر گجرات پہونچ گئے اور مرہٹوں کے حوصلے پورے نہیں ہوئے۔ ناگور سے گجرات جاتے وقت بخت سنگھ اپنے ساتھ سیٹھ خوشحال چند جھویری کو بھی لے گیا تھا جس کے پاس نگر سیٹھائی کا شاہی پروانہ تھا۔ وہاں پر صوبے دار ابھے سنگھ نے خوش حال چند کو خلعت دی اور نگر سیٹھ بنا دیا۔ کچھ عرصے بعد اسی سال ابھے سنگھ گجرات صوبے کا کام اپنے نمائندے رتن سنگھ بھنڈاری کو سپرد کر کے اپنے بھائی بخت سنگھ کے ساتھ مارواڑ چلا آیا۔

ناگور بیکانیر جنگ

اب آیا زمانہ ناگور، بیکانیر جنگ کا جسمیں جارحانہ کارروائی بخت سنگھ کی طرف سے شروع ہوئی۔

اگست ۱۷۳۳ء ۱۱۴۶ھ میں بخت سنگھ نے پندرہ ہزار کی فوج کے ساتھ بیکانیر کے مہاراجہ سجان سنگھ کے خلاف کوچ کیا۔ بیکانیر کا یوراج زور آور سنگھ اپنی بائیس ۲۲ ہزار فوج اور پتا سجان کی بھیجی ہوئی فوج کے ساتھ مقابلے کیلئے چلا اور بخر سرتالاب پر جنگ ہوئی۔ بیکانیر کے پہلے ہی حملے میں ناگوریوں کے پیر

اکھڑ گئے اور بخت سنگھ کو پسپا ہونا پڑا مگر بخت سنگھ تو بخت سنگھ ایھے سنگھ۔ سبحان اللہ! ابھے سنگھ تو گویا بیکانیریوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔ لڑائی کا ماجرا سنتے ہی اسی ۸۰ ہزار فوج لیکر جودھپور سے چل پڑا اور پھر سے لڑائی شروع ہوئی مگر بیکانیر والوں کے خلاف اس کی ایک نہ چلی رسد اور پانی کی قلت سے گھبرا کر ایھے سنگھ نے رانا سنگرام سنگھ دوم کو بیچ میں ڈالا اور صلح ہوگئی فروری ۱۷۳۴ء ۱۱۴۷ھ میں۔

راجپوت اپنی شہرت کیلئے لڑتا ہے یا اپنے سوامی کیلئے اور جب جنگ کرنیکے لئے دشمن نہ ہو تو آپس ہی میں جوجھ کر لڑائی کا ماحول بنائے رہتا ہے۔ اس کو تلوار کی مشق چاہئے۔ جودھپور، ناگور کے حکمراں خاندان اور بیکانیر والے دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے یعنی جودھاوت راٹھوڑ پھر بھی بخت سنگھ کو تو جنگ کی مشق سے سروکار تھا۔ اگلے ہی سال لڑائی کا بہانہ ہاتھ آیا بیکانیر ریاست کے دولت سنگھ کو اپنے سوامی مہاراجہ سجان سنگھ سے پرخاش ہوئی تو اس نے بخت سنگھ سے خفیہ بات چیت کی کہ آپ کا قبضہ بیکانیر درگ پر کرا دیا جائے گا۔ بیکانیر اور جیسلمیر کے سرداروں کے ساتھ سازش کے بعد جیسلمیر کے بھائی اودے سنگھ نے ایکدن (۱۶ ار جون ۱۷۳۴ء ۱۱۴۷ھ کو) نشے کی حالت میں اس سازش کی ساری کیفیت اپنے رشتہ دار جیت سی پریہار کو ظاہر کردی۔ جیت سی بیکانیر مہاراجہ کا وفادار تھا۔ اس نے جاکر سب باتیں سجان سنگھ سے جڑدیں۔ سجان سنگھ کو جب یہ راز معلوم ہوا تو اس نے پایا کہ پھاٹک کے علاوہ دوسرے دروازوں کے تالے کھلے ہوئے ہیں۔ سارے تالے بند کروا کر توپ داغی گئی اور سازشیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر دھائے بھائی کو قلعہ کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اب بخت سنگھ کے پاس جلد از جلد بھاگ کر بیکانیر سرحد کو پار

کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

ہرڑا سمیلن کا حشر بخت سنگھ کی بیکانیر کے خلاف پے در پے ڈر ۲ تدبیریں الٹی ہوچکی تھیں کہ اتنے میں سوائی جے سنگھ کا دعوت نامہ ہرڑا سمیلن میں شرکت کے لیے موصول ہوا یہ سمیلن مرہٹہ حملہ آوروں سے نپٹنے کے لیے منعقد ہونے والا تھا جسمیں تمامی رئیسوں کو دعوت دی گئی تھی کہ ۱۷ جولائی ۱۷۳۴ء ۱۱۴۷ھ کے دن اجمیر کے اس گاؤں کے اجتماع میں شریک ہوں۔ دوسرے رئیسوں کے ساتھ ناگور کے راجہ دھراج بخت سنگھ اور بیکانیر کے سجان سنگھ بھی بلائے گئے تھے۔ سبھی شرکاء نے غور و خوض کے بعد ایک عہد نامے کی شرائط پر دستخط کیے جنمیں ایک شرط یہ بھی کہ برسات کے بعد سبھی رؤسا مع اپنی اپنی فوجوں کے رام پورہ میں مجتمع ہونگے اور وہاں سے اجتماعی طور پر مرہٹوں پر حملہ کر کے انہیں راجستھان سے باہر کھدیڑ دیا جائیگا۔ لیکن ہوا یہ کہ بیکانیر اور ناگور کی آپسی رقابت اور خود سوائی جے سنگھ کی پالیسی سے بوندی و کوٹا کی تباہی عمل میں آئی۔ اور مہارانا جگت سنگھ دوم کی مادھو سنگھ کے لئے جے پور کی گدی کیلئے اپنی جانبداری کے علاوہ انکی اپنی غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے راجستھان کے حکمرانوں کی صحیح رہبری نہ ہو سکی۔

بھائیوں میں من مٹاؤ تین سال بعد نومبر ۱۷۳۷ء ۱۱۵۰ھ میں بیکانیر کی یورش بخت سنگھ کو یہ سوجھی۔ دلّی سے ایک دل مہاراجہ ابھے سنگھ کی اجازت سے بھنڈاری من روپ اور بھنڈاری وجے رام کی سرکردگی میں بخت سنگھ کی مدد کو آپہونچا لہٰذا بیکانیر کے مہاراجہ زور آور سنگھ کو کچھ نقدی کے علاوہ سرحد کی خربوزی کی پٹی دیکر بخت سنگھ سے سمجھوتہ کرنا پڑا

ابھی تک دونوں بھائیوں ابھے سنگھ اور بخت سنگھ میں تعلقات کی خوشگواری کو دخل تھا مگر یکایک اسی سال ۱۷۳۷ء ۱۱۵۰ھ کے اواخر میں ناگوری سرکاری ملازموں کے ساتھ مہاراجہ ابھے سنگھ کی ظلم و زیادتی کو لیکر ایک نیا اختلاف پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابھے سنگھ نے فوج چڑھا کر ناگور کی سرحد پر ڈیرا ڈال دیا تو بخت سنگھ نے زورآور سنگھ کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا یہ سن کر ابھے سنگھ جودھپور واپس چلا گیا۔ یہ دونوں بھائیوں میں من مٹاؤ کا پہلا واقعہ تھا۔

۱۷۳۹ء ۱۱۵۲ھ کے واقعات و حادثات

۱۷۳۷ء ۱۱۵۰ھ میں بخت سنگھ (ناگور) اور زورآور سنگھ (بیکانیر) کے درمیان عارضی صلح ہو چکی تھی مگر ۱۷۳۹ء ۱۱۵۲ھ کے شروع ہوتے ہوتے بخت سنگھ نے بارہٹ دلپت کو زورآور سنگھ کے پاس اس تجویز کو لیکر بھیجا کہ عارضی صلح کو مستقل کر لیا جائے لیکن زورآور سنگھ بخت سنگھ کا تاثر اچھا نہیں تھا بوجہ اس کے بخت سنگھ کی حوصلہ مندی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ پھر بھی زورآور سنگھ کو بخت سنگھ کی امداد کی ضرورت تو بہر حال تھی۔ لہٰذا اپنے اطمنان کیلئے زورآور سنگھ نے جب مستقل صلحنامے کیلئے بخت سنگھ سے ثبوت چاہا تو بخت سنگھ نے جون ۱۷۳۹ء ۱۱۵۲ھ میں میڑتہ پر عملی اقدام کر کے زورآور سنگھ کو اطمنان دلایا۔ میڑتہ پر بخت سنگھ کا قبضہ ہو گیا اور مستقل صلحنامے کیلئے راستہ صاف ہو گیا۔ زورآور سنگھ کے اُدن ناگور آئے تو بخت سنگھ نے زورآور سنگھ لکھکر دو آپ بے فکر رہیں میں یہاں سے جودھپور پر حملہ کرونگا جس سے ابھے سنگھ کو اپنی فوج بیکانیر سے واپس بلا لینی پڑیگی۔ مگر یاد رہے کہ آپ میرے ساتھ دغا نہ کیجئے گا۔" اس پر زورآور سنگھ کی خواہش ہوئی کہ خود بھی جودھپور کی چڑھائی میں حصہ لے لیکن بیماری کی وجہ سے بجائے اپنے مہتا بختاور سنگھ کو بیکانیری فوج کے ساتھ بھیجدیا۔ کا پرڈا کے

مقام پر بیکانیر کی فوج ناگور کی فوج کے ساتھ مل گئی۔ جب ابھے سنگھ کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بھی بیسل پور آ کر جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ ابھے سنگھ نے چھوٹے بھائی بخت سنگھ سے صلح کرنی ہی مناسب سمجھی۔ اس صلح کے مطابق بخت سنگھ نے میڑتہ چھوڑ دیا۔ میڑتہ کے بدلے میں جالور کے قلعے کی مرمت کے تین لاکھ روپئے مع جالور کے ابھے سنگھ نے بخت سنگھ کو دیئے۔ ناگور لوٹ کر بخت سنگھ نے بیکانیر کے سرداروں کو سروپا وغیرہ بخشے۔

اِدھر ابھے سنگھ مہاراجہ کی نظر بیکانیر حاصل کرنے پر لگی ہوئی تھی مگر دلّی میں ایک بہت بڑے خطرے کی گھڑی آ پہونچی تھی جس سے پورا اُتری بھارت متاثر ہونے والا تھا۔ نادر شاہ دُرّانی کے حملے کے خلاف بادشاہ کی مدد کے لئے دلّی بلائے جانے پر بھی راجستھان کے کوئی حکمراں وہاں نہیں پہونچے۔ راجستھان کی قسمت سے نادر شاہ نے اجمیر میں خواجہ صاحب کی درگاہ کی طرف رُخ کرنے کے بجائے مئی ۱۷۳۹ء / ۱۱۵۲ھ میں دلّی کو لوٹ کھسوٹ کر اور محمد شاہ کو ذلیل کر کے ایران کو واپس جانے کا قصد کیا لیکن نادر شاہ کا حملہ کیا تھا ڈگمگاتی ہوئی بادشاہت کے سنگٹھن کو کرارا دھکّا پہونچانے والا تھا۔ خوشامد پسند سازش مزاج نکمّے عیّاش بادشاہ میں قابلیت کا فقدان تھا۔ اور نہ ہی بادشاہی فوج کے نام کی کوئی چیز باقی رہی تھی جس کے بل پر بادشاہ اپنا اقتدار قائم رکھ سکتا تھا۔

راجستھان کی اخلاقی گراوٹ

علیٰ ہذالقیاس راجستھان میں کوئی طاقت ور صوبے دار ایسا نہ تھا جو وہاں کے رئیسوں کو اُن کے بے جا حرکتوں سے روک سکتا تھا۔ رہی سہی اُبھرتی طاقت ناگور کے راجہ دھراج بخت سنگھ کی اگر مان لی جائے تو ابھی بخت سنگھ کی شخصیت تو نشو نما پا رہی تھی۔ پوری پختگی کو پہونچنے میں دیر تھی۔ اس کے علاوہ

ایک طرف سوائی جے سنگھ راجستھان پر چھائے ہوئے تھے دوسری طرف ابھی بخت سنگھ کے بڑے بھائی ابھے سنگھ مہاراجہ سے بعض اوقات دبنا پڑتا تھا۔ ابھے سنگھ کو مدد بھی پہونچاتا تھا اور خود بھی مدد لیتا تھا مختصر یہ کہ بادشاہی طاقت کے زوال پذیر بلکہ بے جان ہوتے ہی راجستھان میں ہر طرف طوائف الملوکی اور بدامنی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

راجستھان کے طاقتور رئیسوں کی نقل وحرکت دور دراز صوبوں کی بجائے اب اپنے پڑوسی راجاؤں کے خلاف محدود ہو چکی تھی۔ بقول ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ کے، ریاست اور اقتدار کے لئے راجپوت رؤسا کبیرہ گناہ کرنے سے بھی نہیں ہچکے۔ پتا نے پتر کو اور بیٹے نے باپ کو مارا۔ اعلیٰ خاندان کی خواتین نے دھوکا دیکر اپنے قریب ترین پیارے سگے رشتہ داروں کو بھی بلا جھجک زہر پلایا۔ خوفناک مار کاٹ، قابل نفرت سازشوں قابل ملامت وعدہ خلافیوں اور ناقابل یقین دغابازیوں کا دور دورہ ہوگیا تھا۔ ہر ریاست میں خانہ جنگی کی شروعات ہوگئی جسمیں کامیابی حاصل کرنے کیلئے بدیشی مرہٹوں سے مدد مانگنے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو پورے راجستھان میں دکھنیوں کا داخلہ ہوگیا جنھوں نے پنڈاریوں سمیت جی بھر کر راجستھان کو لوٹا۔ راجستھان کا ایسا قابل رحم زوال ہوا کہ راجپوتوں کا پورا وقت عیش پسندی کے ساتھ آلیسی خانگی الجھنوں، قومی رقابتوں، جاگیردارانہ کشمکش اور مرہٹوں کو راضی رکھنے کیلئے اشد ضروری رقم جمع کرنے میں ہی گذرتا تھا۔ مرہٹوں کے مقابلے میں جنگ کیلئے سائنسی ذرائع، فوجی سنگٹھن اور انتظام کے نئے مغربی طور پر طریقوں کو سمجھنے بوجھنے کیلئے نہ ان کے پاس وقت تھا۔ نہ دلچسپی،، (پوروا دھونک راجستھان ص ۱۶۷)
پرانی روایات کیمطابق اندھا دھند مار نے والے اسلوب جنگ کے دھنی راجپوت اپنی ہمت و بہادری کے بل پر مرہٹوں سے کیسے نپٹ سکتے تھے جنھوں نے

یورپین جنگی سائنس کو اپنا رکھا تھا۔

پھر بیکانیر نادر شاہ کے روانہ ہونے کے ساتھ ہی راجستھان میں بھی لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ واقعات کے نتیجے میں ابھے سنگھ نے زور آور سنگھ کو معاف نہیں کیا تھا۔ اگلے برس ۱۷۴۰ء (۱۱۵۳ھ) میں اُس نے اپنی بڑی فوج بیکانیر پر چڑھاکر راجدھانی اور گڑھ دونوں ہی کو گھیر لیا۔ جب یہ محاصرہ انتہا کو پہنچنے لگا تو زور آور سنگھ نے بخت سنگھ کے پاس اپنا دوت بھیجا۔ بخت سنگھ نے کہلایا کہ میں تن اور دھن دونوں سے تمہارے ساتھ ہوں مگر تم سوائی جے سنگھ سے بھی مدد حاصل کرو تب کام چلیگا۔ سوائی جے سنگھ نے جواب میں کہلایا کہ پہلے بخت سنگھ میڑتہ پر قبضہ کرلیں تب میں آؤں گا۔ بخت سنگھ نے اپنا یہ پچھلے اقدام کو دُھراکر میڑتہ پر قبضہ کرکے اپنی نیک نیتی کا ثبوت پیش کردیا۔ لہٰذا سوائی جے سنگھ نے اپنے دیوان راجہ مل کھتری کو بیس ہزار فوج کے ساتھ جودھپور کی طرف بھیجدیا۔ اسی وقت بیکانیر کے وکیل مقررہ دلّی نے سوائی جے سنگھ کو اطلاع دی کہ محمد شاہ بادشاہ کے ایک فرمان زور آور سنگھ کو لکھکر اطمینان دلایا ہے کہ ابھے سنگھ کو بیکانیر کے باہر نکال دیا جائے گا۔[۱] لیکن ابھے سنگھ نے، پیشتر اس کے کہ راجہ مل کھتری جے پوری فوج لیکر آپہونچے، اپنے دس ہزار فوج سے بخت سنگھ پر حملہ کردیا۔ لیکن اُسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب راجہ مل کھتری تو جے پور سے چل کر میڑتہ پہونچ گیا تاہم سوائی جے سنگھ سے فرمائش کی گئی کہ وہ اس لڑائی میں حصہ لیں۔ سوائی جے سنگھ نے اس معاملے میں خاص سرداروں سے مشورہ کیا۔ کیونکہ ابھے سنگھ سوائی جے سنگھ کے داماد تھے مگر سوائی جے سنگھ کو یہ رائے پسند آئی کہ ابھے سنگھ کو بیشتر

---

۱ ابھے سنگھ کا گجراتی صوبہ چھوڑ کر چلا آنا اور نادر شاہ کے حملے پر بادشاہ کی دعوت پر دلّی نہ جانا ہی دو وجوہات محمد شاہ کی ناراضگی کی ہوسکتی ہے۔

اس کے کہ اُس کے حوصلے بلند ہوں، بیکانیر پر قبضہ کرنے سے روکنا چاہیئے ورنہ ابھے سنگھ اسکو بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیگا۔ یہ سوچ کر سوائی جے سنگھ ایک بڑی فوج لیکر جودھپور کی طرف چل پڑا۔ یہ خبر سُن کر ابھے سنگھ نے گھیرا بیکانیر کا اُٹھا لیا لوٹتی ہوئی جودھپوری فوج کو بیکانیریوں نے بُری طرح لُوٹ لیا۔ اس پر سوائی جے سنگھ کو تسلی نہیں ہوئی اور اب اُس نے اپنی فوج کے ساتھ راجہ مل کھتری اور بخت سنگھ کی افواج کو لیکر دیگر رئیسوں، بیکانیر، کرولی، بوندی، اودے پور، سوپور، اور بھرت پور کی فوجوں کو ملایا، جہاں کے رئیسوں کو دعوت شرکت دے چکا تھا۔ اب آگے بڑھکر سوائی جے سنگھ نے اپنے مددگاروں سمیت جودھپور کے قلعہ کو جولائی ۱۷۴۰ء ۱۱۵۳ھ میں گھیر لیا۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ ابھے سنگھ نے معافی قصور کے لئے اپنے خاص سرداروں کو سوائی جے سنگھ کی خدمت میں بھیجا۔ لہٰذا سوائی جے سنگھ نے مع بخت سنگھ سبھی مددگار رئیسوں نے دربار میں مشورہ کیا۔ مشورے میں اکیس[۲۱] لاکھ روپے کا تاوان جنگ ابھے سنگھ پر لگا کر وصول کیا گیا لیکن بخت سنگھ کا کیا بھلا ہوا جب کہ اکیس[۲۱] لاکھ کی رقم سوائی جے سنگھ نے ہڑپ لی۔

بخت سنگھ کا یہ احساس دھیرے دھیرے سوائی جے سنگھ کی مخالفت میں بدل گیا۔ اور اب اُس نے اپنے بڑے بھائی ابھے سنگھ سے صلح کرلی۔

گنگوانا کی لڑائی ۱۷۴۱ء ۱۱۵۴ھ

بخت سنگھ کی دلیری دیکھیئے کہ اگلے برس مئی ۱۷۴۱ء ۱۱۵۴ھ میں اُس نے پانچ ہزار فوج کے ساتھ کچھواہی علاقے ڈھوڈاڑ پر حملہ کردیا۔ سوائی جے سنگھ نے پچاس ہزار فوج کے ساتھ اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوچ کیا۔ ۱۱ر جون ۱۷۴۱ء ۱۱۵۴ھ کو پُشکر کے قریب تقریباً گیارہ میل پر گنگوانا گاؤں میں لڑائی ہوئی بخت سنگھ دلیری کے ساتھ ہمت اور بہادری میں بھی ہم عصروں میں ممتاز تھا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اُس

نے بھیانک حملوں کے ذریعے جے پور فوج کے پیر اُکھاڑ دیئے لیکن دس گنی فوج کے خلاف کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُس کی دو توپیں اور مُرلی منوہر کی مورتی کے ساتھ ہاتھی وغیرہ بہت سا سامان چھن گیا۔ کیونکہ بھائی ابھے سنگھ نے وعدہ کر کے بھی لڑائی میں ساتھ نہیں دیا تھا۔ اور آنیا داس کی طرف چلا گیا تھا۔ جہاں بخت سنگھ بھاگ کر اُس سے جا کر ملا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔

اِدھر سوائی جے سنگھ نے اجمیر پہونچکر ابھے سنگھ کو بھی جنگ کے لئے للکارا اور بیکانیر کے زور آور سنگھ کو کہلایا کہ وہ ناگور پر چڑھائی کرے۔ زور آور سنگھ کو جو اُس وقت جودھپور میں تھا۔ ناگور پہونچنے میں دیر نہیں لگی، ناگور کو تباہ و برباد کیا گیا مگر زور آور سنگھ سوائی جے سنگھ سے ملنے نہیں آیا کیونکہ جیسی غارت گری ناگور کی سوائی جے سنگھ چاہتا تھا، اُتنی اُس نے نہیں کی تھی۔ اسی درمیان میں علیل ہو کر بسی نام کے گاؤں میں اُس کا انتقال ہو گیا۔ اُس پر بھنڈاری رگھوناتھ نے جے پور اور جودھپور میں عارضی صلح کرا دی۔ بخت سنگھ کی دونوں توپیں اور مُرلی منوہر جی کی مورتی کے ساتھ ہاتھی وغیرہ سب سامان بھی اسکو سوائی جے سنگھ سے واپس دلا دیا گیا۔ اسکے بعد ہی مہارانا جگت سنگھ دوم نے بیچ میں پڑ کر عارضی صلح کو مستقل صلح کی شکل دلا دی (جولائی ۱۷۴۱ء ۱۱۵۴ھ)

کرنل جیمس ٹاڈ کا تبصرہ

گنگوانا کی لڑائی میں بخت سنگھ کے کارنامے پر کرنل جیمس ٹاڈ کا تبصرہ باوجود مبالغے اور سُنی سُنائی باتوں کے اندراج کے، قابلِ ملاحظہ ہے جسکا ترجمہ فقیر حقیر سیٹھ ٹاڈ کی کتاب کے ادھار پر پیش کرتا ہے:۔

جیسے ہی دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے پاس پہونچیں، ویسے ہی بخت سنگھ نے اپنی فوج لیکر آمیر کی بڑی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ تلوار

کی دھار اور بھالے کی نوک سے دشمن کی سپاہ کو برباد کرتا اور چیرتا ہوا اس کے اندر داخل ہونے لگا۔ لیکن جس وقت اُس نے مُڑ کر دیکھا اسی وقت اُس کے ساتھ کے سواروں میں صرف ساٹھ سوار ہی باقی بچے تھے۔ ایسے موقع پر حالانکہ گج پورے کے ٹھاکر نے پیچھے کے جنگل کی طرف اشارہ کر اُسے اُدھر لوٹ چلنے کو کہا مگر راٹھور ویر نے پیچھے پیر رکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور سامنے ہی جے پور نریش جے سنگھ کے پنچ رنگے جھنڈے کو دیکھ کر اُس پر حملہ کر دیا۔ اس پر چیتر و کنبھانی نے جو راجہ جے سنگھ اور آپکے جھنڈے کے پاس ہی کھڑا تھا اُنھیں (جے سنگھ، جی کو) جلد ہی وہاں سے ٹل جانے کی صلاح دی۔ اس کے مطابق وہ دشمن کے سامنے پیٹھ دکھانا شرمناک سمجھ بازو کی طرف سے کھنڈیلے کی طرف نکل گئے لیکن میدانِ جنگ چھوڑتے وقت اُن کے منہ سے آپ ہی آپ یہ لفظ نکل پڑے۔

"حالانکہ آج تک میں نے سترہ لڑائیوں میں حصہ لیا ہے"، تب بھی آج سے پہلے ایک بھی لڑائی ایسی نہیں ہوئی جسمیں آج کی لڑائی کی طرح تلوار کے بل سے ہی فتح کا فیصلہ ہوا ہو ــــ کرنل ٹاڈ نے آگے لکھا ہیکہ اسطرح کامیابیوں سے عمر بھر گذارنے والے راجستھان کے ایک سب سے زبردست، عالم (ودوان) اور عقلمند حکمران کو مٹھی بھر ویروں کے سامنے سے اس بے عزتی کے ساتھ ہٹنا پڑا۔ اس سے کہاوت کی اور بھی تائید ہو گئی:۔

"لڑائی میں ایک راٹھور نے دس کچھواہوں کی برابری کی"

اس کے آگے کرنل ٹاڈ نے جے پور نریش جے سنگھ جی کے کوی لوگوں کے ذریعہ کی گئی بخت سنگھ جی کی تعریف کے بارہ میں لکھا ہے۔ (ٹاڈ راجستھان ص ۱۰۵۰/۵۱، مارواڑ کا اتہاس فٹ نوٹ ص ۵۴ - ۳۵۳)

گنگوانا کے بعد ڈیڑھ برسوں کا وقفہ ہے ستمبر ۱۷۴۳ء ۱۱۵۶ھ میں جب سوائی جے

سنگھ کی وفات کے بعد ایشوری سنگھ اسکا جانشین ہوا تو مہاراجہ ابھے سنگھ کو موقع ہاتھ آیا کہ اپنے سرداروں کو اجمیر پر قبضہ جمانے کے لیے بھیجا اور خود بھی میڑتہ سے روانہ ہوکر ڈانگ واس نامی گاؤں میں پہونچا تھا کہ بخت سنگھ بھی ناگور سے چل کر مع اپنی فوج کے اُس سے جاملا۔ یہاں سے دونوں بھائی اپنی فوجیں ساتھ لیکر اجمیر پہونچے اور اجمیر سے چھاتڑی آگئے جہاں پر پانچ ہزار فوج کوٹا کی آگئی۔ ابھے سنگھ کے پاس اب کل ملاکر تینتیس ہزار فوج ہوگئی ایشوری سنگھ کو معلوم ہوا تو وہ بھی ڈھانڑی گاؤں آپہونچا۔ بخت سنگھ تو اُس سے جنگ کرنے کیلئے آتا والا ہورہا تھا۔ لیکن پروہت جگناتھ نے راجہ مل کھتری کو بیچ میں ڈالکر دونوں فوجوں میں صلح کرادی۔ بخت سنگھ اپنے بڑے بھائی ابھے سنگھ کی اس صلح پسند کاروائی سے ناراض ہوکر ناگور چلا آیا۔ ابھے سنگھ اپنی خودغرضانہ فطرت کی تحت اپنے بھائی بندھوؤں سے بھی چھل دغا کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے بخت سنگھ اُسکو کپٹی کہا کرتا تھا۔

باب ۳ احمد شاہ ابدالی کا حملۂ پنجاب

جنوری ۱۷۴۸ء میں پنجاب میں احمد شاہ ابدالی حملہ آور بن کر آیا تو محمد شاہ بادشاہ نے راجپوتانہ کے رؤساء کو مدد کیلئے بلایا۔ بخت سنگھ اپنی فوج لیکر دلّی کے لیئے روانہ ہوا تو ابھے سنگھ نے خاص سرداروں کو بھیج کر اُسے روکا لیکن بھائی کی بات نہ مانکر بخت سنگھ دلّی پہونچ گیا۔ پہونچنے میں دیر ہوجانے سے دلی عہد شاہزادے احمد شاہ کے ساتھ، احمد شاہ ابدالی کے خلاف نہیں بھیجا جاسکا۔ تاہم بادشاہ نے اُسے اپنے پاس دلّی میں رکھ لیا کہ ضرورت پڑنے پر شاہزادے کی مدد کیلئے بھیجا جاسکے گا۔ لیکن اسکی نوبت نہیں آنے پائی کیونکہ شاہزادہ احمد شاہ ابدالی کو بھگانے اور لاہور شہر کو بچا لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اُسی سال اپریل کے مہینے میں محمد شاہ کی وفات ہو گئی تو نئے بادشاہ احمد شاہ نے تخت نشینی کے بعد بخت سنگھ کو اپنی خدمت میں بنائے رکھا جیسے جیسے وقت گذرتا گیا بخت سنگھ کی اہمیت دربار میں دن بدن بڑھنے لگی۔ اب بخت سنگھ نے خود اپنی خواہش سے میر بخشی امیر الاُمرا صلابت خاں ذوالفقار جنگ کی معرفت بادشاہ احمد شاہ کی خدمت میں گجرات کی صوبے داری حاصل کرنے کیلئے عرض کرائی لیکن میر بخشی کو معلوم تھا کہ ابھے سنگھ کے دور صوبیداری میں مارواڑیوں نے گجرات کی رعایا پر کیا ظلم کئے تھے لہٰذا میر بخشی پیشتر اس کے کہ بادشاہ سے بخت سنگھ کیلئے سفارش کرے اُس سے حسب ذیل مُچلکے پر دستخط کرا لئے :-

بخت سنگھ کا مُچلکہ

(۱) شاہی خالصے کے ضلعوں پر اپنا اختیار قائم نہیں کرونگا اور مال کے عہدے داروں کے کام میں مدد دیتا رہونگا۔ (۲) بادشاہی عمل داروں کو میں سابق ضابطوں کے مطابق کام کرنے دونگا۔ اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہوئے اُن کو راضی رکھوں گا (۳) منصبداروں کو تنخواہ کی جگہ پر جو جاگیریں گجرات میں ملی ہوئی ہیں اُنہیں میں ضبط نہیں کرونگا۔ اور انکی رضامندی کی تحریریں بادشاہ کو بھیجتا رہوں گا۔
(۴) گجرات کے صوبے میں بسنے والے مسلمانوں کو میں اپنے اچھے برتاؤ سے خوش رکھونگا اور بلا وجہ ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہونچاؤنگا (۵) بادشاہ محمد شاہ کے زمانہ حکومت میں گجرات کے صوبیدار لوگ بادشاہ کی خدمت میں جو کچھ پیش کش بھیجتے تھے وہ میں صوبے کا انتظام کرنے کے علاوہ بھیجتا رہوں گا۔
(۶) اسلامی شرع (قانون شریعت) کے مطابق مقدموں کا فیصلہ کرنے کیلئے میں کسی مسلمان شخص کو مقرر کرونگا نہیں تو بادشاہ کی جانب سے اُسکی تقرری کی جاویگی۔ احمد شاہ کے ذریعے اس مُچلکے کو منظور کر لینے پر جولائی ۱۷۴۸ء / ۱۱۶۲ھ کو بادشاہ کی طرف سے بخت سنگھ کو چھ۶ پوشاکیں سر پیچ اور جواہر جڑی موٹھ والی تلوار بخشی

گئی اور قمرالدولہ کا تبادلہ کر کے اُسکی جگہ پر بخت سنگھ کو گجرات کی صوبیداری پر مقرر کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فوج خرچ اور سانبھر ڈیڈوانہ اور نارنول کے پرگنے بھی عطا کئے گئے۔ اور اجازت دی گئی کہ میر بخشی کے ساتھ، جو دلّی سے جودھپور، اجمیر کے انتظام کیلئے جا رہے تھے بخت سنگھ بھی چلے جائیں۔ لیکن بخت سنگھ نے گجرات میں مرہٹوں کی نقل وحرکت کا خفیہ طور پر پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ گجرات صوبے کی حالت ناگفتہ بہ ہے کیونکہ چاروں طرف سے مرہٹوں کے حملوں کی وجہ سے صوبہ بالکل ویران اور اُجاڑ ہو رہا ہے۔ اس اثناء میں جوان مرد خاں نے گجرات صوبے کے بڑے بڑے سیدوں شیخوں باعزت لوگوں، ہندو مسلمان تاجروں کے دستخط سے ایک عرضداشت احمد شاہ کو بھجوائی جسمیں ابھے سنگھ کے وقت میں جو حالت گجرات کی ہوئی تھی اس کا پورا پورا بیان تھا۔ ایسے حالات کے تحت گجرات کی ذمہ داری یعنی بخت سنگھ نے مناسب نہ سمجھ کر وہاں جانا ملتوی کر دیا۔ (مراۃ احمدی ص ۹-۶۰۷ بحوالہ ڈاکٹر حلیم صدیقی ص ۱۶-۳۱۳)

سانبھر کی مہم اور ابھے سنگھ کی وفات

بادشاہ احمد شاہ نے گجرات کی صوبے داری کے ساتھ بخت سنگھ کو سانبھر۔ ڈیڈوانہ اور نارنول کے تینوں پرگنے بھی بخش دیئے تھے لیکن جب بخشندہ (بخشنے والا) ناطاقتی کا شکار ہو تو بخشے ہوئے علاقے پر اپنے بل بوتے سے قبضہ کرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا اس کام میں بیکانیر کے مہاراجہ گج سنگھ نے جو زوراور سنگھ کی وفات کے بعد اُس کا جانشین بن چکا تھا، بخت سنگھ کے ساتھ تعاون کیا۔ سانبھر تو ریاست جودھپور کے خالصے کا پرگنہ تھا۔ اور سانبھر کی بڑی جھیل آمدنی کا اچھا ذریعہ تھی۔ لہٰذا ابھے سنگھ نے بھی اپنا پکش مضبوط کرنے کے لئے بوندی سے مرہٹہ سردار ملہار راؤ ہولکر کو گیارہ ہزار روپیہ روزانہ پر طلب کیا اور خود بھی اپنی فوج لے کر سانبھر کی طرف کوچ کیا۔ بخت سنگھ کو گج سنگھ پر بڑا بھروسہ تھا چنانچہ اُس نے کہا بھی تھا کہ "آپکے آجانے سے ہم

ایک اور ایک، دو نہیں بلکہ گیارہ ہو گئے ہیں۔" اُدھر ابھے سنگھ نے جو خاص فوج خرچ برداشت کر کے مرہٹے کی مدد حاصل کی تھی وہ اس لئے تھی کہ "تم جو سانبھر چھیننا چاہتے ہو تو ہم بھی جالور تم سے واپس لے لیں گے۔" اسی اثناء میں سوائی ایشوری سنگھ کا فرستادہ آن پہونچا اور اُس نے بخت سنگھ اور ملہار راؤ ہولکر کے درمیان بات کرا کر لڑائی کو رکوا دیا۔ ساتھ ہی ہولکر نے دونوں بھائیوں میں میل کرا دیا۔ لیکن بخت سنگھ خالی ہاتھ لوٹ کر ناگور جانے والا نہ تھا۔ نارنول تو ذرا دور مارواڑ سے باہر تھا مگر ڈیڈوانہ کیا برا تھا۔ سانبھر نہیں ملا تو ڈیڈوانہ ہی سہی۔ ڈیڈوانہ پر قبضہ کر لینا اُس کے لئے آسان ثابت ہوا

ابھے سنگھ بستر مرگ پر

اگلے سال ۱۷۴۹ء / ۱۱۶۳ھ میں ابھے سنگھ بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہوا تو اُسے اپنی موت یاد آئی۔ سرداروں کو بلا کر اپنے بعد اپنی جانشینی کا مسئلہ اُن کے سامنے رکھا۔ فرمایا کہ میری زندگی میں بخت سنگھ نے جودھپور پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی میری موت کے بعد اُسکو کون روک سکتا ہے؟ رام سنگھ کو مار کر جودھپور چھین لے گا۔ یوراج رام سنگھ کپوت اور بے عقل ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے مرنے پر تم لوگ بدل جاؤ گے اور بخت سنگھ کا ساتھ دو گے۔ اگر ایسی بات ہے تو مجھے بتا دو تاکہ جودھپور بخت سنگھ کو دیکر رام سنگھ کیلئے دوسرا انتظام کر دوں۔ ریاں کے ٹھاکر راوت شیر سنگھ نے جواب دیا کہ ہمارے جیسے راجپوت، رام سنگھ کے کپوت ہونے پر ساتھ دیں گے۔ آؤ وا کے ٹھاکر چانپاوت کشل سنگھ نے کہا کہ ہماری عزت گھٹا دی گئی تو ہم برداشت کر لیں گے لیکن اپنے ڈیرے برباد ہونے اور نکالے جانے کو ہم سہن نہ کر سکیں گے۔

اجمیر میں جب ابھے سنگھ کی وفات کی خبر ناگور پہونچی تو بخت سنگھ نے اپنے خاص آدمیوں کی معرفت ٹیکا کے ساتھ ہاتھی گھوڑے اور دوسرا سامان بھیجا لیکن

رام سنگھ کا کہنا تھا کہ "وہ پہلے جالور چھوڑ دے تب میں ٹیکا قبول کرونگا نہیں تو ناگور بھی چھین لیا جائیگا۔" اس پر راج ماتا کی سفارش بھی آئی کہ عارضی طور پر جالور بالک کو دیدیا جائے۔ لیکن بخت سنگھ کا جواب الجواب یہ ہوا کہ "وہ جالور تو میرے حصے میں آیا ہے۔ لہٰذا اُسے میں کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں میں اُس کے بجائے دوسرا علاقہ فتح کر کے رام سنگھ کو ضرور دلوا سکتا ہوں۔" بس بات یہیں پر ختم ہو گئی اور بخت سنگھ کے آدمی ٹیکا لیکر ناگور واپس چلے آئے۔

بخت سنگھ تو بخت سنگھ تھے۔ اب سُنیئے کہ مارواڑ کے سرداروں کیساتھ رام سنگھ کے احمقانہ رویے کا حشر کیا ہوا۔ کتنے ہی ٹھاکر مع اپنے کنبے اور خدام کے رام سنگھ سے تنگ آکر بخت سنگھ کے پاس چلے گئے۔ بخت سنگھ نے اُن کو باعزت طریقے سے اپنے پاس رکھ لیا اور اُن کے نان و نفقے کیلئے گاؤں اور زمینیں بھی عطا کیں کیونکہ اس تجویز کو کر اُن کی سفارش رام سنگھ کے دربار میں پہونچائی جائے اُن لوگوں نے قسم کھا کر ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اُلٹے یہ رائے قائم کی کہ جودھپور کی گدّی پر بخت سنگھ کو بٹھایا جائے اور اگر بخت سنگھ نے انکار کیا تو ہم لوگ مارواڑ کو پورے طور پر چھوڑ دیں گے۔ ابھی بخت سنگھ نے جودھپور پر اپنا قبضہ جمانے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ برخلاف اس کے رام سنگھ کا رویّہ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بخت سنگھ کو اُس نے مجرم مان لیا تھا اور اب مارواڑ کے روٹھے سرداروں کو پناہ دیکر وہ ایک اور سنگین جرم کا مرتکب ہوا۔ ایسی حالت میں اوتاولا ہو کر۔ نوجوان ناتجربہ کار مہاراجہ جودھپور نے شیر سنگھ کی موجودگی میں جنگ کیلئے مجلس شوریٰ بلائی بعد میں شیر سنگھ کو بھی ناگور پر حملے کیلئے راضی کر لیا کیونکہ ابھے سنگھ نے رام سنگھ کے پکش میں بنے رہنے کا عہد شیر سنگھ سے لے لیا تھا۔ بخت سنگھ کو پتہ لگا تو اُس نے گج سنگھ (بیکانیر) کے پاس اپنے خاص آدمی بھیجکر کمک منگوائی گج سنگھ کی اٹھارہ ہزار

فوج اور ناگور کی فوج دونوں ملکر ہیلوڑی گاؤں میں تھیں جہاں سے تھوڑی دور پر موضع
ردن میں اس وقت رام سنگھ کا پڑاؤ تھا۔ بخت سنگھ نے ردن پہونچکر رام سنگھ کے ایک
خاص سردار بھنڈاری من روپ کو مروا دیا۔ وہاں سے آگے چلکر موڑی گاؤں میں کچھ باغی
راجپوت ملے۔ وہاں سے آگے رِنی گاؤں میں بھی باغیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے بعد
جھگڑے نپٹارے کی بات چیت ہو رہی تھی کہ سوائی ایشوری سنگھ کے بھیجے ہوئے دھولا
کے ٹھاکر نے، جو چار ہزار فوج لیکر آیا تھا اُس نے اور بیکانیر کے نمایندے دونوں نے
ملکر بخت سنگھ اور رام سنگھ کے درمیان صلح کرادی جسکے مطابق بخت سنگھ کو جالور
چھوڑ دینا تھا اور اُس کی جگہ پر رام سنگھ کو جالور کی قلعہ بندی کے تین[۳] لاکھ روپے
اور اجمیر کا علاقہ بخت سنگھ کو دینا تھا۔ تین لاکھ روپے کی ادائیگی کی میعاد چھ[۱] مہینے
کی رکھی گئی تھی۔

جودھپور کیخلاف بادشاہی امداد

جے پور کے نمایندے ٹھاکر راجہ وت
دلیل سنگھ کے بیچ بچاؤ سے سمجھوتہ
تو ہو گیا لیکن رام سنگھ نے نہ ناگور کی قلعہ بندی کے تین لاکھ روپئے بخت سنگھ کو دیئے
اور نہ اجمیر کے علاقے پر قبضہ ہی دیا۔ علیٰ ہذا القیاس جالور سے ناگور والوں کا قبضہ
بھی نہیں اُٹھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ رام سنگھ کی کھلم کھلا بے ضابطگی اور بے
عنوانی سے اندیشے میں پڑکر بخت سنگھ نے اپنی خود حفاظتی تدبیر کیلئے بادشاہ
احمد شاہ سے ملنے کیلئے روانہ ہونے سے پیشتر اپنے دوست بیکانیر کے گنج سنگھ کو موڑی
گاؤں سے جلد از جلد ناگور آنے کیلئے بُلا لیا۔ دلی میں بخت سنگھ کو اس شرط پر مدد
دینا منظور کیا گیا کہ وہ اجمیر اور آگرہ کے صوبوں سے مرہٹوں کو نکالنے اور مقامی
فسادیوں کی سرکوبی اور بادشاہی اقتدار کی قائمی میں شاہی فوج کو سہیوگ دیگا
اسکی خبر جب رام سنگھ کو لگی تو وہ سوائی ایشوری سنگھ کو اپنی مدد کیلئے بلانے کا انتظام

کرنے لگا مگر جب بخت سنگھ ابھی دلّی ہی میں تھا کہ مارواڑ کے بڑے بڑے سردار رام سنگھ کے رویے سے تنگ آکر بخت سنگھ کے ولی عہد وجے سنگھ کے پاس ناگور چلے گئے اور وجے سنگھ کو ساتھ لیکر خالصے کے بہت سے گاؤں کو غارت اور برباد کرنا شروع کر دیا۔

بخت سنگھ تو بادشاہ کی شرطوں کو قبول کر کے ناگور لوٹ آئے اور بادشاہ نے اواخر ۱۷۴۹ء / ۱۱۶۳ھ میں[1] میر بخشی امیر الامراء صلابت خاں ذوالفقار جنگ کو اجمیر صوبے کی صوبیداری دیکر اعلیٰ منصب کے منصبداروں کو چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ بخت سنگھ کی مدد کیلئے دلّی سے روانہ کیا جن اٹھ امراء کے نام مؤلف طباطبائی نے دیئے ہیں۔ اُن میں عبد العلی خاں مولف کے خالو اور سید اسمٰعیل علی خاں خالو زاد بھائی تھے۔

سوریاواس کی لڑائی ۱۷۵۰ء

مارچ ۱۷۵۰ء / ۱۱۶۴ھ کے اوائل میں میر بخشی اپنی فوج لیکر نارنول پہونچا جہاں بخت سنگھ پہونچکر اپنی فوج کے ساتھ اُس سے مل گیا اب یہاں سے دونوں اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اجمیر کے قریب گوکل گھاٹ پہونچتے ہی بخت سنگھ کی رائے ہوئی کہ فی الفور گھاٹ پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ یہ گھاٹ ایک پیچ دار اور تنگ راستہ تھا اور اسی وقت رام سنگھ بھی سوائی ایشوری سنگھ کے ساتھ تئیس ہزار جودھپوری اور جے پوری سواروں کے ساتھ اسی گھاٹ کے پیچ دار اور تنگ راستے کے دوسرے چھور پر آ پہونچا۔ میر بخشی بخت سنگھ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا اور پشکر کی طرف سے ہوتا ہوا میڑتہ پہونچا جہاں پر گج سنگھ (بیکانیر) اور بہادر سنگھ

---

[1] یہاں سے فارسی کا ماخذ سیر المتاخرین ہے لیکن فقیر حقیر کی پہونچ کے باہر ہے لہٰذا میں ڈاکٹر حلیم صدیقی کی کتاب کے حوالے جات سے مستفید ہو رہا ہوں۔

(روپ نگر، کشن گڑھ) کی فوجیں بھی بخت سنگھ سے آملیں۔ اب تو رام سنگھ نے بھی دکھن سے مرہٹہ سردار ستو جی کو اپنی مدد کیلئے سوائی ایشوری سنگھ کے ذریعے بلوالیا۔ اور اُس کو ساٹھ ہزار روپیہ روزانہ دینا منظور کیا۔ میرتہ کے قریب سوریا واس گاؤں میں توپوں کی خطرناک لڑائی ہوئی جسمیں دونوں طرف کے سردار و اُمراء مارے گئے لیکن لڑائی غیر فیصلہ کُن رہی۔ میر بخشی وہاں سے اپنے رفیقوں کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا پیپاڑ کے قریب پہونچا تو بخت سنگھ نے اُس کو بتلایا کہ اس سے آگے چلنا خطرناک ہے۔ کیونکہ اس راستے میں رام سنگھ کی توپیں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن بخت سنگھ کا مخاطب میر بخشی اپنی عمر میں کسی مناسب مشورے کو سننے کا عادی نہیں تھا۔ لہٰذا اُس نے جواب دیا کہ وہ مرد ایک بار جس طرف رُخ کر لیتا ہے اُدھر سے موڑتا نہیں ہے۔" اس ضد پسندی کے جملے کو سُن کر بخت سنگھ نے مع اپنے رفیقوں کے میر بخشی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور دوسرے راستے سے آگے بڑھا۔ رہا میر بخشی تو وہ اپنے اُسی راستے سے بڑھتا ہوا رام سنگھ کی توپوں کی مار کے اندر پہونچ گیا۔ رام سنگھ کے توپچیوں نے اُس پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ مارواڑیوں کی اس اچانک گولہ باری سے میر بخشی کی فوج لو کھلا کر تتر بتر ہو گئی مگر میر بخشی نے ہمت نہیں ہاری بلکہ اپنے سپاہیوں کو مجتمع کر کے پیپاڑ کے گاؤں کے میدان میں اُڈٹا۔

اتنے میں بخت سنگھ بھی اپنے رفیقوں کے ساتھ آملا۔ ۱۴ راپریل ۱۷۵۰ء کی یہ پیپاڑ کی لڑائی گھماسان کی تھی اور دونوں فریقوں کے جنگ جو لوگ مارے گئے مگر جنگ فیصلہ کُن ثابت نہ ہوئی۔ لڑائی کے ہونے والے جانی اور مالی نقصان کو دیکھکر سوائی ایشوری سنگھ، بخت سنگھ کو ساتھ لیکر میر بخشی سے ملا اور اُسے مجبور کر کے لڑائی بند کروائی۔ اور صلح کی بات چیت شروع کی میر بخشی کے سپاہی مارواڑ کی گرمی سے پیاس کے مارے بیکل ہو رہے تھے۔ لڑائی بند ہوئی

توراٹھوڑوں کو اُن پیاسوں پر رحم آیا اور اُن کے لئے پانی کا بندوبست کیا۔
سیر المتاخرین، میں سے اس واقعے کا حال میں پنڈت ریو کے مارواڑ کا
اتہاس سے پیش کرتا ہوں۔
(سیر المتاخرین حصہ تین صفحہ ۸۸۳/۸۸۵) ۔ ہجری ۱۱۶۱ (وکرم
سمبت ۱۸۰۵ / عیسوی ۱۷۴۸ میں راجہ بخت سنگھ جو اپنے وقت کے راجپوتانے
کے سب حکمرانوں میں برتر تھا اور جس کی بہادری اور عقلمندی اُس وقت کے سب
راجاؤں سے بڑھی چڑھی تھی، دلی آکر بادشاہ احمد شاہ سے ملا۔ یہ اپنے
راجہ رام سنگھ سے جودھپور، میڑتہ وغیرہ کا اختیار چھیننا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس
نے ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ کر ذوالفقار جنگ کو اجمیر کی صوبے داری لینے کیلئے
تیار کیا اور اس کے بعد وہ ناگور لوٹ گیا۔ کچھ وقت بعد جب امیر الامراء (ذوالفقار
جنگ) کو اجمیر کی صوبیداری ملی، تب وہ اگلے سال کے اخیر (وکرم سمبت ۱۸۰۶
عیسوی سن ۱۷۴۹ء) میں کئی امیروں کے ساتھ چودہ پندرہ ہزار فوج
لیکر دلی سے روانہ ہوا۔ راستے میں حالانکہ ساتھ امیروں نے اُسے بہت منع کیا
تاہم اس نے نیمرانے کے مالک جاٹ حکمراں سورج مل پر چڑھائی کر دی

سورمائی راجپوتوں کا ہمدردانہ رویّہ

اسی کے آگے سیر المتاخرین کا مولف لکھتا ہے کہ باوجود
یہ ہیکہ یہ واقعہ الذکھا ہے میں نے اسے اپنے خالہ زاد بھائی اسمٰعیل علی خاں کی زبانی
جو اُس وقت ذوالفقار جنگ کے ساتھ تھا، سن کر ہی لکھا ہے۔ اس لئے یہ بالکل
صحیح ہے۔ راجپوتوں کی یہ خوبی اور اعلیٰ برتاؤ قابلِ تعریف ہے۔ خدا اُن کو اور بھی
نیکی عطا فرمائے۔ سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں۔
"سُنا گیا ہے کہ دوپہر کے وقت جب توپیں نہایت گرم ہوئیں اور لڑائی کا

جودھپور اور جے پور کے ماتحت ہو گئے جس سے راجستھان میں مغل حکم فرمائی کا کوئی نام و نشان بھی نہیں رہ گیا۔ مرہٹے حملہ آوروں کا داخلہ ہو ہی چکا تھا۔ اب وہ اپنا اقتدار قائم کرنے کے کوشاں ہوئے۔ ایشوری سنگھ کی خودکشی کے بعد ہولکر نے مادھو سنگھ کو اب بلوا کر بھیجا اور اُسے جے پور کی گدی پر بٹھایا۔ (جنوری ۱۷۵۶ء / ۱۱۷۰ھ) مرہٹوں کی مانگیں بھی دولت کیلئے بڑھنے لگیں جس کے نتیجے میں راجپوتوں اور مرہٹوں کے بیچ من مٹاو اور آپسی بے اعتباری اب بڑی تیزی سے بڑھنے لگیں اور اسی موقع پر راجپوت مرہٹا کشمکش کی بنیاد بھی پڑ گئی جیسکا مقام مادھو سنگھ کا جے پور تھا۔ ۱۷۵۱ء / ۱۱۶۵ھ کے بیتتے بیتتے راجستھان کے عہد حاضر کے اتہاس کا مغل دور تنزل بھی ختم ہو گیا۔ مغلوں کی طاقت راجستھان سے اُٹھ ہی چکی تھی۔ مغل بادشاہ کے فیصلوں اور احکامات کی راجستھان میں کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ ریاستوں کے جانشینی کے سوالات بھی مختلف پارٹیوں کی اپنی ذاتی اور اُنکے مددگاروں کی طاقت کی بنا پر حل ہونے لگے تھے۔

حصہ رسد سے محروم بخت سنگھ

رام سنگھ نے ایشوری سنگھ کے بیچ میں پڑنے سے سات لاکھ روپیہ میر بخشی کو دینا منظور کر لیا تھا مگر بخت سنگھ کے نقصان نفع کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا۔ سات لاکھ میں سے تین لاکھ نقد اور باقی کے لئے قسطیں ٹھہرالی گئی تھیں۔ بخت سنگھ کو ناراض ہو کر خالی ہاتھ جانا پڑا تھا اس لئے جب اس واقعے کے کچھ دنوں بعد مارواڑ کے سرداروں نے بخت سنگھ کے سامنے تجویز رکھی کہ رام سنگھ اس وقت تھوڑے سے سرداروں کے ساتھ میڑتہ میں ہے لہذا اُس پر چڑھائی کرنے کا موقع اچھا ہے تو بخت سنگھ نے اپنے دونوں مددگاروں یعنی بیکانیر اور روپ نگر کے حکمرانوں کو طلب کر لیا اور سبھی رفیق ۲۸ اکتوبر ۱۷۵۰ء / ۱۱۶۴ھ کو میڑتہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔ رام سنگھ نے بھی اپنے ٹھاکروں کو جمع کیا مگر اس موقع پر اُسکا خاص حمایتی ایشوری سنگھ اس لئے موجود نہ ہو سکا

تھا کیونکہ ملہار راؤ ہولکر نے خراج کی وصول کے لئے جے پور راجدھانی کو گھیر رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ نومبر ۱۷۵۰ء کو دوداسر تالاب کے قریب خوفناک لڑائی میں ناگور اور رفیقوں کی فوج نے ایک سے ایک جودھپور کے اعلیٰ سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ شکست خوردہ رام سنگھ کے ڈیرے بھی لوٹ لئے گئے یہاں سے رفیقوں کی فوج نے آگے بڑھکر بیلاڑا میں ایک لاکھ روپیہ وصول کئے۔ اور آگے چلکر پیرگنہ سوجت پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسپر رام سنگھ نے بخت سنگھ پر ۲۷ نومبر ۱۷۵۰ء کو حملہ کردیا جسمیں ٹھاکر اوداوت شیر سنگھ میڑتیا رام سنگھ کیطرف کے بخت سنگھ کے آؤوا کے ٹھاکر چانپاوت کشل سنگھ آپس میں بھڑکر دونوں ہی کام آئے۔ اُن کے علاوہ دونوں جانب کے کئی کئی سردار مارے گئے اور بخت سنگھ کو بھی کئی زخم لگے۔ اس کے علاوہ اپریل ۱۷۵۱ء ۱۱۶۵ھ میں بھی کئی لڑائیاں لڑی گئیں لیکن ہر لڑائی میں شکست رام سنگھ کو ہوئی اور وہ جودھپور کی طرف چلا گیا۔ میڑتہ پر بخت سنگھ اور رفیقوں نے اقتدار جمانے کیلئے کوچ کیا تو رام سنگھ اپنے سرداروں کی صلاح پاکر جودھپور میں صرف ایک رات ٹھہرکر میڑتہ واپس آگیا مگر بخت سنگھ اپنے جاسوسوں سے خبر پاکر گنگرانے کی طرف چل پڑا جہاں رام سنگھ کا توپخانہ اسکا پڑا تھا۔ وہاں رام سنگھ کے توپخانے کو پاکر بخت سنگھ نے بلوندہ پر حملہ کردیا جہاں کے ٹھاکر نے اسکی ماتحتی قبول کرلی۔ اُس کے بعد نین باج گیا تو وہاں کے ٹھاکر نے بھی اسکا سواگت کیا اور رام سنگھ کا توپخانہ جو وہاں پر پڑا تھا اُس کے سپرد کردیا۔ وہاں سے رائپور کے ٹھاکر کو ساتھ لیکر اب بخت سنگھ مارواڑ پر قبضہ کرنے کیلئے جودھپور کی طرف بڑھا۔

مہم جودھپور راستے کے گاؤں کو لوٹتا ہوا ۲۱ جون ۱۷۵۱ء ۱۱۶۵ھ کو بخت سنگھ مع رفیقوں کے جودھپور کے رانا ناڈا تالاب پر آپہونچا۔ رام سنگھ کو ایشوری سنگھ کی خودکشی کے کارن جے پور سے مدد ملنی بند ہوگئی تھی اور اُس کے جاگیردار ٹھاکر لوگ بخت سنگھ سے مل گئے تھے اب جودھپور شہر کے سندھی سپاہیوں نے

بخت سنگھ کی اطاعت قبول کرلی اور سیوانچی دروازہ کھولدیا لہٰذا بخت سنگھ نے بے دھڑک جودھپور شہر میں داخل ہوکر تلہٹی کے محلوں میں سکونت اختیار کی اور اگلے روز رام سنگھ کے آقا پرست سرداروں کے ساتھ معمولی جھڑپوں کے بعد ۲۲ جون ۱۷۵۱ء کو بخت سنگھ کا پورا قبضہ شہر جودھپور پر ہوگیا۔ اب رہا جودھپور کا قلعہ تو اُسکے کیلئے قلعداروں نے رانی نروکا سے عرض کیا کہ آپکے پُتر رام سنگھ کا مارواڑ کے سرداروں نے اور امراؤں کا ضبط نہیں ہوسکا۔ اجازت دیجئے کہ مہاراجہ اجیت سنگھ کے پتروں رتن سنگھ کو روپ سنگھ کو، جو قید میں پڑے ہیں، آزاد کر کے قلعہ اُن کو سونپ دیں تاکہ کتنے ہی مارواڑی سردار جو بخت سنگھ کے پکش میں چلے گئے ہیں، اپنی طرف لوٹ آئیں لیکن رانی نروکا نے اسکی اجازت نہیں دی اب بخت سنگھ نے اپنی فوج کے ساتھ قلعہ کے قریب میں پہونچکر پوکرن کے ٹھاکر چانپاوت دیوی سنگھ کو قلعہ داروں کے پاس بھیجا دیوی سنگھ نے لڑائی کے نتائج سے آگاہ کراتے ہوئے اپنے طور پر یہ بھی سمجھایا کہ بخت سنگھ تو بعد میں جودھپور ریاست اپنے کنور وجے سنگھ کو سونپ کر ناگور چلا جائیگا۔ قلعداروں نے بخت سنگھ کی خدمت میں حاضر ہوکر سنیچر کے دن ۲۹ جون ۱۷۵۱ء کو جودھپور قلعہ اُس کے حوالے کردیا تو بخت سنگھ اپنے رفیقوں کو ساتھ لیکر گاگے لاؤ باوڑی کی طرف سے اُسی دن رات کو قلعہ میں داخل ہوگیا جبکہ دیوی سنگھ پوکرن اُس کی خواصی میں ہاتھی پر اُسکے ساتھ تھا۔ اگلے دن ۳۰ جون ۱۷۵۱ء کو گج سنگھ بیکانیری نے بخت سنگھ کو جودھپور کی راج گدی پر بٹھایا اور اُسکو مبارکبادی دی۔ بخت سنگھ نے گج سنگھ اور دوسرے رفیقوں کے سہیوگ کا اعتراف کر کے مارواڑی سرداروں کو اجازت دی کہ وہ لوگ اس کی کمر میں تلوار باندھیں یہ کام آسوپ کے ٹھاکر کونپاوت کانٹھی رام نے انجام دیا۔ اس کے بعد تمام سرداران حاضرین نے نذر نچھاور کی رسم ادا کی۔ بخت سنگھ نے اسی موقع پر خربوزی کی پتی بیکانیر والوں کو لوٹادی۔ بیکانیر و روپ نگر دونوں رئیسوں کو احترام کے ساتھ واپس کیا گیا اسطرح

حکمت عملی، دلیری اور ہمت کے بل پر بخت سنگھ کو جودھپور ریاست پر حکمرانی کرنا نصیب ہوا
ناگور کو اب نو مفتوح مارواڑ ریاست میں مدغم کیا گیا اور پوری جودھپور
ریاست کی راجدھانی جودھپور ہوئی۔ ناگور ریاست کی نیم آزادی اب ہمیشہ کیلئے
ختم ہو گئی۔ بخت سنگھ اب مہاراجہ کے خطاب سے مزین ہو کر مہاراجہ بخت سنگھ کہلانے
لگا۔

مہاراجہ بخت سنگھ نے آدمی بھیجکر ناگور سے اپنے کنبے کو بھی جودھپور بلوا لیا۔ ناگور
ریاست جودھپور ریاست کا منفرد حصہ بن گئی اور اسی وقت سے وہ مارواڑ
ریاست کے خانے میں چلی گئی۔ (ڈاکٹر حلیم صدیقی بحوالہ نجم الغنی)

مارواڑ کی ملک داری

سب سے پہلے مہاراجہ بخت سنگھ نے جاگیرداروں کو کئی
جاگیروں میں تبادل کیا۔ ایک سے جاگیر لیکر دوسرے کو
دیدیا گیا۔ یہ کام مصلحتاً کیا گیا ہوگا۔ دوسرا کام جو مخالفوں یا دشمنوں کے ساتھ کیا وہ بڑی
بے رحمی کا تھا۔ اپنے بھائیوں رتن سنگھ اور روپ سنگھ کو جودھپور کے قیدخانے سے نکال
کر ناگور کے قلعے میں بھیجدیا۔ اور انکو اندھا بنا دینے کا حکم دیا۔ جس پر دونوں نے خود
کشی کر لی۔ متصدیوں میں جو اس کے مخالف تھے ان کو بھی قید میں ڈالا دیا۔ ان میں
سے ایک کے ہاتھ، پیر کاٹ کر اسکو قتل کر دیا گیا۔ رانی نرو کی کو بھی جودھپور راج سے
باہر نکالدیا۔ اسی سال اواخر جولائی ۱۷۵۱ء میں بادشاہ احمد شاہ کی طرف سے
ٹیکے کا ہاتھی اور سروپا آیا۔

ادھر رام سنگھ کا اقتدار میڑتہ، مارو ٹھ، بربت سر اور سانبھر پر اب بھی بنا رہا
اب بہادر راؤ ہولکر کی معرفت جے آپا سندھیا نے ۱۷۵۲ء کے اوائل میں رام سنگھ
کے لئے پوری کوشش کی مگر بخت سنگھ کے آگے اس کی ایک نہ چلی شکست کھا کر
بھاگ کھڑا ہوا۔ البتہ مئی ۱۷۵۲ء / ۱۱۶۶ھ میں جے آپا سندھیا کے ساتھی صاحب جی پٹیل

کی بھیجی ہوئی فوج کے آجانے سے رام سنگھ اجمیر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اجمیر کے بعد پھلودی بھی اس کے ہاتھ لگا تو اب بخت سنگھ نے گج سنگھ بیکانیری کو بلاکر اجمیر کی طرف نقل و حرکت کی اور ٹپکریہ پہنچکر رام سنگھ کی مرہٹہ فوج پر اوائل جولائی ۱۷۵۲ء میں پاس کی پہاڑی سے دشمن پر گولہ باری کرکے دشمن کی فوج پر جان لیوا تباہی مچادی۔ اس کے علاوہ بناوٹی خطوط رام سنگھ کے سرداروں کو بھجوائے کہ ہمارہ نقارہ بجتے ہی تم رام سنگھ کو قید کرلینا۔ مرہٹوں سے میں نپٹ لونگا۔ ان خطوط کا اثر یہ ہوا کہ صاحب جی پٹیل اور رام سنگھ دونوں بوکھلاکر پٹیل دکھن کی طرف اور رام سنگھ مندسور کی طرف چلا گیا۔ پھلودی، مارو ٹھ۔ سانبھر اور پربت سر کے پرگنے بھی بخت سنگھ کے ہاتھ آگئے۔

اب بخت سنگھ نے اجمیر کی حفاظتی انتظام کرکے جے پور کے سوائی مادھو سنگھ کو لکھا کہ ہم دونوں مل کر اپنے دشمن ملہار راؤ ہولکر اور میرے دشمن جے آپا سندھیا سے نپٹیں اور مرہٹوں کو نربدا پار کھدیڑ کر اُن پر روک لگاکر مالوہ آدھا آدھا بانٹ لیں سوائی مہاراجہ نے یہ کہکر ٹال دیا کہ ابھی تو چوماسا (برسات) ہے اس پر سوائی مہاراجہ سے ملنے کیلئے بخت سنگھ نے سفر کیا تو جے پور کے سرحدی گاؤں میں مادھو سنگھ پالکی پر ستے میں اس سے ملنے آیا اور بخت سنگھ کو زہر دیا یا اپنی راٹھوڑی رانی کے ذریعے زہر دلوادیا جس سے بخت سنگھ کی موت واقع ہو گئی۔ بخت سنگھ کے ذریعے مہاراجہ اجیت سنگھ کی موت ہوئی تھی اس لئے مارواڑ کے چارن کویوں اور پروہتوں نے نثر و نظم دونوں میں بخت سنگھ کی بدنامی کی تھی۔ جس سے کہ ناراض ہوکر ان لوگوں کے گاؤں اور زمینیں بخت سنگھ نے ضبط کرلی تھیں۔ لیکن اب ٹھاکر دیوی سنگھ پوکرن نے ان کی روزی روٹی کے بحال کروانے کا سنکلپ بخت سنگھ کے ہاتھ سے کرواکر سنکلپ کا جل خود اپنے ہاتھ پر لیکر دان کا کام پورا کیا۔

اس طرح ان محروموں کے گاؤں انہیں پھر سے واپس مل گئے

ان گاؤں کے علاوہ اور بھی گاؤں ناگور اور جودھپور میں دونوں طرف بخت سنگھ نے دے رکھے تھے جنمیں میڑتہ پرگنے کا گن سلی گاؤں اس فقیر حقیر کے بزرگ پیرزادوں کو عطا کیا گیا تھا۔ پیر تارکین جی پیر عباس جی، پیر ظہیر جی سمبت 1808 میں ملا تھا جسکی سند اصلی فقیر کے پاس موجود ہے۔

بخت سنگھ کی خصلت

ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ ۱۷۵۱ء / ۱۱۶۵ھ کو مغلوں کے دور زوال کا آخری سال کہتے ہیں۔ جب کہ مغلوں کا اقتدار راجستھان سے پوری طرح اٹھ چکا تھا۔ سوائی جے سنگھ، ابھے سنگھ ایشوری سنگھ۔ مہاراجہ جگت سنگھ وغیرہ سارے اہم راجستھانی حکمراں پہلے ہی اس دنیا سے اٹھ چکے تھے۔ اس دور کے ان رئیسوں کا گویا آخری نمایندہ باپ کا قاتل بخت سنگھ ہے جو اسی آخری سال ۱۷۵۱ء / ۱۱۶۵ھ میں جودھپور کی گدی پر بیٹھکر بھی زیادہ وقت تک زندہ نہ رہ سکا۔

بخت سنگھ کی خصلت کے بارے میں موجودہ زمانے کے سبھی مورخ متفق الرائے ہیں بخت سنگھ کی خصلت کے دو دور گذرے ہیں اُس کے ناگور کی نیم آزاد ریاست پانے کے بعد مہاراجہ ابھے سنگھ اپنے اہم کاموں میں چھوٹے بھائی بخت سنگھ کا تعاون پاتے رہے اور بخت سنگھ مہاراجہ کو برابر فوجی امداد پہنچاتا رہا خواہ گجرات کی صوبیداری ہو خواہ بیکانیر کی مہم ہو لیکن آہستہ آہستہ دونوں بھائیوں کے حوصلے متوازی طور پر بڑھنے لگے تو بخت سنگھ ابھے سنگھ کے لائحہ کار سے ہاتھ کھینچ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنی اسکیموں پر کاربند ہونے لگا۔ ابھے سنگھ کی مانگ اب محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں نہ رہ گئی تو بخت سنگھ نے اُس خالی جگہ کو بھرا اور اپنی آمد و رفت دلی کی محمد شاہ کے جانشین احمد شاہ کے زمانے تک رکھی۔ گجرات کے معاملے میں ابھے سنگھ

کے خلاف بادشاہی عملے کو شکایت تھی کہ ابھے سنگھ کی صوبے داری کے زمانے میں
مارواڑیوں نے گجرات کی رعایا پر ظلم ڈھائے وہاں بھی بخت سنگھ نے احمد شاہ کے زمانے
میں صوبے داری کا فرمان حاصل کیا گو یا پھر گجرات گیا نہیں۔ بیکانیر کے معاملے میں
بھی بخت سنگھ نے ابھے سنگھ سے الگ اپنی پالیسی کی تعمیر کی اور اسکی اسکو ضرورت تھی
یعنی بیکانیر کے زور آور سنگھ اور گج سنگھ دونوں کو اپنے حلقۂ اثر میں لیکر اپنی مہموں
یا خود حفاظتی تدبیروں میں اپنا سہیوگی بنایا۔ رہ گیا جے پور جہاں کے کچھواہے
سوائی جے سنگھ اپنے وقت میں راجستھان سے لیکر دلی تک چھائے ہوئے تھے تو ان سے
بھی مقابلہ کر کے جب اپنی عزت آپ کا سوال ہوا تو مہاراجہ ابھے سنگھ تو بیٹھ رہے
مگر بخت سنگھ نے پانچ ہزار کی چھوٹی سی فوج کے ساتھ پچاس ہزار کے مقابلے میں جان کی بازی
لگادی۔ یہیں سے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کے رویے میں بیّن فرق ظاہر ہوتا ہے
اور جب بڑے بھائی مہاراجہ کے خلاف راجہ دھراج چھوٹے بھائی کو اقدام کرنیکی
نوبت آئی تو وہاں بھی بخت سنگھ نے تکلف سے کام نہیں لیا۔ ابھے سنگھ نے مرنے
کے پہلے اپنے سرداروں کو خبردار کر دیا تھا کہ جو بخت سنگھ، بڑے بھائی کا لحاظ کرنیوالا
نہ ہو وہ بھتیجے کو کیا خاطر میں لائیگا۔ اب رام سنگھ کو کوئی کیا کہے۔؟ کہ وہ سرداروں کو
خوش رکھکر اُن کو اپنی ڈھال بنانے کی بجائے ایک ایک کی ہتک عزتی کر کے اُنکو
اپنے سے دور کر کے بخت سنگھ کی گود میں ڈال دیا اور اپنے ہی پیر میں کلہاڑی مار کر
وہی خطرہ اپنے سامنے لاکھڑا کیا جس خطرے کی آگاہی اُس کے والد نے بستر مرگ
پر دی تھی۔ ڈاکٹر اوجھا رقمطراز ہیں کہ "وہ بخت سنگھ لگ بھگ ایک برس جودھپور کی
گدی پر رہا لیکن اتنی تھوڑی مدت میں ہی اُس نے جس نفرت انگیزی کی مثال
پیش کی، اتہاس میں دوسری نہیں ملتی۔ ویر وہ تھا اور سیاست داں بھی، اسمیں
شک نہیں۔ اپنی ویرتا اور چترائی کے بل پر ہی جودھپور کا بڑا راجیہ اُس نے اپنے ادھیکار

ین کر لیا تھا۔ اُس نے یُدھ (لڑائی) سے کبھی منکھ نہیں موڑا۔ سچے راجپوت کی طرح ہی اُس کا
جیون ہمیشہ لڑائی میں ہی بیتا لیکن اُس نے اپنے ویرتا (بہادری) کے زمانے میں کئی ایسے کام
کئے جس سے اُس کا نام سدا کیلئے کلنک کی سیاہی سے آلودہ ہو گیا۔ اُس کی انصاف پسندی
کی کئی باتیں مشہور ہیں۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ اُس کا اپنی پرجا کے ساتھ رواداری کا
برتاؤ رہا تھا۔

کتاب ویرونود کے مصنف لکھتے ہیں کہ "یہ مہاراجہ اول درجے کا بہادر، سخت
مزاج زمین کے لوبھی، ظالم، خیانص اور دغاباز تھے۔ قول کا قیام اپنے مطلب کے ساتھ
رکھتے تھے۔ اُن کے تھوڑے سے راجیہ کرنے سے ہی مارواڑی لوگوں کے ناک میں دم آگیا تھا
اُس نے کئی لوگوں کے ہاتھ، پیر کٹوائے اور اکثر کو مروا ڈالا۔ ایشوری جیسے بے رحم راجہ کے ہاتھوں
میں لاکھوں منشیوں کا انتظام زیادہ نہیں دیتا، (ویرونود حصہ دوئم ص ۸۵۱)

ابھے سنگھ پہلے حکمراں ہیں جنھوں نے اپنی غرض کیلئے مرہٹوں سے رابطہ کیا اس معاملے
میں بخت سنگھ کا رویہ جدا گانہ رہا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ جب سوائی جے سنگھ کے بیٹے سوائی
مادھو سنگھ نے مرہٹوں کے خلاف کاروائی کرنے کی تجویز کو ٹال دیا تو کوئی دوسرا مائی کا
لال سورما اس گئے گذرے زمانے میں راجستھان پیش نہیں کر سکا جو اس معاملے میں
بخت سنگھ کا ہاتھ بٹاتا۔

باب ۱۴ بخت سنگھ اور ناگور

آخر میں نفیر حقیر کاتب السطور کا یہ عرض کرنا ہے کہ میرا خاص تعلق بخت سنگھ کے
اس پچیس ۲۵ سالہ دورِ حکمرانی سے ہے جو اس نے ناگور ہی میں بتائے۔ خانزادوں
کے بعد اگر کسی کی یادگاریں ناگور میں آج پائی جاتی ہیں تو وہ راؤ امر سنگھ و راجہ
دھراج بخت سنگھ کی ہیں۔ بخت سنگھ کا اپنا محل اور اپنی پٹ رانی کا محل اٹھارہ صدی

عماری کی مارواڑی طرزِ تعمیر کا ناگور میں اچھا نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ اُس کے زمانے کے حوض ہیں ناگور میں قلعے کے اندر اور قلعے کے باہر ایک تالاب بھی اس کے نام سے مشہور ہے جسکو بخت ساگر کہتے ہیں جو جنتا کی فیض یابی کیلئے بنایا گیا تھا۔ راؤ امر سنگھ کے مقابلے میں دیکھا جائے تو امر سنگھ کو ناگور میں رہنے کا کم موقع ملا۔ زیادہ تر وقت امر سنگھ کا بحیثیت منصبدار دور دراز کے علاقے میں ہی گذرا اس لئے عمارتی کام کرانیکا امر سنگھ کو ناگور میں کم موقع ملا لیکن بخت سنگھ سے متعلق یہ ہیکہ گجرات کے قیام اور فوج کشی کے زمانے کو چھوڑ کر زیادہ زمانہ بخت سنگھ کا ناگور ہی میں گذرتا تھا لہٰذا میرا قیاس ہیکہ قلعے کی دوہری فصیل کی تعمیر اور ناگور شہر کی فصیل تمام بخت سنگھ کی ہی مرہونِ منت ہے
حسن اتفاق سے مہاراجہ پرہلاد سنگھ کی معرفت نور بخش گج دھر کی لکھوائی ہوئی ناگور قلعے ری وگت، ہاتھ آئی جسکو ناگور کے سیمینار واقع ۱۹۹۱ء کے موقع پر ڈاکٹر ڈی وی کشیر ساگر سے ایڈٹ کرا کر مہران گڑھ میوزیم ٹرسٹ کے تحت مہاراجہ مان سنگھ پُستک پرکاش ریسرچ سنٹر جودھپور نے شائع کرا دیا ہے۔ اس وگت کے ساتھ نینسی کی مارواڑ را پرگنہ ری وگت، کو سامنے رکھنے سے ناگور قلعے اور شہر پناہ کی تصویر بنتی ہے۔ جسکو یہ فقیر حقیر شاید پہلی بار ہدیۂ ناظرین کر رہا ہے۔ قلعۂ ناگور کی عمارت تو نینسی کی تحریر کے مطابق پرتھوی راج چوہان دوم کے پردھان منتری دایما مکتے واس کے ذریعہ وکرمی ۱۱۱۱ مطابق ۱۰۵۴ء / ۴۴۶ھ میں ناگور کے قلعے کی تعمیر عمل میں آئی جسکا مطلب ہم یہ لیتے ہیں کہ قلعہ مٹی کا ہوگا جسکو اب سنگین کیا گیا۔ تب سے لیکر سولہویں صدی تک کی عمارتیں محفوظ نہیں رہ سکیں۔ راٹھوڑی عہد میں پرانی عمارتوں کے پتھر راؤ امر سنگھ اور اُس کی اولاد نے خاصکر بخت سنگھ کے پچیس (۲۵) سالہ عہدِ حکومت میں راٹھوڑی عمارتوں میں استعمال ہوئے (۱۷۲۵-۵۱ء) لہٰذا یہ فقیر حقیر کاتب الحروف ان دونوں وگتوں کی روشنی میں

سو سالہ عہد راٹھوڑی میں سے امر سنگھ کی تعمیرات کو چھوڑ کر یہاں پر صرف بخت سنگھ کی تعمیرات کا ذکر کرونگا جو نہایت مختصر طور پر مجھکو دستیاب ہو لیے۔ قلعہ[۱] ناگور کا کوٹ، (حصار) جو ۵۴ ۲ گز لمبا اور ۴۹۹ گز چوڑا ہے اُس میں تئیس[۲] بُرج اور چھ[۲] پول (دروازے) ہیں۔ تین قلعے کے پرکوٹے کی طرف اور تین اندر کی طرف سرے پول یعنی قلعے کا صدر دروازے سے اندر جانے پر بائیں ہاتھ والی پول گھڑیال خانے کی پول بھی کہہ سکتے ہیں نقار خانے کے بعد داہنے ہاتھ کو مڑ جائیے تو ڈیوڑھی کی پول آئیگی۔ اس طرح سرے پول یعنی صدر دروازے کے بعد تین دروازے ہوئے جو قلعے کے کوٹ کے دروازے ہیں البتہ مرمت طلب ہیں۔

ڈیوڑھی کی پول سے آگے قلعہ کا چکر جاری رکھنے پر دو[۳] چیزیں ملیں گی ایک طویلہ یعنی گھوڑوں کا اصطبل جو شکستہ حالت میں دوسرا حکم سنگھ کے محل کا کھنڈر اُس سے لگا ہوا بخت سنگھ کا محل آئیگا۔ لگ بھگ آدھا چکر کر لینے پر بھیروں برج کے اور پر بھیروں جی کا مندر جو قاضی حمید الدین سہروردی ناگوری کے زمانے کی یاد دلاتا ہے جبکہ بھیروں جی کے قدموں پر نربلی ہوتی تھی جس کے بند کرانے کی انہوں نے سعیٔ بلیغ فرمائی۔ (سنہ ۱۱۶۴-۶۵ مطابق سنہ ۵۶۰-۶۱ھ) میں بھیروں جی کے بعد باوڑی آئیگی باوڑی کے بعد قلعدار کے مکان کے کھنڈر اور اُس کے بعد بڑی بارہ دری آجائیگی۔

چاندنی چوک اگرچہ نور بخش نے چاندنی چوک کا پورا حوالہ دیا ہے جو سرے پول و صدر دروازہ قلعہ) سے ملی جلی ہے۔ اسے آج کل گاندھی چوک کہنے لگے ہیں کیونکہ بیچ میں گاندھی کی مورتی براجمان ہے۔ اس چوک کا نام

---

۵ پرتھوی راج دوم سے مراد جگدیو چوہان کا لڑکا ہے پرتھوی راج چوہان کے پردھان منتری جنکے داس کے ذریعہ سنہ ۱۱۱۱ دکرم سنہ ۱۰۵۴ء ہجری سنہ ۴۴۶ھ میں تعمیر ہوئی

چاندنی چوک اگر راٹھوڑی عہد کا دیا ہوا ہے، امر سنگھ ہوں یا بخت سنگھ ہوں، تو یہ شاہجہاں آباد دہلی کی چاندنی چوک کی یاد دلاتی ہے۔ سرے پول کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے پر بائیں ہاتھ کو کچہری اور داہنے ہاتھ کو ٹکسال تھی۔ ٹکسال کے پاس اتر سمت میں ترپولیا کے پاس غلہ گودام سے متصل کچھیوں کی دھرم شالا تھی جو ناگور کے ساتھ کچھیوں کے تعلق کی یاد دلاتی ہے۔ دھرم شالا کے پاس ایک پول (دروازے) کے آثار موجود ہیں۔ اس پول اور ناہر پول کے درمیان قاضی حمید الدین سہروردی رح صدیقی ناگوری اس فقیر حقیر کے نانا کا مدرسہ تھا جو آجکل مدرسہ حنفیہ صوفیہ کے نام سے نئے سرے سے اجرا کیا گیا ہے۔ ناہر پول کے باہر شتر خانہ تھا اور اندر کی طرف ہاتھی پول بیچ بیچ میں دوکانیں تھیں۔

سرے پول قلعہ ناگور کے اندر دو درگاہوں یعنی قبروں کا ذکر کر دیا جائے جہاں زیارت کیلئے لوگ اب بھی حاضر ہوتے ہیں پہلی درگاہ (مزار) کھٹاؤ سعید کی درگاہ اور دوسری پیر خواص خاں کی درگاہ کہلاتی ہے۔ ایک تیسری درگاہ اور بھی ہے جو خاص قلعے میں داخل ہونے پر پڑتی ہے۔ اسکے علاوہ نقار خانہ پول سے آگے بڑھتے ہی ایک شاہجہانی مسجد ملتی ہے۔ جو اجمیر کے گورنر خان خاناں مہابت خاں کے زمانے میں سنہ ۱۶۳۱-۳۲ء ربیع الاول ۱۰۴۱ھ میں تعمیر ہوئی ہے۔ ۱۹۹۶ء ۱۴۱۷ھ کی برسات میں اس مسجد کی بیرونی دیوار جنوب کی جانب ڈھہ گئی ہے۔ مسجد میں کتبہ محفوظ ہے۔ شاہجہانی عہد کی اس مسجد کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ جو مسجد کی مرمت کا حق رکھتی ہے۔

مندر بھی کئی ایک ہیں علاوہ بھیروں کے مندر کے۔ وگت میں تو نہیں بلکہ مہاراجہ جودھپور ہنونت سنگھ جی کے پرائیویٹ جائیداد کے نقشہ میں کئی چیزیں دکھلائی گئی ہیں جو ہماری توجہ کی مستحق ہیں۔ مثلاً زنانہ محل، شاہی باغ، مغل باغ، بڑی بارہ دری پیل خانہ فیل خانہ (ہاتھی خانہ) فوجی میدان وغیرہ۔

ناگور شہر کی شہر پناہ کا بیان کرتے ہوئے نور بخش گجدر نے شہر کے چھ دروازے لکھوائے ہیں۔ اور چودہ محلے۔ دروازہ نمبر ا جودھپوری دروازہ (۲) نخاس دروازہ (۳) ملتانی یا نوا دروازہ (۴) ماہی دروازہ جس کا ذکر حضرت شیخ حمید الدین ریحانی کے جنازے کے سلسلے میں آتا ہے۔ (۵) دلی دروازہ اور (۶) اجمیری دروازہ۔ محلوں میں باجر واڑہ تارکین رح کی درگاہ۔ کمتری پورہ۔ لوہار پورہ۔ تانیوں کی چوک سے تو ہم آشنا ہیں باقی محلوں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ خاص تالابوں میں بخت ساگر، شمس تالاب، گیندانی تالاب کے علاوہ اور بھی تالاب گنائے ہیں مثلاً جھنڑولی کا تالاب۔ لال ساگر، مگر کوکریا شوکر تالاب کا ذکر نہیں ہے جس کو اکبر بادشاہ کے فوجوں اور امرائے ملک گجرات اور چھوڑا گیا تھا۔ ۳ر مئی سنہ ۱۵۰۷ء ۹۱۳ھ میں۔ شاید کوکر تالاب ہی شمسی تالاب ہے۔؟

انگریزی مورخین کی تنقید

اب میں انگریزی مورخین کی تنقید، بابت ناگور شہر پناہ و قلعہ پناہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو میری نگاہ میں مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔ ایچ۔ بی۔ ڈبلو گیرگ صاحب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ،، برابر دشمنی اور جم کر ہونے والی لڑائیوں کی وجہ سے جسمیں مہاراجہ بخت سنگھ ہمیشہ مشغول رہا۔ (جس میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ناگور میں ہی گذارا تھا) ناگور شہر پناہ کی دیواریں اور ناگور قلعے کی جمبر دکے دار منڈیریں اکثر توڑی پھوڑی گئیں اور ان ٹوٹی پھوٹی منڈیروں اور دیواروں کی مرمت، مجھے کامل یقین ہے کہ اسی میٹریل سے کی گئی جو کہ مسجدوں کے انہدام سے حاصل ہوا تھا۔ ناگور میں مشہور رائے عامہ کے مطابق، اورنگ زیب نے خود اتنے زیادہ مندروں کو مسمار نہیں کروایا تھا جتنا زیادہ کہ بخت سنگھ نے ناگور میں مسجدوں کا انہدام کروایا اور یہ دراصل زیادہ ممکن بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ بڑی تعداد میں عربی فارسی کتبوں کو، جسے میں نے اُلٹی سیدھی حالت میں شہر پناہ کی خاص چہار دیواریوں پر، کچھ اوپر کی طرف

اور کچھ نیچے کی طرف۔ کچھ آڑے ترچھے اور دوسرے کھڑے لگے ہوئے دیکھا تھا"

ارکسن صاحب نے بھی ناگور کی مندرجہ بالا رائے عامّہ کا ذکر اپنی کتاب (غالباً گزیٹر ناگور) میں کیا ہے اور ڈاکٹر ضیاءالدین دیسائی صاحب نے بھی بعض کتبوں کے اپنے ایڈیٹوریل نوٹ میں ارکسن کا حوالہ دیا ہے اور متعدد ایسے اُلٹے سیدھے اُڑے ترچھے یا کھڑے لگے ہوئے کتبے والے پتھر کے ٹکڑوں کی کتابت کو رونق عثمانی صاحب کی نشاندہی پر پڑھ پڑھ سرکاری رپورٹوں میں اُن کا ذکر کیا ہے اُس کے متعلق فقیر حقیر کی اپنی رائے یہ ہے کہ خواہ گیرک صاحب کی نیت اپنی تنقید لکھنے کے وقت جو کچھ بھی رہی ہو، یہ تعمیری میٹریل جو شہر پناہ ناگور اور قلعۂ ناگور کی دیوار میں استعمال ہوا وہ پرانی منہدم شدہ عمارتوں کا ہونا چاہیئے جس کو وسیع پیمانے پر استعمال کر کے بخت سنگھ کو راجا دھیراجی ملنے پر ۱۷۲۵ء سنہ ۱۱۳۸ھ میں اُس کے بعد شہر اور قلعہ کو محفوظ کیا گیا اور اُن کی راج دھانی کی رونق بڑھائی گئی۔ نینسی نے اپنی پرگنا وگت میں لکھا ہے کہ یہ کام بخت سنگھ نے وکرم سن ۱۷۸۸ء ۱۷۳۱ عیسوی میں پورا کیا (ناگور قلعہ ری وگت ص ۱۱۱) اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ میٹریل بخت سنگھ کے اپنے انہدام کا نہیں ہے تو پھر کہاں سے آیا اُس کے لئے ہمیں پچھلی تواریخ کی ورق گردانی کرنی پڑیگی۔ سب سے پہلے امیر تیمور کے حملۂ دلّی سے فائدہ اُٹھا کر راو چونڈا نے ناگور قلعے کا محاصرہ کیا تھا (۱۳۹۸-۹۹ء میں) م ۸۰۱-۲ھ میں) اُس کے بعد خانزادہ شمس خان دوم کے ناگور چھوڑ کر احمد آباد بھاگ جانے پر رانا کمبھا نے گجرات سے بھیجی گئی فوج کو بری طرح شکست دیکر قلعۂ ناگور کے باہر بقول مرأت سکندری "وہ ایک مقام پر جو احمد آبادی تھی رانا کے فوجیوں نے اسے غارت کر کے تباہ و برباد کر دیا"۔ (صفحہ ۸۳ بحوالہ ڈاکٹر حلیم صدیقی ص ۱۰۵)۔

مرأت سکندری گجرات کی تواریخ میں ایک حملے سے ہی کام چلایا گیا۔ مگر میواڑ کے حملہ آور فاتح رانا کے یکش کا بیان "وجو کیرتی شتبہ" اسے ڈاکٹر راو جھا نے اپنی اودے پور

کے اتہاس میں پیش کیا ہے (ص ۳۰۲ بحوالہ حلیم صدیقی ص ۱۰۵) وہ نہایت درجے
بھیانک ہے۔ سنسکرت کی اس پرشستی میں لکھا ہے کہ "وکنبھکرن نے گجرات کے سلطان
کی ہنسی اڑاتے ہوئے ناگپور (ناگور) لیا" پیروج (فیروز) کی بنوائی ہوئی اونچی
مسجد کو جلایا[1] قلعہ کو توڑا، ناگور کی کھائی کو بھر دیا، ہاتھی چھین لئے یونیوں
(مسلمان عورتوں) کو قید کیا اور لاتعداد یونوں (مسلمان مردوں) کو سزا دی۔
یونوں سے گووں (گایوں) کو چھڑایا۔ ناگپور یعنی ناگور کو گوچر (چراگاہ) بنا دیا۔
شہر ناگور کو مسجدوں سمیت جلا دیا اور شمس خان کے خزانے سے کافی جواہرات کا
ذخیرہ چھینا"، کیوں نہ ہو جاہد خاں خانزادہ پہلے ہی بھاگ کر اپنے سرپرست
سلطان مالوہ محمود شاہ خلجی کے جا کر پناہ گزیں ہو گیا تھا اور جب شمس خاں دوئم[2] نے
اس کے بعد بزدلی کا مظاہرہ کیا تو ناگور میں کون جودھا بیٹھا ہوا تھا۔ جو رانا
سیسودیہ سے لوہا لیتا۔ چتوڑ والوں نے گجرات والوں کا بدلہ ناگور والوں سے نکالا
پرخاش تھی گجرات سے جو ناگور کے سر پر بیتی۔ فقیر حقیر کا قیاس ہے کہ جدِّ اعلیٰ
درگاہ صوفی حمید الدین رح اور دلی دروازے کے درمیان جو کھنڈرات اور نشاناتِ
مزارات اب بھی دیکھے جاتے ہیں، یہ محلہ اسی زمانے سے ویران پڑا ہے جہاں سے
کوئی کتبہ بھی دریافت کیا ہوا نہیں پایا گیا۔ جسکو ڈاکٹر دیسائی کے رسالے میں
جگہ ملتی۔ واللہ اعلم۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پتھروں کے ایسے ٹکڑے بھی شہر پناہ
ناگور اور قلعہ کی فصیل پر سے پائے گئے ہیں جن پر سنسکرت کے شلالیکھ ملے

---

[1] پیروج (فیروز) کی بنوائی ہوئی اونچی مسجد سے مراد شمسی مسجد ہو سکتی ہے
یا پیر سات حافظوں کے پاس بھی مقبرے مسجدیں تھیں ان میں سے کوئی مسجد ہو۔ ایک
بہت پرانی مناروالی مسجد کے آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں جسکو مسلک اہل حدیث کے کارکنوں نے اپنی
عیدگاہ کی بنیاد رکھدی ہے اور انکا مکمل قبضہ ہو چکا ہے جہاں پر یہ لوگ عید کی نماز ادا کرتے ہیں

ہیں۔ مہاراجہ پرہلاد سنگھ کا ایک البم (مہاراجہ مانسنگھ پستک پرکاش ریسرچ
سنٹر مہران گڑھ جودھپور میں محفوظ ہے۔ جسمیں اس طرح کے سنسکرت والے پتھر کے
ٹکڑے بڑی تعداد میں شامل ہیں جن کا فوٹو لے لیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخت
سنگھ کے آدمیوں نے، جو شہر پناہ ناگور کی تعمیر یا کوٹ کی فصیل کی مرمت کے کام
پر تعینات تھے مسجد اور مندر، مقبرہ اور سمادھی میں فرق نہیں کیا بلکہ دونوں
ہی کے کھنڈروں کے پتھروں سے دیواروں کی جوڑائی کا کام لیا۔ مزدوروں یا
کاریگروں سے، جو عموماً اَن پڑھ ہوتے ہیں، کیا ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ ایسے
پتھروں کو اس ترتیب سے دیوار پر لگائیں کہ وہ بے ڈھنگے نہ ہوں بلکہ سیدھے
سچے طریقے سے ایسے موزوں کئے گئے ہوں کہ اُن پر کے مکتوب الفاظ بلا کراہت
پڑھ لیے جائیں کاریگروں کا مقصد تو آنا فاناً پتھر کے اوپر پتھر کی جوڑائی کرتے
ہوئے پھرتی سے آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ یہ کام اُن کے داروغہ کی نگرانی
میں ہوتا ہے۔ نہ کہ رئیس افسر خود کھڑے ہوکر کام کراتا ہو۔

اس کے علاوہ گیرگ صاحب کی تنقید رائے عامّہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے جسکی
تائید انہوں نے فرمادی یہ نہ سوچا کہ سو پچاس برس بعد اُنکی تحریر پر کیا ردّعمل ہوگا۔

قلعۂ ناگور میں دیواروں کی تصویریں

فن مصوری میں دیواروں کی تصویروں کا فن بھارت
ورش میں بہت قدیم ہے ہمارے مُلک ہندوستان میں ان فن کاروں کی برادریاں
ہوا کرتی تھیں۔ اجنتا، باگھ اور مارواڑ کی دیواری مصوّری انہیں برادری کا مرہون منت
ہے۔ مارواڑ جیسی "مردبھوم" (سنسان ویران جگہ) میں مصوّری آئی کیسے اور وہ بھی اٹھارہویں
صدی عیسوی کے وسط میں جب ناگور میں دھراج راجہ بخت سنگھ نے اپنی حکومت
کا نصف سے زیادہ زمانہ گجرات کی آمد و رفت اور بیکانیر سے چھیڑ چھاڑ میں گذار

دیا اور مقامی مشغلوں میں اتنے مصروف رہے کہ نادر شاہ دُرّانی کے حملے واقع ۱۷۳۹ء / ۱۱۵۲ھ کے موقع پر بادشاہ کی طلبی پر بھی دلّی نہیں گئے حالانکہ معاصر رئیسوں میں بخت سنگھ ہی زیادہ متحرک نظر آتے ہیں ۔ مدرنیین سی کے ،،پرگنوں ری وگت،، میں لکھا ہے کہ ناگور کی شہر پناہ کی تعمیر کی تکمیل بخت سنگھ نے ۱۷۳۱ء / ۱۱۴۴ھ میں کی، اور ،،مارواڑ میورلس،، کے فاضل مؤلف نے مارواڑ کی دیواری تصاویر کا بیان جودھپور سے پہلے ناگور سے شروع کرکے بادل محل واقع قلعۂ ناگور کی تصویروں کی تیاری کا زمانہ ۱۷۳۱ء / ۱۱۴۴ھ قیاس کیا ہے اور ہوا محل کی شبیہہ کا سنہ ۱۷۴۰ء / ۱۱۵۳ھ ۔ لہٰذا اگر ہم اس کتاب میں قیاس کی گئی تاریخ پر جائیں تو دلّی کے مصوروں و چتیروں کی آمد و رفت راجستھان میں نادر شاہ کے حملے کے پہلے ہی سے شروع ہوئی مانی جائیگی ۔

بہر کیف مارواڑ کی دیواری تصویروں کا فن سب سے پہلے ناگور میں راجادھراج کے عہد میں آگیا تھا ۔ اور بخت سنگھ کو ابھے سنگھ کے مقابلے میں اوّلیت کا فخر حاصل ہے کہ انہوں نے دلّی کے تارکین وطن مصوروں کی سرپرستی کرا اپنے محلات واقع قلعۂ ناگور کی رونق بڑھائی ۔ قلعۂ ناگور کی دیواری تصویریں فریسکو سیکو طرز تصویر کشی میں آج بھی محفوظ ہیں حالانکہ تصویروں پر ،، بازرسیکوریٹی فورس،، اور راجستھان آکسی لیری کورء کے جوانوں کے ہاتھوں صدمہ پہونچا ہے ۔ بہر کیف اپنی راجادھانی کے قلعہ محل میں دیوار کی سجاوٹ کی نیک نامی راجادھراج بخت سنگھ کے حصے میں جائیگی ۔ (1725-50ء) میں دیواری تصویروں میں سابق ترین تصویریں بادل محل نام کے محل ناگور میں بالاخانے پر ایک کھلے ہوئے برآمدے میں اور اسکی اوپر والی منزل کے ایک کمرے میں پائی گئی ہیں جو اچھی تحفظ پذیر حالت میں ہیں ان میں زنانہ شبیہیں بے مثال اور بے جوڑ ہیں ۔ البتہ زنانی ڈیوڑھی کی مصوری کو سبز رنگ سے ڈِس ٹیمپر کر دیا گیا ہے اور شیش محل ناگور قلعہ کی شبیہوں کو چونے کی دھلائی

سے ۔ بادل محل کی بیسری چھت میں اپسراؤں کی تصویریں ہیں جو چوغہ پہنے ہوئے جام شراب لیئے ہوئے ہیں ۔ انکے علاوہ ہوا محل میں بھی کچھ چتر کاری موجود ہے جسکو مارواڑ میورلس کے مصنف سنہ ۴۰ء کی آنکھتے ہیں مثلاً صفحہ ۸۲ پر دی ہوئی زنانی تری مورتی (ثلاثہ) جس میں تین خواتین صراحی اور جام شراب تھامے ہوئے دکھلائی گئی ہیں ان کے علاوہ موصوف رقاصاؤں اپسراؤں (آسمانی پریوں) کی شبیہوں کی خبر ہوا محل میں میں ہونے کی دیتے ہیں ۔ ہوا محل کا سامنا گلدستوں پہلوانوں اور رقاصاؤں کی تصویروں سے سجایا گیا ہے ۔

قلعۂ ناگور کے باہر

قلعۂ ناگور کے علاوہ بھی بخت سنگھ کے زمانے کی چھوٹی تصویریں جے پور وغیرہ کے ذخیروں میں پائی جاتی ہیں خوبی کے اعتبار سے اور تعداد یا مقدار کے اعتبار سے بھی راجادھراج کا کارگاہ اعلیٰ درجہ کا تھا ۔ ناگور کے طرز مصوری کی چھوٹی تصویریں اس تعداد میں بنائی گئیں کہ یقیناً ایک سے زیادہ کارگاہوں سے وہ تصویریں پیش کی گئی ہونگی ۔ فن مصوری اور فن تعمیر کا پریمی ، جس کی زیر فرمائش متعدد مصور کام کر رہے ہوں ایسے راجہ نے اپنے ذوق و شوق کی تسکین کیلئے ایک نگارخانہ تعمیر کرائی اور اپنی فرمائش ہی کے مطابق چھوٹی تصویریں تیار کرائیں ۔ کچھ چتیرے تو مقامی ہونگے جنھوں نے سنہ ۱۷۳۰-۳۱ء / ۱۱۴۳-۴۴ھ میں کام شروع کر دیا ہوگا دیگر مصور سنہ ۱۷۳۹ء / ۱۱۵۲ھ کی دلی کی غارت گری کے بعد دلی سے آئے ہونگے ۔

خواتین اور محل کی زندگی

خواتین کے طرز ادا کے فنکار لوگ ماہر ہوتے ہیں جیسا کہ بادل محل قلعۂ ناگور کی دیواری تصویروں سے ظاہر ہے ۔ عورتوں کی موہ لینے والی تصویروں سے ، جو بڑی نزاکت سے بنائی گئی تھیں حسن ورومان نگاری کی ایک دنیا کی تخلیق کر دی گئی ہے ۔

زنانہ تشکیل کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والی چھپائی اور کڑھائی کی پوشاکیں ہیں جن سے آر پار دکھائی دیتا ہے۔ بادل محل کے بالاخانے میں دو شہزادیں دکھائی گئی ہیں۔ کوئی تو تیر رہی ہے۔ کوئی پھول توڑ رہی ہے۔ کوئی ناچ رہی ہے کوئی گا رہی ہے، یا ستار ڈھولک بجا رہی ہے۔ کوئی چکری سے کھیل رہی ہے۔ کوئی سنگار کر رہی ہے کوئی جام شراب اور پانی لیئے ہوئے ہے، کوئی ناز و انداز سے خراماں خراماں چل رہی ہے کوئی شیر خوار بچے سے مخاطب ہے۔ کوئی پرند کو تھپتھپا رہی ہے۔ کوئی کوئی چادری پکڑے ہوئے ہے۔ کوئی پھول سونگھ رہی ہے۔ کوئی بھیک دان کر رہی ہے۔ کوئی ہاتھ کا پنکھا لیئے جا رہی ہے، کوئی شیر خوار کو کھلا رہی ہے۔ کوئی پھولوں یا گیندوں کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ کوئی جھولا جھول رہی ہے۔ اس بازو کی محرابوں میں۔ گائیکی اور ناچ پارٹیوں، عورتوں کی حقہ نوشی، شراب نوشی، غسل وغیرہ کے منظر میں پورا کمرہ ایسی ہی نازک تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔ عورتوں کی قد آدم تصویریں نچلی دیواروں اور کھمبوں پر بنی ہوئی سیسکو ڈھنگ کی ہیں [1] جو تا حال دیواروں پر چمک رہی ہیں۔ البتہ محفل کے منظر جو ٹمپرا پر بنے ہیں مدھم پڑ گیے ہیں۔

اس حصے کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں کچھ جادو نگار عورتیں ام چینتی ہوئی حقہ سے شوق کرتی ہوئی، پانی میں تیرتی ہوئی اور جھولا جھولتی ہوئی دکھائی گئی ہیں علاوہ اسکے معاشقہ، شراب نوشی، سنگار، عورتوں کی پھلجھڑی کی آتش بازی کی تصویریں بھی ہیں۔ جوڑا ناچ اور بال گوندھنے کی تصویریں بھی ہیں۔ کمرے کی اندرونی چھت میں عورتیں، مغل فیشن کی مخروطی (گاودم) ٹوپیاں، بادلوں اور بھاگتے ہوئے طاؤسوں اور طوطوں کے پس منظر میں دکھائی گئی ہیں۔

ان درباری خواتین کے کچھ خوبصورت انداز، بادل محل قلعۂ ناگور سے متصل ہوا محل میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں خاصکر عورتیں پھول اور طاؤس لیئے ہوئے ایک

[1] سیسکو خشک پلاسٹر رنگ چڑھانے کا فن ڈسٹمپر یا ٹیمپرا دونوں ہیں دیوار پر مصوری جس میں تیل کی جگہ ...

قطار میں کھڑی ہوئی۔ جھولے کا مزہ لیتی ہوئی، پھول سونگھتی ہوئی، جام شراب اور صراحی لیئے ہوئے، ناچتی ہوئی، کھڑے کھڑے سستانے کے انداز میں، ہوا محل میں پنکھا والی زنانی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ایک عمارت اور بھی شیش محل کے نام سے قلعۂ ناگور میں ہے جسمیں کسی زمانے میں خوبصورت دیواری تصویریں بھری پڑی تھیں۔ ان کو چمکانے کیلئے کہیں کہیں شیشے کی پچی کاری کا کام ہے۔ موجودہ وقت میں ہر دیوار پیلے چونے کی پوتائی سے آراستہ ہے اور دھندلے طور پر ایسے مناظر پیش کرتی ہے جیسے عورتیں (شراب) پیتی ہوئی، انگور کھاتی ہوئی، پھول سونگھتی ہوئی سستانے کے انداز میں ہاتھ اٹھاتی ہوئی۔ پرندوں میں طوطے وغیرہ کو پکڑے ہوئے اور پان پیش کرتی ہوئی ایک جگہ پر ایک خاتون کو چبوترے پر بیٹھی ہوئی دکھلایا گیا ہے جبکہ اس کا سر ایک تکیئے پر ہے اور ایک پیالہ اور طشتری پھلوں کی پاس رکھی ہے۔ عورتیں نوک دار ٹوپی اور عبا یا چوغہ پہنے ہوئے مثل بادل محل کے دکھائی گئی ہیں۔ اس طرح پورا ناگور قلعے میں کیا گیا ہے۔ گویا زنانی مُدراؤں کا چتر مالا ہے جسمیں عورتوں کی محلاتی زندگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے جیساکہ کھجوراہو (بوندیل کھنڈ) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

متفرق موضوعات

متفرق موضوعات میں جیسے رئیسانہ جلوس یا سواری وغیرہ سے ہوا محل کے سامنے کے حصے کو سجایا ہے۔ یا بادل محل میں پاسوان (غیر منکوحہ) کی تشکیل یا تناسب اعضا، اس طرح بن پڑا ہے کہ وہ عورت خراماں خراماں چلتی ہوئی، اسکا جھکا ہوا سر انڈا کار گھونگھٹ سے ڈھکا ہوا اور اسکی ساڑی کا پلو خمیدہ حالت میں لٹکا ہوا۔ یہ سب حالتیں بدن کے جھکاؤ کے ساتھ مربوط ہیں مثال دیگر پھر بادل محل کی گارڈن پارٹی کی ہے۔ جو ایک محراب کے اوپر دکھائی گئی ہے۔ اسمیں شکلیں کچھ تو ناچ کی تیاری کر رہی ہیں یا سنگیت کی یا شراب نوشی کی۔ لیکن واضح رہے کہ کشش کی مرکزی چیز وہ ہے جس کو غالیچے پر بیٹھا ہوا دکھلایا گیا ہے۔ یا وہ شکل جو تصویر کے بیچ وسیع جھولے

پر بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ سیمت کا سہرا بخت سنگھ راجہ دھراج ناگور ۱۷۲۵-۵۱ء / ۱۱۳۷-۱۱۶۵ھ کو ہے کہ انہوں نے مقامی چیتروں اور مغلیہ مصوروں کے فن سے فائدہ اُٹھا کر اپنے زمانہ حکومت میں ناگور کے اندر دیواری فن مصوری اور چھوٹی تصویروں کی سرپرستی کر کے اٹھارھویں صدی میں مارواڑ کی سنگلاخی زمین میں ناگور جیسی جگہ میں ایک نئے مسلک مصوری یا دبستان کی انجانے میں بنیاد رکھدی جو مہاراجہ جودھپور جسونت سنگھ دوم (۱۸۷۳-۹۵ء / ۱۲۹۰-۱۳ھ) کے عہد حکومت یعنی ڈیڑھ سو سال تک چلتا رہا۔

مہاراجہ بخت سنگھ (۱۷۵۲-۵۳ء) کا دور حکومت مارواڑ کی مصوری کا نقطۂ عروج ہے جبکہ راجہ دھراج بخت سنگھ کا زمانہ اسکا نقطۂ آغاز

باب ۵

مہاراجہ وجے سنگھ اور ناگور کا محاصرہ ۱۷۵۳-۹۳ء / ۱۱۶۶ھ - ۱۷۵۳ء / ۱۱۶۸ھ

ابھی جودھپور کی خانہ جنگی ختم نہیں ہوئی تھی کہ بخت سنگھ کے وفات پا جانے پر مارواڑ کی حکومت کی باگ ڈور ایسے نوجوان کے ہاتھوں میں آئی جو مرہٹوں کے ریشہ دوانیوں کو روکنے کا اہل نہیں تھا۔ لہٰذا جے اپا سندھیا کے زیر کمان مرہٹوں کا لشکر معزول مہاراجہ رام سنگھ کی مدد کیلئے بے دھڑک مارواڑ کے علاقے میں داخل ہو کر مرہٹوں کو میرٹھ میں روکنے کی بخت سنگھ کے جانشین وجے سنگھ نے ناکام کوشش کی اور ناگور کے قلعہ کو اپنی جائے پناہ بنا کر مہارانا کی سفارش سے اپنی بچت کا راستہ نکالنے کی تدبیر کی۔

اس سے قبل بھی میں لکھ چکا ہوں کہ سب سے پہلے مہاراجہ ابھے سنگھ نے مرہٹوں

سے رابطہ کیا تھا مگر اب ابھے سنگھ کے بیٹے رام سنگھ نے پورے طور پر مرہٹوں کا آوردہ بنکر انکی زیر حمایت رہ کر اپنا کام نکالنے کی پالیسی پر عمل درآمد کیا۔ سوال یہ ہیکہ راجپوتوں جیسی لڑاکو قوم کے پاس ملک میں اٹھارھویں[18] صدی کے وسط میں سیاسی پس منظر کیا تھا بقول جدو ناتھ سرکار اور تو کچھ نہیں محض اس بہادر قوم کی اخلاقی گراوٹ تھی۔ راجپوت سردار اپنے سوامی کی اطاعت اسلئے کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ راجہ کو اپنا سردار قبیلہ مانکر اُس کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ اس طرح راجپوت راجا اپنے جاگیرداروں کو اسی وقت اپنے بس میں رکھ سکتا تھا جبکہ وہ آدمیوں کا پیدائشی قائد ہو فاتح ہونے کے ساتھ دوسروں کو اپنی مرضی کے مطابق اپنا مطیع بنا کر رکھنے کی طاقت رکھتا ہو۔ بد قسمتی سے جے پور کے ایشوری سنگھ (۱۷۵۰ء / ۱۱۶۴ھ) اور جودھپور کے بخت سنگھ (۱۷۵۲ء / ۱۱۶۶ھ) کی موت کے بعد جنگ جو راجاؤں کی نسل ختم ہو گئی تو خانہ جنگیوں کے زمانے میں دونوں فریقوں کی طرف سے پونا کے پیشوا یا اُس کے مقامی ایجنٹ ہولکر سے مدد چاہی جانے لگی اور کبھی ہولکر کے رقیب سیندھیا کو بہتر مالی پیشکش کے ذریعہ اپنا حامی بنایا جانے لگا۔ دونوں فریق بڑھ چڑھ کر بول بول کر بولی کی رقم اپنے اوپر چڑھانے لگے جسکو ادا کرنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔ جب ایسے قرضداروں کی نادہندی کے نتیجے میں مرہٹہ قرض خواہ رقم کی وصولی کیلئے اپنی فوج چڑھا لاتا تو پورا علاقہ مرہٹہ فوجوں تلے روندا جاتا۔ اور مرہٹوں کی مہم کے دوران ان کے کپتانوں اور سپاہیوں کی تنخواہ راجپوتا نادہندہ کے ذمہ الگ تھی۔ راجا کے متصدیوں کی حکمت عملی یہ رہتی کہ ہولکر کو سندھیا کے خلاف لڑا کر ادائیگیٔ قرض کیلئے مہلت حاصل کریں اور ہو سکے تو قرض ہی کو ٹال جائیں۔ مگر قرض کا ٹالنا راجاؤں کے لئے ٹیڑھی کھیر تھی کیونکہ افسانہ جو شہرت پا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں جے پور (سوائی جے سنگھ) اور جودھپور (ابھے سنگھ) کے راجاؤں نے مالوہ اور گجرات سے کروڑوں روپے جوڑ کر

رکھے تھے۔

دوسرا عذاب جو راجپوت قوم پر امتداد زمانہ سے نازل ہوا تھا وہ یہ تھا کہ جنگ کا پرانا طریقہ آتشیں اسلحہ کے زمانے میں بیکار ہو گیا تھا۔ مہاراجا لوگ سندھیا کی یورپین تربیت یافتہ منظم برگیڈ کی دیکھا دیکھی کرائے کے سپاہی رکھنے لگے۔ اس کام میں جودھپور کے وجے سنگھ سب سے آگے تھے۔ یہ کرائے کے سپاہی عرف عام میں سندھی کہلاتے تھے مگر تھے پوربیا راجپوت، سندھیوں عربوں اور روہیلوں کا مجموعہ جن کو تنخواہ راجاؤں کیلئے ایک الگ بوجھ ثابت ہوئی۔

راجپوت سوسائٹی کے اخلاقی تنزل نے اُن کے ملک کی تباہی پر مہر لگا دی۔ خانگی خواصین رکھنے کا رواج اتنا بڑھ گیا کہ مہاراجا وجے سنگھ کی خواص اور سوال جات کی گلاب رائے کے ہاتھ میں ریاست کا پورا انتظام آگیا۔ بیا تہا مہارانیوں کی آئے دن ان لونڈیوں کے ہاتھوں ہتک عزت ہونے لگی۔ کثرت عیاشی کے نتیجے میں راجا، سردار اور منتری سب کے سب امراض خبیثہ کے شکار پائے جاتے تھے۔

راجپوت کے لئے زمین ہی دولت اور سماجی حیثیت کا ذریعہ تھی مغلیہ بادشاہت کی وسعت کے زمانے میں راجا اور سردار دلی کے زیر سایہ اپنے اور اپنے بیٹوں کیلئے جاگیریں بنا سکتے تھے لیکن اٹھارہویں صدی کے وسط میں یہ ذریعۂ معاش بھی معدوم ہو گیا۔ راجپوتوں کی تعلیمی حالت یوں کہا جائے کہ تعلیم کی معدومی نے، ایسے وقت میں جبکہ ہند میں یورپین تہذیب کا دھماکہ آن پہونچا تھا اُن کو اس قابل نہیں رکھا تھا کہ بدلی ہوئی دنیا کا مقابلہ کر سکیں۔ چارنوں یا بھاٹوں کی جھوٹی تعریفوں نے اُن کے خاندانی غرور میں اضافہ کر رکھا تھا۔ اس احساسِ برتری نے اُن کو کہیں کا نہ رکھا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ افیون کے دائمی استعمال نے اُن کے جسمانی اور دماغی قوتوں کو مضمحل کر رکھا تھا۔

بادشاہت مغلیہ کا زوال

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے وسط میں بادشاہی حکومت، جو راٹھوڑوں اور کچھواہوں کی آپسی رقابت کو لگام دیتی تھی بے جان محض ہوکر رہ گئی تھی۔ جس سے راجستھان کے امن و امان میں فرق آیا۔ بقول جدو ناتھ سرکار کے زمین کے حصول کیلئے راجپوت کوئی بھی جرم کرسکتا تھا۔ زمین کیلئے جنگ جو راجپوت مرنے کیلئے تیار پائے جاتے تھے۔ جب مغلیہ بادشاہت نے اپنی کمزوریوں کیوجہ سے فتوحات سے ہاتھ کھینچ لیا تو سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانیوالے جنگ پیشہ راجپوت ہی تھے اب انہوں نے بیکاری کی حالت میں اپنے ریگستانی ملک میں محمد ڈھوکرخانہ جنگی شروع کردی۔ جب مرہٹوں کا دخول ہوا تو مرہٹے پنڈاریوں کو بھی ساتھ لائے اور دونوں نے ملکر پورے راجستھان میں غارت گیری و بربادی کا بازار گرم کیا۔

فن جنگ میں انقلاب

ایک بڑی ضروری بات جسکی طرف پروفیسر سرکار نے دھیان دلایا ہے وہ فنِّ جنگ کا نیا طرز ہے جو اٹھارھویں صدی کے وسط میں رواج پذیر ہوا بندوقیں جو اس زمانے میں رائج ہوئی اُن کی مار اور جلد جلد چلائی جانیکی سہولت کے علاوہ فوجوں کی تفصیل وار تنظیم جو یورپ سے مستعار لی گئی تھی۔ راجپوتوں کے بس کے باہر تھی اس طرز کی جنگ کا خرچ پیلا بن راجپوتوں کی مالی حیثیّت کے باہر تھا۔ توپ خانہ اور گولہ بارود کا خرچ بھی راجپوت برداشت نہیں کرسکتے تھے اور ایسی خرچیلی فوجوں کے محکمہ زار (کمر بستہ) کا خرچ ماعیب کہ وہ وطن سے باہر عرصۂ دراز کیلئے بھیجی جائیں، اُن کے میزانیئے (بجٹ) کے باہر کی چیز تھی۔

آمدم برسر مطلب۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مئی ۱۷۵۲ء ۱۱۶۶ھ میں مرہٹوں کی فوج جو رام سنگھ کو لیکر چلے آیا سندھیا کے زیر کمان پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اجمیر

پہونچی تھی کس طرح بخت سنگھ کے ذریعہ بھگادی گئی تھی۔ اس کے بعد ڈیڑھ دو سال تک مارواڑ مرہٹوں کی ریشہ دوانیوں سے بچا رہا لیکن اجمیر کی لڑائی کے دو ماہ کے اندر بخت سنگھ کی اچانک موت نے حالات کو بدل دیا کیونکہ بخت سنگھ جے پور کے سوائی راجا کے ساتھ دلی جانے والا تھا کہ کسی طرح مرہٹوں کی نقل و حرکت پر دکھن میں روک لگادی جائے۔ بخت سنگھ کے بیٹے اُس کے جانشین بجے سنگھ میں مرہٹوں سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں تھی۔

بجے سنگھ کا دور حکومت میری حدِ نظر سے باہر ہے مگر چونکہ ناگور کا گھیراؤ بجے سنگھ کی تخت نشینی کے بعد اُس کے عہد کا اہم ترین واقعہ بلکہ حادثہ ہے۔ اس لئے میں نے اپنی تالیف و تصنیف میں جگہ دی ہے (۱۷۵۵ء / ۱۱۶۹ھ) کے پیشوا کے اوپر ایک بڑے قرض کا بوجھ تھا اور مارواڑ کے مقابلے میں دوآب اور راودھ کے علاقے میں اُس سے زیادہ اہمیت کا کام تھا لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ رام سنگھ اور بجے سنگھ کا معاملہ سمجھوتے کے ذریعے نپٹا دیا جائے مگر جے آپا سندھیا، جسکو پیشوا کے بھائی رگھوناتھ راؤ نے بھیجا تھا، وہ تو پورا ہی مارواڑ بجے سنگھ سے چھین کر رام سنگھ اپنے اور دوسرے کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا بجے سنگھ نے میڑتہ کو اپنا مستقر بنا کر، مرہٹہ اور رام سنگھ کی اتحادی فوج کو روکنا چاہا۔ (۱۷۵۴ء / ۱۱۶۸ھ) میں مگر شکست کھا کر ایک جاٹ کی بیل گاڑی میں بیٹھ کر دوسرے روز راتوں رات ناگور پہونچ گیا۔ میڑتہ کو لوٹ، پیٹ کر جے آپا اور رام سنگھ نے ناگور آکر محاصرہ کرلیا۔

میڑتہ کی شکست کے بعد بجے سنگھ کیلئے ناگور کا قلعہ ہی مناسب پناہ گاہ تھا۔ ناگور کے قلعہ میں بجے سنگھ نے اپنے لڑکپن اور جوانی کے بہترین سال گذارے تھے۔ اور وہاں کے سیاہ و سفید سے مانوس تھا جبھی تو ناگور کا محاصرہ ایک سال کے ملے مرحلے تک چلا۔ دراصل چھ ماہ بعد مارچ ۱۷۵۵ء / ۱۱۶۹ھ

کے مہینے میں گھیرے کی سختی کے علاوہ قلعہ کے اندر ایک تالاب سوکھنے لگا۔ اب قلعۂ ناگور کے محافظوں اور دوسرے مکینوں کی زندگی کا سہارا دوسرا تالاب باقی بچا۔ شہر ناگور کے اندر قحط کا دور دورہ تھا۔ نمک روپے کا ڈیڑھ سیر۔ چاول تیرہ سیر کا اور افیون بتیس روپے کی ایک سیر، اسکے علاوہ ایندھن کی لکڑی اور گھاس معدوم تھی۔ لوگ بھاگ بھاگ کر ناگور سے جانے لگے۔

ایسی حالت میں بجے سنگھ نے گوسائیں بجے سنگھ بھارتی کے ذریعے صلح کے لئے گفت و شنید شروع کی تو جے اپّا نے پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا جو امر محال تھا البتّہ موسم گرما کے قریب تر آنے کی وجہ سے خود جے اپّا کی رسد آب ختم ہونے لگی تو اُس نے دشمن کے قلعے سے سات میل کی دوری پر واقع تاؤسر نامی ایک سیراب گاؤں کو چھین کر وہاں اپنا پڑاؤ منتقل کر دیا تھا۔

جے اپّا کا خیال تھا کہ چند ہفتوں کے اندر ناگور پر قبضہ کر کے جنگ کو ختم کر سکے گا۔ لہٰذا فروری ۱۷۵۵ء ۱۱۶۹ھ کے اواخر میں جب ملہار راؤ ہولکر اور سکھا رام باپو نے دوآب اور مارواڑ (اجمیر۔ جالور۔ جودھپور) کی مہموں سے فارغ ہو کر جے اپّا کی مدد کو آنے کی پیش کش کی تو جواب ملا کہ اب ناگور کا معاملہ چند دنوں میں اختتام پذیر ہونے والا ہے۔ لہٰذا بہتر ہو گا کہ آپ لوگ روپ نگر پر حملہ کریں۔ اسی طرح کا جواب رگھوناتھ راؤ کے لشکر پہونچنے پر (۳ مارچ کو) بھیجا گیا۔ جبکہ اُس نے اپنی تجویز سے مطلع کیا کہ میں ناگور آکر بذات خود جے اپّا اور بجے سنگھ میں صلح کرا کر رام سنگھ کی جودھپور کی تخت نشینی کیلئے حتّی الامکان کوشش کرونگا۔

اس طرح ایک خود غرضانہ نافرمانی سے جس کا مظاہرہ حد سے زیادہ مغرور مرہٹہ عہدہ دار جے اپّا نے کیا۔ مارواڑ میں مرہٹہ قبضے کو بلکہ شمالی ہند میں بھی نقصان پہونچا۔ بلا تاخیر حالات بھی جے اپّا کے مخالف ہونے لگے۔ مارچ ۱۷۵۵ء ۱۱۶۹ھ میں جالور بجے

سنگھ کے آدمیوں نے باز یافت کر لیا۔ جودھپور اور ناگور باوجود تنگ دستی اور بھوک
پیاس کے مدافعت پر ڈٹے رہے۔ لیکن جے آپا اندھا دھند میں آکر اپنی بات پر اڑا رہا
اس کا منشا یہ تھی کہ جولائی ۱۷۵۲ء میں بخت سنگھ کے ہاتھوں جو اسکی شکست
ہوئی تھی اُس بے عزتی کا دھبا مٹا ڈالے اور چونکہ حالیہ اپنی شیخی جو پیشوا اور رگھو
ناتھ کو اُس نے دکھلائی تھی۔ اب کس منہ سے بغیر قلعۂ ناگور کی فتح کے واپس جائے

جے آپا کا قتل جولائی ۱۷۵۵ء

دونوں فریقوں میں غصّے اور غضب کا
اضافہ ہو رہا تھا حتیٰ کہ ۲۴ جولائی
۱۷۵۵ء (۱۱۶۹ھ) کو ہنگامہ پھٹ پڑا۔ گوسائیں بجے بھارتی نے جو صلح کی بات چیت شروع
کی تھی اس پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا۔ درمیانی شخص اور اُسکے ساتھی کو سوائے
جانے اور آنے کے کچھ ہاتھ نہ لگتا تھا۔ ۲۴ جولائی کو جب گوسائیں بجے بھارتی، راج
سنگھ چوہان اور جیتش کے ساتھ جے آپا کے خیمے میں آئے تو مہارانا کا سفیر
راوت جیت سنگھ سیسودیا جسے غیر جانبدار بیچ بچاؤ کرنے والے کی حیثیت
سے مہارانا نے مرہٹہ پڑاؤ پر تعینات کر رکھا تھا، آکر اُن سے مل گیا۔ اُس دن
بحث مباحثہ دیر تک چلا اور جذبات اُبھار پر تھے۔ راٹھوڑ سفیر نے مرہٹہ
سپہ سالار سے سوال کیا "آپ ہمارے ملک میں آکر خراج کا مطالبہ کرتے ہیں اس کا
کیا مطلب ہے؟" اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ جے آپا نے
غرور میں آکر اپنی تلوار کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میری سند ہے۔ اس پر راٹھوڑ
نے عذر کیا کہ "وہ اپنی تلوار بازی اور ہتھیاروں کی طاقت پر زیادہ گھمنڈ نہ کرے۔
جان رکھو کہ ایشور ہی ایک شخص کو دوسرے پر اختیار عطا کر سکتا ہے۔" ان
الفاظ نے جے آپا کے طیش میں اضافہ کر دیا۔ راٹھوڑ رئیس مت بجے سنگھ اور اُن کے
وکیلوں کو ڈرپوک کہتے ہوئے جے آپا گرج اُٹھا کہ "میں اپنے جوتوں کی ٹھوکر

سے خراج وصول کر لوں گا۔" اس پر جدّونا تھ سرکار کا ردِّ عمل ہیکہ ہندوستان کے قایم امرا کے لئے جو اپنا حسب نسب سورج اور چاند سے ملاتے تھے ایک نو دولیتے شودر کی زبان سے ایسے الفاظ نا قابل برداشت تھے۔ ایک لمحے کے اندر راٹھوڑ کا خنجر میان سے باہر آگیا اور بار بار جے اپا کے سینے میں بھونکا جانے لگا اُس کے ساتھیوں نے کام کی تکمیل اپنی تلواروں سے کردی۔ فی الفور خطرے کا بگل بجا دیا گیا اور جے اپا کے پورے پڑاؤ میں وحشت خیز ہنگامہ برپا ہوگیا۔ مرہٹے آمادۂ جنگ ہوئے۔ بجے سنگھ کے تینوں سفیر کاٹ ڈالے گئے اور اودے پور کے بچو لیئے کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا۔ ایک ایک راجپوت کو ڈھونڈ ڈھونڈھ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا صرف روپ نگر ریاست کے معزول شدہ وارث، سردار سنگھ کو بمشکل تمام بخشا گیا۔ وہ جے اپا کا اردہ تھا۔

اِس جُرم نے بجے سنگھ کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہونچایا۔ شور و شغف جلد ہی فرو ہوگیا۔ اور جے اپا کے بیٹے جنکو کا مرہٹوں کی سرداری کیلئے اعلان کر دیا گیا۔ یہ تجویز رد کر کے اجمیر جاکر وہاں سے مرہٹہ فوج کاروائی کرے احاطہ کی کھائیوں پر مستعدی دکھاتے ہوئے جنگ کے پورے موقع میدان میں مرہٹوں فوجوں نے محاذ کو حسب سابق سنبھال لیا۔ جس کا سہرا جے اپا کے بھائی دتّا جی کے سر تھا جسکو جنکو کا سرپرست بنایا گیا۔ محاصرہ بدستور چلتا رہا۔

۱۷۵۵ء / ۱۱۶۹ھ کے بقیہ مہینوں میں راجپوتوں کی مرہٹہ مخالف نقل وحرکت کچھ کام نہ آئی۔ بجے سنگھ نے مادھو سنگھ (جے پور) بادشاہ (دلّی) سورج مل (جاٹ) اور روہیلے سرداران کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ جتھا بنانا چاہا مگر کٹھ پتلی بادشاہ میں اتنی سکت نہیں تھی۔ جو مرہٹوں کے مقابلے میں اقدام کرسکے۔ البتہ مادھو سنگھ نے مقامی طور پر ہمت دِکھائی اور پورے مارواڑ میں مرہٹی تھانوں پر حملہ

بول دیا گیا۔ لیکن جودھپور کے مرہٹہ محاصرہ کو توڑنے کی کوشش میں راٹھوڑوں کو شکست ہوئی۔ دتّا جی نے ہر جگہ کے راٹھوڑوں کے خلاف فوجی ٹکڑیاں بھیجنی شروع کیں۔ ناگور کی راحت کیلئے امدادی فوج جو جے پور سے آرہی تھی اُس کے سربراہ کاراَن رودھ سنگھ کھنگردت تھے۔ بجے سنگھ کی بھیجی ہوئی ٹکڑی کو دتّا جی کی فوج نے راستے میں روک کر اری شکست دی تو جے پور کی شکست خوردہ فوج کو لیکر انرودھ سنگھ نے ڈیڈوانہ کا راستہ اختیار کیا مگر ڈیڈوانہ سے آگے یہ مصیبت زدہ فوج آگے ناگور کی طرف نہ بڑھ سکی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بجے سنگھ کے بھیجے ہوئے آدمی بھی دولت پور میں روک دیئے گئے ہیں۔ اب انرودھ سنگھ اور بجے سنگھ دونوں نے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ یہ سال بھی خشک سالی کا سال تھا۔ اور پیشوا کی بھجوائی ہوئی فوج بھی آن پہونچی۔ کھانا اور پانی دونوں ہی کمیاب تھے اور شہر ناگور کی حالت نا قابل برداشت تھی۔ ۱۲ / نومبر کو بجے سنگھ کچھ پیدل اور سواروں کو لیکر چپ چاپ ناگور سے غائب ہو گئے لیکن ڈیڈوانہ کا راستہ بند ہونے کی وجہ سے دس گھنٹے کی سواری رفتار سے برابر چلتے رہنے پر بیکانیر پہونچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی خشک سالی کی حالت بدتر ہے اور نئی فوج بھرتی میں بھی سہیوگ نہیں ملا۔ لہٰذا دسمبر کے مہینے میں ناگور واپسی آکر دتّا جی سے گفت و شنید شروع کر دی مادھو سنگھ نے بھی اپنی ڈیڈوانہ میں گھری ہوئی جے پوری فوج کی رہائی کیلئے پانچ لاکھ روپیہ مرہٹوں کو دینا منظور کر لیا۔

مرہٹوں سے صلح نامہ

یہ صلحنامہ جو فروری ۱۷۵۶ء کے اواخر میں بجے سنگھ نے مرہٹوں کے ساتھ کیا اُس کی دفعات حسب ذیل تھیں:۔

(۱) اجمیر کا قلعہ اور علاقہ پورے اقتدار کے ساتھ مرہٹوں کے حوالے کر دیا جائیگا۔

(۲) پچاس لاکھ کا فوجی ہرجانہ بجے سنگھ پر لگایا گیا۔ پہلی قسط پچیس۲۵ لاکھ کی ایک سال کے اندر اور بقیہ پچیس۲۵ لاکھ کی دوسری قسط اگلے دو سالوں کے اندر ادا کی جائے گی۔

(۳) جالور کا شہر اور مارواڑ کا آدھا حصہ رام سنگھ کو دیا جائے جبکہ باقی آدھے مارواڑ یعنی جودھپور، ناگور اور میڑتہ بجے سنگھ کی حکومت رہیگی۔

ان شرائطوں کی پہلی شرط کو چھوڑ کر دوسری اور تیسری شرط پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ اس کے بعد دتاجی عارضی طور پر کچھ دنوں ناگور میں ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد میڑتہ ہوتا ہوا روپ نگر جا کر کمائیاں کھودنے لگا جہاں مرہٹہ فوج کا دوسرا ڈویزن شمسیر بہادر[1] ۵ مئی کو آکر اس سے مل گیا۔ بہادر سنگھ، ریاست روپ نگر کے چھوٹے کنور نے ریاست پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا، اب اس نے اپنا قبضہ ہٹا کر بڑے بھائی سامنت سنگھ کو ریاست کا اقتدار سونپ دیا۔ دتاجی جون کے اوائل مہینے میں اپنی جاگیر اجین کو چلا گیا اور شمسیر بہادر بھی مالوہ واپس گیا۔ اس طرح سنار صیا خان دان کی مارواڑ مہم چار سال بعد ختم ہوئی اور ناگور کو مرہٹوں سے چھٹی ملی۔

(زوال آف دی مغل امپائر باب ۱۸، ص ۳۴-۱۲۲)

باب ۶: مہاراجا مان سنگھ اور امیر خان پٹھان کی مداخلت

بجے سنگھی پس منظر کا جائزہ

۱۷۵۴-۵۵ء ۶۹-۱۱۶۸ھ کی جے اپا سندھیا کی مہم اور ۱۷۵۶ء ۷۰-۱۱ھ میں مرہٹوں کے ساتھ ہوئی صلح سے مارواڑ کے رئیس کی طاقت ناگفتہ بہ ہو گئی تو بجے سنگھ نے پہلے تو ایک صلح کاری گٹھ بنایا اور جاگیردار لوگ ناراض ہوئے تو دھلائے

---

[1] شمسیر بہادر پیشوا باجی راؤ اوّل کا بیٹا مسلمان مستانی کے بطن سے تھا جس کا فرزند علی بہادر اول بعد میں باندھا کا پہلا نواب ہوا۔

بھائی (رضاعی بھائی) جگناتھ کے سہیوگ سے ایک تنخواہ دار فوج تیار کی۔ اس فوج کے ذریعے دھائے بھائی نے ناگور کے علاقے کے فسادیوں کی سرکوبی سے امن داماں قائم کیا۔ اس فوج پر سامنتوں کے اعتراض پر مہاراجا نے دھیان نہیں دیا تو وہ لوگ کسمساہٹ کے مارے رام سنگھ کی دہائی دینے لگے لیکن دھائے بھائی اور نئی تنخواہ دار فوج کی مدد سے بجے سنگھ نے سبھی ٹھاکروں کو دبا دیا ۱۷۶۰ء / ۱۱۷۴ھ۔ اور دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ تنخواہ دار فوج کو مستقل فوج بنا کر بخشی کے ماتحت کر دیا گیا۔ یہ مارواڑ کی سب سے پہلی مستقل فوج تھی۔ اب بجے سنگھ نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ ریاست کے اہم محکمے اور اختیارات متصدیوں کے طبقے کو سونپ کر اس طرح ایک پتھر سے دو پرندوں کا شکار کیا یعنی یہ کہ ٹھاکروں کی اہمیت سیاست میں کمی ہو گئی۔ اب بجائے ٹھاکروں کے فوج میں غیر سامنتوں کو سپہ سالاری کی ذمہ داری دی جانے لگی۔ اب خاص ٹھاکروں نے رام سنگھ کی طرف سے مرہٹوں کی امداد کی بات چلائی تو مہاراجہ نے اُس کا جواب یہ دیا کہ سندھیا اور ہولکر کو سالانہ خراج دینا منظور کر لیا۔ پھر بھی ٹھاکر لوگ گھاناجی جادھو کو مارواڑ پر چڑھا لائے جسکو مہاراجہ نے میدان جنگ میں ہرا دیا ۱۷۶۶ء / ۱۱۸۰ھ۔

یہ تھی دس سالہ مہاراجہ۔ جاگیردار کشمکش (۶۶-۱۷۵۶ء / ۸۰-۱۱۷۰ھ) رام سنگھ کی ۱۷۷۳ء میں موت ہو جانے پر فسادپسند ٹھاکر نا اُمید ہو کر بیٹھ رہے۔ سن ۸۵-۱۷۷۰ء کے پندرہ سال بجے سنگھ کے دورِ حکومت میں خوشحالی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ گوڑواڑ، سانبھر اور امرکوٹ کے علاقے مارواڑ میں شامل ہوئے اور امرکوٹ کے علاقے سے مستقل فوج کیلئے بھرتی کا میدان کھل گیا۔ ایسے اچھے ریکارڈ کو بگاڑنے کا بہانہ بجے سنگھ کو سن ۸۷-۱۷۸۶ء میں ہاتھ آیا جب کہ اُس نے ریاست کے کام میں بے جا حوصلہ مندی کو دخل

دیگر کچھواہا، سندھیا اختلاف میں سوائی پرتاپ سنگھ کا ساتھ دیکر مہادجی سندھیا سے بگاڑ کرلیا اور تنگا کی لڑائی میں بہادری کے جوہر راٹھوڑوں نے دکھلائے اُس کے دُور رَس نتائج مارواڑ کے حق میں اچھے نہیں نکلے۔ اجمیر کا علاقہ تو ملا لیکن لڑائی کے میدان میں راٹھوڑوں کی جانیں بہت ضائع ہوئیں۔ مہادجی سندھیا نے تنگا کی اپنی ہیٹی کا بدلہ لینے کیلئے تین سال کے اندر ۱۷۹۰ء میں مارواڑ پر چڑھائی کرا کے پہلے پاٹن اور دوسری بار میڑتہ کی لڑائی میں راٹھوڑی فوج کو اپنے یورپین سپہ سالار دی بائن کے ہاتھوں ایسی بری شکست دلائی کہ اُس کے بعد مارواڑ مرہٹوں کے خلاف سر نہیں اُٹھا سکا۔ جنوری ۱۷۹۱ء / ۱۲۰۶ھ کے سانبھر کے صلح نامے نے مارواڑ کی کمر توڑ دی۔

مالی حالت خراب ہوئی اور خزانہ خالی ہو گیا۔ یہاں تک کہ بجے سنگھ کے آخری دوؔ سال (۹۳-۱۷۹۱ء / ۸-۱۲۰۶ھ) اراجکتا کی حالت میں گذارے۔

گلاب رائے کے عمل دخل کا نتیجہ

یہ دوؔ سال بجے سنگھ کے بڑھاپے اور بیماری کے علاوہ پاسوان گلاب رائے کے ہاتھوں کٹھ پتلی بننے کا زمانہ ہے۔ گلاب رائے کو مہارانی کا درجہ کیا دیا کہ پاسوان کے دباؤ میں آکر بجے سنگھ نے اپنے چھوٹے راجکمار شیر سنگھ کو اپنا جانشین ہونے کا اعلان کر دیا۔ مارواڑ کا حق دار راجکمار بھیم سنگھ اور ٹھاکر لوگ بجے سنگھ سے ناراض ہو گئے اور دربار میں دوؔ مخالف فریق پیدا ہو گئے۔ سامنتوں کی بغاوت، راجکمار بھیم سنگھ کا قلعہ پر قبضہ اور گلاب رائے کے قتل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست مارواڑ کے دوؔ طاقت ور دعویدار کھڑے ہو گئے۔ بجے سنگھ کی جانشینی تو بھیم سنگھ کے ہاتھ آئی مگر بھیم سنگھ کے رقیب مان سنگھ کے ساتھ اُس کا جھگڑا تقریباً دسؔ سال تک چلتا رہا (۱۸۰۳ء-۱۷۹۳ء)

۴ ۱۲۱۸ھ / ۱۲۰۸ھ) مہاراجہ بجے سنگھ نے جو اپنے جاگیردار ٹھاکروں کو دبانے کیلئے متصدیوں کو بڑھاوا دیا، یہ بات بھی ہمارے نقطۂ نگاہ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اول تو یہی متصدی لوگ بجے سنگھ کے معتبر صلاح کار اور عہدیدار ہونے لگے تھے اور چند سالوں کے اندر مارواڑ کی سیاست پر یہی طبقہ چھا گیا تھا اس طبقے میں گوردھن کھیچی مصاحب اعلیٰ نے اپنے بزرگوں کی جاگیر جائل (ناگور پرگنہ) میں رہنے کیلئے اپنے سوامی سے فرمائش کر کے ایک حویلی بنوائی جو کھیچی کا محل کے نام سے آج بھی محفوظ ہے۔ مہاراجہ بجے سنگھ کے بعد مہاراجہ بھیم سنگھ (۱۸۰۳ء – ۱۷۹۳ء / ۱۲۱۸ھ – ۱۲۰۸ھ) کے زیر حکومت تک مارواڑ کی سیاست انہی متصدیوں کے ہاتھ میں رہی۔ بھیم سنگھ کے بعد جب مارواڑ ریاست کے خاص صاحب اقتدار ٹھاکر پوکرن یعنی راٹھوڑ سوائی سنگھ چانپاوت نے رانی دیراوری کی کوکھ سے پیدا راجکمار بجے دھونکل سنگھ کو اپنا امیدوار بنا کر زبردست ہنگامہ کھڑا کیا تب بھی یہ متصدی طبقہ مان سنگھ کو مارواڑ کا حکمراں بنانے میں کامیاب رہا صرف یہی نہیں بلکہ سوائی سنگھ کے باغیانہ رویے سے مان سنگھ کی ریاست کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں اور سوائی سنگھ کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مانسنگھ کو اس قدر پاپڑ بیلنے پڑے کہ سوائی سنگھ کی ہستی کو فنا کرنے کیلئے امیر خاں پٹھان کو اپنا آلۂ کار بنا کر اپنی ریاست کے تحفظ کو خطرے میں ڈالنا پڑا۔ چونکہ سوائی سنگھ نے اپنے امیدوار دھونکل سنگھ کو لیکر ناگور قلعے میں ایک سال کے لمبے عرصے تک قیام کیا اور درگاہ پیر تارکین اور مونڈوا جیسے مقامات پر سوائی سنگھ کو ختم کرنے کی سازش رچی گئیں اور اس کے علاوہ ناگور ضلع کے زرخیز پرگنے میڑتہ سے لیکر ڈیڈوانہ تک امیر خاں، اور امیر خاں کے بریگیڈیر محمد شاہ خاں اور ان کے آدمیوں کے قبضے میں برسہا برس تک رہے اور پورے ناگور علاقے میں اور اس کے آگے

تک کون سا ظلم ہو گا جو مان سنگھ کی رعایا پر امیر خاں اور اُن کے آدمیوں نے نہ توڑا ہو
لہٰذا اس پورے قضیے کو مختصر طور پر پیش کرنے کیلئے اس فقیر حقیر کو اس قدر خامہ فرسائی کرنی پڑی (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو جودھپور راجیہ کا اتہاس از ڈاکٹر شیودت دان بارہٹ صفحہ ۲۹-۲۲۴)

ہم پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کا نصفِ آخر کا زمانہ، مغلیہ زوال کے بعد راجپوتانہ کی سیاسی زندگی میں گویا ایک خلا کا دور ہے۔ بخت سنگھ کے بعد کوئی ایسا راجپوت جودھا نہیں پیدا ہوا جس کی سربراہی میں نا مساعد حالت کا مقابلہ راجستھان کے مرہٹہ زدہ لوگ کر سکتے تھے۔ اتفاق سے مرہٹہ جارحیت کا شکار جودھپور کے مہاراجہ بجے سنگھ کو ہونا پڑا اور جب بے اپا سندھیا سے چھٹکارا ملا تو مہادجی سندھیا سے بچنا محال ہو گا۔ مرہٹوں کے مقابلے میں نہ راجپوتوں کے سامنے کوئی نصب العین تھا جس کے حصول کیلئے اپنے آپ کو جنگ کے آتشیں ماحول میں جھونکتے۔ توپخانے کے مقابلے میں تلوار اور بندوق کی مار کاٹ کیا کام دیتی۔ خالی خولی شجاعت، ہمت اور بہادری جس کے پیچھے نئے آلاتِ جنگ نہ ہوں۔ اُسکا زمانہ اب نہیں رہ گیا تھا۔ جدھر دیکھو اُدھر بین الریاستی رقابت، ورا ثتی جھگڑے جن میں ٹھاکر لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے خاص کر مارواڑ میں پوکرن کے ٹھاکر کا دعوی تھا کہ مارواڑ کا اقتدارِ اعلیٰ اُس کی تلوار کے میان میں ہے۔ پردیسی فوج جو بجے سنگھ نے جودھپور میں بھرتی کی تھی، اُس کے دیوالیہ پن کی حالت میں، بجائے مفید ہونے کے ڈسپلن کو بگاڑنے والی ثابت ہوئی اور اسی فوج کی بھرتی نے پہلے ہی ٹھاکروں کو مہاراجہ کے خلاف چراغ پا کر دیا تھا۔ حکمرانوں کی فضول خرچیاں اور ریاستی بجٹ کا عدم توازن اُس پر طرّہ تھا۔ ایسی حالت میں اخلاقی گراوٹ اپنے حدِ عروج کو پہونچ گئی تھی۔

ادسوال جات کی پاسوان گلاب رائے کو بجے سنگھ نے اپنی رادھا بنا لیا
تھا۔ اور ریاست کے انتظامی معاملات میں اُسکو دخل تھا۔ گلاب رائے کے کہنے
پر کبھی ایک کبھی دوسرے کو بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا بالآخر بجے سنگھ مان سنگھ کو
تخت کا جانشین بنا لینے پر سرداروں نے کھلی بغاوت کردی اور جانشین کے لئے
بھیم سنگھ کے بیٹے بھوم سنگھ کو پیش کیا۔ مان سنگھ، مہاراجا بجے سنگھ کے پانچویں بیٹے
گمان سنگھ کا فرزند تھا۔ گلاب رائے بھیم سنگھ سے ناراض ہونے کے سبب سے اور
اس سبب سے بھی کہ اُس کا اپنا بیٹا تیج سنگھ مر چکا تھا، مانسنگھ کے ساتھ دلچسپی
لینے لگی تھی۔ اور مانسنگھ کو بجے سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کے ساتھ اپنے محل میں رکھکر
گود نشین بچے کی طرح پالنے لگی تھی کیونکہ اوّل مانسنگھ کی ماں اور بعد میں اُس
کے باپ گمان سنگھ کا اُس کی دس برس کی عمر میں انتقال ہو چکا تھا۔ گلاب رائے
نے اُس کی پرورش کی اور تعلیم کا بندوبست کیا تو گلاب رائے کا اُنس مان سنگھ کے
ساتھ اسقدر بڑھا کہ گلاب رائے نے اپنے بھتیجے کی بیٹی سنگھ سیج رائے کو اس کی دوسری
بیوی کے طور پر پیش کیا۔ یہ سب حرکتیں گلاب رائے کی دیکھ کر ٹھاکر لوگ آگ بگولہ
ہو رہے تھے اور گلاب رائے کے قتل کی نیک نامی ٹھاکروں کے سردار سوائی سنگھ پوکرن
کے ہاتھ لگی۔ بجے سنگھ کے جیتے جی اُس کے پوتے بھیم سنگھ نے راجیہ پر قبضہ کر لیا تھا
بجے سنگھ کی موت کی خبر سنتے ہی بھیم سنگھ جے سلمیر سے چل کر، جہاں وہ بیاہ کرنے
کیلئے گیا تھا، پوکرن پہونچا جہاں سے اپنے حمایتی ٹھاکر سوائی سنگھ کو ساتھ لے جودھپور
پہونچا۔ دس سال جودھپور کے تخت پر بیٹھکر جب ۱۸۰۳ء میں بھیم سنگھ کا انتقال
ہوا تو مانسنگھ جو ابھی تک جالور کے قلعے میں زیر محاصرہ گویا قید کی زندگی کاٹ رہے
تھے بلا مقابلہ جودھپور آکر تخت نشین ہو گئے کیونکہ بھیم سنگھ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں
تھی البتہ دیراور کی رانی شیخاوالی جس کا مائیکا تھا حمل سے تھی۔ اس پر جب مانسنگھ

کو اپنے اقتدار کیلئے خطرہ پیدا ہوا تو سوائی سنگھ نے اُن کو اس بات پر راضی کیا کہ اگر
لڑکا ہوا تو مانسنگھ تخت چھوڑ کر جالور چلے جائیں گے اور اگر لڑکی ہوئی تو اُس کا بیاہ
اودے پور یا جے پور میں ہوگا۔ مانسنگھ کے اپنے مخالفوں کے ساتھ بے رحمانہ اور
وحشیانہ برتاؤ کو دیکھکر ہمدرداں رانی کو چوکنا کر دیا تھا۔ بیکانیر اور کشن گڑھ
کے راٹھوڑ حکمرانوں نے رانی کی قیامگاہ کی حفاظت میں عملی حصہ لیا تو مان سنگھ رانی کا
کچھ نہ بگاڑ سکے۔ البتہ اُن کے اشارے سے رانی پر زناکاری کا الزام لگایا گیا۔ اِن باتوں
کی خبریں بیکانیر کے مہاراجہ صورت سنگھ کے پاس باقاعدہ پہونچتی تھیں لہٰذا پریشان
ہو کر صورت سنگھ نے جانچ کرانے کے لئے ذرائع کا استعمال کیا (۱۸۰۴ء ۱۲۱۹ھ) مگر سوائی سنگھ
نے سب سے زیادہ اُمنگ اور ثابت قدمی سے رانی کی جانبداری کی اور بغیر خوف و طمع کے
رانی کے محل کی اُس نے نگرانی کی حتیٰ کہ ۲۸ مئی ۱۸۰۴ء ۱۲۱۹ھ کو رانی اور بچے دھونکل سنگھ کو
کھیتڑی کے راؤ کی حفاظت میں بھیجکر ہی دم لیا اور اطمینان کا سانس لیکر اپنی جاگیر پوکھرن
کو چلا گیا۔ مانسنگھ اب اُن سرداروں کو اپنی سزا کا نشانہ بنانے لگا جنکی سوامی بھگتی مشکوک
تھی۔ یہی نہیں بلکہ جالور کے محاصرے کے زمانے میں سروہی کے راؤ کے خلاف، مان سنگھ
کی کنور رانی اور کنور چھتر سنگھ کو پناہ نہ دینے کی کوتاہی کے کارن فوج بھیج دی۔ شاید اسی
کے جواب میں شیخاوتوں نے فوج بھیجکر دھونکل سنگھ کے نام سے ڈیڈوانہ پر قبضہ کر لیا مگر
مانسنگھ کی فوج نے پھر سے ڈیڈوانہ پر قبضہ کر لیا۔ مان سنگھ کی اس نقل و حرکت کا نتیجہ اچھا
نہیں ہوا بلکہ سرداروں اور متصدیوں کی مخالفت بڑھ جانے سے دھونکل سنگھ کے حمایتی
سرداروں کے دھونکل سنگھ کے معاملے کو تخت نشینی کے مسئلے کے ساتھ جوڑنے کا موقع
عطا کیا۔ سوائی سنگھ پوکھرن مانسنگھ کے جالور سے چلکر جودھپور آنے تک اُس کے
خوش آمدید میں پیش پیش تھا مگر دل میں سوائی سنگھ اور اُس کے پکش کے متصدی
اور ٹھاکر کڑھ رہتے تھے۔ خاصکر سوائی سنگھ کو اس بات پر اعتراض تھا کہ سنگھوی اندراج

اور گنگارام نے مان سنگھ کو مارواڑ کا تخت پیش کرتے وقت اُس سے مشورہ نہیں کیا تھا۔
بہرکیف گلاب رائے کی کوشش اور بجے سنگھ کے اعلان (۱۷۹۲ء / ۱۲۰۶ھ) کہ میرے بعد مان سنگھ
مارواڑ کی گدی کا جانشین ہوگا اب بھیم سنگھ کے بغیر اولاد نرینہ کے مرنے پر بیکار ہوا اور جودھپور کی
۱۸۰۴ء / ۱۲۱۹ھ میں راجیابھشیک کے جلسے میں سب سے پہلی نذر سوائی سنگھ کو عطا کیا۔ رانی
دیراوری کی ولادت میں خدا نے جب اُسکو بیٹا عطا کیا (مئی ۱۸۰۴ء) تو بچے کی حفاظت
کی فکر پیش آئی اور بالآخر رانی کو اپنے مائیکے شیخاواٹی کے ٹھکانے کھیتڑی میں اطمینان
کا ٹھکانہ نصیب ہوا۔

سوائی سنگھ کی نقل وحرکت

رانی دیراوری کو مان سنگھ کے جالور سے جودھپور آنے سے پیشتر ہی چوپاسنی روانہ کردیا گیا تھا۔
جودھپور پہونچکر مانسنگھ نے رانی کو جودھپور واپس آنے کی دعوت دی مگر رانی نے صاف
انکار کردیا تھا اس پر سوائی سنگھ وغیرہ کی تجویز پر تحریر لکھ کر چوپاسنی کے گوسوامی کو
بھیجی گئی تھی۔
۱۰ نومبر ۱۸۰۳ء کہ وار نرینہ پیدا ہونے پر مان سنگھ واپس جالور چلے جائیں گے
اور نوزائیدہ بچہ مارواڑ کے تخت کا حق دار ہوگا۔ اس کے بعد رانی جب جودھپور کے
تلہٹی محل میں چوپاسنی سے آکر مقیم ہوئیں تو سوائی سنگھ کی قیادت میں تمام سرداروں نے
رانی کو اپنی محافظت میں لے لیا تھا۔ ایسی حالت میں پہلے تو شروع سے آخر تک سوائی
سنگھ نے مان سنگھ کے جودھپور آنے کے وقت سے لیکر اُس کے راجیابھشیک تک وفا
داری کا اظہار کیا لیکن مان سنگھ کے رویے سے اُس کی مخالفت کے آثار جو پیدا ہوئے
اُس سے سوائی سنگھ کو موقع ملا کہ حکمت عملی اور کوٹ نیتی سے کام لیکر دھونکل سنگھ کے
مسئلے کو زوردار طریقے سے پیش کرنے کے لئے معاصر رئیسوں کی حمایت حاصل کرے
لہٰذا اپنی اسکیم کو بروئے کار لانے کیلئے سوائی سنگھ نے پڑوسی رئیسوں کے ساتھ

ساز باز شروع کی کیونکہ رئیس لوگ اسکی نقل وحرکت میں ہاتھ بٹائیں گے تو ہمدم
ٹھاکروں کو سامنے لانے میں دقت نہ ہوگی چنانچہ اپنی تدبیر کو پکانے میں اُسے دو ۱/۲
سال کا وقت لگا۔ جب ۱۸۰۵ء ۱۲۲۰ھ میں دھونکل سنگھ کا مسئلہ لے کر سوائی سنگھ نے
جودھپور کے مہاراجہ سوائی جگت سنگھ سے رابطہ کیا تو پہلے اُس نے اودے پور کے رانا
بھیم سنگھ کے یہاں سیسودیا کچھواہا ازدواجی رشتے کی بات شروع کی۔ اس سے سوائی
سنگھ نے دو باتیں حاصل کیں۔ ایک تو یہ کہ بھیم سنگھ رانا کی راج کماری کرشنا کنوری
جیسی حسین دوشیزہ کی بات سوائی مہاراجہ کی اُفتاد طبیعت کے عین موافق تھی۔ دوسرے
یہ کہ جگت سنگھ کی رضامندی اور آمادگی سے سوائی سنگھ کو جے پور اور جودھپور کے رئیسوں
کے درمیان رخنہ ڈالنے میں مدد ملے گی۔ یہ پہلا پانسا تھا جو سوائی سنگھ جیسے ماہر کھلاڑی
نے پھینک کر جگت سنگھ کو اپنی طرف مائل کیا۔ دوسری چال یہ چلی گئی کہ ۳ جولائی ۱۸۰۵ء
کو ایک اتحادی معاہدے پر جگت سنگھ کے دستخط ہوئے کہ جگت سنگھ، دھونکل سنگھ
کے خلاف قبضے کی حمایت دو شرطوں پر کریگا۔ پہلی شرط یہ تھی کہ سوائی سنگھ پورا فوجی خرچ
برداشت کریگا اور مزید کہ سانبھر، جے پور کے حوالے کر دیا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ مہا
راجا بیکانیر صورت سنگھ کو دھونکل سنگھ کے لئے مارواڑ کا سنگھاسن دلانے میں جگت
سنگھ کے ساتھ سہیوگ کرنے کے لئے راضی کیا جائیگا۔ چنانچہ معاہدہ طے ہو جانے پر
۴ نومبر ۱۸۰۵ء ۱۲۲۰ھ کو سوائی سنگھ، جگت سنگھ کا خط لیکر صورت سنگھ کے پاس روانہ ہوا
اور صورت سنگھ کی تائید وحمایت اس شرط پر حاصل کی کہ پھلودی کی چوراسی بیکانیر
ریاست میں شامل کر دی جائے گی۔

یہی نہیں بلکہ پوکرن اور جے پور کو ازدواجی قرب کے ذریعے جوڑنے کے لئے اُس
کے بیٹے سالم سنگھ کی بیٹی کا بیاہ جگت سنگھ کے ساتھ طے کر دیا گیا کہ یہ بیاہ پوکرن میں
نہیں بلکہ جے پور میں رچایا جائیگا۔ اس پر جب مان سنگھ نے اعتراض اٹھایا تو سوائی۔

سنگھ کا جواب یہ تھا کہ میرے بھائی کا ٹھکانہ گیج گڑھ جے پور ریاست میں ہے لہٰذا میری لڑکی کا بیاہ جے پور میں ہونے کی صورت میں میری ہیٹی کا سبب نہیں بنتا۔ اس جواب کے ساتھ سوائی سنگھ نے چٹکی یہ لی کہ کرشنا کنوری کی منگنی بھیم سنگھ کے ساتھ ہو چکی تھی لہٰذا کرشنا کنوری کا ٹیکا جے پور جائے یہ جودھپور خاندان کے لیے واقعی ہیٹی کی بات ہے، سوائی سنگھ کی یہ تیسری نہیں بلکہ چوتھی چال تھی جو اثر بخش ثابت ہوئی۔ کیونکہ اسی وقت مہارانا بھیم سنگھ کا ٹیکا مان سنگھ کے لئے اس بناء پر روک لیا گیا تھا کہ مان سنگھ کی فوج نے اودے پور، ریاست کے ٹھکانے راؤ پر قبضہ کیا تھا۔ اب سوائی سنگھ کو آسانی اس بات میں ہوئی کہ مان سنگھ کو جگت سنگھ کے خلاف اُکسانا اور جگت سنگھ کو یہ پڑھانا کہ حسین راجکماری سے بیاہ کرنا ضروری ہے۔ اس طرح سوائی سنگھ نے ایک وار سے دو شکار کیے کیوں کہ جودھپور کی دشمنی بیک وقت جے پور اور اودے پور دونوں سے ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ مان سنگھ کی طبیعت زود رنج واقع ہوئی تھی۔ کرشنا کنوری کی جگت سنگھ کے ساتھ منگنی کو مہارانا کے مکر و فریب پر محمول کرتے ہوئے اس نے اسکی حرکت کو اپنی ذلت اور راٹھوڑ خاندان کی بے عزتی سمجھی اور خریطے کے ذریعے ۲۲ نومبر ۱۸۰۵ء / ۱۲۲۰ھ کو جے پور اور اودے پور کے دونوں رئیسوں کو اپنی رنجش سے مطلع کیا مکتوب الیہ دونوں نے خریطوں کا مطلق اثر نہ لیا تو نوبت ہتھیار کی آگئی۔ سوائی سنگھ بھی تو چاہتے تھے۔ مان سنگھ نے فوجی تیاری کے ساتھ سندھیا اور ہولکر کو بھی دخل اندازی کی دعوت دی۔ اُدھر سنگھوی اندراج نے اودے پور کے ٹیکے کو شاہ پورا کے رئیس کی مدد سے رکوا دیا۔ اُدھر جے پور کی فوج، جسکی حفاظت میں ٹیکا آ رہا تھا۔ بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ ہو گئی (فروری ۱۸۰۶ء / ۱۲۲۱ھ) ہتھیار بند جنگ کو روکنے میں چار ماہ لگ گئے اور دونوں جانب یعنی جے پور اور جودھپور کے متصدیوں کی گفت و شنید سے یہ طے پایا کہ دونوں میں سے کوئی مہاراجہ کرشنا کنوری سے بیاہ

نہیں کریں گے بلکہ جے پور والے جودھپور کی بیٹی سے اور جودھپور والے جے پور کی بہن سے شادی رچائیں گے۔ (۲۶ جون ۱۸۰۶ء ۱۲۲۱ھ) مرہٹوں میں سندھیا کو خود ہی اس بات کا لالچ اٹھا کہ میں ہی کرشنا کماری سے بیاہ کر لوں اور ہولکر کے آنے میں تاخیر ہو چکی تھی۔

دونوں فریق جگت سنگھ اور مان سنگھ اس سمجھوتے سے خوش نہیں تھے لہٰذا سوائی سنگھ نے دونوں کے درمیان صلح نامے کو رد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ مان سنگھ کے طلب کرنے پر مہاراجہ کے پاس نہیں گیا کر راٹھور سرداروں کو اور بیکانیر کے صورت سنگھ کو اپنے موافق پاکر جب جگت سنگھ کے بلانے پر جے پور گیا تو جگت سنگھ کو مان سنگھ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے راضی کرنے میں اسے دیر نہیں لگی۔ مان سنگھ اس وقت میڑتہ ہی میں تھا اس نے دیکھا کہ جے پور کی فوج اور دھونکل سنگھ کے حامیوں کی جمعیتیں ملکر ناقابلِ شکست طاقت ہو جائیگی۔ اس نے بھی دوسرے رئیسوں اور مرہٹوں سے مدد مانگنی شروع کی۔ امیر خاں پٹھان دسمبر ۱۸۰۶ء میں مان سنگھ سے عدم تعظیم کی بناء پر ناراض ہو کر جگت سنگھ سے ایک لاکھ کی رقم قبول کر کے اپنی تعظیم و تکریم سے راضی ہو گئے تھے۔ سندھیا نے بھی بالا راؤ انگلے کے زیرِ کمان ایک ڈویژن فوج جگت سنگھ کے لئے بھیجدی تھی اور ہولکر دس لاکھ کے سودے پر غیر جانب دار بن چکے تھے۔ اس طرح جگت سنگھ نے پچاس ہزار فوج کے ساتھ کوچ کر کے جھوٹ واڑے میں ڈیرہ ڈالا۔ جہاں شیخاواٹی سے کھیتڑی کے ابھے سنگھ، دھونکل سنگھ کو لیکر آ ملے۔ یہاں پر دھونکل سنگھ کے ساتھ مارواڑ کے اصلی حقدار کی حیثیت سے پوری عزت و احترام کا معاملہ کیا گیا۔ دوسری طرف صورت سنگھ بھی بیکانیر سے چلے آرہے تھے۔ سیکر میں آکر سیکر کے رئیس ٹھاکر لچھمن سنگھ اور سوائی سنگھ پوکرن نے جمع ہو کر صلاح مشورہ کیا اور جگت سنگھ کی فوج سے جا ملے جہاں امیر خاں بھی بیس ۲۰ ہزار فوج

کے ساتھ اکھٹا ہو گئے۔ اس ساری مجتمع فوج کے علاوہ حیدرآبادی پٹھانوں کو بلا کر کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہو گئی دس لاکھ روپے سندھیا کو بھی طے تا کہ غیر جانبدار رہے۔ اب فوج نے مارواڑ میں آکر ڈیرہ ڈال دیا (مارچ ۱۸۰۷ء ۱۲۲۲ھ) مان سنگھ نے اس گنگولی کے مقام پر قیام کیا تھا اور اسکی فوج بھی پچاس ہزار سے کم نہ تھی مگر سازش دیبیج جو اسکو تھا وہ اس بات کا تھا کہ بہتیرے راٹھوڑ سردار بے وفائی پر کمر کس چکے تھے کہ دھوکا دیکر کسی وقت بھی سوائی سنگھ سے جا ملیں گے۔ سازش کی یہ بات جگت سنگھ کے علم میں نہ تھی لہٰذا اُس نے سوائی سنگھ اور امیر خاں کی مشترکہ کمان میں راٹھوڑ سرداروں سے نپٹنے کے لئے کہا۔ بہرکیف لگ بھگ آٹھ ہزار سواروں اور بیس ہزار پیادل کی راٹھوڑی سرداروں کی فوج نے مان سنگھ کا ساتھ میدان جنگ میں چھوڑ دیا جس سے مانسنگھ کو اپنی خود حفاظتی میں میڑتہ کی طرف بھاگنا پڑا۔ اور اس بھگدڑ میں اس کا پورا توپ خانہ اور کمر پیٹا چھوٹ گیا اور امیر خاں کے ہاتھ لگا۔ امیر خاں نے میڑتہ کی طرف اُس کا پیچھا کیا اور راستے میں کے دیہات لوٹے مان سنگھ ۱۴ مارچ ۱۸۰۷ء کو میڑتہ اور ۱۹ مارچ کو جودھپور پہونچ گیا۔

اس اثنا میں جے پور کی فوج نے مارواڑ کے اکثر بیشتر پرگنے قبضے میں کر لیے تھے۔ علاوہ جیتارن اور سوجت کے مارواڑ۔ پربت سر، سانبھر، ناط، ڈیڈوانہ، میڑتہ اور ناگور کے۔ یعنی ناگور جہاں قلعے میں بچے مہاراجا دھونکل سنگھ اور سرپرست سوائی سنگھ کا ہیڈ کوارٹر یا راجدھانی ہوتی تھی۔ اس لئے سوائی سنگھ نے جے پور کے دیوان رائے چند کی رائے کو کاٹ دیا اور کہا کہ ادھے پور جا کر کرشنا کنوری سے بیاہ کرنیکی بات موخر رکھی جائے۔ جگت سنگھ کو چاہیئے کہ اول جودھپور پر قبضہ کر کے دھونکل سنگھ کو گدی پر بٹھائیں۔ یہ کہکر سوائی سنگھ خود حیدرآبادی رسالے کو لیکر میڑتا کے راستے سے دیہات کو لوٹتا ہوا ۲۰ مارچ کو جودھپور جا پہونچا جگت سنگھ اور سورت سنگھ پیچھے پیچھے

چلے اور فوج کا خاص حصّہ بھی دھونکل سنگھ کو لیکر یکم اپریل کو جودھپور پہونچ گیا پوری حملہ آور فوج کو اس ترتیب سے ٹھہرایا گیا کہ پورا جودھپور شہر اُس کے گھیرے میں آگیا:- جگت سنگھ اور صورت سنگھ کیلئے رائی کا باغ اور گلاب ساگر۔ سوائی سنگھ کے لئے مقام کاگا متصل ناگوری دروازہ سنگوری پہاڑی منڈور کے پاس۔ امیر خاں کے لئے اکھے راج کا تالاب تجویز ہوا۔ جو شہر کے دوسرے حصّے میں واقع ہے۔ باقی فوج چین پورا اور منڈور کے علاوہ بال سمند میں ٹھہرائی گئی جہاں دھونکل سنگھ کا ڈیرا تجویز ہوا۔ مان سنگھ کے پاس تھوڑے پرگنے رہ گئے تھے :- جودھپور۔ جالور دولت پورہ۔ کھانے راؤ۔ سیوانا۔ شیو اور امر کوٹ مگر جودھپور قلعے کے وفادار سرداروں نے حلفیہ طور پر مان سنگھ کو یقین دلایا کہ وہ مہاراجہ کا ساتھ دیں گے۔ اُس کی مختلف العناصر فوج کی تعداد پانچ سے لیکر بارہ[۱۲] ہزار کے اندر ہی ہو گی۔ مان سنگھ نے اپنے کئی خاص متصدی قید میں ڈال رکھے تھے۔ پہلے تین کو رہا کیا وہ سوائی سنگھ سے جا ملے تب اُس نے دوسرے تین کو رہا کر کے ۱۶ اپریل کو ۱۸۰۷ء ۱۲۲۲ھ کو دشمن کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنے کیلئے تیار کیا۔ ان میں سنگھوی اندر راج اور بھنڈاری گنگا رام جیسے ہوشیار عقل مند سوائی سنگھ سے کاگا میں ملے مگر سوائی سنگھ نے اصرار کیا کہ مان سنگھ جودھپور چھوڑ کر جالور چلے جائیں اور فوج خرچ کا جرمانہ بائیس لاکھ روپیہ ادا کریں۔ تب اندر راج نے تجویز پیش کی کہ شہر جودھپور حوالے کر دیا جائیگا اس شرط پر کہ سوائی سنگھ سردار ٹھاکروں کو بلا مزاحمت شہر جودھپور چھوڑنے کا موقع دیگا۔ سوائی سنگھ نے سوچا کہ ان سرداروں کو بھی مان سنگھ سے کاٹ کر اپنے ساتھ ملا لے گا۔ لہٰذا اُس نے اجازت دیدی اور ۱۸ اپریل کو شہر پر جے پور کی فوج کا قبضہ ہوتے ہی دوسرے دن ۱۹ اپریل کو دھونکل سنگھ کا مہاراجہ مارواڑ کی حیثیت سے اعلان ہو گیا[۱]۔

یہیں پر سوائی سنگھ، سنگھوی اندر راج اور بھنڈاری گنگا رام سے مات کھا گئے۔ یہ دونوں مان سنگھ کو اندر سے قلعہ کی حفاظت پر آمادہ کر کے مان سنگھ کے وفادار سرداروں کو ساتھ لیکر شہر جودھپور کے باہر نکل آئے تاکہ باہر سے جنگی نقل و حرکت کر سکیں اور محاصرہ اٹھوایا جا سکے

پانسے کا پلٹنا اب مئی کے مہینے میں گھیرا شروع ہوا اور پوری قوت کے ساتھ کارفرمائی عمل میں آئی سنگھوی اور بھنڈاری نے ناگور کے علاوہ اور بھی پرگنے دھونکل سنگھ کے حق میں چھوڑنے کی پیش کش کی لیکن سوائی سنگھ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اندر راج اور چار سرداروں کو گرفتار کیا جائے مگر وہ شیخاوتوں کی مدد سے بھاگ نکلے اور اب دولت راؤ سندھیا سے رابطہ کر لیا مگر مان سنگھ کو اپنے جالور کے زمانے میں اچھی خود حفاظتی مشق تھی اور مہینہ مئی کا تھا۔ پینے کو پانی کی کمی واقع ہوئی اور رسد کی بھی۔ اس کے علاوہ راٹھوڑ سردار جو سوائی سنگھ سے ملکر مان سنگھ سے غداری کر چکے تھے۔ اُن کو یہ بات اکھر گئی کہ امیر خاں اور جے پور کی فوج دونوں اُن کے وطن کے علاقے کو لوٹتے تھے لہٰذا دو ماہ کے گھیرے کے بعد جولائی ۱۸۰۷ء ۱۲۲۲ سے جے پور کے ڈیرے کو چھوڑ چھوڑ مان سنگھ کی طرف جانے لگے۔ اتفاق یہ ہوا کہ اسی وقت امیر خان کے تعلقات جگت سنگھ سے خراب ہونے لگے کیونکہ امباجی انگلے نے جگت سنگھ سے کہکر امیر خان کا روزینہ پانچ ہزار روپیہ یومیہ بند کرا دیا تھا کیونکہ امیر خاں کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے دولت راؤ

بقیہ حاشیہ گذشتہ:- ۱؎ میڑتہ سیٹی کی عالمگیری جامع مسجد کا فارسی کتبہ مورخہ ہجری ۱۲۲۲ھ وکرم سموت ۱۸۶۴ء عیسوی ۱۸۰۷ء مطلع کرتا ہے کہ عالمگیری مسجد کی راجا دھونکل سنگھ (مارواڑ کے راجا) کے حسب الحکم مرمت کی گئی۔۔۔۔ (ایپلیٹ مسلم انسکرپشنز آف راجستھان کتبہ نمبر ۳۵۵ صفحہ ۱۳-۱۱۲) یہ کتبہ ۱۵ اپریل کے بعد کا ہونا چاہیئے۔

سندھیا کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ سنگھوی اندر راج نے امیر خاں
کے سابق وکیل غلامی خاں کے ذریعے امیر خاں سے رابطہ کر رکھا تھا اور اب مان
سنگھ کا خط ہی غلامی خاں نے امیر خاں کے سامنے پیش کیا کہ امیر خاں مجھے مدد کریں
تو میں چار لاکھ روپیہ ماہوار پیش کرونگا اور امیر خاں کا ایک بریگیڈ اپنی
خدمت میں لے لونگا۔ اس کے علاوہ باورچی خانے کے خرچ کے نام سے چار لاکھ
کی جاگیر اور اُس کے خاص سرداروں کے لئے جاگیر اس کے علاوہ ہوگی۔ ضمانت کے
علاوہ مان سنگھ نے اپنے خاندان کے جڑاؤ زیورات بھی ۱۵ جولائی کے ختم ہوتے ہو
اور سرداروں کے بھی بھیجدیئے اور سنگھوی نے ایک لاکھ نقد کا انتظام کر دیا۔
اب مان سنگھ کے سرداروں کو سر اٹھانے کی ہمت ہوئی اور انہوں نے ڈیڈوانہ
پربتسر اور مارو ٹھ وغیرہ پرگنوں سے رقم وصول کرنی شروع کی اور اندر راج
نے کئی راٹھوڑ سرداروں کو اپنی طرف ملانا شروع کیا۔

اسی کے ساتھ سرجے راؤ گھاٹکے نے بھی جگت سنگھ کا ساتھ چھوڑ دیا
کیونکہ اُس کا بگاڑ امباجی سے ہوگیا تھا اور اب وہ امیر خاں سے ملگیا۔ اس
طرح اب قلعہ جودھپور کا محاصرہ سوائی سنگھ، دھونکل سنگھ اور مہاراجہ بیکانیر
کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اسی درمیان میں جین بیپ ٹلسٹ (جان بپٹسٹ)
سندھیا کی طرف سے جودھپور آن پہونچا۔ آیا تو تھا مان سنگھ کی مدد کیلئے
دو ہزار کی کمک لیکر ۳۱ جولائی لیکن اُس کو اپنی طرف ملا کر ماہ اگست میں
سوائی سنگھ نے پھر سے زبردست حملہ قلعہ دو ماہ مہلت کے بعد شروع
کر دیا۔

جنگِ بھاگی اور جے پور پر عیاری

اب سنگھوی اندر راج نے کیا
کام کیا کہ مان سنگھ پر جو دباؤ

پڑھ رہا تھا اُس میں راحت لانے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ جے پور کے ڈھونڈاڑ
علاقے پر حملہ کیا جائے چنانچہ امیر خاں مع سرجے راؤ گھاٹکے جیسے ہی روانہ ہوئے
ویسے ہی سنگھوی، راٹھور سردار میڑتہ سیٹھی ہوتے پشکر پہونچے۔ یہ ان کی
نقل وحرکت مہاراجہ جگت سنگھ کیلئے خطرے کی گھنٹی تھی۔ فی الفور جگت سنگھ نے
اپنے بخشی شیولال کو پچاس ہزاری فوج کے ساتھ امیر خاں کے خلاف روانہ کیا
امیر خاں، چند بار کی نوک جھونک میں شکست کھانے کے بعد بالآخر پھاگی
کی لڑائی (۱۸ اگست) میں شیولال کو شکست فاش دیکر بڑھتا ہوا جے پور کے
قریب جھوٹواڑا تک آگیا اور وہاں سے جگت سنگھ کی راجدھانی پر بمباری
شروع کردی۔ چوبیس گھنٹے کی بمباری کے بعد جگت سنگھ کی بہن کی درخواست
پر ہی، توپ خانے کی کاروائی روک کر امیر خاں کشن گڈھ کی طرف چلا۔ راستے
میں سانبھر کے مقام پر اندر راج نے امیر خاں کے لئے روپیہ کی رقم اور فوجی
دستے دونوں کا انتظام کر رکھا تھا۔!

اب جگت سنگھ مخمصے میں پڑ گئے۔ راجا سیکر نے اُن کا ساتھ چھوڑ ہی دیا
تھا (جون ۱۸۰۷ء / ۱۲۲۲ھ) اور پھاگی کی فیصلہ کن لڑائی کے بعد جے پور تو بڑے
خطرے میں پڑ گیا تھا لہذا ستمبر کے مہینے میں جب محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا تو سوائی
سنگھ بھی دھونکل سنگھ کو لیکر ناگور چلے گئے۔ البتہ جگت سنگھ اور امیر خاں اور اندر راج سے
خطرہ لاحق تھا لہذا جگت سنگھ کے دیوان رائے چند نے ایک لاکھ کی رقم اندر راج
کو دیکر اپنے سوائی مہاراجہ کے سفر کا راستہ محفوظ کیا۔

سوائی سنگھ کے خلاف سازش

سنگھوی اندر راج اور امیر خاں کی فاتحانہ کامیابی پر مان سنگھ
نے سنگھوی کو خلعت کے ساتھ فوج بخشی کا عہدہ عطا کیا اور امیر خاں کو

نواب، اور بھائی، کا خطاب دیکر اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور ناوا کی جاگیر عطا
کی۔ ٹھاکر شیو ناتھ سنگھ (کچامن) کو راؤ راجا بنا کر اکنیہ ا نام کا سکہ ڈھالنے کی
اجازت بخشی (۱۸۰۸ء / ۱۲۲۳ھ) پھر بھی ناگور دھونکل سنگھ اور سوائی سنگھ کے قبضے
ہی میں رہتا آیا کیونکہ ان کے پاس پندرہ ہزار کی فوج تھی مان سنگھ کو یہ بات
کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی لہٰذا جنوری ۱۸۰۸ء میں مان سنگھ نے امیر خاں
کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ اس بات کا کیا کہ دھونکل سنگھ اور اس کے حمایتیوں کو یک
قلم ختم کر دینا چاہیئے اس خدمت کے لئے مان سنگھ نے حسب ذیل وعدہ فرمایا۔ چار
لاکھ پچاس ہزار روپئے بطور فوج خرچ جاگیریں امیر خاں کے بیٹے اور رشتہ
داروں کو۔ اس کے علاوہ یہ کہ امیر خاں کا ایک بریگیڈ مہاراجا کی خدمت میں رکھ
لیا جائیگا جس کے لئے سالانہ خرچ تیرہ لاکھ ادا ہوگا۔ (مارچ ۱۸۰۸ء / ۱۲۲۳ھ)

امیر خاں کا عمل درآمد

امیر خاں نے حیلہ بہانہ یہ مشہور کیا کہ اس کے تعلقات
مان سنگھ کے ساتھ بگڑ چکے ہیں اور پانچ سو سواروں کو لیکر
ناگور کی طرف چل دیا اور اپنے وکیل مرزا حاجی بیگ سے سوائی سنگھ کو کھلوایا کہ دھونکل سنگھ
کو مارواڑ کے تخت پر بٹھایا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ حرکت بھی کی کہ جا بتیس اور
باپو سندھیا کے دلوں میں سوائی سنگھ کے خلاف شک و شبہہ پیدا کر کے ان دونوں کو
اجمیر کی طرف روانہ کر دیا۔ اس طرح امیر خاں اب بلا شرکت غیرے میدان میں اکیلا تھا
سوائی سنگھ کو قول و قرار کر کے ایسا رجھایا کہ سوائی سنگھ نے اس خدمت کیلئے چالیس لاکھ
روپیہ ادا کرنا دو قسطوں میں منظور کر لیا۔ لہٰذا دونوں میں باضابطہ ملاقات ۲۵ مارچ
۱۸۰۸ء / ۱۲۲۳ھ کو پیر تارکین کی درگاہ میں واقع ہوئی جسمیں امیر خاں نے قرآن پر قسم کھائی
پانچ دن کے اندر امیر خاں کے مونڈوا کیمپ میں ۳۰ مارچ کو سوائی سنگھ اور ان کے
تین ساتھی ایک ہزار کے محافظ دستے کے ساتھ امیر خان کی دعوت برائے ضیافت

پر ان کے مہمان ہوئے اور دغابازی کے ساتھ سب کے سب جان سے مارے گئے
ان چاروں راجپوتوں کے سر مان سنگھ کے پاس جودھپور بھیجدیئے گئے
سوائی سنگھ کے مرنے پر مان سنگھ کے اقتدار ریاست کے خلاف چنوتی کا خاتمہ
ہوگیا۔ دھونکل سنگھ کے دیگر پرگنوں پر مان سنگھ کا قبضہ ہو ہی چکا تھا۔ لہٰذا اب
قلعۂ ناگور سے دھونکل سنگھ مدعیٔ تخت کو نکال کر جلدی جلدی بیکانیر کی دستے کے ساتھ
بیکانیر پہونچایا گیا۔ امیر خاں بنفس نفیس داخل قلعہ ناگور ہوئے اور مان سنگھ کا عمل
دخل ۳۱ مارچ کو قائم و دائم ہوگیا۔ پورے ایک سال تک ناگور قلعے پر دھونکل
سنگھ کے نام سے سوائی سنگھ کی حکومت ناگور قلعے اور شہر پر رہی تھی۔ امیر خاں نے
اپنی تلافی مافات کے لئے ایک مسجد پیر تارکین کی درگاہ کے اندر بنوائی جس کے دو عدد
کتبے ایڈٹ ہو چکے ہیں اور کاشف اسرار ثابت ہوئے ہیں۔

یہ دونوں کتبے عبدالغفور خاں امین کی طرف سے سنہ ۱۲۲۳ھ میں یعنی
۱۸۰۸ء کے سال بادشاہ محمد اکبر شاہ ثانی کے عہد میں نواب امیر خاں سے موسوم کرکے
نصب کئے گئے۔ یہ عبدالغفور خاں نواب امیر خاں کے ساڑھو بھائی ہیں جنھوں نے
بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے سازش کرکے ریاست جاورہ (مالوہ ضلع رتلام)
کے پرگنے اپنے نام لکھواکر نواب جاورہ کا لقب اختیار کیا تھا۔ یہ دونوں کتبے ڈاکٹر
اے چغتائی کے زیر ادارت ایپی گرافیا انڈو مسلیمکا ۱۹۴۹-۵۰ء عیسوی میں شائع
ہوئے۔ (ص ۵۱ - ۴۹ کتبات نمبر ۴ - ۲۰) پہلے کتبے میں تعمیر کی تاریخ
۱۱ جمادی الاول ۱۲۲۳ھ مطابق سمت ۱۸۶۴ / ۵ جولائی ۱۸۰۸ء ۱۲۲۲ھ
اور دوسرے میں سلخ ماہ جمادی الاول درج ہوئی ہے (مطابق ۲۱ جولائی) جس
سے قیاس ہوتا ہے کہ تعمیر کا کام جو ۱۱ جمادی الاول کو شروع ہوا غالباً ماہ جمادی الاول
کی آخری تاریخ میں پورا ہوا لہٰذا کتبے کو آغاز تعمیر کا اور دوسرے کتبے کو اتمام تعمیر کا

سمجھنا چاہیئے۔ واللہ اعلم حالانکہ دونوں کتبوں میں "با تمام رسانید" اور "باتمام رسید" کے الفاظ درج ہوئے ہیں۔

فقیر حقیر کاتب السطور کے نزدیک قابل توجہ اندراج پہلے کتبے میں نواب امیر خاں کی شان میں یہ مصرعہ ۱ نمبر ۱ "امیر خاں شہ باوفائے حامی دین" اور دوسرے کتبے میں نمبر ۲ میں یہ مصرعہ "امیر خاں شجاع باوفائے حامی دین" عمل میں آیا ہے اسمیں شک نہیں کہ ۱۸۰۸ء ۱۲۲۳ھ کا سال امیر خاں کے انتہائی عروج کا آغاز ہے اس لئے کسی وفادار شاعر نے امیر خاں کو شہ ء شاہ بنا دیا ہے جو مار واڑ میں امیر خاں کے مکمل اقتدار کی طرف اشارہ ہے۔ علی ہذالقیاس پہلے کتبے میں القاب نواب امیر الدولہ محمد امیر خاں خان بہادر پر دوسرے کتبے میں امیر الامراء کا اضافہ عہد محمد شاہی میں بادشاہ گر سید حسین علی بارہہ کے لقب امیر الامراء کی یاد دلاتی ہے۔ اس طرح یہ مسجد واقع سوائی سنگھ کے بعد چوتھے مہینے میں تعمیر ہوئی یہ تاریخی مسجد شہید کر کے اس کی جگہ پر دوسری جدید مسجد وسیع پیمانے پر تعمیر ہو چکی ہے جسکو ناگور کے ایک شخص مرحوم حاجی مستقیم سیٹھ انصاری نے اپنے ذاتی روپیہ سے تنہا تعمیر کروائی اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو نیک راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے امین مگر تاریخی دونوں کتبے مسجد کی محراب پر آج بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔ اس مسجد کے علاوہ نواب امیر خاں نے اور بھی مسجدیں تعمیر کیں اور قرآن شریف کی نقلیں کرا کر تقسیم کیں اور علماء اور قراء کے ذریعہ ترویج علم دین اور ریاست ٹونک کی نوابی کے زمانے میں محتسب کی تقرری میں معقول حصہ لیا سورت میں حاجیوں کے لئے اور اجمیر دپانی پت کی درگاہوں میں فقراء کیلئے لنگر کھولے اور دلی، رامپور اور ٹونک میں دینی تعلیم کے لئے مالی امداد پہونچائی۔ انگریز سیاح ہیبر نے لکھا ہے کہ (۱۸۲۴-۲۵/۱۲۴۰ھ) کہ وہ امیر خاں

موٹا جھوٹا لباس زیب تن فرماتے ہیں،" مالا جپتے ہیں اور فقراء انکو گھیرے رہتے ہیں"
اس طرح اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے رہتے تھے۔

سوائی سنگھ کے قتل کے بعد امیر خاں تقریباً ایک ماہ تک ناگور میں مقیم رہے اور ناگور قلعے میں قیمتی اشیاء پر قبضہ کر کے کافی مال غنیمت حاصل کیا۔ مزید براں اپنے خرچ کے لئے اہل ناگور سے پندرہ ہزار روپئے روزانہ وصول کرتے رہے ۱۷ مئی ۱۸۰۸ء ۱۲۲۳ھ کو جودھپور پہونچے اور بال سمند میں پڑاؤ ڈالا۔ مہاراجہ مان سنگھ نے امیر خاں کا اچھا سواگت کیا۔ دس لاکھ روپیہ ادا کرنے کے ساتھ مان سنگھ نے امیر خاں اور اُن کے متعلقین کو کئی جاگیریں دیں۔ پدمجا شرما اپنے تحقیقی مقالے میں رقم طراز ہیں کہ مان سنگھ نے امیر خاں کو قلعے میں ٹھہرایا اور نواب کے ذاتی خرچ کے لئے پربت سر، مارو ٹھ ڈیڈوانہ، سانبھر، ناوا وغیرہ کے پرگنے دیئے۔ مان سنگھ نے امیر خاں کی مدد سے اس وقت اپنا مقصد پورا تو کرلیا لیکن انجانے میں امیر خان کو اپنے دربار میں نہایت طاقت ور بنا دیا۔ جو کہ مارواڑ اور اُس کے حکمراں کے لئے مہلک ثابت ہوا۔
اس کے آگے اگلے دس سال تک امیر خاں کا اثر و اقتدار مارواڑ پر قائم رہا۔ بلکہ بڑھتا ہی رہا اور ۱۸۱۴ء ۱۲۳۰ھ میں امیر خان پٹھانوں کے ذریعے سنگھوی اندر راج (دیوان) اور آئس دیو ناتھ (ناتھ پنتھی گرو) دونوں کا قتل قلعہ جودھپور کے اندر واقع ہوا ہماری حدِّ نظر سے باہر ہے۔

خلاصہ

ناگور فخر مارواڑ

آخر میں یہ فقیر حقیر تارک ناگوری عرض کرنا چاہتا ہے کہ مارواڑ کے اندر ناگور خطّے کو مقام فخر حاصل ہے بدیں وجہ کہ ناگور قلعے کی قدامت اُس وقت کی یاد دلاتی ہے جب پاٹلی پتر کے گپت

سمراٹوں کے عصر میں ناگ قوم کے آدی باسیوں (قدیم باشندوں) یعنی ملک بھارت درش کے ان پراچین باشندوں نے اس مقام کو اپنی سکونت کے لئے چنا اور اپنی حفاظت کے لئے گڑھی بنا کر یا بیرونی دفصیل بندی کر کے رہنے لگے۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہیکہ ناگوں کے نام پر آج بھی اس قلعے، بستی، پرگنے یا تحصیل بلکہ پورے ضلع کو ناگور ہی بولتے ہیں۔ دوسری خوش گوار بات ناگ قوم کے بارے میں جو منکشف ہوئی وہ یہ ہے کہ اس علاقے ناگور کے باشندوں ہندو، جین اور مسلم تینوں میں ناگوں کے نمایندے پائے گئے اور جو عہد قدیم، اور عہد وسطیٰ کی تواریخ میں اپنی اپنی چھاپ چھوڑ گئے۔ ہندوؤں میں ناگ ونشی جن کا شمار راجپوتوں میں ہوا۔

جینیوں میں ناگور یا جین جو راجپوت ہندوؤں میں سے کٹ کر جین بنے اور مسلمانوں میں ٹک راجپوت جنھوں نے خان زادوں کے نام سے ڈیڑھ سو سالوں تک ناگور میں حکومت کی اور مساجد، تالاب، مدرسے، اور محلات کے علاوہ مقابر اپنی یادگاریں چھوڑ گئے۔

سندھی عربوں اور غزنوی ترکوں سے مقابلہ

ناگور کی دوسری خصوصیت فقیر حقیر کی نظر میں یہ ہے کہ ناگ ونشیوں کی ناگور یا سرزمین میں ہی بیٹھ کر چوہانوں جیسی عالی مرتبت اور نام ور راجپوت قوم نے صدیوں تک ترک حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ قرائنی شہادت بکثرت طور پر موجود ہے کہ ناگور اور سانبھر کے صدر مقامات ہی سے چوہان راجگان سپادلکش (سوالکھ) پر حکومت کرتے تھے۔ میرا قیاس ہے کہ سانبھر یا چوہان، کی عرفیت جو ان حکمرانوں کو حاصل ہوئی اور جس پر آج بھی اُن کو شاکمبھری دیوی کی پوجا کی وجہ سے فخر ہے۔ یہ دیوی ناگ ونشیوں کی دیوی ہو سکتی ہے جس کا کوئی تعلق آریوں کی معبودہ سے نہیں ہے جیسا کہ دشرتھ

شرما کی تحقیق سے عیاں ہے۔

اگر کوئی سانبھر سے اونٹ کی سواری پر ناگور کے پرگنے میں آئے تو مسلسل بغیر ٹھہرے ۶۵ پینسٹھ میل کا سفر جایل و بھدانا تک صبح سے شام تک میں پورا ہو جائیگا ایسا ہی ایک سفر باپ کی ہمت افزائی پر، شاکنبھری کے چوہان راجہ، دولا راؤ کے چھوٹے بھائی مانک راؤ عرف سامنت دیو نے کیا تھا۔ اور والد کے کہنے پر جایل اور بھدانا دونوں مواضعات میں گڑھیاں بنائی تھیں۔ اس علاقے کا مذکور مؤرخ نینسی نے ناگور جو اسی کتاب کے نام سے کیا ہے جو کنور مانک راؤ نے سانبھر کے راجا سے حاصل کی اور بڑے بھائی دولا راؤ کی وفات کے بعد سانبھر کا راجا ہوا۔ اسی سامنت دیو (مانک) کو والد نے کھیچی، کا گھریلو نام عطا کیا تھا کیونکہ اُس نے آدی واسی (قدیم باشندے) گوار نام کے خانہ بدوشوں کے ہاتھ سے بھوک مٹانے کیلئے باجرے کی کھیچ کھائی تھی۔

چوہانوں کا اصلی وطن پانچال جن پد (اتر پردیش) کے ضلع بریلی کو مان کر اجمیر کے دونوں وِدوانوں ہربلاس سارد ا اور گوری شنکر اوجھا نے تسلیم کیا ہے کہ اپنے علاقے اور شہر دونوں کے نام سپادلکش (سوالکھ) اور اہی چھتر پور سے لیکر چلے اور مرکزی راجستھان میں آکر اسکا نام سپادلکش رکھا اور ناگپور یا ناگور کی گڑھی کو اہی چھتر پور کہا۔

میرا قیاس ہیکہ چوہان راجہ تو برا جتے تھے سانبھر اور جایل وال کھیچی ناگور قلعے کی حفاظت، اور بھدانیا کھیچی اُتر پچھم سرحد کی حفاظت کرتے تھے۔

جب ترائن کی دوسری لڑائی (۱۱۹۲ء ۵۸۹ھ) کے بعد محمد بن سام (شہاب الدین غوری) کی حکومت اجمیر سے لیکر ناگور تک قائم ہو گئی تو یہی علاقہ گویا اسوقت چوہانوں کا خالصہ یا کوٹھار کا علاقہ رہ چکا تھا جسکی وسعت کتاب طبقاتِ ناصری میں سوالکھ کے نام سے بتائی گئی ہے۔ یعنی ترکوں کے سوالکھ کے تحت ہانسی اور سرستی کے علاوہ

منڈور (جودھپور) تک اجمیر کے حاکم کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ اس پورے علاقے کا صدر مقام ناگور ہی تھا جو کبھی خود مختار رہوتا اور بعض اوقات اجمیر کی ماتحتی قبول کرتا تھا لیکن عرفِ عام میں ناگور سے سانبھر تک کا خطہ ہی ٹھیٹ سوالکھ تھا جو مارواڑ کے لئے قابل فخر بات ہے۔ شاید اسی وجہ سے راؤ مال دیو راٹھوڑ (سولہویں صدی) کی نظر ناگور پر قبضہ کرنے کے لئے لگی رہتی تھی۔

مانک راؤ (سامنت دیو) کے فرزند اجے راؤ نے پنجاب جاکر اپنا کیھج پور پٹن الگ بسایا لیکن سندھ کے عرب حکمرانوں کے دباؤ کے مارے چھٹی پیڑھی میں جودھ راؤ کیھی پنجاب سے آکر اپنے اصلی وطن جایل میں سکونت پذیر ہوا اور اُس کا خاندان جایل وال کیھی کے نام سے موسوم ہوا۔ اُس کا چھوٹا بھائی راؤ تنگ سی بھدانا میں رہا اور اُسکی اولاد بھدانیا کیھی کہلائی۔ یہ زمانہ سنہ عیسوی کی نویں صدی کے وسط کا قیاس کیا گیا ہے۔ ابھی تک چوہانوں، سندھ کے عربوں سے نپٹتے رہے تھے۔ مگر ایک صدی بھی گذرنے نہیں پائی کہ ایران کے سامانی خاندان کے غلام الپ تگین اور الپ تگین کے غلام سبک تگین نے گجنی (غزنی) کی حکومت میں قدم جماکر پنجاب میں اپنی فوجی نقل و حرکت شروع کی تو سپادلکش یعنی ناگور سے راجا جے پال اور راسند پال کی اتحادی کاروائیوں میں سبک تگین اور اس کے جانشین امیر محمود کے خلاف کمک بھیجی جاتی رہی امیر محمود کے ایک حملے میں، جواب سلطان محمود تھا۔ سانبھر یا چوہان گووند راج دوئم نے (سنہ ۱۰۱۲-۲۶ء / ۴۱۳-۱۷ھ) سپادلکش میں ایسی سخت ناکہ بندی کی کہ محمود کو راستہ بدل کر سندھ ہو کر غزنی کو لوٹنا پڑا محمود غزنی کی وفات کے بعد سلطان مسعود (۱۰۹۸-۱۱۱۵ء) (۴۹۲-۵۰۹ھ) کی حملہ آور فوج سے ناگور کے چوہان لوہا لیتے رہے یہانتک کہ اجے راج دوئم (سنہ ۱۱۱۰-۳۵ء / ۵۰۴-۳۰ھ) کے عہد میں سلطان بہرام شاہ غزنوی سنہ (۱۱۱۷-۵۸ء / ۵۱۱-۵۳ھ) کا

دباؤ اس قدر بڑھا کر اجے راج نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنی حکومت کے آغاز ہی میں اجے میرو (اجمیر) کے شہر کی بنیاد رکھدی ۱۱۲۱ھ میں بہرام شاہ کے باغی گورنر لاہور محمد باہلیم نے کس طرح ناگور پر قبضہ کر لیا، اتہاس اس پر خاموش ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ باہلیم کے ناگور پر قبضے کا تعلق جایل والوں کے نقل وطن سے ضرور ہے۔ باہلیم نے ناگور قلعے میں حفاظتی تدبیر عمل میں لاکر اپنی فوج، متعلقین اور خزانہ لاکر علاقہ سوالکھ میں تاخت و تاراج شروع کر دی، تو اجے راج چوہان اپنی نئی راجدھانی اجمیر میں چلے گئے۔

یہ تھا زمانہ چار صدیوں کا جب کہ چوہانوں کا مرکز سوالکھ (ناگور) رہا بدلے ہوئے حالات میں اب جایل وال کھیچیوں نے پنجاب کے بعد مالوہ (گوڑھ) کی طرف ترک وطن کی شروعات کر دی۔ بارھویں صدی کے اواخر میں جب اجمیر کے چوہانی راج کا خاتمہ ہو گیا۔ تو جایل، بھدرانا کے کھیچیوں کا بہترین زمانہ بھی رخصت ہوا البتہ بھدرانیا کھیچیوں کی نقل و حرکت کی جھلک ایک کبت اور کھیات سے منکشف ہوتی ہے جسکو دینسی نے نقل کیا ہے کہ گیندا کھیچی اور اس کے بیٹے مہنگ راؤ نے کس طرح چوہان سامراجیہ کے زمانے میں یعنی صدی کے نصف دوئم میں جے سلمیر کے بھاٹیوں کے خلاف پچھمی سرحد کی حفاظت کی۔ [1] ان کھیچیوں نے کچھ یادگاریں بھی ناگور میں چھوڑی ہیں جن میں ڈدو کا نام آج بھی زندہ و جاوید ہے ایک ناگور کا گینانی تالاب جس کو کھدوانے والے

---

[1] ناگور کے کھیچی چوہانوں کے کارہائے نمایاں کے لئے ملاحظہ ہو دوسرے کھیچی چوہان ہسٹری۔ ص ۲۵-۲۳-۲۴-۱۱-۸-۳-ڈدو دریوا کے کھیچی حکمران گوگا دیو کے لئے دیکھئے اسی کے صفحہ ۱۲ اپر۔ جس نے حملہ آور سلطان مودود غزنوی کے جنرل کو گایوں کو چھڑانے کی حالت میں مارا اور خود بھی مقتول ہو کر لوگ دیوتا بنا (سنہ ۱۰۴۲-۱۰۲۱ء ۴۳۲-۳۴ھ)

کا نام راؤ کھیچی گالن بعد انیا بتلایا جاتا ہے۔ دوسری یادگار کھیچیوں کی دھرم شالا ہے جسکی جائے وقوع ٹھیٹھ چاندنی چوک کے اتر پورب گوشے پر ہے جہاں اب دوکانیں بن گئی ہیں۔ ایک تیسری یادگار اٹھارہویں صدی کے اواخر کی ہے۔ جو جایل وال کھیچیوں کے قدیم وطن جایل (تحصیل جایل) میں کھیچی کا محل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حویلی مہاراجہ بجے سنگھ نے اپنے مصاحب اعلیٰ گوردھن کھیچی کیلئے بنوائی تھی۔ جو اٹھارہویں صدی کے مارواڑی فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔

ناگور میں نربلی اور صوفیوں کی آمد

گیارہویں صدی کے اواخر میں حضرت شیخ حمید الدین ریحانی کی آمد ناگور مشہور و معروف ہے۔ مگر وہ اکثر جینی جمیتوں کے بھیس میں جین سماج میں گھل مل کر رہے۔ اور طویل عمر کا زیادہ حصہ ناگور کے اوسوالوں کے بیچ میں گذار دیا یہاں تک کہ جینیوں نے سمجھ لیا کہ وہ ہندو ہو گئے ہیں۔ اس طرح سب سے پہلے ان صوفی بزرگ نے ہندوؤں میں نہیں تو کم از کم جینیوں میں اس غلط فہمی کو دور کیا کہ مسلمان ہندو مخالف ہوتے ہیں۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ ابراہیم غزنوی کے عہد حکومت (۹۸-۱۰۵۹ء م ۹۲-۴۵۱ھ) میں ترکوں اور چوہانوں کے درمیان بڑی معرکہ آرائی ہوئی اور درلبھ رائے چوہان III سوم (۱۰۶۵ء م ۴۵۸ھ) میں غزنوی فوج سے لڑتے لڑتے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ اسی سلطان ابراہیم کے زمانے میں تین وفد اجمیر، کھاٹو اور ڈیڈوانہ آئے کہ یہ دیکھا جائے کہ سوالکھ میں مسلمانوں کی نربلی کیوں ہوتی ہے۔ یہ مسلمان، نربلی کے شکار دراصل ان نیچ طبقے کے اچھوت ہوتے تھے جنکو ستم پول (استمبھ پول) میں رات کو نظر بند رکھکر دوسرے دن بھیروں کے قدموں پر قتل کیا جاتا تھا۔ اسکی شکایت ناگور سے غزنی اور غزنی سے بغداد پہونچی ہو گی مگر اسکا انسداد کیسے کیا جائے۔؟ راجدھانی

سانبھر سے اجمیر تبدیل ہونے کے بعد وگرہ راج IV چہارم عرف بیسل دیو ا (۱۱۵۰-۶۴ء / ۵۴۵-۶۰ھ) کی حکومت کے آخری سال میں اچانک شیخ محمد عطاء یعنی حمیدالدین ناگوری صدیقی سہروردی فقیر حقیر کاتب الحروف کے نانا کی آمد ناگور پیران بزرگ کے روحانی اثر سے اس کی روک تھام ہوئی۔ محمد بن عطاء حمیدالدین ناگوری تو اس کے کے بعد اپنی تعمیر کردہ مسجد چھوڑ کر واپس چلے گئے اور پھر پلٹے تو سوالک میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اور بعہد سلطان محمد بن سام ناگور کے قاضی بنائے گئے پھر بھی اُن کا جی ناگور میں نہ لگا۔ تین سال تک قاضی کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ناگور چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اب محمد بن عطاء قاضی حمیدالدین ناگوری کہلانے لگے تھے سلطان محمد بن سام اور قطب الدین ایبک کے عہد حکومت کے اختتام پر جب التمش سلطان شمس الدین کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھا تو قاضی حمیدالدین ناگوری صدیقی کی پھر واپسی ہوئی اب وہ عالم تو تھے ہی مگر فقیہہ کی زندگی ترک کر کے اب وہ صوفی باصفا اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بغدادی کے خلیفہ ہو کر لوٹے۔ اپنی اس تیسری آمد کے زمانے میں اُنہوں نے روحل گاؤں آباد کیا جو شمس الدین التمش سے اُن کو جاگیر میں مل گیا اب اُنہوں نے سہروردی سلسلے کی ترویج شروع کی اور خاص بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ وہ اہل کسب میں سے مرید و خلیفہ بناتے تھے اور وہ بھی گنتی کے چند۔ یعنی ہندوستان کی پیشہ ور قوموں سے ہونہار صوفی چنتے تھے! ایسے تین سے پانچ تک مرید اُن کے بدایوں اور دلّی میں تھے جن کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں۔

سلطان التمش کے بچپن کے زمانۂ بغداد سے دونوں آپس میں مانوس تھے اب ۱۲۲۴ء م ۶۲۱ھ میں اوش اور بغداد کے اُن کے پرانے دوست خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفہ ملتان ہوتے ہوئے دلّی پہونچے تو قاضی حمیدالدین

سہروردی صدیقی ناگوری کی ان نووارد خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے ساتھ قریبی رفاقت کی زندگی کا آغاز ہوا اور سہروردی سلسلے کا کام اپنے بیٹے ناصح الدین (دلی) اور شیخ ظہیر الدین (ناگور) کو سپرد کر کے ہمہ تن ترویج سماع یعنی قوالی کی مہم میں جٹ گئے۔ قاضی حمید الدین رح اور خواجہ قطب الدین رح دونوں ایک جان دو قالب ہو گئے قوالی ہی قطب صاحب کی وفات کا بہانہ بنی۔ اُن کے نہ رہنے کے بعد کے چند سال میں قاضی صاحب کا کارنامہ مفتی اور صدر الصدور کے مقابلے میں اہل سماع کی کامیابی اُن اصول وعمل کی بدولت ہوئی جن کو قاضی حمید الدین رح نے انتہائی بلندی پر پہونچا دیا تھا۔ بالآخر قاضی صاحب کی رحلت کے بعد یہ تثلیث یعنی خواجہ معین الدین چشتی رح قاضی حمید الدین رح ناگوری اور خواجہ قطب الدین اوشی رح کی شخصیتیں برابر شمالی ہند سے لیکر دکھن تک حاوی رہیں اجمیر اور دلی سے قبل اور بعد روحانی ناگور کا خاص تعلق قاضی حمید الدین رح سے بنا رہا۔ جس پر ناگور کو بجا طور پر فخر ہے۔

قاضی حمید الدین سہروردی صدیقی ناگوری رح کا رویہ تو دیکھئے کہ قلندروں کو کچھ نہ دیتے تھے مگر ہندوستان کی پیشہ ور اچھوت قوموں کے نمایندوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ سرپرستی کا تھا۔ عالم شریعت ایسے زبردست کہ کوئی حریف اُن کو نیچا نہ دکھا سکا اور عالم طریقت اس پائے کے کہ اُن کی پیچھے صوفیانہ لٹریچر کی قدر آج بیرون ہند کے ملکوں میں کی جا رہی ہے۔ ایسے علمی روحانی شخصیت ناگور سے منسوب ہو ہمارے لئے نیک نامی کا باعث ہے۔ یقیناً علمی اعتبار سے، علم ظاہر ہو یا علم باطن، قاضی حمید الدین ناگوری رح کی بدولت ناگور کا پلہ اجمیر، دلی اجودھن، گلبرگہ، انہل واڑہ پٹن۔ سب پر بھاری ہے۔ بے شک قاضی حمید الدین شریعت اور طریقت کے توازن علمی کے لئے ممتاز ہیں اور ہمارے لئے سرمایۂ امتیاز آخر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف کا ذکر کر دیا جائے جو قاضی

صاحب بغداد سے لیکر آئے اور جو آج بھی دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

قاضی حمید الدین ناگوری کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے تھا۔ اُن کے بعد تصوف کی نمائندگی ناگور کے اندر کرنے والے صوفی حمید الدین چشتی فاروقی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے ذریعہ سلسلۂ چشتیہ کی ترویج علاقۂ سوالکھ مارواڑ میں ہوئی۔ پہلا امتیاز جو صوفی حمید الدین رح کو فنِ تصوف کی دنیا میں حاصل رہا وہ یہ ہے کہ ناگور تشریف لانے سے قبل ہی سلطان التارکین بن کر آئے تھے اور تارکین صاحب کے لقب سے ہی آج بھی جانے جاتے ہیں حسن اتفاق ہے کہ فوائد الفواد، ملفوظ حضرت نظام الدین اولیاء کے متوازی حضرت ناگوری رح کے ملفوظات کیلئے سرور الصدور کا میں مرہون منت ہوں۔ اس کو بھی ہندوستانی تصوف کے تحت ناگور کی خصوصیات سمجھتا ہوں۔ ترک لذات یا ترک حیوانات میں آپ کو ترک لحم کی خصوصیت حاصل تھی اور جانوروں کے ساتھ رحم دلی خواہ گائے جیسے چوپائے ہوں یا چیونٹی جیسے کرمک، آپکا شیوہ تھا حضرت خواجہ غریب نواز کی سن رسیدگی میں اجمیر میں رہ کر شریعت و طریقت کی تعلیم و تربیت سے بہرہ مند ہو کر جس نے خواجۂ بزرگ کی امامت نماز کے فرائض انجام دیے ہوں، اور جس کی ذہانت پیر و مرشد کو کماحقہٗ منکشف ہوئی ہو ایسے تربیت یافتہ خلیفہ کو ناگور کی سنگلاخ سرزمین میں بھیجا گیا یہ اہم بات ہے۔

دوسری خصوصیت جو صوفی خاندان میں تارکین صاحب کے پوتے اور جانشین شیخ فرید الدین چاکپراں کے عمر کے اواخر میں، ظہور پذیر ہوئی وہ یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق جیسا جابر جسکا شمار جید اہل علم میں ہوتا تھا۔ حضرت چاکپراں کے پوتے فتح اللہ کے ساتھ اپنی شہزادی بی بی راستی کا رشتہ ازدواجی کرنے میں کامیاب ہوا۔ سلطان ہی کی سرپرستی میں صوفی حمید الدین جد اعلیٰ کے قبرستان میں رونق افزا

عمارت بنی یعنی بلند دروازہ، جو چودھویں صدی کے تغلقیہ فنِ تعمیر کے انوکھے نمونے کی حیثیت سے آج بھی محفوظ حالت میں ہے۔ اور فنِ تعمیر کے ماہروں کیلئے کشش کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

یہ دونوں بزرگ یعنی صوفی حمید الدین اور فرید الدین چاکپرّاں رح اپنے اپنے مقام پر علوم شریعت و طریقت کی علم برداری کے ذریعے حضرت اعلم العلماء قاضی حمید الدین سہروردی رح کی روایات کو برقرار رکھا حضرت صوفی حمید الدین چشتی فاروقی نے فریضۂ حج بھی ادا کیا جبکہ حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ ہمارے بزرگوں میں کسی نے حج نہیں کیا۔ پندرہویں صدی میں شیخ کبیر الدین ناگوری رح نے احمد آباد میں اور اُن کے شاگرد رشید مخدوم حسین ناگوری رح اور اُن کے بھی چہیتے شاگرد حضرت شیخ احمد مجد ناگوری رح نے علم شریعت کا دامن نہیں چھوڑا کیونکہ بغیر شریعت کے طریقت پھلتی پھولتی نہیں ہے۔

سلسلۂ مغربیہ کھاٹو میں

حضرت شیخ فرید الدین چاکپرّاں کے بعد کشش کا مرکز ناگور خاص سے منتقل ہو کر کھاٹو پہونچتا ہے جہاں منہ بولے باپ مغربی شاہ اور اُن کے لے پالک شیخ احمد، مغربی سلسلے کے تحت تصوّف کا نظام نصف صدی تک چلاتے ہیں۔ یعنی تقریباً صدی نصف سے اواخر صدی (چودھویں) تک حتّیٰ کہ مؤخر الذکر نے حج کے بعد احمد آباد کے قریب سرکھیج کو اپنا مستقر قرار دیا جہاں وہ آسودۂ خاک ہیں۔ اگلے پچاس سالوں تک شیخ احمد کھٹوی کی علمیت اور روحانیت سے اہلِ گجرات سلطان سے لیکر عوام تک سب نے استفادہ کیا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تیرہویں اور چودھویں صدیوں میں دو سو سال تک خطۂ ناگور میں صوفیت چھائی رہی جس کا بچا کھچا اثر پندرہویں صدی میں بھی نظر

قریب تھا جبکہ شیخ مبارک ناگوری کے عنوان شباب میں اس ہونہار طالب علم کا واسطہ اچھے اچھے اہل علم سرپرست بزرگوں سے رہا تھا۔ اسی پندرہویں صدی میں حضرت شیخ سلیمان سہروردی نبیرۂ قاضی حمید الدین ناگوری با اثر شخصیت ناگور شہر میں کارفرما تھی جنھوں نے جینیوں کا اُپاسرا سرکاری تحویل سے چھڑا کر اصلی مالک کے سپرد کر دیا اور اپنے بزرگ قاضی حمید الدین ناگوری رح کے مدرسے کو ناگور میں نہ صرف چلاتے رہے بلکہ مزار قاضی حمید الدین ناگوری بزرگ میں انکی صحیح تاریخ وفات کندہ کرا کر اُن کے معتقدوں اور اہل علم پر احسان کیا۔ یہاں پر چونکہ جین اُپاسرے کا ذکر آ گیا لہذا میرے لئے یہ لکھنا ضروری ہو گیا کہ ترکی عہد حکومت کے پچھلے دو سو برسوں سے مسلمانوں اور جینیوں (اوسوال) کے تعلقات ناگور شہر میں نہایت خوشگوار چلے آتے تھے۔ جین منی اور جتی کھرتر گچھ والے گجرات سے دلی کے سفر پر جاتے ہوئے ناگور قیام فرماتے تھے۔ ناگور میں جینیوں کو دلی حکومت سے سنگھ (جماعت) لگانے کیلئے پروانہ راہداری ملتا تھا اور ناگور میں جینیوں کے مندر۔ اپاسرے اور پوسال کے علاوہ پستک بھنڈار (ذخیرۂ کتب) قائم کرتے تھے یہ سلسلہ خانزادگان کے عہد حکومت ہی تک نہیں بلکہ اُن کے بعد تک چلتا رہا خانزادہ فیروز خان II دوم کے ہم عصر جین کوی نے سنسکرت بھاشا میں حکمراں کی۔ پرشستی کتاب لکھی جس کے آدھار کو لیکر بیسویں صدی میں ڈاکٹر دشرتھ شرما نے خانزادہ خاندان پر مقالہ لکھکر چھپوایا۔ افسوس ہیکہ ان صدیوں میں ہندو سماج کی نقل و حرکت کا سراغ نہیں ملتا جسکو لکھنے سے میں قاصر رہا۔ لہذا اب خانزادگان کے عہد حکومت کی چند نمایاں باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔

خانزادگان

پوری تیرھویں صدی اور چودھویں میں دو سال تک ترکی حکومت کا صدر مقام دلی رہا اور سلطان محمد تغلق کو چھوڑ کر یا

سلطان فیروز تغلق کو مستثنیٰ کرکے جو مغربی شاہ بابو اسحاق رکھٹوی کا اچھا معتقد تھا کسی سلطان نے براہ راست خطۂ ناگور کے ساتھ اپنی توجہ مبذول نہیں فرمائی تھی الا یہ کہ دریا خاں عرف ظفر خاں کو جب ۱۳۷۹ء/۷۸۱ھ میں گجرات کا حاکم بناکر بھیجا گیا تو چند سالوں تک ناگور اور جالور کو ایک ساتھ شامل کرکے ایک خطۂ ناگور اور جالور کے نام سے گجرات میں شامل کر دیا گیا۔ اس سے پہلے ناگور کی حکومت کبھی تو اجمیر حاکم کے تحت اور کبھی کبھی خود مختار بھی رہی اور ناگور کے حاکم دار السلطنت سے بھیجے جاتے رہے جن کا ذکر کتبات کی روشنی میں یہ فقیر حقیر کر چکا ہے۔ ایک موقع پر فیروز تغلق کے عہد حکومت میں حصار فیروزہ کا اقطاع (قطعہ) قائم ہوا تو لاڈنوں کو ناگور خطے سے کاٹ کر حصار کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان دو صدیوں میں خطۂ ناگور کو وہ خود مختار حیثیت حاصل نہیں ہوئی جو عہد چوہان میں شروع سے لیکر (ساتویں صدی) بارہویں صدی کے آغاز تک حاصل تھی۔

امیر تیمور کے حملۂ دلی کے پہلے ہی سے ناگور کا الحاق مع جالور انہل واڑا پٹن سے ہو چکا تھا۔ اب جب کہ ظفر خاں الملقب بہ مظفر شاہ کو اپنے ناخلف بیٹے تاتار خاں کے ظلم و زیادتی سے نجات ملی تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی شمس خان دندانی کو ناگور کا با اختیار حکمراں بناکر بھیجدیا یہ ۱۴۰۴ء/۸۰۶ھ کا واقعہ ہے گویا کہ تین سو سال کے وقفے کی مدت کے بعد ناگور کی قسمت جاگی اور شمس خان نے ناگور میں شمس تالاب کندہ یا کھدوا کر اسی کے متصل شمسی جامع مسجد تعمیر کرکے ناگور کو راج دھانی کی حیثیت دی۔ ناگور قلعے کے اندر خانزادوں کی رہائشی تعمیرات کے تو صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں البتہ شمسی جامع مسجد کے متصل ہی خانزادہ خاندان کے آخری خوابگاہ (مرقد) محفوظ ہیں۔ اسکے علاوہ فیروز خان اول

خان خانزادہ کے برادر خورد بائی کی تعمیرات ڈیڈوانہ اور اطراف میں شکستہ حالت میں محفوظ ہیں۔ خصوصاً نرایہ کی عمارات جن پر ڈاکٹر مہرداد شکوہی لندن ماہر فن نے اپنی کتاب تاریخ ناگور میں خاص طور پر توجہ فرمائی ہے۔

خانزادہ حکومت کا ڈیڑھ سو سال کا زمانہ بڑی کش مکش اور افراتفری کا زمانہ تھا جو دلّی کی سلطنت کے زوال اور مغلوں کے کمال کا درمیانی طول و طویل وقفہ ہے۔ جب کہ مالوہ گجرات اور چتوڑ اور دوسری جانب دلّی آگرہ۔ میوات اور فتحپور جھنجھنوں کے بیچ میں خان زادوں کی قلم رو ناگور واقع تھی۔ لہٰذا آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ یا حادثہ پیش آتا ہی تھا اور جب میڑتہ سیٹی میں راٹھوڑوں کا تسلط ہو گیا تو اواخر عہد میں خانزادوں کی جھڑپیں اُن کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں اور بالآخر راٹھوڑ مال دیو کے ہاتھوں خانزادہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۵۴۰ء میں
۹۴۷ھ

خانزادوں کے حالات پر کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے جس سے اُن کی حکومت پر تبصرہ یا تنقید کی جا سکے۔ حضرات صوفیائے ناگور کے ساتھ اُن کے تعلقات کیسے رہے۔ اسکی تفصیل بھی معلوم نہیں ہو سکی۔ لہٰذا خانزادوں کے تمام تر حالات فارسی کتبات کے مرہون منت ہیں۔

عہد اکبری میں ناگور شیر شاہی زمانے کے بعد عہد اکبری میں جب مغلوں نے راجستان پر توجہ مبذول فرمائی تو حسب سابق کبھی ناگور اجمیر کے تحت ایک سرکار کی حیثیت سے رہا جو نام شیر شاہ سوری کی عمل داری میں رائج ہوا تھا جب کہ ناگور کی شمولیت جودھپور کے ساتھ تھی۔ ناگور کی اہمیت عہد اکبری میں اس لئے بڑھ گئی کہ نوجوان حوصلہ مند اکبر بادشاہ کی نظر مغربی ہندوستان کے کیا بلکہ پورے ہندوستان کے سب سے زیادہ مال دار اور سب سے زیادہ آمدنی والے ملک گجرات پر لگی ہوئی تھی، اور آگرہ سے احمد آباد جانے کا راستہ ناگور ہو کر گذرتا

تھا۔ لہٰذا نہایت تجربہ کار، وفادار، اور قابلِ اعتماد حاکم ناگور بھیجے جاتے تھے۔
اس کے علاوہ بادشاہ اکبر اُن دِنوں صوفیوں خصوصًا چشتیہ بزرگوں کا معتقد تھا
اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اُس کی آمد اجمیر کی ہوا کرتی تھی۔ اجمیر سے ناگور آنے پر
بادشاہ اکبر کے دو مقصد حل ہوتے تھے۔ ایک یہ کہ مرکزی راجستھان کے شہر ناگور میں زیارت
کے علاوہ خاص الخواص راجپوت رئیسوں۔ بیکانیر اور جودھپور کے راٹھوڑوں اور آمیر
کے کچھواہوں سے باضابطہ ملاقات ہونے میں آسانی تھی۔ جن سے رشتۂ ازدواجی کرنا
اکبر کی سیاسی حکمتِ عملی کا خاص جُز تھا۔ دوسرے یہ کہ بادشاہت کی اُتر پچھمی سرحد کا
ناگور ہی صدر مقام اور خالصے کی سرکار تھی۔ جہاں سے گجرات کے لئے فوجیں آراستہ
کر کے اکبر خود اپنی نگرانی میں بھیجتا تھا۔ ایسی حالت میں مارواڑ کی راجدھانی جودھپور
کے ساتھ ناگور کی اہمیت مدِّنظر تھی۔

حسین قلی خان نے موقع محل پہچان کر شاید ناگور میں اکبری جامع مسجد کی تعمیر
کی ہو البتہ ایک مصلحت سے شیخ مبارک ناگوری کے فرزندوں نے اپنے والد کے وطن
ناگور کے بارے میں اکبر کو پردے میں رکھا کیونکہ فیضی اور ابوالفضل (مصاحب خاص اور
وزیر و خلیفہ دینِ الٰہی) شیخ خضر کے لونڈی بچے کی اولاد تھے۔ شاید اسی لئے ابوالفضل
نے اکبر نامہ میں جہاں اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں۔ وہاں اپنے ددھیال ناگور کا تذکرہ کالعدم
کر دیا ہے۔ اس نے اپنی کسی بھی تصنیفات میں یہ نہیں لکھا کہ ہم ناگور میں پیدا ہوئے
لیکن اسکا زندہ اور جاوید ایک ثبوت موجود ہے کہ شرف الدین حسین ابن محمد قاسم
نبیرۂ ابوالفضل کا مزار درگاہ صوفی حمید الدین میں محمد باقر ابن محمد امین نبیرۂ مولانا حمید الدین
کوہی (خوہی) کے نزدیک سنگ مرمر کا پختہ مزار جس پر کتبہ بھی سرہانے موجود ہے۔
کیا اسی لاش کو آگرہ سے لاکر درگاہ صوفی صاحب میں دفنایا تھا؟۔ کیونکہ ابوالفضل
اور اس کے خاندانی نسب پر علمائے حاسدین نے طعن کیا تھا اور اُس کے والد کی

عدم نجابت کی بات بادشاہ اکبر کے کانوں تک پہونچی تو ایک موقع پر اجمیر کے سفر میں اکبر درگاہ اجمیر کے متولی اور سجادہ خواجہ حسین اجمیری سے سوال کر بیٹھا کہ کیا آپکی والدہ ابو الفضل کی خالہ ہیں؟ اس سوال کے جواب میں خواجہ حسین کے لئے بڑی نزاکت کا سامنا تھا لہٰذا انہوں نے صرف یہ جواب دیا کہ "کل مومن اخوۃ" (کل مسلمان آپس میں بھائی ہیں) بادشاہ نے مکرر سوال کیا پھر بھی خواجہ سے یہی جواب ملا۔ یہ واقعہ ابو الفضل کے لئے بڑی سبکی کا تھا لہٰذا اس نے خواجہ حسین کے خلاف اپنے اقتدار و اعتبار شاہی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اتنا ستایا کہ مدت تیئیس ۲۳ سال تک بیرون ملک میں جلاوطن اور بھکر (سندھ) کے قلعے میں نظر بند رہ کر ہی چھوٹے مگر بادشاہ کو سجدہ نہ کرنا تھا نہ کیا نہ ہی ابو الفضل کو خالہ زاد مانا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار (پارہ ۲۸ رکوع ۳۔ آیت ۲)

ترجمہ تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

تعارف امیر خان

امام بر سر مطلب میرا مضمون تو ناگور کی تواریخ ہے۔ امیر خان کا تعارف اس قدر کافی ہوگا کہ روہیل کھنڈ کے افغان امیر خاں نے ایک جانباز کی حیثیت سے سپہ گری کی زندگی شروع کی اور بھوپال کے علاوہ کھیچی واڑا (مالوہ) میں نوکری کرتے کرتے ۱۷۹۹ء ۱۲۱۴ھ میں جسونت راؤ ہولکر کے داہنے ہاتھ بنے اور چند سالوں تک ہولکر کے ساتھ ایک جان دو قالب رہ کر ہولکر کے ۱۸۰۵ء ۱۲۲۰ھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ صلح نامہ کر لینے پر ہولکر کے متوازی اپنی الگ پہچان بنا کر زندگی شروع کی پچھلے سالوں میں امیر خاں نے فوج اچھی بنالی تھی جس سے انگریز کمپنی بھی متاثر تھی۔ مرہٹوں (سندھیا و ہولکر)

کا فوجی طریقۂ کار امیر خاں نے اُتار لیا تھا اور پنڈاریوں کے یک گونہ سردار مانے جاتے تھے مرہٹوں کے مقابلے میں ایک کمزوری جو امیر خاں میں تھی وہ یہ کہ اُن کے پاس کوئی ریاست نہ تھی ایک دُو پرگنے (سرونج، ٹونک) جو ہولکر سے ملے تھے وہ امیر خاں کا فوج خرچ کیسے پورا کر سکتے تھے لہٰذا مرہٹوں کے طرز پر جنگی محصول کی تحصیل کرنا اور تاخت و تاراج سے گذارہ تھا۔ اس کے علاوہ مرہٹوں نے پچھلی نصف صدی میں راجستھان کی خانہ جنگیوں اور رئیسوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اُن کی آپسی پرخاش میں کسی ایک فریق کا حمایتی بنکر رقم وصول کرنے کو اپنے ایک فن کا درجہ دے چکا تھا اُسی طرز پر امیر خاں ۱۲۲۰ھ ۱۸۰۵ء سے اپنی روش کا آغاز کر چکے تھے۔ اب ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء میں جے پور، جودھپور کی رقابت میں اَڑے اگر اوّل جگت سنگھ کو اپنا امیدوار بنایا اور اب جگت سنگھ کو چھوڑ کر دوسرے فریق مان سنگھ کے بگڑے حالات کو سُدھارنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تو کچھواہا راٹھوڑ پارٹی بندی میں پانسا ہی پلٹ گیا اور سوائی سنگھ کا بنایا بنایا کھیل بگڑ گیا سوائی سنگھ نے ہارے داؤں پر خود امیر خاں کی مدد کی پیشکش کو قبول کیا، کیا کر اپنی ہستی کو ہٹا ڈالنے کا موقع امیر خاں کو دیا جس سے کہ

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ۔۔۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امیر خاں کی جے پور پر گولہ باری کی خبر پاتے ہی جگت سنگھ کے اوسان خطا ہو گئے اور جودھپور کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگتے ہی بنی۔

آخری تواریخ ناگور: اب آخر میں تواریخ ناگور کا فارسی ماخذ اس موقع پر منشی بادن لال کا امیر نامہ ہے جو بڑھاپے میں ٹونک کے نواب بننے پر واقعات کے اوقات کے برسوں بعد نواب امیر خاں نے املا کرایا تھا۔ ساتھ ہی بادن لال نے جو امیر خاں کے نائب میر منشی تھے اپنی طرف سے نمک مرچ ملا کر پیش کیا ہے اور چونکہ نواب کے نوکر تھے۔

تھے بعض اوقات مسٹر منٹگمری روایات اپنے آقا کی بدنامی کو بچانے کے لئے جوڑ رکھی ہیں مثلاً یہ کہ نواب نے ٹھاکر سوائی سنگھ کو دغا سے مارا۔ اس کی وجہ یہ دکھلائی ہے کہ ٹھاکر خود نواب کی جان کا گاہک تھا اور خفیہ طور پر نواب کے قتل کے درپے تھا۔ اسکے علاوہ بساون کا طرز تحریر مبالغہ آمیز اور نہایت درجہ آتش بیان ہے تاہم امیر نامہ میرے لئے واحد ماخذ ہے جس کے بغیر گذارا نہیں ہے لہٰذا پورے قضیے کا باواسطہ نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے ہی گنگولی کے میدان جنگ سے مان سنگھ اپنا پورا لوازمہ چھوڑ چھاڑ بھاگے کہ دشمن نے ناگور علاقے کے پرگنوں پر قبضہ کرتے ہوئے اپنے کو ناگور خاص اور قلعے پر پہونچا دیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس جب خود اُن کو جودھپور قلعے کے پائین سے بھاگنا پڑا تو جگت سنگھ تو گئے اپنے گھر کی حفاظت کے لئے اور سوائی سنگھ نے بچے دھونکل سنگھ کو لاکر ناگور قلعہ میں رکھا اور خود نے بھی قلعہ کی سکونت اختیار کی اس طرح پورے ایک سال تک مارچ ۱۸۰۷ء ۱۲۲۲ھ سے مارچ ۱۸۰۸ء ۱۲۲۳ھ تک ناگور قلعے کے مالک مختار دھونکل سنگھ کے نام سے سوائی سنگھ ہی رہے اور آخر کی نقل و حرکت کا مرکز امیر خاں اور سوائی سنگھ دونوں کا صدر مقام ناگور رہی بنا جہاں سے چند میل پر مونڈوا میں امیر خاں کا پڑاؤ تھا۔ امیر خاں کے نمایندے نے تارکین صاحب کی درگاہ میں حلفیہ بیان دیا کہ مان سنگھ کا ساتھ چھوڑ کر اب امیر خاں دھونکل سنگھ کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ امیر خاں نے بھی بعوض چالیس لاکھ روپیہ دھونکل سنگھ کو راجہ بنانے کا قول و قرار کیا اور پھر ہوا جو کچھ ہوا سوائی سنگھ کے مارے جانے پر اُن کا بیٹا سالم سنگھ دھونکل سنگھ کو لیکر ناگور کا قلعہ چھوڑ کر پوکھرن چلا گیا اور بیکانیر و روپ نگر کے رئیسوں نے بھی اپنی اپنی راہ لی۔
نواب امیر خاں صاحب نے شہر کو اچھی طرح لوٹا اور اُن کے مقرر کردہ کوتوال نے بھی فتح کی یادگاروں میں سوائی سنگھ کی تین سو بندوقیں تھیں جن پر قبضہ کر لیا مسجد تارکین درگاہ کے اندر بعد میں بنائی گئی بلکہ کتارے میں امیر خاں کی زندگی میں ٹونک کے نواب

ہونے پر، انقلاب آگیا اور خیرات کے کاموں میں روپیہ خرچ کرنے کے علاوہ خود بھی
ایک متقی عبادت گذار کی زندگی گذارنے لگے اور اسی توبہ کی حالت میں موت واقع ہوئی
سنہ ۱۲۵۰ھ م ۱۸۳۴ء میں مرض استسقا سے۔ (وقائع راجستھان نجم الغنی ص ۲۳۰)

اس جرم پر معاصرین انگریزوں کی تنقید نہایت سخت ہیں۔ لیکن منشی دیبی پرشاد
تاریخ ٹھکانہ پوکھرن کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ "سوائی سنگھ وغیرہ نمک حرامان مارواڑ
کو اس طرح مارنے سے نواب امیر خاں پر بے رحمی اور حرام زدگی وغیرہ کا الزام لگانا پرنسپ
صاحب کی خوش خیالی ہے ورنہ اگر انصاف سے نظر کی جائے اور سوائی سنگھ وغیرہ کی
بداعمالیاں تواریخ مارواڑ میں دیکھی جائیں تو واقعی وہ اسی سزا کے مستوجب تھے۔
جنھوں نے اپنے مالک مہاراجہ مانسنگھ کو بھروسا دے کر دغا دی اور غیروں کے ہاتھوں
سے اپنے ملک کو تباہ کرایا۔ وہ ہرگز اس رحم اور افسوس کے لائق نہ تھے جو پرنسپ صاحب ان
کے واسطے کرتے ہیں۔ یہ کاروائی بظاہر سخت معلوم ہوتی ہے مگر اس سے ان لوگوں کا
قلع قمع ہوگیا جو بانی فساد تھے یا ان کے جال میں پھنسے ہوئے تھے"

(افتخار التواریخ حاشیہ ص ۲۵۳)

قتل کے بعد امیر خان نے چاروں سرداروں کے سر اونٹھ کی سواری پر منشی ہمت
رائے اور پنچولی انوپ رام (وکیل مہاراجہ) کی معرفت جودھپور بھیجدیئے۔ ناگور کیمپ
کے چاروں ذمہ دار بیکانیر کو بھاگ نکلے۔ سوائی سنگھ، گیان سنگھ، کیری سنگھ اور
بخشی رام چاروں مقتول سرغنوں نے اپنی نقل و حرکت کو بڑا کام قرار دے رکھا تھا۔
جو خاک میں مل گیا۔ امیر خاں نے مختار الدولہ اور کرنیل راجہ موہن سنگھ کی کچھ پلٹنیں ناگور
میں محمد غفور خاں کے پاس چھوڑیں، جس کو ناگور کا قلعدار بنا دیا تھا۔ اور جودھپور
کے لئے روانہ ہوگئے جہاں باضابطہ شہر ناگور و قلعہ مہاراجہ کے آدمیوں کو سونپا۔
مہاراجہ نے ان کو جودھپور قلعے کی تلیٹی کے ایک سنگ مرمر حویلی میں ٹھہرایا۔

اور بلا تاخیر قرار شدہ پینتیس ۳۵ لاکھ کی آدھی رقم ادا کی۔ مارواڑی ماخذ کیمطابق مہاراجہ نے پربت سر۔ ماروٹ، ڈیڈوانہ۔ سانبھر، ناوا، اور کوبیا۔ کے پرگنے امیرخاں جی کے خرچ کے واسطے نامزد کردیئے اور مہاراجہ نے ایک دوہا بھی کہا: بیری مارں امیرخاں، راج کرن اندر راج میں تو سرنے ناتھ کے ناتھ سدھارے کاج۔

ترجمہ:۔ میرخاں دشمن کا قاتل ہے اور راج کرنیوالا اندر راج ہے۔ میں تو ناتھ کی کی پناہ میں ہوں۔ ناتھ ہی کام کے سدھارنے والے ہیں۔) اس کے بعد کسی بات پر ترش رو ہوکر امیرخاں راجا موہن سنگھ اور مختارالدولہ دونوں اپنے آدمیوں کو رقم وصولی اور تاخت و تاراج کا کام بتاکر جے پور کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر راقم الحروف کو اتنی بات کا اضافہ کرنا ہے کہ امیرخاں ۱۸۰۸ء ۱۲۲۳ھ میں اپنے اقتدار کے بام عروج پر تھے۔ زبانی روایات کے مطابق امیرخاں نے اراضی جاگیر کے پاٹ پیرزادوں کو دیئے تھے جس کو آج دکھلانا ان کے لیے باعث ہتک ہے۔ پٹھانوں کو بھی میڑتہ میں اراضی بخشی اور اُن کے خسر محمد ایاز خاں کی جاگیر پہلے ہی سے موںڈوا میں تھی۔ حتیٰ کہ ناگور سے ملحق جایل بھی امیرخاں کی جاگیر میں تھا۔ ۱۸۰۸ء کے بعد کا زمانہ دیوان اندر راج کا زمانہ ہے۔ تین سال تک امیرخاں باہر رہے ۱۸۱۲ء ۱۲۲۷ھ میں مان سنگھ نے اجمیر سے امیرخاں کو بُلا کر کہا کہ میں دیوان سنگی اندر راج سے تنگ ہوں۔ سب اختیارات اُس نے غصب کر رکھے ہیں۔ راٹھور سردار بھی حتیٰ کہ مہارانی اور ولی عہد چھتر سنگھ بھی اندر راج کے قتل کے درپے تھے۔ چنانچہ اندر راج اور اندر راج کے ساتھ گرو دیوناتھ دونوں کو امیرخاں کے اشارے پر اُن کے سپاہیوں کے ایک جھتے نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُس کے بعد ہی امیرخاں نے جودھپور سے بے تعلقی کر لی تب۔ اور مان سنگھ پاگل بن گئے البتہ امیرخاں کی کی قیادت مارواڑ پر ۱۸۱۷ء ۱۲۳۳ھ تک بنی رہی۔

ناگور اور قلعہ پر دسونکل سنگھ کے نام سے سوائی سنگھ کا ایک سالہ عمل جس الیہ کے

ساتھ ختم ہوا اُس کا ماجرا ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد سوال یہ اُٹھتا ہے کہ سوائی سنگھ تو سب سرغنوں کے سردار تھے اس میں کوئی شک نہیں مگر سوائی سنگھ کے ہمنوا جگت سنگھ۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ مان سنگھ اور اُن کے ایجنٹ امیر خاں ناگور کے مونڈوا کانڈ کی ذمہ داری سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ آخر میں اس ذمہ داری کا پرتو انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی پر بھی پڑتا ہے کہ ۱۸۰۳ء / ۱۲۱۸ھ سے راجستھان کے رؤسا باہمی صلح نامے کی تجویز پیش کرتے رہے مگر کمپنی انگریز بہادر کی باگ ڈور لندن میں ڈائرکٹروں کے ہاتھ میں تھی بھلا مسٹر میکاف ریزیڈنٹ دلی کی کون سنتا تھا لہٰذا ۱۸۰۸ء / ۱۲۲۳ھ سے ۱۸۱۱ء / ۱۲۲۶ھ کا زمانہ راجستھان میں اقتدار اعلیٰ کے نہ ہونے سے امیر خاں کو چھوٹ تھی کہ اُن کی امدادی فوج جو کچھ کرے وہ تھوڑا ہے۔ مہاراجہ مان سنگھ کا افغان فوج کے بارے میں اپنا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ ۱۸۱۲ء / ۱۲۲۷ھ کے بعد ۱۸۱۵ء / ۱۲۳۱ھ میں امیر خاں کا مارواڑ آنا پایا جاتا ہے۔ اُس کے بعد ۱۸۱۸ء / ۱۲۳۴ھ میں انگریزوں سے اُن کا صلح نامہ ہو گیا اور وہ ٹونک ریاست کے نواب با اختیار تھے۔ البتہ اُن کے کمپوؤں کے بریگیڈیر من مانے طور پر اپنا کام کرتے رہتے تھے۔

انگریزی عہد کے بعد پوری انیسویں صدی میں صرف ایک بار ناگور کا ذکر مارواڑ کے سرکاری اتہاس میں ضمناً آیا ہے کہ "مہاراجہ بخت سنگھ ۱۸۴۳-۷۳ء ۱۸ جولائی ۱۸۷۲ء / ۱۲۸۹ھ میں جس وقت آبو پر تھے، اُس وقت کچھ جاگیرداروں کی ملاوٹ سے دوئم مہاراج کمار زوراور سنگھ جی نے ناگور کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ باوجود اسکے کہ یہ مہاراج کے دوئم فرزند تھے لیکن اُن کے جودھپور رگود آنے کے بعد پہلے پہل انہیں کا جنم ہوا تھا۔ اسی سے یہ راجیہ میں دوسرے بھائیوں سے اپنا حق خاص سمجھتے تھے۔ اس معاملے میں ناگور پرانت کے کھاٹو، اگوتا اور ہرسولاؤ وغیرہ کے ٹھاکر بھی شریک تھے۔ اس کی اطلاع پاتے ہی مہاراج اور پولیٹیکل ایجنٹ کپتان امپے لوٹ کر جودھپور آئے اور بھادوں (اگست) میں یہاں سے ناگور گئے پہلے تو زوراور سنگھ جی نے اُن کا سامنا کرنے کا وچار کیا لیکن آخر میں سمجھانے سے وہ قلعہ

چھوڑ کر پتا کے پاس چلے آئے۔ اس کے بعد مہاراج انہیں لیکر بھادو (ستمبر) میں جودھپور لوٹے۔ ناگور پرانت کے جن جاگیرداروں نے مہاراج کمار کا ساتھ دیا تھا، وہ بھی ان (زورآور سنگھ جی) کے ساتھ تھے لیکن جب ان میں سے اگوتا کے ٹھاکر کو پکڑ کر قید کر دیا گیا تب مہاراج کمار زور آور سنگھ جی اجمیر چلے گئے اور اس کے بعد کچھ دن تک انہیں وہیں رہنا پڑا۔ اس بیچ سرکاری فوج نے جاگیر کٹھاٹو پر قبضہ کر لیا لیکن یہاں کا ٹھاکر بچ کر نکل گیا۔"

(مارواڑ کا اتہاس، صفحہ ۴۵۹-۶۰)

آزادی ۱۹۴۷ء ۱۳۶۷ھ

آزادی کے بعد ناگور کا ضلع تو قائم رہا جس طرح کہ ریاست جودھپور کے دور میں تھا مگر قلعہ ناگور مہاراجہ صاحب کی ملکیت و تحویل میں رہا اور مہاراجہ کی طرف سے ناگور قلعہ میں بارڈر سیکورٹی فورس اور راجستھان انگزیلیری ٹور کے نوجوان کے لئے رہائش کا سامان کر دیا گیا تھا۔ موجودہ وقت میں مہاراجہ گج سنگھ جی II دوم ٹورسٹ بورڈ یا کارپوریشن راجستھان کے صدر ایں۔ پبلسٹی (تشہیر) وغیرہ کے لئے تو بعض بین الاقوامی اداروں سے مدد مل جاتی ہے اور بعض ماہرین فن مصوری یا ماہرین فن تعمیر کی دلچسپی سے ناگور میورلس، یا ناگور ہسٹری اینڈ آرکیٹکچر، جیسی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر قلعہ کی مرمت اس وقت کی سخت ضرورت ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ سری مہاراجہ کی طرف سے اس کا بھی انتظام کسی حد تک ہو جائیگا اور یہ قلعۂ ناگور جو پندرہ سو برس کی پرانی یادگار ہے۔ جواب صرف مہاراجہ کی وراثت ہے۔

مہران گڑھ میوزم ٹرسٹ کے زیر اہتمام محفوظ و مقفوظ رہے گا۔ اس وقت ایک مختصر اسٹاف جناب متور سنگھ جی کی قیادت میں سیاحوں اور تماشائیوں کی رہنمائی کیلئے تعینات ہے لیکن عہد شاہجہانی سے لیکر بخت سنگھی زمانے کی ایک صدی کی

یادگاریں جو اچھی خاصی حالت میں ہیں شدید بارش کی زد میں آکر مرمت طلب ہو رہی ہیں اور دیوار کی تصویروں کا معاملہ تو نہایت ہی نازک اور خرچیلا ہے۔ پورے قلعۂ ناگور کی دُہری دیوار شکستگی کا شکار ہو کر فریادی ہو رہی ہے۔

ناگور زندہ باد! ناگور زندہ باد! ناگور زندہ باد!

جلد سوم تمت تمام شد۔ کارِ من نظام شد۔ شیطانِ من غلام شد۔

تتمّہ

ہندو سماج

ہندو سماج کے بارے میں لکھنے کیلئے مجھکو اپنی تحریر کا آغاز اُس وقت سے کرنا ہوگا جب گیارہویں صدی عیسوی میں غزنوی ترکوں کے پے درپے حملوں کے دوران میں ۱۰۵۰ء کے لگ بھگ ایک حملہ آوروں کی فوج غالباً ہانسی سے بھٹک کر بیکانیر کے علاقے میں دَدریوا کے ٹھکانے کی طرف آنکلی۔ دَدریوا کا حکمراں، قوم کا کیہی چوہان، گوگا نامی تھا۔ اسّی سالہ سپہ گر جس کی اولاد کل ملاکر "سیکڑے" کو پہونچ گئی تھی یہ بھدرا نیا خاندان یعنی بھدرانیا (ناگور) سے آکر نوآباد ہوا تھا اور اب اُس نے گاؤ کُش تُرک فوجیوں کے ہاتھ سے گایوں کا گلہ چھڑانے کیلئے اس قدر سعی کی کہ پوری دُدریوا کی بھدرانیا برادری نے اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کر لیا۔ اُس کے بعد اس قربانی کے صلہ میں سماج نے ددریوا کے رئیس کو ایسی عزّت دی کہ آج تک یہ گوگا دیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور اس کی پوجا ہو رہی ہے۔

دوسرے پُروج ناگور کے پاس موضع کھرنال کے رہنے والے تیجاجی جاٹ ہیں۔ انکی جاٹ برادری راجپوتوں کی ہمسری کرتی تھی اور آج بھی کرتی ہے۔ الگ بھگ ۱۰۷۳ء سے لگ بھگ ۱۱۰۳ء) اُنہوں نے بھی مسمّات لچھا گوجری کی گایوں کو میر قوم کے

آدی واسیوں سے چھڑانے کی بدولت سماج میں برتری حاصل کرکے اپنے کو اس کا مستحق بنایا کہ اُن کی پوجا کی جائے جو آج تک ہو رہی ہے۔

مندرجہ بالا دونوں مثالیں گائے کے محافظوں کی ہیں۔ ایک اور مشق سماج میں نربلی کی بیماری تھی یعنی اچھوت قوموں میں سے جاندار کو دیوی دیوتا کے سامنے لیجا کر جان ہار (قربان) کر دینا۔ تعجب ہے کہ ہندو سماج کے اس انسان کش عمل کو جین قوم کے با اثر سیٹھوں نے رکوا کر اپنی اہنسا (عدم تشدد) کے عمل کو کیوں نہیں چار چاند لگائے۔ بات یہ ہے کہ اسی وقت جین سماج میں دھرم پرچار کے عمل سے بے پرواہی معلوم ہوتی جا رہی تھی البتہ صوفیوں میں تبلیغ کا عمل دخل برابر چل رہا تھا۔ اوّل تو مرکزی راجستھان میں شیخ حمید الدین ریحانی کی تشریف آوری ہوئی (۱۰۷۹ - ۱۲۷۴ء) میں مگر وہ گھل مل کر جین سماج ہی کے ہو کر رہ گئے۔ اُن کے آخری زمانے میں شیخ محمد بن عطار کو اس عمل صالح میں ہاتھ ڈالنے کا موقع قضا و قادر کی طرف سے مرحمت ہوا (۱۱۹۲ - ۱۲۷۴ء) اس کے بعد پابوجی (پیدائش ۱۲۳۹ء) اور دیوجی (پیدائش لگ بھگ ۱۲۴۳ء) جیسے لوک دیوتا صوفی حمید الدین ناگوری رح کے جونیئر ہم عصروں میں ہو اُنہوں نے بھی مارواڑ کے علاقے میں عوامی دیوتا کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ بالآخر جب شیخ محمد بن عطار دوبارہ ناگور تشریف لاکر قاضی حمید الدین ناگوری بنے اور تیسری مرتبہ یہی حمید الدین ناگوری قاضی کے مرتبے سے بڑھ کر سہروردی پیر و مرشد ہوئے تب البتہ اچھوت قوم سے ہونہار مرید کو چن چن کر خلیفہ کا درجہ دیا۔ جولاہے ہوں یا قصاب یا اور کوئی۔ کیا ہم ہندو سماج میں اس بات کو سماجی اصلاح نہیں کہہ سکتے؟ فرق اتنا ہی ہے کہ یہ کام ہندو دستوں کے ہاتھوں نہ ہوکر مسلمان صوفیوں کے ذریعہ عمل پذیر ہو رہا تھا۔ عرضیکہ ہندو قوم کے نیتا (برہمن) تو خواب غفلت میں پڑ کر بے فکر بلکہ لاپرواہ ہو رہے تھے یا کہ اُن پر دو جگوں سے چلا آ رہا چاتر ورن (اجازت نہیں دیتا تھا کہ شودروں سے

سے نیچے درجے کے پیشہ ور لوگوں سے اُن کی سماجی بہبودی سے متعلق کوئی واسطہ رکھیں
جو حالات راجستھان میں تھے وہی گنگا جمنا کے دوآبے میں تھے جہاں سب سے پہلے گرو
رامانند جیسے بھلے برہمن رفارمر نے اُن تیجوں (اچھوتوں) کو للکارا اور آگے بڑھکر اُن کو
اپنے سایۂ عاطفت میں لیکر اُن کے احساس کمتری کو دور کیا نتیجتاً اُن کے انیائی خاص
جولاہے کبیر (نیم مسلم نیم گورکھ ناتھ) سنت کبیر داس بن کر اُبھرے ٹھیک اسی وقت
یہی کام راجستھان میں ہوا بڑا فرق یہ تھا کہ راجستھان میں صوفیوں کے اللہ کی واحدنیت
کو راجپوتوں نے برحق سمجھ کر اُس کی دھرم پرسار کا بیڑا اُٹھایا اور ایسے راجپوت سنت
ایک سے زیادہ ہی تھے۔ یہ کام خواہ بنارس ہو خواہ مارواڑ (سوالکھ) دونوں جگہ اُس وقت
ہوا جب پانی سر سے اوپر پہونچ چکا تھا یعنی ایک صدی کے اندر حضرات صوفیائے کرام،
سلطان التارکینؒ سے لیکر حضرت بابا اسحٰق مغربی شاہ (کھاٹو) تک اپنا کام کر چکے تھے۔
واحدانیت کی ترویج و اشاعت کے لیے راستہ صاف تھا جس کے لئے انہی بزرگوں کو
کریڈٹ (نسبت) دینا پڑیگا۔ بہر حال ناگور اور کھاٹو کے درمیان جو وحدت پرستی کا کام
تیرہویں صدی چودھویں صدی کے درمیان ہوا وہ اپنا رنگ لایا۔ صوفیوں کا اشارہ
تنبیہہ یا ہدایت پاکر راجپوت طبقے کے عوامی دیوتا جیسے مّلی ناتھ جی (۹۹-۱۳۵۸ء میں)
رام دیو جی (ف ۱۴۵۸ء) اور ہر بھوجی (جو رام دیو جی اور جودھپور کے راؤ جودھا جی
راٹھوڑ کے ہم عصر قرار پاتے ہیں) اپنی نقل و حرکت کو نئے سانچے میں ڈھال کر سماج سُدھار
کا کام اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں خاص کر مّلی ناتھ جی اور رام دیو جی نے کسان طبقے
میں اور اِن تیجوں میں ایک ایشور واد کا بیج بویا جو ویدوں سے شروع ہو کر اپنشدوں
تک چل چکا تھا مگر رامائن مہابھارت کے زمانے میں اوتار واد نے اُسکی جگہ لے لی تھی۔
ہر بھوجی تو ناگور خطے میں بھندیل سے تعلق رکھتے ہیں اور رام دیو جی پوکرن سے علیٰ ہٰذا القیاس
مّلی ناتھ جی بھی مارواڑ ہی کے پیدا وار ہیں۔ پابوجی کا ازدواجی رشتہ جایل (ناگور) سے

تھا۔ غرضیکہ یہی علاقہ دو صدیوں سے سہروردی، چشتی اور مغربی سلسلوں کا روحانی جولان گاہ رہ چکا تھا۔

ہربھوجی کا رابطہ جودھپور ریاست کے بانی جودھاجی راٹھوڑ سے اس طور پر رہا تھا کہ جودھاجی کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ اُن کو منڈور کو سیسودیوں سے چھڑانے میں ہربھوجی کی مدد اور بردان شامل حال تھا۔ ہربھوجی کا خاص تکیہ بنگٹی کا گاؤں تھا۔ (پھلودی تحصیل میں) جو جودھاجی راٹھوڑ نے دان میں دیا تھا جہاں پر اُن کے آثار میں اُن کی گاڑی اور مندر، جو مہاراجا اجیت سنگھ نے سمبت (۱۷۷۸-۱۷۲۱) میں تعمیر کیا تھا، موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ عوامی دیوتا اور گائے کی محافظت کے لئے اٹھے تھے۔ آگے چل کر کسانوں اور ان تیجوں کی روحانی ہدایت کے لئے ان بزرجوں نے ضروری سمجھا کہ بُت پرستی اور جات پات کی بجائے لوگ گرو پرستی کے تحت ہریجنوں) سے محبت کریں اور ایک خدا کی پوجا کریں۔ بہت دیر نہیں لگی کہ مارواڑ کے دھناجی اور ان سے بڑھکر بارُوتی (مالوہ) کے پیپاجی کھیچی نے بنارس کے گرو رامانند کے مشن کو راجستھان کے علاوہ گجرات اور مالوہ کے علاقوں میں پھیلا دیا خاص کر رام سنیہی مارگ اپنے کو رامانند سے منسوب کرتے ہیں آگے چل کر راجستھان میں دادو جی نے سولہویں صدی میں اپنے کو کبیر داس سے منسوب کیا اور سنت ریداس (چمار) کو راجستھان میں بڑی ہردل عزیزی حاصل ہوئی۔ راجستھان کا عام طور پر مارواڑ کا خاص طور پر رامانندی ترقی پسندوں کے ساتھ گہرا رابطہ رہا تھا۔ لہٰذا کوئی تعجب نہیں ناگور پرگنے کے پیپاسر گاؤں کے راجپوت سنت جمبھوجی (۱۴۵۱ - ۱۵۳۶) نے اپنے بشنوئی سماج کے ذریعے کبیر کے بے تکلفانہ طرز گفتگو میں ہندو تو اور اسلامی توحید کو ایک واحد پلیٹ فارم پر رکھکر دونوں کے درمیان عام ہے۔ یکسانیت لانے کیلئے اپنی زبان میں یہ فرمایا کہ پتاسر دشکتی مان خدا دونوں کے درمیان عام ہے خواہ اسے اللہ کہکر پکارو خواہ ایشور کہو۔ یہی الفاظ جمبھوجی کے بعد دادو نے بھی اپنی بانی میں

استعمال کیئے ہیں انکی تعلیم و تلقین سے ہندو سماج میں نرگن واد، اور سگن واد یعنی ایک ایشور کے معتقدوں اور بنیاد پرستوں کے دو مکاتب فکر جانے لگے بنیاد پرستی کی مثال میڑتہ (ناگور) کی وہ کرشن پرست راجپوتنی شاعرہ خاتون ہیں جنکا نام نامی اسم گرامی کسی صوفی بزرگ کے نام سے مستعار لیکر "میراں بائی" رکھا گیا تھا۔ [1]

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "مادھیہ کالین راجستھان میں دھارمک آندولن"
از ڈاکٹر پیمارام

فہرست کتب حصہ سوم ۳

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف	صفحہ	نام کتاب	نام مصنف
۱	اکبر نامہ	ابوالفضل	۲۰	دربار اکبری	مولانا محمد حسین آزاد
۲	آئین اکبری	ابوالفضل	۲۱	آئین اکبری	ابوالفضل
۳	دی ریسرچر کتبات	ڈاکٹر ڈیسائی	۲۲	تزک جہانگیری	سلیم جہانگیر
۴	کتاب رگھوبیر سنگھ		۲۳	مآثر الامرا	غلام علی آزاد بلگرامی
۵	طبقات اکبری	نظام الدین	۲۴	احسن السیر	محمد اکبر جہاں شگفتہ
۶	اکبر نامہ	ابوالفضل	۲۵	بادشاہ نامہ	عبدالحمید لاہوری
۷	اقبال نامہ	〃	۲۶	کوائنسل آف مارواڑ	پنڈت وشیشور ناتھ ریو
۸	کیفیات بانکے داس	بانکے داس	۲۷	گورنر آف مارواڑ	
۹	ہسٹری آف ناگور	ڈاکٹر حلیم صدیقی الہ آبادی		اسٹڈیز گورنس	پنڈت وشیشور ناتھ ریو
۱۰	آئین اکبری	ابوالفضل		راٹھور	او
۱۱	آئین اکبری	〃	۲۸	ٹاڈ راجستھان	کرنل ٹاڈ
۱۲	راجپوتانے کا اتہاس	ڈاکٹر شری گوری شنکر	۲۹	دی ریسرچر کتبات	
۳		ادھا اور مہ پوری		راج واکر	ڈاکٹر زیڈ اے دیسائی
۱۳	آئین اکبری	ابوالفضل	۳۰	مآثر عالمگیری	مورخ ساقی مستعد خاں
۱۴	مغل انڈیا	مستاکت کھتری ایم اے			محمد
۱۵	ہسٹری آف انڈیا		۳۱	مآثر عالمگیری	مستعد خاں محمد ساقی
۱۶	دربار اکبری	مولانا محمد حسین آزاد	۳۲	تذکرۃ السلاطین	
۱۷	دربار اکبری	〃		چغتائی فارسی	از محمد ہادی
۱۸	تزک جہانگیری	بادشاہ جہانگیر سلیم	۳۳	لیٹر مغلس جلد دوم	
۱۹	منتخب التواریخ	ملا بدایونی		انگریزی	ولیم اروائن

شمار نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۳۴	جنرل آف انڈین ہسٹری مدراس ۱۹۳۷ء	مورخ پنڈت وشیشور ناتھ ریو
۳۵	پوروا آف ٹھنک راجستھان	ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ
۳۶	ٹاڈ راجستھان، اردو	کرنل ٹاڈ
۳۷	مرأۃ احمدی	محمد رضی الحق عباسی
۳۸	سیرۃ المتاخرین	غلام حسین طباطبائی
۳۹	ناگور قلعہ ری وگت ہندی	ڈاکٹر ڈی، بی، سیر ساگر
۴۰	مارواڑ را پرگنہ ری وگتا کھیات	نینسی
۴۱	گزیٹر ناگور	
۴۲	مرأت سکندری فارسی مطبوعہ	حسن مآب سکندر ابن محمد منجھو
۴۳	ہسٹری آف ناگور ہندی	ڈاکٹر محلیم صدیقی الہ آبادی
۴۴	جودھپور راجیہ کا اتہاس	از ڈاکٹر شیودت دان بارہٹ
۴۵	فال آف دی مغل ایمپائر	
	باب ۱۸	
۴۶	سلیکٹڈ مسلم انسکرپشن آف راجستھان ۱۹۷۱ء	ڈاکٹر زیڈ، اے دیسائی
۴۷	ایپی گرافیا انڈو موسلیکا ۵۰-۱۹۴۹ء	ڈاکٹر اے چغتائی پونا
۴۸	کتاب ناگور جو راسی	مورخ نینسی
۴۹	طبقات ناصری	منہاج سراج
۵۰	سروے کیچی چوہان ہسٹری	پروفیسر اختر نظامی
۵۱	فوائد الفواد۔ ملفوظ	حضرت نظام الدین اولیاء
۵۲	تاریخ ناگور انگریزی	ڈاکٹر مہرداد شکوہی لندن
۵۳	اکبر نامہ	ابوالفضل
۵۴	امیر نامہ	منشی بساون لال
۵۵	افتخار التواریخ	
۵۶	انڈیا آف اورنگزیب	ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار

فقیر حقیر پیر صوفی محمد ایوب تارک سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت صوفی حمید الدین رح

مورخ ناگور۔ راجستھان کی غیر مطبوعہ تصانیف

(۱) سیرت صوفی حمید الدین علیہ الرحمۃ منظوم

(۲) سرور الصدور و نور البدور ملفوظ صوفی حمید الدین رح اردو ترجمہ

(۳) شجرۃ الصوفیہ اردو

(۴) اوراد و وظائف ــــــ صوفی حمید الدین علیہ الرحمۃ

(۵) دیوان۔ مجموعۂ کلام تارک ناگوری

(۶) انتخاب : رسالہ سوال و جواب۔ صوفی حمید الدین رح ناگوری فارسی

(۷) انتخاب : رباعیات۔ " " " " "

(۸) انتخاب : غزلیات صوفی۔ " " " " "

(۹) انتخاب : رباعیات فریدی حضرت فرید الدین چاکران رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰) انتخاب : غزلیات تصوف "

(۱۱) مجموعۂ مکتوبات : صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ

تبرکات سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح

(۱) تسبیح پانسو ایک دانہ والی

(۲) نقشین قرآن شریف

(۳) قلمی شجرۂ انساب کپڑے پر۔ فارسی تصنیف صوفی حمید الدین ناگوری رح

(۴) نقشین قلمی مجموعۂ درود شریف صوفی حمید الدین

(۵) قلمی نقشہ علم الفرائض کپڑے پر تصنیف صوفی حمید الدین ناگوری رح